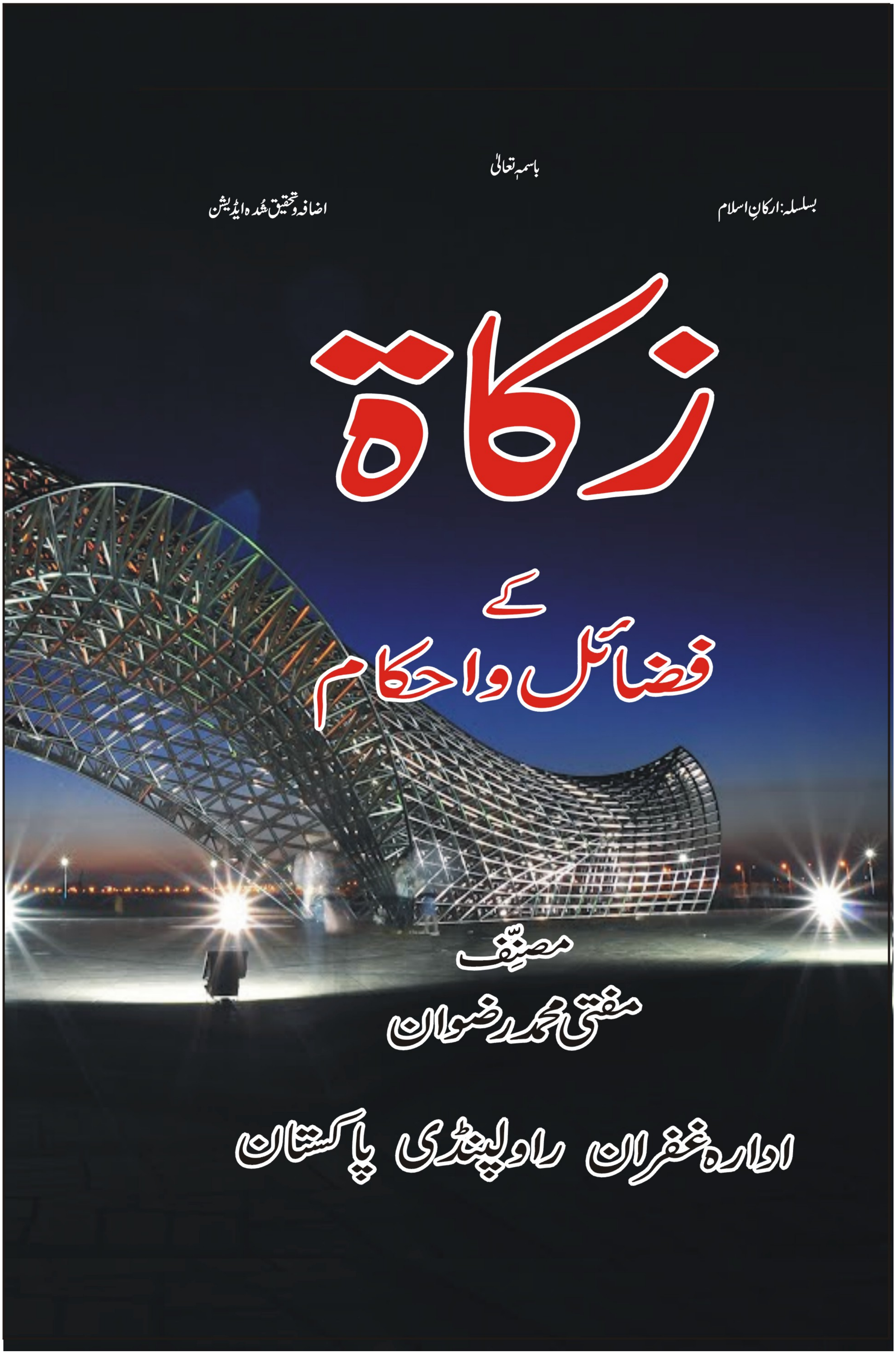
باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ: ارکانِ اسلام

اضافہ وتحقیق شدہ ایڈیشن



زکاۃ

کے فضائل واحکام

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: ارکانِ اسلام

اضافہ وتحقیق شُدہ دوسرا ایڈیشن

زکاۃ

کے

فضائل واحکام

قرآن وسنت اور اسلامی فقہ کی روشنی میں زکاۃ کی فرضیت واہمیت

زکاۃ کے فضائل وفوائد، ترکِ زکاۃ کے نقصانات اور وعیدیں

زکاۃ کی اقسام، سونے چاندی، مالِ تجارت اور کرنسی کی زکاۃ

سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے قدیم وجدید مفصل ومدلّل باحوالہ احکام

زکاۃ کے متعلق اہم امور ومسائل پر علمی وتحقیقی کلام

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: زکاۃ کے فضائل واحکام

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اول: شعبان ۱۴۳۰ھ اگست 2009ء، طباعتِ دوم: رمضان ۱۴۳۵ھ بمطابق جولائی 2014ء

صفحات: ۸۷۲

ملنے کے پتے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(فصل نمبر۵)

(حصہ دوم) (باب نمبر۱) **مالِ نامی کی دوسری قسم کی زکاۃ کے احکام** (یعنی سائمہ جانوروں کی زکاۃ سے متعلق احکام)	۵۸۰
(فصل نمبر۱) **سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کی شرائط**	۵۸۱
مسئلہ نمبر۱......سائمہ جانور، قربانی کی جنس والے جانوروں کے ساتھ خاص ہیں	//
مسئلہ نمبر۲......قربانی کون سے جنس کے جانوروں کی جائز ہے؟	۵۸۲
مسئلہ نمبر۳......گھوڑوں کے سائمہ جانوروں میں داخل ہونے میں فقہاء کا موقف	//
مسئلہ نمبر۴......سائمہ جانوروں کے لئے پالتو اور گھریلو جانور ہونا ضروری ہے	۵۸۴
مسئلہ نمبر۵......مختلف جنس کے جانوروں کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور کا حکم	//
مسئلہ نمبر۶......سائمہ جانوروں کے لئے نصاب کے بقدر ہونے کی شرط	۵۸۶
مسئلہ نمبر۷......سائمہ جانوروں کے لئے سال گزرنے کی شرط	//
مسئلہ نمبر۸......سائمہ جانوروں میں ''سوم'' کی شرط اور ''سوم'' کا مطلب	//
مسئلہ نمبر۹......سائمہ جانوروں میں خود سے چَر کر کھانے کی شرط	۵۸۹
مسئلہ نمبر۱۰......دودھ حاصل کرنے یا موٹا تازہ کرنے یا نسل بڑھانے کی شرط	۵۹۰
مسئلہ نمبر۱۱......قرض ودَین کے سائمہ جانوروں کی زکاۃ سے مانع ہونے کا حکم	۵۹۲
مسئلہ نمبر۱۲......سائمہ جانوروں کے لئے باقی شرائط، معروف زکاۃ کی طرح ہیں	۵۹۳
مسئلہ نمبر۱۳......سائمہ جانوروں اور مالِ تجارت کے جانوروں میں فرق	//

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

شریعت کی طرف سے جو عبادات مقرر کی گئی ہیں، ان میں سے بعض عبادات کا تعلق بدن سے ہے کہ جن کو انجام دینے کے لئے، انسان کا بدن اور جسم استعمال ہوتا ہے، اوران میں مال کا دخل نہیں ہوتا، جیسے نماز، روزہ وغیرہ، ایسی عبادات کو بدنی عبادات کہا جاتا ہے۔

اور بعض عبادات وہ ہیں کہ جن کو انجام دینے کے لئے مال استعمال اور خرچ ہوتا ہے، ان عبادات کو مالی عبادات کہا جاتا ہے، مالی عبادات میں زکاۃ کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔

اسلام لانے کے بعد بدنی عبادات میں جو درجہ نماز کا ہے، مالی عبادات میں وہی درجہ زکاۃ کا ہے، اوراسی وجہ سے قرآن مجید میں موقع بموقع نماز کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ زکاۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا گیا ہے۔

اس دور میں مسلمانوں کی طرف سے زکاۃ میں پائی جانے والی غفلت اور زکاۃ کے احکام سے ناواقفیت اور جدید حالات وتقاضوں کے باعث ضرورت تھی کہ زکاۃ کے متعلق ترغیب وترہیب، اور زکاۃ کے قدیم وجدید احکام کو تحقیق وتخریج کے ساتھ ایک جگہ جمع کیا جائے، اور ساتھ ہی بعض علمی وتحقیقی مسائل پر بھی کچھ تفصیل سے کلام کیا جائے۔

بندہ نے اسی ضرورت کے لئے ’’زکاۃ کے فضائل واحکام‘‘ کے عنوان سے زیرِ نظر کتاب تالیف کی ہے، جو اس سے پہلے ایک مرتبہ ’’زکاۃ وصدقہ کے فضائل واحکام‘‘ کے عنوان سے شائع ہوچکی ہے، لیکن اس مرتبہ کی اشاعت کے موقع پر اس کتاب میں جب تحقیق، تخریج واضافہ اور علمی وتحقیقی مسائل کا کام کیا گیا، تو اس کتاب میں موجود مضامین ومباحث کا ذخیرہ طویل اور ضخیم ہوگیا، اس لئے یہ طے کیا گیا کہ اس کتاب سے عشر وخراج اور عام صدقہ کے مضامین کو الگ کردیا جائے، اور یہ کتاب ’’مالِ نامی‘‘ یا ’’سونے، چاندی، کرنسی اور مالِ

تجارت اور مخصوص سائمہ جانوروں کی زکاۃ'' کے موضوع تک محدود رہے، اور ''عشر وخراج کے احکام'' کو الگ مستقل کتاب کے عنوان سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، نیز صدقہ سے متعلق فضائل واحکام کو ''صدقہ کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اور اس طرح پہلے مرحلہ پر ''زکاۃ وصدقہ کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے شائع ہونے والی کتاب کے مضامین اب دوسرے مرحلہ میں تحقیق وتخریج اور اضافہ کے موقع پر تین مستقل کتابوں اور عنوانوں میں تقسیم ہوگئے، ایک ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے، دوسرے ''عشر وخراج کے احکام'' کے عنوان سے، اور تیسرے ''صدقہ کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے، زیرِ نظر کتاب ''زکاۃ کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے موسوم ہے۔

اس کتاب میں بندہ نے بعض اسلاف ومتقدمین کے طریقہ پر کوشش کی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں متعلقہ مقامات پر ممکنہ حد تک حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اور فقہ حنفی میں بعض دیگر اقوال کو بھی ذکر کیا جائے، تاکہ اہلِ علم حضرات کے سامنے دوسرے پہلو بھی آجائیں اور بوقتِ ضرورت ان پر غور وتحقیق میں آسانی رہے، اور اس کتاب میں مذکور مختلف فقہائے کرام کے اقوال بالعموم ''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' سے ماخوذ ہیں، اور بعض مسائل میں بندہ نے فیما بيني وبين الله دیانت داری کے ساتھ جس قول کو دلائل یا ضرورت کے لحاظ سے راجح سمجھا، اس کا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے تذکرہ بھی کردیا ہے، جس کو موجودہ دور کے ایک مخصوص علمی ماحول میں غیر مانوس نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن ہر طرح کے تعصّبات سے بالاتر ہوکر اس طرح اپنی رائے کا اظہار تحقیق واجتہاد کے اصولوں کے مطابق ہے، اور اس کا انکار ان اصولوں سے ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، اور بندہ سمیت بندہ کے معاونین، اساتذۂ کرام ومشائخِ عظام اور والدین کرام وغیرہ کے لئے بخشش کا ذریعہ اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع بنا کر دنیوی واخروی فلاح کا سبب بنائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

۱۳/ شعبان/ ۱۴۳۵ھ 12/ جون/ 2014ء بروز جمعرات، ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(مقدمہ)

قرآن مجید میں زکاۃ کی فضیلت واہمیت

قرآن وسنت میں زکاۃ کی بڑی فضیلت واہمیت اور تاکید وترغیب آئی ہے، جو انتہائی مفید ومؤثر ہے، اس لئے پہلے قرآن مجید میں مذکور مختلف مواقع پر زکاۃ کی فضیلت واہمیت کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ سنت اور احادیث وروایات میں مذکور زکاۃ کی فضیلت واہمیت کا ذکر کیا جائے گا۔

نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم

قرآن مجید میں کئی مقامات پر نماز کے قیام کا حکم دینے کے بعد اس کے ساتھ ہی فوراً زکاۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ (سورة البقرة، رقم الآية ۴۳)

ترجمہ: اور تم قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاۃ کو (سورہ بقرہ)

اور سورہ بقرہ میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۱۰)

ترجمہ: اور تم قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاۃ کو (سورہ بقرہ)

اور سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورة الحج، رقم الآية ۷۸)

ترجمہ: پس تم قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاۃ کو (سورہ حج)

اورسورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَاللهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورة المجادلة، رقم الآية ۱۳)

ترجمہ: پس تم قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاۃ کو، اور تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور اللہ پوری طرح باخبر ہے جو اعمال تم کرتے ہو (سورہ مجادلہ)

اورسورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورة المزمل، رقم الآية ۲۰)

ترجمہ: اور تم قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاۃ کو (سورہ مزمل)

فائدہ: ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام کے ساتھ زکاۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے، جس سے زکاۃ کا نماز کے ساتھ تعلق اور زکاۃ کی نماز کے بعد اہمیت معلوم ہوئی۔

خواتین کو بھی نماز کے قیام وزکاۃ کی ادائیگی کا حکم

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ (سورة الاحزاب، رقم الآية ۳۳)

ترجمہ: اور (اے خواتین) تم قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاۃ کو، اور تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی (سورہ احزاب)

فائدہ: اس سے نماز اور زکاۃ کی خاص تاکید و اہمیت کا پتہ چلا کہ خواتینِ اسلام کو بھی بطورِ خاص نماز اور زکاۃ کا مَرد حضرات سے الگ حکم فرمایا گیا۔

اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر عورت نصاب کے بقدر زکاۃ کے مال کی مالک ہو، تو اس پر بھی زکاۃ فرض ہوتی ہے، اور عورتوں کا اپنے آپ کو زکاۃ سے بریٔ سمجھنا درست نہیں۔

پہلی امتوں کو نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم

سورہ بینہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (سورة البينة، رقم الآية ۵)

ترجمہ: اور نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں، مگر اسی بات کا کہ اللہ کی عبادت کریں خالص رکھتے ہوئے اس کے لئے دین کو "یکسو ہو کر" اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکاۃ کو، اور یہی ہے سیدھا دین (سورہ بینہ)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے اور زکاۃ کو ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں اور پہلی امتوں کو بھی حکم دیا تھا، اور اس کو سیدھا دین فرمایا تھا، اور پہلے نبیوں اور ان کی شریعتوں میں نماز اور زکاۃ کی ادائیگی کے حکم کا ذکر دوسری آیات میں بھی آیا ہے۔

بنی اسرائیل سے نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا عہد

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا عہد لیا تھا، ان میں نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم بھی شامل تھا، جیسا کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ إِسْرَائِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُوْنَ

(سورة البقرة، رقم الآية ۸۳)

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے پختہ عہد بنی اسرائیل سے کہ مت عبادت کرنا اللہ کے علاوہ کسی کی، اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے (بھی نیکی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی بات، اور قائم کرنا نماز کو، اور ادا کرنا

زکاۃ کو، پھر تم (اس پختہ عہد سے) پھر گئے، سوائے تم میں سے چند لوگوں کے، اور تم (پختہ عہد کر کے) پھر جانے والے ہو (سورہ بقرہ)

فائدہ: مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی اتنے اہم اعمال ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ بنی اسرائیل سے ان اعمال پر عمل پیرا ہونے کا عہد لیا تھا۔

مختلف نبیوں کو نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کی وحی

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ (سورۃ الانبیاء، رقم الآیۃ ۷۳)

ترجمہ: اور بنایا تھا ہم نے ان (نبیوں) کو امام، وہ ہدایت کا راستہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے، اور وحی بھیجی تھی ہم نے ان کی طرف خیر کے کاموں کی، اور نماز کو قائم کرنے کی اور زکاۃ کو ادا کرنے کی بھی، اور تھے یہ ہماری عبادت کرنے والے (سورہ انبیاء)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز اور زکاۃ اتنی اہم عبادت ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم الصلاۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبیوں کی طرف خصوصی وحی بھیجی تھی، اور وہ نماز کو قائم کرنے اور زکاۃ کو ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکاۃ کی ادائیگی کی وصیت

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد ہے کہ:

وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (سورۃ مریم، رقم الآیۃ ۳۱)

ترجمہ: اور وصیت کی اللہ نے مجھے نماز اور زکاۃ کی، جب تک کہ میں رہوں زندہ

(سورہ مریم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی نماز اور زکاۃ کی ادائیگی کا ایک ساتھ تاکیدی حکم فرمایا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم فرمانا

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (سورۃ مریم، رقم الآیۃ ۵۵)

ترجمہ: اور وہ حکم فرماتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکاۃ کا، اور وہ تھے اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ بندے (سورہ مریم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم فرماتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو بہت پسند فرمایا۔

قتال سے رُکنے کے وقت نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم

سورہ نسآء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورۃ النسآء، رقم الآیۃ ۷۷)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو، اور قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاۃ کو (سورہ نساء)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب قتال سے رُکنے کا حکم ہو (مثلاً کفار سے جنگ بندی وغیرہ کی مصالحت ومعاہدہ ہو) تو نماز اور زکاۃ کی ادائیگی کا اس وقت بھی حکم ہوتا ہے، اور اسی وجہ

سے جب مکہ میں قتال کی ممانعت تھی، اس وقت بھی ان احکام کو بجالانے کا حکم آیا تھا۔ [1]

زکاۃ کی ادائیگی، اصل نیکی اور تقویٰ کی نشانیوں میں سے ہے

سورہ بقرہ میں نیک کاموں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۷۷)

ترجمہ: نیکی یہی نہیں ہے کہ تم پھیر لو اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف، لیکن نیکی تو یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور نبیوں پر اور عطا کرے مال کو، اس کی محبت ہوتے ہوئے، رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکاۃ کو اور پورا کرنے والے ہوں،

---

[1] (ألم تر إلى الذين قيل لهم كفوا أيديكم) عن قتال الكفار لما طلبوه بمكة لأذى الكفار لهم وهم جماعة من الصحابة (وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة فلما كتب) فرض (عليهم القتال إذا فريق منهم يخشون) يخافون (الناس) الكفار أى عذابهم بالقتل (كخشيت) هم عذاب (الله أو أشد خشية) من خشيتهم له ونصب أشد على الحال وجواب لما دل عليه إذا وما بعدها أى فاجأتهم الخشية (وقالوا) جزعا من الموت (ربنا لم كتبت علينا القتال لولا) هلا (أخرتنا إلى أجل قريب قل) لهم (متاع الدنيا) ما يتمتع به فيها أو الاستمتاع بها (قليل) آيل إلى الفناء (والآخرة) أى الجنة (خير لمن اتقى) عقاب الله بترك معصيته (ولا تظلمون) بالتاء والياء تنقصون من أعمالكم (فتيلا) قدر قشرة النواة فجاهدوا (تفسير الجلالين، سورة النسآء، تحت رقم الآية ۷۷)

لوگوں کے عہد کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے ہوں، تنگ دستی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی لوگ متقی ہیں (سورہ بقرہ)

اور سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَبَشِّـرِ الْـمُـخْبِتِيْـنَ. الَّـذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصَّابِرِيْنَ عَـلٰى مَـا أَصَـابَهُـمْ وَالْـمُقِيْمِى الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ (سورة الحج، رقم الآيات ۳۴، و۳۵)

ترجمہ: اور خوشخبری سنا دیجئے ایسے عاجز بندوں کو کہ ان کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور وہ صبر کرنے والے ہیں اپنے آپ کو پہنچنے والے مصائب پر، اور قائم کرنے والے ہیں نماز کو، اور ہم نے جو کچھ ان کو رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں (سورہ حج)

فائدہ: خرچ کرنے میں زکاۃ اول درجہ میں داخل ہے، یعنی خرچ کرنے کے مفہوم کا اولین مصداق زکاۃ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکاۃ وغیرہ ادا کرنے والوں کو عاجزی اختیار کرنے والے بندے قرار دیا، اور ان کو جنت وغیرہ کی بشارت سنائی، جس سے نماز اور زکاۃ کی خاص فضیلت کا پتہ چلا۔

اللہ کا نماز قائم، اور زکاۃ ادا کرنے والوں کی تعریف فرمانا

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُسَبِّـحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ. رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْـرِ اللّٰهِ وَإِقَـامِ الـصَّلَاةِ وَإِيْتَـآءِ الـزَّكَـاةِ يَـخَـافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُ (سورة النور، رقم الآيات ۳۶، و۳۷)

ترجمہ: پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان مسجدوں میں صبح وشام ایسے لوگ کہ ان کو نہ تو غفلت میں ڈالتی ہے، تجارت اور خرید، اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکاۃ ادا کرنے سے، ڈرتے ہیں یہ لوگ ایسے دن سے کہ الٹ جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں (سورہ نور)

فائدہ: اس آیت سے نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے والوں کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اللہ ان کو پسند فرماتا ہے، اور ان کی تعریف فرماتا ہے۔

نماز قائم، اور زکاۃ ادا کرنے والوں کی صفت وخوبی

سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ. ھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ. الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلَاۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکَاۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (سورۃ النمل، رقم الآیات ۲و۳)

ترجمہ: یہ آیات ہیں قرآن اور واضح کتاب کی، جو ہدایت ہے، اور خوشخبری ہے، ان مومنوں کے لئے، جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں (سورہ نمل)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے والے مومن بندوں کے لئے خوشخبری سنانے والا ہونا بیان فرمایا ہے، جس سے نماز اور زکاۃ کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ. ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ. الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلَاۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکَاۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ. اُولٰئِکَ

عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ لقمان، رقم الآیات ۳، ۴، ۵)

ترجمہ: یہ آیات ہیں ایسی کتاب کی جو حکمت والی ہے، جو ہدایت ہے، اور رحمت ہے، نیک کام کرنے والوں کے لئے جو قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے، اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں (سورہ لقمان)

فائدہ: ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے اور زکاۃ کو ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نظر میں نیک اور اچھے اعمال کرنے والے ہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت پر صحیح یقین رکھنے والے اور کامیابی پانے والے ہیں۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والے مومن برحق ہیں

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ. أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورۃ الانفال، رقم الآیات ۲ الیٰ ۴)

ترجمہ: بس مومنین تو وہ لوگ ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب تلاوت کی جاتی ہے، ان پر اس کی آیات کی، تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں، جو کہ قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ان کو ہم نے جو رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں مومن برحق، جن کے لئے درجات ہیں، ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے

اور مکرم رزق ہے (سورہ انفال)

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے میں زکاۃ بھی داخل ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور برحق مومن ہیں۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والوں سے ترکِ قتال کا حکم

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (سورة التوبة، رقم الآية ۵)

ترجمہ: پھر اگر توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز کو، اور ادا کریں زکاۃ کو، تو تم خالی کردو ان کا راستہ (سورہ توبہ)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جب کفار ومشرکین تائب ہوکر نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کا عمل شروع کردیں، تو پھر ان سے قتال نہ کرو، کیونکہ یہ برحق مومن ہونے کی علامت ہے، اور اسی وجہ سے احادیث میں نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے تک قتال کا حکم مذکور ہے، نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی زکاۃ کی ادائیگی کے منع کرنے پر قتال فرمایا تھا، جیسا کہ آگے احادیث کے بیان میں آتا ہے۔

نماز قائم، اور زکاۃ ادا کرنے والے دینی بھائی ہیں

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۱)

ترجمہ: پھر اگر وہ لوگ (کفر سے) توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز کو، اور ادا کریں

زکاۃ کو، تو وہ تمہارے بھائی ہوں گے دین میں (سورہ توبہ)

فائدہ: اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے والوں کو مؤمنوں کے دینی بھائی قرار دیا گیا ہے، جس سے نماز اور زکاۃ کی فضیلت واہمیت کا پتہ چلا۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والے مؤمنوں کے دوست ہیں

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ۵۵)

ترجمہ: بس تمہارا دوست اللہ ہے، اور اس کا رسول ہے، اور وہ ایمان والے ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور وہ رکوع کرنے والے ہیں (سورہ مائدہ)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے والوں کو مومنوں کا دوست قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد دوستی کے لائق نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے والے مومن ہی ہیں۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا مساجدُ اللہ کو آباد کرنے والوں کا عمل

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَاٰتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ، فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۸)

ترجمہ: بس آباد کرتے ہیں اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، اور انہوں نے قائم کیا نماز کو، اور ادا کیا زکاۃ کو، اور وہ نہیں

ڈرے مگر اللہ سے، پس قریب ہے کہ یہی لوگ ہوں گے ہدایت پانے والوں میں سے (سورہ توبہ)

فائدہ: اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز کو قائم کرنا اور زکاۃ کو ادا کرنا، مساجدُ اللہ کو آباد کرنے والوں کا عمل ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اعمال ہدایت کا باعث ہیں۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا، اللہ کی رحمت ورحم کا باعث ہے

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ (سورة الاعراف، رقم الآية ۱۵۶)

ترجمہ: پس عنقریب میں لکھ دوں گا اس رحمت کو ان لوگوں کے لئے، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور جو لوگ کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں (سورہ اعراف)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ ادا کرنے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (سورة التوبة، رقم الآية ۷۱)

ترجمہ: وہ لوگ حکم کرتے ہیں نیک باتوں کا، اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے، اور قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی، یہی لوگ ہیں کہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا اللہ (سورہ توبہ)

اس آیت میں اللہ نے رحمت کے مستحق لوگوں کے اعمال کا ذکر فرماتے ہوئے نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی، ان اعمال میں سے ہے کہ جو اللہ کی رحمت کا مستحق بناتے ہیں۔

اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(سورة النور، رقم الآية ۵٦)

ترجمہ: اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاۃ کو، اور اطاعت کرو رسول کی، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ نور)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی ان اعمال میں سے ہے کہ جن کو قائم کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا گناہوں کی معافی کا باعث ہے

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ. لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (سورة المائدة، رقم الآية ١٢)

ترجمہ: اور فرمایا اللہ نے کہ بے شک میں ساتھ ہوں تمہارے، اگر تم قائم کرو گے نماز کو اور ادا کرو گے زکاۃ کو، اور ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر، اور ان کا ساتھ دو گے، اور قرض دو گے اللہ کو اچھا قرض، تو میں ضرور معاف کردوں گا تمہارے گناہ، اور ضرور داخل کروں گا تمہیں ایسی جنتوں میں کہ جاری ہوں گی، ان کے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نیچے سے نہریں (سورہ مائدہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے اور زکاۃ ادا کرنے کے عمل سے اللہ کی معیت اور نصرت حاصل ہوتی ہے، اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، اور جنت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ احادیث میں بھی اس طرح کا مضمون آیا ہے، جیسا کہ آگے احادیث کے بیان میں آتا ہے۔

زکاۃ کی ادائیگی آخرت میں خوف اور غم سے نجات کا باعث ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ اَجْـرُهُـمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٧٧)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اعمال کئے نیک اور قائم کیا انہوں نے نماز کو، اور ادا کیا انہوں نے زکاۃ کو، ان کے لئے ان کا اجر ہے، ان کے رب کے پاس، اور نہیں خوف ہوگا، اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (سورہ بقرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی ان اعمال میں سے ہے کہ جو آخرت میں خوف اور غم سے نجات کا باعث ہیں۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا (سورة النساء، رقم الآية ١٦٢)

ترجمہ: اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو، اور ادا کرنے والے ہیں زکاۃ کو، اور ایمان لانے والے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر، یہی لوگ ہیں کہ عنقریب

دیں گے ہم اُن کو اجرِ عظیم (سورہ نساء)

اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوْا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيْرٌ (سورة الحديد، رقم الآية ٧)

ترجمہ: پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے، اور انہوں نے خرچ کیا، تو ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے (سورہ حدید)

فائدہ: خرچ کرنے سے مراد، اللہ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنا ہے، جس میں زکاۃ اول وہلہ میں داخل ہے۔ اس آیت سے زکاۃ وصدقہ پر ملنے والے اجرِ عظیم کا پتہ چلا۔

زکاۃ پر ملنے والا اَجر وثواب بڑھ چڑھ کر ہے

سورہ روم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ

(سورة الروم، رقم الآية ٣٩)

ترجمہ: اور جو دیتے ہو تم زکاۃ چاہتے ہوئے، اللہ کی رضا کو، تو یہی لوگ ہیں بڑھانے والے (سورہ روم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زکاۃ وصدقہ دینے میں بظاہر تو مال کا کم ہونا نظر آتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے عوض میں کئی گنا بڑھ چڑھ کر انتہائی عظیم الشان اجر وثواب ملنے کی وجہ سے اپنے مال کو بڑھانے والے شمار ہوتے ہیں۔

اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ وصدقات سے دنیا میں بھی مال میں کمی نہیں آتی، بلکہ برکت ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] (وما آتيتم من زكاة) أعطيتم من صدقة (تريدون وجه الله فأولئك هم المضعفون) يضاعف لهم الثواب فيعطون بالحسنة عشر أمثالها، فالمضعف ذو الأضعاف من الحسنات، تقول العرب: القوم مهزولون ومسمونون : إذا هزلت أو سمنت إبلهم (تفسير البغوى، سورة الروم، تحت رقم الآية ٣٩)

زکاۃ وصدقہ کو اللہ بڑھاتا اور قبول فرماتا ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۷۶)

ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ سود کو، اور بڑھاتا ہے صدقات کو (سورہ بقرہ)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ربا وسود کو گھٹاتا اور کم کرتا ہے، اور اس کی برکت کو ختم کر دیتا اور اڑا دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں زکاۃ وصدقہ کو بڑھاتا ہے، اور یہ بڑھوتری اجر وثواب کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، اور برکت کے اعتبار سے بھی۔ [1]

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۰۴)

ترجمہ: کیا نہیں جانتے یہ لوگ کہ بلاشبہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ، اور صدقات کو لیتا ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (سورہ توبہ)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ زکاۃ وصدقات کو خصوصی اہمیت کے ساتھ قبول فرماتا ہے ، اور اس سے پہلی آیت سے معلوم ہو چکا کہ اس کی برکت اور اس کے اجر وثواب کو اللہ اپنے خصوصی قرب کے ذریعہ بڑھاتا بھی ہے۔

احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] (يمحق الله الربا) ينقصه ويذهب بركته (ويربي الصدقات) يزيدها وينمّيها ويضاعف ثوابها (والله لا يحب كل كفار) بتحليل الربا (أثيم) فاجر بأكله أي يعاقبه (تفسير الجلالين، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۲۷۶)

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ -وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ - إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِيْنِهِ وَإِنْ كَانَتْ تَمْرَةً فَتَرْبُوْ فِيْ كَفِّ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى تَكُوْنَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ أَوْ فَصِيْلَهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی حلال وپاکیزہ مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تو حلال اور پاکیزہ ہی صدقہ کو قبول فرماتا ہے، تو رحمٰن (گویا کہ) اس کو اپنے دائیں (ہاتھ) سے قبول فرماتا ہے، اگر چہ وہ ایک چھوارہ ہی کیوں نہ ہو، پھر وہ صدقہ (اللہ) رحمٰن کے ہاتھ میں تربیت پاتا (اور بڑھتا ہے) یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہو جاتا ہے، جس طرح سے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے (گھوڑے یا اونٹ یا گائے کے) ماں سے الگ کئے ہوئے بچے کی تربیت وپرورش کرتا ہے (مسلم، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ

(بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک چھوارے کے برابر

---

[1] رقم الحديث ٦٣"١٠١٤"، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، واللفظ لهٗ، نسائى، رقم الحديث ٢٥٢٥، ترمذى، رقم الحديث ٦٦١، مسند أحمد، رقم الحديث ١٠٩٤٥.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ١٤١٠، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، مسند احمد، رقم الحديث ٨٣٨١.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

پاکیزہ اور حلال کمائی سے صدقہ کیا، اور اللہ تو حلال و پاکیزہ ہی صدقہ قبول فرماتا ہے، تو اللہ اس صدقہ کو (گویا کہ) اپنے دائیں (ہاتھ) سے قبول فرماتا ہے، پھر اس کی صدقہ دینے والے کے لئے اس طرح تربیت کرتا (اور بڑھاتا ہے) جس طرح کہ تم میں سے کوئی بچھڑے (گھوڑے وغیرہ کے بچے) کی تربیت و پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے مثل (بڑا) ہوجاتا ہے (بخاری، مسند احمد)

اور قیامت کے دن اس زکاۃ وصدقہ کا اَجروثواب اسی عظیم صورت میں حاصل ہوگا۔ [1]

اور مسند احمد کی ایک روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

وَقَالَ وَكِيعٌ فِيْ حَدِيْثِهٖ وَتَصْدِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ (وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ) (وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ) وَ (يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ) (مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۰۸۸) [2]

ترجمہ: (اوراس حدیث کے راوی) وکیع نے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں بھی ان آیات میں موجود ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ. وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ.

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ.

کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے، اور صدقات کو لیتا ہے۔

مٹاتا ہے اللہ سود کو، اور بڑھاتا ہے صدقات کو (مسند احمد)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ زکاۃ وصدقہ اور اس کے اجروثواب کو بڑھاتا ہے۔

---

[1] (كما يربى أحدكم فلوه أو فصيله) قال أهل اللغة الفلو المهر سمى بذلك لأنه فلى عن أمه أى فصل وعزل والفصيل ولد الناقة إذا فصل من إرضاع أمه فعيل بمعنى مفعول كجريح وقتيل بمعنى مجروح ومقتول وفى الفلو لغتان فصيحتان أفصحهما وأشهرهما فتح الفاء وضم اللام وتشديد الواو والثانية كسر الفاء وإسكان اللام وتخفيف الواو قوله صلى الله عليه وسلم (فلوه أو قلوصه) هى بفتح القاف وضم اللام وهى الناقة الفتية ولايطلق على الذكر (شرح النووى على مسلم، تحت رقم الحديث ٦٣"١٠١٤")

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن فى المتابعات (حاشية مسند احمد)

زکاۃ وصدقہ پر ملنے والا اَجر وثواب سات سو گنا تک ہوتا ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٦١)

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے اموال اللہ کے راستے میں، ایسی مثال ہے، جیسے ایک دانہ اگائے سات بالیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ اضافہ کردیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور اللہ وسعت والا، بڑے علم والا ہے (سورہ بقرہ)

فائدہ: اس آیت سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور زکاۃ وصدقہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر عطا فرماتے ہیں، جو کہ سات سو گنا تک ہوتا ہے، جس طرح ایک دانے سے سات بالیں، اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، جن کا مجموعہ سات سو بنتا ہے، بس اسی طرح اللہ تعالیٰ زکاۃ وصدقہ پر سات سو گنا تک بڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے۔ [1]

---

[1] (مثل) صفة نفقات (الذين ينفقون أموالهم فى سبيل الله) أى طاعته (كمثل حبة أنبتت سبع سنابل فى كل سنبلة مائة حبة) فكذلك نفقاتهم تضاعف لسبعمائة ضعف (والله يضاعف) أكثر من ذلك (لمن يشاء والله واسع) فضله (عليم) بمن يستحق المضاعفة(تفسير الجلالين، سورة البقرة، رقم الآية ٢٦١)

مثل الذين ينفقون أموالهم فى سبيل الله قيل أراد به الإنفاق فى الجهاد وقيل هو الإنفاق فى جميع أبواب الخير ووجوه البر فيدخل فيه الواجب والتطوع، وفيه إضمار تقديره مثل صدقات الذين ينفقون أموالهم فى سبيل الله كمثل حبة أى كمثل زارع حبة أنبتت يعنى أخرجت تلك الحبة سبع سنابل جمع سنبلة فى كل سنبلة مائة حبة (تفسير الخازن، ج ١ ص ١٩٨، سورة البقرة، رقم الآية ٢٦١)

زکاۃ وصدقہ پر ملنے والا اَجر غیر فانی ہے

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَأَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (سورة الفاطر، رقم الآية ٢٩)

ترجمہ: بے شک جو لوگ تلاوت کرتے ہیں کتابُ اللہ کی، اور قائم کرتے ہیں نماز کو، اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا، چُھپ کر اور علانیہ طریقہ پر، وہ امیدوار ہیں ایسی تجارت کے، جو ہرگز فنا نہ ہوگی (سورہ فاطر)

فائدہ: خرچ کرنے میں زکاۃ وصدقات سب داخل ہیں۔

اس سے نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے پر ملنے والے اجر وثواب کا عظیم الشان ہونا معلوم ہوا، کہ وہ کبھی فنا نہ ہوگا۔

زکاۃ ادا کرنے والے کامیاب لوگوں میں شامل ہیں

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُوْنَ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۴)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کہ زکاۃ کو ادا کرتے ہیں (سورہ مومنون)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیاب مؤمنوں کی فہرست میں شامل ہیں۔

احادیث میں بھی زکاۃ ادا کرنے والے لوگوں کو کامیاب لوگوں میں شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ

آگے آتا ہے۔ [1]

زکاۃ وصدقہ، جنت کو آسان بنانے والا عمل ہے

سورہ لیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی (سورة الليل، رقم الآيات ۵ الیٰ ۱۱)

ترجمہ: پس جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور تصدیق کی اچھی بات کی، تو ہم اس کے لئے سہولت کو آسان کردیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے نیازی اختیار کی، اور انکار کیا اچھی بات کا، تو ہم اس کے لئے تنگی کو آسان کردیں گے، اور نہیں فائدہ پہنچائے گا اس کو اس کا مال جب وہ گرے گا (سورہ لیل)

فائدہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جو لوگ اپنی سعی اور محنت کو ان تین کاموں میں لگاتے ہیں، یعنی ایک اللہ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنے میں، جس میں زکاۃ بھی داخل ہے، اور دوسرے تقویٰ اختیار کرنے میں، اور تیسرے اللہ کے حکم کو ماننے میں، جس سے مراد ایمان ہے۔

---

[1] حدثنی مالک بن أنس، عن عمه أبی سهيل بن مالک، عن أبيه، أنه سمع طلحة بن عبيد الله، يقول : جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس، يسمع دوی صوته ولا يفقه ما يقول، حتى دنا، فإذا هو يسأل عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خمس صلوات فی اليوم والليلة .فقال :هل علی غيرها؟ قال :لا، إلا أن تطوع .قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :وصيام رمضان . قال :هل علی غيره؟ قال :لا، إلا أن تطوع .قال :وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة، قال :هل علی غيرها؟ قال :لا، إلا أن تطوع .قال :فأدبر الرجل وهو يقول :والله لا أزيد على هذا ولا أنقص، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفلح إن صدق(بخاری، رقم الحديث ۴۶، باب: الزكاة من الإسلام)

تو اُن کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کے اعمال اور اس کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے، اور جولوگ اپنی سعی اور محنت، اس کے برعکس دوسرے تین کاموں میں لگاتے ہیں، تو ان کے لئے جہنم کے اعمال اور اس کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ [1]

زکاۃ کی ادائیگی کا نظم وانتظام اسلامی نظام کا حصہ ہے

سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] (وأما من بخل) بحق الله (واستغنى) عن ثوابه (تفسير الجلالين، سورة الليل)

فأما من أعطى ماله فى سبيل الله او ادى كل ما وجب عليه واتقى عذاب ربه فاجتنب مجاريه وفى الحديث اتقوا النار ولو بشق تمرة رواه الشيخان عن عدى بن حاتم واحمد عن عائشة والبزار والطبرانى عن انس فى الأوسط وعن ابن عباس وابى امامة فى الكبير والبراء عن النعمان بن بشير وابى هريرة.

وصدق بالحسنى قال ابو عبد الرحمن السلمى والضحاک وصدق بلا اله الا الله وهى رواية عطية عن ابن عباس وقال مجاهد بالجنة قال الله تعالى للذين أحسنوا الحسنى يعنى الجنة وقيل أيقن ان الله سيخلفه وهو رواية عكرمة عن ابن عباس وقال قتادة ومقاتل والكلبى بموعود الله تعالى ان يفى به.

فسنيسره اى نسهله ونهيئه لليسرى اى للخلقت اليسرى التى يودى الى يسر وراحة وهى العمل وما يرضى الله ودخول الجنة من يسر الفرس لا هبته المركوب باليسر بالسرج واللجام.

وأما من بخل بالنفقة بالخير وبما امر به الله تعالى وفى الحديث البخيل من ذكرت عنده فلم يصل على رواه الترمذى والنسائى عن على وابن حبان والحاكم عن انس واستغنى بشهوات الدنيا عن الثواب فى الاخرة وعن القادر به.

وكذب بالحسنى بالكلمة الحسنى.

فسنيسره للعسرى اى لخصلة التى يودى الى العسر والشدة وهى العمل بما يكرهه الله تعالى ودخول النار قال مقاتل يعسر عليه ان يأتى خيرا (التفسير المظهرى، ج۱۰ ص۲۷۴، ۲۷۵، سورة الليل)

والظاهر أن المراد بالإعطاء بذل المال ومن هنا قال ابن زيد المراد إنفاق ماله فى سبيل الله تعالى وقال قتادة المعنى أعطى حق الله تعالى وظاهره الحقوق المالية (واتقى) أى واتق الله عز وجل كما قال ابن عباس وفى معناه قول قتادة واتقى ما نهى عنه وفى رواية محارم الله تعالى وقال مجاهد واتقى البخل وهو كما ترى ......(فسنيسره لليسرى) فسنهيئه للخصلة التى تؤدى إلى يسر وراحة كدخول الجنة ومباديه من يسر الفرس للركوب إذا أسرجها وألجمها ووصفها باليسرى إما على الاستعارة المصرحة أو المجاز المرسل أو التجوز فى الإسناد (تفسير الآلوسى، سورة الليل)

اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورة الحج، رقم الآية ۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو طاقت دے دیں زمین میں، تو وہ قائم کریں نماز کو، اور ادا کریں زکاۃ کو، اور امر بالمعروف کریں اور نہی عن المنکر کریں (سورہ حج)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی یہ نشانی ہے کہ جب ان کو اللہ طاقت وحکومت عطا فرماتا ہے تو وہ دوسرے نیک اعمال کے ساتھ ساتھ نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا نظم بھی قائم فرماتے ہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی کا نظم قائم کرنا اسلامی نظامِ حکومت کا حصہ ہے، اور اسی وجہ سے زکاۃ کو حاصل کر کے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں داخل ہے، جیسا کہ آگے زکاۃ کے احکام میں آتا ہے۔

زکاۃ وغیرہ ادا کئے بغیر مال آخرت میں مفید نہ ہوگا

سورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ (سورة ابراهيم، رقم الآية ۳۱)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیجئے میرے مومن بندوں کو کہ وہ قائم کریں نماز کو، اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے، چھپ کر اور علانیہ طور پر، اس سے پہلے کہ آجائے ایسا دن کہ نہ اس دن میں بیع ہوگی، اور نہ دوستی ہوگی (سورہ ابراہیم)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے نہایت محبت بھرے انداز میں پہلے بدنی عبادت میں اہم عمل نماز کو اور اس کے بعد مالی عبادت یعنی کارِ خیر میں خرچ کرنے

کا حکم فرمایا، جس میں زکاۃ بھی داخل ہے، اور ساتھ ہی قیامت کے دن سے ڈرایا کہ اس دن یہی اعمال کام آئیں گے، کسی سے خرید وفرخت اور دوستی کام نہ آئے گی۔

اور سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ. وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے رزق دیا ہے تم کو، اس سے پہلے کہ آئے وہ دن کہ جس دن میں نہ بیع ہوگی، اور نہ دوستی ہوگی، اور نہ شفاعت ہوگی، اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں (سورہ بقرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں رہتے ہوئے زکاۃ وغیرہ کے حکم کو پورا کرنا چاہئے، ورنہ آخرت میں بڑا عذاب ہوگا، اور اس وقت میں نہ تو اللہ کے فضل وحکم کے بغیر یہ مال کام آئے گا، کہ مال سے کوئی سودے بازی کر کے جان چھڑالی جائے، اور نہ ہی کوئی دوستی فائدہ پہنچا سکے گی، اور نہ ہی کسی کی سفارش کام آسکے گی۔ [1]

مرتے وقت زکاۃ وصدقہ کی تمنا کرنا

سورہ منافقون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ

---

[1] (یاأیها الذین امنوا أنفقوا مما رزقناکم) زکاته (من قبل أن یأتی یوم لا بیع) فداء (فیه ولا خلة) صداقة تنفع (ولا شفاعة) بغیر إذنه وهو یوم القیامة وفی قراء ة برفع الثلاثة (والکافرون) بالله أو بما فرض علیهم (هم الظالمون) لوضعهم أمر الله فی غیر محله (تفسیر الجلالین، تحت سورة البقرة آیت ۲۵۴)

(یأیها الذین امنوا أنفقوا مما رزقناکم) ما أوجبت علیکم إنفاقه (تفسیر البیضاوی، سورة بقرة آیت ۲۵۴)

لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (سورة المنافقون، رقم الآية ١٠)

ترجمہ: اورخرچ کرواس میں سے جو ہم نے رزق دیا تم کو، اس سے پہلے کہ آئے تم میں سے کسی کو موت، پھر وہ کہے کہ اے میرے رب کیوں نہ مہلت دی مجھے تھوڑے سے وقت کے لئے، تا کہ میں صدقہ کر دیتا، اور ہو جاتا میں نیک کام کرنے والوں میں سے (سورہ منافقون)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ وصدقہ نہ کرنے والے لوگ موت کے وقت زکاۃ وصدقہ ادا کرنے کی مہلت طلب کرتے ہیں، مگر جب زندگی کا وقت پورا ہو جائے، پھر مہلت نہیں ملا کرتی۔

اس لئے زندگی کی قدر کرتے ہوئے موت سے پہلے زکاۃ وصدقہ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ [1]

احادیث میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے ویل کا عذاب

سورہ حٰمٓ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ. الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکَاۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ (سورة حٰمٓ السجدة، رقم الآيات ٦، و٧)

ترجمہ: اور ویل ہے، ان مشرکوں کے لئے جو زکاۃ ادا نہیں کرتے، اور یہی لوگ ہیں جو کہ آخرت کے منکر ہیں (حٰمٓ سجدہ)

---

[1] (وأنفقوا) فى الزكاة (من ما رزقناكم من قبل أن يأتى أحدكم الموت فيقول رب لولا) بمعنى هلا، أو لا زائدة ولو للتمنى (أخرتنى إلى أجل قريب فأصدق) بإدغام التاء فى الأصل فى الصاد أتصدّق بالزكاة (وأكن من الصالحين) بأن أحج، قال ابن عباس رضى الله عنهما: ما قصر أحد فى الزكاة والحج إلا سأل الرجعة عند الموت (تفسير الجلالين، سورة المنافقون، رقم الآية ١٠)

فائدہ: اس آیت میں زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کو مشرک اور آخرت کا منکر قرار دیا گیا ہے، اور اس سے مراد زکاۃ کی فرضیت اور اس پر آخرت میں ملنے والے اجر وثواب کا انکار ہے، جس پر ''ویل'' کے عذاب کی وعید سنائی گئی، اور ''ویل'' دراصل جہنم کے سخت ترین عذاب کی قسم ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ [1]

زکاۃ نہ دینے پر مال کو تپا کر جسم داغے جانے کا عذاب

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (سورة التوبة، رقم الآية ٣٤، و٣٥)

ترجمہ: اور جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونے چاندی کو، اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کے راستے میں، تو ان کو خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے داغی جائیں گی ان لوگوں کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کی پیٹھیں، یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنی ذات کے لئے جمع کیا تھا، پس تم چکھو ذائقہ اس کا جو تم جمع کر کے رکھتے تھے (سورہ توبہ)

فائدہ: اس میں سونے، چاندی کے کنز بنانے پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، یہ وعید اس مال کے لئے ہے جس کی زکاۃ نہ دی گئی ہو، کئی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ آج کل کی کرنسی تو کاغذوں کی ہوتی ہے، اس کو آگ میں کیسے گرم کیا جائے

---

[1] وقال السدى (وويل للمشركين الذين لا يؤتون الزكاة) أى : لا يدينون بالزكاة. وقال معاوية بن قرة : ليس هم من أهل الزكاة. وقال قتادة :يمنعون زكاة أموالهم. وهذا هو الظاهر عند كثير من المفسرين، واختاره ابن جرير (تفسير ابنِ كثير، سورة حٰمٓ السجدة، رقم الآيات ٦، و٧)

گا، اور تپایا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کرنسی کو ایسی چیز میں تبدیل کردیا جائے گا، کہ اس کو آگ میں تپایا جاسکے۔ [1]

---

[1] وأما الكنز فهو فى اللغة كبس الشىء بعضه على بعض قال الهذلى:
لا در درى إن أطعمت نازلكم......قرف الحتى وعندى البر مكنوز.
ويقال كنزت التمر إذا كبسته فى القوصرة وهو فى الشرع لما لم يؤد زكاته وروى عن عمر وابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدى قالوا ما لم يؤد زكاته فهو كنز فمنهم من قال وإن كان ظاهرا وما أدى زكاته فليس بكنز وإن كان مدفونا ومعلوم أن أسماء الشرع لا تؤخذ إلا توقيفا فثبت أن الكنز اسم لما لم يؤد زكاته المفروضة وإذا كان كذلك كان تقدير قوله والذين يكنزون الذهب والفضة الذين لا يؤدون زكاة الذهب والفضة ولا ينفقونها يعنى الزكاة فى سبيل الله فلم تقتض الآية إلا وجوب الزكاة فحسب.
وقد حدثنا محمد بن بكر قال حدثنا أبو داود قال حدثنا عثمان بن أبى شيبة حدثنا يحيى بن يعلى المحاربى حدثنا أبى حدثنا غيلان عن جعفر بن إياس عن مجاهد عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الآية والذين يكنزون الذهب والفضة كبر ذلك على المسلمين فقال عمر أنا أفرج عنكم فانطلق فقال يا نبى الله إنه كبر على أصحابك هذه الآية فقال النبى صلى الله عليه وسلم إن الله لم يفرض الزكاة إلا ليطيب ما بقى من أموالكم وإنما فرض المواريث لتكون لمن بعدكم قال فكبر عمر ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أخبركم بخير ما يكنز المرء المرأة الصالحة إذا نظر إليها سرته وإذا أمرها أطاعته وإذا غاب عنها حفظته.
فأخبر فى هذا الحديث أن المراد إنفاق بعض المال لا جميعه وأن قوله والذين يكنزون المراد به منع الزكاة.وروى ابن لهيعة قال حدثنا دراج عن أبى الهيثم عن أبى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أديت زكاة مالك فقد قضيت الحق الذى يجب عليك.
فأخبر فى هذا الحديث أيضا أن الحق الواجب فى المال هو الزكاة.
وروى سهيل بن أبى صالح عن أبيه عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من صاحب كنز لا يؤدى زكاة كنزه إلا جىء به يوم القيامة وبكنزه فيحمى به جنبه وجبينه حتى يحكم الله بين عباده. فأخبر فى هذا الحديث أن الحق الواجب فى الكنز هو الزكاة دون غيره وأنه لا يجب جميعه وقوله فيحمى بها جنبه وجبهته يدل على أنه أراد معنى قوله والذين يكنزون الذهب والفضة - إلى قوله -فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لأنفسكم يعنى لم تؤدوا زكاته.
وحدثنا عبد الباقى حدثنا بشر بن موسى حدثنا عبد الله بن صالح حدثنا عبد العزيز بن أبى سلمة الماجشون عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الذى لا يؤدى زكاته يمثل له شجاع أقرع له زبيبتان يلزمه أو يطوقه فيقول أنا كنزك أنا كنزك.
فأخبر أن المال الذى لا تؤدى زكاته هو الكنز (أحكام القرآن للجصاص، تحت رقم الآية ٣٣، ٣٤ من سورة البرأة)

زکاۃ ادا نہ کئے جانے والا مال گلے کا طوق بنا دیا جائے گا

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (سورة آل عمرآن، رقم الآية ۱۸۰)

ترجمہ: اور گمان نہ کریں ہرگز وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں، اس مال کے ساتھ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، کہ یہ بات ان کے لئے خیر والی ہے، بلکہ یہ بات ان کے لئے شر والی ہے، عنقریب طوق بنا دیا جائے گا اس مال کا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن، اور اللہ ہی کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے (سورہ آلِ عمران)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس مال کی زکاۃ ادا نہ کی جائے، اس مال کو قیامت کے دن گلے کا طوق بنا کر عذاب دیا جائے گا۔ [1]

کئی احادیث میں اس کی یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ جس مال کی زکاۃ ادا نہ کی جائے، وہ مال سانپ کی شکل میں مال والے کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا، اور وہ سانپ اس کے لئے عذاب کا باعث ہوگا، جس کی تفصیل آگے احادیث کے بیان میں آتی ہے۔

---

[1] (ولا يحسبن) بالياء والتاء (الذين يبخلون بما ء اتاهم الله من فضله) أى بزكاته (هو) أى بخلهم (خيرا لهم) مفعول ثان والضمير للفصل والأول (بخلهم) مقدرا قبل الموصول على الفوقانية وقبل الضمير على التحتانية (بل هو شر لهم سيطوقون ما بخلوا به) أى بزكاته من المال (يوم القيامة) بأن يجعل حية فى عنقه تنهشه كما ورد فى الحديث (ولله ميراث السموات والأرض) يرثهما بعد فناء أهلهما (والله بما تعملون) التاء والياء (خبير) فيجازيكم به (تفسير الجلالين، سورة آل عمرآن، تحت رقم الآية ۱۸۰)

یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں جابجا زکاۃ دینے کے بجائے زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لیے کسی جگہ مال دے دینا کافی نہیں، بلکہ اس کو ایسے طریقہ پر انجام دینا ضروری ہے کہ جس سے زکاۃ کی ادائیگی صحیح ہوجائے، کیونکہ ادائیگی اسی کا نام ہے، اور اس کے لیے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ احکامات کا لحاظ ضروری ہے۔

بہرحال قرآن مجید میں متعدد مقامات پر زکاۃ کی اہمیت وفضیلت اور تاکید وترغیب کا ذکر آیا ہے، اور اس پر بے شمار اجر وانعامات کا ذکر آیا ہے۔

لہٰذا سب مسلمانوں کو خوش دلی کے ساتھ زکاۃ کے فریضہ کو ادا کرنا چاہئے، اور اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کی کوتاہی وغفلت کو اختیار کرنے سے بچنا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

احادیث وروایات میں زکاۃ کی فضیلت واہمیت

قرآن مجید کے علاوہ بے شمار احادیث وروایات میں بھی زکاۃ کی فضیلت واہمیت اور تاکید وترغیب بیان کی گئی ہے، اور ایسی احادیث وروایات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

آگے اس طرح کی احادیث وروایات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

زکاۃ، اسلام کا ایک مستقل رکن ہے

اسلام کی عمارت پانچ ارکان یا ستونوں پر قائم کی گئی ہے، جن میں نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم بھی داخل ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكَاةِ والْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر ہے، ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور بے شک (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکاۃ دینا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کا روزہ رکھنا (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

---

[1] رقم الحدیث ۸، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :بنی الإسلام علی خمس، مسلم، رقم الحدیث ۲۱ "۱۶"، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الإسلام علی خمس، ترمذی، رقم الحدیث ۲۶۰۹، نسائی، رقم الحدیث ۵۰۰۱، مسند احمد، رقم الحدیث ۶۰۱۵.

اس طرح کی حدیث حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اصول اور اہم ارکان ہیں۔

اہلِ علم حضرات نے اسلام کو ایک عمارت یا خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو پانچ ستونوں پر قائم ہو۔ [2]

پس کلمۂ شہادت تو عمارت وخیمہ کے درمیانی ستون کی طرح ہے، اور بقیہ چاروں ارکان ان چار ستونوں کی طرح ہیں جو چاروں کونوں پر ہوں۔

اگر خیمہ کا درمیانی ستون یا درمیانی لکڑی نہ ہو، تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ ستون یا لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی یا ستون نہ ہو، تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا، لیکن جس کونے کا ستون یا اس کی لکڑی نہیں ہوگی وہ حصہ ناقص اور گرا ہوا ہوگا۔

اور ان پانچ ستونوں کے علاوہ، اسلام کے باقی احکام واعمال ان ہی پانچ ستونوں کی شاخیں ہیں، چنانچہ تمام عقائد، کلمۂ شہادت کی شاخیں ہیں، اور تمام مالی عبادات مثلاً صدقات وخیرات زکاۃ کی شاخیں ہیں، اور تمام بدنی عبادات مثلاً سنت ونفل نماز اور سنت ونفل روزے وغیرہ نماز اور روزہ کی شاخیں ہیں، اور جو عبادتیں مالی اور بدنی دونوں طرح کی ہیں، مثلاً عمرہ وہ حج کی شاخیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [3]

---

[1] عن جرير قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :بنى الإسلام على خمس : شهادة أن لا إله إلا الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان (مسند احمد، رقم الحديث ١٩٢٢٠)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره(حاشية مسند احمد)

[2] (على خمس)) أى :خمس دعائم، كما فى رواية، أو خصال أى :قواعد، وفى رواية لمسلم بالتاء أى :خمسة أشياء ، أو أركان، أو أصول، وإنما جاز هنا لحذف المعدود شبهت حالة الإسلام مع أركانه الخمس على وجه الدوام بحال خباء أقيم على خمسة أعمدة، وقطبها الذى تدور عليه الأركان هى الشهادة الناشئة عن صميم القلب الشاهد عليه لفظ الشهادة المشبهة بالعمود الوسط للخيمة، وبقية شعب الإيمان بمنزلة الأوتاد للخباء (مرقاة المفاتيح، ج ١ ص٦٧، كتاب الايمان)

[3] (بنى الإسلام) بالبناء للمفعول أى أسس واستعمال الموضوع للمحسوس فى المعانى مجاز علاقته المشابهة شبه الإسلام ببناء محكم وأركانه الآنية بقواعد ثابتة محكمة حاملة لذلك البناء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام کی آمد کے بعد سب ارکان ایک وقت میں فرض نہیں کئے گئے، بلکہ آگے پیچھے مختلف اوقات میں فرض کئے گئے ہیں، چنانچہ نماز اور زکاۃ کی فرضیت کا حکم پہلے آیا، اور رمضان کے روزے اس کے بعد فرض کئے گئے، اور حج ان سب کے بعد آخر میں فرض کیا گیا۔

اور اسی وجہ سے کچھ احادیث میں بعض ارکان کا ذکر ہے، اور بعض کا ذکر نہیں، کیونکہ وہ احادیث مختلف زمانوں کے اعتبار سے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فتشبيه الإسلام بالبناء استعارة ترشيحية (على) دعائم وأركان (خمس) وهى خصاله المذكورة قيل المراد القواعد ولذلك خلت عن التاء ولو أريد الأركان لالتحقت ونوزع بأن فى رواية مسلم خمسة وهى صريحة فى إرادة الأركان وتقدير خمس وصفا أقرب من تقديره مضافا لجواز حذف الموصوف إذا علم بخلاف المضاف إليه (شهادة) يجره مع ما بعده بدلا من خمس وهو أولى ويصح رفعه بتقدير مبتدأ أى هى أو أحدها أو خبر أى منها ونصبه بإضمار أعنى وخص الخمس بكونها أركانه ولم يذكر معها الجهاد مع كونه ذروة سنامه لأنها فروض عينيه وهو كفاية ولأن فرضيته تنقطع بنزول عيسى عليه السلام بخلاف الخمس (أن لا إله إلا الله) فى رواية إيمان بالله ورسوله (وأن محمدا رسول الله) أخذ منه أبو الطيب أنه يشترط فى صحة الإسلام تقدم الإقرار بالتوحيد عليه بالرسالة ولم يتابع مع اتجاهه قال ابن حجر رحمه الله :لم يذكر الإيمان بالملائكة وغيره مما هو فى خبر جبريل عليه السلام لأنه أراد بالشهادة تصديق الرسول صلى الله عليه وسلم بكل ما جاء به فيستلزم ذلك (وإقام) أصله إقامة حذفت تاؤه للازدواج (الصلاة) أى المداومة عليها (وإيتاء) أى إعطائها (الزكاة) أهلها فحذف للعلم به ورتب هذه الثلاثة فى جميع الروايات لأنها وجبت كذلك وتقديما للأفضل فالأفضل (وحج البيت) أى الكعبة (وصوم رمضان) لم يذكر فيهما الاستطاعة لشهرتها ووجه الحصر أن العبادة إما بدنية محضة كصلاة أو مالية محضة كزكاة أو مركبة كالأخيرين وأفاد ببنا الإسلام عليها أن البيت لا يثبت بدون دعائمه وليست هى إلا هذه الخمس وما بقى من شعب الإيمان المذكور فى حديثه المار تجرى مجرى تحسين البناء وتكميله والشهادتان هما الأساس الكلى الحامل لجميع ذلك البناء ولبقية تلك القواعد (فيض القدير للمناوى ،تحت رقم الحديث ۳۱۶۲)

[1] إن قيل هذه الخمس هى الإسلام فما المبنى عليه فالجواب أن المبنى هو الإسلام الكامل لا أصل الإسلام وقال فى فتح البارى فإن قيل الأربعة المذكورة مبنية على الشهادة إذ لا يصح شىء منها إلا بعد وجودها فكيف يضم مبنى إلى مبنى عليه فى مسمى واحد أجيب بجواز ابتناء أمر على أمر وابتناء الأمرين على أمر آخر فإن قيل المبنى لا بد أن يكون غير المبنى عليه أجيب بأن المجموع غير من حيث الانفراد عين من حيث الجمع ومثاله البيت من الشعر يجعل على خمسة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی وغیرہ، اسلام ہے

بعض احادیث میں نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی وغیرہ کو ہی اسلام قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ مَا الْإِيْمَانُ قَالَ الْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَبِلِقَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں کے پاس تشریف فرما تھے، کہ اچانک آپ کے پاس حضرت جبریل تشریف لائے، اور انہوں نے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور (قیامت کے دن) اللہ سے ملاقات پر، اور اللہ کے رسولوں پر، اور دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھیں، پھر حضرت جبریل نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ آپ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور نماز کو قائم کریں، اور زکاۃ کے فریضے کو ادا کریں، اور رمضان کے روزے رکھیں (بخاری)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أعمدة أحدها أوسط والبقية أركان فما دام الأوسط قائما فمسمى البيت موجود ولو سقط أحد من الأركان فإذا سقط الأوسط سقط مسمى البيت فالبيت بالنظر إلى مجموعه شيء واحد وبالنظر إلى أفراده أشياء وأيضا بالنظر إلى أسه أصلي والأركان تبع وتكملة(حاشية السيوطي على النسائي،ج۸ص۱۰۸، ۱۰۹ ، كتاب الايمان وشرائعه ،باب على كم بنى الاسلام)

[1] رقم الحديث ۵۰، كتاب الايمان ،باب سؤال جبريل النبى صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام .

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ، اسلام کے ارکان میں داخل ہے، اس لئے اسلام کے خیمہ یا عمارت کو قائم رکھنے کے لئے زکاۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔

حضرت معاویہ بہزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ: وَمَا الْإِسْلَامُ ؟ قَالَ: شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۰۱۱)[1]

ترجمہ: انہوں نے معلوم کیا کہ اسلام کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور آپ نماز کو قائم کرو اور زکاۃ کو ادا کرو (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ نماز اور زکاۃ کا کلمۂ شہادت کے ساتھ اہم تعلق ہے کہ یہ دونوں اسلام کے اہم ارکان ہیں۔

اس حدیث میں نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کو اسلام کا نام دے کر نماز اور زکاۃ کی اہمیت بتادی گئی۔[2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن، رجاله ثقات رجال الصحيح غير حكيم -وهو ابن معاوية بن جدة القشيرى -وهو صدوق حسن الحديث (حاشية مسند احمد)

[2] ثم (قال) أى جبريل يا رسول الله (ما الإسلام؟ قال) عليه الصلاة والسلام: (الإسلام أن تعبد الله) أى تطيعه مع خضوع تذلل أو تنطق بالشهادتين (ولا تشرك به) بالفتح، وفى نسخة كريمة: ولا تشرك بالضم، زاد الأصيلى شيئا (و) أن (تقيم) أى تديم (الصلاة) المكتوبة كما صرح به فى مسلم، أو تأتى بها على ما ينبغى، وهو وتاليه من عطف الخاص على العام. (و) أن (تؤدى الزكاة المفروضة) قيد بها احترازا من صدقة التطوع فإنها زكاة لغوية أو من المعجلة أو لأن العرب كانت تدفع المال للسخاء والجود، فنبه بالفرض على رفض ما كانوا عليه. قال الزركشى: والظاهر أنها للتأكيد، وفى رواية مسلم تقيم الصلاة المكتوبة وتؤتى الزكاة المفروضة (ارشاد السارى للقسطلانى، ج ۱ ص ۱۳۹، كتاب الايمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر)

نماز کے بعد زکاۃ کا درجہ ہے

بعض احادیث میں نماز کے بعد زکاۃ کا درجہ بتایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِیْنَ بَعَثَہٗ إِلَی الْیَمَنِ إِنَّکَ سَتَأْتِیْ قَوْمًا أَھْلَ کِتَابٍ فَإِذَا جِئْتَھُمْ فَادْعُھُمْ إِلٰی أَنْ یَشْھَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَإِنْ ھُمْ أَطَاعُوْا لَکَ بِذٰلِکَ فَأَخْبِرْھُمْ أَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ فَإِنْ ھُمْ أَطَاعُوْا لَکَ بِذٰلِکَ فَأَخْبِرْھُمْ أَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَإِنْ ھُمْ أَطَاعُوْا لَکَ بِذٰلِکَ فَإِیَّاکَ وَکَرَائِمَ أَمْوَالِھِمْ وَاتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے ان سے) فرمایا، کہ تم وہاں ایک اہلِ کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم ان کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) ان کو یہ دعوت دینا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو پھر تم ان کو یہ بات بتلانا، کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر وہ آپ کی اس بات کو بھی مان لیں، تو ان کو یہ بات بتلانا، کہ اللہ نے ان پر صدقہ (یعنی زکاۃ) فرض کی ہے، جو ان کے

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۹۶، کتاب الزکاۃ، باب أخذ الصدقۃ من الأغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا.

مالداروں سے وصول کر کے ان کے فقراء (یعنی مستحق افراد) کو دی جائے گی، پھر اگر وہ آپ کی اس بات کو بھی مان لیں، تو (غریبوں کے لئے ان سے زکاۃ وصول کرتے وقت) ان کے زیادہ اچھے مال کو لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ زکاۃ کے لئے درمیانی درجہ کے مال کو وصول کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی (اسی لئے وہ بہت جلدی قبول ہوتی ہے)

(بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بعد نماز اور اس کے بعد زکاۃ کے فریضے کا درجہ ہے۔

عبادتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ جو بدنی عبادات کہلاتی ہیں، یعنی ان کا تعلق بدن سے ہے، اور دوسری وہ جو مالی عبادات کہلاتی ہیں، یعنی ان کا تعلق مال سے ہے۔

ایمان کے بعد بدنی عبادات میں سب سے بڑا درجہ نماز کا ہے، اور مالی عبادات میں سب سے بڑا درجہ زکاۃ کا ہے، اس لئے نماز کے بعد زکاۃ کا درجہ دیگر عبادات سے پہلے ہے۔ [1]

زکاۃ ادا نہ کرنے کا نماز پر اثر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أُمِرْنَا بِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ ، فَمَنْ لَمْ يُزَكِّ فَلَا صَلَاةَ لَهُ

(المعجم الكبير للطبراني) [2]

---

[1] (فأعلمهم) ليكون الحكم تدريجيا على وفق ما نزل به التكليف الإلهي من أن العبادة البدنية أيسر من الإطاعة المالية أى فأخبرهم (أن الله قد فرض عليهم) أى بعد حولان الحول، وشروطه المعتبرة فى الوجوب (صدقة) أى زكاة لأموالهم (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۶۱، كتاب الزكاة، الفصل الاول)

[2] رقم الحديث ۱۰۰۹۵، ج۱۰ ص۱۰۳، تاريخ اصبهان، تحت ترجمة محمد بن عمرو أبو مسلم الخياط.

قال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير موقوفا هكذا بأسانيد أحدهما صحيح والأصبهانى وفى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ہمیں نماز کے قائم کرنے اور زکاۃ کے ادا کرنے (دونوں ہی) کا حکم دیا گیا ہے، پس جس نے زکاۃ ادا نہیں کی تو اس کی نماز بھی (قبول) نہیں (طبرانی، تاریخ اصبہان)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اُن کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ، وَلَمْ يُؤْتِ الزَّكَاةَ فَلَا صَلَاةَ لَهُ (المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: جس نے نماز قائم کی، اور زکاۃ ادا نہیں کی تو اس کی نماز (قبول) نہیں (طبرانی، ابوبکر بن خلال)

بعض روایات میں یہ مضمون کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ آیا ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ اسلام میں نماز کے قیام کا حکم بھی دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی زکاۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور یہ دونوں اسلام کے ارکان میں داخل ہیں، لہٰذا ایک رُکن وفریضہ کو چھوڑنے کا اثر دوسرے رُکن وفریضہ پر بھی پڑے گا، جیسا کہ کسی عمارت کے ایک ستون کے کمزور ہونے سے دوسرے ستون بھی متأثر ہوتے ہیں۔

اور یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی زکاۃ ادا نہ کرے تو وہ نماز بھی نہ پڑھے، یا اس کی نماز کا فریضہ بالکل ادا نہ ہوتا ہو، ایسا سمجھنا غلط ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ رواية للأصبهاني قال من أقام الصلاة ولم يؤت الزكاة فليس بمسلم ينفعه عمله (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۳۵، الترهيب من منع الزكاة وما جاء فى زكاة الحلى)

وقال الهيثمي: رواه الطبراني فى الكبير وله اسناد صحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۲۹، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

[1] رقم الحديث ۸۹۷۴، ج۹ ص۱۹۹، السنة لابى بكر بن الخلال، رقم الحديث ۱۵۰۲.

[2] عن عبد الله، قال: من أقام الصلاة، ولم يؤت الزكاة، فليس بمسلم ينفعه عمله (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للطبرى الرازى اللالكائى، رقم الحديث ۱۵۷۴، الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الحديث ۱۴۷۷)

[3] وقال ابن مسعود: من لم يزك، فلا صلاة له، ونفى القبول هنا لا يراد به نفى الصحة، ولا وجوب الإعادة بتركه، وإنما يراد بذلك انتفاء الرضا به، ومدح عامله، والثناء بذلك عليه فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی ﷺ کا نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی پر بیعت کرنا

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَایَعۡتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ عَلٰی إِقَامِ الصَّلَاۃِ وَإِیۡتَاءِ الزَّکَاۃِ وَالنُّصۡحِ لِکُلِّ مُسۡلِمٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے قائم کرنے اور زکاۃ کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی رکھنے پر بیعت کی (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

بیعت میں دراصل بیعت کرنے والے کے ساتھ بیعت ہونے والے کی طرف سے مختلف باتوں پر معاہدہ ہوتا ہے۔

اسلام لانے کے بعد نماز اور زکاۃ اسلام کے اہم ارکان میں سے ہیں، اور سب مسلمانوں کا خیر خواہ رہنا اور ان کی خیر و بھلائی چاہنا یہ اسلام کی خصوصی شان ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت ان تین اعمال کو معاہدہ کا حصہ بنایا، جس سے ان تینوں اعمال کی اہمیت معلوم ہوئی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الملأ الأعلی، والمباهاة به للملائكة .فمن قام بهذه الأركان على وجهها، حصل له القبول بهذا المعنى، ومن قام ببعضها دون بعض، لم يحصل له ذلك، وإن كان لا يعاقب على ما أتى به منها عقوبة تاركه، بل تبرأ به ذمته، وقد يثاب عليه أيضا (جامع العلوم والحكم لابن رجب بن الحسن الحنبلی، ج ۱، ص ۱۵۰، الحديث الثالث بنی الإسلام على خمس)

[1] رقم الحديث ۵۷، كتاب الايمان، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم : الدين النصيحة، مسلم، رقم الحديث ۹۷ "۵٦"، سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۹۲۵، نسائی، رقم الحديث ۴۱۷۵، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۱۵۳.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] (بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على إقام الصلاة) أی إقامتها وإدامتها وحذف تاء الإقامة عند الإضافة للإطالة (وإيتاء الزكاة) أی إعطائها وتمليكها لمستحقيها قال النووی وإنما اقتصر على الصلاة والزكاة لكونهما من العبادات المالية والبدنية وهما أهم أركان الإسلام بعد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ ودیگر چند اعمال ادا نہ کرنے تک قتال کا حکم

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں، جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم نہ کرلیں، اور زکاۃ ادا نہ کریں۔

پس جب وہ یہ کام کرلیں گے تو وہ میری طرف سے اپنے خونوں کو اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے، مگر جو اسلام کا حق ہو (مثلاً کسی نے قتل کیا ہو، وہ معاف نہ ہوگا) اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشهادتين وإظهارها اه لا يقال لعل غيرهما من الصوم والحج لم يكونا واجبين حينئذ لأنه أسلم عام توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم كما سبق في ترجمته ولأن الصوم من جملة العبادات البدنية ومن أقام على محافظة الصلوات ومداومتها فبالأولى أن يقيم بالصوم بخلاف عكسه كما هو مشاهد في أهل الزمان والحج مركب من العبادات المالية والبدنية فمن قام بهما قام به لا سيما ومحله في العمر مرة بخلاف الصلاة فإن لها أوقاتا في كل يوم وليلة والزكاة واجبة في كل سنة (والنصح بضم فسكون أي وبالنصيحة (لكل مسلم) أي من خاصة المسلمين وعامتهم قال النووي روى أن جريرا رضي الله عنه اشترى له فرس بثلاثمائة درهم فقال جرير لصاحب الفرس فرسك خير من ثلاثمائة درهم أتبيعه بأربعمائة قال ذلك إليك يا عبد الله فقال فرسك خير من ذلك أتبيعه بخمسمائة ثم لم يزل يزيد مائة مائة حتى بلغ ثمانمائة فاشتراه بها فقيل له في ذلك فقال بايعت رسول الله على النصح لكل مسلم (متفق عليه) (مرقاة المفاتيح، ج۷ص۳۱۱۲، كتاب الاداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق)

[1] رقم الحديث ۲۵، كتاب الايمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم.

ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے (بخاری)

ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے ظاہر میں یہ نماز، زکاۃ وغیرہ والے اعمال کر لئے، اور دل میں کفر چھپائے رکھا، تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، اور ہم تو ان اعمال کے ظاہر میں انجام دینے پر ان کو مسلمان ہی تصور کریں گے۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کے فریضہ کو مانے بغیر اسلام لانا معتبر نہیں ہوتا۔

اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بعض لوگوں نے زکاۃ ادا کرنے سے انکار کیا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ فرمایا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ لِأَبِيْ بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ

---

[1] أى إذا فعلوا ذلک لا يجوز إهدار دمائهم واستباحة أموالهم بسبب من الأسباب، إلا بحق الإسلام من استيفاء قصاص نفس أو طرف، إذا قتل أو قطع، ومن أخذ مال إذا غصب، إلى غير ذلک من الحقوق الإسلامية، كقتل لنحو زنا محصن، وقطع لنحو سرقة، وتغريم مال لنحو إتلاف مال الغير المحترم، وقال ابن مالک :استثناء من الدماء والأموال بحذف موصوف، أى إلا دماء أو أموالا ملتبسة بحق، (وحسابهم) أى فيما يسترون من الكفر والمعاصى بعد ذلک (على الله) ، والجملة مستأنفة، أو معطوفة على جزاء الشرط، والمعنى أنا نحكم بظاهر الحال والإيمان القولى، ونرفع عنهم ما على الكفار، ونؤاخذهم بحقوق الإسلام بحسب ما يقتضيه ظاهر حالهم، لا أنهم مخلصون، والله يتولى حسابهم، فيثيب المخلص، ويعاقب المنافق، ويجازى المصر بفسقه، أو يعفو عنه، وفيه دليل على أن من أظهر الإسلام وأبطن الكفر يقبل إسلامه فى الظاهر(مرقاة المفاتيح، ج ا ص ا ٨، كتاب الايمان)

مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهٗ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهٖ، فَقَالَ عُمَرُ: فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَیْتُ اللّٰهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِیْ بَکْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ (بخاری) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا، اور عرب کے بعض لوگوں نے کفر اختیار کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ لیں، پس جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا، تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کرلیا، مگر اس کلمہ کا حق باقی رہا، اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا (کہ نماز کے فریضہ کو تو تسلیم کرے گا، اور زکاۃ کے فریضہ کو تسلیم نہ کرے گا) تو میں اس کے خلاف ضرور قتال کروں گا، کیونکہ زکاۃ مال کا حق ہے، اور اللہ کی قسم اگر وہ لوگ مجھ سے (اونٹ کی) ایک رسی بھی روکیں گے، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکاۃ میں حوالے کیا کرتے تھے، تو میں اس کے منع کرنے پر بھی ان سے قتال کروں گا۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ نے (اس معاملہ میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قتال کے لئے شرح صدر فرمادیا

---

[1] رقم الحديث ۷۲۸۴، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، مسلم، رقم الحديث ۳۲"۲۰"، ترمذی، رقم الحديث ۲۶۰۷، ابوداؤد، رقم الحديث ۱۵۵۶، نسائی، رقم الحديث ۲۴۴۳، مسند احمد، رقم الحديث ۳۳۵.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ہے، اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات بالکل حق ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

پھر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات کو قبول فرمالیا، اور اس پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع ہوگیا، کہ زکاۃ کا منکِر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ [1]

زکاۃ کا عمل، ایمان کی دلیل ہے

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ شَطْرُ الْإِيْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانِ، وَالتَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُوْرٌ، وَالزَّكَاةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ، فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا، أَوْ مُوْبِقُهَا (سنن ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہتمام کے ساتھ اچھی طرح وضو کرنا، ایمان کا اہم حصہ ہے، اور ''الحمدللہ'' میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے، اور تسبیح (یعنی سبحان اللہ) اور تکبیر (یعنی اللہ اکبر) آسمانوں اور زمین کو بھر دیتے ہیں، اور نماز (قبر وآخرت میں) نور ہے، اور زکاۃ برہان (یعنی واضح حجت ودلیل) ہے، اور

---

[1] وقال ابن الأثير: من منعها منكرا وجوبها فقد كفر إلا أن يكون حديث عهد بالإسلام ولم يعلم وجوبها .وقال القشيرى :من جحدها كفر، وأجمع العلماء أن مانعها تؤخذ قهرا منه، وإن نصب الحرب دونها قتل، كما فعل أبو بكر، رضى الله تعالى عنه، بأهل الردة، ووافق على ذلك جميع الصحابة، رضى الله تعالى عنهم (عمدة القارى، ج۸، ص۲۳۳، وص۲۳۴، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة)

[2] رقم الحديث ۲۸۰، كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء شطر الايمان، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۸۴۴.

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح (حاشية ابنِ ماجه وحاشية ابنِ حبان)

صبر (راستہ کی) روشنی ہے، اور قرآن آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف حجت ہے، تمام لوگ اس حال میں صبح کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بیچ (یعنی فروخت) کرتے ہیں، پھر کوئی اپنے آپ کو (نیک اعمال کرکے عذاب سے) آزاد کرالیتا ہے، یا پھر اپنے آپ کو (گناہ کرکے عذاب میں گرفتار و) ہلاک کرالیتا ہے (ابنِ ماجہ، ابنِ حبان)

اس حدیث میں فرمایا گیا کہ زکاۃ برہان ہے، برہان ایسی دلیل اور حجت کو کہا جاتا ہے، جو کہ بالکل ظاہر اور مستحکم ہو، زکاۃ وصدقہ دراصل ایمان اور محبتِ الٰہی کی واضح دلیل ہے، کیونکہ زکاۃ وصدقہ سے دل کا تعلق مال اور دنیا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہوجاتا ہے، گویا کہ زکاۃ وصدقہ حبِ مال (یعنی مال کی محبت) کا علاج ہے، نیز زکاۃ وصدقہ کا عمل وہی شخص کرتا ہے، جس کے دل میں بمقابلہ آخرت، دنیا کی محبت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] (إسباغ الوضوء) أى إكماله بإيصال الماء فوق الغرة إلى تحت الحنك طولا ومن الأذن إلى الأذن عرضا مع المبالغة فى الاستنشاق والمضمضة وإيصال الماء إلى فوق المرفق والكعب مع كل من أصابع اليدين والرجلين والدلك والتثليث .ذكره الطيبى ثم قال :فتأمل فى بلاغة هذا اللفظ الموجز (شطر الإيمان) يعنى جزؤه واستعمال الشطر فى مطلق الجزء تجوز أخف من إخراج الوضوء والإيمان عن معناهما الشرعى الذى عليه الأكثر ولا ينافيه رواية أحمد :الطهور نصف الإيمان لأن النصف قد يطلق ويراد به أحد قسمى الشىء على وزن إذا مت كان الناس نصفين .نعم مما يقرب إرادته هنا قول ابن الأثير :الإيمان يطهر خبث الباطن والوصف يطهر الظاهر فكان نصفا وترجيح النووى أن المراد بالإيمان الصلاة (وما كان الله ليضيع إيمانكم) أطيل فى رده .قال مغلطاى :والحديث حجة على من يرى أن الوضوء لا يفتقر إلى نية (والحمد لله) أى هذا اللفظ وحده أو هذه الكلمة وحدها خلافا لزاعم أن المراد الفاتحة (تملأ) بفوقية :أى هذه الكلمة وقيل تطلق على الجمل المفيدة أو بتحتية :أى هذا اللفظ .كذا ذكره بعضهم لكن قال النووى ضبطناه بالفوقية وظاهره أنه الرواية (الميزان) أى ثواب النطق بذلك مع الإذعان لمدلوله يملأ كفة الحسنات التى هى كطباق السماوات بل أوسع وذلك لاشتمال الحمد على التفويض والافتقار إليه تعالى وفيه إثبات الميزان ذى كفتين ولسان ووزن الأعمال فيها بعد أن تجسم أو توزن الصحائف قيل ولكل إنسان ميزان والأصح الاتحاد (والتسبيح) أى تنزيه الله عما لا يليق به بنحو سبحان الله (والتكبير) أى تعظيم الله بنحو الله أكبر (تملأ) بالفوقية أو بالتحتية على ما تقرر (السماوات) السبع (والأرضين) لو قدر ثوابها جسما لأن العبد إذا سبح وكبر امتلأ ميزانه من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ ادا کرنا، مال کا فرض، حق ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ، فَقَدْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحسنات والميزان أوسع من السماوات والأرض فما يملؤه أكثر مما يملؤها :ويظهر أن المراد بذلك التعظيم ومزيد التكثير لا التحديد بدليل قوله فى رواية مسلم الآتية بدل ما هنا يملأ ما بين السماء والأرض (والصلاة) الجامعة لمصححاتها ومكملاتها (نور) أى ذات نور أو منورة :إذ هى سبب لإشراق نور المعارف ومكاشفات الحقائق مانعة من المعاصى ناهية عن الفحشاء والمنكر هادية للصواب أو ذاتها نور مبالغة فى التشبيه (والزكاة) كذا هو بخط المؤلف .ولفظ رواية مسلم الآتية :الصدقة بدل الزكاة :أى الصدقة المفروضة بدليل هذه الرواية ولأن الصدقة إذا أطلقت فى التنزيل مقترنة بالصلاة فالمراد بها الزكاة لكن يؤخذ من تعليلهم الآتى ذكرها للتصوير لا للتقييد (برهان) حجة ودليل قوى إلى إيمان المتصدق وحبه لربه ورغبته فى ثوابه فإن النفس مجبولة على حب المال والشيطان يعد الإنسان الفقر ويزين له الشح والنفس تساعده فمخالفة النفس والشيطان من أقوى البراهين على حب الرحمن (ويطعمون الطعام على حبه) وهنا تكلفات يمجها السمع فاحذرها (والصبر) أى حبس النفس على مشاق الطاعة والنوائب والمكاره (ضياء) أى لا يزال صاحبه مستضيئا بنور الحق على سلوك سبيل الهداية والتوفيق ليتحلى بضياء المعارف والتحقيق فيظفر بمطوبه ويفوز بمرغوبه .وخص الصلاة بالنور والصبر بالضياء :مع أن الضياء أعظم بشهادة (هو الذى جعل لكم الشمس ضياء والقمر نورا) لأن الصبر أس جميع الأعمال ولولاه لم تكن صلاة ولا غيرها ولأن الضوء فيه إحراق والنور محض إشراق والصبر شاق مر المذاق (والقرآن) أى اللفظ المنزل على محمد صلى الله عليه وسلم للإعجاز بأقصر سورة منه (حجة لک) فى تلک المواقف التى تسأل فيها عنه كالقبر والميزان وعقبات الصراط إن عملت بما فيه من امتثال المأمور وتجنب المنهى (أو عليک) فى تلک المواطن إن لم تعمل به وزعم أن المراد لک أو عليک فى المباحث الشرعية والقضايا الحكمية مما يمجه السمع ولما كان هذا مظنة سؤال سائل يقول قد تبين من هذا التقدير الرشد من الغى فما فى حال الناس بعد ذلک حتم لذلک بجملة استئنافية فقال (كل الناس يغدو) أى كل منهم يبكر ساعيا فى تحصيل أغراضه (فبائع نفسه) من ربها ببذلها فيما يرضاه (فمعتقها) من أليم العذاب (ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة الله) (أو) بائع نفسه من الشيطان بذلها فيما يؤذيها فهو (موبقها) أى مهلكها بسبب ما أوقعها فيه من استحقاق العذاب وكشف الحجاب والإبعاد عن حضرات رب الأرباب والفاء فى فبائع نفسه تفصيلية وفى فمعتقها سببة (واعلم) أن جميع ما مر تقريره هو حاضر ما ذكره النووى ثم القاضى .وقال الطيبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ فِيهِ، وَمَنْ جَمَعَ مَالًا حَرَامًا، ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ، وَكَانَ إِصْرُهُ عَلَيْهِ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کردی، تو آپ نے اپنے اوپر مال میں فرض حق کوادا کردیا، اورجس نے حرام مال جمع کیا، پھراس کوصدقہ کیا، تواس کواس صدقہ میں کوئی اجر (وثواب) حاصل نہیں ہوگا، اوراس پراس کا گناہ بھی ہوگا (ابنِ حبان، ترمذی، ابنِ ماجہ، حاکم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعد إيراده :ولعل المعنى بالإيمان هنا شعبته كما في حديث الإيمان بضع وسبعون شعبة والطهور والحمد وسبحان الله والصلاة والصدقة والصبر والقرآن أعظم شعبها التي تخص وتخصيصها لبيان فائدتها وفخامة شأنها فبدأ بالطهور وجعله شطر الإيمان أي شعبة منه وتقريره بوجوه :أحدها أن طهارة الظاهر أمارة لطهارة الباطن إذ الظاهر عنوانه فكما أن طهارة الظاهر ترفع الخبث والحدث فكذا طهارة الباطن في التوبة تفتح باب السلوك للسائرين إليه تعالى ولهذا جمعها في قوله (إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين) الثاني أنه اشتهر أن من أراد الوفود إلى العظماء يتحرى تطهير ظاهره من الدنس ولبس الثياب النقية الفاخرة فوافد مالك الملوك ذو العزة والجبروت أولى .
قال :وخص الصلاة بالنور والصبر بالضياء لأن فرط الانارة والصبر تثبت عليه أركان الإسلام وبه أحكمت قواعد الإيمان وختم تلك الشعب بقوله والقرآن حجة لك أو عليك وسلك به مسلكا غير مسلكها دلالة على كونه سلطانا قاهرا وحاكما فيصلا يفرق بين الحق والباطل حجة الله في الخلق به السعادة والشقاوة وهذا الحديث أصل من أصول الإسلام لاشتماله على مهمات قواعد الدين فكن له من المتدبرين(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٩٢٦)

[1] رقم الحديث ٣٢١٦، كتاب الزكاة،باب جمع المال من حله وما يتعلق بذلك، سنن الترمذى، رقم الحديث ٦١٨، باب ما جاء إذا أديت الزكاة فقد قضيت ما عليك، ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٧٨٨، مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٤٤٠ .

قال الترمذى:هذا حديث غريب، وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من غير وجه أنه ذكر الزكاة، فقال رجل :يا رسول الله هل على غيرها؟ فقال :لا، إلا أن تتطوع، وابن حجيرة هو عبد الرحمن بن حجيرة المصرى.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن، دراج أبو السمح صدوق، وباقى السند رجاله رجال الصحيح (حاشية ابن حبان)

وقال ايضاً:حديث حسن كما قال الترمذى، وهذا إسناد ضعيف لضعف درَّاج أبى السَّمح(حاشية سنن ابنِ ماجه)

اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی مال کا فرض درجہ میں حق ہے، اور اس فریضہ کو ادا کرنے کے بعد مال کا فرض حق ادا ہوجاتا ہے، اور فرض درجہ سے نیچے کے حقوق مثلاً واجب یا مسنون ومستحب صدقہ وخیرات کی صورتوں پر اس حدیث میں کلام نہیں کیا گیا، لہٰذا ان کے احکام اور فضائل اپنی جگہ برقرار ہیں۔

بعض اور احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ زکاۃ، مال کا فرض درجہ کا حق ہے۔[1]

اور بعض احادیث وروایات میں مال کو پیدا کرنے کا بنیادی مقصود ہی نماز کا قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کو بتلایا گیا ہے، جن کی اسناد پر محدثین واہلِ علم حضرات نے کلام کیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنَّا نَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ، فَيُحَدِّثُنَا فَقَالَ لَنَا ذَاتَ يَوْمٍ: إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَلَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَّكُوْنَ إِلَيْهِ ثَانٍ وَلَوْ كَانَ لَهُ وَادِيَانِ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِمَا ثَالِثٌ وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (مسند احمد)[2]

---

[1] حدثني مالك بن أنس، عن عمه أبي سهيل بن مالك، عن أبيه، أنه سمع طلحة بن عبيد الله، يقول :جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس، يسمع دوى صوته ولا يفقه ما يقول، حتى دنا، فإذا هو يسأل عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خمس صلوات في اليوم والليلة .فقال :هل على غيرها؟ قال :لا، إلا أن تطوع .قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :وصيام رمضان . قال :هل على غيره؟ قال :لا، إلا أن تطوع .قال :وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة، قال :هل على غيرها؟ قال :لا، إلا أن تطوع .قال :فأدبر الرجل وهو يقول :والله لا أزيد على هذا ولا أنقص، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفلح إن صدق (بخاري، رقم الحديث ۴۶)

[2] رقم الحديث ۲۱۹۰۶، واللفظ لهٗ،المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۳۳۰۱، المعجم الاوسط، رقم الحديث ۲۴۴۶، شعب الايمان، رقم الحديث ۹۸۰۰.

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہوتی تھی، تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث بیان فرماتے تھے، تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے مال کو صرف نماز کے قائم کرنے اور زکاۃ کے ادا کرنے کے لئے نازل کیا ہے، اور اگر ابنِ آدم کو مال کی ایک وادی مل جائے تو وہ دوسری وادی کی خواہش کرے گا، اور اگر اس کو مال کی دو وادیاں مل جائیں، تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا، اور ابنِ آدم کے پیٹ کو تو (قبر کی) مٹی ہی بھرتی ہے،، اور جو توبہ کرتا ہے، اللہ، اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے (مسند احمد، طبرانی، بیہقی)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف اور بعض نے حسن قرار دیا ہے۔ [1]

اور اس طرح کا مضمون ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ حضرت مسروق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

قُلْتُ لِعَائِشَةَ: هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ شَيْئًا إِذَا دَخَلَ الْبَيْتَ ؟ قَالَتْ: كَانَ إِذَا دَخَلَ الْبَيْتَ تَمَثَّلَ: لَوْ كَانَ لِابْنِ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف من أجل هشام بن سعد المدنى، فقد اختلفوا فيه ما بين مجرح ومعدل، وخلاصة القول فيه :أنه يعتبر به فى المتابعات والشواهد (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمى: رواه أحمد والطبرانى، ورجال أحمد رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١١٥٠٧، كتاب التفسير، سورة لم يكن)

وقال الالبانى: وهذا إسناد حسن، وهو على شرط مسلم، وفى هشام بن سعد كلام لا يضر، وقد تابعه محمد بن عبد الرحمن بن مجبر عن زيد بن أسلم به .أخرجه الطبرانى (٣٣٠٢) لكن ابن مجبر هذا متروك كما قال النسائى وغيره، فلا يفرح بمتابعته .وخالفهما ربيعة بن عثمان فقال :عن زيد بن أسلم عن أبى مراوح عن أبى واقداللیثى به .فذكر أبا مراوح بدل عطاء .أخرجه الطبرانى (٣٣٠٣) وابن منده فى "المعرفة ٢/١/٢٦٤ "وربيعة هذا حاله كحال هشام، فإن كان كل منهما قد حفظ، فيكون لعطاء بن يسار فى هذا الحديث شيخان، وكلاهما ثقة .والله أعلم. وللحديث شواهد كثيرة معروفة فهو حديث صحيح (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٦٣٩)

آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ فَمَهُ إِلَّا التُّرَابُ وَمَا جَعَلْنَا الْمَالَ إِلَّا لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۲۷۶، مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ۴۴۶۰)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو کوئی (خاص) بات فرماتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو یہ مثال بیان فرماتے تھے کہ اگر ابنِ آدم کو مال کی دو وادیاں بھی مل جائیں، تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا، اور اس کے منہ کو تو صرف مٹی ہی بھرتی ہے، حالانکہ ہم نے مال کو صرف نماز کے قائم کرنے اور زکاۃ کے ادا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، اور جو توبہ کرتا ہے، اللہ، اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے (مسند احمد، ابو یعلیٰ)

اس حدیث کی سند کو بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

کئی دوسری صحیح احادیث میں سونے، چاندی وغیرہ کی دو بھری ہوئی وادیاں ہونے کے باوجود تیسری وادی کی محبت کا ذکر آیا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:قوله" :لو كان لابن آدم واديان "..إلى آخر الحديث صحيح، دون قوله" :وما جعلنا المال إلا لإقام الصلاة وإيتاء الزكاة "وهذا إسناد ضعيف لضعف مُجالد، وهو ابن سعيد، وبقيةُ رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، وأبو يعلى، إلا أنه قال :إنما جعلنا المال لتقضى به الصلاة، وتؤتى به الزكاة .فكنا نرى أنه مما نسخ من القرآن .والبزار، وفيه مجالد بن سعيد، وقد اختلط، ولكن يحيى القطان لا يروى عنه ما حدث به في اختلاطه، والله أعلم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۷۸۹، باب لا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب)

في حاشية مسند ابي يعلى: اسنادهٗ ضعيف.

[2] عن ابن شهاب، قال :أخبرني أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لو أن لابن آدم واديا من ذهب أحب أن يكون له واديان، ولن يملأ فاه إلا التراب، ويتوب الله على من تاب(بخارى، رقم الحديث ۶۴۳۹، باب ما يتقى من فتنة المال، مسلم، رقم الحديث ۱۰۴۸"۱۱۶")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ دراصل انسان کی حرص وہوس کی مخصوص حالت کا بیان ہے، جو واقعہ کے مطابق ہے۔

قرآن مجید میں انسان کی حرص وہوس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّىْ إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا (سورة الاسراء، رقم الآية ١٠٠)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن ثابت، عن أنس، عن أبی، قال " :كنا نرى هذا من القرآن، حتى نزلت :(ألهاكم التكاثر)(بخاری، رقم الحديث ٦٤٤٠، باب ما يتقى من فتنة المال)

عن أنس قال :كنت أسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم -يقول :فلا أدرى، أشىء نزل عليه أم شىء يقوله وهو يقول؟ " -لو كان لابن آدم واديان من مال، لابتغى لهما ثالثا، ولا يملأ جوف ابن آدم، إلا التراب، ويتوب الله على من تاب "(مسند احمد، رقم الحديث ١٢٢٢٨)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

عن زيد بن أرقم قال :لقد كنا نقرأ على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم "لو كان لابن آدم واديان من ذهب وفضة، لابتغى إليهما آخر، ولا يملأ بطن ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب "(مسند احمد، رقم الحديث ١٩٢٨٠)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمى: رواه أحمد والطبرانى، والبزار بنحوه، ورجالهم ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٧٧٨٨، باب لا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب)

أخبرنا ابن جريج، قال :سمعت عطاء، يقول :سمعت ابن عباس، يقول :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لو أن لابن آدم مثل واد مالا لأحب أن له إليه مثله، ولا يملأ عين ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب قال ابن عباس فلا أدرى من القرآن هو أم لا، قال :وسمعت ابن الزبير، يقول ذلك على المنبر(بخاری، رقم الحديث ٦٤٣٧، باب ما يتقى من فتنة المال)

عن ابن عباس، قال :جاء رجل إلى عمر يسأله، فجعل عمر ينظر إلى رأسه مرة، وإلى رجليه أخرى، هل يرى عليه من البؤس شيئا؟ ثم قال له عمر :كم مالك؟ قال :أربعون من الإبل .قال ابن عباس :فقلت :صدق الله ورسوله " :لو كان لابن آدم واديان من ذهب لابتغى الثالث، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب " فقال عمر :ما هذا؟ فقلت :هكذا أقرأنيها أبى، قال :فمر بنا إليه .قال :فجاء إلى أبى، فقال :ما يقول هذا؟ قال أبى :هكذا أقرأنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم .قال: أفأثبتها، قال :نعم فأثبتها (مسند احمد، رقم الحديث ٢١١١١)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تم مالک ہو جاؤ، میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے، اس وقت بھی البتہ تم روک کر رکھو گے خرچ ہونے کے خوف سے، اور ہے انسان بڑا بخیل (سورہ اسراء)

مطلب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر بخیل ہے، اور بہت زیادہ مال ودولت کا ذخیرہ ہوتے ہوئے بھی اسے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال ختم ہو جانے کا ڈر رہتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١١٥١٠، كتاب التفسير، سورة لم يكن)

حدثنا أبو الزبير، أنه سأل جابرا، أقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لو كان لابن آدم واد تمنى آخر "؟ فقال جابر :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :لو كان لابن آدم واد من نخل تمنى مثله، ثم تمنى مثله، حتى يتمنى أودية، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب "(مسند احمد، رقم الحديث ١٤٦٦٥)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، ولهذا إسناد ضعيف لسوء حفظ ابن لهيعة، وقد توبع (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، وأبو يعلى، والبزار، ورجال أبي يعلى والبزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٧٧٨٧، باب لا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب)

وقال الالباني: صحيح (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ٥٢٨٩)

[1] (قل) لهم (لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربي) من الرزق والمطر (إذا لأمسكتم) لبخلتم (خشية الإنفاق) خوف نفادها بالإنفاق فتقتروا (وكان الإنسان قتورا) بخيلا(تفسير الجلالين، تحت رقم الآية ١٠٠ من سورة الاسراء)

قل لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربي خزائن رزقه وسائر نعمه، وأنتم مرفوع بفعل يفسره ما بعده كقول حاتم :لو ذات سوار لطمتني .وفائدة هذا الحذف والتفسير المبالغة مع الإيجاز والدلالة على الاختصاص .إذا لأمسكتم خشية الإنفاق لبخلتم مخافة النفاد بالإنفاق إذ لا أحد إلا ويختار النفع لنفسه ولو آثر غيره بشيء فإنما يؤثره لعوض يفوقه فهو إذن بخيل بالإضافة إلى جود الله تعالى وكرمه هذا وإن البخلاء أغلب فيهم .وكان الإنسان قتورا بخيلا لأن بناء أمره على الحاجة والضنة بما يحتاج إليه وملاحظة العوض فيما يبذله(تفسير بيضاوى، تحت رقم الآية ١٠٠ من سورة الاسراء)

(قُل لَّوُ أَنتُمُ تَمُلِكُونَ خَزَائِنَ رَحُمَةِ رَبِّى إِذًا لأَمُسَكُتُمُ) أى خزائن نعمه التى أفاضها على كافة الموجودات فالرحمة مجاز عن النعم والخزائن استعارة تحقيقية أو تخييلية ...... (خَشُيَةَ الإنفاق)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ کا ادا کرنا عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ، إِنَّهٗ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِيْنَ يُوَلُّوْنَ عَنْهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهٖ، وَالزَّكَاةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ، وَالصَّوْمُ عَنْ شِمَالِهٖ، وَفِعْلُ الْخَيْرَاتِ وَالْمَعْرُوْفُ وَالإِحْسَانُ إِلَى النَّاسِ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، فَيُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ، فَتَقُوْلُ الصَّلَاةُ :لَيْسَ قِبَلِیْ مَدْخَلٌ، فَيُؤْتٰى عَنْ يَمِيْنِهٖ، فَتَقُوْلُ الزَّكَاةُ :لَيْسَ مِنْ قِبَلِیْ مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتٰى عَنْ شِمَالِهٖ، فَيَقُوْلُ الصَّوْمُ: لَيْسَ مِنْ قِبَلِیْ مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، فَيَقُوْلُ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ وَالْمَعْرُوْفُ وَالْإِحْسَانُ إِلَى النَّاسِ :لَيْسَ مِنْ قِبَلِیْ مَدْخَلٌ، فَيُقَالُ لَهٗ :اِجْلِسْ، فَيَجْلِسُ وَقَدْ مَثُلَتْ لَهُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ، فَيُقَالُ لَهٗ :مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ كَانَ فِيْكُمْ؟ يَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَيَقُوْلُ :أَشْهَدُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا، فَصَدَّقْنَا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهٗ :صَدَقْتَ، وَعَلٰى هٰذَا حَيِيْتَ، وَعَلٰى هٰذَا مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللهُ، فَيُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ، فَذٰلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ :يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِی الْآخِرَةِ، فَيُقَالُ :اِفْتَحُوْا لَهٗ بَابًا إِلَى النَّارِ فَيُفْتَحُ لَهٗ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أى مخافة الفقر كما أخرجه ابن جرير .وابن المنذر عن ابن عباس وروى نحو عن قتادة وإليه ذهب الراغب قال :يقال أنفق فلان إذا افتقر . ، وأبو عبيدة قال :أنفق وأملق وأعدم وأصرم بمعنى واحد ، وقال بعضهم :الإنفاق بمعناه المعروف وهو صرف المال ، وفى الكلام مقدر أى خشية عاقبة الإنفاق(تفسير الآلوسى ، تحت رقم الآية ١٠٠ من سورة الاسراء)

بَابٌ إِلَى النَّارِ، فَيُقَالُ هٰذَا كَانَ مَنْزِلُكَ لَوْ عَصَيْتَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَسُرُوْرًا، وَيُقَالُ لَهُ :اِفْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُفْتَحُ لَهُ، فَيُقَالُ : هٰذَا مَنْزِلُكَ، وَمَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ، فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَسُرُوْرًا، فَيُعَادُ الْجِلْدُ إِلٰى مَا بَدَأَ مِنْهُ، وتُجْعَلُ رُوْحُهُ فِيْ نَسَمِ طَيْرٍ تَعْلَقُ فِيْ شَجَرِ الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الْكَافِرُ، فَيُؤْتٰى فِيْ قَبْرِهٖ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ، فَلَا يُوْجَدُ شَيْءٌ، فَيُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَلَا يُوْجَدُ شَيْءٌ، فَيَجْلِسُ خَائِفًا مَرْعُوْبًا، فَيُقَالُ لَهُ :مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِى كَانَ فِيْكُمْ؟ وَمَا تَشْهَدُ بِهٖ؟ فَلَا يَهْتَدِىْ لِاسْمِهٖ، فَيُقَالُ :مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوْا، فَيُقَالُ لَهُ : صَدَقْتَ، عَلٰى هٰذَا حَيِيْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللهُ، فَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَ : وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا، فَيُقَالُ :اِفْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ :هٰذَا كَانَ مَنْزِلَكَ وَمَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ لَوْ أَنْتَ أَطَعْتَهُ، فَيَزْدَادُ حَسْرَةً وثُبُوْرًا، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: اِفْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَيْهَا، فَيُقَالُ لَهُ :هٰذَا مَنْزِلُكَ وَمَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ، فَيَزْدَادُ حَسْرَةً وثُبُوْرًا (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۳۰، ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۱۱۳، مصنف ابنِ ابی شیبۃ موقوفاً عن ابی هريرة، رقم الحديث ۱۲۰۶۲.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الاوسط واسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۲۶۹، ج۳ص ۱۵، باب السؤال فی القبر)

وفی حاشية ابن حبان: اسنادہٗ حسن.

وقال الالبانی: حسن (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۳۵۶۱)

میں میری جان ہے کہ بے شک لوگوں کے قبر سے واپس لوٹتے وقت مُردہ، اُن کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے، تو اگر وہ مؤمن ہوتا ہے، تو نماز اس کے سَر کی طرف سے اور زکاۃ اس کے دائیں طرف سے اور روزہ اس کی بائیں طرف سے اور خیرات کے کام اور لوگوں کے ساتھ نیکی واحسان اس کے پیروں کی طرف سے، اس کی حفاظت ودفاع کرتے ہیں، پس جب اس کے سَر کی طرف سے (عذاب وغیرہ) لایا جاتا ہے، تو نماز کہتی ہے کہ میری جانب سے کوئی داخل ہونے کا راستہ نہیں، پھر اس کے دائیں طرف سے لایا جاتا ہے، تو زکاۃ کہتی ہے کہ میری جانب سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پھر اس کے بائیں طرف سے لایا جاتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری جانب سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پھر اس کے پیروں کی طرف سے لایا جاتا ہے، تو خیرات کے کام اور لوگوں کے ساتھ نیکی واحسان کہتے ہیں کہ ہماری جانب سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پس اس کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جایئے تو وہ بیٹھ جاتا ہے، تو اس کو سورج غروب ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو آپ لوگوں میں تھے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، پس وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے واضح دلائل (واحکام) لے کر آئے، تو ہم نے اُن کی تصدیق کی اور اتباع کی، تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا اور اسی پر تو زندہ رہا، اور اسی پر تیری وفات ہوئی، اور ان شاء اللہ اسی پر تجھے (قیامت کے دن) اُٹھایا جائے گا۔

پھر اس کی قبر کو حدِ نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے، اور یہ اللہ عزوجل کا (سورہ ابراہیم آیت نمبر ۲۷ میں) قول ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اس

پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھولو، پس اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے کہ اگر آپ اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتے تو یہ آپ کا مقام ہوتا، پس (یہ دیکھ کر) اس (قبر والے مؤمن بندے) کا رشک اور خوشی بڑھ جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولو، تو اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کا مقام ہے، اور وہ نعمت ہے جو اللہ نے آپ کے لیے تیار کی ہے، پس یہ دیکھ کر اس کے رشک اور خوشی میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر کھال اس کی طرف لوٹا دی جاتی ہے، جس سے اس کی ابتداء ہوئی تھی، اور اس کی روح کو جنت کے درخت میں لٹکے ہوئے ایک پرندے کے پوٹے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

اور کافر کے پاس قبر میں جب اس کے سَر کی طرف سے (فرشتہ یا عذاب) لایا جاتا ہے، تو اس طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اور جب اس کے پیروں کی طرف سے لایا جاتا ہے، تو ادھر سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، تو یہ خوف زدہ اور مرعوب ہو کر بیٹھ جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو آپ لوگوں میں تھے؟ اور آپ ان کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو، تو اس کو نام تک بھی نہیں آتا، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے سنا تھا، پس میں نے اسی طرح کہا جس طرح لوگ کہتے تھے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا، اسی پر تو زندہ رہا، اور اسی پر تجھ کو موت آئی، اور اسی پر ان شاء اللہ تجھے اُٹھایا جائے گا۔

پھر اُس کی قبر کو اُس پر تنگ کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اُس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پس یہی ہے اللہ عزوجل کا (سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۴ میں) قول (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ اور جو میرے ذکر (ونصیحت) سے اعراض کرے گا، تو اس کو (دنیا وآخرت یعنی برزخ میں) تنگ زندگی دی جائے گی۔

پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولو، تو اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے کہ اگر آپ اللہ کی اطاعت کرتے، تو یہ آپ کا مقام ہوتا، اور یہ کچھ اللہ تجھے نعمتوں سے نوازتا، تو اس سے اس کی حسرت اور غم میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر اُس کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو، تو اُس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اُسے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے، اور وہ کچھ ہے جو اللہ نے تیرے لیے تیار کیا ہے، تو اس سے اُس کی حسرت اور غم میں اضافہ ہو جاتا ہے (اور پھر اس کے لئے آگ کی طرف سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے اس کو عذاب ہوتا ہے) (طبرانی، ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کا عمل، انسان کو قبر کے عذاب اور وحشت سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اور اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ ''آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو'' اس کے متعلق محدثین نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشاندہی کر کے یا نام لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور عبدیت کے متعلق، اس قبر والے کا عقیدہ معلوم کیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] فیقول تقلیدا لا اعتقادا وفهم بعض من لفظ الإشارة أنه يكشف له عن النبى صلى الله عليه وسلم حتى يراه عيانا فيقال ما تقول فى هذا وأبطله ابن جماعة بأن الإشارة تطلق فى كلامهم على الحاضر والغائب كما يقول المرء لصاحبه ما تقول فى هذا السلطان وهما لم يرياه(فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ۲۰۷۲)

زکاۃ ادا کرنا، جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نُهِيْنَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلَهُ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَانَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَكَ، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَآءَ، وَخَلَقَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، آللّٰهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا، وَلَيْلَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِيْ أَمْوَالِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: ثُمَّ وَلّٰى، قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ (مسلم) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۱۰ "۱۲" کتاب الایمان، باب فی بیان الایمان باللہ وشرائع الدین.

ترجمہ: ہمیں اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی (غیر ضروری) چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لئے ہمیں یہ بات پسند آتی تھی کہ گاؤں والے لوگوں میں سے کوئی عقل مند شخص (جسے سوال کرنے سے منع نہیں کیا گیا) آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے، اور ہم (سوال وجواب) سُنیں، تو گاؤں والوں میں سے ایک آدمی آیا، اور اُس نے کہا کہ اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے، اُس نے ہمیں یہ بات بتلائی کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس قاصد نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ تو پھر زمین کو کس نے پیدا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا، اور ان میں جو کچھ ہے، وہ کس نے پیدا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آسمان کو پیدا کیا، اور زمین کو پیدا کیا، اور ان پہاڑوں کو قائم کیا، کیا واقعی اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہم پر ہمارے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (پانچ وقت کی نماز کے عمل) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے مالوں میں زکاۃ فرض ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (مال کی زکاۃ) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر سال بھر میں رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (رمضان کے روزے) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر بیتُ اللہ کا حج کرنا فرض ہے، اُس شخص پر جو اس کی طرف چلنے کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دیہاتی شخص واپس جانے لگا اور اُس نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان اعمال پر (جو آپ نے ابھی مجھے بتائے) نہ تو (اپنی طرف سے کوئی) زیادتی کروں گا، اور نہ ان میں سے (کسی عمل کو) کم کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ ضرور جنت میں داخل ہوجائے گا (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان ویقین کے بعد نماز، روزہ اور زکاۃ ایسے اعمال ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونا جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، قَالَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ، قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ، لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا شَيْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ، فَلَمَّا وَلّٰى، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا

(مسند احمد، رقم الحديث ۸۵۱۵) [2]

ترجمہ: ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلا دیجئے کہ جس کو کرنے کے نتیجہ میں، میں جنت میں داخل ہوجاؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں، اور آپ نماز کے فریضہ کو قائم کریں، اور زکاۃ کے فریضہ کو ادا کریں، اور آپ رمضان کے روزے رکھیں۔

اس آدمی نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان

---

[1] (وتقيم الصلاة) : من باب عطف الخاص على العام تنبيها على إنافته إن عمم العبادة، والمراد بها المكتوبة .وهذا الحكم ليس مخصوصا بمعاذ، بل يعم كل مؤمن؛ إذ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، ثم توقف دخول الجنة على الأعمال إنما هو بقيد الدخول الأولى كما سبقت الإشارة إليه فلا مستمسک للمعتزلة والخوارج لديه .(وتؤتى الزكاة) أى المفروضة (وصوم رمضان) أى الأيام المعدودة (وتحج البيت) أى بالأفعال المعلومة على شرط الاستطاعة فى العمر مرة .(ثم قال) أى -عليه الصلاة والسلام -زيادة على الإفادة بالحث على النوافل لتحصيل الدرجات العالية، أو لتكميل العبادات البدنية والمالية (مرقاة المفاتيح، كتاب الايمان)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ہے، میں اس پر نہ کوئی چیز زیادہ کروں گا، اور نہ اس میں سے کوئی چیز کم کروں گا، پھر جب وہ جانے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ کسی جنتی کو دیکھے، تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے (مسند احمد)

اس حدیث سے بھی گزشتہ حدیث کی طرح معلوم ہوا کہ نماز، روزہ ایسے اعمال ہیں، کہ جو جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہیں۔ [1]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِہِنَّ مَعَ إِیْمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلٰی وُضُوْئِہِنَّ وَرُکُوْعِہِنَّ وَسُجُوْدِہِنَّ وَمَوَاقِیْتِہِنَّ وَصَامَ رَمَضَانَ وَحَجَّ الْبَیْتَ إِنِ اسْتَطَاعَ إِلَیْہِ سَبِیْلاً وَأَعْطَی الزَّکَاةَ طَیِّبَةً بِہَا نَفْسُہٗ، وَأَدَّی الْأَمَانَةَ قَالُوْا: یَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَمَا أَدَاءُ الْأَمَانَةِ قَالَ: اَلْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

(ابوداوٗد) [2]

---

[1] (أن ینظر إلی رجل من أهل الجنة فلینظر) جواب الشرط، أو خبر متضمنه (إلی هذا) أی هذا الرجل؛ لعزمه علی فعل المأمورات وترک المحظورات، فعلی من أراد اللحوق به فی ذلک أن یصمم علی ما صمم علیه؛ لیکون من الناجین، ولیحشر مع السابقین (مرقاة، کتاب الایمان)

(من سره أن ینظر إلی رجل من أهل الجنة فلینظر إلی هذا) فالظاهر منه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم علم أنه یوفی بما التزم وأنه یدوم علی ذلک ویدخل الجنة (شرح النووی علی مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الإیمان الذی یدخل به الجنة)

[2] رقم الحدیث ۴۲۹، کتاب الصلاة، باب فی المحافظة علی وقت الصلوات، واللفظ لهٗ، شعب الایمان، رقم الحدیث ۲۴۹۵، المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۷۲.

قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر وإسناده جید .(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۳۹)

وقال المنذری: رواه الطبرانی فی الکبیر بإسناد جید وتقدم (الترغیب والترهیب للمنذری، تحت رقم الحدیث ۱۱۰۵، کتاب الصدقات الترغیب فی أداء الزکاة وتأکید وجوبها)

وقال الالبانی: قلت: إسناده حسن (صحیح ابی داوٗد الام، تحت رقم الحدیث ۴۵۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں، کہ جو شخص ان کو ایمان کے ساتھ ادا کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا (ایک یہ کہ) جس نے پانچوں نمازوں کی حفاظت کی، اُن کے وضو کی بھی، اُن کے رکوع کی بھی، اُن کے سجدوں کی بھی، اور اُن کے اوقات کی بھی (کہ وضو اور نماز کے تمام ارکان، صحیح طور پر ادا کئے اور وقت کی بھی رعایت کی) اور (دوسرے) رمضان کے روزے رکھے، اور (تیسرے) بیت اللہ کا حج کیا، اگر وہاں تک کے راستے کی استطاعت ہو، اور (چوتھے) زکاۃ کو خوشدلی کے ساتھ ادا کیا، اور پانچویں امانت کو ادا کیا، لوگوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جنابت کا غسل (ابوداؤد، بیہقی، طبرانی)

ایمان کیونکہ ہر عمل کے عبادت بننے کے لئے ضروری ہے، اس لئے ایمان کا اس حدیث میں ہر عمل کے لئے شرط وضروری ہونا بیان کیا گیا۔

اور اگرچہ امانت کا مفہوم عام ہے، جس میں حقوق العباد بھی داخل ہیں، لیکن کیونکہ عام طور پر امانت کو حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے، اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے جنابت کے غسل کی مثال سے امانت کے وسیع مفہوم کو واضح فرمادیا۔

بہرحال اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز، روزہ اور زکاۃ وغیرہ ایسے اعمال ہیں کہ جو جنت میں داخلہ کا ذریعہ و باعث ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيْبًا مِّنْهُ وَنَحْنُ نَسِيْرُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِيْ عَنِ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ عَظِيْمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَّسَّرَهُ اللهُ عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي

الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، ایک دن صبح کے وقت میں آپ کے قریب تھا، اور ہم اس وقت چل رہے تھے، تو میں نے (مناسب موقع دیکھ کر) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، اور (جہنم کی) آگ سے دُور ہو جاؤں؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے بڑے عمل کے بارے میں سوال کیا ہے، لیکن جس پر اللہ آسان فرمائے، اس کے لئے وہ عمل آسان ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک تو آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں (کہ یہ ایمان کے لئے شرط ہے) اور آپ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، اور رمضان کے روزے رکھیں، اور بیت اللہ کا حج کریں (ترمذی، مسند احمد، ابنِ ماجہ، طبرانی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ایمان وتوحید کے بعد نماز، زکاۃ، روزہ اور حج ایسے اعمال ہیں کہ جو جنت میں داخلہ کا باعث ہیں۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ جَاءَ يَعْبُدُ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ،

---

[1] رقم الحديث ٢٦١٦، ابواب الايمان، باب ما جاء فى حرمة الصلاة، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٠١٦، ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٩٧٣، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ١١٣٣٠، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٢٦٦.

قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح (ترمذى، حواله بالا)

وقال شعيب الارنؤوط: صحيح بطرقه وشواهده، وهذا إسناد منقطع (حاشية مسند احمد)

وقال المنذرى: رواه أحمد والترمذى وصححه والنسائى وابن ماجه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١١٠٦، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الالبانى: صحيح (صحيح وضعيف سنن ابنِ ماجة، تحت رقم الحديث ٣٩٧٣)

وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ، فَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ، وَسَأَلُوهُ : مَا الْكَبَائِرُ؟ قَالَ : اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الْمُسْلِمَةِ، وَفِرَارٌ يَوْمَ الزَّحْفِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۵۰۲، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۳۸۸۵) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (اللہ کی بارگاہ میں) اس حال میں حاضر ہو کہ اللہ کی عبادت کرتا ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، اور نماز قائم کرتا ہو، اور زکاۃ ادا کرتا ہو، اور رمضان کے روزے رکھتا ہو، اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، تو اس کے لئے جنت ہے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کبیرہ گناہوں سے کیا مراد ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا کسی مسلمان کو قتل کرنا اور میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا (مسند احمد، طبرانی)

کبیرہ گناہوں کا ذکر آگے بھی احادیث کے ضمن میں آتا ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ چند دوسرے اعمال کے ساتھ ساتھ زکاۃ کی ادائیگی ان اہم اعمال میں سے ہے، کہ جو جنت میں داخلہ کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ ان اعمال کو انجام دینے اور پھر ان کی برکت سے جنت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زکاۃ ادا کرنے والوں کے لئے جنت کا مخصوص دروازہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَيْرٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن بمجموع طرقه، بقية -وهو ابن الوليد- ضعيف يعتبر به في المتابعات والشواهد، وهو في هذا الحديث متابع، وباقي رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستے میں کوئی چیز جوڑے والی (یعنی دو کی تعداد میں یا آگے پیچھے) خرچ کی، تو اُسے جنت کے دروازوں سے بُلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے (جو اللہ نے تیرے لیے تیار کی ہے) اور جو شخص نماز کی پابندی کرنے والا ہوگا، اُسے جنت کی طرف نماز کے دروازے سے بُلایا جائے گا، اور جو شخص جہاد کرنے والا ہوگا، اُسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ رکھنے والا ہوگا، اُسے بابِ ریّان (جو روزے داروں کے لیے جنت میں داخل ہونے والے دروازے کا نام ہے) سے بلایا جائے گا، اور جو شخص صدقہ (وزکاۃ) دینے والوں میں سے ہوگا، اُسے صدقہ (وزکاۃ) کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اگرچہ ان سب دروازوں سے بلانے کی کوئی ضرورت تو نہ ہوگی (کیونکہ داخلے کے لیے ایک دروازہ بھی کافی ہے) لیکن کیا کوئی ان سب دروازوں سے بھی بلایا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بے شک، اور (رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ) میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں

---

[1] رقم الحديث ۱۷۶۴، كتاب الصوم، باب الريان للصائمين، مسلم، رقم الحديث ۱۷۰۵.

سے ہوں گے (جن کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا) (بخاری، مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان تمام اعمال کو اختیار کرنے والا ہوگا، جو مذکورہ حدیث میں ذکر کئے گئے، اس کو اعزاز واکرام کے طور پر سب دروازوں سے بلایا جائے گا، اور یہ شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوگا۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ ادا کرنے والوں کے لئے جنت میں مخصوص دروازہ مقرر ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ ثَـلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَكَبَّ فَأَكَبَّ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا يَبْكِیْ لَا نَدْرِیْ عَلٰى مَاذَا حَلَفَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فِیْ وَجْهِهِ الْبُشْرٰى فَكَانَتْ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّیْ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ وَيُخْرِجُ الزَّكَاةَ وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ السَّبْعَ إِلَّا فُتِّحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَقِيْلَ لَهٗ اُدْخُلْ بِسَلَامٍ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور تین مرتبہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے، پھر آپ نے اپنا سر

---

[1] يكون جماعة يدعون من جميع الأبواب تعظيما وتكريما لهم ;لكثرة صلاتهم وجهادهم وصيامهم وغير ذلك من أبواب الخير "وأرجو أن تكون منهم "لأنه -رضى الله عنه -كان جامعا لهذه الخيرات كلها (مرقاة المفاتيح ،ج۴ص ۱۳۳۵ ، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

[2] رقم الحديث ۲۴۳۸، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ۲۲۳۰ كتاب الزكاة، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۲۹۴۳.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

وقال المنذرى: رواه النسائى واللفظ له وابن ماجه وابن خزيمة وابن حبان فى صحيحيهما والحاكم وقال صحيح الإسناد (الترغيب والترهيب ج ۱ ص ۲۹۹، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

جھکالیا، اور ہم میں سے ہر آدمی نے بھی سر جھکالیا، اور رونا شروع کیا، کہ معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بات پر قسم اٹھائی، پھر (تھوڑی دیر بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا، اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشی ہمیں سرخ (یعنی بہترین) اونٹوں سے زیادہ محبوب معلوم ہوئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بھی پانچ وقت کی نماز پڑھے گا، اور رمضان کے روزے رکھے گا، اور زکاۃ ادا کرے گا، اور سات بڑے گناہوں سے بچے گا، تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ تو سلامتی وعافیت کے ساتھ جنت میں داخل ہوجا (نسائی، حاکم)

سات بڑے گناہوں کا ذکر دوسری احادیث میں آیا ہے، جن میں ایک گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، اور دوسرا کسی کو ناحق قتل کرنا، اور تیسرا میدانِ جہاد سے بھاگنا، اور چوتھا یتیم کا مال کھانا، اور پانچواں سود کھانا، اور چھٹا پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، اور ساتواں شرعی ہجرت کرنے کے بعد اس سے پھر جانا بتلایا گیا ہے۔

اور بعض احادیث میں ساتواں گناہ جادو کرنا، بتلایا گیا ہے۔

اور بعض احادیث میں ان کبیرہ گناہوں کو ہلاک کرنے والے گناہ قرار دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا أحمد بن رشدين، ثنا عمرو بن خالد الحرانی، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبی حبيب، عن محمد بن سهل بن أبی حثمة، عن أبيه قال :سمعت النبی صلی الله عليه وسلم علی المنبر يقول :اجتنبوا الكبائر السبع ، فسكت الناس فلم يتكلم أحد، فقال النبی صلی الله عليه وسلم :ألا تسألونی عنهن؟ الشرک بالله، وقتل النفس، والفرار من الزحف، وأكل مال اليتيم، وأكل الربا، وقذف المحصنة، والتعرب بعد الهجرة(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۵۶۳۶)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه ابن لهيعة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۳۸۵، باب فی الكبائر)

وقال الالبانی: حسن (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۱۴۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد صرف سات نہیں ہے، بلکہ اور بھی کئی قسم کے کبیرہ گناہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سات کا ذکر کسی خاص وجہ سے فرمایا ہے، مثلاً اس وجہ سے کہ اس وقت وہاں کے لوگوں کو ان سات گناہوں سے نفرت دلانے کی زیادہ ضرورت تھی، وغیرہ۔ [۱]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَأَطَاعَ فَإِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُهٗ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَلَهَا ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ وَمَنْ عَبَدَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَعَصٰى فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ أَمْرِهٖ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ رَحِمَهٗ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ (مسند احمد) [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن أبی هريرة رضی الله عنه، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا :يا رسول الله وما هن؟ قال :الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التی حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولی يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات (بخاری، رقم الحديث ۲۷۶۶، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى: إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما الخ، مسلم، رقم الحديث ۱۴۵ "۸۹")

[۱] (اجتنبوا) أبعدوا وهو أبلغ من لا تفعلوا لأن نهی القربان أبلغ من نهی المباشرة ذكره الطيبی (السبع) أی الكبائر السبع ولا ينافيه عدها فی أحاديث أكثر لأنه أخبر فی كل مجلس بما أوحی إليه أو ألهم أو سنح له باعتبار أحوال السائل أو تفاوت الأوقات أو لزيادة فحشها وفظاظة قبحها أو لأن مفهوم العدد غير حجة أو لغير ذلك (الموبقات) بضم الميم وكسر الموحدة التحتية المهلكات جمع موبقة وهی الخصلة المهلكة أو المراد الكبيرة أجملها وسماها مهلكات ثم فصلها ليكون أوقع فی النفس وليؤذن بأنها نفس المهلكات وقول التاج السبكی الموبقة أخص من الكبيرة وليس فی حديث أبی هريرة أنها الكبائر تعقبه الحافظ ابن حجر بالرد قال ابن عباس وهی إلی السبعين أقرب وابن جبير إلى السبعمائة أقرب أی باعتبار أصناف أنواعها وللحافظ الذهبی جزء فيه نحو الأربعمائة ذكره الأذرعی (فيض القدير للمناوی تحت رقم الحديث ۱۷۱)

[۲] رقم الحديث ۲۲۷۶۸، واللفظ لهٗ، مسند البزار، رقم الحديث ۲۷۰۴.

قال شعيب الارنؤوط: اسنادهٗ حسن (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمی: رواه أحمد والطبرانی، ورجال أحمد ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۹۰، ج۵ص۲۱۶، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهی عن قتالهم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی اس طریقے سے عبادت کی کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا، اور اُس نے نماز قائم کی، اور زکاۃ ادا کی، اور اللہ کے (دوسرے) احکام کو سُنا اور اطاعت کی۔

تو بلاشبہ اللہ اُس کو جنت کے جس دروازے سے وہ چاہے گا، داخل فرمائے گا، اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

اور جس شخص نے اللہ کی اس طریقے سے عبادت تو کی کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا، اور اُس نے نماز بھی قائم کی، اور زکاۃ بھی ادا کی، اور اللہ کے (دوسرے) احکام کو سُنا لیکن اُس نے (اُن پر عمل نہیں کیا، بلکہ) اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ کو اختیار ہے کہ چاہے تو اُس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اسے عذاب دے

(مسند احمد، بزار)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ نماز، روزہ وغیرہ پر عمل کرنے کے ساتھ زکاۃ بھی ادا کرتا ہے، تو اللہ کی طرف سے اس کے لئے جنت کے جس دروازے سے چاہے داخلے کی اجازت ہوتی ہے، جس سے نماز اور زکاۃ وغیرہ جیسے اعمال کی فضیلت واہمیت معلوم ہوئی۔

زکاۃ ادا کرنا، اولیاء اللہ ہونے اور نبی کی معیت کا ذریعہ ہے

حضرت عمیر بن قتادہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ الْمُصَلُّوْنَ مَنْ يُّقِيْمُ الصَّلَاةَ الْخَمْسَ الَّتِيْ كُتِبْنَ عَلَيْهِ، وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ يَحْتَسِبُ صَوْمَهٗ يَرٰى أَنَّهٗ عَلَيْهِ حَقٌّ، وَيُعْطِيْ زَكَاةَ مَالِهٖ يَحْتَسِبُهَا، وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ الَّتِيْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا ثُمَّ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَهٗ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْكَبَائِرُ؟ فَقَالَ: هِيَ تِسْعٌ: اَلشِّرْكُ

بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَفِرَارٌ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَةِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ، وَاسْتِحْلَالُ الْبَيْتِ الْحَرَامِ قِبْلَتِكُمْ أَحْيَاءً وَّأَمْوَاتًا، ثُمَّ قَالَ: لَا يَمُوتُ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ هٰذِهِ الْكَبَائِرَ وَيُقِيمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ إِلَّا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَارٍ أَبْوَابُهَا مَصَارِيعُ مِنْ ذَهَبٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ یاد رکھو! اولیاء اللہ وہ ہیں، جو نماز پڑھنے والے ہیں، وہ لوگ ہیں جو پانچ وقت کی نمازوں کو قائم کرتے ہیں، جو فرض کی گئیں، اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں، اپنے روزوں کے بارے میں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ان پر حق ہیں، اور اپنے مال کی خوش دلی سے زکاۃ دیتے ہیں، اور اُن کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں) سے بچتے ہیں، جن سے اللہ نے منع کیا ہے، پھر ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کبائر (یعنی کبیرہ گناہ) کون سے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نو ہیں، ایک اللہ کے ساتھ شرک

---

[1] رقم الحديث ٧٦٦٦، كتاب التوبة والانابة، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١٠١.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.
وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.
وقال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير ورواته ثقات وفى بعضهم كلام وعند أبى داود بعضه (الترغيب والترهيب ج ١ ص ٣٠٣، تحت رقم الحديث ١١٢٣، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)
وقال فى موضع آخر: رواه الطبرانى فى الكبير بإسناد حسن بحبوحة المكان بحاء ين مهملتين وباء ين موحدتين مضمومتين هو وسطه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ٢٠٨٨، كتاب الجهاد الترغيب فى الرباط فى سبيل الله عز وجل)
وقال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، ج ١ ص ٤٨، تحت رقم الحديث ١٤٢، كتاب الايمان، باب فيما بنى عليه الإسلام)

کرنا، دوسرے مؤمن کی جان کو ناحق قتل کرنا، تیسرے جہاد کے دن راہِ فرار اختیار کرنا، چوتھے یتیم کا مال کھانا، پانچویں سود کھانا، چھٹے پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، ساتویں مسلم والدین کی نافرمانی کرنا، آٹھویں بیتِ حرام (یعنی حرم کے مبارک مقام) کو حلال سمجھنا (یعنی حرم کی تعظیم اور پابندیوں کی خلاف ورزی کو جائز سمجھنا) جو کہ تمہارے زندوں اور مُردوں کا قبلہ ہے، پھر فرمایا کہ کوئی آدمی بھی فوت نہیں ہوتا، جو ان کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، اور نماز قائم کرتا ہو، اور زکاۃ دیتا ہو، مگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا، ایسے گھر میں جس کے دروازے سونے کے پٹوں (یعنی کواڑوں) کے ہوں گے (حاکم، طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام، روزہ اور زکاۃ کی ادائیگی ایسے اعمال ہیں کہ جو اولیاء اللہ ہونے کی نشانی اور آخرت وجنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا باعث ہیں۔

زکاۃ کو خوشی سے ادا کرنا، ایمان کا ذائقہ چکھنے میں داخل ہے

حضرت عبداللہ بن معاویہ غاضری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيْضَةَ، وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيْمَةَ، وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں ہیں، جو شخص ان کو کرے گا

---

[1] رقم الحديث ١٥٨٢، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن فيه انقطاع بين يحيى بن جابر وبين جُبير بن نفير. وقد جاء موصولاً من طرق عن عبد الله بن سالم -وهو الأشعرى-، بذكر عبد الرحمن بن جبير بن نفير، وهو ثقة (حاشيه ابى داوٗد)

وہ ایمان کا مزہ پائے گا، ایک اللہ کی عبادت کرے اور دوسرے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرے، اور تیسرے ہر سال اپنے مال کی زکاۃ خوشی سے ادا کرے، اور (سائمہ مخصوص جانوروں کی زکاۃ میں) بوڑھا خارشی، بیمار، اور گھٹیا جانور نہ دے بلکہ درمیانہ درجہ کا دے کیونکہ اللہ تم سے نہ زیادہ عمدہ مال چاہتا ہے اور نہ ہی گھٹیا مال کو پسند کرتا ہے (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کو خوش دلی سے ادا کرنا اور گھٹیا مال کے بجائے درمیانہ مال زکاۃ میں دینا، ایمان کا ذائقہ چکھنے کی نعمت وفضیلت کا باعث ہے۔ [1]

---

[1] قوله" :طعم طعم الإيمان "طعم فعل معجمى بكسر العين بمعنى ذاق، ومنه قوله تعالى :(ومن لم يطعمه فإنه منى) والطعم بالفتح ما يؤديه الذوق.
قوله " :من عبد الله وحده "أى :أولى الخصال الثلاثة :من عبد الله وحده.
توله " :وأنه لا إله إلا الله "عطف على قوله "وحده "، فيكون فى محل النصب، لأن "وحده "حال بمعنى ينفرد وحده كما قررناه مرة .قوله" :وأعطى زكاة ماله "هى الخصلة الثانية.
قوله" :طيبة بها نفسه "أى :حال كونه طيبة بالزكاة نفسه، وإنما أتت طيبة لاستنادها إلى النفس، يقال :طابت نفسه بالشىء ، إذا سمحت به من غير كراهة ولا غضب.
قوله" :رافدة عليه "أى :معينة، وأصل الرفد الإعانة، يقال :رفدته أرفده إذا أعنته، وانتصابها على أنها حال من "نفسه "، والضمير الذى فى "عليه "يرجع إلى الإعطاء ، الذى يدل عليه قوله : "وأعطى"، والمعنى معينة على إعطائها، أى :أداء الزكاة.
قوله " :ولم يعط الهرمة "هى الخصلة الثالثة، و "الهرمة "الكبيرة فى السن.
قولى" :ولا الدرنة "بفتح الدال المهملة، وكسر الراء ، وبعدها نون مفتوحة، وتاء تأنيث :أى :ولا يعطى الدرنة، وهى الجرباء ، وأصل الدرن الوسخ.
قوله" :ولا الشرط "بفتح الشين المعجمة والراء ، وبطاء مهملة .قال الخطابى :الشرط :رذالة المال، قال الشاعر:وفى شرط المعزى لهن مهور وقال ابن الأثير :وقيل :صغار المال وشراره.
قوله " :اللئيمة "نصب على أنها صفة "للشرط "ومعناها الدنيئة.
قوله " :من وسط أموالكم "بفتح السين.
قوله " :لم يسألكم خيره "أى :خير ما لكم، و "لم يأمركم بشره "أى :برذالته.
والحديث أخرجه أبو داود منقطعا كما ترى، وأخرجه الطبرانى والبزار وأبو القاسم البغوى فى " مسند الصحابة "مسندا (شرح ابى داوٗد للعينى،ج۶ ص۲۷۳، ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة)

زکاۃ وصدقہ سے مال میں کمی کے بجائے برکت ہوتی ہے

قرآن مجید کی سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ (سورة سبأ، رقم الآية ۳۹)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ بے شک میرا رب کشادہ کردیتا ہے رزق کو، جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، اور تنگ کردیتا ہے جس کے لئے چاہے، اور جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو، تو وہ اس کے بدلہ میں عطا فرماتا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے (سورہ سبا)

مطلب یہ ہے کہ رزق کا کشادہ اور تنگ کرنا اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور جو کچھ بھی اللہ کی رضا یا اس کے حکم کو پورا کرنے کے لئے خرچ کیا جاتا ہے، جس میں زکاۃ وصدقہ بھی داخل ہے، تو اللہ اس کے بدلہ میں عطا فرماتا ہے، جو کہ دنیا کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور آخرت میں تو اجر وثواب یقینی ہوتا ہے، جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (بخاری) [2]

---

[1] قوله تعالى: (قل إن ربي يبسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر له) كرر تأكيدا. (وما أنفقتم من شيء فهو يخلفه) أي قل يا محمد لهؤلاء المغترين بالأموال والأولاد إن الله يوسع على من يشاء ويضيق على من يشاء، فلا تغتروا بالأموال والأولاد بل أنفقوها في طاعة الله، فإن ما أنفقتم في طاعة الله فهو يخلفه. وفيه إضمار، أي فهو يخلفه عليكم، يقال: أخلف له وأخلف عليه، أي يعطيكم خلفه وبدله، وذلك البدل إما في الدنيا وإما في الآخرة(تفسير القرطبي، ج۱۴ ص۳۰۷، سورة سبا)

[2] رقم الحديث ۱۴۴۲، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى، مسلم، رقم الحديث ۱۰۱۰ "۵۷"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں ہوتا، جس میں بندے صبح کرتے ہوں، مگر ہر دن دو فرشتے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اترتے ہیں، اور ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے بدلہ میں (اور نعمت) عطا کر دیجئے، اور دوسرا کہتا کہ اے اللہ! روکنے (اور بخل اختیار کرنے) والے کے (موجودہ) مال کو تلف وضائع کر دیجئے (بخاری، مسلم)

مطلب یہ ہے کہ زکاۃ وصدقہ وغیرہ کی شکل میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے والے شخص کے حق میں ایک فرشتہ، خیر وبرکت اور خرچ کئے ہوئے مال کے بدلہ میں دنیا وآخرت کا بدل عطا فرمانے کی دعاء کرتا ہے، اور دوسرا فرشتہ بخل کرنے والے کے مال کے تلف وبے برکتا وغیرہ ہونے کی بددُعا کرتا ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفَقْ عَلَيْكَ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا کہ اے بنی آدم! (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کر، جس کے نتیجہ میں تجھ پر (اللہ کی طرف سے) خرچ کیا جائے گا (بخاری، مسلم)

---

[1] (وعنه) أى :أبى هريرة (قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-ما من يوم) ما نافية ومن زائدة لتأكيد الاستغراق، والمعنى ليس يوم (يصبح العباد فيه) صفة يوم (إلا ملكان) مبتدأ خبره (ينزلان) أى :فيه، وهذه الجملة مع ما يتعلق بها فى محل الخبر وهو مستثنى من محذوف، أى :على وجه إلا هذا الوجه، ذكره الطيبى (فيقول أحدهما) أى :لمن أنفق ماله فى الخيرات (اللهم أعط منفقا) أى :من محله فى محله، وأطلق مبالغة فى مدح الإنفاق (خلفا) أى :عوضا عظيما وهو العوض الصالح أو عوضا فى الدنيا وبدلا فى العقبى لقوله -تعالى -(وما أنفقتم من شىء فهو يخلفه وهو خير الرازقين) (ويقول الآخر) للآخر الذى لم ينفق فى مرضاة المولى (اللهم أعط ممسكا) أى :عن خيره لغيره (تلفا) أى :لماله حسا أو معنى، وفى إيراده بلفظ الإعطاء مشاكلة(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۱۹، باب الانفاق و كراهية الامساك)

[2] رقم الحديث ۵۳۵۲، كتاب النفقات،باب فضل النفقة على الأهل،مسلم ،رقم الحديث ۹۹۳"۳۶"

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب بندہ اللہ کے حکم کے مطابق زکاۃ وصدقہ وغیرہ کی شکل میں خرچ کرتا ہے، تو اللہ کی طرف سے اس پر خرچ کرنے کا مختلف شکلوں میں انتظام کیا جاتا ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ (وزکاۃ) سے مال کم نہیں ہوتا، اور جس بندے کو اللہ درگزر کرنے کی زیادہ توفیق عطا فرماتا ہے، تو اس کو عزت سے نوازتا ہے، اور جو شخص اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے، اس کو اللہ بلند فرماتا ہے (مسلم، مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ وصدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، اور دوسری احادیث سے معلوم ہو چکا کہ زکاۃ وصدقہ سے مال میں برکت واضافہ ہوتا ہے، اور اس کی بے برکتی وشر دُور ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] قوله أنفق بفتح الهمزة أمر بالإنفاق، وقوله أنفق بضم أوله فعل مضارع وعد بالخلف وهو بمعنى قوله تعالى (وما أنفقتم من شيء فهو يخلفه) فيتضمن الحث على الإنفاق في وجوه الخير والتبشير بالخلف من فضل الله تعالى (طرح التثريب في شرح التقريب لزين الدين العراقي، ج۴ص۶۸، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة والتعفف)

[2] رقم الحديث ۲۵۸۸ "۶۹"، كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، مسند احمد، رقم الحديث ۷۲۰۶.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم. وأخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" من طريق ابن أبي عدي، بهذا الإسناد (حاشية مسند احمد)

[3] ما نقصت صدقة مالا أو بعض مال أو شيئا من مال بل تزيد أضعاف ما يعطى منه بأن ينجبر بالبركة الخفية أو بالعطية الجلية أو بالمثوبة العلية (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۳۳۴، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ إِنْ كُنْتُ لَحَالِفًا عَلَيْهِنَّ: لَا يَنْقُصُ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ فَتَصَدَّقُوْا، وَلَا يَعْفُوْ رَجُلٌ عَنْ مَظْلِمَةٍ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَفْتَحُ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) ؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں، قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میں ان پر قسم کھاتا ہوں، ایک یہ کہ مال میں صدقہ (وزکاۃ) سے کمی نہیں آتی، تو تم صدقہ (وزکاۃ) دیا کرو، اور دوسرے یہ کہ جو آدمی بھی کسی کے ظلم کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے ارادہ سے معاف کر دیتا ہے، تو اس کو اللہ قیامت کے دن بلند عزت عطا فرماتا ہے، اور تیسرے یہ کہ جو آدمی بھی اپنے آپ پر سوال کرنے (اور بھیک مانگنے) کا راستہ کھولتا ہے، تو اس پر اللہ فقر وفاقہ (وتنگ دستی) کا راستہ کھول دیتا ہے (ابویعلیٰ، مسند احمد، بزار)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ما نقصت صدقة من مال) قال الطيبى :من هذه يحتمل أن تكون زائدة أى ما نقصت صدقة مالا ويحتمل أن تكون صلة لنقصت والمفعول الأول محذوف أى ما نقصت شيئا من مال فى الدنيا بالبركة فيه ودفع المفسدات عنه والإخلاف عليه بما هو أجدى وأنفع وأكثر وأطيب (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٨١٢٠)

؎ رقم الحديث ٨٤٩، مسند احمد، رقم الحديث ١٦٧٤، الترغيب والترهيب لقوام السنة للاصبهانى، رقم الحديث ٢٢٠١، مسند البزار، رقم الحديث ١٠٣٣.

قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

وقال المنذرى: رواه أحمد وفى إسناده رجل لم يسم وأبو يعلى والبزار وله عند البزار طريق لا بأس بها (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ٣٧١٣، الترغيب فى العفو عن القاتل والجانى والظالم والترهيب من إظهار الشماتة بالمسلم)

وقال الهيثمى: عند البزار طريق عن أبى سلمة، عن أبيه، وقال :إن الرواية هذه أصح، والله أعلم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٥٧٧، باب ما نقص مال من صدقة)

اس طرح کا مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۱؎

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ثَلَاثَةٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ قَالَ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ قَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهٰذَا بِأَخْبَثِ

۱؎ عن أم سلمة قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما نقص مال من صدقة، ولا عفا رجل، عن مظلمة إلا زاده الله بها عزا، فاعفوا يعزكم الله، ولا فتح رجل على نفسه باب مسألة إلا فتح الله عليه باب فقر.لم يرو هذا الحديث عن سفيان إلا القاسم بن يزيد الجرمى، وزكريا بن دويد الأشعثى " (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۲۲۷۰، المعجم الصغير للطبرانى، رقم الحديث ۱۴۲)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط، وفيه زكريا بن دويد، وهو ضعيف جدا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۵۷۹، باب ما نقص مال من صدقة)

عن ابن مسعود ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما أعز الله بجهل قط ، ولا أذل بحلم قط ، ولا نقص مال من صدقة (مسند الشهاب القضاعى، رقم الحديث ۱۷۷، ما أعز الله بجهل قط، معجم ابن الاعرابى، رقم الحديث ۱۱۵۳)

قال العجلونى: ما أعز الله بجهل قط ولا أذل بحلم قط ولا نقصت صدقة من مال . رواه الديلمى واللفظ له والقضاعى والعسكرى عن ابن مسعود رفعه ولفظ القضاعى ولا نقص مال من صدقة، قال ابن الغرس ضعيف (كشف الخفاء ومزيل الألباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، تحت رقم الحديث ۲۱۷۴)

الْـمَـنَـازِلِ وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُـلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین چیزوں پر میں قسم اٹھاتا ہوں، اور تمہیں ایک اہم بات بتلاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، فرمایا کہ کسی بندے کا مال صدقہ (وزکاۃ) سے کم نہیں ہوتا، اور جس بندے پر بھی کوئی ظلم کیا جاتا ہے، اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اللہ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے، اور جو بندہ بھی سوال کا راستہ کھولتا ہے (یعنی دوسرے سے مانگنا شروع کر دیتا ہے) تو اللہ اس پر فقر اور تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتا ہے، یا نبی علیہ السلام نے اسی طرح کا کوئی اور جملہ فرمایا، اور میں تمہیں ایک اور اہم بات بتلاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، فرمایا کہ دنیا تو چار قسم کے افراد کے لئے ہے، ایک اس بندے کے لئے جس کو اللہ نے مال اور علمِ دین دونوں کی نعمت عطا فرمائی، تو وہ اس معاملہ میں اپنے رب سے ڈرتا ہے (کہ اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں کرتا، اور علمِ دین سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے) اور اس علم ومال کی روشنی میں رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس میں اللہ کے حق کو سمجھتا ہے (مثلاً مال کی زکاۃ وغیرہ ادا کرتا ہے، اور دینی علم سے دوسروں کو تبلیغ، تدریس، اور افتاء وغیرہ کے ذریعہ سے فائدہ پہنچاتا ہے) تو یہ شخص درجات میں چاروں سے افضل ہے، اور دوسرے اس بندے کے لئے دنیا ہے کہ جس کو اللہ نے علم کی نعمت تو عطا فرمائی، لیکن مال عطا نہیں فرمایا، لیکن وہ نیت کا سچا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں

---

[1] رقم الحديث ۲۳۲۵، ابواب الزهد، باب ما جاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر، مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۰۳۱، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۸۵۵.

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح (ترمذی، حواله بالا)

وقال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

فلاں آدمی کی طرح عمل کرتا (جو کہ زکاۃ وغیرہ ادا کرتا ہے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھ کر عمل کرتا ہے) تو یہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے، اور پہلے اور اس آدمی کا ثواب برابر ہے، اور تیسرے اس بندے کے لئے دنیا ہے جس کو اللہ نے مال کی نعمت عطا فرمائی، لیکن علم کی نعمت عطا نہیں فرمائی، تو وہ علم کے بغیر اپنے مال کو اپنی شہوت کے مطابق خرچ کرتا ہے، اور اس معاملہ میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا، اور نہ ہی اس مال سے صلہ رحمی کرتا ہے، اور نہ ہی اس مال میں اللہ کے حق (زکاۃ وغیرہ) کو سمجھتا ہے، تو یہ درجات میں سب سے بدتر بندہ ہے۔

اور چوتھے اس بندے کے لئے دنیا ہے جس کو اللہ نے نہ تو مال کی نعمت عطا فرمائی، اور نہ علم کی، تو وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اس مال کے سلسلہ میں فلاں بندے کی طرح عمل کرتا (جو کہ مال کو علم کے بغیر اپنی شہوت کے مطابق خرچ کرتا ہے، اور اپنے رب سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے، اور نہ ہی مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے) تو یہ بندہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے، اور اس کا گناہ اور وبال اس پہلے شخص کے برابر ہے (ترمذی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکاۃ وصدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے کاموں میں خرچ کرنا بہت بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔

اور اس کے برعکس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کاموں میں خرچ کرنا، بلکہ اس کی تمنا کرنا بہت بڑے وبال کا باعث ہے۔ [۱]

---

[۱] (ما نقصت صدقة من مال) ذكروا فيه وجهين أحدهما معناه أنه يبارك فيه ويدفع عنه المضرات فينجبر نقص الصورة بالبركة الخفية وهذا مدرک بالحس والعادة والثانی أنه وإن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ وصدقہ سے مال کا شر دُور اور مال محفوظ ہوجاتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِذَا أَدّٰى رَجُلٌ زَكَاةَ مَالِهٖ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدّٰى زَكَاةَ مَالِهٖ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهٗ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۱۵۷۹) ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نقصت صورته كان في الثواب المرتب عليه جبر لنقصه وزيادة إلى أضعاف كثيرة (شرح النووى على مسلم، ج١٦ ص ١٤١، كتاب البر والصلة والآداب ،باب استحباب العفو والتواضع)

(ما نقصت صدقة من مال) قال الطيبي :من هذه يحتمل أن تكون زائدة أى ما نقصت صدقة مالا ويحتمل أن تكون صلة لنقصت والمفعول الأول محذوف أى ما نقصت شيئا من مال فى الدنيا بالبركة فيه ودفع المفسدات عنه والإخلاف عليه بما هو أجدى وأنفع وأكثر وأطيب (وما أنفقتم من شىء فهو يخلفه) أو فى الآخرة بإجزال الأجر وتضعيفه أو فيهما وذلك جابر لأصناف ذلك النقص بل وقع لبعض الكمل أنه تصدق من ماله فلم يجد فيه نقصا قال الفاكهانى :أخبرنى من أثق به أنه تصدق من عشرين درهما بدرهم فوزنها فلم تنقص .قال :وأنا وقع لى ذلك .وقول الكلاباذى: قد يراد بالصدقة الفرض وبإخراجها لم تنقص ماله لكونها دينا فيه بعد لا يخفى (وما زاد الله عبدا بعفو) أى بسبب عفوه (إلا عزا) فى الدنيا فإن من عرف بالعفو والصفح عظم فى القلوب أو فى الآخرة بأن يعظم ثوابه أو فيهما (وما تواضع أحد لله) من المؤمنين رقا وعبودية فى ائتمار أمره والانتهاء عن نهية ومشاهدته لحقارة النفس ونفى التعجب عنها (إلا رفعه الله) فى الدنيا بأن يثبت له فى القلوب بتواضعه منزلة عند الناس ويجل مكانه وكذا فى الآخرة على سرير خلد لا يفنى ومنبر ملك لا يبلى ومن تواضع لله فى تحمل مؤن خلقه كفاه الله مؤنة ما يرفعه إلى هذه المقام ومن تواضع فى قبول الحق ممن دونه قبل الله منه مدخول طاعاته ونفعه بقليل حسناته وزاد فى رفعة درجاته وحفظه بمعقبات رحمته من بين يديه ومن خلفه واعلم أن من جبلة الإنسان الشح بالمال ومتابعة السبعية من آثار الغضب والانتقام والاسترسال فى الكبر الذى هو نتائج الشيطنة فأراد الشارع أن يقلعها من نسخها فحث أولا على الصدقة ليتحلى بالسخاء والكرم وثانيا على العفو ليتعزز بعز الحلم والوقار وثالثا على التواضع ليرفع درجاته فى الدارين(فيض القدير، تحت رقم الحديث ٨١٢٠)

ل قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الأوسط، وإسناده حسن، وإن كان فى بعض رجاله كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٣٣٤، ج٣ص ٦٣، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

وقال الالبانى: حسن لغيره (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ٧٤٣)

ترجمہ: ایک قوم کے آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب آدمی اپنے مال کی زکاۃ ادا کردے تو پھر آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کردی، تو اس آدمی سے مال کا شر دُور ہوگیا (طبرانی)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ أَذْهَبْتَ عَنْكَ شَرَّهُ (صحيح ابنِ خزيمة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کردی تو آپ نے اپنے اوپر سے اس مال کا شر دُور کردیا (ابنِ خزیمہ، حاکم، بیہقی)

اس طرح کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ [2]

مال کا شر مختلف طرح کا ہوتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور آخرت کے اعتبار

---

[1] رقم الحديث ٢٢٥٨، كتاب الزكاة، باب ذكر دليل آخر على أن الوعيد للمكتنز هو لمانع الزكاة دون من يؤديها، مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٤٣٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ٧٢٣٨، كتاب الزكاة، باب الدليل على أن من أدى فرض الله في الزكاة.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه، وشاهده صحيح من حديث المصريين (حواله بالا)

وقال البيهقي: كذا رواه ابن وهب بهذا الإسناد مرفوعا وكذلك رواه يونس بن عبد الأعلى عن ابن وهب ,ورواه عيسى بن مثرود عن ابن وهب من قول أبي الزبير (حواله بالا)

وقال الالباني: إسناده ضعيف ابن جريج وأبو الزبير هما مدلسان وقد عنعنا (حاشيه ابن خزيمة، حواله بالا)

وقال الالباني ايضاً: ثم وجدت للحديث شاهدا من رواية أبي هريرة بسند حسن، ومن أجله كنت أوردته في " صحيح الترغيب، فهو به قوي، وينقل إلى "الصحيحة ." (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ٢٢١٩)

[2] عن ابن جريج، أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابرا، يقول " :إذا أديت زكاة كنزك فقد ذهب شره "(السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ٧٢٣٩، كتاب الزكاة، باب الدليل على أن من أدى فرض الله في الزكاة)

قال البيهقي: فذكره موقوفا وهذا أصح وقد روي بإسناد آخر مرفوعا.

سے بھی، آخرت کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قبر، حشر اور جہنم میں مختلف عذابوں کا باعث ہوتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے بھی مال میں کئی شر ہوتے ہیں، مثلاً بعض اوقات ڈاکوؤں کی طرف سے مال لوٹنے کی خاطر انسان ہلاک ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات معذور واپاہج ہوجاتا ہے، اور بعض اوقات لوگوں کو مال والے سے حسد ہوجاتا ہے، جو طرح طرح کے فتنوں کا باعث بنتا ہے، اور بعض اوقات مال ودولت پر کوئی حادثہ آگ، سیلاب، زلزلہ وغیرہ کی شکل میں پیش آجاتا ہے، اور وہ مال تباہ وبرباد ہوجاتا ہے۔

لیکن زکاۃ ادا کردینے کے نتیجہ میں مختلف قسم کے شرور سے یا جس شر سے اللہ کو منظور یا اس کی حکمت کا تقاضا ہو، حفاظت ہوجاتی ہے۔ [1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: حَصِّنُوْا أَمْوَالَکُمْ بِالزَّکَاۃِ، وَدَاوُوْا مَرْضَاکُمْ بِالصَّدَقَۃِ، وَاسْتَقْبِلُوْا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ (مراسیل ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۵، ص۱۲۷، باب فی الزکاۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مالوں کو زکاۃ کے ذریعہ سے محفوظ کرو، اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کرو، اور بلاؤں کی موجوں کا دعا اور تضرع (یعنی اللہ کے حضور گڑگڑانے) کے ذریعہ سے سامنا کرو (مراسیل لابی داؤد)

---

[1] (إذا أديت زكاة مالک) بكسر الكاف الخطاب لأم سلمة لكنه عام الحكم (فقد أذهبت عنک شره) الدنيوى الذى هو تلفه ومحق البركة منه والأخروى الذى هو العذاب وفى إفهامه أنه إذا لم يؤدها فهو شر عليه فيمثل له شجاع أقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة وتطؤه الغنم بأظلافها وتنطحه بقرونها إلى غير ذلک من ضروب العذاب المفصلة فى الأخبار ومن كلامهم البديع :أى مال أديت زكاته درت بركاته.(ابن خزيمه) فى صحيحه (ک) فى الزكاة وقال على شرط مسلم وأقره الذهبى فى التلخيص (عن جابر) مرفوعا وموقوفا .قال الذهبى فى المهذب :والأصح أنه موقوف وقال ابن حجر فى الفتح :إسناده صحيح لكن رجح أبو زرعة رفعه وله شاهد أيضا(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٣٧٢)

مذکورہ روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے، یعنی حضرت بصری رحمہ اللہ تابعی ہیں، جنہوں نے درمیان کے واسطہ والے صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے، جس کے پیشِ نظر بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن بعض حضرات اس طرح کی مرسل حدیث کو حجت سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک یہ حدیث قابلِ اعتبار ہوگی۔ ۱

---

۱ قال المنذري: رواه أبو داود في المراسيل ورواه الطبراني والبيهقي وغيرهما عن جماعة من الصحابة مرفوعا متصلا والمرسل أشبه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١١١٢، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

أقسام وحكم الحديث المرسل: ينقسم المرسل إلى أربعة أقسام هي:

القسم الأول: ما أرسله الصحابي: حكمه أنه مقبول بالإجماع، وذلك للإجماع على عدالة الصحابة الكرام.

القسم الثاني: إرسال القرن الثاني والثالث أي التابعين وتابعيهم، وقد اختلفت آراء العلماء في الاحتجاج به، إذ أنه حجة عند الحنفية والمالكية وأشهر روايتي الحنابلة، إذا كان المرسل عدلا.

أما الشافعي فلا يعتبره حجة إلا إذا تأيد بآية، أو سنة مشهورة، أو موافقة قياس صحيح، أو قول صحابي، أو تلقته الأمة بالقبول، أو اشترك في إرساله عدلان، بشرط أن يكون شيخاهما مختلفين، أو ثبت اتصاله بوجه آخر، بأن أسنده غير مرسله، أو أسنده مرسله مرة أخرى.

ولثبوت الاتصال بوجه آخر قبلت مراسيل سعيد بن المسيب، لأنها بالتتبع وجدت مسندة (أي متصلة مرفوعة إلى النبي صلى الله عليه وسلم) وأكثرها مما سمعه عن عمر بن الخطاب. وهذا ما ذكره الشافعي في احتجاجه بالمرسل أو عدمه.

وأما رأي الإمام أحمد فيتضح بما نقله صاحب شرح روضة الناظر، ومفاده أن للإمام روايتين أشهرهما أنه حجة.

القسم الثالث: ما أرسله العدل من غير القرون الثلاثة: ويعتبر هذا النوع من المراسيل حجة عند أبي الحسن الكرخي، لأن إرسال العدل يقبل في كل عصر، إذ أن العلة التي توجب قبول مراسيل القرون الثلاثة وهي العدالة والضبط، تشمل سائر القرون.

القسم الرابع: ما أرسل من وجه واتصل من وجه آخر، فهو مقبول عند الأكثر، لأن المرسل ساكت عن حال الراوي، والمسند ناطق، والساكت لا يعارض الناطق، مثل حديث: لا نكاح إلا بولي رواه إسرائيل بن يونس مسندا، ورواه شعبة مرسلا. وقال بعض العلماء: لا يقبل هذا النوع من المراسيل، لأن سكوت الراوي عن ذكر المروي عنه بمنزلة الجرح فيه، وإسناد الآخر بمنزلة التعديل، وإذا اجتمع الجرح والتعديل يعمل بالجرح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص٩٤، مادة "إرسال")

اوراس طرح کا مضمون حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما کی سندوں سے مروی احادیث میں بھی آیا ہے، جن کی سندوں کو فی نفسہٖ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

اورحضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[1] أخبرنا أبو علی الروذباری، حدثنا إسماعیل بن محمد الصفار، حدثنا الحسن بن الفضل بن السمح، حدثنا غیاث بن کلوب الکوفی، حدثنا مطرف بن سمرة بن جندب، عن أبیه، قال :قال رسول الله صلى الله علیه وسلم " :حصنوا أموالکم بالزکاة، وداووا مرضاکم بالصدقة، وردوا نائبة البلاء بالدعاء "غیاث هذا مجهول(شعب الإیمان، رقم الحدیث ۳۲۸۰، کتاب الزکاة، فصل فیمن أتاه الله مالا من غیر مسألة)

أخبرنا أبو نصر بن قتادة، حدثنا أبو عمرو بن مطر، حدثنا محمد بن یحیى بن الحسین العمی البصری، ببغداد، حدثنا طالوت بن عباد، حدثنا فضال بن جبیر، عن أبی أمامة، قال :قال رسول الله صلى الله علیه وسلم " :حصنوا أموالکم بالزکاة، وداووا مرضاکم بالصدقة، واستقبلوا أمواج البلاء بالدعاء "(شعب الإیمان، رقم الحدیث ۳۲۷۹، کتاب الزکاة، فصل فیمن أتاه الله مالا من غیر مسألة)

قال البیهقی: فضال بن جبیر صاحب مناکیر (شعب الایمان، حواله بالا)

وقال العجلونی: (حصنوا أمولکم بالزکاة ، وداووا مرضاکم بالصدقة ، وأعدوا للبلاء الدعاء) قال ابن الغرس ضعیف ، لکن ورد له شواهد ، وقال فی المقاصد رواه الطبرانی وأبو نعیم والعسکری والقضاعی عن ابن مسعود مرفوعا ، وللطبرانی فی الدعاء عن عبادة بن الصامت قال أتى رسول الله صلى الله علیه وسلم وهو قاعد فی ظل الحطیم بمکة ، فقیل یا رسول الله أتى على مال لی بسیف البحر فذهب به ، فقال رسول الله صلى الله علیه وسلم ما تلف مال فی بر ولا بحر إلا بمنع الزکاة ، فحرزوا أموالکم بالزکاة وداووا مرضاکم بالصدقة وادفعوا عنکم طوارق البلاء بالدعاء فإن الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل ، ما نزل یکشفه وما لم ینزل یحبسه ، وللبیهقی فی الشعب عن أبی أمامة مرفوعا حصنوا أموالکم بالزکاة ، وداووا مرضاکم بالصدقة ، واستقبلوا أمواج البلاء بالدعاء ، لکن فی سنده فضالة بن جبیر صاحب مناکیر ، ورواه الطبرانی وأبو الشیخ عن سمرة بن جندب رفعه بلفظه إلا أنه قال وردوا نائبة البلاء بالدعاء بدل الجملة الثانیة وفی سنده غیاث مجهول ، ورواه الدیلمی عن ابن عمر رفعه بلفظ داووا مرضاکم بالصدقة ، وحصنوا أموالکم بالزکاة ، فإنها تدفع عنکم الأعراض والأمراض ، قال البیهقی أنه منکر بهذا الإسناد ، وفی الباب أیضا مما رواه الدیلمی عن أنس مرفوعا ما عولج مریض بدواء أفضل من الصدقة ، وغیره مما لا نطیل به (کشف الخفاء ومزیل الألباس عما اشتهر من الأحادیث على ألسنة الناس، تحت رقم الحدیث ۱۱۴۸)

جو مال بھی سمندر اور خشکی میں تلف وضائع ہوتا ہے، تو وہ زکاۃ نہ دینے کی وجہ سے ضائع ہوتا ہے، لہٰذا تم اپنے مالوں کی زکاۃ کے ذریعہ سے حفاظت کرو (طبرانی وغیرہ) ۱

اس حدیث کی سند کو بھی فی نفسہٖ غریب وضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ۲

---

۱ حدثنا محمد بن أبی زرعة الدمشقی، ثنا هشام بن عمار، ثنا عراک بن خالد بن یزید، حدثنی أبی، قال :سمعت إبراهیم بن أبی عبلة، یحدث عن عبادة بن الصامت، قال :أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو قاعد فی الحطیم بمکة ,فقیل :یا رسول الله أتی علی مال فلان نسیف البحر فذهب به فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ما تلف مال فی بحر ولا بر إلا بمنع الزکاة فحرزوا أموالکم بالزکاة ,وداووا مرضاکم بالصدقة ,وادفعوا عنکم طوارق البلاء بالدعاء ,فإن الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل ,ما نزل یکشفه وما لم ینزل یحبسه(مسند الشامیین للطبرانی، رقم الحدیث ۱۸، الدعاء للطبرانی، رقم الحدیث ۳۴، الترغیب والترهیب لقوام السنة للاصبهانی، رقم الحدیث ۱۴۷۸، معجم ابنِ عساکر، تحت رقم الحدیث ۱۵۴۴، ج۲ص ۱۱۸۲)

۲ قال ابن عساکر:غریب وإبراهیم لم یدرک عبادة(معجم ابنِ عساکر، تحت رقم الحدیث ۱۵۴۴، ج۲ص ۱۱۸۲)

وقال الالبانی: (ما تَلِفَ مالٌ فی بَرٍّ ولا بَحْرٍ إلا بمنع الزکاة، فَحَرِّزوا أموالکم بالزکاة، وداووا مَرْضَاکم بالصدقة، وادفعوا عنکم طَوَارِقَ البلاء بالدعاء ، فإن الدعاء ینفع مما نزل، ومما لم ینزل ...ما نزل یکشفه، وما لم ینزلْ یَحْبِسُه). منکر.

أخرجه الطبرانی فی "الدعاء (۲/۳۴/۸۰۱)"ومن طریقه ابن عساکر فی "التاریخ(۵۲۲/۱۱) "من طریق هشام بن عمار :ثنا عراک بن خالد بن یزید :حدثنی أبی قال :سمعت إبراهیم بن أبی عبلة عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال: اتی رسول اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وهو قاعد فی ظل الحطیم بمکة، فقیل :یا رسول الله! أُتی علی مال أبی فلان بسیف البحر فذهب، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ...: فذکره.

قلت :وهذا إسناد ضعیف، وفیه علتان :الأولی :الانقطاع بین إبراهیم بن أبی عبلة وعبادة بن الصامت، فإن بین وفاتیهما أکثر من مائة سنة.والأخری :ضعف عراک بن خالد بن یزید -وهو :الُمُری الدمشقی -، وهو لین -کما فی "التقریب.- "

وقد أعله أبو حاتم بالعلتین کلتیهما، وقال":حدیث منکر "، کما کنت ذکرته تحت الحدیث (۵۷۵)من روایة عمر مرفوعاً بالشطر الأول من حدیث الترجمة، وهذا القدر أخرج الأصبهانی منه فی "الترغیب (۲/۲۰۶/۱۴۵۱)"وزاد":فأحرزوا أموالکم بالزکاة ." (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، تحت رقم الحدیث ۲۱۶۲)

نیز اس طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ ۱؎
مگر اس حدیث کی سند کو محدثین واہلِ علم حضرات نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲؎

۱؎ حدثنا أحمد بن عمرو القطراني، ثنا علي بن أبي طالب البزاز، ثنا موسى بن عمير، عن الحكم، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، وأعدوا للبلاء الدعاء (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۰۱۹۶، المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۱۹۶۳، الدعاء للطبراني، رقم الحديث ۴۸، السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ۶۵۹۳، باب وضع اليد على المريض، والدعاء له بالشفاء، ومداواته بالصدقة)

۲؎ قال البيهقي بعد نقل هذه الرواية: قال أبو عبد الله: تفرد به موسى بن عمير. قال الشيخ: وإنما يعرف هذا المتن عن الحسن البصري عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلا (السنن الكبرىٰ للبيهقي، حواله بالا)

وقال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط والكبير، وفيه موسى بن عمير الكوفي، وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۳۶، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

وقال ابن عدی: موسى بن عمير القرشي وكان ضريرا قرشيا كوفيا، يكنى أبا هارون.

سمعت ابن حماد يذكره عن النسائي.

حدثنا القاسم بن زكريا، حدثنا محمد بن عبيد المحاربي، حدثنا موسى بن عمير عن الحكم عن إبراهيم عن الأسود، عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حصنوا أموالكم بالزكاة وداووا مرضاكم بالصدقة وأعدوا للبلاء بالدعاء.

حدثنا ابن ذريح، حدثنا جبارة، حدثنا أبو هارون موسى بن عمير عن الحكم بن عيينة عن إبراهيم عن الأسود عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلق عيال الله وأحبهم إلى الله من أحسن إلى عياله.

حدثنا أحمد بن حمدون، حدثنا يوسف بن الضحاك، حدثنا علي بن أبي طالب، حدثنا موسى بن عمير، حدثنا الحكم بن عتيبة عن إبراهيم عن الأسود عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم من كان عنده علم فسئل عنه فكتمه جاء يوم القيامة ملجما بلجام من نار.

وهذه الأحاديث الثلاثة عن الحكم بهذا الإسناد، ولا أعلم يرويها عن الحكم غير موسى بن عمير............ وموسى بن عمير هذا له غير ما ذكرت أحاديث وعامة ما يرويه مما لا يتابعه الثقات عليه.(الكامل في ضعفاء الرجال لابنِ عدی، ج۸ص ۵۵،۵۶، تحت رقم الترجمة ۱۸۱۹)

وقال الذهبي: موسى بن عمير القرشي، أبو هارون الجعدي الكوفي الضرير.

عن الحكم بن عتيبة، ومخول بن راشد. وجماعة.

وعنه محمد بن عبيد المحاربي، وعباد الرواجني (وغيرهما)

قال أبو حاتم: ذاهب الحديث كذاب. وقال ابن عدی: عامة ما يرويه لا يتابعه عليه الثقات(ميزان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اس سلسلہ کی بعض روایات تو سند کے لحاظ سے شدید ضعیف ہیں، لیکن بعض روایات شدید ضعیف نہیں ہیں، اور ان کی ایک دوسرے سے تائید بھی ہوتی ہے، اس لئے ایک حد تک ان روایات کے مجموعہ سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ زکاۃ کی صحیح صحیح ادائیگی سے مال مختلف فتنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اور اسی مضمون کو بعض دوسری احادیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ زکاۃ سے مال کا شر دور ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاعتدال فی نقد الرجال ، تحت رقم الترجمة ۸۹۰۴)

(حصنوا أموالكم بالزكاة) أي بإخراجها فإنه ما تلف مال فى بئر ولا بحر إلا بمنع الزكاة كما سيجيء في خبر فأداء الزكاة كالحصن للأموال تحرس بها وتحصن بأدائها من آفات عقوبات تركها (وداووا مرضاكم بالصدقة) فإنها من أنفع الدواء الحسى (وأعدوا للبلاء الدعاء) فإنه يرد القضاء المعلق وفى رواية واستقبلوا بالبلاء الدعاء فإنه يرده أى بأن تدعو عند نزول البلاء برفعه فلعله عرض ابتلاء ليصل إليه التضرع والإبتهال فإنه تعالى يحب أن يسأل أو بأن يكثر التضرع والالتجاء في حال عاقبته وأمنه ودعته قبل البلاء عدة لوقت نزوله فيعرف الله منه ذلك فيوفقه للرضى حتى أن بعضهم يراه نعمة فيشكره عليها وهذا حال خواص المؤمنين.

(طب حل خط عن ابن مسعود) قال ابن الجوزى :حديث لا يصح تفرد به موسى بن عمير قال ابن عدى :وعامة ما يرويه لا يتابع عليه اه وقال الهيثمى :فيه موسى بن عمير الكوفى متروك وفى الميزان :أبو حاتم ذاهب الحديث كذاب وقال ابن عدى :عامة ما يرويه لا يتابع عليه ثم ساق له أخبارا منها هذا(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۳۷۲۸)

وقال الالبانى: (حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، وأعدوا للبلاء الدعاء) .ضعيف جداًرواه الطبرانى فى "المعجم الكبير(۳/۲/۶۷) "وأبو الغنائم النرسى فى "فوائد الكوفيين(۱/۲۵)" وأبو نعيم فى "الحلية(۲/۱۰۴)"و(۴/۲۳۷) والخطيب فى "التاريخ (۶/۳۳۴)"و(۱۳/۲۱) والقضاعى(۱/۵۸)وعنهما ابن الجوزى فى "العلل المتناهية(۲/۲)"من طريق موسى ابن عمير عن الحكم عن إبراهيم عن الأسود عن عبد الله بن مسعود مرفوعاً.ومن هذا الوجه رواه الطبرانى فى "الأوسط "أيضاً(۱/۸۵/۱) من "الجمع بينه وبين الصغير "وقال":لم يروه عن الحكم إلا موسى."

قلت :وهو متروك، كما قال الهيثمى (۳/۶۴)ولذلك قال ابن الجوزى" :لا يصح."وله شاهد عن الحسن البصرى مرسلاً، وهو الأشبه.أخرجه أبو داود فى "المراسيل."وله طرق أخرى تجدها فى "المقاصد "للسخاوى (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۳۴۹۲)

اور زکاۃ کے ذریعہ سے مال کی حفاظت بعض اوقات دنیا کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، اور زکاۃ میں دیئے ہوئے مال کی وجہ سے آخرت میں اجر وثواب کے ذخیرہ اور محفوظ ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ [1]

اور اس سے قطع نظر دنیا میں بھی بار بار اس کا مشاہدہ کیا جاتا رہتا ہے، کہ جو لوگ اپنے مال کی صحیح صحیح زکاۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں، ان کا مال ایسے حادثات کے موقعوں پر بالکل سلامت رہتا ہے، جبکہ بظاہر اس کے سلامت رہنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، مثلاً آگ لگ گئی، یا سیلاب آ گیا، یا زلزلہ آ گیا وغیرہ۔

زکاۃ وصدقہ، خطاء کو بجھانے کا ذریعہ ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلصَّلَاةُ قُرْبَانٌ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِءُ الْمَاءُ النَّارَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۲۸۴) [2]

ترجمہ: نماز قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، اور روزہ (گناہوں اور شیطانی حملوں وغیرہ

---

[1] (حصنوا أموالكم بالزكاة) أى بتزكيتها (وداووا مرضاكم بالصدقة) يعنى صدقة التطوع مهما أمكن طلبا للشفاء بها فإنها نعم الدواء (واستعينوا على حمل البلاء بالدعاء) إلى الله (والتضرع) إليه فإنه يرفعه أو يسهل وقوعه كما سيأتى قال بعضهم :إنما أمر بتحصين المال بالزكاة لأن للمال مستحقين المساكين والحوادث فالمطالب بحق الفقراء هو الله والحوادث تأتى بها الأقدار فمن زكى فقد أرضى الله فيجوز أن ترفع المقادير نزول الحوادث بمن أدى حق الله وقد قال :(يمحو الله ما يشاء ويثبت) أى يوقع الحوادث بها ليرفعهما عنده ويخلق منها قال تعالى :(ما عندكم ينفد وما عند الله باق) فالزكاة حصن لها إن بقيت وهى لها أحصن إن حصلت عند الله.

(د فى مراسيله عن الحسن) وأسنده البيهقى وغيره من وجوه ضعيفة(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۳۷۲۹)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى على شرط مسلم، رجاله ثقات غير ابن خثيم (حاشية مسند احمد)

سے بچاؤ کے لئے) ڈھال (اور ذریعہ) ہے، اور صدقہ (وزکاۃ) خطاء (وگناہ) کو بجھا دیتی ہے، جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (مسنداحمد)

قرآن مجید کے مضمون سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ زکاۃ گناہوں کی معافی کا باعث ہے۔

چنانچہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ. لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (سورة المائدة، رقم الآية ۱۲)

ترجمہ: اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرو گے نماز کو اور ادا کرو گے زکاۃ کو، اور ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر، اور ان کا ساتھ دو گے، اور قرض دیتے رہو گے اللہ کو اچھے طور پر، تو میں ضرور معاف کردوں گا تمہارے گناہ، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا کہ جاری ہوں گی، اس کے نیچے سے نہریں (سورہ مائدہ)

اللہ کو قرض دینے سے مراد، اللہ کے راستہ میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ہے، بہرحال اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی، گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔

زکاۃ ادا کرنا، عذاب سے بچنے اور پاکی کا ذریعہ ہے

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ، فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (سنن ابی داؤد) [1]

---

[1] رقم الحديث ۱۵۶۴، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلى، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۱۴۳۸، سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۱۹۵۰، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۱۳.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط البخاری، ولم يخرجاه.
وقال الالبانی: حسن (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۵۵۸۲)

ترجمہ: میں خاص سونے کا زیور پہنتی تھی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ کیا یہ کنز ہے (جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عذاب کی وعید سنائی ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر اس کی مقدار اتنی ہو کہ جس کی زکاۃ دی جاتی ہے، اور پھر اس کی زکاۃ دے دی جائے، تو یہ کنز نہیں ہے (جس پر آخرت میں عذاب ہو) (ابوداؤد، حاکم)

حضرت خالد بن اسلم سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ، وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: مَنْ كَنَزَهَا، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا، فَوَيْلٌ لَّهٗ، إِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللّٰهُ طُهْرًا لِّلْأَمْوَالِ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے، تو ایک دیہاتی نے کہا کہ ہمیں (سورہ توبہ میں مذکور) اللہ کے اس ارشاد کے بارے میں خبر دیجئے کہ:

”وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“

(یعنی جو لوگ سونے، چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے فائدے کے لئے جمع کیا تھا، تو تم جو جمع کر کر کے رکھتے تھے، اس کا مزہ چکھو)

تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اس سونے چاندی وغیرہ کو جمع

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۰۴، کتاب الزکاۃ، باب: ما أدی زکاتہ فلیس بکنز.

کر کے رکھا، پھر اس کی زکاۃ نہیں دی، تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے، بس یہ (جمع کر کے رکھنے پر عذاب والی) بات زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی، پھر جب زکاۃ کا حکم نازل ہوگیا، تو اللہ نے اس زکاۃ کو مالوں کی پاکی کا ذریعہ بنادیا (بخاری)

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح مروی ہے کہ:

مَنْ كَنَزَهَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا، فَوَيْلٌ لَهُ، إِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللّٰهُ طَهُوْرًا لِلْأَمْوَالِ، ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ: مَا أُبَالِيْ لَوْ كَانَ لِيْ أُحُدٌ ذَهَبًا، أَعْلَمُ عَدَدَهُ وَأُزَكِّيْهِ، وَأَعْمَلُ فِيْهِ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: جو مال جمع کر کے رکھے اور زکاۃ ادا نہ کرے، تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے، یہ وعید زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے، پھر جب زکاۃ کا حکم آ گیا، تو اللہ نے اس زکاۃ کو مال کی پاکی کا ذریعہ بنادیا، پھر متوجہ ہوکر فرمایا کہ اگر میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہو، مجھے اس کی مقدار معلوم ہو اور میں زکاۃ ادا کر کے اللہ کی مرضی کے مطابق اسے خرچ کروں تو مجھے (اتنا زیادہ مال، اپنے پاس ہونے کا کوئی ڈر اور) کوئی پرواہ نہیں (ابنِ ماجہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس مال کی زکاۃ ادا نہ کی جائے، تو وہ مال آخرت میں عذاب کا باعث ہوتا ہے، اور زکاۃ ادا کر دینے سے اس مال کے آخرت میں عذاب کا باعث ہونے

---

[1] رقم الحديث ۱۷۸۷، ابواب الزكاة، باب ما أدى زكاته ليس بكنز.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن، ابنُ لهيعة -وهو عبد الله، وان كان سيء الحفظ -رواه عنه هنا عبدُ الله بن وهب، وهو أحد العبادلة الذين تقرر عند أهل العلم أن سماعهم منه صحيح، ومع هذا فقد توبع.
وأخرجه البخارى تعليقًا بصيغة الجزم(۱۴۰۴)قال :قال أحمد بن شبيب بن سعيد :حدثنا أبى، عن يونس، عن ابن شهاب، به(حاشية ابنِ ماجه)

سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتٰى رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ ذُوْ مَالٍ كَثِيْرٍ وَذُوْ أَهْلٍ وَوَلَدٍ وَحَاضِرَةٍ فَأَخْبِرْنِيْ كَيْفَ أُنْفِقُ وَكَيْفَ أَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُخْرِجُ الزَّكَاةَ مِنْ مَالِكَ فَإِنَّهَا طُهْرَةٌ تُطَهِّرُكَ وَتَصِلُ أَقْرِبَاءَكَ وَتَعْرِفُ حَقَّ السَّائِلِ وَالْجَارِ وَالْمِسْكِيْنِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَقْلِلْ لِيْ قَالَ فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

(مسند احمد) [1]

ترجمہ: بنی تمیم قبیلے کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں بہت زیادہ مالدار ہوں، اور میرے اہل وعیال اور افراد بھی بہت ہیں، تو مجھے یہ بتلائیں کہ میں کس طرح خرچ کروں اور کس طرح عمل کروں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنے مال کی زکاۃ نکالیں، کیونکہ وہ پاکی کا ذریعہ ہے، وہ آپ کو (گناہوں سے) پاک کردے گا، اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی (اور نیک سلوک کریں اور سوال کرنے والے اور پڑوسی اور غریب کے حق کو پہچانیں، تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے لئے کچھ کم کردیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) پڑھی کہ:

"فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا"

(جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) پس ادا کیجئے! رشتہ دار کو، اُس کا حق اور مسکین کو اور مسافر

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۳۹۴، واللفظ لہٗ، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۸۸۰۲، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۳۷۴.

کو بھی، اور آپ فضول خرچی نہ کیجئے (مسند احمد)

اس حدیث کی سند درست ہے۔ ل

اور بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲

ل عن أنس بن مالك رضي الله عنه، ثنا أن رجلا قال :يا رسول الله، إني ذو مال كثير، وذو أهل وولد، فكيف يجب لي أن أصنع أو أنفق قال :أد الزكاة المفروضة طهرة تطهرك وآت صلة الرحم، واعرف حق السائل والجار والمسكين وابن السبيل قال : يا رسول الله، أقلل لي .قال :فآت ذا القربى حقه، والمسكين، وابن السبيل، ولا تبذر تبذيرا قال :يا رسول الله، إذا أديت الزكاة إلى رسول رسول الله فقد أديتها إلى الله وإلى رسوله؟ قال :نعم، إذا أديتها إلى رسوله فقد أديتها، ولك أجرها، وعلى من بدلها إثمها (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٣٣٧٤)

قال الحاكم:هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرط البخاري ومسلم.

وقال المنذري: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١١٠٤، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، والطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٣٣٢، باب فرض الزكاة)

وقال شعيب الارنؤوط: رجاله ثقات رجال الشيخين، لكن قيل في رواية سعيد بن أبي هلال عن أنس :إنها مرسلة .ليث :هو ابن سعد، وخالد بن يزيد :هو الجمحي أبو عبد الرحيم المصري.

وأخرجه الحاكم(٢/٣٦٠ـ ٣٦١) من طريق أبي الوليد الطيالسي، عن الليث بن سعد، بهذا الإسناد .وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي (حاشية مسند احمد)

۲ چنانچہ جناب ناصر الدین البانی صاحب نے اس حدیث کو دو وجہ سے ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے بقول حضرت سعید بن ابی ہلال اور حضرت انس کے درمیان انقطاع پایا جاتا ہے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ ان کے بقول سعید بن ابی ہلال کو اختلاط ہو گیا تھا، جیسا کہ یحییٰ اور احمد بن حنبل نے فرمایا ہے۔

أد الزكاة المفروضة، فإنها طهرة تطهرك، وآت صلة الرحم، واعرف حق السائل ، والجار، والمسكين، وابن السبيل، ولا تبذر تبذيرا ." ضعيف.

أخرجه الحاكم (٢/٣٦٠) وأحمد(٣/١٣٦)من طريق الليث بن سعد عن خالد بن يزيد عن سعيد بن أبي هلال عن أنس بن مالك رضي الله عنه:

"أن رجلا قال :يا رسول الله، إني ذومال كثير، وذوأهل وولد، فكيف يجب لي أن أصنع أوأنفق؟ قال " ..:فذكره .وقال الحاكم:

"صحيح على شرط الشيخين ."ووافقه الذهبي.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگانے سے ہمیں اتفاق نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأقول: كلا، فإن (سعيد بن أبي هلال عن أنس)، منقطع، كما في "التهذيب"، وكان مع ذلك قد اختلط، ولهذا قال ابن حزم في "الفصل في الملل والنحل (۹۵/۲)": "ليس بالقوى، قد ذكره بالتخليط يحيى وأحمد بن حنبل" (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۲۱۹۰)

۱؎ چنانچہ ہمیں البانی صاحب کی مذکورہ دونوں باتوں سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ سعید بن ابی ہلال امام اور حافظ الحدیث اور ثقہ ہیں، اور ان پر جو جرح کی گئی ہے، وہ غیر مستند وغیر مؤثر ہے، رہا ان کے حضرت انس سے سماعت کا معاملہ تو وہ بھی مختلف فیہ ہے، اور اس سے قطع نظر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال سن اکیانوے یا بانوے یا ترانوے ہجری میں ہوا، جبکہ سعید بن ابی ہلال کی ولادت ابنِ یونس کے بقول سن ستر ہجری میں ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت ان کی عمر اکیس، بائیس یا تیئیس سال ہوگی، اور اتنی عمر میں سماعت ممکن ہے، اور سماعت کے لئے یہ امکان کافی ہے۔
اور اگر سماعت بھی ثابت نہ ہو تب بھی مرسل حدیث کئی فقہاء کے نزدیک حجت ہے، اور بعض کے نزدیک مخصوص شرائط کے ساتھ ہی حجت ہے۔

سعيد بن أبي هلال الامام الحافظ الفقيه، أبو العلاء الليثي، مولاهم المصري أحد الثقات (سير اعلام النبلاء ج۶ ص۳۰۳)

سعيد بن أبي هلال الليثي، أبو العلاء المصري، مولى عروة بن شييم الليثي، ويقال: أصله من المدينة.............قال أبو حاتم: لا بأس به. وذكره ابن حبان في كتاب "الثقات"

ذكر أبو سعيد بن يونس، عن ابن لهيعة: أنه ولد بمصر سنة سبعين، ونشأ بالمدينة ثم رجع إلى مصر في خلافة هشام. وقال أبو سعيد: يقال: مات سنة خمس وثلاثين ومئة. وقال غيره: مات سنة ثلاث وثلاثين. وقال ابن حبان: مات سنة تسع وأربعين ومئة. روى له الجماعة. (تهذيب الكمال، جلد ۱۱، ص ۹۴)

(الستة) سعيد بن أبي هلال الليثي مولاهم أبو العلاء المصري يقال أصله من المدينة.

روى عن جابر وانس مرسلا وزيد بن أسلم وأبي الرجال محمد بن عبدالرحمن وربيعة......قال أبو حاتم لا بأس به وقال ابن يونس ولد بمصر سنة ۷۰ ونشأ بالمدينة ثم رجع إلى مصر في خلافة هشام. قال ويقال توفي سنة خمس وثلاثين ومائة وقال غيره مات سنة ۳۳ وقال ابن حبان في الثقات مات سنة (۱۴۹) قلت: وحديثه عن جابر أورده البخاري معلقا متابعة ووصله الترمذي وقال هذا مرسل سعيد بن أبي هلال لم يدرك جابرا وقال خلف في الاطراف لم يسمع من جابر وقال ابن سعد كان ثقة إن شاء الله وقال الساجي صدوق كان احمد يقول ما ادري أي شيء يخلط في الاحاديث وقال العجلي بصري ثقة ووثقه ابن خزيمة والدارقطني والبيهقي والخطيب وابن عبد البر وغيرهم وقال ابن أبي حاتم سمعت أبي يقول لم يسمع سعيد من أبي سلمة بن عبدالرحمن وقال ابن حزم ليس بالقوي ولعله اعتمد على قول الامام أحمد فيه. وقرأت بخط السبكي الكبير أفادنا مسعود

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ انسان سے گناہوں کی پاکی کا ذریعہ بھی ہے۔

زکاۃ ادا نہ کرنے سے دنیا میں بارش وفصل کی کمی کا عذاب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ، خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ: لَمْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحارثي أن اسم أبي هلال والد سعيد هذا مرزوق وكان مسعود يقول هو من خبايا الزوايا (تهذيب التهذيب ج۴، ص۸۳)

سعيد بن أبي هلال الليثي مولاهم أبو العلاء المصري نزيل المدينة أحد المكثرين عن جابر مرسلاً ثقة ثبت ضعفه بن حزم وحده (لسان الميزان، ج۳، ص۲۰۷)

سعيد بن أبي هلال الليثي من أهل المدينة سكن مصر وكان أحد المتقنين وأهل الفضل في الدين مات سنة تسع وأربعين ومائة (مشاهير علماء الامصار، لابن حبان، ج ۱. ص ۳۰۱)

ومن مواليه سعيد بن أبي هلال أبو العلاء مولى عروة بن شييم -ذكر ذلك سعيد بن عفير، وقد لقي أنس بن مالك وفي روايته عنه :سمعت، وقد روى عنه خالد بن يزيد وعمرو بن الحارث والليث بن سعد وغيرهم، ويقال توفي سنة خمس وثلاثين ومائة (اكمال الكمال، الامير الحافظ ابن ماكولا، ج۵، ص۱۴۱)

سعيد بن أبي هلال أبو العلاء الليثي المدني أخرج البخاري في الوضوء والتفسير والحدود وغير موضع عن خالد بن يزيد وعمرو بن الحارث عنه عن نافع وزيد بن أسلم ونعيم المجمر وربيعة الرأي وهلال بن أسامة ولد بمصر سنة سبعين ونشأ بالمدينة ثم رجع إلى مصر وتوفي في سنة ثلاثين ومائة قال أبو حاتم لا بأس به (التعديل والتجريح لمن خرج عنه البخاري في الجامع الصحيح، ج۳، ص۲۴۲، للباجي)

سعيد بن أبي هلال المؤذن مولاهم أبو العلاء المصري قيل مدني الأصل وقال بن يونس بل نشأ بها صدوق لم أر لابن حزم في تضعيفه سلفا إلا أن الساجي حكى عن أحمد أنه اختلط من السادسة مات بعد الثلاثين وقيل قبلها وقيل قبل الخمسين بسنة (تقريب التهذيب، ج۱، ص۲۶۶)

واختلف في وقت وفاته (اى انس بن مالک ،ناقل) فقيل سنة إحدى وتسعين هذا قول الواقدي وقيل أيضاً سنة اثنتين وتسعين وقيل سنة ثلاث وتسعين قاله خليفة ابن خياط وغيره وقال خليفة مات أنس بن مالك سنة ثلاث وتسعين وهو ابن مائة سنة وثلاث سنين وقيل كانت سنه إذ مات مائة سنة وعشر سنين (الإستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر، ج۱، ص۳۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا،وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ، إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَؤُنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ،وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا،وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُوْلِهٖ، إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ. وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوْا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ، إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ (سنن ابن ماجه) [لے]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ اے جماعتِ مہاجرین پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہوجاؤ اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو، اول یہ کہ جس قوم میں فحش (و بے حیائی کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقول الترمذی :إن مولاه المطلب بن عبد الله بن حنطب، لا يعرف له سماع من جابر، وقول البخاری للترمذی :لا أعرف له سماعاً من أحد من الصحابة إلا قوله :حدثنی من شهد خطبة رسول الله صلی الله عليه وسلم، ليس فی شیء من ذلک ما يقتضی رد روايته، لما قدمنا فی سورة النساء من أن التحقيق هو الاكتفاء بالمعاصرة.ولا يلزم ثبوت اللقی، وأحری ثبوت السماع، كما أوضحه الإمام مسلم بن الحجاج -رحمه الله تعالی -فی مقدمة صحيحه، بما لا مزيد عليه ....ومذهب مسلم بن الحجاج الذی ادعی فی مقدمة صحيحه الإجماع فيه أنه لا يشترط فی اتصال الحديث اللقاء ، بل يكتفی بإمكانه، والإمكان حاصل قطعاً، ومذهب علی بن المدينی، والبخاری، والأكثرين اشتراط ثبوت اللقاء ، فعلی مذهب مسلم الحديث متصل، وعلی مذهب الأكثرين يكون مرسلاً لبعض كبار التابعين، وقد سبق أن مرسل التابعی الكبير يحتج به عندنا إذا اعتضد بقول الصحابة .أو قول أكثر العلماء ، أو غير ذلک مما سبق.وقد اعتضد هذا الحديث، فقال به من الصحابة رضی الله عنهم(أضواء البيان فی إيضاح القرآن بالقرآن، ج ۱ ،ص ۴۳۲،سورة المائدة، لمحمد الأمين بن محمد المختار بن عبد القادر الجكنی الشنقيطی "المتوفی۱۳۹۳ هـ")

[لے] رقم الحديث ۴۰۱۹،ابواب الفتن، باب العقوبات.

قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية ابنِ ماجه)

کام اور باتیں) کھلے عام ہونے لگتی ہیں، تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط مصائب اور حکمرانوں کے ظلم وستم میں مبتلا کردی جاتی ہے اور جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکاۃ نہیں دیتی تو بارش روک دی جاتی ہے اور اگر چوپائے (وجانور) نہ ہوتے، تو ان پر بارش ہی نہ برستی اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ غیروں کو ان پر مسلط فرما دیتا ہے، جو اس قوم سے عداوت رکھتے ہیں، پھر وہ ان کے اموال چھین لیتے ہیں اور جب مسلمان حکمران، کتابُ اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بلکہ اللہ کے نازل کردہ نظام میں (مرضی کے کچھ احکام) اختیار کر لیتے ہیں (اور باقی چھوڑ دیتے ہیں) تو اللہ اس قوم کو (خانہ جنگی اور) باہمی اختلافات میں مبتلا فرما دیتا ہے (ابنِ ماجہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوْا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا (مسند البزار) [1]

ترجمہ: اور جو لوگ بھی اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیتے ہیں، تو ان سے آسمان کی بارش کو روک لیا جاتا ہے، اور اگر چوپائے (وجانور) نہ ہوں تو اُن کو بالکل بھی بارش نہ دی جائے (بزار)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ بِخَمْسٍ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا خَمْسٌ بِخَمْسٍ؟ قَالَ: مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ إِلا سُلِّطَ

---

[1] رقم الحديث ٦١٧٥، ج١٢ ص٣١٥، مسند ابن عباس رضى الله عنهما.
قال الهيثمى: رواه البزار ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٦١٥، باب ما نهى عن قتله من النساء وغير ذلک)

عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُمْ، وَمَا حَكَمُوْا بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الْفَقْرُ، وَلَا ظَهَرَتْ فِيْهِمُ الْفَاحِشَةُ إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا طَفَّفُوْا الْمِكْيَالَ إِلَّا مُنِعُوْا النَّبَاتَ وَأُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ، وَلَا مَنَعُوْا الزَّكَاةَ إِلَّا حُبِسَ عَنْهُمُ الْقَطْرُ (المعجم الكبير للطبرانى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ کونسی پانچ چیزیں ہیں، جو پانچ چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تو یہ کہ جو لوگ بھی عہد توڑتے ہیں، تو اس کے بدلے میں اُن پر، ان کے دشمنوں کو مسلط کردیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ بھی اللہ کے نازل کردہ حکموں کو توڑتے ہیں تو اس کے بدلے میں ان میں فقر وافلاس پھیل جاتا ہے۔

اور تیسرے یہ کہ جب بھی کسی قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے، تو اس کے بدلے میں اُن میں موت عام ہوجاتی ہے۔

اور چوتھے یہ کہ جو لوگ بھی ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، تو اس کے بدلے میں یہ لوگ پیداوار کی کمی اور قحط سالی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

اور پانچویں یہ کہ جو لوگ بھی زکاۃ کو روکتے ہیں (یعنی ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کرتے)

---

[1] رقم الحديث ۱۰۹۹۲، ج۱۱ ص۴۵.

قال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير وسنده قريب من الحسن وله شواهد. السنين جمع سنة وهى العام المقحط الذى لم تنبت الأرض فيه شيئا سواء وقع قطر أو لم يقع (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۴۶، ج۱ ص۳۰۹، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه إسحاق بن عبد الله بن كيسان المروزى، لينه الحاكم، وبقية رجاله موثقون، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، ج۳ص۶۵، رقم الحديث ۴۳۴۶، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

تو اس کے بدلے میں اُن سے بارش روک لی جاتی ہے (طبرانی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَانَقَضَ قَوْمٌ اَلْعَھْدَ قَطُّ اِلَّا کَانَ الْقَتْلُ بَیْنَھُمْ وَلَا ظَھَرَتُ الْفَاحِشَۃُ فِیْ قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمُ الْمَوْتَ وَلَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّکَاۃَ اِلَّا حَبَسَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الْقَطْرَ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم بھی کبھی عہد توڑتی ہے، تو اُن کے درمیان قتل عام ہو جاتا ہے، اور جب بھی کسی قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے، تو اللہ اُن پر موت کو مسلط فرما دیتا ہے، اور جو قوم بھی زکاۃ کو روکتی ہے تو اللہ اُن سے بارش کو روک لیتا ہے (حاکم)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّکَاۃَ إِلَّا ابْتَلَاھُمُ

---

[1] رقم الحديث ٢٥٧٧، ج٢ص ١٣٦، كتاب الجهاد،شعب الايمان، رقم الحديث ٣٠٤٠، السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ٦٣٩٧، مسند البزار، رقم الحديث ٤٤٦٣.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه "

وقال الذهبی: على شرط مسلم.

وقال الهيثمی: رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح غير رجاء بن محمد وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٢١٥٠، كتاب الفتن، باب فی ظهور المعاصی)

وقال الالبانی:ما نقض قوم العهد قط إلا كان القتل بينهم، وما ظهرت فاحشة فی قوم قط إلا سلط الله عز وجل عليهم الموت، ولا منع قوم الزكاة إلا حبس الله عنهم القطر ."رواه الحاكم(١٢٦/٢) والبيهقی(٣٤٦/٣)من طريق بشير بن مهاجر عن عبد الله بن بريدة عن أبيه. وقال الحاكم ": صحيح على شرط مسلم "، ووافقه الذهبی.قلت :وهو كما قالا، غير أن بشيرا هذا قد تكلم فيه من قبل حفظه، وفی "التقريب "أنه صدوق لين الحديث .وقد خولف فی إسناده، فقال البيهقی عقبه: "كذا رواه بشير بن المهاجر " .... وبالجملة فالحديث بهذه الطرق والشواهد صحيح بلا ريب، وتوقف الحافظ ابن حجر فی ثبوته إنما هو باعتبار الطريق الأولى .والله أعلم. (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٠٧، ملخصاً)

اللّٰهُ بِالسِّنِيْنَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۴۵۷۷) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے بھی زکاۃ کو روکا تو اللہ، اس کو قحط سالی میں مبتلا فرما دیتا ہے (طبرانی)

اس طرح کی احادیث وروایات اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ۲؎

البتہ اس طرح کی بعض دوسری روایات سند کے اعتبار سے غیر معتبر بھی ہیں۔ ۳؎

۱؎ قال الطبرانی: لم يرو هذا الحديث عن فضيل بن مرزوق إلا سليمان بن موسى، تفرد به: مروان بن محمد الطاطری (المعجم الاوسط، حواله بالا)

وقال المنذری: رواه الطبرانی فی الأوسط ورواته ثقات (الترغيب والترهيب ج ا ص ۳۰۹، تحت رقم الحديث ۱۱۴۵، كتاب الصدقات الترغيب فی أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۵۰، ج۳ص ۹۶، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

وقال الالبانی: قلت :مروان ثقة، وسليمان بن موسى أبو داود الكوفی صويلح كما قال الذهبی،وفضيل إن كان ابن مرزوق ففيه ضعف، وإن كان ابن غزوان فهو ثقة احتج به الشيخان، فإن كان هو راوی الحديث فهو حسن إن شاء الله تعالى . وقد قال المنذری(۱/ ۲۷۰)بعد ما عزاه للطبرانی ":ورواته ثقات ." وبالجملة فالحديث بهذه الطرق والشواهد صحيح بلا ريب، وتوقف الحافظ ابن حجر فی ثبوته إنما هو باعتبار الطريق الأولى .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۰۷)

۲؎ عن ابن عباس، قال " :ما نقض قوم العهد إلا سلط الله عليهم عدوهم، ولا فشت الفاحشة فی قوم إلا أخذهم الله بالموت، وما طفف قوم الميزان إلا أخذهم الله بالسنين، وما منع قوم الزكاة إلا منعهم الله القطر من السماء ، وما جار قوم فی حكم إلا كان البأس بينهم -أظنه قال :والقتل كذا " -قال :عن ابن عباس موقوفا(شعب الايمان، رقم الحديث ۳۰۳۹)

قال الالبانی: عن عبد الله بن بريده عن ابن عباس قال ":ما نقض قوم العهد إلا سلط الله عليهم عدوهم، ولا فشت الفاحشة فی قوم إلا أخذهم الله بالموت، وما طفف قوم الميزان إلا أخذهم الله بالسنين، وما منع قوم الزكاة إلا منعهم الله القطر من السماء ، وما جار قوم فی حكم إلا كان البأس بينهم -أظنه قال -والقتل ." قلت :وإسناده صحيح وهو موقوف فی حكم المرفوع، لأنه لا يقال من قبل الرأی (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۰۷)

۳؎ عن ابن عمر، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال " :إن السلطان ظل الله فی الأرض، يأوی إليه كل مظلوم من عباده، فإذا عدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر، وإذا جار كان عليه الإصر وعلى الرعية الصبر، وإذا جارت الولاة قحطت السماء ، وإذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ نہ دینے پر تپتی ہوئی چٹانوں سے داغے جانے کا عذاب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكَاتَهُ، إِلَّا أُحْمِيَ عَلَيْهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُجْعَلُ صَفَائِحَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبَاهُ، وَجَبِيْنُهُ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهٖ، فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ، ثُمَّ يَرٰى سَبِيْلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ

(مسلم، رقم الحديث ۹۸۷ "۲۶"، كتاب الزكاة، باب اثم مانع الزكاة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی مال کا مالک جو کہ اس کی زکاۃ ادا نہیں کرتا، مگر اس کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، اور اس کو چٹانوں کی طرح بنا کر اس سے اس کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی کو داغا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ (بروزِ قیامت) اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے (اس وقت تک وہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا) اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پھر اس کو جنت یا جہنم کی طرف (جس طرح اللہ کو منظور ہوگا) راستہ دکھایا جائے گا (مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منعت الزكاة هلكت المواشى، وإذا ظهر الزنا ظهر الفقر والمسكنة، وإذا خفرت الذمة أديل الكفار "رواه ابن خزيمة، عن يونس بن عبد الأعلى، عن بشر بن بكر، وأبو المهدى سعيد بن سنان ضعيف عند أهل العلم بالحديث(شعب الايمان، رقم الحديث ۶۹۸۴، مسند البزار، رقم الحديث ۵۳۸۳)

قال الهيثمى: رواه البزار، وفيه سعيد بن سنان أبو مهدى، وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۹۹۸، باب فى العدل والجور)

وقال الالبانى: موضوع (السلسلة الضعفية مختصرة، تحت رقم الحديث ۲۰۴)

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحَ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِيْنُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيْدَتْ لَهُ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيُرٰى سَبِيْلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی سونے کا مالک اور نہ چاندی کا مالک جو کہ اس میں سے اس کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہیں کرتا، مگر قیامت کے دن آگ کی چٹانیں اس کے لئے بچھائی جائیں گی، اور جہنم کی آگ سے انہیں گرم کر کے اس کے پہلو، پیشانی، اور سینہ پر داغ لگائے جائیں گے، جب یہ چٹانیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، تو پھر دوبارہ گرم کر لی جائیں گی، قیامت کے اس دن برابر یہ کام ہوتا رہے گا، جس دن کی مقدار کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، بالآخر جب بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا، تو اسے اُس کا یا تو جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا یا پھر جہنم کا (مسلم)

اس حدیث سے سونے چاندی وغیرہ کی زکاۃ ادا نہ کرنے پر قیامت کے دن شدید عذاب کا ہونا معلوم ہوا۔ [2]

یہ عذاب تو صرف قیامت کے دن سے متعلق ہے، جس کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے، اتنے عرصۂ دراز تک عذاب میں مبتلا رہنا بھی کوئی کم عذاب نہیں ہے، اور اس کے بعد کا

---

[1] رقم الحدیث "۹۸۷" ۲۴، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ.

[2] (من نار) أی یجعل لہ صفائح من نار، أو یجعل الذہب والفضۃ صفائح من نار، أی یجعل صفائح کأنہا نار، أو کأنہا مأخوذۃ من نار، یعنی کأن الذہب والفضۃ لفرط إحمائہا وشدۃ حرارتہا صفائح النار، وہذا التأویل یوافق ما فی التنزیل، حیث قال تعالی :(یوم یحمی علیہا فی نار جہنم فتکوی بہا جباہہم وجنوبہم وظہورہم ہذا ما کنزتم لأنفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون) (مرقاۃ المفاتیح، ج۴ص ۱۲۶۲، کتاب الزکاۃ)

پتہ نہیں کہ کتنا عذاب ہو، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے، اگر زکاۃ میں کوتاہی کا گناہ زیادہ اور بڑا ہوگا، تو پھر عذاب کا سلسلہ آگے بھی بڑھ سکتا ہے۔

قیامت کے دن کی اس پچاس ہزار سال کی مقدار کا قرآن مجید میں بھی ذکر آیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ (سورة المعارج، رقم الآية ۴)

ترجمہ: اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی (سورہ معارج)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر قیامت کے دن کی مقدار ہزار سال کے برابر بیان کی گئی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ (سورة الٓمٓ السجدة، رقم الآية ۵)

ترجمہ: اس دن کی مقدار تمہارے شمار کردہ دنوں کے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہے (سورہ الٓمٓ السجدة)

قیامت کے دن کی مختلف بیان کردہ مقداروں میں دراصل باہم کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ قیامت کے دن کا لمبا اور مختصر ہونا ہر شخص کے عمل کے اعتبار سے ہوگا، نیک لوگوں کے حق میں یہ دن مختصر ہوگا، اور بددینوں کے حق میں اپنے اپنے عمل کے حساب سے طویل اور لمبا ہوگا۔ [1]

---

[1] ووجه التطبيق بين الحديثين ان يوم القيامة يختلف طوله بالنسبة الى الاشخاص يكون ذلك اليوم على بعض الناس مقدار خمسين الف سنة وعلى بعضهم مقدار الف سنة وعلى بعضهم أخف من ايام الدنيا اخرج الحاكم والبيهقي عن ابى هريرة مرفوعا وموقوفا طول ذلك اليوم على المؤمنين كمقدار بين الظهر والعصر -وكذا ذكر البغوى قول ابراهيم التيمى واخرج ابو يعلى وابن حبان والبيهقي بسند حسن عن ابى سعيد قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يوم كان مقداره خمسين الف سنة ما أطول هذا اليوم فقال والذى نفسى بيده انه ليخفف على المؤمن حتى يكون أهون عليه من الصلاة المكتوبة يصليها فى الدنيا (التفسير المظهرى، سورة الٓمٓ السجدة، تحت رقم الآية ۵)

زکاۃ ادا نہ کئے جانے والا مال زہریلا ناگ بن جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکَاتَہٗ مُثِّلَ لَہٗ مَالُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَہٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثُمَّ یَأْخُذُ بِلِھْزِمَتَیْہِ یَعْنِی شِدْقَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ أَنَا مَالُکَ أَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا (لَا یَحْسِبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ) اَلْآیَۃَ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کو اللہ نے مال عطا فرمایا، پھر اس نے اس کی زکاۃ ادا نہیں کی تو وہ مال قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑے ہوئے ہوں گے (جو کہ اس کے انتہائی زہریلے ہونے کی نشانی ہے) اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے (یہ بھی انتہائی شدید زہریلے ہونے کی نشانی ہے) پھر وہ سانپ اس (زکاۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپیٹ دیا جائے گا) پھر وہ اس کی دونوں باچھیں یعنی کلّے پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا، کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا (جمع کیا ہوا) خزانہ ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی (سورہ آلِ عمران کی) یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ (آخر تک)

یعنی ''اور ہر گز گمان نہ کریں وہ لوگ جو (زکاۃ کی ادائیگی میں) بخل کرتے ہیں، اس مال کے ساتھ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، کہ یہ بات ان

---

[۱] رقم الحدیث ۱۴۰۳، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ، نسائی، رقم الحدیث ۲۴۸۲.

کے لئے خیر والی ہے، بلکہ یہ بات ان کے لئے شر والی ہے، بہت جلد قیامت کے دن اس مال کا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا، طوق بنا کر ان کو پہنایا جائے گا، اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی میراث، اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے“ (بخاری، نسائی)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَانَ لَہٗ مَالٌ فَلَمْ یُؤَدِّ حَقَّہٗ، جُعِلَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعًا أَقْرَعَ ، لِفِیْہِ زَبِیْبَتَانِ ، یَتْبَعُہٗ حَتّٰی یَضَعَ یَدَہٗ فِیْ فِیْہِ، فَلَا یَزَالُ یَقْضِمُھَا حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ (مسند احمد، ٧٧٥٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور وہ اس کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرتا ہو، تو قیامت کے دن اس مال کو گنجا سانپ جس کے منہ میں دو نقطے ہوں گے، بنا دیا جائے گا اور وہ اپنے مالک کا پیچھا کرے گا، یہاں تک کہ اس کا ہاتھ اپنے منہ میں لے کر اسے چبائے گا، اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ نہ ہو جائے (مسند احمد)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَلَا مِنْ صَاحِبِ مَالٍ لَا یُؤَدِّیْ زَکَاتَہٗ، إِلَّا تَحَوَّلَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، یَتْبَعُ صَاحِبَہٗ حَیْثُمَا ذَھَبَ، وَھُوَ یَفِرُّ مِنْہُ، وَیُقَالُ: ھٰذَا مَالُکَ الَّذِیْ کُنْتَ تَبْخَلُ بِہٖ، فَإِذَا رَاٰی أَنَّہٗ لَا بُدَّ مِنْہُ، أَدْخَلَ یَدَہٗ فِیْ فِیْہِ، فَجَعَلَ یَقْضَمُھَا کَمَا یَقْضَمُ الْفَحْلُ (مسلم) [2]

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی مال والا جو اس کی زکاۃ ادا نہ کرتا ہو، مگر قیامت کے دن

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح وھذا إسناد حسن (حاشیة مسند احمد)

[2] رقم الحدیث ٩٨٨ ”٢٨“، کتاب الزکاة، باب اثم مانع الزکاة.

اس کا مال (انتہائی زہریلا) گنجا سانپ بن جائے گا، جو مال والے کا پیچھا کرے گا، جہاں بھی وہ جائے گا، اور وہ مال والا اس سے بھاگے گا، اور (اللہ کی طرف سے) یہ کہا جائے گا کہ یہ تیرا وہ مال ہے، جس کے متعلق تو بخل کرتا تھا، پس جب وہ یہ دیکھ لے گا کہ اس سے کوئی چھٹکارے کا راستہ نہیں، تو اپنے ہاتھ کو اس سانپ کے منہ میں داخل کردے گا، پھر وہ سانپ اس کے ہاتھ کو اس طریقہ سے چبائے گا، جس طریقہ سے اونٹ (کھانے کی چیز کو) چباتا ہے (مسلم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الَّذِیْ لَا يُؤَدِّیْ زَكَاةَ مَالِهٖ يُمَثِّلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهٗ مَالَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ ، لَهٗ زَبِيْبَتَانِ ، ثُمَّ يَلْزَمُهٗ يُطَوِّقُهٗ يَقُوْلُ: أَنَا كَنْزُكَ، أَنَا كَنْزُكَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں (انتہائی زہریلا بن کر) آئے گا، جس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو اس سانپ کے انتہائی زہر آلود اور بھیانک ہونے کی علامت ہے اور) وہ سانپ طوق بنا کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا، اور وہ اسے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں (مسند احمد، نسائی)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جس مال کی زکاۃ ادا نہ کی جائے، وہ مال قیامت کے دن خطرناک سانپ کی شکل اختیار کرکے، بندہ کی تعذیب وتکلیف کا باعث ہوگا۔

اللہ تعالیٰ زکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کے جرم وگناہ سے سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

---

[1] رقم الحديث ۵۷۲۹، نسائی، رقم الحديث ۲۴۸۱.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

زکاۃ ادا نہ کرنے پر شدید عذاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَى أَغْنِيَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ الَّذِيْ يَسَعُ فُقَرَاءَ هُمْ ، وَلَنْ يُّجْهَدَ الْفُقَرَاءُ إِذَا جَاعُوْا وَعَرَوْا إِلَّا بِمَا يُضَيِّعُ أَغْنِيَاؤُهُمْ ، أَلَا وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ يُحَاسِبُهُمْ حِسَابًا شَدِيْدًا، ثُمَّ يُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا (المعجم الصغير للطبرانی، رقم الحدیث ۴۵۳، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۳۵۷۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے مسلمانوں کے مالداروں پر ان کے مالوں میں اتنی زکاۃ فرض کی ہے کہ جو ان کے فقراء وغریبوں کے لئے کافی ہوجائے، اور فقراء وغریب بھوکے اور ننگے ہونے کی وجہ سے اسی وقت مشقت میں مبتلا ہوتے ہیں، جبکہ ان کے مالدار، ان کی زکاۃ کا حق ضائع کرتے ہیں، خبردار ہوجاؤ، کہ بے شک اللہ عزوجل ان مالداروں سے سخت حساب لے گا، پھر ان کو دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا (طبرانی)

ملحوظ رہے کہ اس حدیث کی سند کو محدثین واہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ زکاۃ ادا نہ کرنا سخت عذاب اور وبال کا باعث ہے۔ [1]

---

[1] قال الطبرانی: لم يروه عن أبی جعفر إلا حرب بن سريج ,ولا عنه إلا المحاربی تفرد به ثابت بن محمد وقد روی عن علی عليه السلام من وجوه غير مسندة (المعجم الصغير للطبرانی، حوالہ بالا)

وقال المنذری: رواه الطبرانی فی الأوسط والصغير وقال تفرد به ثابت بن محمد الزاهد قال الحافظ وثابت ثقة صدوق روی عنه البخاری وغيره وبقية رواته لا بأس بهم وروی موقوفا علی علی رضی الله عنه وهو أشبه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۳۰، كتاب الصدقات الترغيب فی أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی رات کا یہ قصہ مذکور ہے کہ:

ثُمَّ أَتٰى عَلٰى قَوْمٍ عَلٰى أَقْبَالِهِمْ رِقَاعٌ وَعَلٰى أَدْبَارِهِمْ رِقَاعٌ يَسْرَحُوْنَ كَمَا تَسْرَحُ الْأَنْعَامُ ، عَنِ الضَّرِيْعِ وَالزَّقُّوْمِ وَرَضِفَ جَهَنَّمُ وَحِجَارَتُهَا قَالَ: مَا هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ لَا يُؤَدُّوْنَ صَدَقَاتَ أَمْوَالِهِمْ (دلائل النبوة للبيهقى) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط، وقال :تفرد به ثابت بن محمد الزاهد . قلت: ثابت من رجال الصحيح، وبقية رجاله وثقوا، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۲۴، ج۳ص ۶۲،كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

وقال الالبانى: روى الطبرانى فى "الأوسط "و "الصغير "عن على كرم الله وجهه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إن الله فرض على أغنياء المسلمين فى أموالهم بقدر الذى يسع فقراء هم .. قال الطبرانى :تفرد به ثابت بن محمد الزاهد :قال الحافظ :وثابت ثقة صدوق روى عنه البخارى وغيره وبقية رواته لا بأس بهم "

قلت :فيه مؤاخذات :أولا :أطلق كلمة (الحافظ) فأوهم أنه الحافظ ابن حجر لأنه هو المقصود عند الإطلاق وليس به بل هو المنذرى فإن قوله المذكور هو كلامه بالحرف فى "الترغيب (۲۶۸/۱)"وقد مضى له مثل هذا الخطإ فى (صلاة التسبيح ص ۲۶۰)

ثانيا :أن ما نقله من كلام المنذرى يوهم أن المنذرى يذهب إلى تقوية الحديث مرفوعا وليس كذلك بل تمام كلامه يوهنه فإنه قال عقب ذلك " :وروى موقوفا على على رضى الله عنه وهو أشبه "قلت :وهذا هو الصواب لأنه روى من وجوه موقوفا عليه كما قال الطبرانى فى "المعجم الصغير(ص ۹۱) "وقد رواه كذلك أبو عبيد (رقم ۱۹۰۹) وسيأتى لفظه فى الكتاب فى آخر بحث (الزكاة) نقله المؤلف عن "المحلى "لابن حزم

ثالثا :من رواته كما فى "الطبرانى الصغير "حارث بن سريج قال ابن معين " :ليس بشىء " ووثقه فى رواية . وقال النسائى " :ليس بثقة "وقال موسى بن هارون " :متهم فى الحديث " وقال ابن عدى " :ضعيف يسرق الحديث "فهذا الكلام من مثل هؤلاء الأئمة يسقط حديثه ويجعله واهيا ولا سيما أنه قد روى عن غيره موقوفا. رابعا :أن ثابت بن محمد الزاهد -وإن روى له البخارى -فقد ذكره هو نفسه فى الضعفاء وضعفه غيره من قبل حفظه ولذلك قال الحافظ فى " التقريب " : "صدوق يخطء " (تمام المنة فى التعليق على فقه السنة، ص۳۵۷، و۳۵۸)

[1] ج۲، ص۳۹۸، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى، مسند البزار، رقم الحديث ۹۵۱۸.

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم کے پاس آئے کہ جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے، اور وہ جانوروں کی طرح ضریع، زقوم، جہنم کے گرم پتھر، اور جہنم کے (کانٹے دار وخبیث وبدترین وبدبودار) درختوں سے چر (یعنی جانوروں کی طرح کھا) رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکاۃ نہیں دیتے تھے (بیہقی، بزار)

اس حدیث کی سند پر بھی بعض محدثین واہلِ علم حضرات نے کلام کیا ہے۔ [1]

لیکن اس طرح کی چند احادیث وروایات کی سندوں کے ضعیف ہونے سے زکاۃ ادا نہ کرنے پر عذاب کی شدت میں کوئی کمی نہیں آتی، کیونکہ اس کا ثبوت بہت سی صحیح احادیث اور قرآن مجید سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام میں زکاۃ کی بڑی فضیلت واہمیت اور تاکید ہے، قرآن مجید میں کئی مقامات پر زکاۃ کا ذکر نماز کے ساتھ کیا گیا ہے، اور زکاۃ اسلام کے پانچ اہم ارکان میں سے ایک مستقل رکن ہے، اور زکاۃ مالی عبادات میں سب سے بڑا فریضہ ہے۔ [2]

---

[1] قال البزار: وهذا لا نعلمه يروى إلا بهذا الإسناد من هذا الوجه.

وقال الهيثمي: رواه البزار، ورجاله موثقون، إلا أن الربيع بن أنس قال :عن أبى العالية أو غيره . فتابعيه مجهول (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۳۵، باب منه فى الاسراء)

وقال الالبانى: منكر (ضعيف الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۲۱۲۲)

[2] فضل إيتاء الزكاة :يظهر فضل الزكاة من أوجه:

اقترانها بالصلاة فى كتاب الله تعالى، فحيثما ورد الأمر بالصلاة اقترن به الأمر بالزكاة، من ذلك قوله تعالى :(وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة وما تقدموا لأنفسكم من خير تجدوه عند الله). ومن هنا قال أبو بكر فى قتال مانعى الزكاة :والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، إنها لقرينتها فى كتاب الله.

أنها ثالث أركان الإسلام الخمسة، لما فى الحديث بنى الإسلام على خمس :شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا سب مسلمانوں کو زکاۃ وغیرہ کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہئے، اور اس میں غفلت وکوتاہی کرنے سے بچنا چاہئے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اور اسی کے ساتھ زکاۃ کی فرضیت اور اس کی ادائیگی کے احکام کا علم حاصل کرنا چاہئے، تاکہ اس فریضہ کو صحیح ادا کیا جاسکے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُهٗ اَتَمُّ وَاَحۡكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنها من حيث هي فريضة أفضل من سائر الصدقات لأنها تطوعية، وفي الحديث القدسي ما تقرب إلى عبدي بشيء أحب إلي مما افترضته عليه.

أما فضل إيتاء الزكاة من حيث هي صدقة من الصدقات فيأتي في مباحث :(صدقة التطوع)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۲۹،مادة "زكاة")

(حصہ اول)

مالِ نامی کی زکاۃ کے احکام

(یعنی سونے، چاندی، کرنسی و مالِ تجارت کی زکاۃ سے متعلق احکام)

زکاۃ کی معروف ومشہور شکل، جس کا قرآن وسنت میں جابجا ذکر آیا ہے، وہ مالِ نامی کی زکاۃ ہے، اور نامی کے معنیٰ بڑھنے والے کے ہیں، اور فقہائے کرام کے نزدیک مالِ نامی سے مراد سونے، چاندی، مالِ تجارت کی زکاۃ ہے، اور موجودہ دور کی کرنسی بھی اس میں داخل ہے، اور مخصوص جانور جن کو سائمہ کہا جاتا ہے، وہ بھی مالِ نامی میں داخل ہیں، لیکن سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے احکام سونے، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام سے کچھ مختلف ہیں، اس لئے پہلے سونے، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے بعد سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے احکام کا ان شاء اللہ تعالیٰ الگ سے ذکر کیا جائے گا۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ شریعت کی زبان میں کئی دوسرے مالی واجبات کو بھی زکاۃ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، مثلاً کاشت یعنی زمینی پیداوار کی زکاۃ، اور زکاۃِ فطر یعنی صدقۂ فطر وغیرہ۔[1]

---

[1] فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق زکاۃ واجب ہونے کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے۔
اور کسی مال میں نمو کا تحقق یا تو خلقی طریقہ پر ہوتا ہے، یا فعلی طریقہ پر۔
خلقی کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں یہ نمو خلقی وپیدائشی طور پر موجود ہو، کسی فعل وعمل کی وجہ سے پیدا نہ ہو، اس طرح کے نمو کو فقہاء نے حقیقی نمو سے تعبیر فرمایا ہے۔
اور فعلی کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں نمو خلقی وپیدائشی طور پر تو موجود نہ ہو، البتہ کسی فعل وعمل کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، اس طرح کے نمو کو فقہاء نے تقدیری نمو سے تعبیر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

وفی الشرع :هو نوعان :حقیقی وتقدیری؛ فالحقیقی الزیادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقدیری تمکنه من الزیادة بکون المال فی یده أو ید نائبه بحر(رد المحتار، ج۲،ص ۲۶۳، کتاب الزکاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگران کے حقیقی یا معروف زکاۃ میں داخل نہ ہونے اور طوالت سے بچنے کے لئے ان چیزوں کے احکام کا ذکر ہم نے اپنی دوسری تصنیفات میں کردیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قسم الفقهاء المال بالنظر إلى نمائه أو عدم نمائه إلى قسمين :نام، وقنية.

فالمال النامى :هو الذى يزيد ويكثر .من النماء الذى يعنى فى اللغة الزيادة والكثرة .وهو فى الشرع نوعان :حقيقى، وتقديرى .فالحقيقى :الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات .والتقديرى: تمكنه من الزيادة، بكون المال فى يده أو يد نائبه.

ومال القنية :هو الذى يتخذه الإنسان لنفسه لا للتجارة .قال الأزهرى :القنية :المال الذى يؤثله الرجل ويلزمه ولا يبيعه ليستغله.

ويظهر أثر التقسيم فى الزكاة، إذ إنها تجب فى المال النامى دون مال القنية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳٦ص ۳۹،مادة "مال")

ويشترط كون المال نامياً، لأن معنى الزكاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامى، وليس المقصود حقيقة النماء ، وإنما كون المال معداً للاستنماء بالتجارة أو بالسوم أى الرعى عند الجمهور، لأن الإسامة سبب لحصول الدر والنسل والسمن، والتجارة سبب لحصول الربح، فيقام السبب مقام المسبب .(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۷۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانى)

باب زكاة أموال التجارة:أصل الباب ما ذكرنا أن المعتبر فى باب التجارة معنى المالية والقيمة دون العين لأن سبب وجوب الزكاة هو المال النامى الفاضل عن الحاجة والنماء فى مال التجارة بالاسترباح وذلك من حيث المالية إلا أن حقيقة النماء مما يتعذر اعتباره فأقيمت التجارة التى هى سبب النماء مع الحول الذى هو زمان النماء مقامه فمتى حال الحول على مال التجارة يكون ناميا فاضلا عن الحاجة تقديرا (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۷۱،باب زكاة أموال التجارة)

وقوله :نام، ولو تقديرا أى يشترط لوجوب الزكاة أن يكون ناميا حقيقة بالتوالد والتناسل وبالتجارات أو تقديرا بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال فى يده أو يد نائبه لما ذكرنا أن السبب هو المال النامى فلا بد منه تحقيقا أو تقديرا فإن لم يتمكن من الاستنماء فلا زكاة عليه لفقد شرطه (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۵۵، ۲۵٦، كتاب الزكاة)

(ومنها كون النصاب ناميا) حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة أو تقديرا بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال فى يده أو فى يد نائبه وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين خلقى، وفعلى هكذا فى التبيين فالخلقى الذهب والفضة، لأنهما لا يصلحان للانتفاع بأعيانهما فى دفع الحوائج الأصلية فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة والفعلى ما سواهما ويكون الاستنماء فيه بنية التجارة أو الإسامة، ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة ثم نية التجارة قد تكون صريحا وقد تكون دلالة(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۷۴، كتاب الزكاة، الباب الاول)

(باب نمبر۱)

مالِ نامی کی زکاۃ سے متعلق احادیث وروایات

مالِ نامی کی زکاۃ سے متعلق احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، اور اہلِ علم حضرات نے ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے، تفصیلی احکام سے پہلے اس طرح کی احادیث وروایات اور متعلقہ تفصیلات کو الگ الگ فصلوں کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

(فصل نمبر۱)

سونے، چاندی کی زکاۃ سے متعلق احادیث وروایات

جن مالوں میں زکاۃ واجب ہے، ان میں سے ایک چیز سونا ہے، اور دوسری چیز چاندی ہے، اور تیسری چیز مالِ تجارت ہے، جن کی زکاۃ سے متعلق احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے۔

پہلے سونے، چاندی یا اُن کے زیورات سے متعلق احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ مالِ تجارت کی زکاۃ سے متعلق احادیث وروایات ذکر کی جائیں گی۔

سونے، چاندی کی زکاۃ نہ دینے پر وعیدیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا

كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (سورة التوبة، رقم الآيات ۳۴، و۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو، اور خرچ نہیں کرتے اس کو اللہ کے راستے میں، تو آپ ان کو خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، اس دن کہ تپایا جائے گا اس کو جہنم کی آگ میں، پھر داغا جائے گا اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو، یہ وہ ہے جس کو تم نے جمع کر کے رکھا تھا اپنے واسطے، پس تم مزہ چکھو اس کا جو تم جمع کر کے رکھتے ہو (سورہ توبہ)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھے، تو وہ مال اس کے لئے وبال ہے اور کنز میں داخل ہے، اور کئی احادیث میں ہے کہ جب سونے چاندی اور اس کے زیورات کی زکاۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں رہتا، لہٰذا جمع کر کے رکھنے کا یہ وبال اسی صورت میں ہے، جبکہ اس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔

امُّ المومنین حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدِّى زَكَاتَهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (ابوداؤد) [1]

---

[1] رقم الحديث ۱۵۶۴، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلى، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۱۴۳۸، سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۱۹۵۰، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۲۱۳.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط البخارى، ولم يخرجاه.

وقال ابن الملقن: رواه أبو داود والحاكم واللفظ له وقال صحيح على شرط البخارى وأما ابن حزم فقال فيه عتاب بن بشير وهو مجهول قلت لا قد روى عن جماعة وعنه جماعة ووثقه يحيى بن معين واحتج به البخارى فى صحيحه وقد تابعه محمد بن مهاجر كما رواه الحاكم من طريقه (تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج، تحت رقم الحديث ۹۲۹، باب زكاة النقد)

وقال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره، وهذا سند رجاله ثقات إلا أن عطاء -وهو ابن أبى رباح -لم يسمع من أم سلمة فيما قاله على بن المدينى .ومع ذلك فقد صححه ابن القطان، وجوَّد إسناده الحافظ العراقى فيما نقله عنهما الحافظ ابن حجر فى "الفتح ۳/۲۷۲ "وأخرجه البيهقى ۴/۱۴۰ من طريق أبى داود، بهذا الإسناد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں سونے کا خاص زیور پہنتی تھی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ کیا یہ کنز ہے (جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عذاب کی وعید سنائی ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر اس کی مقدار اتنی ہو کہ جس کی زکاۃ دی جاتی ہے، اور پھر اس کی زکاۃ دے دی جائے، تو یہ (عذاب دیئے جانے والا) کنز نہیں ہے (ابوداؤد، حاکم، دارقطنی، طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مال کی زکاۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز کہلاتا ہے، جس پر سخت وعید ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا وَفِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهَا أَتُعْطِيْنَ زَكَاةَ هٰذَا: قَالَتْ لَا، قَالَ أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ، قَالَ فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهِ (ابوداؤد) [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الطبرانی فی "المعجم الكبير(۲۳/۲۱۳)"والدارقطنی (۱۹۵۰)والحاکم فی "المستدرک(۱/۳۹۰)"والبیهقی ۴/۸۳و۱۴۰من طريق محمد بن مهاجر عن ثابت بن عجلان، بهذا الإسناد.

وله شاهد من حديث ابن عمر، عند البخاری(۱۴۰۴)وابن ماجه(۱۷۸۷)وآخر من حديث أبی هريرة عند ابن ماجه(۱۷۸۸)والترمذی(۶۲۳)وابن حبان(۳۲۱۶) (حاشية ابی داوٗد)

[۱] وقد حوى هذا الخبر معنيين : احدهما:وجوب زكاة الحلی، والآخر:ان الكنز ما لم تؤد زكاته (أحكام القرآن للجصاص، تحت آيت ۳۳، ۳۴من سورة البرأة)

[۲] رقم الحديث ۱۵۶۳، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلی.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية ابی داوٗد)

وقال الحافظ العسقلانی: لفظ أبی داود أخرجه من حديث حسين المعلم وهو ثقة (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ۸۵۳، باب زكاة الذهب والفضة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، جس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی، اور اس بیٹی کے ہاتھ میں دو سونے کے موٹے کنگن تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟

اس عورت نے کہا کہ نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ان دو کنگنوں کی وجہ سے اللہ تم کو قیامت کے دن آگ کے دو کنگن پہنا دے، یہ سن کر اس عورت نے وہ دونوں کنگن (بچی کے ہاتھ سے) نکالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے اور کہا کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (آپ جہاں چاہیں اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیں)

(ابوداؤد)

اور امام نسائی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ اپنی سند کے ساتھ اس واقعہ کو اس طرح روایت کرتے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده) : اعلم أن عمرا بن شعيب بن محمد بن عبد الله بن عمرو بن العاص أبو عبد الله على الصحيح، أحد علماء زمانه، روى عن البخارى أن أحمد وجماعة يحتجون بحديث عمرو، ولكن البخارى ما احتج به فى جامعه .قال أبو زرعة :إنما أنكروا حديثه لكثرة روايته، وإنما سمع أحاديث بسرة، وأخذ صحيفة كانت عندها فرواها، وشعيب لا نعرفه، ولكن ما علمت أحدا وثقه، بل ذكره ابن حبان فى تاريخ الثقات، وقال ابن عدى :عمرو بن شعيب ثقة إلا أنه إذا روى عن أبيه عن جده عن النبى -صلى الله عليه وسلم -يكون مرسلا .قلت :قد ثبت سماعه عن عبد الله، وهو الذى رباه حتى قيل إن محمدا مات فى حياة أبيه عبد الله، وكفل شعيبا جده عبد الله كذا فى الميزان للذهبى، وقال بعض المحققين :الصحيح أن الضمير فى جده راجع إلى شعيب، وكثيرا ما وقع فى رواية أبى داود، والنسائى، وغيرهما بلفظ :عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص، فحديثه لا طعن فيه .وقال الإمام النووى :أنكر بعضهم حديث عمرو، عن أبيه، عن جده باعتبار أن شعيبا سمع من محمد لا عن جده عبد الله، فيكون حديثه مرسلا، لكن الصحيح أنه عن جده عبد الله، فحديثه بهذا الطريق متصل لكن لاحتمال أن يراد بجده فى الإسناد محمد لا عبد الله لم يدخل حديثه بهذا الإسناد فى الصحاح، وإن احتجوا به . وقال الشيخ ابن حجر فى شرح البخارى :ترجمة عمرو قوية على المختار حيث لا تعارض، والله أعلم .كذا حرره ميرك شاه -رحمه الله (مرقاة المفاتيح، ج ١ ص ١٧٥، ١٧٦، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر)

ہیں کہ:

أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ أَتَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِنْتٌ لَهَا فِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ أَتُؤَدِّيْنَ زَكَاةَ هٰذَا قَالَتْ لَا قَالَ أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَ فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نسائی) [1]

ترجمہ: اہلِ یمن کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، جس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی، اور اس بیٹی کے ہاتھ میں دو سونے کے موٹے کنگن تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟

اس عورت نے کہا کہ نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ان دو کنگنوں کی وجہ سے اللہ تم کو قیامت کے دن ان دونوں کنگنوں کے بدلہ میں آگ کے دو کنگن پہنا دے، یہ سن کر اس عورت نے وہ دونوں کنگن (بچی کے ہاتھ سے) نکالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے اور کہا کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں (آپ جہاں چاہیں اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیں) (نسائی، دارقطنی)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو اپنی سند سے روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٤٧٩، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلى، دارقطنى، رقم الحديث ١٩٨٢.
قال الالبانى: حسن (صحيح وضعيف سنن النسائى، تحت رقم الحديث ٢٤٧٩)

[2] هكذا رواه حسين المعلم، ورواه الحجاج بن أرطأة، كما أخبرنا أحمد بن محمد بن الحارث الفقيه، أخبرنا أبو محمد بن حيان الأصبهانى قال: حدثنا المروزى يعنى محمد بن يحيى قال: حدثنا خلف بن هشام قال: حدثنا ابن شهاب، عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، اور صحیح ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحجاج، عن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده قال :جاء ت امرأتان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليهما أسورة من ذهب ، فقال لهما : أتحبان أن يحليكما الله أسورة من نار ؟ قالتا :لا قال : فأديا حقه ، قال الحجاج :يرون أن حقه زكاته قال أحمد :حسين المعلم أوثق من الحجاج ، غير أن الشافعي رحمه الله كان كالمتوقف في روايات عمرو بن شعيب ، إذا لم ينضم إليهما ما يؤكدها ، لما قيل في رواياته ، عن أبيه ، عن جده :أنها من صحيفة كتبها عبد الله بن عمرو ، وقد ذكرنا في كتاب الحج ، وغيره ما يدل على صحة سماع عمرو من أبيه ، من جده عبد الله بن عمرو بن العاص ، والله أعلم.وقد انضم إلى حديثه هذا رواية ثابت بن عجلان ، عن عطاء :عن أم سلمة قالت :كنت ألبس أوضاحا من ذهب ، فقلت :يا رسول الله أكنز هو ؟ فقال : ما بلغ أن يؤدى زكاته فزكى فليس بكنز ، أخبرناه الحسين بن محمد الفقيه قال :أخبرنا أبو بكر بن داسة قال :حدثنا أبو داود قال :حدثنا محمد بن عيسى قال :حدثنا عتاب ، عن ثابت بن عجلان، فذكره (معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الاحاديث ۸۲۹۲ الیٰ ۸۲۹۵)

أنبأ إسماعيل بن مسعود قال حدثنا خالد عن حسين عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأة من أهل اليمن أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم وبنت لها في يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال أتؤدين زكاة هذا قالت لا قال أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار قال فخلعتهما فألقتهما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت هما لله ولرسوله (السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۲۲۷۰، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الحلی)

ل وأما حديث عبد الله بن عمرو ، فينبغي -على أصل أبي محمد -أن يقبله ويصححه ، فقد عهد يقبل حديث عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده ، إذا كان الرواي عنه ثقة .وقد ذكرنا له من ذلك أحاديث ، والترمذي إنما ضعف حديث عبد الله ابن عمرو ، لأنه وقع له من رواية ابن لهيعة ، والمثنى بن الصباح ، عن عمرو ، فضعفهما ، وضعفه بهما ، لا بعمرو بن شعيب .وللحديث إسناد صحيح إلى عمرو بن شعيب ، قد احتج به أبو محمد .قال أبو داود :حدثنا أبو كامل ، وحميد بن مسعدة المعنى ، أن خالد بن الحارث ، حدثهم قال :حدثنا حسين (المعلم ، عن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده أن امرأة أتت) رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ، ومعها ابنة لها ، وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان)من ذهب ، فقال لها ' :أتعطين زكاة هذا 'قالت :لا ، قال ' :أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار '، قال :فخلعتهما ، فألقتهما إلى النبي (صلى الله عليه وسلم) ، وقالت :هما لله ولرسوله .وهذا إسناد صحيح إلى عمرو ، وعمرو عن أبيه ، عن جده من قد علم .وإنما ألزمته ما التزم .والترمذي إنما ضعفه ، لأنه لم يصل عنده إلى عمرو بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس طرح کی ایک حدیث حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے، جس کی سند پر اہلِ علم حضرات نے کلام کیا ہے۔ ۱؎

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأٰى فِيْ يَدَيَّ فَتَخَاتٍ مِّنْ وَرِقٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ فَقُلْتُ صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَتُؤَدِّيْنَ زَكَاتَهُنَّ قُلْتُ لَا أَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ (ابوداؤد) ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شعيب إلا بضعيفين كما ذكرناه .والدارقطنى أيضا الذى استوعب أحاديث هذا الباب ، إنما ساقه من رواية حجاج بن أرطاة ، عن عمرو بن شعيب ، وذكره أيضا من رواية سفيان بن حسين بعد الموضع الذى جمع فيه أحاديث الباب مفردا .وأبو محمد إنما نظر الحديث عند الدارقطنى، وأغفل كتاب أبى داود(بيان الوهم والإيهام فى كتاب الأحكام، ج۵ص۳۶۶،تحت رقم ۲۵۳۹)

۱؎ حدثنا على بن عاصم، عن عبد الله بن عثمان بن خثيم، عن شهر بن حوشب، عن أسماء بنت يزيد، قالت :دخلت أنا وخالتى على النبى صلى الله عليه وسلم وعليها أسورة من ذهب، فقال لنا " :أتعطيان زكاته؟ "قالت :فقلنا :لا، قال " :أما تخافان أن يسوركما الله أسورة من نار؟ أديا زكاته " (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۶۱۴، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۴۳۱)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف لضعف علىّ بن عاصم الواسطىّ وشهر بن حوشب.

وأخرجه الطبرانى فى "الكبير(۲۴/ ۴۳۱)"من طريق على بن عاصم، بهذا الإسناد.

وأورده الهيثمى فى "مجمع الزوائد(۳/۶۷) " وقال :لأسماء حديث رواه أبو داود فى الخاتم من غير ذكر زكاة .ثم قال :رواه أحمد، وإسناده حسن (حاشية مسند احمد)

وقال المنذرى: رواه احمد باسناده حسن (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۵۳ ، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الهيثمى: رواه أحمد ، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۵۵، ج۳ص۶۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلى)

وقال المباركفورى: لا شك فى أنه يصلح للاستشهاد (تحفة الاحوذى، كتاب الزكاة، باب ماجاء زكاة الحلى)

۲؎ رقم الحديث ۱۵۶۵ ، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلى.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن .يحيى بن أيوب صدوق حسن الحديث.وأخرجه الحاكم فى "المستدرك(۱/ ۳۸۹۔ ۳۹۰)"والبيهقى ۴/۱۳۹من طريق محمد بن إدريس، بهذا الإسناد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو انہوں نے میرے ہاتھ میں چاندی کی بڑی بڑی انگوٹھیاں دیکھیں، تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ یہ کیا ہے؟

میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے یہ آپ کی خاطر زینت حاصل کرنے کے لئے بنوائی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ ان کی زکاۃ دیتی ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں، یا اسی سے ملتا جلتا جو اللہ کو منظور تھا (وہ جواب دیا)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الدارقطني (١٩٥١)، والبيهقي (١٣٩/٤) من طريق محمد بن هارون، عن عمرو بن الربيع، به .إلا أنهما قالا :أن محمد بن عطاء أخبره عن عبد الله بن شداد.

وعليه فقد جهّل الدارقطني محمد بن عطاء ، وتبعه عبد الحق، فرد عليهما ابن القطان مبيناً أنه هو محمد بن عمرو بن عطاء الثقة، وإنما نسب هنا لجده.

وله شاهد من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص، سلف برقم (١٥٦٣)

وآخر من حديث أم سلمة، سلف قبله (حاشية سنن ابى داؤد)

وقال الحافظ العسقلاني: اسنادهٔ على شرط الصحيح (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ٨٥٨، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

وقال المنذري: رواه أبو داود والدارقطني وفي إسنادهما يحيى بن أيوب الغافقي وقد احتج به الشيخان وغيرهما ولا اعتبار بما ذكره الدارقطني من أن محمد بن عطاء مجهول فإنه محمد بن عمر بن عطاء نسب إلى جده وهو ثقة ثبت.

روى له أصحاب السنن واحتج به الشيخان في صحيحيهما (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١١٥٢، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الالباني: أخرجه أبو داود (١٥٦٥) والدارقطني (٢٠٥) والحاكم (٣٨٩/١-٣٩٠) والبيهقي (١٣٩/٤) عن محمد بن عمرو بن عطاء عن عبد الله بن شداد .وقال الحاكم " :صحيح على شرط الشيخين . "ووافقه الذهبي وهو كما قالا .وكلام الشيخ ابن دقيق العيد في "الإمام) على ما نقله الزيلعي (٣٧١/٢) يشعر أنه على شرط مسلم فقط فقد قال " :ويحيى بن أيوب (أحد رواته) أخرج له مسلم . . .والحديث على شرط مسلم . "ويحيى بن أيوب هو الغافقي أبو العباس المصري وقد أخرج له البخاري أيضا .هذا ومحمد بن عمرو بن عطاء ثقة أيضا محتج به في الصحيحين وقد وقع في سند الدارقطني (محمد بن عطاء) منسوبا إلى جده فقال فيه " :مجهول "وتبعه على ذلك ابن الجوزي في "التحقيق (١٩٨/١/١)"وهو ذهول منهما رده الأئمة من بعدهما كالزيلعي والعسقلاني وغيرهما (إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل تحت رقم الحديث ٨١٧)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آپ کو آگ کے عذاب (میں لے جانے) کے لئے کافی ہے (ابوداؤد)

فائدہ: اگر شبہ کیا جائے کہ ان انگوٹھیوں کی مقدار تو نصاب کی مقدار سے کم ہوگی، پھر زکاۃ کا حکم کیسے فرمایا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں اس نوعیت سے بنی ہوئی ہوں کہ نصاب کی مقدار کے برابر ان کا وزن ہو یا دوسرے زیور یا سونے چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب کی مقدار بننے کی وجہ سے یہ حکم فرمایا ہو۔ [1]

اس طرح کا واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے، مگر اس کی سند کو اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا صفوان بن صالح، حدثنا الوليد بن مسلم، حدثنا سفيان، عن عمر بن يعلى، فذكر الحديث نحو حديث الخاتم، قيل لسفيان كيف تزكيه، قال :تضمه إلى غيره(ابوداؤد، رقم الحديث ١٥٦٦ ،كتاب الزكاة،باب الكنز ما هو وزكاة الحلي)

[2] حدثنا إبراهيم بن أبي الليث، حدثنا الأشجعي، عن سفيان، عن عمرو بن يعلى بن مرة الثقفي عن أبيه، عن جده، قال :أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل عليه خاتم من الذهب عظيم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم " :أتزكي هذا؟ "فقال :يا رسول الله، فما زكاة هذا؟ فلما أدبر الرجل، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :جمرة عظيمة عليه "(مسند احمد، رقم الحديث ١٧٥٥٦)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف جدا، إبراهيم بن أبي الليث كذبه غير واحد، سلفت ترجمته تحت الحديث رقم (٤١٩)وليس له في المسند غير هذين الحديثين، وقد توبع، وعمرو -وهو ابن عثمان بن يعلى -قال ابن القطان :لا يعرف حاله كوالده .الأشجعي :هو أبو عبد الرحمن عبيد الله بن عبيد الرحمن الكوفي، وسفيان :هو الثوري.

وأخرجه الخطيب في "تاريخه(١٩١/٦)"من طريق عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبيه، بهذا الإسناد.وأخرجه البيهقي ١٤٥/٤ من طريق إبراهيم بن أبي الليث، بهذا الإسناد.

ووقع في إسناده عمر بدل عمرو .وإن يكن عمر، فهو عمر بن عبد الله بن يعلى بن مرة، وهو ضعيف.

وأخرجه ابن الجارود (٣٥٣)من طريق حفص بن عبد الرحمن، عن سفيان الثوري، عن عمرو بن يعلى، به .وحفص بن عبد الرحمن، قال فيه أبو حاتم :صدوق مضطرب الحديث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَوْقٍ فِيْهِ سَبْعُوْنَ مِثْقَالًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، خُذْ مِنْهُ الْفَرِيْضَةَ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ، قَالَتْ: فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْقَالًا وَثَلَاثَةَ أَرْبَاعِ مِثْقَالٍ

(جزء فی فوائد ابنِ حیان، رقم الحدیث ۳۰، ج ۱ ص ۸۳) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سونے کا ہار لے کر حاضر ہوئی، جو کہ ستّر مثقال کا تھا (جو کہ تقریباً پونے چھبیس تولہ کی مقدار بنتی ہے) اور میں نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه البيهقی ۱۴۵/۴ من طريق الوليد بن مسلم، عن عمر بن يعلی، عن أبيه، عن جده، فقال: عمر بدل عمرو.

وأخرجه الطبرانی(۶۷۷)من طريق الوليد بن مسلم، عن سفيان الثوری، عن ابن يعلی، عن أبيه.

وأخرجه الطبرانی أيضا(۶۷۸)من طريق يحيی بن يمان، عن سفيان الثوری، عن عمران الثقفی، عن أبيه، عن جده، ولعله تحرف عن عمرو.

وأخرجه ابن قانع فی "معجم الصحابة۳/۲۲۰"من طريق الوليد بن مسلم، عن سفيان، عن عمرو بن يعلی، عن أبيه .ولم يذكر جده (حاشية مسند احمد)

[1] قال الالبانی: قلت :و هذا إسناد صحيح ، رجاله كلهم ثقات من رجال "التهذيب "إلی (النعمان) و هو ابن عبد السلام الأصبهانی .و أما الراوی عنه محمد بن المغيرة فهو الأصبهانی صاحب النعمان ، ترجمه أبو الشيخ فی "طبقات الأصبهانيين (۲۴۳/۱ ـ ۲۴۴)"و أبو نعيم فی " أخبار أصبهان (۱۸۵/۲ ـ ۱۸۶) "برواية جمع من الثقات عنه ، و ذكرا أنه كان صاحب عبادة و تهجد ، صحب النعمان ، و سمع عامة أصوله ، توفی سنة (۲۳۱) ، و ذكره ابن حبان فی "الثقات (۱۰۵/۶)"و أما شيخ أبی الشيخ (إبراهيم بن محمد بن الحارث) ، فقد ترجمه أبو الشيخ فی " الطبقات "أيضا (۱۳۶/۲) و كذا أبو نعيم (۱۸۸/۱ ـ ۱۸۹) حدث عنه أبو بكر البرذعی و محمد بن يحيی بن منده ،سمع من سعيد بن منصور و ذهب سماعه ، و كان عنده كتب النعمان عن محمد بن المغيرة .قال أبو الشيخ " :و حضرت مجلسه فجاء أبو بكر البزار ، فأخرج إليه كتب النعمان ، فانتخب عليه ، و كتب عنه عن أبيه . "قال " :و كتبنا عنه من الغرائب ما لم نكتب إلا عنه . "ثم ساق له حديثا واحدا ، و هو أبو إسحاق ، يعرف بـ (ابن نائلة) ، من أهل المدينة ، و (نائلة) أمه ، و ساق له أبو نعيم أحاديث أخری ، عن شيوخ سبعة له عنه ، منهم الطبرانی ، و له فی "المعجم الأوسط "أربعة أحاديث (۳۰۸۱ـ ۳۰۸۴ بترقيمی)و آخر فی "المعجم الصغير "رقم (۷۷۵ـ الروض النضير) . توفی سنة (۲۹۱)(السلسلة الصحيحة الكاملة تحت حديث رقم ۲۹۷۸)

عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس میں سے اس فریضہ کو نکال لیجئے، جو اللہ نے اس میں (زکاۃ کے طور) پر مقرر فرمایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک مثقال اور ایک مثقال کے چار میں سے تین حصے (یعنی 3/4 اڑھائی فیصد کے حساب سے) نکال لئے (جزء فوائد ابن حیان)

حساب کے اعتبار سے اس حدیث میں مذکورہ مقدار اڑھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ بنتی ہے۔

اور اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے، جس کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

سونے، چاندی کے نصاب کا احادیث وروایات میں ذکر

سونے، چاندی یا اُن کے زیورات پر اس وقت زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہوں، جس کی تفصیل کئی احادیث میں آئی ہے۔

ذیل میں اس طرح کی چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کی طرف جو مکتوب لکھا، اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

وَفِیْ کُلِّ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، فَمَا زَادَ فَفِیْ کُلِّ

---

[1] حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد ,ثنا يعقوب بن يوسف بن زياد ,ثنا نصر بن مزاحم ,ثنا أبو بكر الهذلى ,ح وحدثنا أحمد بن محمد بن يونس بن مسعدة الفزارى , ثنا أسيد بن عاصم ,ثنا محمد بن المغيرة ,ثنا النعمان بن عبد السلام ,عن أبى بكر ,ثنا شعيب بن الحبحاب ,عن الشعبى ,قال :سمعت فاطمة بنت قيس ,تقول :أتيت النبى صلى الله عليه وسلم بطوق فيه سبعون مثقالا من ذهب ,فقلت :يا رسول الله خذ منه الفريضة فأخذ منه مثقالا وثلاثة أرباع مثقال .أبو بكر الهذلى متروك ,ولم يأت به غيره(سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۱۹۵۲، کتاب الزکاة، باب زکاة الحلی)

قلت: اخرجه ابونعيم الاصفهانی فی "تاريخ اصفهان فی باب الشين" عن شيبان بن زكريا عن عباد بن كثير عن شعيب بن الحبحاب به، سواء(نصب الراية فی تخريج أحاديث الهداية، ج۲، ص۳۷۳، کتاب الزکاة، فصل فی الذهب)

أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ شَيْءٌ، وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارٌ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: چاندی کے پانچ اوقیہ میں پانچ درہم (زکاۃ میں واجب) ہوں گے، پس جو زیادہ ہوگا، تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہوگا، اور پانچ اوقیہ سے کم میں کچھ واجب نہیں ہوگا، اور ہر چالیس دینار میں ایک دینار ہوگا (ابنِ حبان، حاکم، طبرانی، بیہقی)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو پانچ اوقیے دوسو درہم کے ہوئے، جو کہ علماء کی تحقیق کے مطابق آج کل کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار بنتی ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ جب تک دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) کے برابر چاندی نہ ہو، اس وقت تک زکاۃ واجب نہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٦٥٥٩، كتاب التاريخ، باب كتب النبي صلى الله عليه وسلم، ذكر كتبة المصطفى صلى الله عليه وسلم كتابه إلى أهل اليمن، مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٤٤٧، السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ٧٢٥٥، الاحاديث الطوال للطبراني، رقم الحديث ٥٨.

قال الالباني: صحيح لغيره (حاشية ابن حبان)

وقال شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف (حاشية ابن حبان)

وقال الالباني ايضاً: وأما حديث عمرو بن حزم ,فيرويه أبو بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن , وكتب فيه " :ما سقت السماء أو كان سيحا أو بعلا فيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق ,وما سقى بالرشاء أو بالدالية ففيه نصف العشر إذا بلغ خمسة أوسق ."

أخرجه الطحاوي (١/٣١٥)والحاكم (١/٣٩٥-٣٩٧)وصححه و وافقه الذهبي وفي "فيض الباري "للشيخ الكشميري الحنفي(٣/٤٦) " وإسناده قوي "وفي ذلك نظر بينه الحافظ في " التهذيب "وفيه زيادة عزيزة ليست في شيء من الطرق الأخرى ,ولكن لها شواهد تقويه ,ويأتي بعضها قريبا (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ٧٩٩، باب زكاة الخارج من الأرض)

[2] قال الترمذي:وليس فيما دون خمس اواق صدقة والاوقية اربعون درهما وخمس اواق مائتا درهم (ترمذي، تحت رقم الحديث ٦٢٧، ابواب الزكاة، باب ما جاء في صدقة الزرع والتمر والحبوب)

قوله (ليس فيما دون خمسة أواق صدقة) وفيه بيان نصاب الفضة وهو خمسة أواق وهي مائتا درهم لأن كل أوقية أربعون درهما (عمدة القاري، ج٨، ص ٢٥٩، كتاب الزكاة، باب ما أدى زكاته فليس بكنز)

اور دینار، سونے کا ہوتا ہے، تو چالیس دینار میں سے ایک دینار کا مطلب یہ ہے کہ زکاۃ میں چالیسواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔

اور محدث ابو عبید قاسم بن سلام اپنی سند سے محمد بن عبدالرحمٰن انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ فِيُ كِتَابِ رَسُوُلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ ، وَفِيُ كِتَابِ عُمَرَ فِي الصَّدَقَةِ أَنَّ الذَّهَبَ لَا يُؤُخَذُ مِنُهُ شَيُءٌ حَتّٰى يَبُلُغَ عِشُرِيُنَ دِيُنَارًا ، فَإِذَا بَلَغَ عِشُرِيُنَ دِيُنَارًا فَفِيُهِ نِصُفُ دِيُنَارٍ ، وَالُوَرِقُ لَا يُؤُخَذُ مِنُهُ شَيُءٌ حَتّٰى يَبُلُغَ مِائَتَيُ دِرُهَمٍ ، فَإِذَا بَلَغَ مِائَتَيُ دِرُهَمٍ فَفِيُهَا خَمُسَةُ دَرَاهِمَ (کتاب الاموال للقاسم بن سلام) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ سے متعلق خط میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ سونے میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا، جب تک کہ اس کی مقدار بیس دینار تک نہ پہنچ جائے، پس جب بیس دینار کی مقدار ہوگی تو اس میں آدھا دینار واجب ہوگا، اور چاندی میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا، جب تک کہ اس کی مقدار دوسو درہم تک نہ پہنچ جائے، پس جب دوسو درہم کی مقدار ہوگی تو اس میں پانچ درہم واجب ہوں گے (کتاب الاموال)

فائدہ: اس حدیث میں صاف طور پر یہ صراحت ہے کہ سونے کی زکاۃ بیس دینار (یعنی

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۰۶، کتاب الصدقة واحکامها وسننها، باب فروض زکاة الذهب والورق، وما فیهما من السنن.

قال شعیب الارنؤوط: وعن محمَّد بن عبد الرحمن الأنصاری :أن فی کتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی کتاب عمر فی الصدقة :أن الذهب لا یؤخذ منه شیء حتی یبلغ عشرین دینارًا، فإذا بلغ عشرین دینارًا ففیه نصف دینار ...أخرجه أبو عبید القاسم بن سلام (۱۱۰۶)وهذا إسناد صحیح، وقد کان کتاب النبی صلی الله علیه وسلم وکتاب عمر عند محمَّد بن عبد الرحمن الأنصاری کما جاء موضحًا فی کتاب "الأموال "لأبی عبید عند الحدیث (حاشیة سنن ابن ماجة، تحت رقم الحدیث ۱۷۹۱)

ساڑھے سات تولہ کی مقدار) سے کم پر واجب نہیں، اور چاندی کی زکاۃ دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے کی مقدار) سے کم پر واجب نہیں۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور اگرچہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے مرسل ہے، لیکن یہ مسند کے حکم میں ہے، کیونکہ محمد بن عبدالرحمٰن انصاری ثقہ تابعی نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے حاصل کی ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط اپنے صحابی حضرت عمرو بن حزم کی طرف لکھا تھا، اور اسی

---

[1] حدثنا يزيد بن هارون ، قال :أخبرنا حبيب بن أبى حبيب ، قال :حدثنا عمرو بن هرم ، قال :حدثنا محمد بن عبد الرحمن الأنصارى ، قال :لما استخلف عمر بن عبد العزيز أرسل إلى المدينة يلتمس كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصدقات ، وكتاب عمر بن الخطاب ، فوجد عند آل عمرو بن حزم كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم فى الصدقات ، ووجد عند آل عمر كتاب عمر فى الصدقات مثل كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم .قال :فنسخا له .قال :فحدثنى عمرو بن هرم أنه طلب إلى محمد بن عبد الرحمن أن ينسخه ما فى ذينك الكتابين ، فنسخ له ما فى هذا الكتاب من صدقة الإبل ، والبقر ، والغنم ، والذهب ، والورق ، والتمر -أو الثمر -والحب ، والزبيب (كتاب الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۹۳۴، كتاب الصدقة واحكامها وسننها،باب فروض زكاة الذهب والورق ، وما فيهما من السنن ،كذافى الاموال لابن زنجويه ، معرفة السنن والآثار للبيهقى، رقم الحديث ۷۸۸۱)

وقال الالبانى: قلت :وهذا سند صحيح مرسل ,فإن الأنصارى هذا تابعى ثقة ولكنه فى حكم المسند لأن الأنصارى أخذه عن كتاب النبى صلى الله عليه وسلم وكتاب عمر رضى الله عنه .ففى رواية لأبى عبيد(۹۳۳/۳۸۵)بهذا السند عن الأنصارى " :لما استخلف عمر بن عبد العزيز أرسل إلى المدينة يلتمس كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصدقات ,وكتاب عمر بن الخطاب ,فوجد عند آل عمرو بن حزم كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم فى الصدقات ,ووجد عند آل عمر كتاب عمر فى الصدقات مثل كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فنسخا له ,قال :فحدثنى عمرو بن هرم أنه طلب إلى محمد بن عبد الرحمن أن ينسخه ما فى ذينك الكتابين ,فنسخ له ما فى هذا الكتاب من صدقة الإبل والبقر والغنم والذهب والورق والتمر أو الثمر والحب والزبيب :أن الإبل " ...الحديث بطوله.

فالحديث صحيح من هذا الوجه لأن التابعى نقله عن كتاب النبى صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم المحفوظ عند آل عمرو ,فهى وجادة من أقوى الوجادات وهى حجة (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

خط کی طرف صحابۂ کرام اور تابعین زکاۃ کے اہم مسائل کے لئے رجوع فرمایا کرتے تھے۔ [1]
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی یہی حکم فرمایا تھا، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أَنَّهُ أَمَرَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَنْ يَّأْخُذَ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارًا وَمِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ (سنن الدارقطنی) [2]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار اور ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکاۃ کے طور پر وصول کرنا، اور سبزیوں میں صدقہ

---

[1] وقال أبو بكر البيهقي :وقد أثنى على سليمان بن داود أبو زرعة ،وأبو حاتم ، وعثمان بن سعيد ، وجماعة من الحفاظ ورأوا هذا الحديث الذى رواه فى "الصدقات"موصول الاسناد حسنا ، والله أعلم .وقال يعقوب بن سفيان :لا أعلم فى جميع الكتب كتابا أصح من كتاب عمرو بن حزم كان أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعون يرجعون إليه ويدعون آراء هم(تهذيب الكمال ج ۱۱ ص ۴۱۹)

[2] رقم الحديث ۱۹۰۹، كتاب الزكاة، باب ليس فى الخضراوات صدقة.
قال ابن حجر العسقلاني: إسناده حسن (إتحاف المهرة، تحت رقم الحديث ۱۶۵۰۶)
وقال الالباني: عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :أنه أمر معاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن أن يأخذ من كل أربعين دينارا دينارا ,ومن كل مائتى درهم خمسة دراهم ,وليس فيما دون خمسة أوسق صدقة ,ولا فيما دون خمسة ذود صدقة ,وليس فى الخضروات صدقة ."أخرجه الدارقطنى (۲۰۰)من طريق عبد الله بن شبيب حدثنى عبد الجبار بن سعيد حدثنى حاتم بن إسماعيل عن محمد بن أبى يحيى عن أبى كثير مولى بنى جحش عن محمد بن عبد الله بن جحش.
قلت :وهذا سند رجاله كلهم ثقات غير عبد الله بن شبيب وهو واهٍ ,كما فى "الميزان ." وجملة القول فالحديث صحيح لا شك فيه عندى (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

واجب نہیں (دارقطنی)

اس روایت میں اگرچہ چالیس دینار (یعنی تقریباً پندرہ تولہ سونے کی مقدار) کا ذکر ہے، اور بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ سونے کی مقدار) کا ذکر نہیں، لیکن اس سے بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ سونے) پر زکاۃ واجب ہونے کی نفی لازم نہیں آتی، بلکہ اس کا مقصود صرف اتنا ہے کہ اگر چالیس دینار کی مقدار ہو تو پورا ایک دینار واجب ہوتا ہے، اس سے کم مقدار میں پورا دینار واجب نہیں ہوتا۔

رہا یہ کہ بیس دینار میں بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں، اور اگر ہوتی ہے تو کتنی زکاۃ واجب ہوتی ہے؟

تو اس کی صراحت دوسری روایات میں آئی ہے۔

لہٰذا یہ روایت دوسری روایات کے خلاف نہیں ہے۔ [1]

اور محدث ابو عبید ہی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

وَلَّانِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الصَّدَقَاتِ ، فَأَمَرَنِیْ أَنْ آخُذَ مِنْ کُلِّ عِشْرِیْنَ دِیْنَارًا نِصْفَ دِیْنَارٍ ، وَمَا زَادَ فَبَلَغَ أَرْبَعَةَ دَنَانِیْرَ ، فَفِیْهِ دِرْهَمٌ، وَأَنْ آخُذَ مِنْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ ، فَمَا زَادَ فَبَلَغَ أَرْبَعِیْنَ دِرْهَمًا ، فِیْهِ دِرْهَمٌ (کتاب الاموال للقاسم بن سلام) [2]

ترجمہ: مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زکاۃ وصدقات وصول کرنے کا والی (وعامل یعنی زکاۃ وصول کرنے کا نمائندہ وذمہ دار) بنایا، اور مجھے حکم فرمایا کہ

---

[1] لادلالة فيه على نفي الوجوب عن العشرين مثقالا، وانما يدل على وجوب دينار في اربعين دينارا، وهذا ممالاينكره احد (اعلاء السنن ج ۹ ص ۵۸، باب نصاب الذهب)

[2] رقم الحديث ١١٦٧، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب فروض زكاة الذهب والورق، وما فيهما من السنن.

میں بیس دینار سونے سے آدھا دینار زکاۃ کے طور پر وصول کروں، اور جو اس سے زیادہ ہو جائیں اور چار دینار تک پہنچ جائیں، تو اس میں ایک درہم وصول کروں، اور دوسو درہم میں سے پانچ درہم وصول کروں، اور جو اس سے زیادہ ہو جائیں اور چالیس درہم کو پہنچ جائیں تو اس میں ایک درہم وصول کروں (کتاب الاموال)

ایک دینار سے چار دینار تک زیادہ ہونے کی صورت میں جو ایک درہم کو مقرر کیا گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ایک درہم دراصل چار دینار کا ڈھائی فیصد بنتا تھا، اور زکاۃ ڈھائی فیصد ہی واجب ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈھائی فیصد کا حساب سمجھانے کے لئے یہ بات فرمائی تھی۔ [1]

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَ لَا فِیْ أَقَلَّ مِنْ عِشْرِیْنَ مِثْقَالاً مِنَ الذَّھَبِ شَیْءٌ وَلَا فِیْ أَقَلَّ مِنْ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ شَیْءٌ (سنن الدارقطنی) [2]

---

[1] قال أبو عبید: وقد یحتمل قول عمر بن الخطاب: فی کل أربعین درھما درھم، وفی کل أربعة دنانیر درھم أن یکون إنما أراد أن یفھم الناس الحساب، وأن یعلمھم أن فی کل أوقیة درھما، وھو مع ھذا یری أن ما زاد علی المائتین، وعلی عشرین دینارا، ففیه الزکاة بالحساب. وأما القول الأول الذی قال به علی، وابن عمر، وإبراھیم، وعمر بن عبد العزیز، فإنه عندنا المعمول به، والذی علیه الجمھور الأعظم من المسلمین، وبه کان یقول ابن أبی لیلی، وسفیان، ومالک. ومع اجتماعھم علیه أنه موافق لتأویل الحدیث المرفوع (کتاب الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحدیث ۱۱۷۳، و۱۱۷۴، کتاب الصدقة واحکامھا وسننھا، باب فروض زکاة الذھب والورق، وما فیھما من السنن)

[2] رقم الحدیث ۱۹۰۲، کتاب الزکاة، باب وجوب زکاة الذھب والورق والماشیة والثمار والحبوب.

قال الالبانی: صحیح. وقد أخرجه الدارقطنی أیضا, وھو وإن کان سنده ضعیفا, فھو صحیح بإعتبار ما له من الشواھد, وقد سبق ذکرھا قبل حدیث (ارواء الغلیل، تحت رقم الحدیث ۸۱۵، باب زکاة الأثمان)

ترجمہ: سونے کے بیس مثقال کی مقدار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور نہ ہی چاندی کے دوسو درہم کی مقدار سے کم میں کچھ واجب ہے (دارقطنی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وزن کے اعتبار سے ایک مثقال ایک دینار کے برابر شمار کیا جاتا تھا، اس لئے بیس مثقال کا مطلب بیس دینار کی مقدار ہی ہے۔ [1]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِيْ فِي الذَّهَبِ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا فَإِذَا كَانَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ فَمَا زَادَ، فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ (ابوداؤد) [2]

---

[1] والدينار من الذهب هو المثقال الذى وزنه درهمان عددا بدراهمنا لا كيلا وهذا أمر مجتمع عليه لا خلاف فيه إلا ما كان من اختلاف الأوزان بين أهل البلدان(التمهيد لمافى المؤطا من المعانى والاسانيد ج۲۰ص۱۴۵، باب العين)

وهذا كله على تقدير كون الدينار والمثقال مترادفين(فتح القدير، ج۲ص۲۱۲، كتاب الزكاة، فصل فى الفضة)

فالمثقال وهو الدينار عندهم مائة شعيرة(العناية شرح الهداية، ج۲ص۲۱۵، كتاب الزكاة، فصل فى زكاة الذهب)

(قوله :والدينار) أى الذى هو المثقال كما فى الزيلعي وغيره.قال فى الفتح :والظاهر أن المثقال اسم للمقدار المقدر به، والدينار اسم للمقدر به بقيد ذهبيته .اهـ.وحاصله أن الدينار اسم للقطعة من الذهب المضروبة المقدرة بالمثقال، فاتحادهما من حيث الوزن(ردالمحتار، ج۲ص۲۹۶، كتاب الزكاة،باب زكاة المال)

[2] رقم الحديث ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة، السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۷۵۳۴، كتاب الزكاة، باب نصاب الذهب وقدر الواجب فيه إذا حال عليه الحول.

قال شعيب الارنؤوط: اسناده حسن (حاشية ابى داوٗد)

وقال الحافظ العسقلانى: رواه أبو داود ,وهو حسن ,وقد اختلف فى رفعه (بلوغ المرام، ج۱، ص۱۷۴، تحت رقم الحديث ۶۰۵)

وقال ابن حجر العسقلانى:ورواه أبو داود من حديث أبى إسحاق ، عن الحارث ، وعاصم بن ضمرة عن على ، وفى رواية له :(وليس عليك شيء -يعنى فى الذهب -حتى يكون لك عشرون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: جب آپ کے پاس دوسو درہم ہوں، اور ان پر سال گزر جائے، تو اس میں پانچ درہم واجب ہیں، اور سونے میں آپ پر کچھ واجب نہیں، جب تک کہ آپ کے پاس بیس دینار کی مقدار نہ ہو، اور جب آپ کے پاس بیس دینار کی مقدار ہو اور اس پر سال گزر جائے، تو اس میں آدھا دینار واجب ہے اور جتنی مقدار بھی اس سے زیادہ ہوگی، تو اسی طرح (ڈھائی فیصد کے) حساب سے زکاۃ واجب ہوگی (ابوداؤد، بیہقی)

اس طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ [1]

اور محدث ابوعبید اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

فِيْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا نِصْفُ دِيْنَارٍ، وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارٌ، وَفِيْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ (كتاب الاموال للقاسم بن سلام) [2]

ترجمہ: ہر بیس دینار میں آدھا دینار واجب ہے، اور چالیس دینار میں ایک دینار واجب ہے، اور ہر دوسو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں (کتاب الاموال)

اور محدث ابوعبید اپنی دوسری سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ دينارا ، فإذا كانت لك عشرون دينارا ، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار ، فما زاد فبحساب ذلك). قال :لا أدرى أعلى يقول بحساب ذلك أو رفعه إلى النبى صلى الله عليه وسلم ، وقال ابن حزم :هو عن الحارث ، عن على مرفوع ، وعن عاصم بن ضمرة ، عن على موقوف ، كذا رواه شعبة ، وسفيان ، ومعمر ، عن أبى إسحاق ، عن عاصم موقوفا ، قال :وكذا كل ثقة رواه عن عاصم (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ۸۵۲)

[1] وقال على: فى كل اربعين دينارا، وفى كل عشرين دينارا نصف دينار(صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۲۸۴)

قال الأعظمى :إسناده حسن (حاشية صحيح ابن خزيمة)

[2] رقم الحديث ۱۱۰۷ ، كتاب الصدقة واحكامها وسننها،باب فروض زكاة الذهب والورق ، وما فيهما من السنن.

فِيْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا نِصْفُ دِيْنَارٍ ، وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارٌ ، وَفِيْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ، وَمَا زَادَ فَبِالْحِسَابِ (كتاب الاموال للقاسم بن سلام) [1]

ترجمہ: ہر بیس دینار میں آدھا دینار واجب ہے، اور چالیس دینار میں ایک دینار واجب ہے، اور ہر دوسو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں، اور جتنا بھی زیادہ ہوگا وہ (ڈھائی فیصد کے) حساب سے واجب ہوگا (کتاب الاموال)

اور امام بزار رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ قَوْمًا أَتَوْا عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ فَقَالُوْا لَا تُحَدِّثْنَا إِلَّا بِمَا فِيْ كِتَابِ اللهِ فَغَضِبَ وَقَالَ مِنْ أَيْنَ تَجِدُوْنَ فِيْ كِتَابِ اللهِ الصَّلَاةَ الْخَمْسَ وَفِيْ كُلِّ مِائَتَيْنِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارٌ وَفِيْ كُلِّ عِشْرِيْنَ نِصْفُ دِيْنَارٍ أَشْيَاءَ مِنْ هٰذَا عَدَّدَهَا وَلٰكِنْ خُذُوْا كَمَا أَخَذْنَا (مسند البزار) [2]

ترجمہ: کچھ لوگ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے صرف وہی بات بیان کریں، جو اللہ کی کتاب (یعنی

---

[1] رقم الحديث ١١٦٠ ، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب فروض زكاة الذهب والورق ، وما فيهما من السنن، كتاب الاموال لابن زنجوية، رقم الحديث ١٦٦٣ ، باب :فرض زكاة الذهب والورق وما فيها من السنن.

[2] رقم الحديث ٣٥٧٦، واللفظ لهٗ، تعظيم قدر الصلاة للمروزى، رقم الحديث ١٠٨١ ، عن حبيب بن أبى فضالة المالكى.

قال البزار: وهذا الحديث لاَ نعلم أَحَدًا يرويه عن الحسن عَنْ عِمْرَان إلا على بن زيد وقد اختلف عن على فقال بعضهم عن أبى نضرة وقال بعضهم عن الحسن (مسند البزار، حواله بالا)

وقال المزى:قال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :ليس بشىء .وقال فى موضع آخر : ليس بحجة.وقال فى موضع آخر : على بن زيد أحب إلى من ابن عقيل ، ومن عاصم بن عبيد الله.وقال أحمد بن عبد الله العجلى : يكتب حديثه ، وليس بالقوى.وقال فى موضع آخر : كان يتشيع ، لا بأس به.وقال يعقوب بن شيبة :ثقة ، صالح الحديث ، وإلى اللين ما هو(تهذيب الكمال ج٢٠ ص٤٣٨، تحت رقم الترجمة ٤٠٧٠، ترجمة على بن زيد بن جدعان)

قرآن مجید) میں موجود ہے، تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان پر غصے ہوئے اور فرمایا کہ تم اللہ کی کتاب میں پانچ نمازوں کو اور ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکاۃ کو، اور ہر چالیس دینار میں ایک دینار اور بیس دینار میں آدھے دینار زکاۃ کی مقدار کو کہاں پاتے ہو؟ اس طرح کی اور چیزیں بھی انہوں نے شمار کرائیں (اور فرمایا کہ) تمہیں چاہئے کہ تم ان باتوں کو ہم سے اسی طرح سے لو، جس طرح سے ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) لیا ہے (مسند بزار)

حضرت ابنِ عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا فَصَاعِدًا نِصْفَ دِيْنَارٍ وَمِنَ الْأَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارًا (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار یا اس سے کچھ زیادہ میں سے آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار (زکاۃ کے طور پر) وصول فرمایا کرتے تھے (ابنِ ماجہ)

اور امام دارقطنی حضرت ابنِ عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا نِصْفَ دِيْنَارٍ وَمِنَ الْأَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارًا (سنن دارقطنی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۷۹۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الورق والذهب.
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف إبراهيم بن إسماعيل، وهو ابن مجمّع الأنصارى (حاشية ابن ماجه)
وقال الالبانى: صحيح (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

[2] رقم الحديث ۱۸۹۶، كتاب الزكاة، باب وجوب زكاة الذهب والورق والماشية والثمار والحبوب.
قال البوصيرى: هذا إسناد فيه إبراهيم بن إسماعيل وهو ضعيف رواه الدارقطنى فى سننه من هذا الوجه (مصباح الزجاجة، تحت رقم الحديث ۶۴۶، باب زكاة الورق والذهب)
وقال الالبانى: لكن للحديث شواهد يتقوى بها (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار میں سے آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار (زکاۃ کے طور پر) وصول فرمایا کرتے تھے (دارقطنی)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَيْسَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا شَيْءٌ ، وَفِيْ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا نِصْفُ دِيْنَارٍ، وَفِيْ أَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارٌ، فَمَا زَادَ فَبِالْحِسَابِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: بیس دینار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور بیس دینار میں آدھا دینار واجب ہے، اور چالیس دینار میں ایک دینار واجب ہے، پس جو اس سے زیادہ ہوگا وہ (ڈھائی فیصد کے) حساب سے واجب ہوگا (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا وَلَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ (سنن الترمذی) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۹۹۲۶، کتاب الزکاۃ، باب ماقالوا فی الدنانیر: مایؤخذ منها فی الزکاۃ.

وقال الالبانی: عن علی قال: "لیس فی أقل من عشرین دینارا شیء ,وفی عشرین دینارا نصف دینار ,وفی أربعین دینارا دینار ,فما زاد فبالحساب ."أخرجه ابن أبی شیبة (۸/۴) وکذا أبو داود (۱۵۷۳)وأبو عبید (۱۱۰۷)والبیهقی من طرق عن أبی إسحاق عن عاصم بن ضمرة عن علی . وهذا سند جید موقوف (ارواء الغلیل، تحت رقم الحدیث ۸۱۳، باب زکاۃ الأثمان)

[2] رقم الحدیث ۶۲۰، ابواب الزکاۃ، باب ماجاء فی زکاۃ الذهب والورق، ابوداوٗد، رقم الحدیث ۱۵۷۴، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۱۷۹۰، مسند احمد، رقم الحدیث ۷۱۱.

قال الترمذی: وفی الباب عن أبی بکر الصدیق، وعمرو بن حزم :.روی هذا الحدیث الأعمش، وأبو عوانة، وغیرهما، عن أبی إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، عن علی، وروی سفیان الثوری، وابن عیینة، وغیر واحد، عن أبی إسحاق، عن الحارث، عن علی .وسألت محمدا :عن هذا الحدیث؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاندی کی زکاۃ میں ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم پیش کرو،، اور ایک سو نوے درہم میں کچھ واجب نہیں، پس جب دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کی مقدار ہو جائے، تو پانچ درہم واجب ہیں (ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

اور امام ابوداؤد اور امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح روایت فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ قَالَ هَاتُوا رُبُعَ الْعُشُورِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰى حِسَابِ ذٰلِكَ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زکاۃ میں چالیسواں حصہ پیش کرو، ہر چالیس درہم سے ایک درہم، اور جب تک دوسو درہم (یعنی ساڑھے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فقال : كلاهما عندى صحيح عن أبى إسحاق، يحتمل أن يكون روى عنهما جميعا(ترمذى، حواله بالا)

وقال ابوداؤد:قال أبو داود :روى هذا الحديث الأعمش، عن أبى إسحاق، كما قال أبو عوانة، ورواه شيبان أبو معاوية، وإبراهيم بن طهمان، عن أبى إسحاق، عن الحارث، عن على، عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله، قال أبو داود :وروى حديث النفيلى، شعبة، وسفيان وغيرهما عن أبى إسحاق، عن عاصم، عن على لم يرفعوه، أوقفوه على على(ابوداؤد، حواله بالا)

وقال شعيب الارنؤوط:صحيح(حاشية مسند احمد)

[1] رقم الحديث ١٥٧٢، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ١٠٩٧، سنن دارقطنى، رقم الحديث ١٨٩٨، كتاب الزكاة، باب وجوب زكاة الذهب والورق والماشية والثمار والحبوب.

قال شعيب الارنؤوط فى حاشية سنن ابى داؤد تحت هذا الحديث: إسناده حسن من جهة عاصم بن ضمرة فهو صدوق والحارث الأعور وإن كان ضعيفاً متابع، وقد حسنه الحافظ فى "الفتح(٣/٣٢٧)"زهير :هو ابن معاوية الجعفى، وأبو إسحاق :هو عمرو بن عبد الله السبيعى.

و قال شعيب الارنؤوط تحت هذا الحديث: صحيح لغيره وهذا إسناد ضعيف(حاشية مسند احمد)

باون تولہ) کی مقدار نہ ہو، اس وقت تک تمہارے اوپر کچھ واجب نہیں، پھر جب دوسو درہم کی مقدار ہو جائے، تو اس میں (ڈھائی فیصدی یا چالیسویں حصہ کے حساب سے) پانچ درہم واجب ہیں، پس جو (اس سے) زیادہ ہوگا وہ اسی (ڈھائی فیصد کے) حساب سے واجب ہوگا (ابوداؤد، مسند احمد، دار قطنی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا أَقَلُّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ مِّنَ الْإِبِلِ الذَّوْدِ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق کی مقدار سے کم (زراعت) میں صدقہ واجب نہیں، اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ واجب ہے، اور نہ ہی پانچ اوقیہ سے کم دراہم میں زکاۃ واجب ہے (بخاری)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو پانچ اوقیے دوسو درہم کے ہوئے، اور مطلب وہی ہے کہ جب تک دوسو درہم کے برابر چاندی نہ ہو، اس وقت تک زکاۃ واجب نہیں۔ [2]

اور ابنِ ابی شیبہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ

---

[1] رقم الحديث ۱۴۸۴، كتاب الزكاةباب :ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة.

[2] قال الترمذي: وليس فيما دون خمس اواق صدقة والاوقية اربعون درهما وخمس اواق مائتا درهم (ترمذي، تحت رقم الحديث ٦٢٧، ابواب الزكاة، باب ما جاء في صدقة الزرع والتمر والحبوب)

قوله (ليس فيما دون خمسة أواق صدقة) وفيه بيان نصاب الفضة وهو خمسة أواق وهي مائتا درهم لأن كل أوقية أربعون درهما (عمدة القاري، ج٨، ص ٢٥٩، كتاب الزكاة، باب ما أدى زكاته فليس بكنز)

صَدَقَةٌ، وَكَانَتْ تُقَوَّمُ مِئَتَىْ دِرْهَمٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ واجب نہیں، اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) پانچ اوقیہ کی قیمت دوسو درہم کے برابر تھی (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکاۃ واجب نہیں (مسلم، ابن ماجہ)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ إِلَّا تِسْعَةٌ وَّتِسْعِيْنَ وَمِئَةٌ، فَلَيْسَ فِيْهَا زَكَاةٌ (مصنف ابن ابی شیبة) [3]

ترجمہ: اگر آپ کے پاس صرف ایک سو ننانوے درہم ہوں (پورے دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ کی مقدار کے برابر نہ ہوں، بلکہ اس سے کچھ کم ہوں) تو ان میں زکاۃ واجب نہیں (ابن ابی شیبہ)

مطلب یہ ہے کہ دوسو درہم سے کم کی مقدار چاندی ہو تو زکاۃ واجب نہیں۔

اس قسم کی اور بھی کئی احادیث و روایات آئی ہیں، جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم یا پانچ اوقیہ ہے، اور ان دونوں کی مقدار برابر ہے، اور اہلِ علم

---

[1] رقم الحديث ۹۹۵۰، کتاب الزكاة، من قال ليس فى أقل من مئتى درهم زكاة.

[2] رقم الحديث ٦ "۹۸۰"، کتاب الزكاة، باب ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۷۹۴.

[3] رقم الحديث ۹۹۴۷، کتاب الزكاة، باب من قال ليس فى اقل من مئتى درهم زكاة.

حضرات کے نزدیک آج کل کے رائج وزن کے اعتبار سے دوسو درہم یا پانچ اوقیہ کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی ہے۔

جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْـرَأَـةَ ابْـنِ مَسْـعُـوْدٍ سَـأَلَتْهُ عَنْ طَوْقٍ لَهَا فِيْهِ عِشْرُوْنَ مِثْقَالاً مِنْ ذَهَـبٍ فَـقَـالَـتْ أُزَكِّيْـهِ قَـالَ نَعَمْ قَالَتْ كَمْ قَالَ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ قَالَتْ أُعْطِيْهَا فَلاَ نَا ابْنَ أَخٍ لَهَا يَتِيْمٌ فِيْ حِجْرِهَا . قَالَ نَعَمْ إِنْ شِئْتِ (سنن دار قطنی) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک ہار کے بارے میں سوال کیا، جس میں بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولے) کے وزن کے برابر سونا تھا، اور کہا کہ کیا میں اس کی زکاۃ ادا کروں گی؟ تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! انہوں نے سوال کیا کہ کتنی؟ تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پانچ درہم (جو کہ بیس مثقال کا اڑھائی فیصد تھا) انہوں نے عرض کیا کہ کیا میں اپنے بھائی کے فلاں بیٹے کو (زکاۃ) دے سکتی ہوں، جو کہ ان کی پرورش میں ہے اور یتیم ہے؟ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو دے سکتی ہیں (دار قطنی)

اس وقت بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) کی ڈھائی فیصد مالیت پانچ درہم کے برابر تھی، اس لئے آپ نے پانچ درہم زکاۃ میں ادا کرنے کا فتویٰ دیا، ورنہ آدھا مثقال بھی زکاۃ میں دینا جائز تھا، جیسا کہ دیگر روایات میں آتا ہے۔

اور امام طبرانی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

---

[1] رقم الحديث ۱۹۶۳، كتاب الزكاة، باب ليس في مال المكاتب زكاة حتى يعتق.
قال الحافظ العسقلاني: هذا صحيح، وكلهم ثقات (اتحاف المهرة لابن حجر، تحت رقم الحديث ۱۲۹۶۲)

ہیں کہ:

سَأَلَتْهُ امْرَأَةٌ عَنْ حُلِيٍّ لَهَا أَفِيْهِ زَكَاةٌ؟ قَالَ : إِذَا بَلَغَ مِائَتَىْ دِرْهَمٍ فَزَكِّيْهِ"، قَالَتْ :إِنَّ فِيْ حِجْرِيْ أَيْتَامًا فَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِمْ؟ قَالَ نَعَمْ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۵۹۴) [1]

ترجمہ: ایک عورت نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے اپنے زیور کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اس میں زکاۃ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے) کی مقدار ہوتو اس کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی۔

اس عورت نے سوال کیا کہ میری پرورش میں یتیم ہیں، کیا میں ان کو زکاۃ دے سکتی ہوں؟ تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں دے سکتی ہو (طبرانی)

جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس زمانے میں درہم چاندی کے، اور دینار سونے کے ہوا کرتے تھے، لہٰذا دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے) زیور کی مقدار میں زکاۃ واجب ہونے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ زیور چاندی کا ہو، اور اگر زیور سونے کا ہو، تو اس کے نصاب کی مقدار بیس دینار یا بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) ہے، جس کا ذکر دیگر احادیث وروایات میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

اس سے پہلے روایت میں گزر چکا ہے کہ اس طرح کا سوال کرنے والی خاتون حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

ابنِ ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ:

كَانَ لِاِمْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ طَوْقٌ فِيْهِ عِشْرُوْنَ مِثْقَالاً ، فَأَمَرَهَا أَنْ تُخْرِجَ مِنْهُ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات، ولكن ابراهيم لم يسمع من ابن مسعود (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۵۸، ج۳ص۶۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلى)

[2] رقم الحديث ۹۹۷۴، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الدنانير مايؤخذ منها في الزكاة.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی کے پاس ایک ہار تھا، جس میں بیس مثقال (ساڑھے سات تولے کے وزن کے برابر) سونا تھا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کی پانچ درہم (یعنی اڑھائی فیصد مالیت سے) زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا (ابن ابی شیبہ)

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:

اَنَّ اِمْرَاَۃَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہ عَنْہُ قَالَتْ لَہٗ اَنّ لِیْ حُلِیًّا اَفَعَلَیَّ فِیْہِ زَکَاۃٌ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ فَاِنْ جَعَلْتُہٗ فِیْ اِبْنِ اَخٍ لِیْ یَتِیْمٍ اَیُجْزِیءُ ذٰلِکَ عَنِّیْ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ نِصْفُ مِثْقَالٍ مِنْ کُلِّ عِشْرِیْنَ مِثْقَالًا (الآثار لابی یوسف، رقم الحدیث ۴۳۹، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میرے پاس زیور ہے، کیا میرے اوپر اس کی زکاۃ لازم ہے؟ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! آپ کی بیوی نے سوال کیا کہ میرا ایک یتیم بھتیجا ہے، کیا میری طرف سے یہ زکاۃ اس کو دینا جائز ہے؟ تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) میں سے آدھا مثقال (یعنی اڑھائی فیصد، یا چالیسواں حصہ) زکاۃ میں دیا جائے گا (الآثار لابی یوسف)

اس روایت میں بیس مثقال کی زکاۃ آدھا مثقال ہونے کی وضاحت ہے، اور گزشتہ روایت میں آدھے مثقال کے بجائے پانچ درہم کا ذکر ہے۔

دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ زکاۃ میں اسی مال کا ڈھائی فیصد حصہ دینا بھی جائز ہے، اور اتنی مالیت کی دوسری چیز دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آج کل سونے چاندی کی زکاۃ عام طور پر روپیہ

پیسہ سے ادا کی جاتی ہے، اور اُس زمانہ میں آدھے مثقال کی مالیت پانچ درہم کے برابر تھی۔

حضرت شعیب بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَتَبَ عُمَرُ إِلٰى أَبِيُ مُوْسٰى : أَنْ مُرْ مَنْ قِبَلَكَ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ يُصَدِّقْنَ حُلِيَّهُنَّ (مصنف ابن أبي شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ آپ اپنے علاقہ کی مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم فرمائیں کہ وہ اپنے زیورات کی زکاۃ ادا کریں (ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

لَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْحُلِيِّ إِذَا أُعْطِيَ زَكَاتُهُ (سنن الدارقطني) [2]

ترجمہ: عورتوں کو زیور پہننے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کی زکاۃ ادا کردی جائے (دارقطنی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیور میں زکاۃ کے واجب ہونے کی قائل ہیں، اوراس سے پہلے ایک حدیث کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کوزیور کی زکاۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۰۲۵۷، كتاب الزكاة، باب في الحلي .

قال البيهقي: روى مساور الوراق، عن شعيب، قال : كتب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى أن "مر من قبلك من نساء المسلمين أن يصدقن حليهن "وذلك فيما أجاز لي أبو عبد الله الحافظ روايته عنه عن أبي الوليد ثنا الحسن بن سفيان ,ثنا أبو بكر ثنا وكيع وعبد الرحيم عن مساور ,فذكره. وهذا مرسل، شعيب بن يسار لم يدرك عمر(السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ۷۵۴۳، كتاب الزكاة،باب من قال في الحلي زكاة)

[2] رقم الحديث ۷۵۴۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلي.

[3] قال الحافظ العسقلاني: تنبيه :وروى الدارقطني من حديث عمرو بن شعيب عن عروة عن عائشة أنها قالت لا بأس بلبس الحلي إذا أعطي زكاته ويقويه ما رواه أبو داود والدارقطني والحاكم والبيهقي من حديث عائشة أنها دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأى في يدها فتخات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، أَنَّـهٗ كَانَ يَأْمُرُ نِسَاءَ هٗ أَنْ يُزَكِّيْنَ حُلِيَّهُنَّ

(مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۱۰۲۶۳، کتاب الزکاة، باب فی الحلی)

ترجمہ: (ان کے پڑدادا) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی عورتوں کو زیوروں کی زکاۃ کا حکم فرمایا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّـهٗ كَـانَ يَكْتُبُ إِلٰى خَازِنِهٖ سَالِمٍ أَنْ يُخْرِجَ زَكَاةَ حُلِيِّ بَنَاتِهٖ كُلَّ سَنَةٍ

(سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: وہ اپنے خزانچی سالم کو یہ لکھا کرتے تھے کہ ان کی بیٹیوں کے زیور کی ہر سال زکاۃ نکالا کریں (دارقطنی، بیہقی)

اس کے علاوہ کئی جلیل القدر تابعین سے بھی سونے، چاندی اور زیورات کی زکاۃ سے متعلق متعدد روایات مروی ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من ورق فقال "ما هذا یا عائشة "فقالت صنعتهن أتزین لک بهن یا رسول الله قال "أتؤدین زکاتهن "قالت لا قال "هو حسبک من النار "وإسناده علی شرط الصحیح وسیأتی عن عائشة أنها کانت لا تخرج زکاة الحلی عن یتامی فی حجرها ویمکن الجمع بینهما بأنها کانت تری الزکاة فیها ولا تری إخراج الزکاة مطلقا عن مال الأیتام (التلخیص الحبیر، تحت رقم الحدیث ۸۵۸)

[1] رقم الحدیث ۱۹۵۷، کتاب الزکاة، باب زکاة الحلی، السنن الکبریٰ للبیهقی، رقم الحدیث ۷۵۴۵، کتاب الزکاة، باب من قال فی الحلی زکاة.

قال الحافظ العسقلانی: حدیث (قط) : أنه کان یکتب إلی خازنه سالم أن یخرج زکاة حلی بناته کل سنة .موقوف .قط فی الزکاة :ثنا محمد بن إسماعیل الفارسی ، ثنا یحیی بن أبی طالب ، ثنا عبد الوهاب ، ثنا حسین المعلم ، عن عمرو بن شعیب ، به .وقال :حسین المعلم ثقة (اتحاف المهرة لابن حجر، تحت رقم الحدیث ۱۱۷۱۹)

[2] عن عمران ، عن ابن سیرین ، قال :فی أربعین دینارا دینار ، وفی عشرین دینارا نصف دینار (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الروایة ۹۹۲۸، باب ما قالوا فی الدنانیر مایؤخذ منها فی الزکاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع احادیث اور خلفائے راشدین ودیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ کی روایات وآثار سے معلوم ہوا کہ زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے سونے کا نصاب بیس دینار یا بیس مثقال ہے، اور چاندی کا نصاب دوسو درہم یا پانچ اوقیہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أشعث ، عن الحسن ، قال :في عشرين دينارا نصف دينار ، وفي أربعين دينارا دينار (ايضاً، رقم الرواية ۹۹۷۵)

عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال :ليس في أقل من عشرين مثقالا شيء ، وفي عشرين نصف مثقال ، وفي أربعين مثقالا مثقال (ايضاً، رقم الرواية ۹۹۷۰)

عن علقمة بن مرثد ، عن الشعبي ، قال :في عشرين مثقالا نصف مثقال ، وفي أربعين مثقالا مثقال (ايضاً، رقم الرواية۹۹٦۷)

عن ابن جريج ، قال :قال عطاء :لا يكون في مال صدقة حتى يبلغ عشرين دينارا ، فإذا بلغت عشرين دينارا ففيها نصف دينار ، وفي كل أربعة دنانير يزيدها المال درهم ، حتى تبلغ أربعين دينارا، وفي كل أربعين دينارا دينار ، وفي كل أربعة وعشرين دينارا نصف دينار ودرهم (ايضاً، رقم الرواية ۹۹۷۷)

عن مجاهد، وعطاء ، في زكاة الحلي قالا :إذا بلغ مائتي درهم، أو عشرين مثقالا، ففيه الزكاة (الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۱۲٦۹ ، باب الصدقة في الحلي من الذهب والفضة، وما فيهما من الاختلاف)

حدثنا وكيع ، عن مالك ، عن عطاء ، قال :في الحلي زكاة (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۱۰۲٦۴ ، كتاب الزكاة، باب في الحلي)

عن حسين ، عن عطاء ، قال :إذا بلغ الحلي ما تجب فيه الزكاة ، ففيه الزكاة (ايضاً، رقم الرواية ۱۰۲۷۰)

عن ابن سيرين، في الحلي قال :في عشرين مثقالا نصف مثقال، وفي أربعين مثقالا مثقال (الاموال للقاسم بن سلام، رقم الرواية ۱۲۷۲ ، باب الصدقة في الحلي من الذهب والفضة ، وما فيهما من الاختلاف)

عن منصور ، عن إبراهيم ، قال :في الحلي زكاة (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الرواية ۱۰۲٦۰، كتاب الزكاة، باب في الحلي)

عن أبي جعفر الفراء ، عن عبد الله بن شداد ، قال :في الحلي زكاة ، حتى في الخاتم (ايضاً، رقم الرواية ۱۰۲٦۸)

عن أبي إسحاق ، عن عبد الله بن شداد ؛ أنه كان يرى في الحلي زكاة (ايضاً، رقم الرواية ۱۰۲۵۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور آج کل کے رائج وزن کے اعتبار سے اہلِ علم حضرات نے بیس دینار یا بیس مثقال سونے کی مقدار ساڑھے سات تولے بتلائی ہے۔

اور ساڑھے سات تولے سونے کی مقدار، گرام کے اعتبار سے بعض حضرات نے ۸۷ء۴۷۹ گرام بتلائی ہے۔

اور دوسو درہم یا پانچ اوقیہ چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولہ بتلائی ہے۔

اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار، گرام کے اعتبار سے بعض حضرات نے ۶۱۲ء۳۵ گرام بتلائی ہے (ملاحظہ ہو، احسن الفتاویٰ، ج۴، ص۲۶۴، کتاب الزکاۃ)

جس کی مزید تفصیل آگے سونے چاندی کی زکاۃ کے احکام میں آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن سالم ، عن سعيد بن جبير ، قال :فى حلى الذهب والفضة زكاة .قال :وهو قول سفيان (ايضاً، رقم الرواية ١٠٢٦٢)

عن زمعة ، عن ابن طاووس ، عن أبيه ، قال :فى الحلى زكاة (ايضا، رقم الرواية ١٠٢٦٥)

عن عمرو بن هرم ، قال :سئل جابر بن زيد :هل فى الحلى زكاة ؟ قال :نعم ، إذا كان عشرين مثقالا ، أو مئتى درهم (ايضاً، رقم الرواية ١٠٢٦٦)

عن عمرو بن هرم، عن جابر بن زيد، قال :فى الحلى زكاة كل سنة إذا بلغ عشرين مثقالا، أو مائتى درهم (الاموال للقاسم بن سلام، رقم الرواية ١٢٧١ ، باب الصدقة فى الحلى من الذهب والفضة ، وما فيهما من الاختلاف)

عبد الرزاق عن ابن جريج قال أخبرنى عبد الحميد بن جبير أنه سأل ابن المسيب أفى الحلى الذهب والفضة زكاة قال نعم قال قلت إذن يفنى قال ولو (مصنف عبد الرزاق، رقم الرواية ٧٠٦٠، كتاب الزكاة، باب التبر والحلى)

عن عطاء ، والزهرى ، ومكحول قالوا :فى الحلى زكاة .وقالوا :مضت السنة أن فى الحلى ، الذهب والفضة ، زكاة (مصنف ابن أبى شيبة، رقم الرواية ١٠٢٦٧ ، كتاب الزكاة، باب فى الحلى)

(فصل نمبر۲)

مالِ تجارت کی زکاۃ سے متعلق احادیث وروایات

جن مالوں میں زکاۃ واجب ہے، ان میں سونے، چاندی کے علاوہ ایک مال ''مالِ تجارت'' کہلاتا ہے، مالِ تجارت کی زکاۃ کا بھی احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، جن میں سے چند احادیث وروایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِیْ نُعِدُّ لِلْبَیْعِ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس مالِ تجارت میں سے صدقہ (یعنی زکاۃ) نکالا کریں (ابوداؤد، بیہقی، طبرانی، دارقطنی)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٥٦٢، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٧٠٤٧، واللفظ لهٔ، ورقم الحديث ٧٠٢٩، سنن دارقطنی، رقم الحديث ٢٠٢٧، كتاب الزكاة، باب زكاة مال التجارة، السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ٧٥٩٧، باب زكاة التجارة.

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف .جعفر بن سعد بن سمرة ضعيف، وخبيب بن سليمان وأبوه مجهولان. وقال الذهبی فی الميزان: ١/٤٠٨وهذا إسناد مظلم لا ينهض بحكم .ومع ذلك فقد حسن إسناده ابن عبد البر فی "الاستذكار!" (حاشية ابی داؤد)

قال الحافظ العسقلانی: حديث سمرة بن جندب كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا أن نخرج الزكاة مما يعد للبيع أبو داود والدارقطنی والبزار من حديث سليمان بن سمرة عن أبيه وفی إسناده جهالة (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ٨٦١، باب زكاة التجارة)

وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير -وروى أبو داود منه :كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعد للبيع فقط -، وفی إسناده ضعف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٣٧٧، باب صدقة الخيل والرقيق وغير ذلك)

اور بعض حضرات نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور اس کی تائید دیگر روایات وآثار سے بھی ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ اس حدیث کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول بھی حاصل ہے، یعنی جمہورِ اُمت کے نزدیک تجارت کے مال پر زکاۃ کا حکم ہے۔ ۱

اس لئے اس حدیث کی سند کے مقبول ہونے میں شبہ نہیں ہونا چاہئے، واللہ اعلم۔ ۲

---

۱ وبالحديث استدل العلماء أن المال الذى يعد للتجارة إذا بلغت قيمته نصابا تجب فيه الزكاة من أى صنف كان، والحديث رواه المنذرى أيضا، وسكت عنه كما سكت أبو داود، وقال عبد الحق فى "أحكامه": "حبيب هذا ليس بمشهور، ولا يعلم روى عنه إلا جعفر بن سعد، وليس جعفر ممن يعتمد عليه، وقال أبو عمر بن عبد البر وقد ذكر هذا الحديث :رواه أبو داود وغيره بإسناد حسن، انتهى. ورواه الدارقطنى فى "سننه"، والطبرانى فى "معجمه"، عن سمرة، قال ":كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالرقيق الرجل والمرأة الذى هو بلاده، وهم عملة لا نريد بيعهم أن لا نخرج عنهم الصدقة، وكان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع (شرح ابى داوٗد للعينى، ج۶ص ۲۱۹، كتاب الزكاة، بابُ :العُروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة؟)

وهذا الحديث سكت عليه أبو داود رحمه الله ، ومعلوم من عادته أنه لا يسكت إلا عن حديث صالح للاحتجاج عنده .وقد قال ابن حجر فى (التلخيص) فى هذا الحديث :رواه أبو داود والدارقطنى والبزار، من حديث سليمان ابن سمرة عن أبيه وفى إسناده جهالة، اهـ.

قال مقيده -عفا الله عنه -فى إسناد هذا الحديث ، عند أبى داود حبيب بن سليمان بن سمرة بن جندب .وهو مجهول .وفيه جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب ، وهو ليس بالقوى ، وفيه سليمان بن موسى الزهرى أبو داود ، وفيه لين ، ولكنه يعتضد بما قدمنا من حديث أبى ذر (اضواء البيان فى ايضاح القرآن للشنقيطى، ج۲ص۱۳۷، سورة التوبة، رقم الآية ۳۴)

۲ اس حدیث کو جعفر بن سعد اور خبیب بن سلیمان اور ان کے والد سلیمان کی وجہ سے ضعیف کہا گیا ہے، اور جعفر بن سعد کا امام بخاری نے تاریخِ کبیر میں بغیر جرح کے ذکر فرمایا ہے، جبکہ خبیب بن سلیمان کو ابنِ حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، اور امام بخاری نے تاریخِ کبیر میں بغیر جرح کے تذکرہ فرمایا ہے، اور سلیمان بن سمرہ کو بھی ابنِ حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب الفزارى ،أبو محمد السمرى ، والد مروان بن جعفر .روى عن : ابن عمه خبيب بن سليمان بن سمرة بن جندب (د)عن أبيه ، عن جده نسخة ، وعن أبيه سعد بن سمرة بن جندب.روى عنه :سليمان بن موسى الزهرى (د) ، وصالح بن أبى عتيقة الكاهلى، ومحمد بن إبراهيم بن خبيب بن سليمان ابن سمرة بن جندب ، ويوسف بن خالد السمتى. روى له :أبو داود (تهذيب الكمال ج۵ص ۴۱)

جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب الفزارى عن خبيب بن سليمان روى عنه محمد بن ابراهيم بن خبيب(التاريخ الكبير للبخارى ج۲ص۱۹۲)

خبيب بن سليمان بن سمرة بن جندب الفزارى ، أبو سليمان الكوفى.روى عن :أبيه ، عن جده

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: فِي الْإِبِلِ صَدَقَتُهَا ، وَفِي الْغَنَمِ صَدَقَتُهَا ، وَفِي الْبَقَرِ صَدَقَتُهَا ، وَفِي الْبَزِّ صَدَقَتُهُ (مسند أحمد رقم الحديث ۲۱۸۹۰)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اونٹ میں زکاۃ ہے، اور بکری میں زکاۃ ہے، اور گائے میں زکاۃ ہے (یعنی جبکہ یہ تجارت کے لئے ہوں، یا سائمہ ہوں، جن کا ذکر اگلے حصہ میں آتا ہے) اور کپڑے (بیچنے والے) کے مال (یعنی تجارت کے کپڑوں) میں زکاۃ ہے (مسند احمد)

اس حدیث کی سند کو بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نسخة (د)روى عنه :ابن عمه جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب (د)ذكره ابن حبان في كتاب "الثقات "روى له أبو داود.(تهذيب الكمال ۸ص ۲۲۲)

خبيب بن سليمان بن سمرة بن جندب الفزاري، عن ابيه عن سمرة، وهو أبو سليمان، روى عنه جعفر بن سعد(التاريخ الكبير للبخاري ج۳ص۲۰۸،باب خبيب)

سليمان بن سمرة بن جندب الفزاري والد خبيب بن سليمان .روى عن :أبيه سمرة بن جندب (د) له عنه نسخة كبيرة .روى عنه :ابنه خبيب بن سليمان (د) ، وعلى بن ربيعة الوالبي .ذكره ابن حبان في كتاب "الثقات "روى له أبو داود .وروى ابن ماجة من حديث نعيم بن أبي هند ، عن ابن سمرة بن جندب ، عن أبيه حديث " :من قتل قتيلا فله السلب "وقيل :عن نعيم ، عن مولى لسمرة ، عن سمرة .وقيل :عن نعيم ، عن سمرة ليس بينهما أحد ، فلا أدرى هو هذا أو أخوه سعد بن سمرة أو أخ لهما ثالث (تهذيب الكمال ج۱۱ص۴۴۸)

[۱] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف لانقطاعه، فإن ابن جريج -وهو عبد الملك بن عبد العزيز -قد صرح بأنه لم يسمعه من عمران بن أبي أنس وإنما بلغه عنه، ونقل الترمذي في "العلل" عن البخاري قوله :ابن جريج لم يسمع من عمران ابن أبي أنس يقول :حدثت عن عمران بن أبي أنس.

وأخرجه الترمذي في "العلل الكبير(۱/۳۰۷) "والدارقطني (۲/۱۰۲)، والحاكم (۱/۳۸۸)، والبيهقي (۴/۱۴۷)من طريق محمد بن بكر، بهذا الإسناد .ورواية الترمذي مختصرة، وسقط من رواية البيهقي ذكر البقر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس کی تائید دوسری اسناد اور دوسری روایات سے ہوتی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه مختصرا وضمن حديث مطول ابن أبي شيبة۳/۲۱۳، والبزار في "مسنده(۸۸۹۵) "و (۸۸۹۶) والدارقطني ۲/۱۰۰ ــ ۱۰۱ و ۱۰۱، والبيهقي ۴/۱۴۷ من طريق موسى بن عبيدة الربذي، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك ابن الحدثان، عن أبي ذر .وموسى بن عبيدة ضعيف، وقال ابن حجر في "إتحاف المهرة:۱۴/۱۸۲ "ومدار الحديث عليه.

وأخرجه الحاكم في "المستدرك ۱/۳۸۸ "عن دعلج بن أحمد السجزي، حدثنا هشام بن علي السدوسي، حدثنا عبد الله بن رجاء ، حدثنا سعيد بن سلمة بن أبي الحسام، حدثنا عمران بن أبي أنس، به .وقد سقط من إسناده بين سعيد بن سلمة وبين عمران بن أبي أنس موسى بن عبيدة الربذي، فقد رواه الدارقطني في "سننه۲/۱۰۱ "عن دعلج بن أحمد بإسناد الحاكم، فذكر فيه موسى بن عبيدة الربذي بين سعيد وعمران .ويؤيد رواية الدارقطني رواية البيهقي في "سننه" ۴/۱۴۷ من طريق أحمد بن عبيد الصفار، عن هشام بن علي، به.

وانظر تفصيل الصدقة في هذه الأشياء غير البز في حديث أبي بكر الصديق السالف برقم(۷۲) وحديث ابن عمر السالف برقم(۴۶۳۴)وحديث أبي بكر بن محمد بن حزم، عن أبيه، عن جده عند ابن حبان(۶۵۵۹)وحديث معاذ بن جبل الآتي ۵/۲۳۰ (حاشية مسند احمد)

۱؎ چنانچہ بعض محدثین نے اس حدیث کو دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔

حدثنا أبو بكر النيسابوري ,ثنا أحمد بن منصور ,ثنا أبو عاصم ,عن موسى بن عبيدة , حدثني عمران بن أبي أنس ,عن مالك بن أوس بن الحدثان ,قال :بينما أنا جالس عند عثمان جاءه أبو ذر فسلم عليه ,فقال له عثمان :كيف أنت يا أبا ذر؟ ,قال :بخير ثم قام إلى سارية فقام الناس إليه فاحتوشوه فكنت فيمن احتوشه ,فقالوا :يا أبا ذر حدثنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :في الإبل صدقتها ,وفي الغنم صدقتها وفي البقر صدقتها وفي البز صدقته .قالها بالزاي (سنن دارقطني،رقم الحديث ۱۹۳۲)

حدثنا دعلج بن أحمد من أصل كتابه ,ثنا هشام بن علي ثنا عبد الله بن رجاء ,ثنا سعيد بن سلمة ,ثنا موسى ,عن عمران بن أبي أنس ,عن مالك بن أوس بن الحدثان ,عن أبي ذر ,أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ,قال :في الإبل صدقتها ,وفي الغنم صدقتها ,وفي البقر صدقتها ,وفي البز صدقتها ,ومن دفع دنانير أو دراهم أو تبرا أو فضة لا يعدها لغريم ولا ينفقها في سبيل الله فهو كنز يكوى به يوم القيامة .كتبه من الأصل العتيق وفي البز مقيد(سنن دارقطني،رقم الحديث ۱۹۳۳)

حدثنا أبو بكر النيسابوري ,ثنا جعفر بن محمد بن الحجاج الرقي ,ثنا عبد الله بن معاوية ,نا محمد بن بكر ,عن ابن جريج ,عن عمران بن أبي أنس ,عن مالك بن أوس بن الحدثان ,عن أبي ذر ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :في الإبل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراسی وجہ سے بعض محدثین واہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صدقتها ,وفی الغنم صدقتها ,وفی البقر صدقتها ,وفی البز صدقته(سنن دارقطنی،رقم الحدیث ۱۹۳۴)

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أنبأ أبو قتيبة مسلم بن الفضل الآدمی بمكة ,ثنا موسى بن هارون، ثنا زهير بن حرب، ثنا محمد بن بكر، عن ابن جريج، عن عمران بن أبی أنس، عن مالک بن أوس بن الحدثان، عن أبی ذر رضی الله عنه ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :فی الإبل صدقتها وفی الغنم صدقتها وفی البز صدقته "(سنن البيهقی، رقم الحديث ۷۵۹۸)

وأخبرنا أبو الحسن علی بن أحمد بن عبدان أنبأ أحمد بن عبيد الصفار، ثنا هشام بن علی، ثنا ابن رجاء ، ثنا سعيد هو ابن سلمة بن أبی الحسام حدثنی موسى، عن عمران بن أبی أنس، عن مالک بن الحدثان، عن أبی ذر، رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :فی الإبل صدقتها وفی الغنم صدقتها وفی البز صدقته ومن رفع دنانير أو دراهم أو تبرا أو فضة لا يعدها لغريم ولا ينفقها فی سبيل الله فهو كنز يكوى به يوم القيامة ."سقط من هذه الرواية ذكر البقر(سنن البيهقی، رقم الحديث ۷۵۹۹)

وأخبرنا أحمد بن محمد بن الحارث الفقيه، أنبأ علی بن عمر الحافظ، ثنا أبو بكر النيسابوری، ثنا أحمد بن منصور، ثنا أبو عاصم، عن موسى بن عبيدة، حدثنی عمران بن أبی أنس، عن مالک بن أوس بن الحدثان قال :بينا أنا جالس عند عثمان جاء ه أبو ذر فذكر الحديث ,قال :فقالوا :يا أبا ذر حدثنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :فی الإبل صدقتها وفی الغنم صدقتها وفی البقر صدقتها وفی البز صدقته ."قالها بالزای(سنن البيهقی، رقم الحديث ۷۶۰۲)

[1] عن ابن جريج، عن عمران بن أبی أنس، عن مالک بن أوس بن الحدثان، عن أبی ذر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فی الإبل صدقتها، وفی الغنم صدقتها، وفی البر صدقته كلا الإسنادين صحيحان على شرط الشيخين، ولم يخرجاه "(مستدرک حاكم، رقم الحديث ۱۴۳۲)

(تجب الزكاة فی عروض التجارة لما روى أبو ذر رضی الله عنه إن النبی صلى الله عليه وسلم قال (فی الابل صدقتها وفی البقر صدقتها وفی البز صدقته ولان التجارة يطلب بها نماء المال فتعلقت بها الزكاة كالسوم فی الماشية)

*(الشرح) هذا الحديث رواه الدارقطنی فی سننه والحاكم أبو عبد الله فی المستدرک والبيهقی بأسانيدهم ذكره الحاكم بإسنادين ثم قال هذان الإسنادان صحيحان على شرط البخاری ومسلم (قوله) وفی البز صدقته هو بفتح الباء وبالزای هكذا رواه جميع الرواة وصرح بالزای الدارقطنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ حِمَاسًا كَانَ يَبِيعُ الْأُدَمَ وَالْجِعَابَ ، وَأَنَّ عُمَرَ قَالَ لَهُ:يَا حِمَاسُ، أَدِّ زَكَاةَ مَالِكَ ، فَقَالَ:وَاللهِ مَا لِيْ مَالٌ ، إِنَّمَا أَبِيعُ الْأُدَمَ وَالْجِعَابَ ، فَقَالَ :قَوِّمْهُ وَأَدِّ زَكَاتَهُ(مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: ان کے والد حضرت حماس چمڑا اور ترکش بیچا کرتے تھے، تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حماس! آپ اپنے مال کی زکاۃ ادا کرو۔

تو حضرت حماس نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم میرے پاس تو مال نہیں ہے، میں تو چمڑا اور ترکش بیچتا ہوں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والبيهقى (المجموع شرح المهذب للنووى ،ج٦ ص٤٧، كتاب الزكاة،باب زكاة التجارة)

سمعت العباس يقول سمعت أحمد بن حنبل وسئل وهو على باب أبى النضر هاشم بن القاسم فقيل له يا أبا عبد الله ما تقول فى موسى بن عبيدة الربذى وفى محمد بن إسحاق فقال أما محمد بن إسحاق فهو رجل تكتب عنه هذه الاحاديث كأنه يعنى المغازى ونحوها وأما موسى بن عبيدة فلم يكن به بأس ولكنه حدث بأحاديث مناكير عن عبد الله بن دينار (تاريخ ابنِ معين ج ١ ص ٥٠)

وقال أبو الفضل العباس بن محمد الدورى" :سئل أحمد بن حنبل وهو على باب النضر بن هاشم بن القاسم فقيل له :يا أبا عبد الله !ما تقول فى موسى بن عبيدة ومحمد بن إسحاق؟ فقال" :أما موسى بن عبيدة فلم يكن به بأس، ولكن حدث بأحاديث مناكير عن عبد الله بن دينار .(النكت علىٰ كتاب ابن الصلاح ،الباب الرابع :النص المحقق، النوع الثانى والعشرون :معرفة المقلوب)

وقال أحمد عن ابن معين موسى بن عبيدة ليس بالكذوب ولكنه روى عن عبدالله ابن دينار أحاديث مناكير ......وقال ابن أبى خيثمة عن ابن معين إنما ضعف حديثه لانه روى عن عبدالله بن دينار مناكير......قلت :وقال أبو بكر البزار موسى بن عبيدة رجل مفيد وليس بالحافظ وأحسب إنما قصر به عن حفظ الحديث شغله بالعبادة.

وقال أبو أحمد الحاكم ليس بالقوى عندهم وقال الساجى منكر الحديث وكان رجلا صالحا وكان القطان لا يحدث عنه وقد حدث عنه وكيع وقال كان ثقة وقد حدث عن عبدالله بن دينار أحاديث لم يتابع عليها.(تهذيب التهذيب ج١٠ ص٣١٨)

[1] رقم الحديث ١٠٥٥٧ ، ورقم الحديث ١٠٥٥٨ ، كتاب الزكاة،باب ماقالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول، السنن الصغرىٰ للبيهقى ،رقم الحديث ١٢٥٦ ،السنن الكبرىٰ للبيهقى ،كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة،مسند الشافعى،رقم الحديث ٤٥١ ورقم الحديث ٤٥٢، سنن الدارقطنى رقم الحديث ٢٠٤١ .

تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مال کی قیمت لگاؤ اور (نصاب کے بقدر ہونے کی صورت میں) اس کی زکاۃ ادا کرو (ابن ابی شیبہ، بیہقی، دار قطنی)

اور حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَيُسَ فِي الْعُرُوْضِ زَكَاةٌ إِلَّا فِيُ عَرْضٍ فِيُ تِجَارَةٍ فَإِنَّ فِيُهِ زَكَاةً (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سامان میں زکاۃ نہیں ہے، مگر تجارت کے سامان میں زکاۃ ہے (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَيُسَ فِي الْعَرْضِ زَكَاةٌ إِلَّا أَنْ يُّرَادَ بِهِ التِّجَارَةُ (مسند الشافعی) [2]

ترجمہ: سامان میں زکاۃ نہیں ہے، مگر جب کہ وہ تجارت کی غرض سے ہو (مسند شافعی، ابن زنجویہ، بیہقی)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد، حضرت عکرمہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَيُسَ فِيُ حَجَرِ اللُّؤْلُؤِ، وَلَا حَجَرِ الزُّمُرُّدِ زَكَاةٌ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَا لِتِجَارَةٍ، فَإِنْ كَانَا لِتِجَارَةٍ فَفِيُهِمَا زَكَاةٌ (مصنف ابن ابی شیبة) [3]

---

[1] رقم الرواية ۱۰۴۵۹، كتاب الزكاة، ما قالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول.

[2] ج ۱ ص۹۷، كتاب الزكاة، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۶۸۸ ورقم الحديث ۱۶۹۰، السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ۷۶۰۵.

قال الشيخ: وهذا قول عامة أهل العلم فالذى روى عن ابن عباس رضى الله عنه أنه قال: لا زكاة فى العرض، فقد قال الشافعى فى كتاب القديم: إسناد الحديث عن ابن عباس ضعيف فكان اتباع حديث ابن عمر لصحته والاحتياط فى الزكاة أحب إلى والله أعلم. قال الشيخ: وقد حكى ابن المنذر عن عائشة وابن عباس مثل ما روينا عن ابن عمر، ولم يحك خلافهم عن أحد فيحتمل أن يكون معنى قوله إن صح لا زكاة فى العرض أى إذا لم يرد به التجارة (السنن الكبرى للبيهقى، تحت رقم الحديث ۷۶۰۵)

[3] رقم الحديث ۱۰۱۶۲، كتاب الزكاة، باب فى اللؤ لؤ والزمرد، الأموال لابن زنجويه رقم الحديث ۱۶۹۲.

ترجمہ: موتیوں کے پتھر میں اور زمرد کے پتھر میں زکاۃ نہیں ہے، البتہ اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان میں زکاۃ ہے (ابنِ ابی شیبہ، ابنِ زنجویہ)

اور جلیلُ القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَيْسَ فِي الْخَرَزِ وَاللُّؤْلُؤِ زَكَاةٌ ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَا لِتِجَارَةٍ (مصنف ابن ابی شيبة) [1]

ترجمہ: نگوں میں اور موتیوں میں زکاۃ نہیں ہے، مگر جبکہ تجارت کے لئے ہوں (ابنِ ابی شیبہ، ابنِ زنجویہ)

اور حضرت ابنِ نُمیر سے روایت ہے کہ:

عَنْ حَجَّاجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، وَالزُّهْرِيِّ ، وَمَكْحُوْلٍ ، قَالُوْا: لَيْسَ فِي الْجَوْهَرِ شَيْءٌ ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ لِتِجَارَةٍ (مصنف ابن ابی شيبة) [2]

ترجمہ: حضرت حجاج، حضرت عطاء، حضرت زہری اور حضرت مکحول ان سب نے فرمایا کہ قیمتی پتھر میں زکاۃ نہیں، مگر جبکہ تجارت کے لئے ہو (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت حماد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ: لَيْسَ فِي الْجَوْهَرِ زَكَاةٌ إِلَّا لِلتِّجَارَةِ (الأموال لابن زنجويه) [3]

ترجمہ: (جلیلُ القدر تابعی) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ قیمتی پتھر میں زکاۃ نہیں، مگر جبکہ تجارت کے لئے ہو (ابن زنجویہ)

اور حضرت ابراہیم نخعی سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۰۱۶۳، كتاب الزكاة، باب فی اللؤ لؤ والزمرد، الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۶۹۵.

[2] رقم الحديث ۱۰۱۶۶، كتاب الزكاة، باب فی اللؤ لؤ والزمرد.

[3] رقم الحديث ۱۶۹۲، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب :الصدقة فی التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب.

كُلُّ شَيْءٍ أُرِيدَ بِهِ التِّجَارَةُ فَفِيهِ الزَّكَاةُ ، وَإِنْ كَانَ لَبَنًا ، أَوْ طِينًا ، قَالَ: وَكَانَ الْحَكَمُ يَرٰى ذٰلِكَ.(مصنف ابن ابی شيبة) ۱؎

ترجمہ: ہر وہ چیز جو تجارت کی غرض سے ہو، اس میں زکاۃ ہے، اگرچہ وہ دودھ ہو یا مٹی ہو، حَکَم کی بھی اس بارے میں یہی رائے تھی (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِذَا كَانَ الْبَزُّ لِلتِّجَارَةِ ، فَقَوِّمْهُ قِيمَةً ، ثُمَّ أَدِّ زَكَاتَهُ(الأموال لابن زنجويه) ۲؎

ترجمہ: جب کپڑا تجارت کے لئے ہو تو اس کی قیمت لگاؤ، پھر (نصاب کے بقدر ہونے پر) اس کی زکاۃ ادا کرو (ابن زنجویہ)

اور حضرت طاووس رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

كُلُّ دَيْنٍ يُرْجٰى أَوْ عَرْضٍ أَوْ نَقْدٍ ، فَفِيهِ الزَّكَاةُ قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِيْ بِالْعَرْضِ مَا كَانَ لِلتِّجَارَةِ (الأموال لابن زنجويه) ۳؎

ترجمہ: جس قرض و دَین کے ملنے کی امید ہو یا سامان ہو، یا نقدی ہو، تو اس میں زکاۃ ہے۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ سامان، سے سامانِ تجارت مراد ہے (ابن زنجویہ)

اور حضرت ابنِ شہاب زہری رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ وَالْخَرْزُ وَالْعَرْضُ مِنَ الْبَزِّ، مَا نَرٰى فِيْهِ صَدَقَةً ، إِلَّا مَا يُدَارُ فِيْ تِجَارَةٍ ، فَإِنَّهُ يُخْرَجُ زَكَاتُهُ بِقِيمَةِ عَدْلٍ(الأموال لابن زنجويه) ۴؎

۱؎ رقم الحديث ۱۰۱۶۸، كتاب الزكاة، باب فى اللؤ لؤ والزمرد.

۲؎ رقم الحديث ۱۷۰۰، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب :الصدقة فى التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب

۳؎ رقم الحديث ۱۶۹۱، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب :الصدقة فى التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب

۴؎ رقم الحديث ۱۶۹۳، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب :الصدقة فى التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب

ترجمہ: موتیوں میں، اور یاقوت اور نگوں میں، اور کپڑوں میں زکاۃ نہیں ہے، مگر جبکہ یہ تجارت کے لئے ہوں، تو پھر ان کی زکاۃ درمیانی قیمت لگا کر نکالی جائے گی (ابنِ زنجویہ)

اور حضرت ابنِ شہاب زہری کے ہی بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

يُزَكّٰى كُلُّ شَيْءٍ مِمَّا يُدَارُ فِي التِّجَارَةِ مِنَ الطَّعَامِ ، وَلَا يُزَكّٰى مَا يُرَادُ لِلْأَكْلِ مِنْ ذٰلِكَ وَإِنْ مَكَثَ (الأموال لابن زنجويه) [1]

ترجمہ: کھانے کی وہ تمام اشیاء (مثلاً گندم، مکئی، چاول وغیرہ) جو تجارت کے لئے ہوں، ان کی زکاۃ دی جائے گی۔

لیکن جو کھانے کے لئے ہوں (تجارت کے لئے نہ ہوں) ان کی زکاۃ نہیں دی جائے گی، اگرچہ وہ طویل وقت تک رکھی رہیں (ابن زنجویہ)

اور حضرت امام شعبی رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَيْسَ عَلَى الْبَهِيْمَةِ ، وَلَا عَلَى الْمَمْلُوْكِ زَكَاةٌ ، إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ (مصنف ابن أبي شيبة) [2]

ترجمہ: جانور پر اور غلام پر زکاۃ نہیں ہے، مگر جبکہ یہ تجارت کے لئے ہوں (ابن ابی شیبہ)

ان جلیل القدر تابعین ومحدثین کے ارشادات اور ان سے پہلے مرفوع احادیث اور صحابۂ کرام کی روایات سے معلوم ہوا کہ مالِ تجارت کی زکاۃ واجب ہے، اور خیرُ القرون کے دور میں مالِ تجارت کی زکاۃ ادا کی جاتی رہی ہے، اور اس کی خلاف ورزی ثابت نہیں ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۱۶۹۴، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب: الصدقة فى التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب.

[2] رقم الحديث ۱۰۲۵۲، كتاب الزكاة، باب ما قالوا فى زكاة الخيل.

لہٰذا مالِ تجارت کی زکاۃ کے واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ [1]

اور مالِ تجارت کا نصاب سونے یا چاندی کے نصاب کے تابع ہے، جس کی مزید تفصیل آگے مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام میں آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] وحدثنا مروان بن شجاع ، عن خصيف ، عن مجاهد ، قال :ليس فی الجوهر ، واللؤلؤ ، وأشباه ذلک زكاة ، إلا أن يكون اشترى للتجارة قال :حدثنا عبد الرحمن بن مهدى ، عن سفيان ، عن حماد ، عن إبراهيم ، وسالم ، عن سعيد بن جبير ، أنهما قالا مثل ذلک .قال :حدثنا هشيم ، عن حجاج ، عن عطاء ، أنه قال مثل ذلک قال أبو عبيد :وبهذه الأحاديث كلها كان يأخذ سفيان بن سعيد وأهل العراق فی تقويم متاع التجارة ، وضمه إلى سائر المال (الأموال للقاسم بن سلام ، رقم الحديث ۱۱۸۷ الی ۱۱۹۰)

ولا يخفى أن مذهب الجمهور هو الظاهر ، ولم نعلم بأحد من أهل العلم خالف فی وجوب زكاة عروض التجارة ، إلا ما يروى عن داود الظاهرى ، وبعض أتباعه .

ودليل الجمهور ، آية :وأحاديث :وآثار :وردت بذلک عن بعض الصحابة رضى الله عنهم .ولم يعلم أن أحداً منهم خالف فی ذلک ، فهو إجماع سكوتی(اضواء البيان فی ايضاح القرآن للشنقيطی، ج۲ص۱۳۵ ،سورة التوبه، رقم الآية ۳۴)

ولم يعلم له مخالف من الصحابة .وهذا النوع يسمى إجماعاً سكوتياً ، وهو حجة عند أكثر العلماء (اضواء البيان فی ايضاح القرآن للشنقيطی، ج۲ص۱۳۷ ،سورة التوبه، رقم الآية ۳۴)

ونصوص الشافعی رضى الله عنه القديمة والجديدة متظاهرة على وجوب زكاة التجارة قال أصحابنا قال الشافعی رضى الله عنه فی القديم اختلف الناس فی زكاة التجارة فقال بعضهم لا زكاة فيها وقال بعضهم فيها الزكاة وهذا أحب إلينا هذا نصه فقال القاضی أبو الطيب وآخرون هذا ترديد قول فمنهم من قال فی القديم قولان فی وجوبها ومنهم من لم يثبت هذا القديم واتفق القاضی أبو الطيب وكل من حكى هذا القديم على أن الصحيح فی القديم أنها تجب كما نص عليه فی الجديد والمشهور للأصحاب الاتفاق على أن مذهب الشافعی رضى الله عنه وجوبها وليس فی هذا المنقول عن القديم إثبات قول بعدم وجوبها وإنما أخبر عن اختلاف الناس وبين أن مذهبه الوجوب بقوله وهذا أحب إلى والصواب الجزم بالوجوب وبه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين والفقهاء بعدهم أجمعين(المجموع شرح المهذب للنووی، ج۶ص۴۷، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة)

(فصل نمبر۳)

روپیہ، پیسہ اور کرنسی Currency کی زکاۃ کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں کرنسی یا سکّے، سونے یا چاندی کے ہوتے تھے، جن کو دینار اور درہم کہا جاتا تھا۔

لیکن بعد میں سونے چاندی کی کرنسی کے سکوں کا رواج کم یا ختم ہوگیا، اور ان کے بجائے مختلف دھاتوں وغیرہ کے سکّوں کا رواج ہوگیا، جن کو عربی میں فلوس کہا جاتا ہے۔

اور پھر بعد کے دور میں کاغذی کرنسی کا رواج ہوگیا، جن کو نوٹ کہا جاتا ہے، اور اب بھی کئی ممالک میں چھوٹی مالیت کے سِکّے یا کرنسی دھاتوں کی ہی ہوتی ہے۔

اور آج کے دور میں عموماً اور اکثر وبیشتر اشیاء کی خرید وفروخت کا معاملہ سونے، چاندی کے بجائے مروجہ کرنسی سے انجام دیا جانے لگا ہے۔

کیونکہ مروَّجہ کرنسی کا رواج بہت بعد میں ہوا، اس لئے قرآن وسنت میں صراحتاً مروجہ کرنسی کی زکاۃ کا ذکر نہیں ملتا۔

اس لئے سونے، چاندی، دراہم، دنانیر یا تجارت کے مال پر قیاس کرتے ہوئے اہلِ علم حضرات نے مروّجہ کرنسی پر بھی زکاۃ واجب ہونے کا حکم لگایا ہے۔

چنانچہ جدہ فقہ اکیڈمی نے اس سلسلہ میں یہ قرارداد منظور کی کہ:

> کاغذی نوٹ فقہی اعتبار سے ’’نقودِ اعتباریہ‘‘ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں ثمنیت مکمل طور پر موجود ہے اور شریعت میں ربا، زکاۃ، سَلَم وغیرہ کے معاملے میں سونے اور چاندی کے جو احکام طے شدہ ہیں وہی احکام اِن نوٹوں پر بھی جاری ہوں گے (قراردادیں اور سفارشات صفحہ نمبر ۵۲ قرارداد نمبر (۳/۹/۲۱))

اور اسلامی فقہ اکیڈمی ہند نے اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا کہ:

نوٹوں میں زکاۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا (اہم فقہی فیصلے ص ۱۵، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء، جدید فقہی مباحث جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۷۵)

اور رابطہ عالمِ اسلامی نے اس سلسلہ میں یہ قرارداد منظور کی کہ:

کرنسی نوٹ کی قیمت سونے اور چاندی میں سے کسی ایک نصاب کے بقدر ہوجائے یا نقود یا سامانِ تجارت کے ساتھ مل کر نصاب پورا ہوجاتا ہے تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی (عصرِ حاضر کے پیچیدہ مسائل، صفحہ نمبر ۱۰۲، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی)

اور هيئة كبار العلماء مملكة العربية السعودية نے اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا کہ:

وُجُوْبُ زَكَاتِهَا اِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا اَدْنَى النِّصَابَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ اَوْفِضَّةٍ اَوْكَانَتْ تَكْمِلُ النِّصَابَ مَعَ غَيْرِهَا مِنَ الْأَثْمَانِ وَالْعُرُوْضِ الْمُعَدَّةِ لِلتِّجَارَةِ اِذَا كَانَتْ مَمْلُوْكَةً لِاَهْلِ وُجُوْبِهَا (ابحاث هيئة كبار العلماء المجلد الاول صفحه نمبر ۵۸، مطبوعه مكتبة ابن خزيمة، الرياض، سعودى عرب)

ترجمہ: کرنسی نوٹوں میں زکاۃ واجب ہوگی جبکہ ان کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے ادنیٰ نصاب کو پہنچ جائے یا سونے چاندی یا مملوکہ سامانِ تجارت کے ساتھ مل کر قیمت سونے، یا چاندی میں سے کسی کے بھی ادنیٰ نصاب کو پہنچ جائے (تب بھی زکاۃ واجب ہوگی) اس شخص پر جس میں کہ زکاۃ واجب ہونے کی اہلیت پائی جاتی ہو (ابحاث ہیئۃ کبار العلماء)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے اتنے روپے کے مالک کو صاحبِ نصاب (یعنی نصاب والا شخص) قرار دیا جائے گا (فتاویٰ رحیمیہ، کمپیوٹر ایڈیشن جلد ۷، صفحہ نمبر ۵۲، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

اور ایک دوسرے مقام پر ہے کہ:

آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکاۃ واجب ہوگی (ایضاً صفحہ مذکورہ)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

وجوبِ زکاۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے، یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکاۃ واجب ہوجاتی ہے، بعینہٖ یہی حکم مروّجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے (فقہی مقالات، جلد ا صفحہ نمبر ۳۰، ''کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم'')

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

نقد رقم پر زکاۃ کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نقد روپیہ ضروریاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو، اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو زکاۃ واجب ہوجاتی ہے، اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چونکہ بدلتی رہتی ہے، لہٰذا ہر زمانے کی قیمت کا اس زمانے میں اعتبار ہوگا (فتاویٰ عثمانی، جلد دوم، صفحہ ۵۸، کتاب الزکاۃ)

ملحوظ رہے کہ کرنسی اور روپیہ پیسہ سے متعلق زکاۃ کے مسائل کی تفصیل آگے زکاۃ کے احکام کے بیان میں آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(باب نمبر۲)

زکاۃ سے متعلق بنیادی معلومات واحکام

زکاۃ کے تفصیلی احکامات ملاحظہ کرنے سے پہلے زکاۃ سے متعلق چند بنیادی معلومات واحکام ذکر کئے جاتے ہیں، تاکہ آنے والے تفصیلی مسائل واحکام کو سمجھنے میں سہولت رہے۔

زکاۃ کے معنیٰ

زکاۃ کے لغت میں معنیٰ ''بڑھوتری'' اور ''زیادتی'' کے آتے ہیں، اس کے علاوہ زکاۃ کے معنیٰ ''پاکیزگی'' اور ''صلاح'' کے بھی آتے ہیں۔

شریعت کی زبان میں زکاۃ مال کے اُس مخصوص حصہ وحق کو کہا جاتا ہے، جس کے خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔

زکاۃ کا یہ عمل مال میں برکت اور مال وصاحبِ مال کی طہارت وپاکیزگی اور صلاح کا باعث بنتا ہے، اس مناسبت سے اس عمل کو زکاۃ کہا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] الزكاة لغة :النماء والريع والزيادة، من زكا يزكو زكاة وزكاء ، ومنه قول على رضى الله عنه : العلم يزكو بالإنفاق.

والزكاة أيضا الصلاح، قال الله تعالى (فأردنا أن يبدلهما ربهما خيرا منه زكاة) . قال الفراء :أى صلاحا، وقال تعالى :(ولولا فضل الله عليكم ورحمته ما زكا منكم من أحد أبدا) أى ما صلح منكم (ولكن الله يزكى من يشاء) أى يصلح من يشاء .وقيل لما يخرج من حق الله فى المال "زكاة"، لأنه تطهير للمال مما فيه من حق، وتثمير له، وإصلاح ونماء بالإخلاف من الله تعالى .وزكاة الفطر طهرة للأبدان .

وفى الاصطلاح :يطلق على أداء حق يجب فى أموال مخصوصة، على وجه مخصوص ويعتبر فى وجوبه الحول والنصاب .وتطلق الزكاة أيضا على المال المخرج نفسه، كما فى قولهم :عزل زكاة ماله، والساعى يقبض الزكاة .ويقال :زكى ماله أى أخرج زكاته، والمزكى :من يخرج عن ماله الزكاة .والمزكى أيضا :من له ولاية جمع الزكاة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورصدقہ اس عمل کوکہا جاتا ہے، جواللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، خواہ وہ عمل فرض درجہ کا ہو یا واجب درجہ کا یا سنت ونفل درجہ کا۔

اوراسی وجہ سے صدقہ بول کر بعض اوقات زکاۃ اور بعض اوقات واجب صدقہ یا نفلی صدقہ مراد لیا جایا کرتا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن حجر :قال ابن العربی :إن الزكاة تطلق على الصدقة الواجبة والمندوبة، والنفقة والحق، والعفو .ثم ذكر تعريفها فی الشرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۲۶، مادة "زكاة")

والزكاة فی اللغة النماء يقال زكا الزرع إذا نما وترد أيضا فی المال وترد أيضا بمعنى التطهير وشرعا بالاعتبارين معا أما بالأول فلأن إخراجها سبب للنماء فی المال أو بمعنى أن الأجر بسببها يكثر أو بمعنى أن متعلقها الأموال ذات النماء كالتجارة والزراعة ودليل الأول ما نقص مال من صدقة ولأنها يضاعف ثوابها كما جاء إن الله يربی الصدقة وأما بالثانی فلأنها طهرة للنفس من رذيلة البخل وتطهير من الذنوب (فتح الباری لابن حجر، ج۳، ص ۲۶۲، كتاب الزكاة)

وهی فی اللغة :الزيادة، يقال :زكا المال :إذا نما وازداد، وتستعمل بمعنى الطهارة، يقال :فلان زكی العرض :أی طاهره.

وفی الشرع :عبارة عن إيجاب طائفة من المال فی مال مخصوص لمالک مخصوص، وفيها معنى اللغة لأنها وجبت طهارة عن الآثام .قال تعالى :(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها) (التوبة:۱۰۳) أو لأنها إنما تجب فی المال النامی إما حقيقة أو تقديرا (الاختيار لتعليل المختار، ج۱، ص ۹۹، كتاب الزكاة)

الزكاة و هی الطهرة و معناه أن الزكاة طهرة لهم من أدناسهم قال تعالى خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها. فإن الله تعالى جعل المال سببا لقوام معاشهم و خلقهم محتاجين مضطرين و المضطر مفزعه إلى من اضطر إلى نفسه فترک مفزعه و جعل الباب الذی صير سببا مفزعا لحاجته فمال بقلبه عن الله تعالى و لهذا سمی مالا لميل القلوب عن الله تعالى إليها فقد دنس بذلک فقيل تصدقوا أی أعطوا من هذا المال ما يظهر صدق أقوالكم انا لله و ان الأموال منه فی أيدينا و سميت صدقة لأنه يظهر بالإعطاء صدق أقوالهم فتصير صدقاتهم طهرة لهم من أدناسهم إذا أصابه من الحلال يصير دنسا لميل قلبه عن الله تعالى فكيف بالحرام و الشبهة فالحرام لا يطهرها شیء و الشبهة موقوفة و الحلال متقبل و قد أمر الله تعالى بالصدقة من مكاسب الحلال و الغنائم (نوادر الأصول فی أحاديث الرسول،للحكيم الترمذی، ج۲، ص ۱۴۶، الأصل الثانی والستون و المائةفی صفة الأولياء و حقيقة الولاية أو التحذير من إهانتهم)

۱؎ الصدقة :تطلق بمعنيين :الأول :ما أعطيته من المال قاصدا به وجه الله تعالى فيشمل ما كان واجبا وهو الزكاة، وما كان تطوعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ کی فرضیت اور اس کی قطعیت

زکاۃ اسلام کے اہم ارکان میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کا اہم فریضہ ہے، جس کی فرضیت کو تسلیم کرنا ضروری ہے، اور عام حالات میں سِرے سے اس کی فرضیت کا منکر اسلام سے اسی طرح خارج ہے، جس طرح نماز کا منکر اسلام سے خارج ہے۔

کیونکہ زکاۃ کی فرضیت قرآن وسنت کے بے شمار دلائل سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، جس کے انکار کرنے سے کفر لازم آجاتا ہے، اور اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والثانی :أن تکون بمعنی الزکاۃ، أی فی الحق الواجب خاصۃ، ومنہ الحدیث :لیس فیما دون خمس ذود صدقۃ .

والمصدق -بفتح الصاد مخففۃ -ھو الساعی الذی یأخذ الحق الواجب فی الأنعام، یقال :جاء الساعی فصدق القوم، أی أخذ منھم زکاۃ أنعامھم.

والمتصدق والمصدق -بتشدید الصاد -ھو معطی الصدقۃ .

ب -العطیۃ:

العطیۃ :ھی ما أعطاہ الإنسان من مالہ لغیرہ، سواء کان یرید بذلک وجہ اللہ تعالی، أو یرید بہ التودد، أو غیر ذلک، فھی أعم من کل من الزکاۃ والصدقۃ والھبۃ ونحو ذلک(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج۲۳،ص۲۲۷،مادۃ "زکاۃ")

وأطلق لفظ الصدقۃ علی الزکاۃ کما فی قولہ تعالی إنما الصدقات للفقراء والمراد بھا الزکاۃ (عمدۃ القاری، ج۸، ص۲۳۶، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ)

[1] الحکم التکلیفی :الزکاۃ فریضۃ من فرائض الإسلام، ورکن من أرکان الدین .وقد دل علی وجوبھا الکتاب والسنۃ والإجماع.

فمن الکتاب قولہ تعالی :(وأقیموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ) . وقولہ :(فإن تابوا وأقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ فإخوانکم فی الدین) وقولہ :(والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب ألیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لأنفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون) . وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :ما أدیت زکاتہ فلیس بکنز .

ومن السنۃ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :بنی الإسلام علی خمس وذکر منھا إیتاء الزکاۃ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرسل السعاۃ لیقبضوا الصدقات، وأرسل معاذا إلی أھل الیمن، وقال لہ : أعلمھم أن اللہ افترض علیھم صدقۃ فی أموالھم تؤخذ من أغنیائھم وترد علی فقرائھم .وقال صلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ عبادت ہے، ٹیکس نہیں

زکاۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کا کوئی محصول یا ٹیکس نہیں ہے، بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے، کہ جو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے۔

اسی وجہ سے زکاۃ صرف مسلمان پر فرض کی گئی ہے، اور اس کی ادائیگی میں عبادت کی نیت کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس کی مقدار کو بھی شریعت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔

لہٰذا زکاۃ میں عبادت اور شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

جبکہ ٹیکس عبادت نہیں، اور اسی وجہ سے یہ مسلمان کے ساتھ بھی خاص نہیں، اور اس کی شریعت کی طرف سے مقدار بھی مقرر نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے ٹیکس کو زکاۃ کا متبادل سمجھنا یا ٹیکس دے کر زکاۃ کی ادائیگی کو معتبر سمجھ لینا درست

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم :من آتاه الله مالا فلم يؤد زكاته مثل له يوم القيامة شجاعا أقرع له زبيبتان، يطوقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه -يعني شدقيه -ثم يقول :أنا مالک، أنا كنزک .

وأما الإجماع فقد أجمع المسلمون في جميع الأعصار على وجوبها من حيث الجملة، واتفق الصحابة رضى الله عنهم على قتال مانعيها.

فقد روى البخارى أن أبا هريرة رضى الله عنه قال :لما توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان أبو بكر رضى الله عنه، وكفر من كفر من العرب، فقال عمر رضى الله عنه :كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا :لا إله إلا الله .فمن قالها فقد عصم منى ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله .

فقال أبو بكر :والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال .والله لو منعونى عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعها قال عمر :فوالله ما هو إلا أن قد شرح الله صدر أبى بكر رضى الله عنه، فعرفت أنه الحق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۲۸ ،مادة "زكاة")

وهى فريضة محكمة لا يسع تركها، ويكفر جاحدها، ثبتت فرضيتها بالكتاب وهو قوله تعالى: (وآتوا الزكاة)وقوله :(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها)وبالسنة وهو ما روينا من الحديث فى الصلاة، وعليه الإجماع (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۹۹، كتاب الزكاة)

نہیں۔ [1]

زکاۃ کی حکمت

زکاۃ کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنا ہے، مگر اس کے علاوہ زکاۃ میں بہت سی دوسری حکمتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن میں سے ایک اہم حکمت یہ ہے کہ زکاۃ کے ذریعہ سے نفس میں پائے جانے والے مال کے بخل اور مال کی بے جا محبت کا علاج ہوتا ہے، اور معاشرہ کے غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت وحاجت پوری ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] أما الخراج فليس بعبادة، بل مؤنة محضة(المحيط البرهانی، ج۲،ص ۳۵۲،کتاب الخراج،الفصل السادس)

هل تجزء الضريبة المدفوعة للدولة عن الزكاة؟ لا تجزء أصلاً الضريبة عن الزكاة، لأن الزكاة عبادة مفروضة على المسلم شكراً لله تعالى وتقرباً إليه، والضريبة التزام مالی محض خال عن كل معنى للعبادة والقربة، ولذا شرطت النية فی الزكاة ولم تشرط فی الضريبة، ولأن الزكاة حق مقدر شرعاً، بخلاف الضريبة فإنها تخضع لتقدير السلطة، ولأن الزكاة حق ثابت دائم، والضريبة مؤقتة بحسب الحاجة، ولأن مصارف الزكاة هی الأصناف الثمانية :الفقراء والمساكين المسلمون إلخ، والضريبة تصرف لتغطية النفقات العامة للدولة .وللزكاة أهداف روحية وخلقية واجتماعية إنسانية، أما الضريبة فلا يقصد بها تحقيق شیء من تلك الأهداف (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی،ج۳،ص ۱۹۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الثانی)

[2] حكمة تشريع الزكاة:

أ -أن الصدقة وإنفاق المال فی سبيل الله يطهران النفس من الشح والبخل، وسيطرة حب المال على مشاعر الإنسان، ويزكيه بتوليد مشاعر الموادة، والمشاركة فی إقالة العثرات، ودفع حاجة المحتاجين، أشار إلى ذلک قول الله تعالى.

(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها) ، وفيها من المصالح للفرد والمجتمع ما يعرف فی موضعه، ففرض الله تعالى من الصدقات حدا أدنى ألزم العباد به، وبين مقاديره، قال الدهلوی :إذ لولا التقدير لفرط المفرط ولاعتدى المعتدی.

ب -الزكاة تدفع أصحاب الأموال المكنوزة دفعا إلى إخراجها لتشترک فی زيادة الحركة الاقتصادية، يشير إلى ذلک قول النبی صلى الله عليه وسلم :ألا من ولی يتيما له مال فليتجر فيه، ولا يتركه حتى تأكله الصدقة .

ج -الزكاة تسد حاجة جهات المصارف الثمانية وبذلک تنتفی المفاسد الاجتماعية والخلقية الناشئة عن بقاء هذه الحاجات دون كفاية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۲۹، مادة ”زكاة“)

امتِ محمدیہ پر زکاۃ کب فرض ہوئی؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ زکاۃ کس وقت اور کس سن میں فرض ہوئی؟

تو اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت کی نظر میں یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے بارے میں آخرت میں سوال ہو، اس لئے اگر کسی کو اس وقت کا علم نہ ہو کہ جس وقت میں زکاۃ فرض ہوئی، تو اس میں آخرت کا کوئی نقصان نہیں، اور اسی وجہ سے شریعت نے اس مسئلے پر کوئی حتمی وقطعی فیصلہ نہیں فرمایا۔

اور اہلِ علم حضرات کا بھی اس بارے میں اختلاف ہے۔

البتہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور سورتیں ایسی ہیں، کہ جن میں زکاۃ کا حکم وذکر ہے، اور وہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اور اسی طرح ایسی کئی احادیث بھی موجود ہیں، کہ جن میں ہجرت سے پہلے زکاۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

مگر دوسری طرف بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ زکاۃ ہجرت کے بعد فرض ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے فرمایا کہ زکاۃ کا حکم تو ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے ہی نازل ہو گیا تھا، البتہ زکاۃ کے متعلق تفصیلی احکام ہجرت کے بعد آئے۔

اور جن روایات میں ہجرت کے بعد زکاۃ کے فرض ہونے کا ذکر ہے، تو وہ دراصل زکاۃ کے تفصیلی احکام کے ہی متعلق ہے۔ [1]

---

[1] وقوله تعالى :وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة أى أقيموا صلاتكم الواجبة عليكم وآتوا الزكاة المفروضة، وهذا يدل لمن قال إن فرض الزكاة نزل بمكة لكن مقادير النصب والمخرج لم تبين إلا بالمدينة والله أعلم (ابنِ كثير ،سورة مزمل، تحت رقم الآية ٢٠)

لا يبعد أن يكون أصل الزكاة الصدقة كان مأمورا به فى ابتداء البعثة، كقوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده) (الأنعام: ١٤١) فأما الزكاة ذات النصب والمقادير فإنما بين أمرها بالمدينة، ويكون هذا جمعا بين القولين، كما أن أصل الصلاة كان واجبا قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فى ابتداء البعثة، فلما كان ليلة الإسراء قبل الهجرة بسنة ونصف، فرض الله على رسوله (صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ زکاۃ کا حکم ہجرت کے بعد ہی نازل ہوا ہے، اور ہجرت سے پہلے جن آیات میں خرچ کرنے یا زکاۃ وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، اس سے صدقۂ فطر وغیرہ مراد ہے۔

امتِ محمدیہ سے پہلے دوسری امتوں کو بھی زکاۃ کا حکم دیا گیا تھا، جس کا قرآن مجید کی آیات میں ذکر آیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وسلم) الصلوات الخمس، وفصل شروطها وأركانها وما يتعلق بها بعد ذلك، شيئا فشيئا، والله أعلم (تفسير ابنِ كثير، سورة حٰم السجدة، تحت رقم الآية ٧)

الصواب :أنها فرضت بمكة، إلا أن نصب النصب والمقادير كان بالمدينة، ونحوها صدقة الفطر، والجمعة، فكلها فرضت بمكة .ثم فصلت بالمدينة، لا كما فی الدر المختار :أنها فرضت بعد الهجرة بالمدينة (فيض الباری للكشميری، ج٣ص ٨٩، باب وجوب الزكاة، باب البيعة على إيتاء الزكاة)

[1] أطوار فرضية الزكاة:

إيتاء الزكاة كان مشروعا فی ملل الأنبياء السابقين، قال الله تعالى فی حق إبراهيم وآله عليهم الصلاة والسلام :(وجعلناهم أئمة يهدون بأمرنا وأوحينا إليهم فعل الخيرات وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وكانوا لنا عابدين).

وشرع للمسلمين إيتاء الصدقة للفقراء، منذ العهد المكی، كما فی قوله تعالى :(فلا اقتحم العقبة وما أدراك ما العقبة فك رقبة أو إطعام فی يوم ذی مسغبة يتيما ذا مقربة أو مسكينا ذا متربة) وبعض الآيات المكية جعلت للفقراء فی أموال المؤمنين حقا معلوما، كما فی قوله تعالى :(والذين فی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم).

وقال ابن حجر :اختلف فی أول فرض الزكاة فذهب الأكثرون إلى أنه وقع بعد الهجرة، وادعى ابن خزيمة فی صحيحه أن فرضها كان قبل الهجرة .واحتج بقول جعفر للنجاشی :ويأمرنا بالصلاة والزكاة والصيام ويحمل على أنه كان يأمر بذلك فی الجملة، ولا يلزم أن يكون المراد هذه الزكاة المخصوصة ذات النصاب والحول.

قال :ومما يدل على أن فرض الزكاة وقع بعد الهجرة اتفاقهم على أن صيام رمضان إنما فرض بعد الهجرة، لأن الآية الدالة على فرضيته مدنية بلا خلاف، وثبت من حديث قيس بن سعد قال :أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بصدقة الفطر قبل أن تنزل الزكاة، ثم نزلت فريضة الزكاة فلم يأمرنا ولم ينهنا، ونحن نفعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ٢٢٨ و ٢٢٩، مادة "زكاة")

زکاۃ ادا نہ کرنے کا گناہ

جو شخص زکاۃ فرض ہونے کے باوجود زکاۃ ادا نہ کرے، تو وہ شریعت کی نظر میں حرام اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا سمجھا جاتا ہے، جس پر آخرت میں بڑے سخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔[1]

زکاۃ ادا نہ کرنے والے کا حکم اور اس کی اسلامی قانون میں سزا

جو مسلمان زکاۃ فرض ہونے کے باوجود اس کو ادا نہ کرے، تو اسلامی قانون میں حکومت کی طرف سے اس سے جبراً زکاۃ وصول کی جاسکتی ہے۔[2]

البتہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایسے شخص سے صرف اتنی مقدار وصول کی جائے گی، جو

---

[1] من منع الزكاة فقد ارتكب محرما هو كبيرة من الكبائر، وورد في القرآن والسنة ما يفيد أن عقوبته في الآخرة من نوع خاص، كما في حديث مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما من صاحب كنز لا يؤدي زكاته إلا أحمي عليه في نار جهنم، فيجعل صفائح، فيكوى بها جنباه وجبينه، حتى يحكم الله بين عباده في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة، ثم يرى سبيله إما إلى الجنة وإما إلى النار، وما من صاحب إبل لا يؤدي زكاتها إلا بطح لها بقاع قرقر كأوفر ما كانت تستن عليه، كلما مضى عليه أخراها ردت عليه أولاها، حتى يحكم الله بين عباده، في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة، ثم يرى سبيله إما إلى الجنة وإما إلى النار، وما من صاحب غنم لا يؤدي زكاتها، إلا بطح لها بقاع قرقر، كأوفر ما كانت، فتطؤه بأظلافها وتنطحه بقرونها، ليس فيها عقصاء ولا جلحاء ، كلما مضى عليه أخراها ردت عليه أولاها، حتى يحكم الله بين عباده، في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة مما تعدون، ثم يرى سبيله إما إلى الجنة وإما إلى النار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۰، مادة "زكاة")

[2] العقوبة لمانع الزكاة:

من منع الزكاة وهو في قبضة الإمام تؤخذ منه قهرا لقول النبي صلى الله عليه وسلم :أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا :لا إله إلا الله محمد رسول الله، فإذا قالوها عصموا مني دماء هم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله ومن حقها الزكاة، قال أبو بكر رضي الله عنه بمحضر الصحابة :الزكاة حق المال "وقال رضي الله عنه :والله لو منعوني عقالا كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم عليه .وأقره الصحابة على ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

زکاۃ میں دینا اس پر فرض تھا، اس سے زیادہ مقدار تعزیر وسزا کے طور پر وصول نہیں کی جائے گی۔ [1]

اور اگر کوئی (گروہ یا طبقہ) زکاۃ ادا کرنے میں عملی طور پر کوتاہی سے کام لے، اور اسلامی حکومت کے حکم پر بھی اپنی کوتاہی سے باز نہ آئے، تو اسلامی حکومت کو اس سے قتال کرنے کی بھی اجازت ہے۔ [2]

اور یہ حکم اس شخص کے متعلق ہے، جو زکاۃ کی فرضیت کو اپنے عقیدہ میں تسلیم کرتا ہو، لیکن مال کی محبت، بخل وغیرہ کی وجہ سے زکاۃ ادا کرنے میں سُستی وکوتاہی سے کام لیتا ہو۔ [3]

اور اگر کوئی شخص عقیدہ کے اعتبار سے زکاۃ کی فرضیت کا منکر ہو، تو وہ اگر ایسے علاقہ کا باشندہ ہو یا ایسی جگہ اسلام لایا ہو، جہاں زکاۃ کی فرضیت کا حکم نہ پہنچا ہو، تو اس کو زکاۃ کی فرضیت کے حکم سے متعارف کرایا جائے گا، لیکن اس کو کافر ومرتد قرار نہیں دیا جائے گا۔

---

[1] وقد ذهب جمهور الفقهاء إلى أن مانع الزكاة إذا أخذت منه قهرا لا يؤخذ معها من ماله شيء .
وذهب الشافعي في القديم، وإسحاق بن راهويه، وأبو بكر عبد العزيز من أصحاب أحمد إلى أن مانع الزكاة يؤخذ شطر ماله عقوبة له، مع أخذ الزكاة منه.
واحتجوا بقول النبي صلى الله عليه وسلم :في كل سائمة إبل في كل أربعين بنت لبون، لا تفرق إبل عن حسابها، من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فإنا آخذوها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا، لا يحل لآل محمد منها شيء.
ويستدل لقول الجمهور بقول النبي صلى الله عليه وسلم :ليس في المال حق سوى الزكاة.
وبأن الصحابة رضي الله عنهم لم يأخذوا نصف أموال الأعراب الذين منعوا الزكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

[2] فأما من كان خارجا عن قبضة الإمام ومنع الزكاة، فعلى الإمام أن يقاتله، لأن الصحابة قاتلوا الممتنعين من أدائها، فإن ظفر به أخذها منه من غير زيادة على قول الجمهور كما تقدم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

[3] وهذا فيمن كان مقرا بوجوب الزكاة لكن منعها بخلا أو تأولا، ولا يحكم بكفره، ولذا فإن مات في قتاله عليها ورثه المسلمون من أقاربه وصلى عليه .وفي رواية عن أحمد يحكم بكفره ولا يورث ولا يصلى عليه، لما روى أن أبا بكر لما قاتل مانعي الزكاة، وعضتهم الحرب قالوا :نؤديها، قال :لا أقبلها حتى تشهدوا أن قتلانا في الجنة وقتلاكم في النار، ووافقه عمر .ولم ينقل إنكار ذلك عن أحد من الصحابة فدل على كفرهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

اور اگر کوئی ایسی جگہ کا باشندہ ہو، یا ایسی جگہ اسلام لایا ہو، جہاں زکاۃ کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہو، یا اس کو زکاۃ کا حکم متعارف کرایا جاچکا ہو، تو پھر اس کو معذور قرار نہیں دیا جائے گا، اور اس عقیدہ کی وجہ سے اس کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔ [1]

زکاۃ کے احکام کا علم فرض ہے

زکاۃ چونکہ اسلام کا اہم رکن اور فریضہ ہے، اور بہت سی صورتوں میں مسلمان پر اس کی ادائیگی عملاً فرض اور اس سلسلہ میں شرعی احکام کی رعایت فرض ہوجاتی ہے، اس لئے زکاۃ کی فرضیت کا علم حاصل کرنا اور اس سلسلہ میں کوتاہی سے بچنا فرض ہے، تاکہ اس کی روشنی میں اپنے عقیدہ کو درست اور زکاۃ کو صحیح صحیح ادا کیا جاسکے۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] وأما من منع الزكاة منكرا لوجوبها، فإن كان جاهلا ومثله يجهل ذلك لحداثة عهده بالإسلام، أو لأنه نشأ ببادية بعيدة عن الأمصار، أو نحو ذلك، فإنه يعرف وجوبها ولا يحكم بكفره لأنه معذور، وإن كان مسلما ناشئا ببلاد الإسلام بين أهل العلم فيحكم بكفره، ويكون مرتدا، وتجرى عليه أحكام المرتد، لكونه أنكر معلوما من الدين بالضرورة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۳۱،مادة "زكاة")

[2] قوله:(طلب العلم فريضة)(قض) المراد من العلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه، لمعرفة الصانع، والعلم بوحدانيته، ونبوة رسوله، وكيفية الصلاة؛ فإن تعلمه فرض عين، وعلى هذا كلام الشارحين(شرح المشكاة للطيبى، ج۲ص۶۷۸، كتاب العلم)

وسئل الفضيل بن عياض عن قوله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم، فقال كل عمل كان عليلت فرضا فطلب علمه عليك فرض،، وما لم يكن العمل به عليك فرضا فليس طلب علمه عليك بواجب(معالم السنن للخطابى، ج۴ص۱۸۶، كتاب العلم،ومن باب كراهية منع العلم)

وطلب العلم فريضة، قال -عليه الصلاة والسلام :-طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة . وهو أقسام :فرض، وهو مقدار ما يحتاج إليه لإقامة الفرائض ومعرفة الحق من الباطل، والحلال من الحرام، وهو محمل الحديث(الاختيار لتعليل المختار، ج۴ص۱۷۱، كتاب الكراهية، فصل فى الكسب)

(باب نمبر۳)

زکاۃ واجب ہونے کی شرائط واحکام

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکاۃ واجب ہونے کے لئے کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اور جب تک وہ شرائط نہ پائی جائیں، اس وقت تک کسی شخص پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

پھر ان میں سے بعض شرائط تو وہ ہیں، جن کا تعلق انسان کے ساتھ ہے، مثلاً انسان کا عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ [1]

اور بعض شرائط کا تعلق انسان کے بجائے اس مال سے ہے، جس کی وجہ سے زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، مثلاً مال کا نصاب کے بقدر ہونا، سال گزرنا، مال پر ملکیت کا قائم ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ [2]

---

[1] من تجب فی ماله الزكاة:

اتفق الفقهاء على أن البالغ العاقل المسلم الحر العالم بكون الزكاة فريضة، رجلا كان أو امرأة تجب فی ماله الزكاة إذا بلغ نصابا، وكان متمكنا من أداء الزكاة، وتمت الشروط فی المال(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۲، مادة "زكاة")

قال -رحمه الله :-(وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية، وملك نصاب حولى فارغ عن الدين وحاجته الأصلية نام، ولو تقديرا) أى شرط لزوم الزكاة علما، وعملا، وأراد بالوجوب الفرضية؛ لأنها ثبتت بدليل مقطوع به، وهو الكتاب والسنة، وإجماع الأمة، وهذه الجملة شروطها أما العقل والبلوغ فلأن التكليف لا يتحقق دونهما(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ص ۲۵۲ كتاب الزكاة)

[2] شروط المال الذى تجب فيه الزكاة:

يشترط فی المال الذى تجب فيه الزكاة من حيث الجملة شروط:

۱ ......كونه مملوكا لمعين.

۲ ......وكون مملوكيته مطلقة (أى كونه مملوكا رقبة ويدا).

۳......وكونه ناميا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھران شرائط کے تحت بہت سے احکام ومسائل آتے ہیں، اوران میں فقہائے کرام کے درمیان کچھ اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے۔

آگے اس قسم کی شرائط اوران سے متعلق احکام کی تفصیل الگ الگ فصلوں میں ذکر کی جاتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ آنے والی فصلوں کے تحت زکاۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے پہلی چھ فصلوں کے تحت مذکورشرائط کا تعلق انسان کے ساتھ ہے، اوراس کے بعد کی سات فصلوں کے تحت شرائط کا تعلق انسان کے بجائے مال کے ساتھ ہے، البتہ ان فصلوں کے تحت مذکور بعض مسائل ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق پہلی قسم کی شرائط سے ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۴......وأن يكون زائدا على الحاجات الأصلية.

۵......حولان الحول.

۶......وبلوغه نصابا، والنصاب فی كل نوع من المال بحسبه.

۷......وأن يسلم من وجود المانع، والمانع أن يكون على المالک دين ينقص النصاب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۳۶،مادة "زكاة")

(فصل نمبر۱)

مسلمان ہونا

(غیر مسلم اور مرتد ہونے پر زکاۃ کے احکام)

زکاۃ فرض ہونے کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کے احکام درجِ ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... زکاۃ کیونکہ عبادت ہے اور اسلام کے بغیر عبادت کا تصور نا ممکن ہے، اس لئے زکاۃ فرض ہونے کی ایک شرط مسلمان ہونا ہے۔

اور جو شخص مسلمان نہ ہو، اگر چہ وہ کتنا ہی مال دار ہو، اس پر زکاۃ کا عملی طور پر ادا کرنا فرض نہیں ہوتا، اور اگر وہ ادا بھی کرنا چاہے، تب بھی اس کے حق میں یہ عمل عبادت شمار نہیں ہوتا، البتہ غیر مسلم کی طرف سے ضرورت مند کی امداد کرنے کو دنیاوی اعتبار سے ایک اچھا کام ضرور قرار دیا جاتا ہے، جس پر امید ہے کہ اللہ اس کو دنیا میں نعم البدل عطا فرما دے، لیکن آخرت کا اجروثواب حاصل ہونے کے لئے ایمان شرط ہے۔ [۱]

---

[۱] لا تجب الزكاة فى مال الكافر الأصلى اتفاقا، حربيا كان أو ذميا، لأنه حق لم يلتزمه، ولأنها وجبت طهرة للمزكى، والكافر لا طهرة له ما دام على كفره.

وأخذ عمر رضى الله عنه الزكاة مضاعفة من نصارى بنى تغلب عندما رفضوا دفع الجزية ورضوا بدفع الزكاة.

وقد ذهب الجمهور إلى أن ما يؤخذ منهم يصرف فى مصارف الفىء ، لأنه فى حقيقته جزية، وذهب محمد بن الحسن إلى أنه يصرف فى مصارف الزكاة وهو قول أبى الخطاب من الحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زكاة")

منها إسلامه حتى لا تجب على الكافر فى حق أحكام الآخرة عندنا؛ لأنها عبادة والكفار غير مخاطبين بشرائع هى عبادات هو الصحيح من مذهب أصحابنا خلافا للشافعى وهى من مسائل أصول الفقه.

وأما فى حق أحكام الدنيا فلا خلاف فى أنها لا تجب على الكافر الأصلى حتى لا يخاطب بالأداء بعد الإسلام كالصوم والصلاة(بدائع الصنائع ، ج۲ ص ۴، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی عاقل، بالغ مسلمان کے مال پر سال گزرنے کی وجہ سے زکاۃ فرض ہوگئی، اور پھر وہ زکاۃ ادا کرنے سے پہلے نعوذ باللہ مرتد یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے اس سال کی زکاۃ ساقط نہیں ہوتی، بلکہ اس کا ادا کرنا بدستور اس کے ذمہ فرض ہونا باقی رہتا ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں مرتد ہونے سے اس کی زکاۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ ۱؎

۱؎ أما المرتد، فما وجب عليه من الزكاة فى إسلامه، وذلك إذا ارتد بعد تمام الحول على النصاب لا يسقط فى قول الشافعية والحنابلة، لأنه حق مال فلا يسقط بالردة كالدين، فيأخذه الإمام من ماله كما يأخذ الزكاة من المسلم الممتنع، فإن أسلم بعد ذلك لم يلزمه أداؤها.

وذهب الحنفية إلى أنه تسقط بالردة الزكاة التي وجبت فى مال المرتد قبل الردة، لأن من شرطها النية عند الأداء، ونيته العبادة وهو كافر غير معتبرة، فتسقط بالردة كالصلاة، حتى ما كان منها زكاة الخارج من الأرض(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۳۳،مادة "زكاة")

فأما إن ارتد بعد الحول لم تسقط الزكاة عنه وبهذا قال الشافعي.

وقال أبو حنيفة تسقط لأن من شرطها النية فسقطت بالردة كالصلاة.

ولنا :أنه حق مال فلا يسقط بالردة كالدين وأما الصلاة فلا تسقط أيضا، لكن لا يطالب بفعلها لأنها لا تصح منه ولا تدخلها النيابة فإذا عاد وجبت عليه والزكاة تدخلها النيابة ولا تسقط بالردة كالدين ويأخذها الإمام من الممتنع وكذا هاهنا يأخذها الإمام من ماله كما يأخذها من المسلم الممتنع فإن أسلم بعد أخذها لم يلزمه أداؤها لأنها سقطت عنه بأخذها كما تسقط بأخذها من المسلم الممتنع.

ويحتمل أن لا تسقط لأن الزكاة عبادة، فلا تحصل من غير نية وأصل هذا ما لو أخذها الإمام من المسلم الممتنع، وقد ذكر فى غير هذا .وإن أخذها غير الإمام أو نائبه، لم تسقط عنه لأنه لا ولاية له عليه فلا يقوم مقامه بخلاف نائب الإمام وإن أداها فى حال ردته لم تجزه لأنه كافر فلا تصح منه كالصلاة(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۷۴،۷۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين والصدقة،فصل أسلم المرتد وقد حال على ماله الحول)

وأما المرتد فكذلك عندنا حتى إذا مضى عليه الحول وهو مرتد فلا زكاة عليه حتى لا يجب عليه أداؤها إذا أسلم، وعند الشافعي تجب عليه فى حال الردة ويخاطب بأدائها بعد الإسلام وعلى هذا الخلاف الصلاة.

وجه قوله :أنه أهل للوجوب لقدرته على الأداء بواسطة الطهارة فكان ينبغي أن يخاطب الكافر الأصلي بالأداء بعد الإسلام إلا أنه سقط عنه الأداء رحمة عليه وتخفيفا له.

والمرتد لا يستحق التخفيف، لأنه رجع بعد ما عرف محاسن الإسلام فكان كفره أغلظ فلا يلحق به.

(ولنا) قول النبي -صلى الله عليه وسلم :-الإسلام يهدم ما قبله ، ولأن الزكاة عبادة والكافر ليس من أهل العبادة لعدم شرط الأهلية وهو الإسلام فلا يكون من أهل وجوبها كالكافر الأصلي، وقوله :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی عاقل، بالغ، صاحبِ نصاب مسلمان شخص، مال پر سال گزرنے سے پہلے نعوذ باللہ مرتد یعنی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے، اور مرتد ہونے کی حالت میں اس کے مال پر سال گزرے، تو حنفیہ سمیت بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس پر اس سال کی زکاۃ فرض نہیں ہوتی، اور اسلام لانے کے بعد ہی اس کی زکاۃ کا سال شروع ہوتا ہے۔

البتہ اگر وہ سال پورا ہونے سے پہلے اسلام کی طرف لوٹ آئے، اور مسلمان ہونے کی حالت میں اس پر سال گزرے، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس پر اس سال کی زکاۃ کی ادائیگی لازم اورواجب ہوجاتی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنه قادر على الأداء بتقديم شرطه وهو الإيمان فاسد، لأن الإيمان أصل والعبادات توابع له بدليل أنه لا يتحقق الفعل عبادة بدونه، والإيمان عبادة بنفسه.

وهذه آية التبعية، ولهذا لا يجوز أن يرتفع الإيمان عن الخلائق بحال من الأحوال في الدنيا والآخرة مع ارتفاع غيره من العبادات فكان هو عبادة بنفسه وغيره عبادة به فكان تبعا له فالقول بوجوب الزكاة وغيرها من العبادات بناء على تقديم الإيمان جعل التبع متبوعا والمتبوع تابعا وهذا قلب الحقيقة، وتغيير الشريعة بخلاف الصلاة مع الطهارة، لأن الصلاة أصل والطهارة تابعة لها فكان إيجاب الأصل إيجابا للتبع وهو الفرق(بدائع الصنائع، ج۲ ص۴ ، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

قوله" :مسلم "خرج الكافر ولو مرتدا بناء على أنه غير مخاطب بفروع الشريعة فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشيء من العبادات أيام ردته ولو ارتد بعد وجوبها سقطت بحر(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص۴۱۷، كتاب الزكاة)

(قوله وإسلام) فلا زكاة على كافر لعدم خطابه بالفروع سواء كان أصليا أو مرتدا فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشيء من العبادات أيام ردته ثم كما شرط للوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتى لو ارتد بعد وجوبها سقط كما في الموت بحر عن المعراج(ردالمحتار، ج۲ ص۲۵۹، كتاب الزكاة)

ل وأما إذا ارتد قبل تمام الحول على النصاب فلا يثبت الوجوب عند الجمهور من الحنفية، والحنابلة، وهو قول عند الشافعية.

والأصح عند الشافعية أن ملكه لماله موقوف فإن عاد إلى الإسلام تبين بقاء ملكه وتجب فيه الزكاة وإلا فلا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۳، مادة "زكاة")

ذهب الحنفية والمالكية إلى أن الردة تسقط دين الله تعالى، سواء أكان بدنيا أم ماليا لقول الله تعالى :(قل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف)وقول النبى صلى الله عليه وسلم :الإسلام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس کواس سال کی زکاۃ کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ۱؎

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يهدم ما كان قبله .وعلى هذا فمن كان مسلما ثم ارتد -والعياذ بالله -ثم أسلم فما كان من ديون الله تعالى فى ذمته فقد بطل تعلقه بها وسقط عنه القضاء .وذهب الشافعية إلى أن الردة لا تسقط حقا لله تعالى ماليا أو بدنيا .

وقد فصل ابن قدامة القول بالنسبة لمذهب الحنابلة فقال فى الزكاة :من ارتد قبل مضى الحول وحال الحول وهو مرتد فلا زكاة عليه نص عليه، لأن الإسلام شرط لوجوب الزكاة فعدمه فى بعض الحول يسقط الزكاة كالملك والنصاب، وإن رجع إلى الإسلام قبل مضى الحول استأنف حولا، أما إن ارتد بعد الحول لم تسقط الزكاة عنه.

وأما الصلاة فلا تسقط أيضا لكن لا يطالب بفعلها لأنها لا تصح منه ولا تدخلها النيابة، فإذا عاد وجب عليه قضاؤها، والزكاة تدخلها النيابة ولا تسقط بالردة كالدين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١ ص ١٥١، ١٥٢، مادة " دين")

۱؎ فصل :وإن ارتد قبل مضى الحول وحال الحول وهو مرتد فلا زكاة عليه نص عليه لأن الإسلام شرط لوجوب الزكاة فعدمه فى بعض الحول يسقط الزكاة كالملك والنصاب وإن رجع إلى الإسلام قبل مضى الحول استأنف حولا، لما ذكرنا.

قال أحمد :إذا أسلم المرتد وقد حال على ماله الحول فإن المال له ولا يزكيه حتى يستأنف به الحول لأنه كان ممنوعا منه(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۷۴، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين والصدقة،فصل أسلم المرتد وقد حال على ماله الحول)

(وأما) زمن الردة فهل تجب عليه فيه زكاة فيه طريقان حكاهما إمام الحرمين والرافعى وغيرهما (أحدهما)القطع بوجوب الزكاة وبه قال ابن سريج كالنفقات والغرامات (والطريق الثانى) وهو المشهور وبه قطع الجمهور فيه ثلاثة أقوال بناء على بقاء ملكه وزواله (أحدها) يزول ملكه فلا زكاة (والثانى)يبقى فتجب (وأصحها) أنه موقوف إن عاد إلى الإسلام تبينا بقاء ه فتجب وإلا فلا (المجموع شرح المهذب، ج۵ص ۳۲۸، كتاب الزكاة)

(فصل نمبر۲)

آزاد ہونا

(شرعی غلام اور باندی اور اُن پر زکاۃ کے احکام)

زکاۃ فرض ہونے کے لئے انسان کے آزاد یا غلام ہونے کی شرط کے احکام درجِ ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... زکاۃ فرض ہونے کے لئے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کا آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔

جو مرد شرعی اعتبار سے غلام ہو یا جو عورت شرعی اعتبار سے باندی ہو، اس پر زکاۃ فرض نہیں، کیونکہ شرعی غلام اور باندی کی مال پر ملکیت قائم نہیں ہوتی، بلکہ شرعاً اس کے آقا و مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] ثانيا :الحرية عند جمهور الفقهاء خلافا للحنابلة، لأن العبد لا يملك، ومن لا يملك لا يملك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ ،ص۳۳۷،مادة "زكاة الفطر")

الحرية :فلا تجب الزكاة اتفاقاً على العبد، لأنه لا يملك، والسيد مالك لما في يد عبده، والمكاتب ونحوه وإن ملك، إلا أن ملكه ليس تاماً (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۷۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانى)

ومنها الحرية؛ لأن الملك من شرائط الوجوب لما نذكر، والمملوك لا ملك له حتى لا تجب الزكاة على العبد وإن كان مأذونا له في التجارة(بدائع الصنائع ،ج۲ص۶، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

(قوله :وحرية) فلا تجب على عبد، ولو مكاتبا أو مستسعى لأن العبد لا ملك له، والمكاتب ونحوه وإن ملك إلا أن ملكه ليس تاما نهر(ردالمحتار، ج۲ ص ۲۵۹، كتاب الزكاة)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول أما الوجوب فلقوله تعالى (وآتوا الزكاة) ولقوله صلى الله عليه وسلم أدوا زكاة أموالكم وعليه إجماع الأمة .

والمراد بالواجب الفرض لأنه لا شبهة فيه واشتراط الحرية لأن كمال الملك بها والعقل والبلوغ لما نذكره والإسلام لأن الزكاة عبادة ولا تتحقق العبادة من الكافر ولا بد من ملك مقدار النصاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... کسی شرعی غلام یا باندی کو جو مال جائز طریقہ پر حاصل ہو، مثلاً اس کو کوئی ہبہ کرے، تو اس مال کا مالک اس غلام یا باندی کا آقا سمجھا جاتا ہے، اور اگر غلام یا باندی کو ملا ہوا یہ مال نصاب کے برابر ہو، تو اس کی زکاۃ اس غلام یا باندی پر واجب نہیں ہوتی، بلکہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس طرح کے مال کی زکاۃ اس کے آقا پر واجب ہوتی ہے۔ [1]

تنبیہ: آج کل بہت سے لوگوں کو شرعی غلام یا باندی کی حقیقت یا ان کے احکام کا علم نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ان کو مختلف قسم کے سوالات بلکہ شکوک وشبہات پیش آیا کرتے ہیں، اس لئے اس موقع پر مختصر انداز میں غلام وباندی سے متعلق چند اہم احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۳...... جو غیر مسلم لوگ، محارب ہوں (یعنی جن غیر مسلموں سے مسلمانوں کا جنگ بندی وغیرہ کا معاہدہ نہ ہو) اُن سے شرعی اصولوں کے مطابق جہاد وقتال کے نتیجہ میں جو غیر مسلم گرفتار ہو کر ہاتھ آئیں، ان کے بارے میں مسلمانوں کے حکمرانِ اعظم یا ان کے امیرِ مجاز کو حسبِ مصلحت کئی اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جن میں سے ایک اختیار یہ ہوتا ہے کہ ان پر احسان کر کے اور فدیہ (ومعاوضہ) لے کر ان کو رہا کر دیا جائے، اور ایک اختیار یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کو غلام بنالیا جائے۔

مگر غلام بنانے کا معاملہ ایک مباح اور جائز درجہ کا عمل ہے، فرض وواجب درجہ کا عمل نہیں ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأنه صلى الله عليه وسلم قدر السبب به ولا بد من الحول لأنه لا بد من مدة يتحقق فيها النماء وقدرها الشرع بالحول لقوله صلى الله عليه وسلم لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول ولأنه المتمكن به من الاستنماء لاشتماله على الفصول المختلفة والغالب تفاوت الأسعار فيها فأدير الحكم عليه (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ا ص ۹۵، كتاب الزكاة)

[1] وإنما تجب الزكاة فى رأى الجمهور على سيده لأنه مالك لمال عبده، فكانت زكاته عليه كالمال الذى فى يد الشريك المضارب والوكيل .وقال المالكية :لا زكاة فى مال العبد لا على العبد ولا على سيده، لأن ملك العبد ناقص، والزكاة إنما تجب على تام الملك، ولأن السيد لايملك مال العبد (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۷۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانى)

کہ اس کی خلاف ورزی میں گناہ ہو۔ ل

ل اگر وہ گرفتار شدہ افراد ایسے ہوں کہ جن کو شرعاً قتل کرنا جائز تھا، مثلاً نو جوان جنگجو، تو ان کو غلام بنانا واجب نہیں، بلکہ مباح وجائز ہے، اور احسان کر کے اور فدیہ لے کر چھوڑنے کا بھی جواز ہے، اور قتل کرنے کا بھی اختیار ہے، اور اگر وہ گرفتار شدہ افراد ایسے ہوں کہ جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ بچے اور عام عورتیں وغیرہ، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ان کو بھی غلام وباندی بنانا جائز ومباح ہے، واجب نہیں، اور دوسرے مذکورہ اختیارات بھی حاصل ہیں۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ان کو غلام بنانا واجب ہے، دوسرے اختیارات حاصل نہیں۔

اور یہ سب کچھ اس وقت ہے، جبکہ ان غیر مسلموں سے اس کے خلاف کسی مصلحت سے کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو، اور اگر غیر مسلموں سے یہ معاہدہ ہو کہ دونوں طرف میں سے کسی طرح کا بھی کوئی شخص قید وگرفتار ہو جائے، تو اس کو غلام نہیں بنایا جائے گا، تو مسلمانوں کو اس معاہدہ کی پاسداری ضروری ہوگی، اور دوسری طرف سے عہد شکنی کے بغیر خلاف ورزی جائز نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الاسترقاق لغة :الإدخال في الرق، والرق : كون الآدمي مملوكا مستبعدا .ولا يخرج الاستعمال الفقهي عن ذلك.

الألفاظ ذات الصلة :الأسر والسبي:

الأسر هو :الشد بالإسار، والإسار :ما يشد به، وقد يطلق الأسر على الأخذ ذاته .والسبي هو : الأسر أيضا، ولكن يغلب إطلاق السبي على أخذ النساء والذراري.

والأسر والسبي مرحلة متقدمة على الاسترقاق في الجملة .وقد يتبعها استرقاق أو لا يتبعها، إذ قد يؤخذ المحارب، ثم يمن عليه، أو يفدى، أو يقتل ولا يسترق.

الحكم التكليفي للاسترقاق:

يختلف حكم الاسترقاق باختلاف المسترق (بالفتح) ، فإن كان الأسير ممن يجوز قتله في الحرب فلا يجب استرقاقه، بل يجوز، ويكون النظر فيه إلى الإمام، إن رأى في قتله مصلحة للمسلمين قتله، وإن رأى في استرقاقه مصلحة للمسلمين استرقه، كما يجوز المن والفداء أيضا .أما إن كان ممن لا يجوز قتله في الحرب فقد اختلف الفقهاء فيه على اتجاهين:

فذهب الشافعية والحنابلة إلى وجوب استرقاقه، بل إنهم قالوا :إنه يسترق بنفس الأسر.

وذهب الحنفية والمالكية إلى جواز استرقاقه، حيث يخير الإمام بين الاسترقاق وغيره، كجعلهم ذمة للمسلمين، أو المفاداة بهم ، أو المن عليهم -كما فعل الرسول صلى الله عليه وسلم في فتح مكة -على ما يرى من المصلحة في ذلك .وللتفصيل (ر :أسرى) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص۲۹۷، وص۲۹۸، مادة "استرقاق")

حكم الإمام في الأسرى.

يرجع الأمر في أسرى الحربيين إلى الإمام، أو من ينيبه عنه.

وجعل جمهور الفقهاء مصائر الأسرى بعد ذلك، وقبل إجراء قسمة الغنائم بين الغانمين، في أحد أمور :فقد نص الشافعية والحنابلة على تخيير الإمام في الرجال البالغين من أسرى الكفار، بين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اسلام میں جس غلامی کا حکم وتصور ہے، وہ انتہائی پاکیزہ اور شفقت وکرم پر مبنی نظام ہے، اور مختلف طریقوں سے بندہ کے حق میں شرعی غلامی ایک عظیم رحمت ونعمت ہے، وہ اس طرح سے کہ ایک تو کفر کی حالت میں قتل سے محفوظ ہوجاتا ہے، دوسرے غلام بنانے سے دل میں موجود کفر وشرک کی سرکشی ٹوٹتی ہے، اور کبر، تکبر اور غرور دُور ہوکر اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوتی اور اس کے نتیجہ میں پھر آخرت کے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے، اور کفر وشرک کی ایک بڑی وجہ یہی تکبر وغرور ہے، جیسا کہ شرعی غلامی کا رحمت ونعمت ہونا تاریخِ اسلام سے واضح ہے۔

تیسری اسلام میں غلام کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور بہت سی چیزوں کے فدیہ اور کفارہ میں غلام کو آزاد کرنے کا عمل تجویز کیا گیا ہے، جس کے نتیجہ میں ایک تو اس شخص کو آزادی حاصل ہوجاتی ہے، اور دوسرے وہ کفر سے بھی محفوظ ہوجاتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر غلام کو آزاد نہ کیا جائے، تب بھی اسلام میں اس کے اتنے زیادہ حقوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ ان حقوق کا حصول اس کو غیر مسلموں کے معاشرہ میں آزاد رہ کر حاصل ہونا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قتلهم، أو استرقاقهم، أو المن عليهم، أو مفاداتهم بمال أو نفس.

أما الحنفية فقد قصروا التخيير على ثلاثة أمور فقط :القتل، والاسترقاق، والمن عليهم بجعلهم أهل ذمة على الجزية، ولم يجيزوا المن عليهم دون قيد، ولا الفداء بالمال إلا عند محمد بن الحسن بالنسبة للشيخ الكبير، أو إذا كان المسلمون بحاجة للمال .وأما مفاداتهم بأسرى المسلمين فموضع خلاف عندهم.

وذهب مالك إلى أن الإمام يخير في الأسرى بين خمسة أشياء :فإما أن يقتل، وإما أن يسترق، وإما أن يعتق، وإما أن يأخذ فيه الفداء ، وإما أن يعقد عليه الذمة ويضرب عليه الجزية، والإمام مقيد في اختياره بما يحقق مصلحة الجماعة.

ويتفق الفقهاء على أن الأصل في السبايا من النساء والصبية أنهم لا يقتلون .ففي الشرح الكبير للدردير :وأما النساء والذراري فليس فيهم إلا الاسترقاق أو الفداء وتفصيله في (سبي).

كما يتفقون على أن الأسير الحربي الذي أعلن إسلامه قبل القسمة، لا يحق للإمام قتله، لأن الإسلام عاصم لدمه على ما سيأتي.

ويقول الشافعية :إن خفي على الإمام أو أمير الجيش الأحظ حبسهم حتى يظهر له، لأنه راجع إلى الاجتهاد، ويصرح ابن رشد بأن هذا ما لا خلاف فيه بين المسلمين، إذا لم يكن يوجد تأمين لهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص۲۰۰، ۲۰۱، مادة "اسرى")

بھی مشکل تھا۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... غلام بنانے کا اختیار مسلمانوں کے حکمرانِ اعظم کو حاصل ہوتا ہے، یا اس کو حاصل ہوتا ہے، جس کو مسلمانوں کا حکمرانِ اعظم یہ اختیار تفویض وتحویل کرے۔

لہٰذا کسی عامی شخص کا، کسی غیر مسلم پر قبضہ وتسلط حاصل کرکے، یا کسی آزاد غیر مسلم مرد یا عورت یا بچہ کو خرید کر اُسے غلام وباندی تصور کرنا درست نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۶ ...... مسلمانوں سے جنگ میں جو غیر مسلم برسرِ پیکار ہوں، اور وہ گرفتار کر لئے جائیں، اور وہ اہلِ کتاب ہوں، تو ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

اور اگر وہ مشرک ہوں، اور اس کے ساتھ ہی عجمی یعنی غیر عربی ہوں، تو حنفیہ اور مالکیہ وغیرہ

---

[1] اورغلام وباندی ہونے کا وجود شرعی جہاد وقتال کے موقع پر قیدی بنانے سے بھی ہوسکتا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، اور اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی بچہ ایسی باندی سے پیدا ہو، کہ اُس بچہ کا باپ اس باندی کا آقا ومالک نہ ہو، بلکہ کوئی غلام یا آزاد (مگر غیر آقا) شوہر ہو۔

حكمة تشريع الاسترقاق:قال محمد بن عبد الرحمن البخارى شيخ صاحب الهداية:

"الرق إنما ثبت فى بنى آدم لاستنكافهم من عبوديتهم لله تعالى الذى خلقهم، وكلهم عبيده وأرقاؤه، فإنه خلقهم وكونهم، فلما استنكفوا عن عبوديتهم لله تعالى جزاهم برقهم لعباده، فإذا أعتقه فقد أعاده المعتق إلى رقه حقا لله تعالى خالصا، فعسى يرى هذه المنة :أنه لو استنكف من عبوديته لله تعالى لابتلى برق لعبيده، فيقر لله تعالى بالوحدانية، ويفتخر بعبوديته ، قال الله تعالى :(لن يستنكف المسيح أن يكون عبدا لله)

وكان طريق التخلص من الرق الذى انتهجه الإسلام يتلخص فى أمرين:

الأمر الأول :حصر مصادر الاسترقاق بمصدرين اثنين لا ثالث لهما، وإنكار أن يكون أى مصدر غيرهما مصدرا مشروعا للاسترقاق:

أحدهما :الأسرى والسبى من حرب لعدو كافر إذا رأى الإمام أن من المصلحة استرقاقهم.

وثانيهما :ما ولد من أم رقيقة من غير سيدها، أما لو كان من سيدها فهو حر.

الأمر الثانى :فتح أبواب تحرير الرقيق على مصاريعها، كالكفارات، والنذور، والعتق تقربا إلى الله تعالى، والمكاتبة، والاستيلاد، والتدبير، والعتق بملك المحارم، والعتق بإساءة المعاملة، وغير ذلک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص۲۹۸، مادة "استرقاق")

[2] من له حق الاسترقاق:

اتفقت كلمة الفقهاء على أن الذى له حق الاسترقاق أو المن أو الفداء هو الإمام الأعظم للمسلمين، بحكم ولايته العامة، أو من ينيبه، ولذلک جعل إليه أمر الخيار فى الاسترقاق وعدمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص۲۹۸، مادة "استرقاق")

کے نزدیک، ان کو بھی غلام بنانا جائز ہے۔

اور اگر وہ عربی ہوں، تو بعض فقہاء ان کے بھی غلام بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ان کو غلام بنانا جائز نہیں، بلکہ اُن سے یا تو اسلام قبول کرایا جائے گا، ورنہ ان کو قتل کرنے کا حکم ہوگا۔ ۱

مسئلہ نمبر۷...... اگر مسلمان مرتد لوگوں کے خلاف جنگ کر رہے ہوں، تو ان مرتد لوگوں کو غلام بنانا جائز نہیں، بلکہ اُن پر ارتداد والی سزا جاری کرنے کا حکم ہے، جس کے مستقل احکام ہیں۔ ۲

مسئلہ نمبر۸...... اگر مسلمانوں سے جنگ کرنے والے لوگ مسلمان، مگر باغی ہوں، یعنی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر رہے ہوں، اور اس دوران ان کو گرفتار کرلیا جائے، تو ان کو بھی غلام بنانا جائز نہیں۔ ۳

---

۱ الأسرى من الذين اشتركوا فى حرب المسلمين فعلا.
وهؤلاء إما أن يكونوا من أهل الكتاب، أو من المشركين، أو من المرتدين، أو من البغاة.
فإن كانوا من أهل الكتاب :جاز استرقاقهم بالاتفاق، والمجوس يعاملون مثلهم فى هذا.
أما إن كانوا من المشركين :فإما أن يكونوا من العرب أو من غيرهم، فإن كانوا من غير العرب فقد قال الحنفية، والمالكية، وبعض الشافعية، وبعض الحنابلة :يجوز استرقاقهم .وقال بعض الشافعية، وبعض الحنابلة :لا يجوز.
أما إن كانوا من العرب :فقد ذهب المالكية، وبعض الشافعية، وبعض الحنابلة إلى جواز استرقاقهم. واستثنى المالكية من ذلك القرشيين، فقالوا :لا يجوز استرقاقهم.
وذهب الحنفية، وبعض الشافعية، وبعض الحنابلة إلى أنه لا يجوز استرقاقهم، بل لا يقبل منهم إلا الإسلام، فإن رفضوه قتلوا، وعلل الحنفية هذا التفريق فى الحكم بين العربى وغيره من المشركين بأن النبى صلى الله عليه وسلم نشأ بين أظهرهم، والقرآن نزل بلغتهم، فالمعجزة فى حقهم أظهر، فكان كفرهم -والحالة هذه -أغلظ من كفر العجم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

۲ وأما إن كانوا من المرتدين :فإنه لا يجوز استرقاقهم بالاتفاق، ولا يقبل منهم إلا الإسلام، فإن رفضوه قتلوا لغلظ كفرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

۳ وأما إن كانوا من البغاة :فإنه لا يجوز استرقاقهم بالاتفاق، لأنهم مسلمون، والإسلام يمنع ابتداء الرق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

مسئلہ نمبر ۹...... جنگ وقتال کے موقع پر اگر ایسے غیر مسلم افراد گرفتار کر لئے جائیں، کہ جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ عورتیں، بچے، تو ان کو غلام و باندی بنانے کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... کسی عورت کو جنگ کے موقع پر اس وقت تک باندی بنانا جائز نہیں، جب تک کہ اس میں دو باتیں نہ پائی جائیں، ایک تو یہ کہ وہ غیر مسلم ہو، دوسرے یہ کہ وہ جنگی ہو، خواہ خود سے مسلمانوں کے مقابلے میں صف آراء ہو، یا کسی جنگجو کے ماتحت وتابع ہو۔

اور اگر وہ پہلے سے مسلمان ہو، یا کسی غیر مسلم جنگجو کے ماتحت وتابع نہ ہو، تو اس کو جس طرح قتل کرنا جائز نہیں، اسی طرح باندی بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر جنگ وقتال کے موقع پر کسی غیر مسلم شخص کو گرفتار کر لیا گیا، اور اس کے بعد وہ شخص باضابطہ غلام بنائے جانے سے پہلے مسلمان ہو گیا، تب بھی اس کو غلام بنانا جائز ہے، کیونکہ غلام بنائے جانے کا سبب اس میں جنگ و گرفتاری کے وقت موجود تھا۔ [3]

---

[1] الأسرى من الذين أخذوا في الحرب ممن لا يجوز قتلهم، كالنساء والذراري وغيرهم:
وهؤلاء يجوز استرقاقهم بالاتفاق، إن كانوا من أهل الكتاب، أو من الوثنيين المشركين، سواء أكانوا من العرب أو من غيرهم .واستثنى المالكية من ذلك الرهبان المنقطعين عن الناس في الجبال، إن لم يكن لهم رأي في الحرب، وإنما كان الاسترقاق لهؤلاء دون القتل للتوسل إلى إسلامهم، لأنهم ليسوا من أهل الحرب .واستدلوا على جواز استرقاق أهل الكتاب باسترقاق رسول الله نساء بني قريظة وذراريهم، واستدلوا على جواز استرقاق سبي المرتدين باسترقاق أبي بكر الصديق نساء المرتدين من العرب، واستدلوا على جواز استرقاق سبي المشركين باسترقاق رسول الله نساء هوازن وذراريهم، وهم من صميم العرب.أما من يؤخذ من نساء البغاة وذراريهم، فلا يسترقون بالاتفاق، لأنهم مسلمون، والإسلام يمنع ضرب الرق ابتداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۹۹، وص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

[2] أسباب الاسترقاق:أولا -من يضرب عليه الرق:
لا يجوز ضرب الرق على النساء إلا إذا توفرت فيمن يسترق صفتان :الصفة الأولى الكفر، والصفة الثانية الحرب، سواء أكان محاربا بنفسه، أم تابعا لمحارب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

[3] ج -استرقاق من أسلم من الأسرى أو السبي:من أسلم من الأسرى بعد الأخذ فيجوز استرقاقه، لأن الإسلام لا ينافي الرق جزاء على الكفر الأصلي، وقد وجد الإسلام بعد انعقاد سبب الملك، وهو الأخذ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کوئی مسلمان عورت ''نعوذ باللہ'' ، مرتد یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے، اور وہ اس ارتداد پر قائم رہے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کو باندی بنانا جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر کوئی غیر مسلم ذمّی ہو، یعنی عہد ومعاہدہ کے تحت، مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہو، اور وہ اُس معاملہ ومعاہدہ میں عہد شکنی کا ارتکاب کرے، جس کی بناء پر اس کو ذمّی بنایا گیا تھا، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک بعض صورتوں میں اس کو غلام بنانا جائز ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] البتہ جمہور کے مقابلہ میں بعض دیگر حضرات ایسی صورت میں مسلمان حکمران کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ بوقتِ ضرورت ومصلحت ایسی عورت کے متعلق باندی ہونے کا حکم جاری کرے۔ محمد رضوان۔

المرأة المرتدة فی بلاد الإسلام:

ذهب الجمهور إلى أن المرأة إذا ارتدت، وأصرت على ردتها لا تسترق، بل تقتل كالمرتد، ما دامت في دار الإسلام .وعن الحسن، وعمر بن عبد العزيز، وأبي حنيفة في النوادر :تسترق في دار الإسلام أيضا .قيل :لو أفتى بهذه لا بأس به فيمن كانت ذات زوج، حسما لقصدها السيء بالردة من إثبات الفرقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

[2] إذا نقض الذمي العهد فهو بمنزلة المرتد في جميع أحكامه، ويحكم بموته باللحاق بدار الحرب، لأنه التحق بالأموات، وتبين منه زوجته الذمية التي خلفها في دار الإسلام، وتقسم تركته، وإذا تاب ورجع تقبل توبته وتعود ذمته، إلا أنه لو غلب عليه المسلمون وأسر يسترق، بخلاف المرتد، وهذا كله عند الحنفية .

وفصل المالكية والشافعية في حكم ناقض العهد، حسب اختلاف أسباب النقض، فقال المالكية: قتل بسب نبي بما لم يكفر به وجوبا، وبغصب مسلمة على الزنى، أو غرورها بإسلامه فتزوجته، وهو غير مسلم، وأبى الإسلام بعد ذلك، أما المطلع على عورات المسلمين فيرى الإمام فيه رأيه بقتل أو استرقاق .ومن التحق بدار الحرب ثم أسره المسلمون جاز استرقاقه، وإن خرج لظلم لحقه لا يسترق ويرد لجزيته .

وقال الشافعية :من انتقض عهده بقتال يقتل، وإن انتقض عهده بغيره لم يجب إبلاغه مأمنه في الأظهر، بل يختار الإمام فيه قتلا أو رقا أو منا أو فداء .

أما الحنابلة، فلم يفرقوا بين أسباب النقض في الرواية المشهورة، وقالوا :خير الإمام فيه بين أربعة أشياء :القتل والاسترقاق والفداء والمن، كالأسير الحربي؛ لأنه كافر قدرنا عليه في دارنا بغير عهد ولا عقد، فأشبه اللص الحربي، ويحرم قتله بسبب نقض العهد إذا أسلم .

هذا، ولا يبطل أمان ذريتهم ونسائهم بنقض عهدهم عند جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) لأن النقض إنما وجد من الرجال البالغين دون الذرية، فيجب أن يختص حكمه بهم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴...... اگر کوئی غیر مسلم حربی شخص (یعنی جو خود بھی کافر ہو، اور کافروں کے ایسے ملک کا باشندہ بھی ہو، جن سے مسلمانوں کی جنگ بندی وغیرہ کی کوئی مصالحت ومعاہدہ نہ ہو) بغیر امن طلب کیے (یعنی قانونی اجازت یا ویزہ وغیرہ حاصل کئے بغیر، ناجائز وغیر قانونی طریقہ پر) مسلمانوں کے ملک میں داخل ہو جائے، تو مسلمانوں کے حاکمِ وقت کو، اسے غلام بنانے کا حکم جاری کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص قاصد وسفیر بن کر یعنی غیر مسلموں کا کوئی پیغام لے کر مسلمانوں کے ملک میں آئے، تو اس کو غلام بنانا جائز نہیں ہوتا، خواہ وہ غیر قانونی طریقہ پر ہی مسلمانوں کے ملک میں کیوں نہ داخل ہو، البتہ اس قانون شکنی کی اسے اور کوئی مناسب تعزیر وسزا دی جاسکتی ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک اس شخص کو غلام بنانا بھی جائز نہیں، جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا کلام سننے اور شریعتِ اسلام پہچاننے کے لئے آیا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۵...... جو بچہ شرعی باندی سے پیدا ہو، تو وہ اپنی ماں کے تابع ہو کر، غلام شمار ہوتا ہے البتہ اگر کوئی بچہ ایسی باندی سے پیدا ہوا ہو کہ اس بچے کا باپ اُس باندی کا آقا ومالک ہو، تو وہ بچہ غلام تصور نہیں کیا جاتا، بلکہ آزاد سمجھا جاتا ہے، اور اس بچے کی ماں بھی آقا کے فوت ہونے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويفهم من كلام المالكية أنه تسترق ذريتهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧، ص ١٣٩، مادة "اهل الذمة")

إذا أتى الذمى ما يعتبر نقضا للذمة -على اختلاف الاجتهادات فيما يعتبر نقضا للذمة وما لا يعتبر (ر: ذمة) - فإنه يجوز استرقاقه وحده، دون نسائه وذراريه، لأنه بنقضه الذمة قد عاد حربيا، فيطبق عليه ما يطبق على الحربيين.

أما نساؤه وذراريه فيبقون على الذمة، إن لم يظهر منهم نقض لها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ٣٠٠، مادة "استرقاق")

[۱] و الحربى الذى دخل إلينا بغير أمان.

إذا دخل الحربى بلادنا بغير أمان، فمقتضى قول أبى حنيفة ، والشافعية ، والحنابلة فى الجملة :أنه يصير فيئا بالدخول، ويجوز عندئذ استرقاقه، إلا الرسل فإنهم لا يرقون بالاتفاق (ر :رسول).

ويقول الشافعية :إن ادعى أنه إنما دخل ليسمع كلام الله، وليتعرف على شريعة الإسلام فإنه لا يصير فيئا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ٣٠٠، مادة "استرقاق")

کے بعد آزاد تصور کی جاتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۶...... اگر کسی غلام یا باندی کو اس کا آقا آزاد کردے، خواہ ویسے ہی یا کسی کفارہ وغیرہ کے طور پر، یا کسی غلام و باندی کا ذی محرم رشتہ دار اس کا مالک ہوجائے، تو اس غلام یا باندی کو آزاد تصور کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام و باندی کے بارے میں یہ وصیت کردے کہ وہ اس کے فوت ہونے کے بعد آزاد ہے، تو آقا کے فوت ہونے کے بعد یہ غلام یا باندی بھی آزاد کہلاتی ہے، اور ایسے غلام یا باندی شرعی زبان میں ''**مدبّر یا مدبّرہ**'' کہلاتے ہیں۔

یا کوئی آقا اپنی باندی سے صحبت کرے، اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوجائے، تو آقا کے فوت ہونے کے بعد یہ باندی بھی آزاد کہلاتی ہے، اور ایسی باندی کو شرعی زبان میں ''**اُمِّ ولد**'' کہا جاتا ہے۔

اور اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو، مکاتَب بنادے، یعنی مخصوص رقم کسی بھی جائز طریقہ پر حاصل کرکے، آقا کے حوالے کرنے کے نتیجے میں، اس کے آزاد ہونے کا حکم لگا دے، جس کو غلام قبول کرلے، تو اتنی رقم آقا کو حوالے کرنے پر، وہ غلام آزاد شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام کو، ناجائز ضرر پہنچاتا ہو، اور حاکمِ وقت تحقیق وتفتیش کے بعد اس غلام کے آزاد ہونے کا فیصلہ صادر کردے، تب بھی وہ غلام آزاد ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] ز -التولد من الرقيقة :من المقرر فى الفقه الإسلامى أن الولد يتبع أمه فى الحرية، فإذا كانت الأم حرة كان ولدها حرا، وإن كانت أمة كان ولدها رقيقا، وهذا مما لا خلاف فيه بين الفقهاء . ويستثنى من ذلك ما لو كان التولد من سيد الأمة، إذ يولد حرا وينعقد لأمه سبب الحرية، فتصبح حرة بموت سيدها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ٣٠١، مادة "استرقاق")

[2] انتهاء الاسترقاق :ينتهى الاسترقاق بالعتق .والعتق قد يكون بحكم الشرع، كمن ولدت من سيدها تعتق بموته، وكمن ملك ذا رحم منه فإنه يعتق عليه بمجرد الملك .وقد يكون العتق بالإعتاق لمجرد التقرب إلى الله تعالى، أو لسبب موجب للعتق، كأن يعتقه فى كفارة (ر : كفارة) ، أو نذر (ر :نذر) . كما تنتهى بالتدبير، وهو أن يجعله حرا دبر وفاته أى بعدها (ر :تدبير) ، أو بالمكاتبة، أو إجبار ولى الأمر سيدا على إعتاق عبده لإضراره به (ر :عتق) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ٣٠١، مادة "استرقاق")

مسئلہ نمبر ۷ا...... جو فرد غلام ہو، تو اس کے بہت سے احکام میں شریعت کی طرف سے ڈھیل ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر وہ مسلمان ہو، تو اس پر مالی عبادات لازم نہیں رہتیں، مثلاً اس پر زکاۃ، صدقۂ فطر اور حج وغیرہ لازم نہیں ہوتے۔

اور باجماعت نماز، جمعہ کی نماز میں شرکت اور عام حالات میں جہاد وغیرہ لازم نہیں ہوتے۔ [۱]

اور اگر وہ کوئی قسم اٹھا کر، توڑ دے، تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ، مالی اعتبار سے واجب نہیں ہوتا، بلکہ بدنی اعتبار سے واجب ہوتا ہے، یعنی وہ قسم ٹوٹنے کا کفارہ روزے رکھ کر ادا کرتا ہے۔

اور غلام کو جو چیز، ہبہ، صدقہ اور وصیت وغیرہ میں حاصل ہو، تو وہ غلام بذاتِ خود اس کا مالک نہیں بنتا، بلکہ اس کا آقا مالک تصور کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ [۲]

---

[۱] آثار الاسترقاق:

أ -يترتب على الاسترقاق آثار كثيرة، منها ما يتعلق بالعبادات البدنية المسنونة إذا كانت مخلة بحق السيد، كصلاة الجماعة مثلا (ر :صلاة الجماعة) ، أو الواجبات الكفائية، لإخلالها بحق السيد أيضا، أو لأمر آخر كالجهاد، فإنه يرخص للعبد في تركها .ومنها جميع العبادات المالية، فإنها تسقط عن المرء باسترقاقه، لأن العبد لا يملك المال، كالزكاة، وصدقة الفطر، والصدقات والحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۳۰۱، مادة "استرقاق")

[۲] ب -الواجبات المالية على من استرق إن كان لها بدل بدني، فإنه يصار إلى بدلها، كالكفارات، فالرقيق لا يكفر في الحنث في اليمين بالعتق ولا بالإطعام ولا بالكسوة، ولكنه يكفر بالصيام.

أما إن لم يكن لهذه الواجبات المالية بدل بدني، فإنها تتعلق بعين المسترق، فإذا جنى العبد على يد إنسان فقطعها خطأ، وكانت ديتها أكثر من قيمة العبد، لم يكلف المالك بأكثر من دفع العبد إلى المجني عليه، كما يذكر في أبواب الجنايات .وكذا إذا استدان من شخص بغير إذن سيده، فإن هذا الدين يتعلق بعينه، ويبقى في ذمته، ولا يكلف سيده بوفائه .فإن استرق وعليه دين لمسلم أو ذمي لم يسقط الدين عنه، لأن شغل ذمته قد حصل، ولم يوجد ما يسقطه، بخلاف ما إذا كان الدين لحربي، فإنه يسقط، لعدم احترام الحربي.

ج -والاسترقاق يمنع المسترق من سائر التبرعات كالهبة، والصدقة، والوصية ونحو ذلك.

د -كما يمنع الاسترقاق من سائر الاستحقاقات المالية، فإن وقع شيء منها استحقه المالك لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... شرعی غلام وباندی، آزاد ہونے سے پہلے امیر اور قاضی بننے کا استحقاق نہیں رکھتے۔

اور اگر غلام وباندی کوئی جرم کرے، تو اس پر شرعی حدود آدھی مقدار میں جاری کی جاتی ہیں، بشرطیکہ وہ سزائیں ایسی ہوں کہ آدھے ہونے کو قبول کرتی ہوں، جیسا کہ شراب پینے کی سزا، وغیرہ وغیرہ۔ [1]

اس کے علاوہ اور بھی متعدد احکام میں غلام وباندی، آزاد مرد وعورت سے مختلف حکم رکھتے ہیں۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرقيق، فالرقيق لا يرث، وما يستحقه من أرش الجناية عليه فهو لسيده.

وإن استرق وله دين على مسلم أو ذمي، فإن سيده هو الذى يطالب بهذا الدين، أما إن كان الدين على حربي فيسقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۳۰۱، وص ۳۰۲، مادة "استرقاق")

[1] اور جو سزائیں تنصیف یعنی آدھے ہونے کو قبول نہیں کرتیں، مثلاً چوری کے نتیجہ میں ہاتھ کاٹے جانا، یا قصاص، تو وہاں پوری حد وسزا جاری ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وإذا سبى الصبي الصغير دون والديه، حكم بإسلامه تبعا للسابي، لأن له عليه ولاية، وليس معه من هو أقرب إليه منه فيتبعه.

والاسترقاق يمنع الرجل من أن تكون له ولاية على غيره، وعلى هذا فإن الرقيق لا يكون أميرا ولا قاضيا، لأنه لا ولاية له على نفسه، فكيف تكون له الولاية على غيره، وبناء على ذلك فإنه لا يصح أمان الرقيق، ولا تقبل شهادته أيضا، على خلاف فى ذلك.

والاسترقاق مخفض للعقوبة، فتنصف الحدود فى حق الرقيق، إن كانت قابلة للتنصيف.

وللاسترقاق أثر فى النكاح، إذ العبد ليس بكفء للحرة، ولا بد فيه من إذن السيد، ولا يملك العبد نكاح أكثر من امرأتين، ولا تنكح أمة على حرة.

وله أثر فى الطلاق أيضا، إذ لا يملك الرقيق من الطلاق أكثر من طلقتين، وإذا نكح بغير إذن سيده فالطلاق بيد سيده.

وله أثر فى العدة، إذ عدة الأمة فى الطلاق حيضتان، لا ثلاث حيض، وفى ذلك خلاف وتفصيل ينظر فى مصطلحاته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۳۰۱، وص ۳۰۲، مادة "استرقاق")

(فصل نمبر۳)

بالغ ہونا

(نابالغ کے مال پر زکاۃ کے احکام)

زکاۃ فرض ہونے کے لئے نابالغ یا بالغ ہونے کی شرط کے احکام درجِ ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... نابالغ بچہ اگر صاحبِ نصاب ہو،یعنی اس کی ملکیت میں زکاۃ واجب ہونے کی مقدار کے مطابق مال ہو،تو مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے مال میں زکاۃ واجب ہوتی ہے،خوہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی،اور اس بچہ کے مال کی زکاۃ،اس بچہ کے مال میں سے اس بچہ کا ولی یا سر پرست ادا کرے گا،اور وہ اس بچہ کی طرف سے زکاۃ کی نیت کرے گا،اور اگر بچہ کے ولی یا سر پرست نے زکاۃ ادا نہیں کی،تو اس بچہ کے بالغ ہونے کے بعد خود سے اس کو گزشتہ زمانہ کی زکاۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ [1]

---

[1] واختلفوا فيما عدا ذلك كما يلي:

أ -الزكاة في مال الصغير والمجنون:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن الزكاة تجب في مال كل من الصغير والمجنون ذكرا كان أو أنثى، وهو مروي عن عمر، وابنه، وعلي وابنه الحسن، وعائشة، وجابر، وبه قال ابن سيرين ومجاهد، وربيعة، وابن عيينة، وأبو عبيد وغيرهم .واستدلوا بقول النبي صلى الله عليه وسلم :ألا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه، ولا يتركه حتى تأكله الصدقة والمراد بالصدقة الزكاة المفروضة، لأن اليتيم لا يخرج من ماله صدقة تطوع، إذ ليس للولي أن يتبرع من مال اليتيم بشيء ، ولأن الزكاة تراد لثواب المزكي ومواساة الفقير، والصبي والمجنون من أهل الثواب وأهل المواساة على ما قال الشيرازي، وبأن الزكاة حق يتعلق بالمال، فأشبه نفقة الأقارب وأروش الجنايات وقيم المتلفات.

وقال الدردير :إنما وجبت في مالهما لأنها من باب خطاب الوضع.

ويتولى الولي إخراج الزكاة من مالهما، لأن الولي يقوم مقامهما في أداء ما عليهما من الحقوق، كنفقة القريب، وعلى الولي أن ينوي أنها زكاة، فإن لم يخرجها الولي وجب على الصبي بعد البلوغ، والمجنون بعد الإفاقة، إخراج زكاة ما مضى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ٢٣٢، مادة "زكاة")

یہ مذکورہ حکم تو دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک تھا، اور حنفیہ کے نزدیک زکاۃ فرض ہونے کے لئے انسان کا بالغ ہونا ضروری ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نابالغ لڑکا اور لڑکی زکاۃ اور نماز کے فریضہ کے مکلّف نہیں، اس لئے اگر کوئی نابالغ بچہ ہے اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال ہے (خواہ اس کو کسی نے ہدیہ یا صدقہ وغیرہ کیا ہو، یا میراث میں ملا ہو، اور خواہ اس کے پاس ہو، یا بطورِ امانت اس کے سرپرست کے پاس ہو) تو حنفیہ کے نزدیک اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی، بلکہ بالغ ہونے کے بعد ہی دوسری شرائط پائی جانے کی صورت میں اس پر زکاۃ فرض ہوتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی نابالغ بچہ کی ملکیت میں مال تھا، پھر وہ اسی حال میں بالغ ہوا، تو حنفیہ

---

[1] ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبى وهو قول على وابن عباس فإنهما قالا " :لا تجب الزكاة على الصبى حتى تجب عليه الصلاة (بدائع الصنائع ،ج۲ص۴، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

وروى عن ابن مسعود والثورى والأوزاعى أنهم قالوا :تجب الزكاة، ولا تخرج حتى يبلغ الصبى، أو يفيق المجنون، وذلك أن الولى ليس له ولاية الأداء ، قال ابن مسعود :احص ما يجب فى مال اليتيم من الزكاة، فإذا بلغ فأعلمه، فإن شاء زكى وإن شاء لم يزك، أى لا إثم على الولى بعدئذ إن لم يزك الصبى .وذهب ابن شبرمة إلى أن أمواله الظاهرة من نعم وزرع وثمر يزكى، وأما الباطنة فلا.

وقال سعيد بن المسيب :لا يزكى حتى يصلى ويصوم، وقال أبو وائل، والنخعى، وسعيد بن جبير والحسن البصرى :لا زكاة فى مال الصبى.

وذهب أبو حنيفة وهو مروى عن على وابن عباس إلى أن الزكاة لا تجب فى مال الصغير والمجنون، إلا أنه يجب العشر فى زروعهما وثمارهما، وزكاة الفطر عنهما.

واستدل لهذا القول بقول النبى صلى الله عليه وسلم :رفع القلم عن ثلاثة :عن المجنون المغلوب على عقله حتى يفيق، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبى حتى يحتلم.

ولأنها عبادة، فلا تتأدى إلا بالاختيار تحقيقا لمعنى الابتلاء ، ولا اختيار للصبى والمجنون لعدم العقل، وقياسا على عدم وجوبها على الذمى لأنه ليس من أهل العبادة، وإنما وجب العشر فيما يخرج من أرضهما لأنه فى معنى مؤنة الأرض، ومعنى العبادة فيه تابع . ومما يتصل بهذا زكاة مال الجنين من إرث أو غيره، ذكر فيه النووى عند الشافعية طريقين والمذهب أنها لا تجب، قال : وبذلك قطع الجمهور، لأن الجنين لا يتيقن حياته ولا يوثق بها، فلا يحصل تمام الملك واستقراره، قال :فعلى هذا يبتدء حول ماله من حين ينفصل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۳۲،و۲۳۳،مادة "زكاة")

کے نزدیک زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے اس کے سال کا آغاز بالغ ہونے کے وقت سے شمار کیا جائے گا، یعنی جب وہ بچہ بالغ ہوگا، تو زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے ایسا سمجھا جائے گا، گویا کہ وہ اسی وقت صاحبِ نصاب بنا ہے یا مال دار ہوا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... جو مال کسی کے فوت ہونے کے بعد نابالغ لڑکے یا لڑکی کو میراث میں ملا، یا نابالغ لڑکے یا لڑکی کو والدین یا کسی اجنبی نے ہبہ کیا، اور یہ مال زکاۃ کے قابل ہے، تو حنفیہ کے نزدیک نابالغ ہونے کی وجہ سے اس طرح کے کسی مال کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی، جیسا کہ گزرا۔ [2]

لیکن اگر اس مال پر نابالغ بچہ کی ملکیت قائم نہیں ہوئی، بلکہ کسی بالغ شخص کی ملکیت قائم ہے، تو اس بالغ شخص پر اس مال کی زکاۃ واجب ہوگی، مثلاً کسی زیور، یا روپیہ پیسہ کے متعلق نابالغ لڑکے یا لڑکی کو مالک بنانے کی نیت ہے، مگر ابھی تک اس بچہ کو باقاعدہ مالک نہیں بنایا، تو صرف آئندہ کے لئے مالک بنانے کی نیت کر لینے سے یہ مال نابالغ کا نہیں کہلاتا۔

جیسا کہ بعض خواتین کوئی زیور اپنے لڑکے یا لڑکی کو شادی وغیرہ کے موقع پر دینے کی نیت

---

[1] اختلف فی وجوب الزکاۃ علی من لم یبلغ .فذهب جمهور الفقهاء إلی وجوبها، لتعلق الوجوب بالمال.

وذهب الحنفیة إلی أنها لا تجب، لأنها عبادۃ تلزم الشخص المکلف، والصبی لیس من أهل التکلیف .فعلی هذا إذا بلغ الصبی :فعند الحنفیة یبدأ حول زکاته من حین بلوغه، إن کان یملک نصابا .أما عند غیر الحنفیة :فالحول الذی بدأ قبل البلوغ ممتد بعده.

وعند غیر الحنفیة کذلک یلزم الصبی إذا بلغ راشدا أداء الزکاۃ، لما مضی من الأعوام، منذ دخل المال فی ملکه، إن لم یکن ولیه یخرج عنه الزکاۃ (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۸، ص۲۰۰، مادۃ "بلوغ")

[2] البتہ نابالغ بچہ کی ملکیت میں اگر عشری زمین کی کاشت و فصل ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر عشر واجب ہوتا ہے۔

الزکاۃ لا تجب فی مال الصغیر عندنا (جامع الفصولین، ج۲، ص۱۱۰، احکام الصبیان)

اختلف الفقهاء فی هذه المسألة:

فذهب المالکیة والشافعیة والحنابلة إلی وجوبها فی مال الصغیر مطلقا.

وذهب الحنفیة : إلی وجوبها فی مال الصغیر إذا کان المال زروعا وثمارا وعدم وجوبها فی بقیة أمواله (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷، ص۲۸، مادۃ "صغر")

کرلیتی ہیں، اور خود اس زیور کو استعمال کرتی رہتی ہیں یا اپنے لڑکے یا لڑکی کو آئندہ دینے کی نیت سے رکھ چھوڑتی ہیں، مگر بوقتِ ضرورت اس کا استعمال بھی کرلیتی ہیں، تو اس طرح کی نیت کرلینے سے وہ زیور نابالغ لڑکے یا لڑکی کی ملکیت میں داخل نہیں ہوجاتا۔

اور اگر حقیقت میں فی الحال اس نابالغ بچہ یا بچی کو مالک بنانا مقصود ہے، اور ابھی سے اس نابالغ بچہ یا بچی کو پوری طرح مالک بنادیا ہے، تو پھر علیٰحدہ بات ہے، مگر پھر نابالغ کے مال کا خود استعمال کرنا یا کسی دوسرے کو استعمال میں لانے کی اجازت دینا جائز نہیں رہتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... حنفیہ کے نزدیک کیونکہ نابالغ کے مال پر زکاۃ واجب نہیں، اس لئے اگر نابالغ، صاحبِ نصاب بچہ کا ولی (مثلاً والد) یا سرپرست اس بچہ کے مال سے اس کی طرف سے زکاۃ ادا کردے، تو حنفیہ کے نزدیک اس زکاۃ ادا کرنے والے شخص پر اس بچہ کے اتنی مقدار کے مال کا تاوان لازم ہوتا ہے، کیونکہ جب بچہ کے مال پر زکاۃ واجب نہیں، تو یہ اس بچہ کے مال کو غیر ضروری مصرف میں خرچ کرنا ہوا۔ [2]

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ صورت میں اس ولی یا سرپرست پر تاوان لازم نہیں ہوتا، بلکہ اس بچہ کی زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک نابالغ کی

---

[1] اور حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ہبہ، قبضہ سے تام ہوتا ہے، لیکن اگر ہبہ کرنے والا مثلاً والد ہو، اور جس کو ہبہ کیا جارہا ہو، وہ اس کی نابالغ اولاد ہو، تو پھر قبضہ ضروری نہیں ہوتا، بلکہ ایجاب اور اپنا قبضہ ہی کافی ہوتا ہے۔

إذا تمت الهبة صحيحة بشروطها المتقدمة فإن الملك يثبت للموهوب له فى الشىء الموهوب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۱۴۷، مادة "هبة")

(قوله وهبة الأب لطفلة تتم بالعقد) لأن قبض الأب ينوب عنه وشمل كلامه ما إذا كانت فى يد مودع الأب لأن يده كيده (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۷ص۲۸۸، كتاب الهبة)

[2] ويرفع الوصى للحاكم الذى يرى زكاة المال فى مال الصبى ليحكم بإخراجها، فيرتفع الخلاف خوفا من رفع الصبى بعد رشده لقاض حنفى لا يرى الزكاة فى مال الصبى فيضمن الوصى له ما أخرجه عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص۱۸۹، مادة "وصاية")

ولو أدى من مال الصغير ضمن، لأنها زكاة فى الشريعة كزكاة المال، فلا تجب على الصغير (البناية شرح الهداية، ج۳، ص۴۸۷، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

ملکیت میں اگر نصاب کے بقدر مال ہو، تو زکاۃ لازم ہوا کرتی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... بچے اور بچی کی عمر قمری سالوں یعنی چاند کی تاریخوں کے حساب سے جب پندرہ سال کی ہوجائے تو وہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بہرحال بالغ سمجھے جاتے ہیں، اور اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے انزال واحتلام (یعنی سوتے وقت یا جاگنے کی حالت میں منی کا خروج) ہوجائے، یا بچی کو حیض یعنی ماہواری (Menses) آجائے، تو بھی وہ بالغ شمار کئے جاتے ہیں۔ [2] وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] وأما بالنسبة للعبادات المالية كالزكاة فنظرا للأهلية اختلف الفقهاء في وجوب الزكاة على الصبي والمجنون، فعند الجمهور تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون، لأنه حق يتعلق بالمال، ويؤدي عنهما وليهما، وتعتبر نية الولي في الإخراج .وعند الحنفية لا يجب عليهما الزكاة، لأن الزكاة عبادة، وهما ليسا من أهلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۳۳۳، مادة "أداء")

[2] عن نافع، عن ابن عمر قال :عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في جيش وأنا ابن أربع عشرة فلم يقبلني، فعرضت عليه من قابل في جيش وأنا ابن خمس عشرة فقبلني قال نافع : وحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز، فقال :هذا حد ما بين الصغير والكبير، ثم كتب أن يفرض لمن يبلغ الخمس عشرة حدثنا ابن أبي عمر قال :حدثنا سفيان بن عيينة، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا، ولم يذكر فيه أن عمر بن عبد العزيز كتب أن هذا حد ما بين الصغير والكبير وذكر ابن عيينة في حديثه :حدثت به عمر بن عبد العزيز، فقال :هذا حد ما بين الذرية والمقاتلة :هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أهل العلم، وبه يقول سفيان الثوري، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق يرون أن الغلام إذا استكمل خمس عشرة سنة فحكمه حكم الرجال، وإن احتلم قبل خمس عشرة فحكمه حكم الرجال وقال أحمد، وإسحاق :البلوغ ثلاثة منازل بلوغ خمس عشرة، أو الاحتلام فإن لم يعرف سنه ولا احتلامه فالإنبات يعني العانة(سنن الترمذي، رقم الحديث ۱۳۶۱ ،ابواب الاحكام، باب ما جاء في حد بلوغ الرجل والمرأة)

والبلوغ يحصل إما بظهور علامة من علاماته الطبيعية كاحتلام الولد (أي الإنزال) ومجيء العادة الشهرية (الحيض) عند الأنثى، أو بتمام الخامسة عشرة عند جمهور الفقهاء غير أبي حنيفة لكل من الفتى والفتاة، وعليه الفتوى والعمل، جاء في المادة (۹۸۵)مجلة :يثبت حد البلوغ بالاحتلام والإحبال والحيض والحبل ونصت المادة (۹۸۶)مجلة :على أن منتهى البلوغ خمس عشرة سنة. وقدر أبو حنيفة سن البلوغ بثماني عشرة سنة للفتى وسبع عشرة سنة للفتاة.وقدره الإمام مالك لهما بتمام ثماني عشرة سنة، وقيل بتمام السابعة عشرة سنة والدخول في الثامنة عشرة(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۴ص ۲۹۶۶، ۲۹۶۷، ادوار الاهلية، الدور الاول)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۶، ص۱۵۳، كتاب الحجر)

(فصل نمبر۴)

عاقل ہونا

(مجنون وپاگل پر زکاۃ کے احکام)

زکاۃ فرض ہونے کے لئے عاقل ہونے کی شرط کے احکام درجِ ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر۱......حنفیہ کے نزدیک زکاۃ فرض ہونے کے لئے عاقل ہونا بھی ضروری ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک مجنون اور پاگل فرد خواہ عورت ہو یا مرد، زکاۃ کے فریضہ کا مکلّف شمار نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی مجنون وپاگل ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر اس مال کی زکاۃ فرض نہیں، البتہ اگر اس کا جنون اور پاگل پن ختم ہوجائے اور وہ صحت یاب ہوکر عاقل ہوجائے، تو دوسری شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر زکاۃ فرض ہوتی ہے۔ [۱]

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر کسی شخص میں زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، مثلاً وہ مسلمان ہو، آزاد ہو، اور نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو، لیکن وہ مجنون وپاگل ہو، تو اس کے مال میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، جس کی ادائیگی کی ذمہ داری اس مجنون وپاگل کے ولی (مثلاً والد) وسرپرست پر عائد ہوتی ہے، اور اگر وہ ادا نہ کرے، تو مجنون کے افاقہ وصحت یاب ہونے کے بعد اس کو خود ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن اگر وہ صحت یاب نہ ہو، تو پھر وہ خود سے گناہ گار شمار نہیں ہوتا، بلکہ صرف اس کا ولی یا سرپرست گناہ گار شمار ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [۲]

---

[۱] (ومنها) العقل عندنا فلا تجب الزكاة فى مال المجنون جنونا أصليا (بدائع الصنائع، ج۲ ص۵، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

[۲] وأما بالنسبة للعبادات المالية كالزكاة فنظرا للأهلية اختلف الفقهاء فى وجوب الزكاة على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر کوئی مالدار و صاحبِ نصاب نابالغ بچہ، مجنون و پاگل تھا، اور اسی حالت میں وہ بالغ ہوا، اور پھر اسے صحت حاصل ہوگئی، تو حنفیہ کے نزدیک صحت یاب ہونے کے بعد سے اس پر زکاۃ کے احکام جاری ہوں گے، اور اسی صحت یابی کے وقت سے اس کی زکاۃ کا سال بھی شروع ہوگا، جیسا کہ نابالغ بچہ و بچی کا بھی یہی حکم پیچھے گزرا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصبی والمجنون، فعند الجمهور تجب الزكاة فی مال الصبی والمجنون، لأنه حق يتعلق بالمال، ويؤدى عنهما وليهما، وتعتبر نية الولی فی الإخراج .وعند الحنفية لا يجب عليهما الزكاة، لأن الزكاة عبادة، وهما ليسا من أهلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۳۳۳، مادة "أداء")

هـ -أثر الجنون فی الزكاة:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أنه تجب الزكاة فی مال المجنون ويخرجها الولی من ماله، فإن لم يخرج، أخرج المجنون بعد الإفاقة زكاة ما مضى، لما روى عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه قال :من ولى يتيما له مال، فليتجر له، ولا يتركه حتى تأكله الصدقة وروى موقوفا على عمر رضی الله عنه، وإنما تأكله الصدقة بإخراجها، وإنما يجوز للولی إخراجها إذا كانت واجبة، لأنه ليس له أن يتبرع بمال اليتيم، ولأن الشارع جعل ملك النصاب سببا فی الزكاة والنصاب موجود، والخطاب بإخراجها يتعلق بالولی. والمجنون والصبی سواء فی هذا الحكم.

ويروى ذلک عن جماعة من كبار الصحابة فيهم عمر، وعلی، وابن عمر، وعائشة، والحسن بن علی، وجابر رضی الله عنهم، وبه قال جابر بن زيد، وابن سيرين، وعطاء ، ومجاهد، وابن أبی ليلى، وإسحاق وأبو ثور وغيرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱٦ ،ص۱۰۵، ۱۰٦ ،مادة "جنون")

البلوغ والعقل :شرط عند الحنفية، فلا زكاة على صبی ومجنون فی مالهما، لأنهما غير مخاطبين بأداء العبادة كالصلاة والصوم.

وقال الجمهور :لا يشترطان، وتجب الزكاة فی مال الصبی والمجنون، ويخرجها الولی من مالهما لحديث من ولی يتيماً له مال فليتجر له، ولا يتركه حتى تأكله الصدقة وفی رواية :ابتغوا فی مال اليتامى، لا تأكلها الزكاة ولأن الزكاة تراد لثواب المزكی، ومواساة الفقير، والصبی والمجنون من أهل الثواب، ومن أهل المواساة، ولهذا يجب عليهما نفقة الأقارب .وهذا الرأی أولى لما فيه من تحقيق مصلحة الفقراء ، وسد حاجتهم، وتحصين المال من تطلّع المحتاجين إليه، وتزكية النفس، وتدريبها على خلُق المعونة والجود (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج۳ص۱۷۹۸، ۱۷۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانی)

[1] وجملة الكلام فيه أن الجنون نوعان أصلی وطارء.

أما الأصلی وهو أن يبلغ مجنونا فلا خلاف بين أصحابنا أنه يمنع انعقاد الحول على النصاب حتى لا يجب عليه أداء زكاة ما مضى من الأحوال بعد الإفاقة وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإفاقة؛ لأنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی فرد بالغ اور مالدار ہونے کی حالت میں مجنون و پاگل ہوا، تو اگر اس کا پاگل پن پورے ایک سال تک باقی رہا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر اس سال کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

اور اگر سال کے کسی حصہ میں وہ صحت یاب ہوا، خواہ تھوڑے سے وقت کے لئے ہو، تو پھر اس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الآن صار أهلا لأن ينعقد الحول على ماله كالصبى إذا بلغ أنه لا يجب عليه أداء زكاة ما مضى من زمان الصبا، وإنما يعتبر ابتداء الحول على ماله من وقت البلوغ عندنا كذا هذا ولهذا منع وجوب الصلاة والصوم كذا الزكاة(بدائع الصنائع ،ج۲ص۵، كتاب الزكاة، فصل واما شرائط الفرضية)

[۱] حنفیہ کی ظاہر الروایۃ یہی ہے، جبکہ امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق نصف سال سے زائد حصہ کُل کے ساتھ ملحق ہے، اور نصف یا اس سے کم حصہ اقل کے ساتھ ملحق ہے۔

ولا خلاف أنه فى المجنون الأصلى يعتبر ابتداء الحول من وقت إفاقته كوقت بلوغه .أما العارضى، فإن استوعب كل الحول فكذلك فى ظاهر الرواية وهو قول محمد ورواية عن الثانى وهو الأصح وإن لم يستوعبه لغا وعن الثانى :أنه يعتبر فى وجوبها إفاقة أكثر الحول نهر (ردالمحتار، ج۲ص۲۵۸،كتاب الزكاة)

وذهب الحنفية إلى أنه لا زكاة فى مال .المجنون، لأنه غير مخاطب بالعبادة، والزكاة من أعظم العبادات، فلا تجب عليه كالصلاة والحج ولقوله صلى الله عليه وسلم :رفع القلم عن ثلاثة :عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبى حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل.

وقال على رضى الله تعالى عنه :لا تجب عليه الزكاة حتى تجب عليه الصلاة، وإليه ذهب الحسن، وسعيد بن المسيب، وسعيد بن جبير، وأبو وائل، والنخعى.

وحد امتداد الجنون فى حق الزكاة عندهم أن يستغرق الحول، وروى هشام عن أبى يوسف أن امتداده فى حق الزكاة بأكثر السنة ونصف السنة ملحق بالأقل، لأن كل وقتها الحول، إلا أنه مديد جدا، فقدر بأكثر الحول عملا بالتيسير والتخفيف، فإن اعتبار أكثر السنة أيسر وأخف على المكلف، وإذا بلغ الصبى مجنونا، وهو مالك لنصاب فزال جنونه بعد مضى ستة أشهر ثم تم الحول من وقت البلوغ وهو مفيق، وجبت عليه الزكاة عند محمد، لأنه يفرق بين الجنون الأصلى والعارض، ولا تجب عند أبى يوسف،بل يستأنف الحول من وقت الإفاقة، لأنه بمنزلة الصبى الذى بلغ الآن عنده، ولو كان الجنون عارضا فزال بعد ستة أشهر، تجب الزكاة بالإجماع، لأنه زال قبل الامتداد عند الكل. ويحكى عن ابن مسعود، والثورى، والأوزاعى أنهم قالوا :تجب الزكاة فى الحال، لكنه لا يخرج حتى يفيق. وتفصيله فى مصطلح :(إفاقة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کبھی کبھی پاگل پن کا دورہ پڑ جاتا ہو، تو زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حنفیہ کے نزدیک بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی شخص مجنون و پاگل تو نہ ہو، لیکن بیماری، کمزوری یا کسی حادثہ کی وجہ سے بے ہوش ہو، تو اس پر زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جانے کی صورت میں زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، خواہ اس کی بے ہوشی پورے سال جاری رہے۔

اور ایسی صورت میں وہ شخص ہوش میں آنے کے بعد خود زکاۃ ادا کرنے کا مکلّف وذمہ دار ہوتا ہے۔

اسی طرح نشہ کی وجہ سے بے ہوش شخص پر بھی زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، جبکہ اس میں زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی شخص مجنون و پاگل نہ ہو، لیکن کم عقل یا بیوقوف ہو، اور وہ مال دار ہو،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما زكاة زرع المجنون فلا خلاف في وجوبها فيه، وكذلك صدقة الفطر عند الجمهور، وقال محمد وزفر من الحنفية :لا تجب صدقة الفطر في مال المجنون فيضمنها الولي والوصي لو أدياها من ماله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٦، ص١٠٦ ،مادة "جنون")

[1] والذى يجن ويفيق بمنزلة الصحيح، وهو النائم والمغمى عليه(المحيط البرهانى، ج٢ص ٢٧٩، كتاب الزكاة، الفصل العاشر)

وأما الذى يجن ويفيق فهو كالصحيح وهو بمنزلة النائم والمغمى عليه(بدائع الصنائع، ج٢ص٦، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

[2] أثر الإغماء على الزكاة :المغمى عليه بالغ عاقل فتجب فى ماله الزكاة، فإذا أغمى عليه بعد وجوبها فلا يتأتى منه الأداء ، وعليه إذا أفاق قضاؤها ولو امتد به الإغماء ، إذ امتداده نادر والنادر لا حكم له(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٥، ص٢٠٧ ،مادة "إغماء")

وتجب على المغمى عليه، وإن استوعب الإغماء حولا كاملا كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوى الهندية، ج١، ص١٧٢، كتاب الزكاة، الباب الأول)

وأما المغمى عليه فهو كالصحيح(البناية شرح الهداية، ج٣، ص٢٩٩، كتاب الزكاة)

والمغمى عليه كالصحيح كما فى المجتبى(البحر الرائق، ج٢ص٢١٨، كتاب الزكاة)

وتجب على المغمى عليه وإن استوعب الإغماء حولاً كاملاً(فتاوى قاضيخان، ج١ص١٧٩، كتاب الزكاة)

اوراس میں زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، تو اس پر زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، کیونکہ کم عقل یا بے وقوف ہونا، جنون و پاگل پن میں داخل نہیں۔ ۱؎
البتہ کم عقل و بے وقوف شخص کے مال کی زکاۃ ادا کرنے کے طریقۂ کار میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔
بعض فقہائے کرام کے نزدیک تو ایسے شخص کے مال کی زکاۃ اس کا ولی وسرپرست ادا کرے گا، اور حنفیہ کے نزدیک وہ بے وقوف یا کم عقل شخص اپنے ولی یا سرپرست کی نگرانی میں خود سے ادا کرے گا، تاکہ اس کی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی کی نیت بھی ادا ہوجائے۔ ۲؎
مسئلہ نمبر ۶ ...... اگر کوئی مجنون و پاگل تو نہ ہو، لیکن جسمانی اعتبار سے کسی اور طرح کی بیماری میں مبتلا ہو، مثلاً ہاتھ، پاؤں سے معذور ہو، تو دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر

۱؎ أثر السفه فی الأحكام .المتعلقة بحقوق الله:
لا يوجب السفه خللا فی أهلية الخطاب ولا يمنع شيئا من أحكام الشرع من الوجوب علی السفيه أو له، فيكون مطالبا بالأحكام كلها.
ولهذا لا تنعدم الأهلية بسبب السفه ولا يجعل السفه عذرا فی إسقاط الخطاب عنه بشیء من الشرائع، ولا فی إهدار عبارته فيما يقر به علی نفسه من الأسباب الموجبة للعقوبة.
أثر السفه فی الزكاة:
م -أجمع الفقهاء علی وجوب الزكاة فی مال السفيه -فهو فی وجوبها عليه كالرشيد، لأنها تصرف لا يحتمل الفسخ والنقض ولأن من عدا الحنفية أوجبوها فی مال الصغير والمجنون فوجوبها علی السفيه من باب أولی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۵۹، مادة "سفه")
۲؎ ولكن حصل الخلاف فی من يدفعها هل هو أم وليه؟
فذهب الجمهور إلی أنه يدفعها عنه وليه كسائر تصرفاته المالية، لأنها ولاية وتصرف مالی.
وصرح الشافعية بأنه لا يفرق الزكاة بنفسه لكن إن أذن له الولی وعين له المدفوع إليه صح صرفه، وذلک بحضرة الولی أو من ينوب عنه.
وذهب الحنفية :إلی أنه يدفعها إليه وليه ليصرفها بنفسه، لأنها عبادة فلا بد من النية فيها، ولكن يبعث معه أمينا كی لا يصرفها فی غير وجهها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۵۹، مادة "سفه")

زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، اوراس طرح کی جسمانی بیماری، اس پرزکاۃ فرض ہونے کے لئے مانع ورکاوٹ اورزکاۃ معاف ہونے کا سبب نہیں بنتی۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۷...... شرابی اورنشہ میں مبتلا شخص، جوہوش وحواس میں نہ ہو، اگر صاحبِ نصاب ہو، اور اِس میں زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، تواس پراپنے مال کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور وہ شراب پینے اورنشہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زکاۃ فرض ہونے سے بری نہیں ہوتا۔ [۲]

لیکن زکاۃ کا ادا کرنا کیونکہ عبادت ہے، جس کی ادائیگی صحیح ہونے کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، اس لئے اگرکوئی شخص نشہ میں مبتلا ہو، تو نشہ کی حالت میں اس کا زکاۃ ادا کرنا درست نہیں

---

[۱] زكـاة مـال الـمـريـض: لا خلاف بين الفقهاء فى أن المرض ليس مانعا من وجوب الزكاة، لأن الصحة ليست شرطا لوجوب الزكاة بصفة عامة.
واختـلـفـوا فـى وجـوبـه فى مال المجنون، والجنون أيضا مرض، بل من أصعب أمراض النفوس جنونها -كما ذكره ابن عابدين.
فـذهـب جمهور الفقهاء إلى أن الزكاة تجب فى مال المجنون، وذلک لوجود الشرائط الثلاثة فيه وهى :الحرية والإسلام وتمام الملک.
وروى ذلک عـن عـمـر وعـلـى وابـن عـمر وعائشة والحسن بن على وجابر رضى الله عنهم
وبـه قـال جـابر بن زيد وابن سيرين وعطاء ومجاهد وربيعة وإسحاق وأبو عبيد وأبو ثور وغيرهم من أهل العلم.
ويـخـرج الزكاة عن المجنون وليه فى ماله، لأن ذلک حق تدخله النيابة، فقام الولى فيه مقام المولى عليه كالنفقات والغرامات.
وذهـب الـحـنـفية إلـى أنه لا تجب الزكاة فى أموال المجنون ويجب العشر فى زروعه، وصـدقة الـفـطـر عـلـيـه، وبه قال الحسن وسعيد بن المسيب وسعيد بن جبير وأبو وائل والنخعى وغيرهم.
وفيـه قـول ثالث حكاه ابن قدامة عن ابن مسعود رضى الله عنه والثورى والأوزاعى وهو أنه :تـجب الزكاة ولا تخرج حتى يفيق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص۲۶۷، مادة "مرض")

[۲] وحـال السكران كحال ابن السبيل المنقطع عن ماله فإن الزكاة تجب فى ماله وإن كانت يده لا تصل إليه بخلاف من هلک ماله حقيقة أو حكماً بأن غصبه غاصب وجحده (شرح السير الكبير، ج۵ص۲۲۰، باب ما يصدق فيه الرجل)

ہوتا (ملاحظہ ہو ہماری دوسری کتاب ''شراب ونشہ کے نتائج واحکام'') ۱؎

اور نشہ کی وہ کیفیت کہ جس میں زکاۃ کی نیت کرنا درست نہیں ہوتا، یہ ہے کہ انسان کی عقل متأثر ہوجائے، اور انسان کی عقل میں اس طرح کا فتور پیدا ہوجائے، کہ اسے زبان سے کہی ہوئی بات کے اچھے اور بُرے ہونے کا علم وامتیاز نہ رہے۔ ۲؎

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

۱؎ البتہ حنفیہ کے نزدیک زکاۃ کی ادائیگی کے لئے جس طرح زکاۃ ادا کرتے وقت نیت کا ہونا معتبر وکافی ہوجاتا ہے، اسی طرح زکاۃ کا مال دوسرے مال سے الگ کرتے وقت نیت کرنا بھی کافی ہوجاتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ہوش وحواس کی حالت میں زکاۃ ادا کرنے کے لئے الگ کرکے کوئی مال رکھا ہوا تھا، اور پھر اس نے نشہ کی حالت میں یہ مال کسی زکاۃ کے مستحق کو دے دیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاۃ ادا ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

النية فى الزكاة:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النية شرط لصحة أداء الزكاة لحديث :إنما الأعمال بالنيات ... ولأنها عبادة من العبادات فوجبت فيها النية كسائر العبادات، ولأن إخراج المال لله يكون فرضا أو نفلا فافتقرت الزكاة إلى النية لتمييزها.

وحكى عن الأوزاعى أنه قال :لا تجب النية لأن الزكاة دين فلا تجب لها النية كسائر الديون، ولهذا يخرجها ولى اليتيم، وولى الصبى والسلطان ينوبان عند الحاجة .

وفى معنى النية اللازمة فى إجزاء الزكاة عن المزكى أو عن غيره، وفى مقارنة النية لإخراج الزكاة وتفريقها على المستحقين، أو لعزلها عن المال المزكى، أو لدفعها إلى السلطان أو أخذه لها وغير ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲ ص ۱۰۲، مادة " نية")

(وشرط) لأدائها وصيرورة المؤدى زكاة (النية) فى الزكاة لأنها عبادة (وقت الأداء) أى المستحق، لأن الأصل فى النية أن تقترن بالعبادة، (أو العزل) أى عزل المقدار الواجب من المال، لأن الزكاة عبادة، فلا تتأدى بلا إخلاص، قال الله تعالى :(وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين)، ولا إخلاص بلا نية، وقد صح حديث :إنما الأعمال بالنيات .والأصل اقتران النية بالأداء كما فى الصلاة إلا أن الدفع يتفرق ظاهرا، فاكتفى بوجود النية عند العزل تيسيرا على المؤدى، كجواز تقديمها فى الصوم للعجز عن اقترانها بأول الصبح(شرح النقاية، ج ۲ ص ۸۶، كتاب الزكاة)

۲؎ وقوله حتى تعلموا ما تقولون هذا أحسن ما يقال فى حد السكران إنه الذى لا يدرى ما يقول، فإن المخمور فيه تخليط فى القراءة وعدم تدبره وخشوعه فيها .وقد قال الإمام أحمد: حدثنا عبد الصمد، حدثنا أبى، حدثنا أيوب عن أبى قلابة، عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نعس أحدكم وهو يصلى فلينصرف فلينم حتى يعلم ما يقول انفرد بإخراجه البخارى دون مسلم، ورواه هو والنسائى من حديث أيوب به .وفى بعض ألفاظ الحديث فلعله يذهب يستغفر فيسب نفسه (تفسيرا بن كثير، ج ۲ ص ۲۷۳، سورة النساء، تحت رقم الآية ۴۳)

(فصل نمبر۵)

زکاۃ کا علم ہونا

(زکاۃ کی فرضیت کے علم سے متعلق احکام)

زکاۃ فرض ہونے کے لئے زکاۃ کی فرضیت کا علم ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کے احکام درجِ ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام زفر کے نزدیک زکاۃ فرض ہونے کے لئے زکاۃ کی فرضیت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ جب کسی شخص کے اندر زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، اوراس شخص کوزکاۃ فرض ہونے کا علم نہ ہو، تب بھی اس پر زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، اوراس کوزکاۃ کی فرضیت کا علم حاصل کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اورعلم حاصل کرنے کے بعد اس پر لاعلمی کے زمانہ کی زکاۃ ادا کرنا بھی واجب ہوتی ہے، خواہ وہ ایسا شخص ہو، جو کافروں کے ایسے ملک میں اسلام لایا ہو، جہاں زکاۃ کی فرضیت کا حکم نہیں پہنچا۔ [1]

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام محمد اورامام ابویوسف کے نزدیک زکاۃ فرض ہونے کے لئے زکاۃ کی فرضیت کا علم ہونا ضروری ہے، لیکن یہ علم حقیقت میں ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کا علم حاصل ہونے کی قدرت کا ہونا کافی ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [2]

---

[1] ذهب المالكية، والشافعية، والحنابلة، وابن المنذر، وزفر من الحنفية إلى أن العلم بكون الزكاة مفروضة ليس شرطا لوجوبها، فتجب الزكاة على الحربى إذا أسلم فى دار الحرب وله سوائم ومكث هناك سنين ولا علم له بالشريعة الإسلامية، ويخاطب بأدائها إذا خرج إلى دار الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۴، مادة "زكاة")

[2] وذهب أبو حنيفة وصاحباه إلى أن العلم بكون الزكاة فريضة شرط لوجوب الزكاة فلا تجب الزكاة على الحربى فى الصورة المذكورة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۴، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اُس پر زکاۃ فرض ہونے کی شرائط پائی جانے پر زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، اوراس کا مسلمانوں کے ملک میں ہونا زکاۃ کے فریضہ کے علم کی قدرت ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے اوراس کے لئے مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے زکاۃ کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر شمار نہیں ہوتا، کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں زکاۃ کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہوتا ہے، لہٰذا جس کو علم نہ ہو، اس کو معذور نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ اس کے لئے وہاں معلوم کرنے کے ذرائع موجود ہوتے ہیں۔[۱]
البتہ جو شخص دارُالحرب (یعنی غیر مسلموں وکافروں کے ملک) میں مسلمان ہوا، تو حنفیہ کے نزدیک اُس پر اُس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی، جب تک اُسے زکاۃ کی فرضیت کا علم نہ ہو۔[۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله والعلم به) أى وبالافتراض ح وإنما لم يذكره المصنف لأنه شرط لكل عبادة .وقد يقال :إنه ذكر الشروط العامة هنا كالإسلام والتكليف فينبغى ذكره أيضا بحر (قوله ولو حكما إلخ) فلو أسلم الحربى ثم مكث سنين وله سوائم ولا علم له بالشرائع لا تجب عليه زكاتها، فلا يخاطب بأدائها إذا خرج إلى دارنا خلافا لزفر بدائع(ردالمحتار، ج۲ص ۲۵۹، كتاب الزكاة)

[۱] (قوله :أو عالم بالوجوب) أى أو كائن فى غير دارنا عالم بالوجوب فالكون بدار الإسلام موجب للصوم، وإن لم يعلم بوجوبه إذ لا يعذر بالجهل فى دار الإسلام(رد المحتار ج۲ص ۳۷۱، كتاب الصوم)

(قوله أو دليله) أى دليل العلم وهو الكون فى دار الإسلام لاشتهار الفرائض فيها، فمن أسلم فيها لزمه قضاء ما ترك (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۷۵، كتاب الصلاة)

والعلم المذكور يثبت لمن فى دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية، أو لم يعلم ولا فرق فى ذلك بين أن يكون نشأ على الإسلام فيها، أو لا فيكون ذلك علما حكميا(البحرالرائق، ج۲، ص ۳۳۱، كتاب الحج)

والعلم المذكور يثبت لمن فى دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية أو لم يعلم، ولا فرق فى ذلك بين أن يكون نشأ على الإسلام أو لا فيكون علما حكميا(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الاول)

[۲] ومنها العلم بكونها فريضة عند أصحابنا الثلاثة ولسنا نعنى به حقيقة العلم بل السبب الموصل إليه وعند زفر ليس بشرط حتى أن الحربى لو أسلم فى دار الحرب ولم يهاجر إلينا ومكث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوردارُالحرب وہ ملک کہلاتا ہے، جوکافروں کے زیرِتسلط ہو، اوروہاں کفرکادوردورہ ہو۔ [1]
دارُالحرب میں چونکہ اسلامی ماحول نہیں ہوتا، اس لئے اگرکوئی دارُالحرب میں مسلمان ہوا، تو اس کو جب تک زکاۃ کے حکم کا علم نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اس وقت تک اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هناك سنين وله سوائم ولا علم له بالشرائع لا يجب عليه زكاتها حتى لا يخاطب بأدائها إذا خرج إلى دار الإسلام عندنا خلافا لزفر (بدائع الصنائع، ج۲، ص۴، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

الحربي إذا أسلم في دار الحرب وله سوائم، وقد علم بوجوب الزكاة عليه بسبب السوائم، ولم يؤدها سنتين حتى خرج إلى دار الإسلام بسوائمه، فإنه لا ينبغي للإمام أن يأخذ منه زكاة ما مضى، لأنه لم يكن في حماية الإمام حال وجوب الزكاة، ويجب عليه الأداء فيما بينه وبين الله تعالى، وإن لم يعلم بوجوب الزكاة لا يجب عليه الأداء فيما بينه وبين الله تعالى، وعلى هذا الصوم والصلاة (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲، ص۳۲۲، كتاب الزكاة، الفصل الرابع عشر)

[1] دار الحرب هي :كل بقعة تكون فيها أحكام الكفر ظاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰ص۲۰۱، مادة "دار")

[2] فالعلم بوجوبها حال الفوات شرط لوجوب قضائها، حتى أن الحربي إذا أسلم في دار الحرب ومكث فيها سنة ولم يعلم أن عليه الصلاة فلم يصل ثم علم -لا يجب عليه قضاؤها في قول أصحابنا الثلاثة وقال زفر :عليه قضاؤها.

ولو كان هذا ذميا أسلم في دار الإسلام فعليه قضاؤها استحسانا، والقياس أن لا قضاء عليه، وهو قول الحسن.

(وجه) قول زفر :أنه بالإسلام التزم أحكامه، ووجوب الصلاة من أحكام الإسلام فيلزمه، ولا يسقط بالجهل، كما لو كان هذا في دار الإسلام.

(ولنا) أن الذي أسلم في دار الحرب منع عنه العلم لانعدام سبب العلم في حقه، ولا وجوب على من منع عنه العلم كما لا وجوب على من منع عنه القدرة بمنع سببها، بخلاف الذي أسلم في دار الإسلام، لأنه ضيع العلم حيث لم يسأل المسلمين عن شرائع الدين مع تمكنه من السؤال، والوجوب متحقق في حق من ضيع العلم كما يتحقق في حق من ضيع القدرة، ولم يوجد التضييع ههنا إذ لا يوجد في الحرب من يسأله عن شرائع الإسلام، حتى لو وجد ولم يسأله يجب عليه، ويؤاخذ بالقضاء إذا علم بعد ذلك، لأنه ضيع العلم وما منع منه كالذي أسلم في دار الإسلام.

وقد خرج الجواب عما قاله زفر أنه التزم أحكام الإسلام، لأنا نقول :نعم لكن حكما له سبيل الوصول إليه ولم يوجد(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۱، ص۱۳۵، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جو شخص دارُالحرب میں اسلام لایا، اور اسے زکاۃ کی فرضیت کا علم نہیں تھا، پھر وہاں اس کو دو عام مَرد حضرات یا ایک عام مرد اور دو عام عورتوں نے زکاۃ کی فرضیت کی خبر دے دی، یا ایک عادل وثقہ (یعنی ذمہ دار ومعتبر) آدمی نے خبر دے دی، تب بھی حنفیہ کے نزدیک وہ زکاۃ کا مکلّف ہوجاتا ہے۔

بلکہ بعض حنفیہ کے نزدیک اگر ایک عام فرد بھی اس کو یہ خبر دے دے، چاہے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ ثقہ اور عادل وذمہ دار ودیانت دار شخص بھی ہے یا نہیں؟ اور خواہ وہ بالغ اور آزاد بھی نہ ہو، بلکہ غلام ہو، تب بھی وہ زکاۃ کا مکلّف ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحربی إذا أسلم فی دار الحرب، ولم یعلم بفرضیة رمضان ثم علم لیس علیه قضاء ما مضی (البحرالرائق، ج۲، ص۲۷۷، کتاب الصوم)

(ویعذر بالجهل حربی أسلم ثمة ومکث مدة فلا قضاء علیه) لأن الخطاب إنما یلزم بالعلم أو دلیله ولم یوجدا (کما لا یقضی مرتد ما فاته زمنها) ولا ما قبلها إلا الحج، لأنه بالردة یصیر کالکافر الأصلی (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲ ص۷۵، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت)

بخلاف من أسلم فی دار الحرب ولم یعلم به فإنه لا یجب علیه ما لم یعلم فإذا علم لیس علیه قضاء ما مضی إذ لا تکلیف بدون العلم ثمة للعذر بالجهل(رد المحتار ج۲ص ۳۷۱،کتاب الصوم)

[1] وقد ذکرنا المسألة فی کتاب الصلاة وهل تجب علیه إذا بلغه رجل واحد فی دار الحرب أو یحتاج فیه إلی العدد؟ وقد ذکرنا الاختلاف فیه فی کتاب الصلاة(بدائع الصنائع،ج۲،ص۴،کتاب الزکاة،فصل شرائط فرضیة الزکاة)

وإن علمه بذلک رجلان، أو رجل وامرأتان ممن هو عدل، ثم فرط فی ذلک کان علیه أن یقضی ما فرط منه من وقت إعلامه فی دار الحرب کان، أو فی دار الإسلام، وإن کان إنما أعلمه بذلک، رجل واحد، أو ناس من أهل الذمة لم یکن علیه أن یقضی شیئاً فیما مضی، وقال أبو یوسف :إذا لم یبلغه، وهو فی دار الحرب لم یقض، وإن کان فی دار الإسلام قضی، والله أعلم بالصواب (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی،ج۲،ص ۳۲۲،کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)

قال فی المنتقی :والعلم الذی به علیه الصلاة، والصوم أن یخبره بذلک رجلان عدلان، أو رجل وامرأتان فی دار الحرب، أو فی دار الإسلام.

وفی المنتقی :حربی أسلم فی دار الحرب، ومکث سنین لا یعلم أن علیه صلاة، أو زکاة أو صیاماً، وهو فی دار الحرب، فلیس علیه قضاء ما مضی (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲، ص۳۲۲، کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ آج کل دنیا کے مختلف اطراف سے فاصلے سمٹ جانے اور گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) ہوجانے کی وجہ سے اکثر دارُالحربوں اور غیراسلامی ملکوں میں سفرواسفاراور ذرائع ابلاغ کے واسطے سے زکاۃ کا حکم پہنچ چکا ہے، بلکہ وہاں مختلف شکلوں میں تبلیغ وتدریس کے سلسلے وحلقے بھی قائم ہیں، نیز ذرائع ابلاغ کے واسطے سے دیگر علاقے کے اہلِ علم سے شریعت کے حکم کا علم حاصل کرنا بھی اس دور میں ممکن اور سہل ہوگیا ہے۔

جبکہ حنفیہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک، دوثقہ وعادل (یعنی ذمہ دار ومعتبر) اور بعض حضرات کے نزدیک عام افراد کی طرف سے بھی زکاۃ کی فرضیت کی خبر پہنچنا مکلّف ہونے کے لئے کافی ہے۔

اس لئے اس طرح کے ممالک میں آج اگر کوئی غیرمسلم شخص اسلام لے آئے، تو وہ حنفیہ کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولمن فی دار الحرب بإخبار رجلين أو رجل وامرأتين، ولو مستورين أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحرية فيه (البحرالرائق، ج۲، ص ۳۳۱، کتاب الحج)

ولمن فی دار الحرب بإخبار رجلين أو رجل وامرأتين، ولو مستورين أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحرية فيه كذا فی البحر الرائق(الفتاوی الهندية، ج ۱ ص۲۱۸، کتاب المناسک، الباب الاول)

فإن بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعليه القضاء فيما يترک بعد ذلک فی قول أبی يوسف ومحمد، وهو إحدى الروايتين عن أبی حنيفة، وفی رواية الحسن عنه لا يلزمه ما لم يخبره رجلان أو رجل وامرأتان.

(وجه) هذه الرواية أن هذا خبر ملزم، ومن أصله اشتراط العدد فی الخبر الملزم، كما فی الحجر على المأذون، وعزل الوكيل، والإخبار بجناية العبد.

(وجه) الرواية الأخرى وهی الأصح أن كل واحد مأمور من صاحب الشرع بالتبليغ، قال النبی - صلى الله عليه وسلم :-ألا فليبلغ الشاهد الغائب وقال -صلى الله عليه وسلم :-نضر الله امرءا سمع منا مقالة فوعاها كما سمعها ثم أداها إلى من لم يسمعها ، فهذا المبلغ نظير الرسول من المولى والموكل، وخبر الرسول هناک ملزم فههنا كذلک والله أعلم(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج ۱، ص۱۳۵، کتاب الصلاة، فصل شرائط ارکان الصلاة)

(قوله بالعلم) فإذا بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعليه قضاء ما تركه بعده عندهما، وهو إحدى الروايتين عن الإمام وفی رواية الحسن عنه لا يلزمه حتى يخبره رجلان عدلان مسلمان أو رجل وامرأتان، وأما العدالة ففی المبسوط أنها شرط عندهما .وروى أبو جعفر فی غريب الرواية أنها غير شرط عندهما، حتى إذا أخبره رجل فاسق أو صبی أو امرأة أو عبد فإن الصلاة تلزمه تتارخانية(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۷۵، کتاب الصلاة)

نزدیک دیگر شرائط پائی جانے پر زکاۃ کا مکلّف ہوجائے گا۔

پھر مذکورہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک ہے، اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تو زکاۃ فرض ہونے کے لئے سِرے سے اس شرط کا پایا جانا ہی ضروری نہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزرا۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

مسئلہ نمبر۴...... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں اسلام لایا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ اسلام لاتے ہی زکاۃ فرض ہونے کی شرائط پائے جانے کے بعد زکاۃ کا مکلّف ہوجائے گا، اور اس کا زکاۃ کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہاں زکاۃ کی فرضیت کے علم کے حصول پر اس کو قدرت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] وزاد فی فتح القدیر العلم بالوجوب أو الکون فی دار الإسلام(البحرالرائق، ج۲، ص۲۷۷، کتاب الصوم)

ویعذر من أسلم فی دار الحرب بجهل الشرائع من الأحكام الواجبة : كإقامة الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، مدة جهله، خلافا للشافعي وأحمد وزفر .وأما فی دار الإسلام، فلا يعذر بجهله لأنها دار علم وإعلام وشيوع أحكام، فلا يعذر فی ترک تعلمه إجماعا (شرح النقاية، ص۴۳۲)

(فصل نمبر۶)

قدرت کا ہونا

(زکاۃ کی ادائیگی کی قدرت سے متعلق احکام)

زکاۃ فرض ہونے کے لئے زکاۃ ادا کرنے کی قدرت ہونے کا حکم درجِ ذیل ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... جس شخص میں زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، لیکن وہ زکاۃ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، مثلاً کوئی شخص سفر میں ہو، اور اس کے پاس مال موجود نہ ہو، یا اس کو زکاۃ کا مصرف میسر نہ آئے، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے، جس کی ادائیگی قادر ہونے کے بعد ضروری ہوتی ہے۔ [1]

جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زکاۃ اس وقت تک فرض نہیں ہوتی، جب تک ادائیگی پر قادر نہ ہو۔ [2]

---

[1] ثالثا -القدرة على أداء الزكاة:

ذهب مالك والشافعي إلى أن القدرة على الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة على الفور، وتتحقق هذه القدرة بحضور المال وحضور المستحقين أو حضور الإمام أو الساعي، لأن الزكاة عبادة، فيشترط لوجوبها إمكان أدائها، كالصلاة والصوم .

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن القدرة على الأداء ليست شرطا لوجوبها، لأن الزكاة عبادة مالية فيثبت وجوبها في الذمة مع عدم إمكان الأداء ، كثبوت الديون في ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۳۴۸، مادة "قدرة")

[2] من لم يتمكن من الأداء :

ذهب مالك والشافعي إلى أن التمكن من الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة، فلو حال الحول ثم تلف المال قبل أن يتمكن صاحبه من الأداء فلا زكاة عليه، حتى لقد قال مالك :إن المالك لو أتلف المال بعد الحول قبل إمكان الأداء فلا زكاة عليه إذا لم يقصد الفرار من الزكاة.

واحتج لهذا القول بأن الزكاة عبادة فيشترط لوجوبها إمكان أدائها كالصلاة والصوم.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن التمكن من الأداء ليس شرطا لوجوبها، لمفهوم قول النبي صلى الله عليه وسلم :لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول فمفهومه وجوبها عليه إذا حال الحول،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگرزکاۃ فرض ہونے کے بعدوہ مال تلف وضائع ہوگیا،جس کی وجہ سے وہ زکاۃ ادا کرنے پرقادرنہ رہا،توحنفیہ کےنزدیک اس کی زکاۃ معاف ہوجاتی ہے۔

اوردیگرفقہائے کرام کےنزدیک معاف نہیں ہوتی،جس کی تفصیل ''زکاۃ کی قضاء،معافی اور وصیت کےاحکام'' کےذیل میں آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأن الزكاة عبادة مالية، فيثبت وجوبها فى الذمة مع عدم إمكان الأداء ، كثبوت الديون فى ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۳۴،مادة ''زكاة'')

قال أصحابنا وليس المراد بإمكان الأداء مجرد إمكان الإخراج بل يشترط معه وجوب الإخراج بثلاثة شروط.

(أحدها) حضور المال عنده فإن غاب عنه لم يجب الإخراج من موضع آخر بالاتفاق وإن جوزنا نقل الزكاة.

(والثانى) أن يجد المصروف إليه وسيأتى فى قسم الصدقات أن الأموال باطنة وظاهرة فالباطنة يجوز صرف زكاتها بنفسه وبوكيله وبالسلطان والساعى فيكون واجدا للمصروف إليه سواء وجد أهل السهمين أو السلطان أو نائبه (وأما) الظاهرة فكذلك إن قلنا بالأصح أنه له تفريقها بنفسه وإلا فلا إمكان حتى يجد السلطان أو نائبه ولو وجد من يجوز الصرف إليه فأخر لطلب الأفضل بأن وجد السلطان أو نائبه فأخر ليفرق بنفسه حيث جعلناه أفضل أو أخر لانتظار قريب أو جار أو من هو أحوج ففى جواز التأخير وجهان مشهوران (أصحهما) جوازه فإن لم نجوز التأخير فأخر أثم وضمن وإن جوزناه فتلف المال فهل يضمن فيه وجهان مشهوران (أصحهما) يكون ضامنا لوجود التمكن (والثانى) لا لأنه مأذون له فى التأخير قال إمام الحرمين للوجهين شرطان.

(أحدهما) أن يظهر استحقاق الحاضرين فإن تشكك فى استحقاقهم فأخر ليتروى جاز بلا خلاف

(والثانى) أن لا يستفحل ضرر الحاضرين وفاقتهم فإن تضرروا بالجوع ونحوه لم يجز التأخير للقريب وشبهه بلا خلاف قال الرافعى فى هذا الشرط الثانى نظر لأن إشباعهم لا يتعين على هذا الشخص ولا من هذا المال ولا من مال الزكاة وهذا الذى قاله الرافعى باطل والصواب ما ذكره إمام الحرمين لأنه وإن لم يتعين هذا المال لهؤلاء المحتاجين فرفع ضرورتهم فرض كفاية فلا يجوز إهماله لانتظار فضيلة لو لم يعارضها شيئ.

(الشرط الثالث) لامكان الاداء مشتغلا بمهم من أمر دينه أو دنياه كصلاة وأكل ونحوهما ذكره البغوى وغيره والله أعلم (المجموع شرح المهذب، ج۵ ص ۳۳۳، ۳۳۴، كتاب الزكاة)

(فصل نمبر ۷)

مال کا نامی ہونا

(زکاۃ کونسے مالوں میں واجب ہے؟)

مسئلہ:......شریعت کی طرف سے ہر قسم کے مال میں زکاۃ واجب نہیں، بلکہ صرف ان مالوں میں زکاۃ واجب ہے، جو شرعی اعتبار سے مالِ نامی کے مفہوم میں شامل ہوں۔

اور اس زکاۃ کے واجب ہونے کے اعتبار سے شرعاً درج ذیل چار قسم کے مال نامی کہلاتے ہیں:

(۱)......سونا (۲)......چاندی

(۳)......تجارت کا مال (۴)......کرنسی

یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھ لی جائے کہ زکاۃ صرف مذکورہ چار قسم کے مالوں میں ہی واجب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ کسی اور قسم کے مال میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنا ہی قیمتی ہو اور اپنے استعمال اور ضروریات کا ہو یا اپنی ضروریات سے فارغ ہو۔

البتہ مخصوص چوپائے ومویشی جن کو سائمہ جانور کہا جاتا ہے، وہ بھی شرعاً مالِ نامی کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں، مگر ان کی زکاۃ کے احکام جُدا ہیں، اس لئے اُن جانوروں کے احکام اس کتاب میں آگے الگ حصہ میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔ [1]

---

[1] الشرط الثالث: النماء:

ووجه اشتراطه على ما قال ابن الهمام، أن المقصود من شرعية الزكاة بالإضافة إلى الابتلاء مواساة الفقراء على وجه لا يصير به المزكى فقيرا، بأن يعطى من فضل ماله قليلا من كثير، والإيجاب فى المال الذى لا نماء له يؤدى إلى خلاف ذلك مع تكرر السنين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آگے سونے، چاندی، تجارت کے مال اور کرنسی پر زکاۃ واجب ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے ان کے الگ الگ تفصیلی احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

سونے، چاندی اور ان کے زیورات کی زکاۃ کے احکام

سونے اور چاندی پر شرعاً زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ سونا یا چاندی نصاب کے بقدر ہو، اور زکاۃ واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں۔

البتہ بعض صورتوں میں سونے، چاندی کے زیورات کی زکاۃ واجب ہونے نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱......سونے یا چاندی کی زکاۃ اُس وقت بھی واجب ہوتی ہے، جبکہ اُس کو تجارت کی نیت سے رکھا ہو، اور اس وقت بھی واجب ہوتی ہے، جبکہ تجارت کی نیت سے نہ رکھا ہو، بلکہ ویسے ہی رکھا ہوا ہو، بشرطیکہ وہ نصاب کے بقدر ہو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قالوا :والنماء متحقق فی السوائم بالدر والنسل، وفی الأموال المعدة للتجارة، والأرض الزراعية العشرية، وسائر الأموال التی تجب فیها الزکاة، ولا یشترط تحقق النماء بالفعل بل تکفی القدرة علی الاستنماء بکون المال فی یده أو ید نائبه.

وبهذا الشرط خرجت الثیاب التی لا تراد لتجارة سواء کان صاحبها محتاجا إلیها أو لا، وأثاث المنزل، والحوانیت، والعقارات، والکتب لأهلها أو غیر أهلها، وخرجت الأنعام التی لم تعد للدر والنسل، بل کانت معدة للحرث، أو الرکوب، أو اللحم . والذهب والفضة لا یشترط فیهما النماء بالفعل، لأنهما للنماء خلقة، فتجب الزکاة فیهما، نوی التجارة أو لم ینو أصلا، أو نوی النفقة.

قالوا :وفقد النماء سبب آخر فی عدم وجوب الزکاة فی أموال الضمار بأنواعها المتقدمة، لأنه لا نماء إلا بالقدرة علی التصرف، ومال الضمار لا قدرة علیه.

وهذا الشرط یصرح به الحنفیة، ویراعیه غیرهم فی تعلیلاتهم دون تصریح به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۴۱،مادة "زکاة")

[1] زکاة الذهب والفضة :زکاة الذهب والفضة واجبة من حیث الجملة بإجماع الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۲،مادة "زکاة")

[2] یزکی المقتنی من الذهب والفضة مضروبها وتبرها وحلیها وآنیتها، نوی التجارة أو لم ینو، إذا بلغ ذلک نصابا .وهذا عند الحنفیة، ووافقهم علی ذلک المالکیة والشافعیة والحنابلة فی الجملة، إلا فی حلی النساء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶،ص ۴۴،مادة "اقتیات")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲......سونے، چاندی کے جو زیورات تجارت کے لئے ہوں، یعنی ان کو فروخت کرنا مقصود ہو، تو زکاۃ واجب ہونے کی دیگر شرائط پائے جانے پر ان زیورات کی زکاۃ بھی واجب ہوتی ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳......سونے، چاندی کے جو زیورات استعمالی نہ ہوں، بلکہ ویسے ہی رکھے ہوئے ہوں، تو تمام فقہائے کرام کے نزدیک ان کی زکاۃ بھی واجب ہوتی ہے، کیونکہ اس طرح کے زیورات ضرورت وحاجت میں مشغول نہیں کہلاتے۔

اور جو زیورات ناجائز طریقہ پر استعمال میں آرہے ہوں، مثلاً سونے، چاندی کے زیور کو مرد استعمال کررہا ہو (جیسا کہ بعض مرد حضرات، سونے، چاندی کی انگوٹھیاں اور گلے کے ہار، چین وغیرہ پہنتے ہیں) تو ان زیورات کی بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے، مگر چونکہ مرد کو سونے، چاندی کے زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں، اس لئے زیورات کا یہ استعمال شرعاً غیر ضروری بلکہ گناہ ہے۔ ۲؎

اور اسی طرح سونے، چاندی کے جو استعمالی برتن ہوں، ان کی بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے، کیونکہ سونے، چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا عورت یا مرد کسی کے لئے بھی جائز نہیں، اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اتفق الفقهاء على وجوب الزكاة فى النقود سواء أكانت سبائک أم مضروبة أم آنية، أم كانت حلياً عند الحنفية، للأدلة السابقة من الكتاب والسنة والإجماع فى وجوب الزكاة مطلقاً(الفقه الاسلامى وادلتۂ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۱۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

كما اتفقوا على وجوبها فى الحلى المكنوز المقتنى الذى لم يقصد به مقتنيه استعمالا محرما ولا مكروها ولا مباحا، لأنه مرصد للنماء فصار كغير المصوغ، ولا يخرج عن التنمية إلا بالصياغة المباحة ونية اللبس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص۱۱۵ ،مادة ”حلى“)

۱؎ جمهور الفقهاء على أن المفتى به هو وجوب الزكاة فى عروض التجارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۶۸ ،مادة ”زكاة“)

۲؎ زكاة الحلى :اتفق الفقهاء على وجوب الزكاة فى الحلى المستعمل استعمالا محرما، كأن يتخذ الرجل حلى الذهب للاستعمال، لأنه عدل به عن أصله بفعل غير مباح فسقط حكم فعله وهو صياغته صياغة محرمة، وبقى على حكم الأصل من وجوب الزكاة فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص۱۱۵ ،مادة ”حلى“)

لئے سونے، چاندی کا یہ استعمال شرعاً غیر ضروری وگناہ ہے۔ [1]

اور جو زیورات جائز طریقہ پر استعمال میں آرہے ہوں، مثلاً کسی عورت کے استعمالی زیورات ہوں، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے زیورات کی زکاۃ بھی واجب ہے، کیونکہ زیورات کا اس طرح کا استعمال ضرورت وحاجت میں نہیں آتا، بلکہ زینت میں آتا ہے۔

اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق ایسے زیورات کی زکاۃ واجب نہیں کہ جو جائز طریقہ پر کسی عورت کے زیرِ استعمال ہوں، کیونکہ ان کے نزدیک زیورات کا یہ استعمال لباس کی طرح جائز استعمال اور حاجت میں داخل ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] آنية الذهب والفضة إذا بلغ كل منهما النصاب وحال الحول عليه وجبت فيه الزكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۲۴، مادة "آنية")

فصل :وإذا اتخذت المرأة حليا ليس لها اتخاذه، كما إذا اتخذت حلية الرجال كحلية السيف والمنطقة، فهو محرم، وعليها الزكاة، كما لو اتخذ الرجل حلى المرأة(المغنى لابنِ قدامة، ج ۳ص ۴۴، كتاب الزكاة،فصل إذا اتخذت المرأة حليا ليس لها اتخاذه)

[2] واختلفوا فى الحلى المستعمل استعمالا مباحا كحلى الذهب للمرأة وخاتم الفضة للرجل. فذهب المالكية والحنابلة والشافعى فى القديم وأحد القولين فى الجديد وهو المفتى به فى المذهب إلى عدم وجوب الزكاة فى الحلى المباح المستعمل.

وروى هذا القول عن ابن عمر وجابر وعائشة وابن عباس وأنس بن مالك وأسماء -رضى الله عنهم -والقاسم والشعبى وقتادة ومحمد بن على وعمرة وأبى عبيد وإسحاق وأبى ثور.

واستدلوا بما ورد من آثار عن عائشة وابن عمر وأسماء وجابر رضى الله عنهم، فقد روى عن عائشة رضى الله عنها أنها كانت تلى بنات أخيها فى حجرها لهن الحلى فلا تخرج منه الزكاة.

وروى عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كان يحلى بناته وجواريه الذهب ثم لا يخرج من حليهن الزكاة .وروى عن أسماء بنت أبى بكر رضى الله عنهما أنها كانت تحلى ثيابها الذهب، ولا تزكيه نحوا من خمسين ألفا.

وروى أن رجلا سأل جابرا رضى الله عنه عن الحلى أفيه زكاة؟ فقال جابر لا، فقال :وإن كان يبلغ ألف دينار فقال جابر كثير.

والمأثور عن عائشة رضى الله عنها يخالف ما روته عن الرسول صلى الله عليه وسلم فيحمل على أنها لم تخالفه إلا فيما علمته منسوخا، فإنها زوجه وأعلم الناس به، وكذلك ابن عمر فإن أخته حفصة كانت زوج النبى صلى الله عليه وسلم وحكم حليها لا يخفى عليه ولا يخفى عنها حكمه فيه.

كما استدلوا بقياس الحلى المباح على ثياب البدن والأثاث وعوامل البقر فى أنها مرصدة فى استعمال مباح فسقط وجوب الزكاة فيها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ اگر زیورات کو کسی نے دوسروں کو عاریتاً (یعنی بغیر معاوضہ کے استعمال کے طور پر) دینے یا (معاوضہ کے ساتھ) کرایہ پر چلانے (نہ کہ فروخت کرنے) کے لئے رکھا ہوا ہے، تو ان حضرات کے نزدیک اس طرح کے زیورات کی بھی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وذهب الحنفية والشافعي في القول الآخر في الجديد إلى وجوب الزكاة في الحلي المباح المستعمل، وهو مروى عن عمر بن الخطاب وابن عمر، وابن عباس، وعبد الله بن عمرو بن العاص، وأبي موسى الأشعرى، وسعيد بن جبير وعطاء، وطاوس، وابن مهران ومجاهد، وجابر بن زيد، وعمر بن عبد العزيز، والزهرى، وابن حبيب.

واستدلوا بحديث عبد الله بن عمرو أن امرأة أتت النبي صلى الله عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال لها :أتعطين زكاة هذا؟ قالت :لا .قال :أيسرك أن يسورك الله بهما سوارين من نار؟ قال :فخلعتهما فألقتهما إلى النبي صلى الله عليه وسلم وقالت: هما لله ورسوله.

كما استدلوا بحديث عائشة رضي الله عنها قالت دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأى في يدى فتخات من ورق، فقال :ما هذا يا عائشة، فقلت :صنعتهن أتزين لك يا رسول الله .قال: أتؤتين زكاتهن؟ قلت :لا، أو ما شاء الله قال :هذا حسبك من النار.

والحلي مال نام ودليل النماء الإعداد للتجارة خلقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص۱۱۵، مادة "حلي")

والمذهب لا تجب كما ذكرنا هذا إذا كان معدا لاستعمال مباح كما سبق(المجموع شرح المهذب، ج٦ ص٣٦، كتاب الزكاة)

وقال الشافعي :لا تجب في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال لأنه مبتذل في مباح فشابه ثياب البذلة(الهداية شرح بداية المبتدى، ج۱ ص۱۰۳، كتاب الزكاة، فصل في الذهب)

(وقال الشافعي :لا تجب الزكاة في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال) ش :وبه قال مالك وأحمد وفي رواية إسحاق، وقد كان الشافعي يقول هذا في العراق وتوقف بمصر، وقال :هذا مما أستخير الله فيه، وقال الليث :ما كان من حلي يلبس ويعار فلا زكاة فيه، وإن اتخذ للتحرز عن الزكاة ففيه الزكاة.

وقال أنس -رضي الله عنه :-يزكى عاما واحدا لا غير .وقال الحسن البصرى، وعبد الله بن عتبة، وقتادة، وأحمد مرة :زكاته عاريته، ويروى ذلك عن ابن عمر وجابر إذا زكاه مرة ذكره النسائي م: (لأنه) ش :أى لأن الحلي م :(مبتذل في مباح) ش :وهو الحلي الذى يباح استعماله، وكل ما كان كذلك فلا زكاة فيه م :(فشابه) ش :أى الحلي يباح استعماله ثيابه م :(ثياب البذلة) ش :وهي ثياب المهنة(البناية شرح الهداية، ج۳ص۳۷۷، كتاب الزكاة، فصل في الذهب)

۱؎ الحلي من الذهب والفضة الذى يعده مالكه لاستعماله في التحلي استعمالا مباحا .قال المالكية :ولو لإعارة أو إجارة، فلا يكون فيه زكاة عند الجمهور ومنهم الشافعية على المذهب، لأنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی نے سونا چاندی (خواہ زیور کی شکل میں یا خالص شکل میں) مہینہ یا سال بھر کے نفقہ اور بنیادی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہو، تو اکثر فقہائے کرام اور حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق ان کی زکاۃ واجب ہوگی۔ [1]

اور حنفیہ میں سے ابنِ ملک کے قول کے مطابق اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، جیسا کہ آگے "مال کے حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونا" کے بیان میں آتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من باب المقتنى للاستعمال كالملابس الخاصة، وكالبقر العوامل.

وذهب الحنفية وهو قول مقابل للأظهر عند الشافعية :إلى وجوب الزكاة في الحلي، كغيرها من أنواع الذهب والفضة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۳ ،مادة "زكاة ")

وهو قول الشافعي أيضا إلا في حلي النساء إذا كان معدا للبس مباح أو للعارية للثواب فله فيه قولان: في قول لا شيء فيه (بدائع الصنائع ج۲ص۱۷ ،كتاب الزكاة ،فصل في صفة النصاب في الفضة)

ولو اتخذ حليا وقصد كنزه فقط فالمذهب الذي قطع به الجمهور وجوب الزكاة فيه وإن قصد إجارته لمن له استعماله فلا زكاة فيه على الأصح (كفاية الأخيار في حل غاية الإختصار،لتقي الدين الشافعي، ج۱ ص ۱۸۱ ،كتاب الزكاة، باب أنصبة ما يجب فيه الزكاة)

فاتخذ حليا مباحا في عينه، لم يقصد به استعمالا ولا كنزا، أو اتخذه ليؤجره ممن له استعماله، فلا زكاة على الأصح .كما لو اتخذه ليعيره .ولا اعتبار بالأجرة، كأجرة الماشية العوامل(روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووي، ج۲ص ۲۶۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

[1] وقد جعل ابن ملك من هذا النوع أن يكون لديه نصاب دراهم أمسكها بنية صرفها إلى الحاجة الأصلية فلا زكاة فيها إذا حال عليها الحول عنده، لكن اعترضه ابن نجيم في البحر الرائق، بأن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، ونقله عن المعراج والبدائع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص ۲۴۲، مادة "زكاة ")

بخلاف النقدين فإنه تجب زكاتهما في كل حول مضى عليهما سواء أعدا للتجارة بهما أم للنفقة لما علمت أنهما صالحان للنماء فهما ناميان بالقوة أو الفعل(الفتاوى الفقهية الكبرى،لأحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، ج۲،ص ۱۴۱،كتاب الزكاة)

(والآنية، وما أعد للكراء أو النفقة ففيه الزكاة) تجب الزكاة في الحلي المحرم، والآنية المحرمة، بلا خلاف أعلمه، وكذا ما أعد للنفقة .أو ما أعد للفقراء ، أو القنية أو الادخار، وحلي الصيارف، فالصحيح من المذهب :وجوب الزكاة فيه .وعليه أكثر الأصحاب(الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف،لعلاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الحنبلي، ج۳،ص ۱۳۹ ،كتاب الزكاة)

[2] فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج، صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق صرفه إلى العطش كان كالمعدومة، وجاز عنده التيمم ونازع بعض الحنفية ابن مالك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... اگر سونے یا چاندی کے زیورات کو توڑ دیا جائے، تو حنفیہ کے نزدیک تب بھی اس سونے، چاندی کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [1]

پس حنفیہ کے نزدیک سونا، چاندی جس شکل میں بھی ہو، اور جس غرض سے بھی ہو، تو نصاب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بناء علی ما فی بعض الکتب :أن الزکاۃ تجب فی النقد ولو أعد للنفقة ولکن ما ذهب إلیه ابن مالک هو الموافق لظاهر عبارات المتون فی المذهب ولذا اختاره بعض علماء المذهب وقال :إنه الحق کما ورد فی رد المحتار(۸/۲) وهو المختار عندی لقوته من جهة النظر، وموافقته للأدلة التی ذکرناها فی شرط "الفضل عن الحوائج الأصلیة "فی الفصل الأول من هذا الباب(فقه الزکاة،للقرضاوی،ج۱،ص۲۴۳،شروط وجوب الزکاة فی النقود،الفضل عن الحاجة الأصلیة)

[1] اور جو حضرات جائز استعمال میں آنے والے زیورات میں زکاۃ واجب ہونے کے قائل نہیں، ان کے نزدیک اس کی مختلف صورتیں بنتی ہیں، ایک یہ کہ ٹوٹنے کے بعد ان زیورات کا استعمال اور پہننا ممکن ہو، تو اس صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی، اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس کے پہننے کی نیت ختم نہ ہوئی ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان زیورات کے ٹوٹنے کے بعد ان کا استعمال ممکن نہ رہے، تو اس صورت میں مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زکاۃ واجب ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے، جس کے مختلف احوال ہیں۔

مگر حنفیہ کے نزدیک سونے، چاندی کے زیورات کے استعمالی اور غیر استعمالی ہونے کے اعتبار سے زکاۃ واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اس لئے ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک حکم برابر ہے، اور وہ حکم زکاۃ واجب ہونے کا ہے۔

حکم انکسار الحلی:

فصل القائلون بعدم وجوب الزکاة فی الحلی ما إذا انکسر الحلی، فله حینئذ أحوال:

الأول :أن لا یمنع الانکسار استعماله ولبسه فلا أثر للانکسار ولا زکاة فیه .وهو مذهب الشافعیة والحنابلة .وقیده الحنابلة بأن لا ینوی ترک لبسه.

الثانی :أن یمنع الانکسار استعماله فیحتاج إلی سبک وصوغ.

فتجب زکاته، وأول الحول وقت الانکسار، وهو مذهب المالکیة والشافعیة.

الثالث :أن یمنع الانکسار الاستعمال ولکن لا یحتاج إلی سبک وصوغ ویقبل الإصلاح بالإلحام وهذا علی أحوال:

أ -إن قصد جعله تبرا أو دراهم، أو کنزه وجبت زکاته وانعقد حوله من یوم الانکسار .وهو مذهب المالکیة والشافعیة.

ب -أن یقصد إصلاحه فلا زکاة فیه وهو مذهب المالکیة والشافعیة والحنابلة.

ج -إن لم یقصد شیئا وجبت زکاته عند الشافعیة ولا تجب عند المالکیة .والمذهب عند الحنابلة أن الانکسار إذا منع الاستعمال مطلقا فلا زکاة فی الحلی (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۸، ص۱۱۵، مادة "حلی")

کے بقدر ہونے کی صورت میں اس کی زکاۃ واجب ہے۔

چنانچہ ڈَلی وغیرہ کی شکل میں خالص سونا یا چاندی ہو یا درہم و دینار کی شکل میں ہو، یا ان کا زیور بنا ہوا ہو، یا ان کے برتن وغیرہ ہوں، یا کسی اور شکل میں ہو، حنفیہ کے نزدیک ان سب کی زکاۃ واجب ہے۔

اور اسی طرح یہ سونا یا چاندی کسی غرض وضرورت (مثلاً پہننے اور کاروبار، گھر کے اخراجات، گھر کی تعمیر یا شادی کی ضرورت وغیرہ) کے لئے رکھا ہوا ہو، تو اکثر حضرات کے نزدیک اس کی زکاۃ بھی واجب ہوتی ہے، جیسا کہ گزرا۔ [۱]

---

[۱] امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر نصاب نقود میں سے ہے اُس میں زکاۃ مطلقاً واجب ہے، اور اگر دواب میں سے ہے اور سائمہ ہے تب بھی زکاۃ لازم ہے۔ اور اگر غیر نقود وسوائم ہو تو نیتِ تجارت سے زکاۃ واجب ہے ورنہ نہیں...... البتہ اگر زرِ کرایہ یا منافع نقود میں سے ہو اور اس پر سال بھر بھی گزر جاوے اُس میں زکاۃ واجب ہے، لما مر من وجوب الزکاۃ فی النقدین مطلقاً، واللہ اعلم (امدادالفتاویٰ ج۲ ص۲۴)

ويدل عليه من جهة النظر أن الذهب والفضة يتعلق وجوب الزكاة فيهما بأعيانهما فی ملک من كان من أهل الزكاة لا بمعنى ينضم إليهما ......فوجب أن لا يختلف حكم المصوغ والمضروب ......فإن قيل الحلی كالنقر العوامل وثياب البذلة قيل له قد بينا أن ما عداهما يتعلق وجوب الزكاة فيهما بأن يكون مرصدا للنماء فما لم يوجد هذا المعنى لم تجب والذهب والفضة لأعيانهما بدلالة الدراهم والدنانير والنقر والسبائک إذا أراد بهما القنية والتبقية لا طلب النماء وأيضا لما لم يكن للصنعة تأثير فيهما ولم يغير حكمهما فی حال وجب أن لا يختلف الحكم بوجود الصنعة وعدمها(أحكام القرآن للجصاص ، ج۴ص ۳۰۴،سورة التوبة ،رقم الآية ۳۵)

اماصفة هذاالنصاب فنقول لايعتبرفی هذالنصاب صفة زائدة على كونه فضة فتجب الزكاة فيها،سواء كانت دراهم مضروبة اونقرة اوتبرااوحليامصوغااوحلية سيف اومنطقة اولجام اوسرج اوالكواكب فی المصاحف والاوانی وغيرها اذاكانت تخلص عندالاذابة اذابلغت مائتی درهم وسواء كان يمسكهاللتجارة اوللنفقة اوللتجمل اولم ينوشيئاوهذاعندنا(بدائع الصنائع ج۲ص۱۷ ،كتاب الزكاة ،فصل فی صفة النصاب فی الفضة)

فعلى أي وجه أمسكهما المالک للنفقة أو لغير النفقة تجب عليه الزكاة،ولو كان للابتذال فيهما عبرة لم يفترق الحال ،بين أن يكون محظوراً أو مباحاً كما في السوائم اذا جعلها حمولة،ثم الابتذال ها هنا لمقصود الحمل زائد لايتعلق به حياة النفس أو المال ،فلا تنعدم به صفة التنمية الثابتة لهذين الجوهرين باعتبارالأصل (المبسوط للسرخسی ج۲ص ۱۹۲ ، كتاب الزكاة،باب زكاة المال)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر سونا اور چاندی اپنی شکل میں خالص ہوں، ان کو تو سونے وچاندی کا حکم حاصل ہے ہی، لیکن اگر سونے میں یا چاندی میں، سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور چیز (مثلاً تانبہ وغیرہ) کی شکل میں میل اور کھوٹ ملا کر اس طرح شامل کر دیا گیا ہو، کہ وہ کھوٹ سونے یا چاندی کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہو، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس طرح کی اشیاء میں خالص سونے یا چاندی کی مقدار کے اعتبار سے زکاۃ کا حکم واجب ہوا کرتا ہے، اور اس میں کھوٹ کی مقدار کو شامل نہیں کیا جاتا، یعنی اس میں جتنی مقدار میں خالص سونا یا چاندی موجود ہو، صرف اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور آج کل مختلف ذرائع یا قرائن سے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس سونے یا چاندی کی چیز میں کتنی مقدار میل یا کھوٹ کی ملاوٹ ہے، بلکہ زیور تیار کرنے والے صراف بھی بعض اوقات اس کا اظہار کر دیتے ہیں، اور بتلا دیتے ہیں کہ اس زیور میں سونے یا چاندی کی خالص مقدار کتنی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأما وجوب الزكاة في الذهب والفضة باعتبار عينها والعين لا تتبدل بالصنعة، ولا بالاستعمال (المبسوط للسرخسي ج۳ص۳۷، كتاب نوادر الزكاة)

(ويجب في تبرهما) بالكسر وهو ما يكون غير مضروب من الفضة والذهب وقد يطلق على غيرهما من المعدنيات كالنحاس والحديد إلا أنه بالذهب أكثر اختصاصا وقيل فيه حقيقة وفي غيره مجاز (وحليهما) سواء كان للنساء أو لا أو قدر الحاجة أو فوقها أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئا.

وقال مالك :المباح الاستعمال لا زكاة فيه وهو أظهر القولين عن الشافعي، لأنه مبتذل ومباح فشابه ثياب البذلة ولنا أن السبب كونهما مال نام والنماء موجود وهو الإعداد للتجارة خلقة، والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب وحلي المرأة معروف جمعه حلي بالضم والكسر ولا يدخل الجواهر واللؤلؤ وبخلافه في بحث الإيمان (وآنيتهما) جمع إناء (مجمع الانهر ج۲ ص ۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الزكاة ،نصاب الفضة)

[۱] اور اگر سونے یا چاندی کی خالص مقدار کا پتہ نہ چلے، تو غالب گمان کے مطابق احتیاط پر عمل کیا جائے گا۔

المغشوش من الذهب أو الفضة، وهو المسبوك مع غيره.

ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا زكاة فيه حتى يبلغ خالصه نصابا، لما في الحديث المتقدم ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة .

فإذا بلغه أخرج الواجب خالصا أو أخرج من المغشوش ما يعلم اشتماله على خالص بقدر الواجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کے نزدیک اگر وہ اشیاء اس طرح کی ہوں کہ عرف ورواج میں ان کے ساتھ خالص سونے، چاندی کی اشیاء جیسا برتاؤ کیا جاتا ہو، تو ان اشیاء میں زکاۃ واجب ہوگی، جبکہ ان اشیاء کا مجموعی وزن نصاب کے برابر ہوجائے۔

اور اگر عرف ورواج میں ان اشیاء کے ساتھ خالص سونے، چاندی کی اشیاء جیسا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو، تو پھر ان اشیاء میں موجود خالص سونے یا چاندی کی مقدار کے اعتبار سے زکاۃ کا حکم ہوگا، اور کھوٹ اور مَیل کو حساب میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مع مراعاة درجة الجودة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۴ ،مادة "زكاة")

وقال الشافعية والحنابلة :لاشيء في المغشوش حتى يبلغ خالصه نصاباً كاملاً، فمن ملك ذهباً أو فضة مغشوشة أو مختلطاً بغيره، فلا زكاة فيه حتى يبلغ قدر الذهب والفضة نصاباً، لقوله عليه السلام :ليس فيما دون خمس أواق من الورِق صدقة.

فإن لم يعلم قدر ما فيه منهما، وشك هل بلغ نصاباً أو لا، عمل بالأظهر بحيث يتيقن أن ما أخرجه من الذهب محيط بقدر الزكاة، أو بسبكهما (أي التمييز بينهما بالنار) ليعلم ما فيه منهما، ويخرج الزكاة ليسقط الفرض بيقين.

ولو اختلط إناء من الذهب والفضة، بأن أذيبا وصيغ منهما الإناء ، كأن كان وزنه ألف درهم، أحدهما ست مئة والآخر أربع مئة، وجهل أكثرهما، زكى كلاً منهما بفرضه، الأكثر ذهباً أو فضة، احتياطاً .ولا يجوز افتراض كله ذهباً، لأن أحد الجنسين لا يجزء عن الآخر، وإن كان أعلى منه، أو ميِّز بينهما بالنار، ويحصل ذلك بسبك قدر يسير إذا تساوت أجزاؤه(الفقه الاسلامی وادلتۂ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۲۵ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

[1] وقال المالكية :إن كانت الدراهم والدنانير المغشوشة رائجة كرواج غير المغشوشة فإنها تعامل مثل الكاملة سواء ، فتكون فيها الزكاة إن بلغ وزنها بما فيها من الغش نصابا، أما إن كانت غير رائجة فالعبرة بما فيها من الذهب أو الفضة الخالصين على تقدير التصفية، فإن بلغ نصابا زكى وإلا فلا .وهذا الذى تقدم فيما كان الغش فيه نحاسا أو غيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۶۴،۲۶۵ ،مادة "زكاة")

وقال المالكية :المعتبر هو الرواج، فتجب الزكاة فى الكاملة الوزن، والمغشوشة (المخلوطة بنحو نحاس)، وناقصة الوزن إن راجت كل منهما رواجاً كرواج الكاملة الوزن، فإن لم ترج حُسب الخالص على تقدير التصفية فى المغشوشة، واعتبر الكمال فى الناقصة بزيادة دينار أو أكثر، فمتى كملت زكيت وإلا فلا .وعلى هذا فإن كانت الدراهم أو الدنانير مخلوطة بالنحاس أو غيره، أسقط وزكى عن الصافى(الفقه الاسلامی وادلتۂ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۲۴،۱۸۲۵ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

اورحنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سونے یا چاندی کی مقدار، کھوٹ کی مقدار سے زیادہ ہو،تو ایسی صورت میں اس مجموعہ کوسونے یا چاندی کا حکم حاصل ہوگا۔

اور اگر اُس کھوٹ یا مَیل کی مقدار، سونے یا چاندی سے زیادہ ہو،تو پھر اس مجموعہ کوسونے چاندی کا حکم حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس دوسری چیز کا ہی حکم حاصل ہوگا۔ [1]

اور اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کسی اور چیز یا کھوٹ کواس طرح شامل کیا گیا کہ وہ چیز سونے یا چاندی کے ساتھ مخلوط نہ ہوئی ہو، جیسا کہ الگ سے جڑاؤ، نگینے، موتی، ڈوری وغیرہ،تو حنفیہ کے نزدیک جتنی مقدار سونے یا چاندی کی ہے،صرف اتنی مقدار کا اعتبار کرتے ہوئے زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] ملحوظ رہے کہ کتبِ حنفیہ میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا ہوا ہے،لیکن بندہ کے ناقص ذہن میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ مخلوط ہونے کی صورت میں خالص سونے یا چاندی کی اصل مقدار کا معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے،اس لئے تیسیر کے لئے غالب کا اعتبار کیا گیا،لیکن آج کل مختلف ذرائع وقرائن سے سونے یا چاندی کی خالص مقدار کا پتہ چلانا دشوار وناممکن نہیں،صرافوں کے ذریعہ اس کا پتہ چلایا جاسکتا ہے،اور آج کل صراف زیور تیار کرتے وقت بھی خالص مقدار کو بتلا دیتے ہیں،اور وہ اسی حساب سے زیور کوخریدتے وقت واپس لیتے ہیں،اس لئے جب مخلوط کا پتہ چلانا ممکن ہو،تو حنفیہ کے نزدیک بھی شافعیہ وغیرہ کی طرح حکم ہونا چاہئے،جیسا کہ غیرمخلوط میں بھی یہی حکم ہے،اور وہ صورت آگے بیان ہوئی ہے،اور آج کل زکاۃ دیتے وقت قیمتِ فروخت کے اعتبار سے عوام کا تعامل اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے،جیسا کہ آگے مالِ تجارت میں آتا ہے۔

وقال الحنفية :إذا كان الغالب على الورق المضروب الفضة فهو فى حكم الفضة، فتجب فيه الزكاة كأنه كله فضة، ولا تزكى زكاة العروض، ولو كان قد أعدها للتجارة، قالوا :لأن الدراهم لا تخلو من قليل الغش، لأنها لا تنطبع إلا به، والغلبة أن تزيد الفضة على النصف .أما إن كان الغش غالبا فلا يكون لها حكم الفضة بل حكم العروض، فلا زكاة فيها إلا إن نواها للتجارة، وبلغت نصابا بالقيمة، فإن لم ينوها للتجارة فإن كانت بحيث يخلص منها فضة تبلغ نصابا وجبت زكاتها، وإلا فلا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۴، ۲۶۵،مادة "زكاة")

[2] امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

"ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں۔اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا،ذہب وفضہ کی مقدار میں ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے،اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے۔مثلاً بیع صَرف وزکاۃ،صرف مقدارِ ذہب وفضہ میں معتبر ہوگی،مجموعہ میں نہ ہوگی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ اگر کوئی زیور سونے یا چاندی کے علاوہ کسی اور دھات وغیرہ سے تیار شدہ ہو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں، اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو، اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے۔ یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب وفضہ کہا جائے گا، اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے، اس میں جس قدر ذہب وفضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے، نہ اس پر زکاۃ ہوگی، نہ احکام بیع صَرف اس میں معتبر ہوں گے‘‘ (امداد الفتاویٰ ج۲ ص۷، کتاب الزکاۃ وصدقات)

حكم المغشوش أو المخلوط بغيره :المغشوش :هو المخلوط بما هو أدون منه كذهب بفضة، وفضة بنحاس .وللفقهاء في زكاته آراء ثلاثة :

قال الحنفية :غالب الفضة فضة، وغالب الذهب ذهب، وإذا كان الغالب عليهما الغش، فهي في حكم العروض التجارية، ولا بد من أن تبلغ قيمتها نصاباً، ولا بد فيها من نية التجارة كسائر العروض، إلا إذا كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً، لأنه لا تعتبر في عين الفضة القيمة، ولا نية التجارة .واختلف في الغش المساوي، والمختار :لزوم الزكاة احتياطاً(الفقه الاسلامی وادلتہٗ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۲۴، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

وحكم الذهب المغشوش كالفضة المغشوشة وقيد المصنف بالغالب لأن الغش والفضة لو استويا ففيه اختلاف واختار في الخانية والخلاصة الوجوب احتياطا، وفي معراج الدراية وكذا لاتباع إلا وزنا، وفي المجتبى المفهوم من كتاب الصرف أن للمساوي حكم الذهب والفضة، ومما ذكر في الزكاة أنه لا يكون له حكم الذهب والفضة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۲۴۵، كتاب الزكاة ،باب زكاة المال)

(وغالب الورق ورق لا عكسه) يعني إذا كان الغالب على الورق الفضة فهو فضة ولا يكون عكسه فضة وهو أن يكون الغالب عليه الغش وإنما هو عروض لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن يزيد على النصف اعتبارا للحقيقة ثم إن كان الغالب فيه الفضة تجب فيه الزكاة كيفما كان لأنه فضة وإن كان الغالب فيه الغش ينظر فإن نواه للتجارة تعتبر قيمته مطلقا وإن لم ينوه للتجارة ينظر فإن كانت فضته تتخلص تعتبر فتجب فيها الزكاة إن بلغت نصابا وحدها أو بالضم إلى غيرها لأن عين الفضة لا يشترط فيها نية التجارة ولا القيمة على ما تقدم وإن لم تتخلص منه فضته فلا شيء عليه لأن الفضة قد هلكت فيه إذ لم ينتفع بها لا حالا ولا مآلا فبقيت العبرة للغش وهو عروض فيشترط فيه نية التجارة فصارت كالثياب المموهة بماء الذهب. فإن قيل فما الفرق بين الفضة المغلوبة وبين الغش المغلوب حتى اعتبرتم الفضة المغلوبة وأجريتم عليه أحكام الفضة إذا كانت تخلص منه ولم تعتبروا الغش المغلوب بل جعلتم كله فضة قلنا الفرق بينهما أن الفضة قائمة في كثير الغش حقيقة حالا باللون ومآلا بالإذابة بخلاف الغش المغلوب فإنه لا يظهر حالا ولا يخلص مآلا بل يحترق وعلى هذا التفصيل الذهب المغشوش وإنما لم يذكره الشيخ -رحمه الله تعالى -لأن حكمه يعرف ببيان حكم الفضة المغشوشة وإن كانت الفضة والغش سواء ذكر أبو النصر أنه تجب فيه الزكاة احتياطا وقيل لا تجب (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۷۹، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(جس کو آرٹیفیشل Artificial زیور کہا جاتا ہے) تو اس کو سونے چاندی کا حکم حاصل نہیں، البتہ اگر کسی کے پاس اس طرح کا زیور تجارت کے مال کے طور پر خرید کردہ ہو، تو اس پر اس کی زکاۃ تجارت کے مال کی حیثیت سے واجب ہوگی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی اور چیز (مثلاً تانبہ) کے بجائے سونے کے ساتھ چاندی یا چاندی کے ساتھ سونے کو شامل کر کے کسی چیز (مثلاً زیور، برتن) کو تیار کیا گیا ہو، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کو الگ الگ حکم حاصل ہوتا ہے، چنانچہ ان میں سے اگر ایک چیز کی مقدار بھی نصاب کے بقدر ہو، تو زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [2]

اور حنفیہ کے نزدیک اگر باہم مخلوط سونے اور چاندی میں سونے کی مقدار زیادہ ہو، تو اس پورے مجموعہ کو سونے کا حکم حاصل ہوتا ہے، اور اس کا وزن سونے کے نصاب کے بقدر ہونے پر زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

اور اگر اس میں چاندی کی مقدار زیادہ ہو، تو اس پورے مجموعے کو چاندی کا حکم حاصل ہوتا ہے پھر اگر اس میں موجود چاندی کی مقدار، چاندی کے نصاب کے برابر ہو، تو اس میں چاندی کے نصاب کے اعتبار سے زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [3]

---

[1] ولا زكاة فى الحلى من غير الذهب والفضة كالماس واللؤلؤ والياقوت(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۲۵، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

[2] اور اسی طرح اگر دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اجزاء کے اعتبار سے ملا کر نصاب کی مقدار بن جاتی ہو، تو تب بھی ان حضرات کے نزدیک زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور اجزاء کے حساب کا ذکر ”نصاب کے بیان“ میں آتا ہے۔

وهذا الذى تقدم فيما كان الغش فيه نحاسا أو غيره.

أما الذهب المغشوش بالفضة فيعتبر عند الشافعية والحنابلة كل جنس منهما، فإن كان أحدهما نصابا زكى الجميع ولو لم يبلغ الآخر نصابا، وكذا إن كانا بضم أحدهما إلى الآخر يكمل منهما نصاب، كأن يكون فيه ثلاثة أرباع نصاب ذهب وربع نصاب فضة، وإلا فلا زكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۶۴ ،مادة ”زكاة“)

[3] وذهب الحنفية إلى أنه إن بلغ الذهب المخلوط بالفضة نصاب الذهب ففيه زكاة الذهب، وإن بلغت الفضة نصاب الفضة ففيها زكاة الفضة إن كانت الغلبة للفضة، أما إن كانت الغلبة للذهب فهو كله ذهب، لأنه أعز وأغلى قيمة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸......اگر کوئی چیز سونے یا چاندی سے تیار شدہ ہو (مثلاً زیور، برتن وغیرہ) اور اس کی قیمتِ فروخت خالص سونے یا چاندی سے مختلف ہو، تو اس کے مالِ تجارت ہونے یا مالِ تجارت نہ ہونے کے اعتبار سے زکاۃ واجب اور ادا ہونے کا حکم مختلف ہے، جس کی تفصیل آگے ''مالِ تجارت کی زکاۃ'' کے بیان میں آتی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

سکّہ اور کرنسی کی زکاۃ کے احکام

مسئلہ نمبر۱......اگر سکہ خالص سونے کا ہو (جیسا کہ پہلے زمانہ میں دینار نام کا سکہ چلا کرتا تھا) یا وہ سکہ خالص چاندی کا ہو (جیسا کہ پہلے زمانہ میں درہم نام کا سکہ چلا کرتا تھا) تو ایسے سکہ کو خالص سونے یا چاندی کا حکم حاصل ہے، اور یہ سکہ سونے یا چاندی جس چیز کا بھی ہو، اس کی زکاۃ اسی سونے یا چاندی کے اعتبار سے واجب ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر۲......جن سکوں میں سونے یا چاندی کے ساتھ کسی اور چیز (مثلاً تانبہ) کی ملاوٹ ہو، تو اگر ان میں سونے یا چاندی کی مقدار دوسری ملاوٹ شدہ چیز (مثلاً تانبہ) کی مقدار سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولم نجد للمالكية تعرضا لهذه المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۴، ۲۶۵،مادة "زكاة")

وقيدنا المخالط للورق بأن يكون غشا، لأنه لو كان ذهبا فإن كانت الفضة مغلوبة فكله ذهب، لأنه أعز وأغلى قيمة، وإن كانت الفضة غالبة فإن بلغ الذهب نصابه ففيه زكاة الذهب، وإن بلغت الفضة نصابها فزكاة الفضة، وفي المغرب الغطريفية كانت من أعز النقود ببخارى منسوبة إلى غطريف بن عطاء الكندي أمير خراسان أيام الرشيد(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲ص۲۴۵، كتاب الزكاة،باب زكاة المال)

(قوله :وقيدنا المخالط للورق إلخ) في البدائع وكذا حكم الدنانير التي الغالب عليها الذهب والصورية ونحوهما فحكمها وحكم الذهب الخالص سواء (منحة الخالق على البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص۲۴۵، كتاب الزكاة ،باب زكاة المال)

والذهب المخلوط بالفضة إن بلغ الذهب نصاب الذهب وجبت فيه زكاة الذهب، وإن بلغت الفضة نصاب الفضة وجبت فيه زكاة الفضة، وهذا إذا كانت الفضة غالبة، وأما إذا كانت مغلوبة فهو كله ذهب، لأنه أعز، وأعلى قيمة كذا في التبيين(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث ، الفصل الثالث)

زیادہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ان کو سونے یا چاندی کا حکم حاصل ہونے کی وجہ سے زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور اگر ان میں سونے یا چاندی کے علاوہ کسی اور ملاوٹ شدہ چیز (مثلاً تانبہ وغیرہ) کی مقدار زیادہ ہو، تو پھر ان کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر انہیں تجارت کی نیت سے رکھا ہو، تو تجارت کا مال ہونے کی حیثیت سے ان کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہوں، اور اسی طرح اگر اُن میں سونے یا چاندی کی اتنی مقدار موجود ہو کہ جو سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے، تو تب بھی سونا یا چاندی کا نصاب پائے جانے کی وجہ سے اُن کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، خواہ تجارت کی نیت نہ بھی ہو۔ [1]

---

[1] اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ایسے سکوں میں اگر سونے یا چاندی کی مقدار نصاب کے برابر ہو، تو زکاۃ واجب ہوتی ہے، ورنہ واجب نہیں ہوتی، اور مالکیہ کے نزدیک عرف ورواج کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ پیچھے زیورات میں کھوٹ ومَیل شامل ہونے کے مسئلہ میں گزرا۔

اختلف الفقهاء فی وجوب الزکاة فی المغشوش.

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا تجب الزكاة فى المغشوش من النقدين حتى يبلغ خالصه نصابا، فإذا بلغه أخرج الواجب خالصا، أو أخرج من المغشوش ما يعلم اشتماله على خالص بقدر الواجب مع مراعاة درجة الجودة.

وقال الحنفية :إذا كان الغالب على الورق المسكوك الفضة فهو فى حكم المضروب، فتجب فيها الزكاة كأنه كله فضة، ولا تزكى زكاة العروض، أما إذا كان الغالب الغش فلا يكون لها حكم الفضية بل حكم العروض، فلا زكاة فيها إلا إن نواها للتجارة وبلغت نصابا بالقيمة .

قال المالكية إن كانت مسكوك الدراهم والدنانير المغشوشة رائجة كرواج غير المغشوشة فإنها تعامل كالكاملة، فتكون فيها الزكاة إن بلغ وزنها بما فيها من الغش نصابا، وإلا بأن لم ترج رواج الكاملة حسب الخالص فإن بلغ نصابا زكى وإلا فلا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧ص ٢٩٥، ٢٩٦، مادة "مسكوك")

اختلف الفقهاء فی وجوب الزکاة فی الزیوف من الدراهم.

فقال الحنفية :إن كانت الفضة فيها هى الغالبة تجب فيها الزكاة، لأن الغش مستهلك مغمور، وروى الحسن بن زياد عن أبى حنيفة :أنه قال :تجب الزكاة فى الدراهم الجياد، والزيوف، والنبهرجة، والمزيفة، إذا كان الغالب فيها الفضة، لأن ما يغلب فضته على غشه يتناوله اسم الدرهم مطلقا، والشرع أوجب الزكاة باسم الدرهم، وإن كان الغالب فيها الغش والفضة مغلوبة، فإن كانت أثمانا رائجة، أو يمسكها للتجارة تعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتى درهم من أدنى الدراهم التى تجب فيها الزكاة -وهى الغالب عليها الفضة -تجب فيها الزكاة .وإن لم تبلغ فلا تجب، وإن لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جن سکوں میں سونا یا چاندی بالکل شامل نہ ہو، جیسا کہ تانبہ، پیتل، گلٹ، لوہے اور دھات وغیرہ کے وہ سکے اور پیسے جو حکومت کی طرف سے جاری کیے جاتے ہیں، اگر وہ سکّے رائجُ الوقت ہوں، یعنی اُن کا بطور سکّے اور پیسے کے رواج ہو، تو اُن کی بھی کرنسی ہونے کی حیثیت سے زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہوں۔

البتہ کئی فقہاء کے نزدیک اس قسم کے سکّوں کو سامان کا حکم حاصل ہے، جن پر زکاۃ اس صورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تكن أثمانا رائجة، ولا معدة للتجارة فلا زكاة فيها، لأن الصفر أى النحاس لا تجب فيه الزكاة إلا بنية التجارة، فإذا أعدها للتجارة اعتبرنا فى وجوب الزكاة فيها القيمة كعروض التجارة، وإن لم تكن للتجارة، وليست أثمانا رائجة، اعتبرنا ما فيها من الفضة، وإلى هذا ذهب المالكية.

وقال الشافعية والحنابلة :لا تجب الزكاة فى الزيوف من النقود حتى يبلغ خالصها نصابا .فإذا بلغ خالصها النصاب أخرج الواجب خالصا، أو أخرج من المغشوش ما يعلم اشتماله على خالص بقدر الواجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۹۳، ۹۴، مادة "زيوف")

النبهرجة من الدراهم المغشوشة، وهذا النوع من الدراهم :إن كان الغالب فيها هو الفضة فهى كالدراهم الخالصة، لأن الغش فيها مستهلك فتجرى فيها أحكام الدراهم الخالصة، فيجوز التعامل بها مغشوشة وإن جهل قدر غشها، وتجب فيها الزكاة عند بعض الفقهاء ، لأن ما غلبت فضته على غشه تناوله اسم الدرهم مطلقا، والشرع أوجب الزكاة باسم الدراهم.

وإن غلب الغش فليس كالفضة فينظر فإن كانت رائجة أو نوى التجارة اعتبرت قيمتها، فإن بلغت نصابا من أدنى الدراهم التى تجب فيها الزكاة -وهى التى غلبت فضتها -وجبت فيها الزكاة وإلا فلا .

فإن لم تكن أثمانا رائجة لا منوية للتجارة فلا زكاة فيها إلا أن يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتى درهم وهو نصاب الفضة أو تكون منوية للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۴۰،ص۳۵،مادة "نبهرجة")

وإن كان الغالب هو الغش والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت أثمانا رائجة أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها فإن بلغت قيمتها مائتى درهم من أدنى الدراهم التى تجب فيها الزكاة وهى التى الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكاة وإلا فلا.

وإن لم تكن أثمانا رائجة ولا معدة للتجارة فلا زكاة فيها إلا أن يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتى درهم بأن كانت كبيرة، لأن الصفر لا تجب فيه الزكاة إلا بنية التجارة، والفضة لا يشترط فيها نية التجارة فإذا أعدها للتجارة اعتبر القيمة كمعروض التجارة وإذا لم تكن للتجارة ولا ثمنا رائجة اعتبرنا ما فيها من الفضة(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۷، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب الزكاة فى الفضة)

میں ہی واجب ہوتی ہے، جبکہ ان کو تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اور اگر اُن کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا ہو، تو اُن کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔ [1]

---

[1] زكاة الفلوس :اختلف الفقهاء في زكاة الفلوس على اتجاهات :فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الفلوس كالعروض فلا تجب الزكاة فيها إلا إذا عرضت للتجارة.

وذهب الحنفية، وهو قول عند المالكية إلى أن الفلوس الرائجة تجب فيها الزكاة مطلقا كالذهب والفضة، لأنها أثمان مطلقا، فإذا كسدت عدت عروضا فلم تجب فيها الزكاة إلا إذا عرضت للتجارة.

والمذهب عند المالكية أنه لا زكاة في الفلوس النحاسية فلا تجب الزكاة في عينها لخروجها عما وجبت الزكاة في عينه من النعم والأصناف المخصوصة من الحبوب والثمار والذهب والفضة، فمن كانت عنده فلوس قيمتها مائتا درهم فلا زكاة عليه فيها، إلا أن يكون مديرا (متاجرا بها) فيقومها كالعروض، أما المحتكر فعليه زكاة ثمنها، وحين تكون الفلوس للتجارة ثم أقامت -أي بقيت - عند مالكها سنين ثم باعها بذهب أو فضة فليس فيها إلا زكاة سنة واحدة كسائر عروض التجارة المحتكرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص۲۰۵،مادة "فلوس")

قلت أرأيت الرجل يشترى الفلوس للنفقة والآنية من النحاس ليتجمل بها في بيته ويستعملها هل عليه في شيء من هذا زكاة قال لا (الاصل للشيباني، ج۲، ص۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وكذلك الفلوس يشتريها للنفقة فإنها صفر والصفر ليس بمال الزكاة باعتبار عينه بل باعتبار طلب النماء منه، وذلك غير موجود فيما إذا اشتراه للنفقة (المبسوط للسرخسي، ج۲، ص۱۹۸، كتاب الزكاة، زكاة الحلي)

وأما الفلوس، فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة، وإن كانت للتجارة، فإن بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة لما ذكرنا (المحيط البرهاني، ج۲، ص۲۴۲، وص۲۴۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

وأما الفلوس فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة وإن كانت للتجارة فإن بلغت مائتين وجبت الزكاة كذا في المحيط (الفتاوىٰ الهندية، ج۱، ص۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثانى)

(فرع) الفلوس إن كانت أثمانا رائجة أو سلعا للتجارة تجب الزكاة في قيمتها وإلا فلا (درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج۱، ص۱۸۲، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

في الشرنبلالية :الفلوس إن كانت أثمانا رائجة أو سلعا للتجارة تجب الزكاة في قيمتها وإلا فلا (ردالمحتار، ج۲، ص۳۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(فرع الفلوس كعروض التجارة فيها إذا بلغت نصابا زكاة)

(فرع :الفلوس كعروض) الـ(تجارة فيها) إذا بلغت نصابا (زكاة قيمة ما لم تكن) الفلوس (للنفقة) فإن كانت للنفقة (فلا) زكاة فيها (مطالب اولى النهى في فقه الحنابلة، ج۲، ص۸۹، كتاب الزكاة، باب زكاة الأثمان)

(قال المجد :وإن كانت) الفلوس (للنفقة فلا) زكاة فيها كعروض القنية (كشاف القناع عن متن الاقناع في فقة الحنابلة، ج۲، ص۲۳۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

مسئلہ نمبر ۴...... کسی بھی ملک کی رائج نوٹوں کی کرنسی کو زکاۃ کے معاملہ میں رائج سکّوں کا حکم حاصل ہوتا ہے، لہٰذا کرنسی جس ملک کی بھی ہو، اس کی بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہو، یا دوسرے زکاۃ کے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے بقدر بن رہی ہو، خواہ وہ تجارت کی نیت سے رکھی ہو، یا کسی اور وجہ سے رکھی ہو۔ ۱

---

۱ ملحوظ رہے کہ مروَّجہ کاغذی نوٹوں کو بعض حضرات نے دیون کی سند کا درجہ، بعض نے سامانِ تجارت کا درجہ، بعض نے فلوس کا درجہ اور بعض نے ثمنیت کے اعتبار سے سونے، چاندی کا درجہ دیا ہے، اور موجودہ دور کے کئی اہلِ علم حضرات نے آخری قول کو اختیار کیا ہے، جن میں بہر حال زکاۃ واجب ہے، خواہ تجارت کی نیت نہ بھی ہو۔

إن مما لا شك فيه أن الزكاة في الأوراق النقدية واجبة، نظرا لأنها عامة أموال الناس ورء وس أموال التجارات والشركات وغالب المدخرات، فلو قيل بعدم الزكاة فيها لأدى إلى ضياع الفقراء والمساكين، وقد قال الله تعالى :(وفي أموالهم حق للسائل والمحروم)ولا سيما أنها أصبحت عملة نقدية متواضعا عليها في جميع أنحاء العالم، وينبغي تقدير النصاب فيها بالذهب أو الفضة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۶۷، مادة "زكاة")

هذه المسألة قد عرضت أمام مجلس الفكر الإسلامي في باكستان، فاتفق أعضاء المجلس من العلماء والاقتصاديين جميعا على أن ربط الديون بالأسعار لا مبرر له في الشرعية الإسلامية.

وكذلك نوقش هذا الموضوع في ندوة مختصة لمداولته أقامها البنك الإسلامي للتنمية بجدة باشتراك المعهد العالمي للاقتصاد الإسلامي بإسلام آباد وذلك في شعبان سنة ۱۴۰۷ھ، وقد حضر هذه الندوة جماعة من العلماء والاقتصاديين من بلاد مختلفة، والقرار الذي اتفق عليه مشاركو هذه الندوة كما يلي.

توصيات:

إن النقود الورقية تقوم مقام النقدين (الدنانير والدراهم) في جريان الربا ووجوب الزكاة فيها وكونها رأس مال سلم ومضاربة وحصة في شركة، وإن قول أبي يوسف بوجوب رد قيمة الفلوس في حالة الغلاء والرخص بالنسبة للنقدين لا يجري في الأوراق النقدية لأن هذه الأوراق النقدية تقوم مقام النقدين المتفق على عدم اعتبار الرخص والغلاء فيهما(بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ج۱، ص۱۹۲، الباب الثاني مسألة تغير قيمة العملة وربطها بقائمة الأسعار)

الزكاة في الأوراق النقدية واجبة مطلقا كالذهب والفضة، سواء قصد بها التجارة أم لم يقصد، إذا بلغت النصاب، وحال عليها الحول، وكانت مملوكة له، لأنها مال اصطلح الناس على تملكه، والتعامل به(موسوعة الفقه الاسلامي، ج۳ص۳۰، كتاب الزكاة، زكاة الاوراق النقدية)

الخلاصة ومجمل القول:

أن الأوراق النقدية تحصل من وجهة نظر الفقهاء فيها أربعة أقوال:

القول الأول :أنها سندات ديون على جهة إصدارها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جن حضرات کے نزدیک سکّوں کو سامان کا حکم حاصل ہے، اُن کے نزدیک اس صورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القول الثانی :أنها عرض من عروض التجارة.
القول الثالث :أنها كالفلوس فی طروء الثمنية عليها.
القول الرابع :أنها بدل عما تفرعت عنه من النقدين؛ الذهب والفضة.
وتقدم دليل كل قول وما يترتب عليه من الأحكام.
والذی يظهر لی والله أعلم أن أقرب هذا الأقوال إلى الصحة وأوفقها بالدليل واعتبار الأحكام المتعلقة بالأوراق النقدية من حيث التعامل والزكاة وغير ذلک، القول الرابع؛ وهو أن الأوراق النقدية قائمة فی الثمنية مقام ما تفرعت عنه، وبدل ما حلت محله من عملات الذهب والفضة، وما كان منها متفرعًا عن الذهب فله حكم الذهب، وما كان منها متفرعًا عن الفضة فله حكم الفضة، والأمور الشرعية بمقاصدها ومعانيها لا بألفاظها ومبانيها، وأنها إذا زالت عنها الثمنية أصبحت مجرد قصاصات ورق لا تساوی بعد إبطالها شيئًا مما كانت تساويه قبل إبطالها؛ إذن فلها حكم النقدين الذهب والفضة مطلقًا؛ لأن ما يثبت للمبدل عنه يثبت للبدل(زكاة الأسهم والسندات والورق النقدی لدكتورصالح بن غانم بن عبد الله بن سليمان بن علی السدلان،ص۵۳،۵۴، المبحث الثانی الاوراق النقدية ،مطبوعة:دار بلنسية للنشر والتوزيع، الرياض -المملكة العربية السعودية)
والقول بأنها فلوس، تخرج عن الثمنية بالغلاء والرخص شأن الفلوس فی الأزمنة السالفة قول غير صحيح ويترتب عليه مفاسد كبيرة فی الدين والدنيا، ذلک أنه لابدّ للناس من أثمان تقدر بها السلع والخدمات، وتكون واسطة للتبادل حتى تتيسّر معاملاتهم، ولم يعد الذهب ولا الفضة نقداً أصلاً، وهذه الأوراق النقدية فيها خصائص الثمنية، وأصبح إصدارها مضبوطاً بضوابط معينة، وتعمل الدول على حماية نقدها بالتدابير الاقتصادية، ومكافحة التزوير، وترقيم العملات، وسرية العلامات التی تضعها فی النقد ضماناً لعدم تزويره، إلى غير ذلک مما لا يخفى فی الحياة المعاصرة، وتستخدم هذه النقود فی المبادلات والحقوق اليسيرة والكبيرة، وهذا يجعلها تختلف اختلافاً كبيراً عن الفلوس المعهودة فی الأزمنة السالفة، والتی لم تكن لها من الثمنية ما للذهب والفضة، وكانت تتعرض للكساد، ولإبطال الحاكم لها كثيراً، كما أنها فی كثير من الأحيان إنما تستعمل فی الأشياء الحقيرة التافهة، فلا وجه لقياسها على الفلوس المعهودة فيما مضى وإعطائها حكمها، بل هی أثمان يجری فيها الربا وتجب فيهاالزكاة وتصلح رأس مال فی السلم والشركات، وقد اقترح المانعون لربط الأجور بالمستوى العام لتغير الأسعار عدم إطالة مدة الإجارة حتى تكون هناک فرصة للاتفاق على الأجر المناسب الذی يتفق مع القيمة الحقيقية له، وإن تعذر الاتفاق على مدة قصيرة للإجارة فليتم الاتفاق أن تكون الأجرة بعملة نادرة التغيّر كالذهب أو الدولار مثلا(واجبات العمال وحقوقهم فی الشريعة الإسلامية مقارنة مع قانون العمل الفلسطينی،لسمير محمد جمعة العواودة،ص ۱۲۱،الفصل الثالث ،المبحث الثالث ،المطلب الثانی،مطبوعة :جامعة القدس)

میں ہی زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ اُن کو تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اور اگر اُن کو اپنی بنیادی ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا ہو، تو اُن کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔ ۱؎

۱؎ أمـا العروض فتضم قيمتها إلى الذهب أو الفضة ويكمل بها نصاب كل منهما .قال ابن قدامة :لا نـعـلـم فـي ذلک خـلافـا .وفـي هـذا الـمـعـنـي الـعـمـلـة الـنـقـدية المتداولة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۶۸، مادة "زكاة")

وحـاصـل ذلک أن هذا الوعد المكتوب لا يعبر اليوم إلا عن ضمان الحكومة لحامله بالحفاظ على قيمة الورق الاسمية (Face Value) وإن قيـمته الاسمية عبارة عن عيار مخصوص لقوة الشراء، ولـذلک لا يـلتـزم البنک بـأداء الذهب أو الفضة أو العملة المعدنية الأخرى، بل ربما يفى بوعده بـإبدال ذلک الورق بورق آخر يساويه فى قيمته الاسمية، فليس ذلک أداء الدين، وإنما هو إبدال الثـمـن بثـمن آخر، قد التزم به البنک الرئيسى، لا لأن الورق ليس ثمنا رمزيا، بل للحفاظ على ثقة الناس بهذا الثمن الرمزى.

فـاتـضـح بما ذكرنا أن النقود الورقية لم تبق الآن سندات لديون فى تخريجها الفقهى، وإنما صارت أثـمانا رمزية يعبر عنها الفقهاء بكلمة "الفلوس النافقة "فـإن الفلوس النافقة تكون قيمتها الاسمية أكثـر بـكثيـر مـن قيـمتهـا الـذاتية، فـكذلک الأوراق النقدية تكون قيمتها الاسمية أضعاف قيمتها الـذاتية، وجرى بها التعامل العام فيما بين الناس، دون أيما فرق بينهما وبين الفلوس النافقة، حتى لا تـوجد العملة المعدنية اليوم -ولو رمزية -إلا نـزرا قـليلا، فالحكم بعدم أداء الزكاة بهذه الأوراق، ومـنـع مبـادلة بـعـضهـا ببعض على أساس كونه بيع بالكالء، ومنع شراء الذهب والفضة بها لفقدان التـقـابـض، فيـه حـرج عـظيـم لا يتحمل، والمعهود من الشريعة السمحة فى مثله السعة والسهولة، والـعـمـل بالعرف العام المتفاهم بين الناس، دون التدقيق فى أبحاث قد أصبحت اليوم فلسفة نظرية ليس لها فى الحياة لعملية أثر، ولا يسمع لها خبر، والله سبحانه وتعالى أعلم ,وعدما ثبت كون هذه الأوراق فى حكم الفلوس، ننتقل إلى الأحكام المتعلقة بها، والله سبحانه المستعان.

الزكاة والأوراق المالية:

تـجـب الزكاة على الأوراق النقدية بالإجماع، وليس على قول من يقول بوجوب الزكاة على الدين فـقـط، لأنها ليست سندات دين، وإنما هى فى حكم الفلوس النافقة، والفلوس النافقة فى حق الزكاة كعروض التجارة، تجب عليها الزكاة إذا بلغت قيمتها نصاب الفضة.

وكذلک يجوز أداء الأوراق النقدية إلى الفقير زكاة، وتتأدى بها الزكاة فور ما يستلمها الفقر، دون انـتـظـار أن يـصـرفهـا، أو يـحـولها إلى عملة معدنية، كما تتأدى الزكاة بأداء الفلوس إلى الفقير، ولا يشتـرط لأداء الـزكـاة بهـا أن يـصرفها الفقير، أو يأخذ بدلها شيئا من الذهب أو الفضة (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، للمفتى محمد تقى العثمانى، ج ا، ص۱۲۱، ۱۲۲، أحكام الأوراق النقدية)

قـدمـنـا أن الـنـقـود الورقية فى حكم الفلوس سواء بسواء، فتجرى على مبادلتها أحكام بيع الفلوس بعضها ببعض .فلو بيعت هذه الأوراق على التساوى، بأن تكون قيمة البدلين متساوية، فهذا جائز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا ان حضرات کے نزدیک کاغذی کرنسی پر بھی اُسی صورت میں زکاۃ واجب ہوگی جبکہ اسے تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اور اگر اُس کو اپنی ماہانہ یا سالانہ بنیادی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالإجماع، بشرط أن يتحقق قبض أحد البدلين فى المجلس قبل أن يتفرق المتبايعان، فإن تفرقا ولم يقبض أحد شيئا، فسد العقد عند الحنفية وبعض المالكية؛ لأن الفلوس لا تتعين بالتعيين عندهم، وإنما تتعين بالقبض، فصارت دينا على كل أحد، والافتراق عن دين بدين لا يجوز.

وأما بيعها على التفاضل بأن تكون قيمة أحد البدلين أكثر من الآخر، كبيع الربية بالربيتين، والريال بالريالين، والدولار بالدولارين، فتجرى فيه أحكام الفلوس بالتفاضل، وفيه خلاف مشهور للفقهاء.

وذلک أن بيع الفلس بالفلسين حرام مطلقا، وهو من الربا المحرم شرعا عند الإمام مالک بن أنس، ومحمد بن الحسن الشيبانى من الحنفية، وهو أشهر الوجهين عند الحنابلة، وبه يقول الإمام أبو حنيفة وأبو يوسف، إذا كان البدلان غير متعينين .فأما الإمام مالک بن أنس رحمه الله، فلأنه يعتبر الثمنية علة لتحريم التفاضل والنسيئة، سواء كانت الثمنية جوهرية، كما فى الذهب والفضة، أو عرفية مصطلحة، كما فى الفلوس، فلا يجوز التفاضل والنسيئة فى مبادلتها بجنسها .وجاء فى المدونة الكبرى للإمام مالک " :ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود، حتى يكون لها سكة وعين، لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة؛ لأن مالكا قال :لا يجوز فلس بفلسين، ولا تجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير نظرة.

وأما الحنفية فإن العلة عندهم، وإن كانت الوزن، ولا يوجد ذلک فى الفلوس ولكنهم يقولون :إنها أمثال متساوية قطعا، لاصطلاح الناس بإهدار الجودة منها، فلو بيع فلس واحد بفلسين كان أحد الفلسين خاليا عن العوض مشروطا فى العقد، وهو الربا، وهذا مادامت ثمنيتها باقية بأن لا تتعين بالتعيين، ثم يقول محمد بن الحسن رحمه الله :إنه لا سبيل إلى إسقاط ثمنيتها ما دامت رائجة؛ لأنها صارت ثمنا بالاصطلاح، فلا تبطل إلا باصطلاح الجميع، فليس للمتعاقدين إبطالها وتعيينها، فلا يجوز الفلس بالفلسين بحال .ويقول أبو حنيفة وأبو يوسف :إن للمتعاقدين إبطال ثمنيتها بتعينها، وحينئذ تصير عروضا متعينة، ويجوز فيها التفاضل.وأما الإمام أحمد، فعنه فى هذه المسألة روايتان :الأولى :أنه يجوز الفلس بالفلسين؛ لأن علة الربا عنده الوزن، ولا يوجد فى الفلوس لكونها عددية .والثانية :لا يجوز، ويجرى فيها الربا؛ لأن أصله الوزن، فلا يخرج بالصناعة عنه كالخبز، وذكر ابن قدامة أن اختيار القاضى أن ما كان يقصد وزنه بعد عمله كالإسطال ففيه الربا، وما لا فلا وقياس هذا التعليل أن يجوز عنده بيع الأوراق النقدية متفاضلة؛ لأن الورق ليس موزونا من أصله، بخلاف الفلوس المعدنية، والله سبحانه أعلم.

والمذهب الثانى للفقهاء فى هذا الباب :أنه يجوز بيع الفلس بالفلسين، ويجوز التفاضل فى مبادلة الفلوس بالغا ما بلغ، وهو مذهب الشافعى رحمه الله؛ وذلک لأن علة الربا عنده جوهرية الثمن، فتختص بالذهب والفضة، وليست الفلوس فى حكمها، فلا ربا عنده فى الفلوس وإن راجت، فيجوز عنده بيع بعضها ببعض متفاضلا.وكذلک أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى يجوزان الفلس بالفلسين، إذا كانا بأعيانهما، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا ہو، تو اُس کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی، واللہ اعلم۔ ۱؎
مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دور کی کاغذی کرنسی اور روپیہ پیسہ پر بہرحال زکاۃ واجب ہوتی ہے، خواہ وہ کسی بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعينهما العاقدان، لفوات ثمنيتهما حينئذ، وكونهما عروضا محضة، كما قدمنا.
الرأى الراجح فى هذا الباب :كان اختلاف الفقهاء هذا فى زمن يسود فيه الذهب والفضة كعيار للأثمان، وتتداول فيه النقود الذهبية والفضية بكل حرية، ولا تستعمل الفلوس إلا فى مبادلات بسيطة .وأما الآن فقد فقدت النقود المعدنية من الذهب والفضة، ولا يوجد اليوم منها شيء فى العالم كله، واحتلت النقود الرمزية محلها فى سائر المعاملات كما بينا فى بداية هذه المقالة.
فيجب الآن -فيما أرى -أن يختار قول الإمام مالك أو الإمام محمد رحمهما الله تعالى فى مسألة بيع النقود الرمزية بعضها ببعض؛ وذلك لأنه لو وقع الحكم اليوم بمذهب الإمام الشافعى، أو الإمام أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهم الله، لانفتح باب الربا على مصراعيه، وصارت كل معاملة ربوية حلالا تحت هذا الستار، فإن المقرض أن أراد الربا باع نقوده الرمزية من الآخر بنقود رمزية أكثر من قيمة ما دفعه .والذى يغلب على الظن أن هؤلاء الفقهاء لو كانوا أحياء فى هذا الزمان، وشاهدوا من تغير أحوال النقود ما نشاهده، لأفتوا بحرمة الفلس بالفلسين(بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، للمفتى محمد تقى العثمانى، ص١٦٣، الیٰ ص١٦٦، أحكام الأوراق النقدية)
۱؎ الزكاة فى النقود الورقية:على القول بأن النقود الورقية ديون على الحكومات المصدرة لها واضح أن حكمها حكم الدين .والراجح فى الدين أن فيه الزكاة، والزكاة على الدائن، أى مالك الورقة النقدية.أما إن قلنا بأنها عروض، فمن المعلوم أن العروض لا زكاة فيها إلا إن كانت للتجارة، لما ورد فى السنة من قول جابر)(أمرنا النبى صلى الله عليه وسلم أن نخرج الصدقة مما نعده للبيع،وقد اختلف الفقهاء فى الفلوس(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج۵ص ١٢٨٢،مقالة "النقود وتقلب قيمة العملة، إعداد:الدكتورمحمد سليمان الأشقر)
قلت أرأيت الرجل يشترى الفلوس للنفقة والآنية من النحاس ليتجمل بها فى بيته ويستعملها هل عليه فى شىء من هذا زكاة قال لا (الاصل للشيبانى، ج٢، ص٩٨، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)
ذكر القدورى فى كتابه :روى الحسن عن أبى حنيفة أن الزكاة تجب فى الدراهم النبهرجة والزيوف، وما كان الغالب فيه الفضة إذا كانت مائتى درهم، لأن اسم الدرهم ينطلق على ما كانت الفضة فيه غالبة، فيتناولها النص الموجب باسم الدراهم، وإن كانت ستوقة ليست للتجارة لم تجب الزكاة فيها حتى يبلغ ما يكون فيها من الفضة مائتين، لأن الغالب فيها الغش فلا يتناولها اسم الدرهم، فينظر إلى ما فيها من الفضة، وهذا إذا لم تكن للتجارة، فإن كانت للتجارة، وقد بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة، لأنه إذا لم ينطلق عليها اسم الدرهم لم تكن بمنزلة الأثمان، فتكون بمنزلة العروض، وفى العروض تجب الزكاة إذا كانت للتجارة وقد بلغت قيمتها مائتين، كذا هنا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیت سے رکھی ہو، یہاں تک کہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہی کیوں نہ رکھی ہو، اوراس وجہ سے جورقم شادی بیاہ اور حج وغیرہ میں خرچ کرنے کے لئے رکھی ہو، اس پر بھی ان حضرات کے نزدیک زکاۃ واجب ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی کے پاس کرنسی اتنی مقدار میں ہو کہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے، لیکن ساڑھے سات تولہ سونے کے نصاب کو نہ پہنچے، تو اکثر اہلِ علم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الفلوس، فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة، وإن كانت للتجارة، فإن بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة لما ذكرنا (المحيط البرهاني، ج۲، ص ۲۴۲، وص ۲۴۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

لا بد مع الحول من شيء آخر، وهو الثمنية كما في الثمنين :أي الذهب والفضة، أو السوم كما في الأنعام، أو نية التجارة في غير ما ذكرنا (شرح وقاية، صفحه ۱۳۹، وصفحه ۱۴۰، كتاب الزكاة)

قوله :وهو الثمنية الخ؛ حاصله أن الزكاة لا تجب في مال وإن بلغ مقدار النصاب، وحال عليه الحول أيضا إلا إذا وجد ثلاثة أشياء ؛ أحدها :الثمنية؛ وهو أن يكون المال ثمنا خلقة بأن يكون مخلوقا لأن يجعل ثمنا وعوضا في العقود والتجارات، وتشترى بها الأشياء ، وهو الذهب والفضة فتلزم فيهما الزكاة كيفما أمسكهما، ولو للنفقة إذا حال عليهما الحول، وبلغ نصابا واحترز بقوله خلقة عن الفلوس، فإنها أثمان عرفا واصطلاحا، لا خلقة، وثانيهما :السوم؛ وهو في الدواب التي تجب فيها الزكاة كالغنم والبقر والإبل على ما سيأتي ذكره في موضعه، وهو عبارة لغة عن الرعي، يقال شاة سائمة :أي راعية، وفي اصطلاح الشرع :هي المكتفية بالرعي في أكثر السنة، فتلزم الدواب الزكاة إذا كانت سائمة، وإن كان يعلفها في بيته ويصرف عليها من عنده فلا زكاة عليها، وإن مضت عليه السنة وبلغت نصابا، وثالثها :نية التجارة، وهو في غير الثمن الخلقي والدواب، فما عدا إذا كانت بنية التجارة تجب فيه الزكاة وإلا فلا (عمدة الرعاية، ص ۱۳۹، و۱۴۰، كتاب الزكاة)

۱ اورابنِ ملک کے نزدیک جو مال اور دراہم ودنانیر مہینہ یا سال بھر کے نفقہ یا بنیادی ضروریات کے لئے رکھے ہوں، وہ زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، جیسا کہ پیچھے سونے، چاندی کی زکاۃ کے بیان میں گزرا، اور آگے مال کے حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونے کے بیان میں بھی آتا ہے، اور اگرچہ موجودہ دور میں حنفیہ کی عام کتب میں بنیادی ضرورت کے لئے رکھے ہوئے مالِ نامی پر مطلقاً وجوبِ زکاۃ کا حکم مذکور ہے، لیکن بندہ کے نزدیک شدید ضرورت ومجبوری کی صورت میں عدمِ وجوب کے قول پر بھی عمل کر لینے کی گنجائش ہے، مثلاً ایک شخص کو واقعی ضروری آپریشن یا کسی اور علاج معالجہ کی ضرورت ہے، یا کوئی اور سخت مثلاً مہینہ بھر کے اخراجات کی ضرورت درپیش ہے، اوراس نے اس ضرورت کے لئے کچھ پیسہ رکھا ہوا ہے، یا اس کو کسی کی طرف سے بطورِ امداد حاصل ہوا ہے، اور وہ نصاب کے بقدر ہے، اوراس کے پاس دوسرا انتظام نہیں اوراس درپیش ضرورت میں خرچ کرنے کے بعد نصاب کے بقدر اس کے پاس مال نہیں رہتا، تو ایسی ضرورت ومجبوری میں عدمِ وجوب کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، جس کی مزید تفصیل آگے "مال کے حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونے" کے ذیل میں آتی ہے، واللہ اعلم۔

حضرات کے نزدیک ایسی کرنسی زکاۃ کا نصاب شمار ہوتی ہے اور اس کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور عموماً فتویٰ بھی اسی قول کے مطابق ہے۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ کرنسی کی زکاۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت کے برابر نہ ہوجائے۔ [1]

مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام

شرعی اعتبار سے مالِ تجارت کی بھی زکاۃ واجب ہے، جس کے احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ [2]

---

[1] اگر کوئی انتہائی ضرورت مند ہو، اس کے لئے اس آخری قول پر بھی عمل کر لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔
ویقدر نصابها ـ كما أبنت ـ بسعر صرف نصاب الذهب المقرر شرعاً وهو عشرون ديناراً أو مثقالاً، ونختار أن يكون وزنها ذهباً ۸۵غراماً، ومن الفضة (۵۹۵غراماً) عملاً بالدرهم العربى وهو (۲،۹۵ ۷غم)، والأصح تقدير النصاب الورقى بالذهب، لأنه المعادل لنصاب الأنعام (الإبل والبقر والغنم)، ولارتفاع مستوى المعيشة وغلاء الحاجيات، وإن كان يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة، لأنه أنفع للفقراء ، وللاحتياط فى الدين، ولأن نصاب الفضة مجمع عليه، وثابت بالسنة الصحيحة، وكان يساوى فى الماضى ستة وعشرين ريالاً مصرياً وتسعة قروش وثلثى قرش، ونحو خمسين ريالاً فى السعودية ودولة الإمارات، ونحو ۵۵ أو ۶۰ روبية فى باكستان والهند.
ولا تجب الزكاة على الأوراق النقدية إلا ببلوغها النصاب الشرعى، وبحولان الحول، وبالفراغ من الدين وهو الحق والعدل، وزاد الحنفية :وبأن يكون النصاب فاضلاً عن الحاجات الأصلية لمالكه من نفقة وكسوة وأجرة سكنى وآلة حرب (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۳۳ الىٰ ۱۸۳۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)
وإذن يكون نصاب الفضة بالوزن الحديث هو ۲.۹۷۵ *۲۰۰=۵۹۵من الجرامات، ويكون نصاب الذهب هو ۴.۲۵ *۲۰=۸۵جرامًا من الذهب.
فمن ملک من الفضة الخالصة -نقودًا أو سبائک -ما يزن ۵۹۵ جرامًا وجبت عليه فيه الزكاة۲.۵ بالمائة (فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱ ، ص ۲۳۳ ،نصاب النقود)

[2] ثالثا :زكاة عروض التجارة:التجارة تقليب المال بالبيع والشراء لغرض تحصيل الربح.
والعرض بسكون الراء ، هو كل مال سوى النقدين، قال الجوهرى :العرض المتاع، وكل شىء فهو عرض سوى الدراهم والدنانير فإنهما عين، وقال أبو عبيد :العروض الأمتعة التى لا يدخلها كيل ولا وزن ولا يكون حيوانا ولا عقارا.
أما العرض بفتحتين فهو شامل لكل أنواع المال، قل أو كثر، قال أبو عبيدة :جميع متاع الدنيا عرض .وفى الحديث :ليس الغنى عن كثرة العرض.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱...... اگر کسی کے پاس تجارت کا مال، سونے، چاندی کے علاوہ کسی اور چیز سے تیار شدہ زیورات کی شکل میں ہو، جس کو آج کل مصنوعی یا آرٹیفیشل (Artificial) زیور کہا جاتا ہے، تو وہ بھی تجارت کے مال میں شامل ہوگا، اور اس پر تجارت کے مال کے اعتبار سے زکاۃ واجب ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر۲...... اکثر فقہائے کرام یعنی حنفیہ میں سے امام محمد اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک کسی مال کو تجارت کا حکم حاصل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مال کسی چیز (مثلاً روپیہ، پیسہ) کے عوض میں تجارت کی نیت سے خرید کر ملکیت میں داخل ہوا ہو، اور اگر وراثت، ہبہ (تحفہ وگفٹ) صدقہ، نکاح کے مہر وغیرہ کے طور پر وہ مال ملکیت میں آیا ہو، تو وہ تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوتا، خواہ ملکیت میں آتے وقت اس سے تجارت یعنی اس کو فروخت کرنے کی نیت کیوں نہ کی ہو۔

اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک جنگل سے لکڑیاں چننے یا خودرو گھاس کاٹنے، پرندے پکڑنے، یا پانی سے مچھلیاں پکڑنے پر، جبکہ ان چیزوں کو فروخت کرنے کی نیت سے حاصل کیا جائے، زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعروض التجارة جمع العرض بسكون الراء ، وهى فى اصطلاح الفقهاء كل ما أعد للتجارة كائنة ما كانت سواء من جنس تجب فيه زكاة العين كالإبل والغنم والبقر، أو لا، كالثياب والحمير والبغال .

حكم الزكاة فى عروض التجارة: جمهور الفقهاء على أن المفتى به هو وجوب الزكاة فى عروض التجارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۶۸، مادة "زكاة")

۱ (لا زكاة فى اللآلى والجواهر) وإن ساوت ألفا اتفاقا (إلا أن تكون للتجارة) والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدى إلى الثنى وشرط مقارنتها لعقد التجارة(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ ص ۲۷۳، كتاب الزكاة)

۲ اور حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کے نزدیک تجارت کا مال بننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ شخص اس مال کا مالک کسی فعل کے نتیجہ میں بنا ہو، خواہ وہ فعل معاوضہ کے طور پر ہو (جیسا کہ بیع وشراء) یا بغیر معاوضہ کے ہو (جیسا کہ ہبہ کو قبول کرنا) اور اگر وہ مال اس شخص کی ملکیت میں بغیر کسی فعل کے داخل ہوا ہو، جیسا کہ کسی فوت ہونے والے کی میراث کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے کسی مال کو تجارت کے مال کا حکم حاصل ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مال کو خریدتے یا مالک بنتے وقت تجارت یعنی فروخت کرنے کی نیت کی ہو، اور زکاۃ کا سال پورا ہونے تک یہ نیت باقی رہی ہو (خواہ منقولہ چیز ہو یا غیر منقولہ) پس اگر اس مال کو خریدتے یا مالک بنتے وقت تجارت یعنی فروخت کرنے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ طور پر اس کو مال ملا ہو، تو اس طرح کا مال زکاۃ کے اعتبار سے تجارت کا شمار نہیں ہوگا، اور اس لئے ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا چیزوں (لکڑیوں، گھاس، پرندوں وغیرہ) پر زکاۃ واجب ہوگی، مگر بعض مشائخ حنفیہ نے مذکورہ قول امام ابو یوسف کے بجائے امام محمد کا قرار دیا ہے، اور امام ابو یوسف و امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکاۃ واجب نہ ہونے کی نسبت کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

يشترط أن يكون قد تملك العرض بمعاوضة كشراء بنقد أو عرض أو بدين حال أو مؤجل، وكذا لو كان مهرا أو عوض خلع. وهذا مذهب المالكية والشافعية، ومحمد، فلو ملكه بإرث أو بهبة أو احتطاب أو استرداد بعيب واستغلال أرضه بالزراعة أو نحو ذلك فلا زكاة فيه.

قالوا :لأن التجارة كسب المال ببدل هو مال، وقبول الهبة مثلا اكتساب بغير بدل أصلا.

وعند الشافعية فى مقابل الأصح أن المهر وعوض الخلع لا يزكيان زكاة التجارة.

وقال الحنابلة وأبو يوسف :الشرط أن يكون قد ملكه بفعله، سواء كان بمعاوضة أو غيرها من أفعاله، كالاحتطاب وقبول الهبة، فإن دخل فى ملكه بغير فعله، كالموروث، أو مضى حول التعريف فى اللقطة، فلا زكاة فيه.

وفى رواية عن أحمد :لا يعتبر أن يملك العرض بفعله، ولا أن يكون فى مقابلة عوض، بل أى عرض نواه للتجارة كان لها، لحديث سمرة :أمرنا النبى صلى الله عليه وسلم أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۱، مادة "زكاة")

ثم لا خلاف أن نية التجارة إذا اقترنت بالشراء أو الإعارة صار المال للتجارة، لأن النية اقترنت بعمل التجارة، ولو ورث مالا فنوى به التجارة لا يكون للتجارة، لأن النية تجردت عن العمل فالميراث يدخل فى ملكه من غير صنعه ولو قبل الهبة والوصية فى مال بنية التجارة عند أبى يوسف -رحمه الله تعالى -يكون للتجارة وعند محمد -رحمه الله تعالى -لا يكون للتجارة، وكذلك فى المهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد فمحمد -رحمه الله تعالى -يقول :نية التجارة لا تعمل إلا مقرونة بعمل التجارة، وهذه الأسباب ليست بتجارة وأبو يوسف -رحمه الله تعالى -يقول: التجارة عقد اكتساب المال فما لا يدخل فى ملكه إلا بقبوله فهو كسبه فيصح اقتران نية التجارة بفعله كالشراء والإجارة (المبسوط للسرخسى، ج۲ص۱۹۸، كتاب الزكاة، زكاة الحلى)

(وإن نوى التجارة فيما ملكه بهبة أو وصية أو نكاح أو خلع أو صلح عن قود كان لها) أى للتجارة (عند أبى يوسف خلافا لمحمد) وذلك أن السبب لا يجب أن يكون شراء عند أبى يوسف خلافا لمحمد.(وقيل :الخلاف بالعكس) يعنى ما نقل الإسبيجابى فى شرح الطحاوى عن القاضى الشهيد أنه ذكر فى مختلفه هذا الاختلاف على عكسه وهو أنه فى قول الشيخين لا يكون للتجارة وفى قول محمد يكون لها كما فى العناية (مجمع الانهر، ج۱، ص۱۹۶، وص۱۹۷، كتاب الزكاة)

کی نیت نہیں تھی، بلکہ کسی اور چیز کی نیت تھی، اور پھر بعد میں اس چیز کی تجارت یعنی اس کو فروخت کرنے کی نیت کرلی، تو اس نیت کی وجہ سے وہ مال زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوگا، اوراس لئے اس کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1]

اسی طرح اگر کسی چیز کو خریدتے وقت تو تجارت کی نیت تھی، مگر زکاۃ کا سال پورا ہونے سے

---

[1] البتہ مضارِب جو مال خریدتا ہے، وہ حنفیہ کے نزدیک محض اس کے خریدنے کی وجہ سے تجارت کا مال بن جاتا ہے، کیونکہ مضارب تجارت کرنے میں دوسرے کا نمائندہ وامین ہوتا ہے، اوراس کو اس مال میں کوئی دوسرا تصرف وتغیر جائز نہیں ہوتا، اس لئے اس کا مال کو خریدنا تجارت کی نیت کو متضمن ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الشرط الثالث :نية التجارة:

اتفق الفقهاء على أنه يشترط فی زكاة مال التجارة أن يكون قد نوى عند شرائه أو تملكه أنه للتجارة، والنية المعتبرة هی ما كانت مقارنة لدخوله فی ملكه، لأن التجارة عمل فيحتاج إلى النية مع العمل، فلو ملكه للقنية ثم نواه للتجارة لم يصر لها، ولو ملك للتجارة ثم نواه للقنية وأن لا يكون للتجارة صار للقنية، وخرج عن أن يكون محلا للزكاة ولو عاد فنواه للتجارة لأن ترك التجارة، من قبيل التروك، والترك يكتفى فيه بالنية كالصوم .قال الدسوقی :ولأن النية سبب ضعيف تنقل إلى الأصل ولا تنقل عنه، والأصل فی العروض القنية .وقال ابن الهمام :لما لم تكن العروض للتجارة خلقة فلا تصير لها إلا بقصدها فيه.

واستثنى الحنفية مما يحتاج للنية ما يشتريه المضارب، فإنه يكون للتجارة مطلقا، لأنه لا يملك بمال المضاربة غير المتاجرة به.

ولو أنه آجر داره المشتراة للتجارة بعرض، فعند بعض الحنفية لا يكون العرض للتجارة إلا بنيتها، وقال بعضهم :هو للتجارة بغير نية.

قال المالكية :ولو قرن بنية التجارة نية استغلال العرض، بأن ينوی عند شرائه أن يكريه وإن وجد ربحا باعه، ففيه الزكاة على المرجح عندهم، وكذا لو نوى مع التجارة القنية بأن ينوی الانتفاع بالشیء كركوب الدابة أو سكنى المنزل ثم إن وجد ربحا باعه.

قالوا :فإن ملكه للقنية فقط، أو للغلة فقط أو لهما، أو بلا نية أصلا فلا زكاة عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۷۱، ۲۷۲،مادة "زكاة")

نية التجارة حال الشراء :أن ينوی المالک بالعروض التجارة حالة شرائها، أما إذا كانت النية بعد الملک، فلا بد من اقتران عمل التجارة بنية، ويشترط أيضاً عند الحنفية أن يكون الشیء المتجر فيه صالحاً لنية التجارة، فلو اشترى أرضاً خراجية للتجارة، ففيها الخراج لا الزكاة، ولو اشترى أرضاً عشرية وزرعها، وجب فی الزرع الناتج العشر، دون الزكاة.

واشترط الشافعية أن ينوی بالعروض التجارة حال المعاوضة فی صلب العقد أو فی مجلسه، فإن لم ينو على هذا الوجه فلا زكاة فيها .ويشترط تجديد نية التجارة عند كل معاوضة حتى يفرغ رأس المال(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج۳ص۱۸۶۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

پہلے پہلے تجارت کی نیت ختم ہوگئی یا نیت ادلتی بدلتی رہی، تو یہ مال زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے زکاۃ کے مال میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے اس کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی چیز کو خریدتے وقت تجارت کی نیت نہیں ہے، بلکہ کسی اور کام میں استعمال کرنے کی نیت ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال ہے کہ اگر معقول نفع ملے گا، تو اس چیز کو فروخت بھی کردوں گا، تب وہ چیز زکاۃ کے اعتبار سے مالِ تجارت میں داخل نہ کہلائے گی۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... جو تاجر مال لے کر فوری فروخت کردیتا ہو، اور جو تاجر مال لے کر جمع رکھتا ہو، اور پھر بعد میں فروخت کرتا ہو، جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان دونوں قسم کے

---

[1] بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تجارت کا مال صرف وہی ہوتا ہے، جس کی انسان باقاعدہ تجارت کرتا ہو، اور نفع کمانے کی نیت سے خرید وفروخت کرنے کا پیشہ ومشغلہ اختیار کرتا ہو۔

حالانکہ شرعاً کسی چیز کے مالِ تجارت بننے کے لئے اس میں مذکورہ قید ضروری نہیں، بلکہ جو چیز بھی انسان فروخت کرنے کی نیت سے خریدے وہ تجارت کے مال میں شمار ہوتی ہے۔ البتہ خریدتے وقت، فروخت کرنے کی نیت نہ ہو تو بعد میں فروخت کرنے کی نیت کرلینے سے وہ چیز مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوتی، مگر تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی چیز میں صرف ترکِ تجارت کی نیت کرلینے سے وہ چیز مالِ تجارت سے خارج ہوجاتی ہے۔

اس سلسلے میں فقہاء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے، کہ تجارت ایک عمل وفعل ہے، جو فعل وعمل بالنیۃ سے ہی، وجود میں آتا ہے، اور اس کے برعکس عدمِ تجارت کوئی فعل وعمل نہیں، بلکہ وہ باب التروک سے متعلق ہے، لہٰذا وہ صرف نیت سے وجود میں آجاتا ہے، کالسفر والاقامۃ۔

ثم ما سوی الذهب والفضة إنما يصير للتجارة بالنية، والتجارة جميعا -حتى إنه إذا كان له عروض للبذلة والمهنة، ثم نوى أن تكون للتجارة بعد ذلك لا تصير للتجارة، ما لم يوجد منه الشراء بعد ذلك بذلك المال، فيكون بدله للتجارة .فأما إذا كان له مال للتجارة ونوى أن يكون للبذلة، يخرج عن التجارة، وإن لم يستعمله، لان التجارة عمل معلوم، ولا يوجد بمجرد النية، فلا يعتبر مجرد النية، فأما إذا نوى الابتذال، فقد ترك التجارة للحال، فتكون النية مقارنة لعمل، هو ترك التجارة، فاعتبرت النية(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۲۷۲ باب زكاة اموال التجارة)

والأصل أن النية متى تجردت عن العمل لا تكون مؤثرة، فإذا نوى الإقامة في موضع الإقامة فقد اقترنت النية بعمل الإقامة فصار مقيما، وإذا نوى السفر فقد تجردت النية عن العمل ما لم يخرج فلا يصير مسافرا، وهو نظير ما لو نوى في عبد التجارة أن يكون للخدمة صار للخدمة، ولو نوى في عبد الخدمة أن يكون للتجارة لا يصير لها ما لم يتجر فيه(المبسوط للسرخسی ،ج ا ص ۲۳۹، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

[2] اشترى شيئا للقنية ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۷۳، وص ۲۷۴، كتاب الزكاة)

مالوں کا حکم زکاۃ کے اعتبار سے برابر ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۶ ...... جو جانور گھر میں پیدا ہوا، اگر مالک نے اس کو بیچنے کی نیت کر لی، تو وہ مالِ تجارت میں شامل نہ ہوگا، اس لیے کہ فقط نیت کرنے سے کوئی چیز تجارت کی نہیں بنتی، جب تک کہ نیت کے ساتھ خریدنے کا عمل نہ پایا جائے، جیسا کہ پہلے گزرا، اس لیے اس جانور میں مالِ تجارت کی حیثیت سے زکاۃ فرض نہ ہوگی۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۷...... عشری، خراجی زمین خواہ اپنی مملوکہ ہو یا کرائے پر لی ہو یا مستعار لی ہو، اس سے اُگنے والی فصل میں تجارت کی نیت کرنے سے وہ پیدا شدہ فصل مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ اس پر حسبِ قاعدہ عشر یا خراج دینا ہی لازم ہوگا، جس کی تفصیل ہم نے عشر و خراج والی دوسری کتاب میں ذکر کر دی ہے۔ ۳؎

۱؎ مندرجہ بالا قول جمہور کا ہے، جبکہ مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

يرى المالكية أن التاجر إما أن يكون محتكرا أو مديرا، والمحتكر هو الذى يرصد بسلعه الأسواق وارتفاع الأسعار، والمدير هو من يبيع بالسعر الحاضر ثم يخلفه بغيره وهكذا، كالبقال ونحوه.

فالمحتكر يشترط لوجوب الزكاة عليه أن يبيع بذهب أو فضة يبلغ نصابا، ولو فى مرات، وبعد أن يكمل ما باع به نصابا يزكيه ويزكى ما باع به بعد ذلك وإن قل، فلو أقام العرض عنده سنين فلم يبع ثم باعه فليس عليه فيه إلا زكاة عام واحد يزكى ذلك المال الذى يقبضه .أما المدير فلا زكاة عليه حتى يبيع بشىء ولو قل، كدرهم، وعلى المدير الذى باع ولو بدرهم أن يقوم عروض تجارته آخر كل حول ويزكى القيمة، كما يزكى النقد .وإنما فرق مالك بين المدير والمحتكر لأن الزكاة شرعت فى الأموال النامية، فلو زكى السلعة كل عام -وقد تكون كاسدة -نقصت عن شرائها، فيتضرر، فإذا زكيت عند البيع فإن كانت ربحت فالربح كان كامنا فيها فيخرج زكاته، ولأنه ليس على المالك أن يخرج زكاة مال من مال آخر.

وبهذا يتبين أن تقويم السلع عند المالكية هو للتاجر المدير خاصة دون التاجر المحتكر، وأن المحتكر ليس عليه لكل حول زكاة فيما احتكره بل يزكيه لعام واحد عند بيعه وقبض ثمنه.

أما عند سائر العلماء فإن المحتكر كغيره، عليه لكل حول زكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۳، ۲۷۴، مادة ”زكاة“)

۲؎ لو نوى التجارة فيما خرج من أرضه، فقد علمت أنها لا تصح بعدم العقد فلم يصر الخارج مال تجارة فلا زكاة فيه (ردالمحتار، ج۲، ص۲۶۸، كتاب الزكاة)

۳؎ ولا تصح نية التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية أو المستأجرة أو المستعارة لئلا يجتمع الحقان (الدر المختار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... اگرکسی نے اپنی یا کرایہ کی جگہ میں مرغی خانہ (یعنی پولٹری فارم) قائم کیا ہوا ہے، یا مچھلی خانہ (یعنی مچھلی کا فارم) قائم کیا ہوا ہے، جہاں پر مرغیاں اور مچھلیاں پال کر فروخت کی جاتی ہیں، تو ان چیزوں کی زکاۃ کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ مرغی خانہ اور مچھلی کے تالاب کی زمین اور متعلقہ ساز وسامان پر تو زکاۃ فرض نہیں۔

اور مرغیاں اور چوزے یا مچھلیاں یا ان کے بچے خریدتے وقت اگر ان ہی کو بیچنے کی نیت ہو، تو یہ مالِ تجارت میں داخل ہوں گے، اور ان کی مالیت پر زکاۃ فرض ہوگی۔

البتہ اگر مرغیوں اور چوزوں کو بیچنے کے بجائے ان کے انڈے یا ان کے بچے بیچنے کی نیت ہے، تو ایسی مرغیوں پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں ان مرغیوں اور چوزوں کو باقی رکھتے ہوئے، ان سے منفعت حاصل کرنا مقصود ہے۔

اس لیے یہ مالِ تجارت میں داخل نہیں۔ [1]

اسی طرح اگر یہ مرغیاں اور چوزے خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی، بلکہ بعد میں نیت ہوئی، تو تب بھی ان کی مالیت پر زکاۃ فرض نہیں، البتہ ان کو یا ان کے بچوں، اور انڈوں کو بیچنے کے بعد ان سے حاصل شدہ رقم پر دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں بہرحال زکاۃ فرض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله :ولا تصح نية التجارة إلخ) لأنها لا تصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي ومثله الخارج من أرضه، لأن الملك يثبت فيه بالنبات، ولا اختيار له فيه، ولذا قال في البحر :وخرج أي بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصابا، ونوى أن يمسكها ويبيعها فأمسكها حولا لا تجب فيها الزكاة كما في الميراث وكذا لو اشترى بذر التجارة وزرعها في أرض عشر استأجرها كان فيها العشر لا غير كما لو اشترى أرض خراج أو عشر للتجارة لم يكن عليه زكاة التجارة إنما عليه حق الأرض من العشر أو الخراج (قوله أو المستأجر أو المستعارة) يعني وكانت الأرض عشرية، فإن العشر على المستعير اتفاقا وعلى المستأجر على قولهما المأخوذ به .وأما إذا كانتا خراجيتين فإن الخراج على رب الأرض، فإذا نوى المستعير أو المستأجر في الخارج منهما التجارة يصح لعدم اجتماع الحقين أفاده ح.قلت :يتعين فرض المسألة فيما إذا اشترى بذرا للتجارة وزرعه ليصح التعليل بعدم اجتماع الحقين، أما لو نوى التجارة فيما خرج من أرضه، فقد علمت أنها لا تصح بعدم العقد فلم يصر الخارج مال تجارة فلا زكاة فيه فافهم (قوله :لئلا يجتمع الحقان) علمت ما فيه(ردالمحتار، ج۲ص۲۶۸، کتاب الزکاۃ)

[1] لان توليد البيضة والولد، ليس فعل التجارة.

ہوگی (کذا فی احسن الفتاویٰ ج۴ص۳۱۰، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید، کراچی، وفتاویٰ عثمانی ج۲ص۳۹، کتاب الزکاۃ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی) [1]

مسئلہ نمبر۹ ...... جو شخص انڈوں کو فروخت کرنے کے لیے کسی دوسرے سے انڈے خریدتا ہے، تو وہ انڈے مالِ تجارت میں داخل ہوں گے، اور سال پورا ہونے کے وقت انڈوں کی شکل میں جو مالِ تجارت (وسٹاک) موجود ہوگا، ان کی حسبِ قاعدہ زکاۃ واجب ہوگی۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۰ ...... تجارت کے مال میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تجارت کا مال یا اس کے ساتھ زکاۃ کا دوسرا مال مل کر اتنی مالیت بن جائے کہ اس کی مقدار اس جگہ کے اعتبار سے کہ جہاں وہ مال موجود ہو، زکاۃ کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جائے، جس کی تفصیل آگے مسئلہ نمبر۳۳ میں آتی ہے۔ [3]

اور تجارت کے مال میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس پر حولانِ حول

---

[1] (لا زكاة في اللآلىء والجواهر) وإن ساوت ألفا اتفاقا (إلا أن تكون للتجارة) والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدي إلى الثنى وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض .ولو نوى التجارة بعد العقد أو اشترى شيئا للقنية ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله ما عدا الحجرين) هذا علم بالغلبة على الذهب والفضة ط وقوله :والسوائم بالنصب عطفا على الحجرين وما عدا ما ذكر كالجواهر والعقارات والمواشي العلوفة والعبيد والثياب والأمتعة ونحو ذلك من العروض (ردالمحتار، ج۲، ص۲۷۳، وص۲۷۴، كتاب الزكاة)

[2] وأما صفة هذا النصاب فهي أن يكون معدا للتجارة وهو أن يمسكها للتجارة وذلك بنية التجارة مقارنة لعمل التجارة (بدائع الصنائع، ج۲، ص۲۱، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب التجارة)

م :(وإن اشترى شيئا ونواه للتجارة كان للتجارة لاتصال النية بالعمل) ش :وهو الشراء بنية التجارة (البناية شرح الهداية، ج۳، ص۳۱۰، كتاب الزكاة، حكم من اشترى جارية أو شيئا للتجارة ثم نواه للخدمة أو القنية)

[3] الشرط الرابع :بلوغ النصاب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۲، مادة "زكاة")

بلوغ النصاب :أن تبلغ قيمة أموال التجارة نصاباً من الذهب أو الفضة المضروبين، وتعتبر في البلد الذي فيه المال، فإن كان في مفازة اعتبرت قيمتها في أقرب الأمصار إلى تلك المفازة(الفقه الاسلامي وادلتہٗ للزحيلي، ج۳ص۱۸۶۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

ہوجائے، یعنی سال گزر جائے، جس کی تفصیل آگے سال گزرنے کے بیان میں آتی ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۱...... جس چیز کو تجارت کی نیت سے نہیں خریدا، مگر خریدنے کے بعد اس میں تجارت کی نیت کرلی، یا تجارت کی نیت سے خریدا تھا، لیکن زکاۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے تجارت کی نیت ختم کردی، اور مثلاً اس کے خود برتنے اور اس کے خود استعمال کرنے کی نیت کرلی، اگرچہ اس کے بعد پھر دوبارہ تجارت کی نیت کیوں نہ کرلی ہو، ان سب صورتوں میں اس کی زکاۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ یہ چیز شرعاً تجارت کے مال میں داخل نہیں ہوگی۔

البتہ اگر کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی تھی، اور زکاۃ کا سال پورا ہونے تک یہ نیت برقرار رہی، اور سال پورا ہونے کے بعد پھر تجارت کی نیت ختم کردی تو اب پہلے سال کی زکاۃ واجب ہوگی، آئندہ سال کی واجب نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی چیز میں یہ نیت ایک سے زیادہ سالوں تک برقرار رہی اور پھر اس کے بعد تجارت کی نیت ختم ہوگئی، تو گزشتہ ان سب سالوں کی زکاۃ واجب ہوگی۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۱۲...... زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں وہ چیزیں شامل ہوتی ہیں، جن کو بذاتِ خود بیچنا مقصود ہو، جیسا کہ کپڑے کے تاجر کا کپڑا، جوتے فروش کے

۱؎ الشرط الخامس :الحول:والمراد أن يحول الحول على عروض التجارة، فما لم يحل عليها الحول فلا زكاة فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۳، مادة "زكاة")

۲؎ ذهب جمهور الفقهاء إلى أن عرض التجارة يصير للقنية بنية القنية وتسقط الزكاة منه، لأن القنية هي الأصل، ويكفي في الرد إلى الأصل مجرد النية، كما لو نوى المسافر الإقامة في مكان صالح للإقامة يصير مقيما في الحال بمجرد النية؛ ولأن نية التجارة شرط لوجوب الزكاة في العروض، فإذا نوى القنية زالت نية التجارة ففات شرط الوجوب؛ ولأن القنية هي الحبس للانتفاع وقد وجد بالنية مع الإمساك، كما أن العرض إذا صار للقنية بالنية لا يصير للتجارة بالنية المجردة ما لم يقترن بها فعل التجارة؛ لأن التجارة هي تقليب العروض بقصد الإرباح، ولم يوجد ذلك بمجرد النية؛ ولأن الأصل القنية، والتجارة عارض فلم يصر إليها بمجرد النية، كما لو نوى الحاضر السفر لا يثبت له حكم السفر بمجرد النية، بل لا بد من الشروع فيه والخروج عن عمران المصر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص۶۹، مادة "قنية")

جوتے، عطر فروش کا عطر، اور وہ شیشیاں جن میں وہ عطر فروخت کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اور جن چیزوں کو بیچنا مقصود نہ ہو، بلکہ اُن کو باقی رکھ کر اُن سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہو، خواہ وہ فائدہ تجارت کی ضرورت کے لئے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ کپڑے فروش کی گاڑی، ریڑھی، عطر فروش کی وہ شیشیاں جن میں وہ عطر کو اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے، اور عطر کو اُن میں سے نکال کر فروخت کرتا ہے، وغیرہ، وغیرہ، تو ایسی چیزیں زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوتیں۔ [1]

گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن چیزوں کو فروخت کرنا مقصود نہ ہو، اور ان کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے ان سے کرایہ حاصل کرنا، یا کسی اور شکل میں، نفع کمانا یا فائدہ اٹھانا مقصود ہو، وہ چیزیں مالِ تجارت میں شمار نہیں ہوتیں۔

چنانچہ کارخانوں کا منجمد اثاثہ (پرنٹنگ پریس، مشینری، پلانٹ وغیرہ) دوکان کا سامان رکھنے کے لیے الماریاں (شوکیس وغیرہ) استعمالی گاڑی، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کرائے پر چلانے کی

---

[1] كيفية التقويم والحساب في زكاة التجارة:

أ -ما يقوم من السلع وما لا يقوم:

الذي يقوم من العروض هو ما يراد بيعه دون ما لا يعد للبيع، فالرفوف التي يضع عليها السلع لا زكاة فيها.

ومما ذكره الحنفية من ذلك أن تاجر الدواب إن اشترى لها مقاود أو براذع، فإن كان يبيع هذه الأشياء معها ففيها الزكاة، وإن كانت لحفظ الدواب بها فلا زكاة فيها .وكذلك العطار لو اشترى قوارير، فما كان من القوارير لحفظ العطر عند التاجر فلا زكاة فيها، وما كان يوضع فيها العطر للمشتري ففيها الزكاة.

ومواد الوقود كالحطب، ونحوه، ومواد التنظيف كالصابون ونحوه التي أعدها الصانع ليستهلكها في صناعته لا ليبيعها فلا زكاة فيما لديه منها، والمواد التي لتغذية دواب التجارة لا تجب فيها الزكاة.

وذكر المالكية أنه لا زكاة في الأواني التي تدار فيها البضائع، ولا الآلات التي تصنع بها السلع، والإبل التي تحملها، إلا أن تجب الزكاة في عينها.

وذكر الشافعية أن المواد التي للصباغة أو الدباغة، والدهن للجلود، فيها الزكاة، بخلاف الملح للعجين أو الصابون للغسل فلا زكاة فيهما لهلاك العين، وذكر الحنابلة نحو ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، مادة "زكاة")

نیت سے خریدی گئی گاڑی، رکشہ وغیرہ، رہنے یا کرائے پر دینے کی نیت سے خریدا یا بنایا ہوا مکان یا دوکان اور پلاٹ اور برتن وغیرہ، یہ چیزیں زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کا مال شمار نہیں ہوتیں، لہٰذا ان چیزوں یا ان کی مالیت پر زکاۃ واجب نہیں، کیونکہ ان چیزوں سے اگرچہ انسان کمائی تو کرتا ہے، یا نفع تو اٹھاتا ہے، مگر ان چیزوں کو فروخت کرنا مقصود نہیں ہوتا، اس لئے یہ چیزیں تجارت کے مال میں داخل نہیں کہلاتیں۔

البتہ ان میں سے کوئی چیز فروخت کرنے کی نیت سے خریدی تھی تو وہ تجارت کی چیز شمار ہوگی۔ [1]

---

[1] کتاب کی اشاعت کرنے کے بعد آئندہ کے لئے اشاعت کی غرض سے رکھی ہوئی چھپائی کی پلیٹوں کی حیثیت بھی آلات کی طرح ہے، جن پر زکاۃ نہیں، البتہ جو شخص ان پلیٹوں کو فروخت کرنے کا کاروبار کرتا ہو، اس پر ان پلیٹوں کی بحیثیت تجارت کا مال ہونے کے زکاۃ واجب ہوگی۔

وكذلك آلات المحترفين إلا ما يبقى أثر عينه كالعصفر لدبغ الجلد ففيه الزكاة، بخلاف ما لا يبقى كصابون يساوى نصبا وإن حال الحول .وفى الأشباه :الفقيه لا يكون غنيا بكتبه المحتاج إليها إلا فى دين العباد فتباع له (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص۲۶۵، كتاب الزكاة)

(قوله :وكذلك آلات المحترفين) أى سواء كانت مما لا تستهلك عينه فى الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك، لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه، كصابون وجرض الغسال، ومنه ما يبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة فى الأولين لأن ما يأخذه من الأجرة بمقابلة العمل .وفى الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما فى الفتح .قال :وقوارير العطارين، ولحم الخيل والحمير المشتراة للتجارة ومقاودها وجلالها إن كان من غرض المشترى بيعها بها ففيها الزكاة، وإلا فلا (قوله :كالعصفر) الأولى كالعفص كما فى بعض النسخ لأنه المناسب لقوله لدبغ الجلد (قوله :وإن حال الحول) أى ولم ينو بها التجارة بل أمسكه لحرفته (قوله فتباع له) أى يجبره القاضى على بيعها لقضاء الدين، وإن أبى باعها عليه (ردالمحتار، ج۲، ص۲۶۵، وص۲۶۶، كتاب الزكاة)

(قوله :وأثاث المنازل إلى آخره) أى ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال لا زكاة فيها وكذا الدور والحوانيت والجمال يؤجرها لا زكاة فيها .اهـ. غاية (قوله :وكتب الفقه لأهلها) أى ولغير أهلها إذا لم تكن للتجارة وكذا طعام أهله وما يتجمل به من الأوانى إذا لم تكن من الذهب والفضة وكذا اللؤلؤ والجوهر والياقوت والبلخش والزمرد ونحوها من الفصوص وغيرها إذا لم تكن للتجارة، وكذا آلات المحترفين كقدور الصباغين، وقوارير العطارين وظروف الأمتعة، وفى الذخيرة لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم يؤجرها فلا زكاة فيها (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج۱، ص۲۵۳، كتاب الزكاة)

مسئلہ نمبر۱۴۳...... مختلف پیشوں اور دستی و مشینی صنعت کاریوں سے منسلک ہنر مند و کاریگر جو مصنوعات (پروڈکٹس) کی تیاری میں ایک تو اپنی محنت و ہنر (یعنی فنی قابلیت) لگاتے ہیں، دوسرے اپنا میٹریل استعمال کر کے مصنوع کو وجود میں لاتے، یا تیار کرتے ہیں، اور پھر اپنی محنت و ہنر کی اجرت اور میٹریل کے اخراجات دونوں کو سامنے رکھ کر چیز (پروڈکٹ) کی قیمت طے کرتے ہیں، جیسے درزی، فرنیچر ساز (ترکھان، کارپینٹر) بائنڈر وغیرہ، کہ مثلاً درزی کپڑا سلائی کی اجرت میں اپنی مزدوری کے ساتھ بکرم، دھاگے، بٹن وغیرہ کے اخراجات بھی شامل کرتے ہیں، اسی طرح بائینڈر اپنی محنت کے ساتھ جلد بندی کے میٹریل گتہ، ریکسین وغیرہ کے اخراجات شامل کرتے ہیں، تو اس میٹریل کے مالِ تجارت میں شامل ہونے نہ ہونے کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ فروختگی کے وقت تک ان کا اثر باقی رہتا ہے، جیسے درزی کا بکرم، دھاگہ، بائنڈر کا گتہ، جلد وغیرہ، تو یہ چیزیں مالِ تجارت میں شامل ہوں گی، اور اگر وہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا اثر باقی نہیں رہتا، جیسے دھوبی، ڈرائی کلینر کا سرف، صابن وغیرہ، تو یہ چیزیں مالِ تجارت میں شامل نہیں ہوں گی۔ [1]

---

[1] وأما الأجراء الذين يعملون للناس نحو الصباغين والقصارين والدباغين إذا اشتروا الصبغ والصابون والدهن ونحو ذلک مما يحتاج إليه فی عملهم ونووا عند الشراء أن ذلک للاستعمال فی عملهم هل يصير ذلک مال التجارة؟ روی بشر بن الوليد عن أبی يوسف أن الصباغ إذا اشتری العصفر والزعفران ليصبغ ثياب الناس فعليه فيه الزكاة، والحاصل أن هذا علی وجهين :إن كان شيئا يبقی أثره فی المعمول فيه كالصبغ والزعفران والشحم الذی يدبغ به الجلد فإنه يكون مال التجارة، لأن الأجر يكون مقابلة ذلک الأثر وذلک الأثر مال قائم فإنه من أجزاء الصبغ والشحم لكنه لطيف فيكون هذا تجارة، وإن كان شيئا لا يبقی أثره فی المعمول فيه مثل الصابون والأشنان والقلی والكبريت فلا يكون مال التجارة، لأن عينها تتلف ولم ينتقل أثرها إلی الثوب المغسول حتی يكون له حصة من العوض بل البياض أصلی للثوب يظهر عند زوال الدرن فما يأخذ من العوض يكون بدل عمله لا بدل هذه الآلات فلم يكن مال التجارة(بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التی ترجع إلی المال)وأما إذا كان يبقی أثرها فی المعمول كما لو اشتری الصباغ عصفرا أو زعفرانا ليصنع ثياب الناس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴۲...... اگر کوئی تاجر کسی قسم کا خام مال یا مواد (مثلاً دھاگہ، لکڑی، مشین کے پرزے وغیرہ) تیار کرتا اور رکھتا ہے، اور پھر اس سے کوئی چیز (مثلاً کپڑا، فرنیچر، یا کوئی مشین) تیار کر کے فروخت کرتا ہے، تو ایسا خام مال اور تیار شدہ مال بھی زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں شامل کہلائے گا، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔

پس تجارت کے مال میں وہ چیز تو شامل ہے ہی، جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی جاتی ہے، اور اسی کے ساتھ وہ چیز بھی تجارت کے مال میں شامل ہے، جو تاجر بعینہٖ تو فروخت نہ کرے، بلکہ اسے تیار کر کے فروخت کرے چنانچہ خام مال اور تیار کردہ مال برائے فروخت بھی تجارت کے مال میں شامل ہے۔

جیسا کہ بعض زیورات فروخت کرنے والے دوکانداروں کی ملکیت میں زیورات میں جڑاؤ کرنے کے لئے الگ نگینے وغیرہ ہوتے ہیں، جن کو وہ زیورات میں جڑوا کر فروخت کرتے ہیں، تو وہ بھی تجارت کے مال میں شامل ہوں گے۔

اسی طرح جو چیزیں مالِ تجارت کے ساتھ برائے فروخت شامل کی جاتی ہیں، اور مالِ تجارت میں ان کی قیمت شامل کی جاتی ہے، اور مالِ تجارت کے ساتھ بذاتِ خود وہ چیزیں یا ان کا اثر باقی رہتا ہے، مثلاً بوری، شاپنگ بیگ، رسی، گتہ وغیرہ کا ڈبہ اور رنگ وغیرہ کا ڈبہ (جو بہت سے تاجر لوگ رکھتے ہیں اور ان میں اپنا مالِ تجارت رکھ کر یا پیک کر کے فروخت کرتے ہیں) تو یہ چیزیں بھی مالِ تجارت میں شامل ہوں گی، اور تیار شدہ مال اور خام مال کے ساتھ ان اشیاء کی قیمت بھی لگا کر زکاۃ ادا کی جائے گی۔

اسی طرح آج کل بعض مستری اور مکینک (Mechanic) حضرات اپنے کام کاج کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بأجر وحال عليه الحول كان عليه الزكاة إذا بلغ نصابا، وكذا كل من ابتاع عينا ليعمل به ويبقى أثره في المعمول كالعفص والدهن لدبغ الجلد فحال عليه الحول كان عليه الزكاة، وإن لم يبق لذلك العين أثر في المعمول كالصابون والحرض لا زكاة فيه كذا في الكفاية (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الاول)

اوزاروں کے ساتھ کچھ ایسی چیزیں بھی اپنے پاس خرید کر رکھتے ہیں کہ جو بوقتِ ضرورت گاہکوں کی مشینریوں وغیرہ میں نصب (یعنی فٹ) کر دیتے ہیں، اور ان چیزوں کی قیمت گاہکوں سے وصول کرتے ہیں، ایسی چیزیں بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں، کیونکہ ان چیزوں کو بھی فروخت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اگر مالِ تجارت کے ساتھ ان چیزوں کا وجود یا اثر باقی نہیں رہتا، جیسا کہ بعض تاجر لوگوں کا فروخت کئے جانے والے کپڑے کو دھونے والا صابن، بلیچ وغیرہ، جس سے تاجر کپڑا فروخت کرنے سے پہلے کپڑا دھوتے ہیں، تو اس طرح کی چیزیں مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوں گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۵......سونے اور چاندی کے نصاب کی مقدار چونکہ وزن کے اعتبار سے مقرر ہے، چنانچہ سونے کے نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولہ ہے، اور چاندی کے نصاب کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہے، لیکن بعض چیزیں جو سونے یا چاندی کی تیار شدہ ہوتی ہیں، مثلاً

---

[1] إن كان شيئا يبقى أثره فى المعمول فيه كالصبغ والزعفران والشحم الذى يدبغ به الجلد فإنه يكون مال التجارة، لأن الأجر يكون مقابلة ذلك الأثر وذلك الأثر مال قائم فإنه من أجزاء الصبغ والشحم لكنه لطيف فيكون هذا تجارة، وإن كان شيئا لا يبقى أثره فى المعمول فيه مثل الصابون والأشنان والقلى والكبريت فلا يكون مال التجارة، لأن عينها تتلف ولم ينتقل أثرها إلى الثوب المغسول حتى يكون له حصة من العوض بل البياض أصلى للثوب يظهر عند زوال الدرن فما يأخذ من العوض يكون بدل عمله لا بدل هذه الآلات فلم يكن مال التجارة(بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع إلى المال)

وأما إذا كان يبقى أثرها فى المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفرا أو زعفرانا ليصبغ ثياب الناس بأجر وحال عليه الحول كان عليه الزكاة إذا بلغ نصابا، وكذا كل من ابتاع عينا ليعمل به ويبقى أثره فى المعمول كالعفص والدهن لدبغ الجلد فحال عليه الحول كان عليه الزكاة، وإن لم يبق لذلك العين أثر فى المعمول كالصابون والحرض لا زكاة فيه كذا فى الكفاية(الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول)

كالبقال يشتريه للبيع أو الصباغ اشترى آلات الصبغ كالقرظ والشث لصبغ ثياب الناس حيث يزكيه مع ماله لأنه تجارة حتى ملك حبس العين لأخذ الأجر، اشترى دواب للبيع واشترى معه جلاجل وبراقع للبيع مع الدواب وجب الزكاة فى الكل وإن لم يقصد البيع معه لا زكاة فيهن وكذا العطار يشترى قوارير(الفتاوى البزازية، ج ۱، ص ۴۰، كتاب الزكاة)

سونے کا تیارشدہ زیور یا کوئی برتن وغیرہ، ایسی صورت میں بعض اوقات اس سونے یا چاندی کے زیور یا برتن وغیرہ کی قیمت ہم وزن خالص سونے یا چاندی کی مالیت سے زیادہ ہوجاتی ہے، جیسا کہ سات تولہ سونے کی مقدار سے کوئی زیور تیار کیا گیا، اوراس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی، مگر یہ کہ سونے یا چاندی کا یہ زیور یا برتن جو اپنے پاس ہے، وہ زکاۃ کے دوسرے مال (مثلاً کرنسی یا مالِ تجارت) کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہوجائے۔ [1]

جبکہ حنابلہ کے نزدیک سونے یا چاندی کی اس قسم کی چیز کو تجارت کا مال تصور کرتے ہوئے سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے اعتبار سے زکاۃ واجب ہوتی ہے، یعنی اگر اس کی قیمتِ فروخت مالِ تجارت کے نصاب کے بقدر ہو، خواہ اس کا وزن نصاب کے بقدر نہ ہو، تو اس کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] (والمعتبر وزنهما أداء ووجوبا)(الدرالمختار)
(قوله :ووجوبا) أى من حيث الوجوب؛ يعنى يعتبر فى الوجوب أن يبلغ وزنهما نصابا نهر، حتى لو كان له إبريق ذهب أو فضة وزنه عشرة مثاقيل أو مائة درهم وقيمته لصياغته عشرون أو مائتان لم يجب فيه شيء إجماعا قهستانى (ردالمحتار، ج۲ ص ۲۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وأما الثانى، وهو اعتبار الوزن فى حق الوجوب دون العدد والقيمة فمجمع عليه حتى لو كان له إبريق فضة وزنها مائة وخمسون وقيمتها مائتان فلا زكاة فيها وكذا الذهب، وفى البدائع :ولو كانت الفضة مشتركة بين اثنين فإن كان يبلغ نصيب كل واحد مقدار النصاب تجب الزكاة، وإلا فلا، ويعتبر فى حال الشركة ما يعتبر فى حال الانفراد(البحرالرائق، ج۲ص ۲۴۴، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وأما الثانى وهو اعتبار الوزن فى حق الوجوب فمجمع عليه حتى لو كان له إبريق فضة وزنها مائة وخمسون وقيمتها مائتان لا يجب فيها لما قلنا وعلى هذا الذهب(تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۷۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

[2] البتہ حنابلہ کے نزدیک سونے، چاندی سے جو چیز تیار کی گئی ہو، اگر اس کا استعمال ناجائز ہو، مثلاً سونے، چاندی کے برتن ہوں، یا مردانہ زیور ہو، تو اس میں تجارت کا مال شمار ہونے کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

أما المصوغات من الذهب والفضة إن كانت للتجارة، فقد ذهب المالكية إلى أنه ليس فيها زكاة إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۶...... اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی سے تیارہ شدہ کوئی چیز (زیور، برتن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كانت أقل من نصاب بالوزن، ولو زادت قيمتها عن نصاب بسبب الجودة أو الصنعة، ويزكى على أساس القيمة الشاملة أيضا لما فيه من الجواهر المرصعة .

أما الحنابلة فقد صرحوا بأن الصناعة المحرمة لا تقوم لعدم الاعتداد بها شرعا، أما الصنعة المباحة فتدخل في التقويم إن كان الحلي للتجارة، ويعتبر النصاب بالقيمة كسائر أموال التجارة، ويقوم بنقد آخر من غير جنسه، فإن كان من ذهب قوم بفضة، وبالعكس، إن كان تقويمه بنقد آخر أحظ للفقراء ، أو نقص عن نصابه، كخواتم فضة لتجارة زنتها (مائة وتسعون درهما) وقيمتها (عشرون) مثقالا ذهبا، فيزكيها بربع عشر قيمتها، فإن كان وزنها (مائتى) درهم، وقيمتها تسعة عشر مثقالا وجب أن لا تقوم، وأخرج ربع عشرها .

ويظهر من كلام ابن عابدين أن مذهب الحنفية أن العبرة فى الحلى والمصوغ من النقدين بالوزن من حيث النصاب ومن حيث قدر المخرج، وعند زفر المعتبر القيمة، وعند محمد الأنفع للفقراء.

وعند الشافعية فى مصوغ الذهب والفضة الذى للتجارة هل يزكى زكاة العين أو زكاة القيمة قولان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۹، ۲۷۰،مادة "زكاة ")

والمعتبر عند غير الشافعية فى نصاب الحلى الذى تجب فيه الزكاة :الوزن لا القيمة، فلو ملك حلياً قيمته مئتا درهم، ووزنه دون المئتين، لم يكن عليه زكاة، وإن بلغ مئتين وزناً، ففيه الزكاة، وإن نقص فى القيمة، للحديث المتقدم :ليس فيما دون خمس أواق من الورِق صدقة.

واستثنى الحنابلة أن يكون الحلى للتجارة، فيقوم، فإذا بلغت قيمته بالذهب والفضة نصاباً، ففيه الزكاة؛ لأن الزكاة متعلقة بالقيمة، ومالم يكن للتجارة، فالزكاة فى عينه، فيعتبر بلوغ قيمته ووزنه نصاباً، وهو مخير بين إخراج ربع عشر حلية مشاعاً أو دفع ما يساوى ربع عشرها من جنسها.

فإن كان فى الحلى جوهر ولآلء مرصعة، فالزكاة فى الحلى من الذهب والفضة دون الجوهر؛ لأنها لا زكاة فيها عند أحد من أهل العلم، كما أبنت، فإن كان الحلى للتجارة قومه بما فيه من الجواهر؛ لأن الجواهر لو كانت مفردة عن الذهب والفضة، وهى للتجارة، لقومت وزكيت، فكذلك إذا كانت فى حلى التجارة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۲۹ ، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الاول)

فصل :ويعتبر فى النصاب فى الحلى الذى تجب فيه الزكاة بالوزن، فلو ملك حليا قيمته مائتا درهم، ووزنه دون المائتين، لم يكن عليه زكاة .وإن بلغ مائتين وزنا، ففيه الزكاة، وإن نقص فى القيمة، لقوله عليه السلام :ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة.

اللهم إلا أن يكون الحلى للتجارة فيقوم، فإذا بلغت قيمته بالذهب والفضة نصابا، ففيه الزكاة، لأن الزكاة متعلقة بالقيمة، وما لم يكن للتجارة فالزكاة فى عينه، فيعتبر أن يبلغ بقيمته ووزنه نصابا (المغنى لابنِ قدامة، ج ۳ص ۴۴، كتاب الزكاة،فصل يعتبر فى النصاب فى الحلى الذى تجب فيه الزكاة)

وغیرہ) تجارت کے مال کی شکل میں ہے، یعنی وہ اس چیز کو فروخت کرتا ہے، اور اس کا وزن زکاۃ کے نصاب کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو زکاۃ ادا کرنے کے اعتبار سے یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی سونے یا چاندی سے تیارہ شدہ اس طرح کی چیزوں کی زکاۃ روپیہ پیسہ وغیرہ سے ادا کرے، تو ان چیزوں کی جو موجودہ قیمتِ فروخت ہوتی ہے، اس کے اعتبار سے ڈھائی فیصدی قیمت، زکاۃ میں ادا کی جائے گی۔

اور اگر اس چیز کی جنس (مثلاً زیور کی اسی طرح کے زیور) سے زکاۃ ادا کی جائے، تو پھر اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وزن کے حساب سے اس جنس کا ڈھائی فیصد دینا کافی ہوتا ہے، جس چیز کی زکاۃ ادا کی جارہی ہے۔ [1]

---

[1] اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وزن اور مالیت میں سے انفع للفقراء کا اعتبار ہوگا، اور امام زفر کے نزدیک زکاۃ کا حکم قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔

(والمعتبر وزنهما أداء ووجوبا) لا قيمتهما مبتدأ (في مضروب كل) منهما (ومعموله ولو تبرا أو حليا)(الدرالمختار)

(قوله :والمعتبر وزنهما أداء) أي من حيث الأداء ، يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزنا عند الإمام والثاني.

وقال زفر تعتبر القيمة .واعتبر محمد الأنفع للفقراء ، فلو أدى عن خمسة جيدة زيوفا قيمتها أربعة جيدة جاز عندهما وكره.

وقال محمد وزفر :لا يجوز حتى يؤدي الفضل، ولو أربعة جيدة قيمتها خمسة رديئة لم يجز إلا عند زفر؛ ولو كان له إبريق فضة وزنه مائتان وقيمته ثلثمائة إن أدى خمسة من عينه فلا كلام أو من غيره جاز عندهما خلافا لمحمد وزفر إلا أن يؤدي الفضل.

وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، حتى لو أدى من الذهب ما تبلغ قيمته خمسة دراهم من غير الإناء لم يجز في قولهم لتقوم الجودة عند المقابلة بخلاف الجنس، فإن أدى القيمة وقعت عن القدر المستحق، كذا في المعراج نهر (قوله :ووجوبا) أي من حيث الوجوب؛ يعني يعتبر في الوجوب أن يبلغ وزنهما نصابا نهر، حتى لو كان له إبريق ذهب أو فضة وزنه عشرة مثاقيل أو مائة درهم وقيمته لصياغته عشرون أو مائتان لم يجب فيه شيء إجماعا قهستاني (قوله :لا قيمتهما) نفي لقول زفر باعتبار القيمة في الأداء ، وهذا إن لم يؤد من خلاف الجنس وإلا اعتبرت القيمة إجماعا كما علمت، وكان على الشارح أن يزيد ولا الأنفع نفيا لقول محمد -رحمه الله - اهـ .ح.

(قوله مضروب كل منهما) أي ما جعل دراهم يتعامل بها أو دنانير ط (قوله :ومعموله) أي ما يعمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... صراف اور سنار جو تیار زیورات فروخت کرتے ہیں، وہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں، بعض میں تانبہ یا دوسری کسی دھات کی شکل میں ٹانکے کی کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من نحو حلية سيف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الكواكب فى المصاحف والأوانى وغيرها إذا كانت تخلص بالإذابة بحر (قوله :ولو تبرا) التبر :الذهب والفضة قبل أن يصاغا بحر عن ضياء الحلوم، ولذا قال ح :لا يصح الإتيان به هنا؛ لأنه لا يصدق عليه المضروب ولا المعمول، بل كان عليه أن يقول بعد قوله مطلقا وتبره، بخلاف عبارة الكنز حيث قال :يجب فى مائتى درهم وعشرين دينارا ربع العشر ولو تبرا فإنه داخل فيما قبله (قوله :أو حليا) بضم الحاء وكسرها وتشديد الياء جمع حلى بفتح الحاء وإسكان اللام :ما تتحلى به المرأة من ذهب أو فضة نهر قلت :ولا يتعين ضبط المتن بصيغة الجمع فإنه يحتمل المفرد بل هو الأنسب بقول الشارح مباح الاستعمال حيث ذكر الضمير، إلا أن يقال إنه عائد إلى المذكور من المعمول والحلى (قوله :أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأوانى (ردالمحتار، ج۲ ص۲۹۷، ۲۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

فأما إذا كان المؤدى من جنس النصاب فقد اختلفوا فيه على ثلاثة أقوال:

قال أبو حنيفة وأبو يوسف المعتبر هو القدر دون القيمة ،وقال المعتبر هو القيمة دون القدر،وقال محمد المعتبر ما هو الأنفع للفقراء فإن كان اعتبار القيمة أنفع فقوله مثل قول زفر وإن كان اعتبار القدر أنفع فقوله مثل قول أبى حنيفة وأبى يوسف.

بيان ذلك أن من وجب عليه أداء خمسة أقفزة من حنطة جيدة فى مائتى قفيز حنطة جيدة للتجارة بعد حولان الحول فأدى خمسة أقفزة رديئة يجوز على قول أبى حنيفة وأبى يوسف اعتبارا للقدر ولا يضمن قيمة الجودة لأنه لا قيمة لها فى أموال الربا عند مقابلتها بجنسها وعلى قول محمد وزفر عليه أن يؤدى قيمة الجودة اعتبارا للقيمة عند زفر واعتبارا للأنفع فى حق الفقراء عند محمد وكذلك إذا كان له قلب فضة أو إناء مصبوغ من فضة وزنه مائتا درهم وقيمته لجودته وصياغته ثلاثمائة درهم وأدى خمسة زيوفا أو نبهرجة أو فضة رديئة قيمتها أربعة دراهم فإنه يجوز وتسقط عنه الزكاة فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف لوجود القدر وعند محمد وزفر عليه أن يؤدى سبعة دراهم ونصف درهم ويصرفه إلى تمام القيمة لما ذكرنا من الأصلين.

وأما إذا أدى زكاته من الذهب أو من مال ليس من جنس الفضة فإن عليه أن يؤدى قيمته بالغة ما بلغت وهى سبعة دراهم ونصف لأن الجودة متفوقة فى أموال الربا عند مقابلتها بخلاف الجنس بمنزلة الجودة فى غير أموال الربا.

وإن وجب على رجل خمسة أقفزة رديئة أو خمسة دراهم رديئة فأدى أربعة أقفزة جيدة قيمتها خمسة أقفزة رديئة وأربعة دراهم جيدة قيمتها خمسة دراهم رديئة فإنه يجوز عن أربعة دراهم وأربعة أقفزة وعليه قفيز واحد ودرهم آخر عند أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد.

أما عندهما فاعتبارا للقدر وهو ناقص وأما عند محمد فلأن عنده المعتبر هو القدر إذا كان أنفع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مقدار میں ہوتی ہے، اور بعض میں کم مقدار میں ہوتی ہے، جس کو آج کل کیرٹ (Carat) کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور عربی زبان میں اسے قیراط کہا جاتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للفقراء واعتبار القدر ههنا أنفع وعلى قول زفر يجوز عن الخمسة اعتبارا للقيمة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۳۰۹، ۳۱۰، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

(قوله والمعتبر وزنهما أداء ووجوبا) أما الأول، وهو اعتبار الوزن فى الأداء فهو قول أبى حنيفة وأبى يوسف وقال زفر تعتبر القيمة وقال محمد يعتبر الأنفع للفقراء حتى لو أدى عن خمسة دراهم جياد خمسة زيوفا قيمتها أربعة جياد جاز عند الإمامين خلافا لمحمد وزفر ولو أدى أربعة جيدة قيمتها خمسة ردية عن خمسة ردية لا يجوز إلا عند زفر ولو كان إبريق فضة وزنه مائتان وقيمته بصياغته ثلاثمائة إن أدى من العين يؤدى ربع عشره، وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف، وإن أدى خمسة قيمتها خمسة جاز عند هما، وقال محمد وزفر :لا يجوز إلا أن يؤدى الفضل فلو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع(البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۴۴، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(والمعتبر وزنهما أداء ووجوبا) أى يعتبر فى الذهب والفضة أن يكون المؤدى قدر الواجب وزنا ولا تعتبر فيه القيمة وكذا فى حق الوجوب يعتبر أن يبلغ وزنهما نصابا ولا تعتبر فيه القيمة أما الأول وهو اعتبار الوزن فى الأداء فهو قول أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله وقال زفر تعتبر القيمة وقال محمد يعتبر الأنفع للفقراء حتى لو أدى عن خمسة دراهم جياد خمسة زيوفا قيمتها أربعة دراهم جياد جاز عندهما ويكره وقال محمد وزفر لا يجوز حتى يؤدى الفضل لأن زفر يعتبر القيمة ومحمد يعتبر الأنفع وهما يعتبران الوزن ولو أدى أربعة جيدة قيمتها خمسة ردية عن خمسة ردية لا يجوز إلا عند زفر لما بينا ولو كان له إبريق فضة وزنه مائتان وقيمته لصناعته ثلاثمائة إن أدى من العين يؤدى ربع عشره وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف وإن أدى خمسة قيمتها خمسة جاز عندهما وقال محمد وزفر لا يجوز إلا أن يؤدى الفضل ولو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع لزفر أن العبرة للمالية كما إذا أدى من خلاف جنسه ولا يلزم الربا لأنه لا ربا بين المولى وعبده وكذا يقول محمد إلا أنه احتاط لجانب الفقراء فاعتبر الأنفع وهما يقولان الجودة فى الأموال الربوية لا قيمة لها إذا قوبلت بجنسها وقوله لا ربا بين المولى وعبده قلنا عاملنا الله معاملة المكاتبين حتى استقرض منا بل معاملة الأحرار حتى أجاز تصرفاتنا من التبرعات وغيرها ولا يقال فيه تضييع الجودة على الفقراء فوجب أن لا يجوز كالأب والوصى إذا باعا المصوغ بوزنه من الدراهم وهو أقل من قيمته وكالمريض إذا أوصى بمصوغ وزنه قدر ثلث ماله وقيمته أكثر من الثلث لأنا نقول الأب والوصى تصرفهما مقيد بالنظر ولا نظر فيه والمريض محجور لحق الغرماء والورثة فلا يجوز تضييع الجودة عليهم (تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۷۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

۱ ملحوظ رہے کہ آج کل سونے کے خالص ہونے کو قیراط کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے، جسے انگریزی زبان میں کیرٹ (Carat) کہا جاتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی کے ساتھ بعض زیورات میں نگینہ، موتی وغیرہ کا جڑاؤ ہوتا ہے، اور بعض زیورات ان چیزوں کے بغیر خالص ہوتے ہیں۔

اور آجکل ہمارے علاقوں میں رواج ہے، کہ جب صرافوں اور سناروں سے سونے چاندی کے زیورات خریدے جاتے ہیں، تو وہ زیورات کے وزن میں کھوٹ اور ملاوٹ کو بھی شامل کرتے ہیں اور نگینوں اور موتیوں کی قیمت اور زیورات تیار کرانے کی اجرت اور اخراجات کو بھی مجموعی قیمت میں شامل کر کے فروخت کرتے ہیں، اور اس کے برعکس عام استعمال کرنے والے لوگوں سے ان زیورات کو خریدتے وقت خالص سونے یا چاندی کے زیورات کی قیمت ہی ادا کرتے ہیں، اور کھوٹ وملاوٹ اور زیورات کی بنوائی وتیاری کی اجرت کو قیمت میں شامل نہیں کرتے، بلکہ جتنی مقدار میں خالص سونا یا چاندی اس زیور میں موجود ہوتی ہے، اسی کا اعتبار کر کے بازاری حساب سے قیمت ادا کرتے ہیں۔

اہلِ علم حضرات کے نزدیک ایسی صورت میں زیورات کے تاجر اور استعمال کنندہ دونوں فریقوں کے حق میں زکاۃ کی ادائیگی کا مسئلہ بھی مختلف ہوگا۔

چنانچہ عام استعمال کرنے والے لوگ ان زیورات کی زکاۃ اسی قیمت کے حساب سے ادا کریں گے، جو قیمت انہیں فروخت کرنے کی صورت میں حاصل ہوگی۔

اور ان زیورات کے تاجر اس قیمت کے حساب سے زکاۃ ادا کریں گے، جس قیمت پر یہ زیورات گاہکوں کو فروخت کرتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خالص ترین سونا 24 قیراط (Carat) ہوتا ہے، اور آج کل دس قیراط سے کم سونا قانونی طور پر سونا نہیں کہلاتا، اور بعض زیورات 22 قیراط سونے کے، بعض 20 قیراط سونے کے، بعض 18 قیراط سونے کے، اور بعض اس سے بھی کم قیراط سونے کے ہوتے ہیں، اور اسی اعتبار سے ان کی قیمتوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔

[1] چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ اگر سُنار یا صرّاف سے زیور خریدو تو وہ بنوائی لگاتا ہے، اور اگر اس کے ہاتھ بیچو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کوئی چیز فروخت کرنے کی نیت سے خریدی تھی، مگر اسی کے ساتھ خریدنے والا اس چیز کو اپنی حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت) میں استعمال کرنے پر مجبور ہے، اور وہ زکاۃ کا سال پورا ہونے کے وقت اس چیز کو عملاً اپنی حاجتِ اصلیہ میں استعمال کررہا ہے، مثلاً فروخت کرنے کی نیت سے کوئی لباس خریدا تھا، مگر دوسرا لباس نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پہن رہا ہے، یا فروخت کرنے کے لئے مکان خریدا تھا، مگر دوسرا مکان نہ ہونے کی وجہ سے اسی مکان میں رہ رہا ہے، یا فروخت کرنے کے لئے سواری خریدی تھی، مگر دوسری سواری نہ ہونے کی وجہ سے اسی سے اپنی ضرورت پوری کرنے پر مجبور ہے، یا اس کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنے گھر گھرستی کے ضروری اخراجات پورے کررہا ہے، تو قواعد سے معلوم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تو نہیں لگاتا، پس اس بناپر مقتضیٰ قاعدے کا یہ ہے کہ ایسے دیار میں مالک زیورات کا، اگر تاجر زیورات کا ہے، تب تو وہ زکاۃ میں بنوائی بھی لگاوے، اگر تاجر نہیں ہے، محض استعمال میں لانے والا ہے، تو وہ نہ لگاوے، اگر کہیں عرف اس کے خلاف ہو تو وہاں ویسا ہی حکم ہوگا (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۹، کتاب الزکاۃ والصدقات)

اور فتاویٰ عثمانی میں ہے کہ:

دوکان کے سامان میں اعتبار اس کا ہے کہ اگر یہ پورا سامان آج فروخت کیا جائے، تو کیا قیمت لگے گی؟ قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں (فتاویٰ عثمانی ج ۲ ص ۶۸، کتاب الزکاۃ)

فصل :فإن كان في الحلي جوهر ولآلء مرصعة، فالزكاة في الحلي من الذهب والفضة دون الجوهر، لأنها لا زكاة فيها عند أحد من أهل العلم .فإن كان الحلي للتجارة، قومه بما فيه من الجواهر، لأن الجواهر لو كانت مفردة وهي للتجارة، لقومت وزكيت، فكذلك إذا كانت في حلي التجارة(المغني لابنِ قدامة، ج ۳ص ۴۴، كتاب الزكاة،فصل كان في الحلي جوهر ولآلء مرصعة)

سئل فضيلة الشيخ -رحمه الله تعالى :-هل زكاة الحلي تكون بسعر الشراء أم بسعره كل عام وقت إخراج زكاته؟

فأجاب فضيلته بقوله :زكاة الحلي تجب كل سنة ولا تكون بسعر الشراء ، وإنما تكون بسعره عند تمام الحول، فإذا قدر أن المرأة اشترت ذهبا بعشرة آلاف ريال، ولما دار عليه الحول صار لا يساوي إلا خمسة آلاف ريال، فإنها لا تزكي إلا خمسة آلاف ريال فقط، والعكس بالعكس، فإذا اشترت ذهبا بخمسة آلاف ريال، وصار عند تمام الحول يساوي عشرة آلاف ريال فإنها تزكي عشرة آلاف ريال، لأن ذلك هو وقت الوجوب .والله الموفق(مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين،ج۱۸ ،ص ۱۳۲ ، كتاب الزكاة، باب زكاة النقدين)

ہوتا ہے کہ اس طرح کی چیز حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے مالِ تجارت سے خارج ہوجائے گی، اوراس چیز کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ اس کو فروخت کردیا جائے، تو اس سے حاصل شدہ رقم پر حسبِ قاعدہ وضابطہ زکاۃ کے احکام لاگو ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

اوراگر تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی اس مذکورہ چیز کو حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت) میں عملاً استعمال کرنے پر مجبور نہیں ہے، لیکن تجارت کی نیت کے برقرار ہوتے ہوئے، اس کو ویسے ہی برت رہا اور استعمال کررہا ہے، تو وہ چیز تجارت کے مال ہی میں داخل رہے گی۔ [2]

---

[1] ولو اشترى الرجل دار أو عبداً للتجارة ثم آجره يخرج من أن يكون للتجارة لأنه لما آجره فقد قصد المنفعة (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندية، جلد ۱ صفحه ۲۵۱، کتاب الزکاة)

واجيب عنه بانهٗ يحتمل ان يشترى الطعام بنية التجارة ويكون محتاجاًاليهابنفسهٖ وعيالهٖ فيصرف علىٰ عيالهٖ الى آخر السنة ويبقى الطعام فلازكاة فيه وهٰكذاحال داراشتراهابنية التجارة وهومحتاج اليهاللسكنىٰ ...... (قولهٗ يستعملها)فيه انه قيد مستدرك لان الاسلحة ان لم تكن للتجارة فلازكاة فيهالعدم النماء والافعيهاالزكاة ،ويجاب عنه بان هٰذاالقيدلافادة ان من يحتاج الىٰ استعمالهاكالغزاة والمحاربين وغيرهم لازكاة فى اسلحتهم لعدم فراغهاعن الحاجة الاصلية وان كان اشتراهابنية التجارة .قولهٗ وآلات المحترفة اى المحتاج اليها فى الحرفة مثل قدور الطباخين والصباغين وآلات النجارين .قولهٗ لاهلهااى من يحتاج اليها لتعليم اوتدريس اوتعلم اوتصحيح وغيرذالک ويردعليه بانهٗ مستدرک لانهالولم تكن للتجارة لاتجب فيهاالزكاة وان لم تكن عنداهلهاوان كانت بنية التجارة تجب وان كانت عنداهلهاوانمايفيد ذكرهٰذاالقيدفى مصرف الزكاة فانهٗ اذاكانت له كتب تبلغ النصاب وهومحتاج اليهايجوزلهٗ اخذالزكاة والالاكذافى النهاية ،واجيب عنه بان هٰذاالقيدقائم مقام قوله لاللتجارة كمااشاراليه فى غاية البيان كقيدالركوب فى الدواب والخدمة فى العبيد (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية ج ۱ ص۲۶۸ و ۲۶۹، کتاب الزکاة)

ألا يقصد بالمال القِنْية (أي إمساكه للانتفاع به وعدم الاتجار به) :هذا شرط ذكره الشافعية والحنابلة والمالكية، فإن قصد ذلك انقطع الحول، وإذا أراد التجارة بعدئذ، احتاج لتجديد نية التجارة(الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۶۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

[2] عبد التجارة إذا أراد أن يستخدمه سنين فيستخدمه فهو للتجارة على حاله إلا أن ينوى أن يخرجه من التجارة ويجعله للخدمة (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، جلد ۱ صفحه ۲۴۵، و صفحه ۲۴۶)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوئے مکان، دوکان، یا گاڑی وغیرہ سے اگر کچھ فائدہ اُٹھا لیا جائے، لیکن وہ بنیادی ضرورت میں مشغول نہ ہو اور تجارت کی نیت برقرار رہے تو وہ تجارت کے مال سے خارج نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۱۹...... اگر کوئی زمین وجائیداد فروخت کرنے کی نیت سے خریدی، تو وہ بھی زکاۃ کے اعتبار سے تجارت کے مال میں داخل ہوجائے گی، اور زکاۃ واجب ہونے کی شرائط پائے جانے پر اس کی بھی زکاۃ واجب ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۰...... اگر کسی نے کافی مقدار میں تجارت کی نیت سے اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ

---

[1] البتہ اگر کوئی زمین ایسی ہو کہ جس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہو، اور پھر کوئی ایسی زمین کو تجارت کی نیت سے خریدے، اور اس کی پیداوار میں سے اس پر عشر کا بھی حکم عائد ہو رہا ہے، تو کیا وہ تجارت کے مال میں داخل ہوگی، یا وہ زمین عشری ہی کہلائے گی، اور اس میں زکاۃ کے بجائے اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا؟

اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ زمین تجارت کے مال میں شامل ہوجائے گی، جبکہ حنفیہ کے نزدیک وہ زمین عشری ہی کہلائے گی، اور اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، زکاۃ واجب نہیں ہوگی، اور اس بات پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ ایسی زمین پر زکاۃ اور پیداوار پر عشر دونوں اکٹھے واجب نہ ہوں گے، کیونکہ ایک مال پر بیک وقت دو قسم کے مالی وظائف واجب نہیں ہوا کرتے۔

ج -الأراضی الزراعية التی للتجارة وما يخرج منها:

ذهب الحنفية إلى أنه تجب الزكاة فی الخارج من الأرض الزراعية من ثمر أو زرع، ولا يجب الزكاة فی قيمة الأرض العشرية ولو كانت للتجارة، وهذا إن كان قد زرع الأرض العشرية فعلا ووجب فيها العشر، لئلا يجتمع حقان لله تعالى فی مال واحد .فإن لم يزرعها تجب زكاة التجارة فيها لعدم وجوب العشر، فلم يوجد المانع، بخلاف الخراج الموظف فإنه يجب فيها ولو عطلت أی لأنه كالأجرة.

أما عند المالكية والشافعية والحنابلة فيجب زكاة رقبة الأرض كسائر عروض التجارة بكل حال.

ثم اختلف الجمهور فی كيفية تزكية الغلة.

فمذهب المالكية أن الناتج من الأرض الزراعية التی للتجارة لا زكاة فی قيمته فی عامه اتفاقا إن كانت قد وجبت فيه زكاة النبات، فإن لم تكن فيه لنقصه عن نصاب الزرع أو الثمر، تجب فيه زكاة التجارة، وكذا فی عامه الثانی وما بعده.

وقال الشافعية على الأصح عندهم والقاضی من الحنابلة :يزكی الجميع زكاة القيمة، لأنه كله مال تجارة، فتجب فيه زكاة التجارة، كالسائمة المعدة للتجارة .قال الشافعية :ويزكی التبن أيضا والأغصان والأوراق وغيرها إن كان لها قيمة، كسائر مال التجارة.

وذهب الحنابلة وأبو ثور إلى أنه يجتمع فی العشرية العشر وزكاة التجارة، لأن زكاة التجارة فی القيمة، والعشر فی الخارج، فلم يجتمعا فی شیء واحد، ولأن زكاة العشر فی الغلة أحظ للفقراء من زكاة التجارة فإنها ربع العشر، ومن هنا فارقت عندهم زكاة السائمة المتجر بها، فإن زكاة السوم أقل من زكاة التجارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۷۱، مادة "زكاة")

کوخرید کر پالا ہوا ہے، تاکہ وقتاً فوقتاً ان کوفروخت کیا کرے، اور ساتھ ساتھ ان کے دودھ سے بھی فائدہ اٹھائے، اور ان کی نسل بھی بڑھائے، تو ایسی صورت میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ جانور مالِ تجارت کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور مالِ تجارت کے اعتبار سے ان کی زکاۃ واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاۃ سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی، جن کا ذکر اگلے حصہ کے مستقل بیان میں آتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۱...... اگر کسی نے فروخت کرنے کی نیت سے گھوڑا، گدھا، اونٹ، بھینس، بکری، بھیڑ، مرغی، کبوتر، تیتر یا کوئی دوسرا جانور خریدا، تو وہ بھی تجارت کے مال میں شامل ہوگا، اور اس کی زکاۃ بھی تجارت کے مال کی طرح واجب ہوگی۔

اور اگر زندہ جانور بیچنے کی بجائے اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کرنے کے لئے کوئی جانور خریدا ہو، تو بھی یہ جانور مالِ تجارت میں داخل ہوگا، اور اس کی زکاۃ بھی واجب ہوگی

(کذا فی احسن الفتاوی ج۴ص۲۸۶، کتاب الزکاۃ) [۲]

---

[۱] البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جانور سائمہ جانوروں کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور ان جانوروں کی زکاۃ سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاۃ مالِ تجارت کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی۔

فلو كان لديه سوائم للتجارة بلغت نصابا، فلا تجتمع زكاتان إجماعا، لحديث :لا ثنى فى الصدقة بل يكون فيها زكاة العين عند المالكية والشافعية فى الجديد، كأن كان عنده خمس من الإبل للتجارة ففيها شاة، ولا تعتبر القيمة، فإن كانت أقل من خمس فإنها تقوم فإن بلغت نصابا من الأثمان وجبت فيها زكاة القيمة.

وإنما قدموا زكاة العين على زكاة التجارة لأن زكاة العين أقوى ثبوتا لانعقاد الإجماع عليها، واختصاص العين بها، فكانت أولى.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أنها تزكى زكاة التجارة لأنها أحظ للمساكين، لأنها تجب فيما زاد بالحساب، لكن قال الحنابلة :إن بلغت عنده نصاب سائمة ولم تبلغ قيمته نصابا من الأثمان فلا تسقط الزكاة، بل تجب زكاة السائمة، كمن عنده خمس من الإبل للتجارة لم تبلغ قيمتها مائتى درهم، ففيها شاة.

ونظير هذا عند الفقهاء غلة مال التجارة، كأن يكون ثمرا مما تجب فيه الزكاة إن كان الشجر للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۹ ،مادة "زكاة")

[۲] مگر سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے احکام الگ ہیں، جو اپنے مقام پر ذکر کردیئے گئے ہیں، وہاں ملاحظہ کرلئے جائیں۔

اور اگر دودھ بیچنے، یا جانور کے جسم سے اون وغیرہ حاصل کرنے کی نیت سے کوئی جانور خریدا ہو تو اس جانور کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ دودھ یا اون بیچنے سے جو رقم حاصل ہوگی، اس پر حسبِ قاعدہ زکاۃ کا حکم ہوگا (احسن الفتاویٰ ج۴ص ۲۸۷، کتابُ الزکاۃ) [1]

مسئلہ نمبر ۲۲...... قیمتی پتھر اور ہیرے و جواہرات (جو سونے، چاندی کے نہ ہوں ان) کو اگر فروخت کرنے کی نیت سے خریدا جائے تو وہ مالِ تجارت میں داخل کہلاتے ہیں، اور ان کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ ہیرے جواہرات کی تجارت کرتے ہیں، ان کو ان کی زکاۃ دوسرے مالِ تجارت کی طرح ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

اسی طرح جو صرّاف زیورات میں ہیرے، جواہرات کے جڑاؤ کر کے زیورات فروخت کرتے ہیں، ان پر بھی ان ہیروں، جواہرات کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح جو لوگ با قاعدہ ہیرے جواہرات کی خرید وفروخت کا تو کاروبار نہیں کرتے، لیکن ان کو بیچنے کی نیت سے خریدتے ہیں، تو ان پر بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

کیونکہ ان سب صورتوں میں یہ ہیرے، جواہرات مالِ تجارت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اور اگر ان کو فروخت کرنے کی نیت سے نہ خریدا گیا ہو، تو پھر یہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوتے اور اس وجہ سے ان کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی (ملاحظہ ہو فقہی مقالات، مسائل زکاۃ ص ۹۸، فیصلہ مجلس تحقیقِ مسائلِ حاضرہ، وفتاویٰ دار العلوم مدلل مکمل ج۶ص ۱۳۰) [2]

---

[1] السائمة إذا كانت أقل من النصاب اشتراها بنية التجارة وتركها سائمة كما كانت للتجارة، تصح نية التجارة فيها، وتجب زكاة التجارة(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲،ص ۳۲۲، كتاب الزكاة،الفصل الرابع عشر)

[2] (لا زكاة في اللآلئ والجواهر) وإن ساوت ألفا اتفاقا (إلا أن يكون التجارة) والاصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدى إلى الثنى، وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض(الدرالمختار) (قوله والجواهر) كاللؤلؤ والياقوت والزمرد وأمثالها درر عن الكافي (قوله وإن ساوت ألفا) في نسخة ألوفا(رد المحتار، ج۲ ص ۲۷۳، كتاب الزكاة)

وأما اليواقيت واللآلئ والجواهر فلا زكاة فيها وإن كانت حليا إلا أن تكون للتجارة(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۲۳، كتاب الزكاة،باب زكاة الذهب) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے جو ہیرے، جواہرات پر زکاۃ واجب ہونے کا حکم لگایا ہے، جبکہ یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (لا زكاة فى اللآلئ والجواهر) كاللعل والياقوت والزمرد وأمثالها كذا فى الكافى (إلا أن يكون للتجارة) كذا فى التتارخانية (درر الحكام شرح غرر الحكام، ج ۱ ص ۱۷۵، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

ولو كانت له أوان من الذهب والفضة للاستعمال لا للتجارة فعليه فيها الزكاة بخلاف اللؤلؤ والياقوت والجواهر إذا لم تكن للتجارة فإنه لا زكاة فيها؛ لأن وجوب الزكاة فيها باعتبار معنى النماء، ولا يتحقق ذلك إلا بنية التجارة فيها كسائر العروض فأما وجوب الزكاة فى الذهب والفضة باعتبار عينها والعين لا تتبدل بالصنعة، ولا بالاستعمال (المبسوط للسرخسى، ج۳ ص۳۷، كتاب نوادر الزكاة)

وفى رحمة الامة اجمعوا على انه لازكاة فى غير الذهب والفضة من الجواهر والياقوت والزمرد (اعلاء السنن ج ۹ ص ۷۲، باب لازكاة فى الحجر واللؤلؤ الاان يكون للتجارة)

زكاة اللؤلؤ: ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا زكاة فى لؤلؤ وسائر الجواهر -وإن ساوت ألوفا كما يقول الحنفية -لأنها معدة للاستعمال فأشبهت الماشية العاملة، إلا أن تكون للتجارة فيجب فيها ما يجب فى عروض التجارة .وقال النووى :لا زكاة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفيروزج واللؤلؤ والمرجان والزمرد والزبرجد .وإن حسنت صنعتها وكثرت قيمتها .وقال الزهرى :يجب الخمس فى اللؤلؤ .وعن أحمد رواية :أن فيه الزكاة، لأنه خارج عن معدن، فأشبه الخارج عن معدن الأرض .قال ابن قدامة :والصحيح أنه لا شيء فيه، لأنه صيد فلم يجب فيه زكاة كصيد البر، ولأنه لا نص ولا إجماع على الوجوب فيه، ولا يصح قياسه على ما فيه الزكاة، فلا وجه لإيجابها فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص ۱۸۲، وص ۱۸۳، مادة "لؤلؤ")

زكاة المواد الثمينة الأخرى :لا زكاة فى المواد الثمينة المقتناة إذا كانت من غير الذهب والفضة، وذلك كالجواهر من اللؤلؤ والمرجان والزمرد والفيروز ونحوها، وكذا ما صنع من التحف الثمينة من حديد أو نحاس أو صفر أو زجاج أو غير ذلك، وإن حسنت صنعتها وكثرت قيمتها، فإن كانت عروض تجارة ففيها الزكاة على ما يأتى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۶۷، مادة "زكاة")

فصل :فإن كان فى الحلى جوهر ولآلء مرصعة، فالزكاة فى الحلى من الذهب والفضة دون الجوهر، لأنها لا زكاة فيها عند أحد من أهل العلم .فإن كان الحلى للتجارة، قومه بما فيه من الجواهر، لأن الجواهر لو كانت مفردة وهى للتجارة، لقومت وزكيت، فكذلك إذا كانت فى حلى التجارة (المغنى لابن قدامة، ج ۳ ص ۴۴، كتاب الزكاة، فصل كان فى الحلى جوهر ولآلء مرصعة)

ويشترط كون المال نامياً، لأن معنى الزكاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامى، وليس المقصود حقيقة النماء، وإنما كون المال معداً للاستنماء بالتجارة أو بالسوم أى الرعى عند الجمهور، لأن الإسامة سبب لحصول الدر والنسل والسمن، والتجارة سبب لحصول الربح، فيقام السبب مقام المسبب .فلا زكاة فى الجواهر واللآلء والمعادن غير الذهب والفضة (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ ص ۱۷۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانى)

تجارت کے لئے بھی نہ ہوں، یہ ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہے۔ ۱؎

۱؎ جیسا کہ موجود دور کے بعض اہلِ علم نے ہیرے جواہرات پر اعداد للتجارۃ کے بغیر بھی وجوبِ زکاۃ کا حکم لگایا ہے اور کہا ہے، کہ بہت سے اصحابِ سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں، اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے، کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت میں گویا ''زرِ نقد'' ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے، اور اس کے نتیجے میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے کہ نقد رقوم میں زکاۃ واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیشِ نظر واجب نہیں ہوتی...... اس لئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات حکماً مالِ تجارت میں داخل ہیں اور ان پر زکاۃ واجب ہے (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلے ص۵۱، مطبوعہ پانچویں فقہی سیمینار منعقدہ اعظم گڑھ کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء)

مگر دلائل کی رو سے اس سے اتفاق کیا جانا مشکل ہے، کیونکہ زکاۃ مالِ نامی پر واجب ہے، خواہ خلقی ہو یا فعلی، اب غیر ذہب و فضہ ہونے کی وجہ سے ان پر خلقی نامی کا حکم لگانا تو کسی طرح درست نہیں، اور جب کہ تجارت کی نیت سے نہ خریدے گئے ہوں ان کو فعلی نامی میں بھی داخل نہیں کیا جا سکتا، تو پھر مالِ تجارت میں داخل کرنے کے کیا معنیٰ؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ زکاۃ کے اموال مخصوص نہیں، اور ان میں اضافے کی گنجائش ہے، حالانکہ اموالِ زکاۃ کی تعیین نصوص سے ثابت ہے۔ رہا وہ شبہ جو ان حضرات کی طرف سے پیش کیا گیا ہے، تو اگر خریدتے وقت فروخت کرنے کی نیت ہو، تو وہ خود ہی مالِ تجارت میں داخل ہیں، اور ان پر زکاۃ واجب ہے۔ اور اگر یہ نیت نہ ہو، مگر فرار عن الزکاۃ کی نیت ہو، تو اس کا معاملہ فیما بینہ وبین اللہ ہے، اور بصورتِ اظہار اس پر ملامت کا بھی حکم ہے، جس کی ان کو تبلیغ کرنے کی ضرورت ہے، اور اس طرح کی نیت تو غیر ہیرے و جواہرات میں بھی کی جا سکتی ہے، اس کی ہیرے جواہرات کے ساتھ تخصیص نہیں تو کیا ان سب چیزوں میں بھی وجوبِ زکاۃ کا حکم عائد کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں، بلکہ فرار عن الزکاۃ کے حیلے سے بچنے کی تلقین کی جائے گی۔

علاوہ ازیں غیر ذہب و فضہ کے ہیرے جواہرات پر زکاۃ کا حکم عائد کرنا درج ذیل روایات و عبارات کے بھی خلاف ہے۔

عن عكرمة ، قال :ليس في حجر اللؤلؤ ، ولا حجر الزمرد زكاة ، إلا أن يكونا لتجارة ، فإن كانا لتجارة ففيهما زكاة(مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۱۰۱۶۲، كتاب الزكاة، باب في اللؤ لؤ والزمرد،الأموال لابن زنجويه رقم الحديث ۱۶۹۲)

عن سعيد بن جبير،ليس في الخرز واللؤلؤ زكاة ، إلا أن يكونا لتجارة(مصنف ابن ابی شيبة،رقم الحديث ۱۰۱۶۳، كتاب الزكاة، باب في اللؤ لؤ والزمرد،الأموال لابن زنجويه ، رقم الحديث ۱۶۹۵)

عن حجاج ، عن عطاء ، والزهري ، ومكحول ، قالوا :ليس في الجوهر شيء ، إلا أن يكون لتجارة(ايضاً،رقم الحديث ۱۰۱۶۶)

عن إبراهيم قال : ليس في الجوهر زكاة إلا للتجارة (الأموال لابن زنجويه،رقم الحديث ۱۶۹۲، كتاب الصدقة واحكامها وسننها،باب :الصدقة في التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب)

عن ابن شهاب :اللؤلؤ والياقوت والخرز والعرض من البز، ما نرى فيه صدقة ، إلا ما يدار في تجارة ، فإنه يخرج زكاته بقيمة عدل(ايضاً، رقم الحديث ۱۶۹۳)

مسئلہ نمبر۲۳...... جو اسلحہ اپنی جان یا مال وغیرہ کی حفاظت کی غرض سے خریدا جائے، اس پر زکاۃ واجب نہیں، اور جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدا جائے، اس پر زکاۃ واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۴...... مالِ تجارت کی زکاۃ اس قیمت کے اعتبار سے واجب ہوتی ہے، جو قیمتِ فروخت ہو، قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہوتا (خواہ وہ قیمت کم ہو یا زیادہ)

لہٰذا سال پورا ہوتے وقت مال کی جو قیمتِ فروخت ہو، اس کا اعتبار کر کے زکاۃ ادا کی جائے گی (امداد الفتاویٰ ج۲ص۴۲، واحسن الفتاویٰ ج۴ص۳۰۹، کتابُ الزکاۃ) [2]

مسئلہ نمبر۲۵...... اگر کسی علاقہ وجگہ میں کسی چیز کی خرید وفروخت مختلف کرنسیوں سے ہوتی ہو، یعنی ایک ہی چیز مختلف کرنسیوں کے عوض فروخت ہوتی ہو، تو اس جگہ میں معروف ومشہور کرنسی کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائی جائے گی، جبکہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ

---

[1] وليس فى دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة؛ لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۲، كتاب الزكاة)

[2] يضم الربح الحاصل من عروض التجارة فى أثناء الحول إلى الأصل، وذلك لأجل حساب الزكاة .فلو اشترى مثلا عرضا فى شهر المحرم بمائتى درهم فصارت قيمته قبل آخر الحول ولو بلحظة ثلاثمائة درهم زكى الجميع آخر الحول، سواء حصل الربح فى نفس العرض كسمن الحيوان، أم بارتفاع الأسواق، قياسا على النتاج مع الأمهات، ولأن المحافظة على حول كل زيادة مع اضطراب الأسواق مما يشق، ولأنه نماء جار فى الحول تابع لأصله فى الملك فكان مضموما إليه فى الحول، وهذا مذهب المالكية والشافعية فى قول هو خلاف الأظهر والحنابلة وإسحاق وأبى يوسف، والأظهر عند الشافعية أنه يضم الربح إلى الأصل ما لم يكن هناك نضوض فإن كان فلا يضم بل يزكى الأصل لحوله ويستأنف للربح حولا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۲، ص۸۷، مادة "ربح")

تقويم العروض ومقدار الواجب فى هذه الزكاة وطريقة التقويم :يقوِّم التاجر العروض أو البضائع التجارية فى آخر كل عام بحسب سعرها فى وقت إخراج الزكاة، لا بحسب سعر شرائها، ويخرج الزكاة المطلوبة، وتضم السلع التجارية بعضها إلى بعض عند التقويم ولو اختلفت أجناسها، كثياب وجلود ومواد تموينية، وتجب الزكاة بلا خلاف فى قيمة العروض، لا فى عينها، لأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة منها، وواجب التجارة هو ربع عشر القيمة كالنقد باتفاق العلماء (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۷۰، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

مروی ہے کہ جس کرنسی کے عوض وہ چیز خریدی تھی اس کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

اوراسی طرح اگر کسی چیز کی ادھار اور نقد فروخت کرنے کی قیمتوں میں فرق ہو، تو نقد والی قیمتِ فروخت کا اعتبار کیا جائے گا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲۶...... مالِ تجارت کی زکاۃ اصل اور نفع دونوں پر واجب ہوا کرتی ہے، پس اگر تجارت کا مال خریدتے وقت اس کی مالیت کم تھی، اور سال پورا ہوتے وقت نفع وغیرہ شامل ہونے سے اس کی مالیت میں اضافہ ہوگیا، تو اس پورے مجموعہ کی زکاۃ واجب ہوگی۔ ۲

---

۱ وذكر محمد رحمه الله في الرقيات أنه يقوم في البلد الذى حال الحول على المتاع بما يتعارفه أهل ذلك البلد نقداً فيما بينهم، يعنى غالب نقد ذلك البلد، ولا ننظر إلى موضع الشراء، ولا إلى موضع المالك وقت حولان الحول؛ لأن هذا مال وجب تقويمه، فيقوّم بغالب نقد البلد كما فى ضمان المتلفات إلا أنه يعتبر نقد البلد الذى حال الحول فيه على المال؛ لأن الزكاة تصرف إلى فقراء البلدة التى فيها المال، فالتقويم بنقد ذلك البلد أنفع فى حق الفقراء من حيث الرواج، فيجب اعتباره.وروى عن أبى يوسف أنه يقوم ما اشترى به، وإن كان وهب له فقيل :ينوى به التجارة أو اشتراه بعرض ....يقوم بغالب نقد البلد؛ لأن التقويم إنما احتيج إليه لأجل الزكاة والزكاة وظيفة الملك، وهذا المال ملك بالثمن وكان وجوب الزكاة فيه باعتبار الثمن، وكان التقويم به أولى، وهكذا نقول فيما إذا اشتراه بعرض :إن هذا المال ملك بذلك العرض، إلا أن التقويم بذلك العرض غير ممكن؛ لأن العرض لا يصلح لتقويم الأشياء، فوجب التقدير فيه بنقد البلد(المحيط البرهانى، ج٢،ص ٢٤٦، كتاب الزكاة،الفصل الثالث)

۲ حكم ضم الربح والنماء ومال غير التجارة إلى أصل المال :اتفق فقهاء المذاهب على أنه تضم أرباح التجارة إلى أصل رأس المال فى الحول، كما يضم أيضاً عند الحنفية خلافاً لغيرهم المال المستفاد من غير التجارة كعطية وإرث إلى أصل المال، ويتضح ذلك فيما يأتى:

قال الحنفية:يضم الربح الناتج عن التجارة، والولد أو النماء فى الماشية، والمال المستفاد من غير التجارة كالإرث والهبة إلى أصل رأس المال، إذا كان مالكاً للنصاب، فى أول الحول الذى هو وقت انعقاد سبب إيجاب الزكاة، وبقى فى أثناء الحول شىء من النصاب الذى انعقد عليه الحول، ليضم المستفاد إليه، وكان آخر الحول بمقدار النصاب، ويزكى الجميع فى تمام الحول، لأن المستفاد من جنس الأصل وتبع له، لأنه زيادة عليه، إذ الأصل يزداد به ويتكثر، والزيادة تبع للمزيد عليه، والتبع لا يفرد بالحكم حتى لا ينقلب أصلاً .أما المستفاد بعد الحول، فلا يضم إلى الأصل فى حق الماضى بلا خلاف .والسوائم المختلفة الجنس كالإبل والغنم لا تضم إلى بعضها .والنقدان كما بينت سابقاً يضم أحدهما إلى الآخر فى تكميل النصاب.

وقال المالكية:يضم الربح الناتج عن التجارة، وغلة المكترى للتجارة لأصل المال الذى نتج عنه فى أثناء الحول، ولو كان الأصل أقل من نصاب. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۷...... کوئی جائیداد (پلاٹ یا عمارت) فروخت کرنے کی نیت سے خریدی اور سال پورا ہوتے وقت اس کی بازاری قیمت (مارکیٹ ویلیو) زیادہ ہوگئی، یا کم ہوگئی، تو سال پورا ہونے کے وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اور اسی حساب سے زکاۃ واجب ہوگی، جیسا کہ پہلے گزرا (کذافی: احسن الفتاویٰ ج۴ص۳۰۵، کتاب الزکاۃ) [1]

مسئلہ نمبر ۲۸...... جس سامانِ تجارت کی زکاۃ واجب ہو، اگر زکاۃ دیتے وقت اس کی قیمت اور مالیت کا حساب لگا کر چالیسویں حصہ کے اعتبار سے نقد رقم دے دی جائے، تو ایسا کرنا تمام

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما المستفاد بدون تجارة كالإرث والهبة، فلا يضم إلى أصل رأس المال في الحول، ولو كان نصاباً، بل يبدأ به حولاً جديداً من يوم ملكه.

وأما الماشية المستفادة بإرث أو هبة ونحوهما فتضم إلى الماشية التي عنده إن كانت نصاباً، ولا تضم لها إن كانت أقل من نصاب.

ورأى الشافعية: في الأصح :أن الربح وولد العرض وثمره كثمر الشجرة وأغصانها وورقها وصوف الحيوان ووبره وشعره، هو مال تجارة يضم لأصل رأس المال، وأن حوله حول الأصل، ولو كان الأصل دون نصاب، لأن الربح ونحوه جزء من الأصل، فحوله حول الأصل تبعاً كنتاج الماشية السائمة.

وأما المال المستفاد من غير التجارة :فلا يضم إلى مال التجارة في الحول، وإنما له حول مستقل من يوم ملكه.

ومذهب الحنابلة كالشافعية تقريباً إلا في اشتراط كون الأصل نصاباً، فقالوا :إذا كان في ملك إنسان نصاب للزكاة، فاتجر فيه، فنمى، أدى زكاة الأصل مع النماء إذا حال الحول، فحول النماء مبني على حول الأصل، لأنه تابع له في الملك، فتبعه في الحول كنتاج الماشية .وأما المال المستفاد من غير التجارة فلا يضم إلى حول الأصل، بل له حول مستقل من يوم ملكه(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۷۴ الیٰ ۱۸۷۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

[1] العروض جمع عَرَض (بفتحتين) :حطام الدنيا، وبسكون الراء :هي ما عدا النقدين (الدراهم الفضية والدنانير الذهبية) من الأمتعة والعقارات وأنواع الحيوان والزروع والثياب ونحو ذلك مما أعد للتجارة .ويدخل فيها عند المالكية الحلي الذي اتخذ للتجارة .والعقار الذي يتجر فيه صاحبه بالبيع والشراء حكمه حكم السلع التجارية، ويزكي زكاة عروض التجارة .أما العقار الذي يسكنه صاحبه أو يكون مقراً لعمله كمحل للتجارة ومكان للصناعة، فلا زكاة فيه(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

اور اگر زکاۃ میں بعینہٖ اُسی سامان کا چالیسواں حصہ دیا جائے، مثلاً تجارت کے چالیس کتابوں کے نسخوں میں سے ایک نسخہ دے دیا جائے، تو بھی فقہائے حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور بعض دوسرے فقہائے کرام کا اس صورت میں کچھ تفصیل واختلاف ہے، جیسا کہ آگے ''زکاۃ کی مقدار کے احکام'' میں آتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۹...... کسی نے زمین اس نیت سے خریدی کہ وہ اس پر مکان یا دوکان تعمیر کر کے فروخت کرے گا، تو زکاۃ کا سال پورا ہوتے وقت اس نے اس زمین پر جس قدر تعمیر کر لی ہو، اس کی اس حالت میں بازاری قیمت اور مارکیٹ ویلیو (Market Value) کے

---

[1] فإن أخرج زكاة القيمة من أحد النقدين أجزأ اتفاقا.

وإن أخرج عروضا عن العروض فقد اختلف الفقهاء في جواز ذلك.

فقال الحنابلة وهو ظاهر كلام المالكية وقول الشافعي في الجديد وعليه الفتوى :لا يجزئه ذلك، واستدلوا بأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة من القيمة، كما إن البقر لما كان نصابها معتبرا بأعيانها، وجبت الزكاة من أعيانها، وكذا سائر الأموال غير التجارة.

وأما عند الحنفية وهو قول ثان للشافعية قديم :يتخير المالك بين الإخراج من العرض أو من القيمة فيجزء إخراج عرض بقيمة ما وجب عليه من زكاة العروض، قال الحنفية :وكذلك زكاة غيرها من الأموال حتى النقدين والماشية ولو كانت للسوم لا للتجارة، ويأتي تفصيل ذلك إن شاء الله.

وفي قول ثالث للشافعية قديم :أن زكاة العروض تخرج منها لا من ثمنها، فلو أخرج من الثمن لم يجزء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۷۶، ۲۷۷، مادة "زكاة")

فقال الحنفية :يخير التاجر بين العين أو القيمة، فللمالك الخيار عند حولان الحول بين الإخراج من قيمة التجارة، فيخرج ربع عشر القيمة، وبين الإخراج من عينها، فيخرج ربع عشر العين التجارية، لأن التجارة مال تجب فيه الزكاة، فجاز إخراجها من عينه كسائر الأموال، وعلى هذا يصح لتاجر القماش مثلاً إخراج الزكاة من أعيان الأقمشة على أن يراعي اختيار الوسط من كل نوع، ويدفع الزكاة من كل نوع، لا أن يخرج الكاسد أو يخرج نوعاً واحداً عن جميع الأنواع.

وقال الجمهور :يجب إخراج القيمة، ولا يجوز الإخراج من عين العروض التجارية، لأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة منها كالعين في سائر الأموال، ولا نسلم أن الزكاة تجب في المال، وإنما وجبت في قيمته(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۷۴، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

اعتبار سے زکاۃ واجب ہوگی، یعنی اگر اس عمارت، ڈھانچہ (یا سٹرکچر) کو اسی حال میں فروخت کیا جائے، تو کتنی قیمت حاصل ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۰...... جو صنعت کار یا تاجر شخص، مال کو تھوک کی قیمت کے اعتبار سے فروخت کرتا ہے، اس کے حق میں زکاۃ کے لئے یہی تھوک کی قیمت معتبر ہوگی۔

اور جو تاجر پرچون (پھٹکر) کی قیمت کے اعتبار سے مال فروخت کرتا ہے، اس کے حق میں زکاۃ کے لئے یہی پرچون کی قیمت معتبر ہوگی۔

اور اگر دونوں طرح سے مال کو فروخت کرتا ہو، تو جس طرح کا کاروبار غالب اور اکثر ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور اشیاء کی قیمتوں میں فرق ہوتا ہو، تو اکثر اور مشہور قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اس کے باوجود بھی کوئی شخص قیمت کا حساب لگانے میں مزید احتیاط سے کام لے تو زیادہ بہتر اور باعثِ ثواب ہے۔ لانه انفع للفقراء۔ [2]

---

[1] تقويم العروض ومقدار الواجب فى هذه الزكاة وطريقة التقويم :يقوِّم التاجر العروض أو البضائع التجارية فى آخر كل عام بحسب سعرها فى وقت إخراج الزكاة، لا بحسب سعر شرائها، ويخرج الزكاة المطلوبة، وتضم السلع التجارية بعضها إلى بعض عند التقويم ولو اختلفت أجناسها، كثياب وجلود ومواد تموينية، وتجب الزكاة بلا خلاف فى قيمة العروض، لا فى عينها، لأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة منها، وواجب التجارة هو ربع عشر القيمة كالنقد باتفاق العلماء (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۷۰، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

إن كان شيئا يبقى أثره فى المعمول فيه كالصبغ والزعفران والشحم الذى يدبغ به الجلد فإنه يكون مال التجارة، لأن الأجر يكون مقابلة ذلک الأثر وذلک الأثر مال قائم فإنه من أجزاء الصبغ والشحم لكنه لطيف فيكون هذا تجارة (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع إلى المال)

[2] امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاجرانہ قیمت کا تو اعتبار نہیں کیونکہ وہ مبنی ہے، تخفیف ورعایت ومصالحِ خاصہ پر، بلکہ متفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں، وہ معتبر ہے، اور اس میں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشہر کا اعتبار ہے، اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے، یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس قیمت پر فروخت کی جایا کرے (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲، کتاب الزکاۃِ والصدقات)

مسئلہ نمبر۳۱...... تجارت کے تمام مال کا ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر زکاۃ ادا کرنا چاہیے، لیکن اگر کسی کے مال کی نوعیت ایسی ہو کہ اسے سارے مال کا حساب لگانا ممکن نہ ہو، تو پھر اندازہ اور تخمینہ سے بھی حساب لگایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اتنی احتیاط شامل کرلی گئی ہو کہ اپنے گمان کے مطابق زکاۃ کا کوئی حصہ ذمہ میں باقی نہ رہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳۲...... اگر کوئی سامان، تجارت کی غرض سے خریدا گیا ہو، تو بعض حضرات کے نزدیک مال پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی زکاۃ خریدار کے ذمہ واجب ہوتی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک جب تک اس پر خریدار یا اس کا نمائندہ قبضہ نہ کرے، اس وقت تک اس کی زکاۃ خریدار کے ذمہ واجب نہیں ہوتی، جیسا کہ ''مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کے قائم ہونے کے'' بیان میں آتا ہے۔ ۲؎

۱؎ المظنة من الظن وهو فى اللغة :اسم لما يحصل عن أمارة ومتى قويت أدت إلى العلم، والظن فى الأصل خلاف اليقين، وقد يستعمل بمعنى اليقين كقوله تعالى :(الذين يظنون أنهم ملاقو ربهم)
والمظنة :بكسر الظاء للمعلم وهو حيث يعلم الشيء والجمع المظان ومظنة الشيء موضعه ومألفه.
وفى الاصطلاح :المظنونات هى القضايا التى يحكم فيها حكما راجحا مع تجويز نقيضه.
الأحكام المتعلقة بالمظنة:
المظنة تقوم مقام اليقين عند الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص۱۴۵، مادة "مظنة")
طرق إزالة الاشتباه:من اشتبه عليه أمر ما فإن إزالة الاشتباه تكون عن طريق التحرى، أو الأخذ بالقرائن، أو استصحاب الحال، أو الأخذ بالاحتياط، أو بإجراء القرعة ونحوها .وفيما يلى بيان ما تقدم.
أ -التحرى:وهو عبارة عن طلب الشيء بغالب الرأى عند تعذر الوقوف على حقيقته، وقد جعل التحرى حجة حال الاشتباه وفقد الأدلة، لضرورة العجز عن الوصول إلى المتحرى عنه .وحكمه وقوع العمل صوابا فى الشرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۱۳۰، مادة "اشتباه")

۲؎ وخرج به أيضا كما فى البحر المشترى للتجارة قبل القبض والآبق المعد للتجارة (ردالمحتار، ج۲ص۲۶۰، كتاب الزكاة)
وقدمنا أن المبيع قبل القبض لا تجب زكاته على المشترى وذكر فى المحيط فى بيان أقسام الدين أن المبيع قبل القبض، قيل :لا يكون نصابا؛ لأن الملك فيه ناقص بافتقاد اليد، والصحيح أنه يكون نصابا؛ لأنه عوض عن مال كانت يده ثابتة عليه، وقد أمكنه احتواء اليد على العوض فتعتبر يده باقية على النصاب باعتبار التمكن شرعا اهـ فعلى هذا قولهم :لا تجب الزكاة معناه قبل قبضه ،وأما بعد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۴۳...... مال جس شخص کی ملکیت ہو، وہ کسی اور مقام پر ہو، اور اس کی زکاۃ کا مال کسی اور مقام پر ہو تو قیمت کا حساب، مال والے مقام کے اعتبار سے لگایا جائے گا، اور جہاں مال کا مالک موجود ہے، اس جگہ کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قبضـه فتجب زكاته فيما مضى كالدين القوى(البحر الرائق، ج٢،ص ٢٢٥، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

واما الـمشترى قبل القبض فقد قال مشائخ العراق انه لايكون نصابا قبل القبض عندهم جميعا، وفى الـمنتقىٰ :انه لايكون نصابا قبل القبض من غير ذكر الخلاف،على مايأتى فى آخر الفصل ان شاء الله تعالىٰ ، قال غيرهم من المشائخ:هو على الخلاف الذى ذكرنا فى الثمن ، قال بعضهم هو نصاب قبل القبض بلاخلاف (الفتاوىٰ التتارخانية، ج٢ص ٣٠٣، كتاب الزكاة، الفصل الثالث عشر فى زكاة الديون)

الحاصل أن بالعقد يحصل أصل الملك، وتمام ما هو المقصود لا يحصل إلا بالقبض، وصيرورته نصاب الزكاة ينبنى على تمام المقصود لا على حصول أصل الملك بخلاف التصرف فإن نفوذه ينبنى على ثبوت أصل الملك، وقد روى عن أبى يوسف -رحمه الله تعالى -فى المبيع قبل القبض أنه لا يكون نصاب الزكاة؛ لأن الملك فيه غير تام حتى لا يملك التصرف فيه(المبسوط،للسرخسى ،ج٢،ص١٦٨ ،كتاب الزكاة)

قوله" :ملكا تاما "، احترازا عن البيع قبل القبض حيث لا زكاة فيه؛ لأن ملكه لم يتم، ولهذا لا يجوز تصرفه فيه، والملك :عبارة عن مطلق التصرف فيكون الملك فيه ناقصا، فلا يلزم عليه مال ابن السبيل؛ لأن يده ثابتة(البناية شرح الهداية، ج٣ص ٢٨٩، كتاب الزكاة، حكم الزكاة وشروط وجوبها)

ولو تزوجها على خمس من الإبل السائمة أو عرض التجارة بعينها لا تجب فيها الزكاة فى قول أبى حنيفة الثانى حتى تقبضها ويحول عليها الحول بعد قبضها؛ لأنها بدل ما لا تجب فيه الزكاة كالدية وبدل الكتابة قال أبو نصر فى شرح القدورى وكالمبيع قبل القبض، وفى الحاوى المبيع قبل القبض لا تجب فيه الزكاة، وفى قياس قول أبى حنيفة كالمهر قال الفقيه أبو الليث هو قول الكل لأن المشترى لا يملك التصرف فى المبيع قبل قبضه بخلاف المهر، وفى الجامع المبيع قبل القبض نصاب عندهما وكذا عند أبى حنيفة على الأصح، وفى المحيط والصحيح أنه نصاب؛ لأنه بدل مال بخلاف المهر؛ لأنه بدل ما ليس بمال .اهـ .غاية(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج١،ص٢٥٧، كتاب الزكاة)

[1] السعر الذى تقوم به السلع:

صرح الحنفية أن عروض التجارة يقومها المالك على أساس سعر البلد الذى فيه المال، وليس الذى فيه المالك، أو غيره ممن له بالمال علاقة، ولو كان فى مفازة تعتبر قيمته فى أقرب الأمصار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص٢٧٥،مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۴...... اگر تجارت کے مال کی زکاۃ تو کسی اور وقت واجب ہوئی تھی، یعنی کسی اور وقت میں زکاۃ کا سال پورا ہوا تھا، لیکن زکاۃ کی ادائیگی بعد میں کسی اور وقت کی جارہی ہے، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زکاۃ واجب ہونے والے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے زکاۃ واجب ہوگی۔

اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زکاۃ ادا کرنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے زکاۃ واجب ہوگی۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويقوم في البلد الذى المال فيه، ولو في مفازة ففى أقرب الامصار إليه، فتح(الدرالمختار)

(قوله :ويقوم في البلد الذى المال فيه) فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذى فيه العبد بحر (ردالمحتار، ج۲ ص ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

ويقوم العرض بالمصر الذى هو فيه حتى لو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في ذلك الذى فيه العبد وإن كان في مفازة تعتبر قيمته في أقرب الأمصار إلى ذلك الموضع كذا في فتح القدير، وهو أولى مما في التبيين من أنه إذا كان في المفازة يقوم في المصر الذى يصير إليه ثم عند أبي حنيفة تعتبر القيمة يوم الوجوب، وعندهما يوم الأداء، وتمامه في فتح القدير(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۲۴۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

ل حنفیہ کے مشہور قاعدہ کے مطابق اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح حاصل ہے، لیکن بعض حضرات نے صاحبین (یعنی امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ) کے قول کو اظہر وراجح قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت ان میں سے کسی ایک قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے، بعض اوقات کوئی شخص بہت تاخیر سے زکاۃ دیتا ہے، اور اسے قیمتِ یومِ وجوب کا علم نہیں ہوتا، اس کو موجودہ قیمت سے ادا کرنا بھی جائز ہے، اور اندازہ سے قیمتِ یومِ وجوب نکالنا بھی جائز ہے، البتہ بعض مشائخِ حنفیہ کے بقول سائمہ جانوروں کی زکاۃ میں یوم الاداء کی قیمت واجب ہونے پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب في قول أبي حنيفة لأنه في الأصل بالخيار بين الإخراج من العين وأداء القيمة، ويجبر المصدق على قبولها، فيستند إلى وقت ثبوت الخيار وهو وقت الوجوب.

وقال الصاحبان :المعتبر القيمة يوم الأداء ، لأن الواجب عندهما جزء من العين، وله ولاية منعها إلى القيمة، فتعتبر يوم المنع كما في الوديعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۵، مادة "زكاة")

رجل له مائتا قفيز من الحنطة للتجارة حال عليها الحول، وقيمتها مائتا درهم حتى وجب عليه الزكاة، فإن أدى من عينها أدى ربع العشر من عينها خمسة أقفزة حنطة، وإن أدى من قيمتها أدى ربع عشر القيمة أيضاً خمسة دراهم، فإن لم يؤد حتى تغير سعر الحنطة إلى زيادة، فصارت تساوى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۵...... جو جائیداد یا اور کوئی چیز (مثلاً رکشہ، ٹیکسی، بس، سیڑھی، گھوڑی، شٹرنگ، لکڑیاں، دیگیں، برتن، لائٹیں، ٹینٹ کا سامان، اور کتابیں رسالے وغیرہ) کرائے پر چلانے کی غرض سے خریدی تو وہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہے، اس لئے اس پر زکاۃ واجب نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أربعمائة، فإن أدى من عين الحنطة أدى ربع العشر خمسة أقفزة بالاتفاق، وإن أدى من القيمة أدى خمسة دراهم قيمتها يوم حولان الحول الذى هو يوم الوجوب عند أبى حنيفة، وعندهما يؤدى عشرة دراهم قيمتها يوم الأداء .

وإن تغير به سعر الحنطة إلى نقصان، فصارت تساوى مائة إن أدى من عين الحنطة أدى خمسة أقفزة بلا خلاف، وإذا أدى من القيمة أدى خمسة دراهم قيمتها يوم حولان الحول الذى هو يوم الوجوب.

وعندهما :أدى درهمين ونصف قيمتها يوم الأداء .

فالحاصل :أن أبا حنيفة يعتبر القيمة يوم الوجوب فى جنس هذه المسائل، وهما يعتبران القيمة يوم الأداء ، وهذه المسألة فى الحاصل بناءً على معرفة الواجب فى عروض التجارة يوم حولان الحول، فعندهما الواجب يوم حولان الحول جزء من النصاب عيناً، لكن للمالك ولاية نقل الواجب إلى القيمة بالأداء ، فتراعى قيمته يوم النقل والدليل (على) أن الواجب ما قلنا، قوله عليه السلام :خذ من الإبل الإبل ومن البقر البقر والدليل عليه أن فى نصاب السوائم تعتبر القيمة يوم الأداء ، حتى إن من وجب فى إبله بنت مخاض قيمته خمسة دراهم ثم تغير السعر، فصارت تساوى درهمين ونصفاً فأراد أن يؤدى القيمة أدى درهمين ونصفاً بالإجماع، فقياس عروض التجارة على السوائم أن تعتبر القيمة يوم الأداء (المحيط البرهانى، ج۲،ص ۲۴۹ ،كتاب الزكاة،الفصل الثالث)

والخلاف فى زكاة المال فتعتبر القيمة وقت الأداء فى زكاة المال على قولهما وهو الأظهر وقال أبو حنيفة يوم الوجوب كما فى البرهان وقال الكمال والخلاف مبنى على أن الواجب عندهما جزء من العين وله ولاية منعها إلى القيمة فيعتبر يوم المنع كما فى منع رد الوديعة وعنده، الواجب أحدهما ابتداء ولذا يجبر المصدق على قبولها اهـ.

والقول بأن الواجب هو العين بناء على ما ظنه بعض أصحابنا أن أداء القيمة بدل عن الواجب حتى لقب المسألة بالإبدال وليس كذلك، فإن المصير إلى البدل لا يجوز إلا عند عدم الأصل وأداء القيمة مع وجود المنصوص عليه جائز عندنا (حاشية الشرنبلالى علىٰ درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ،ص ۱۸۱ ،كتاب الزكاة،باب زكاة المال)

قال الحنفية :تفريعاً على مبدئهم أن الواجب فى الزكاة جزء من النصاب إما صورة ومعنى، أو معنى فقط :يجوز دفع القيمة فى الزكاة، وكذا فى العشر والخراج وزكاة الفطرة والنذر والكفارة غير الإعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب عند الإمام أبى حنيفة، وعند الصاحبين :يوم الأداء ، وفى السوائم يوم الأداء بالاتفاق بينهم(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۳۷ ، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الخامس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اس چیز سے جو آمدن روپیوں پیسوں کی شکل میں حاصل ہوگی، تو اس کا حکم عام روپیوں پیسوں کی طرح ہے، جن کی زکاۃ کا حکم پہلے گزر چکا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۶...... آج کل مختلف کمپنیوں کے شیئرز (Shares) کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔

اہلِ علم حضرات کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے۔

نیز کمپنی کے ان شیئرز پر زکاۃ بھی واجب ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ ان کی مارکیٹ ویلیو کے حساب سے قیمت لگا کر ان کی زکاۃ ادا کی جائے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویجوز عندهم دفع القيمة فى الزكاة، والعشر، والخراج، والفطرة، والنذر، والكفارة غير الإعتاق. وتعتبر القيمة يوم الوجوب عند الإمام أبى حنيفة، وقال الصاحبان :يوم الأداء .وفى السوائم :يوم الأداء باتفاقهم، ويقوم فى البلد الذى فيه المال، أما فى المفازة فيقوم فى أقرب الأمصار إليه(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج ۹ص ۱۷۵۶، الباب الثانى، الفصل الثالث، المبحث التاسع، المطلب الرابع كفارة الظهار)

وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يوم الوجوب فى الزيادة والنقصان، وعندهما فى الفصلين يعتبر يوم الأداء واختلف على قوله فى السوائم فقيل يوم الوجوب وقيل يوم الأداء حسب الاختلاف السابق وتمامه فيه، وفى المحيط يعتبر فى قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح (البحرالرائق، ج۲ص ۲۳۸، كتاب الزكاة، زكاة الحملان والفصلان والعجاجيل)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا يوم الأداء .وفى السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح (الدرالمختار)

(قوله وهو الأصح) أى كون المعتبر فى السوائم يوم الأداء إجماعا هو الأصح فإنه ذكر فى البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء .اهـ.

وفى المحيط :يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثانى الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندها (ردالمحتار، ج۲ص ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

[1] وإن كانت لحفظ الدواب فلا زكاة فيها كالقدور وغيرها من آلة الصباغين كما فى الفتح والمعراج والجوالق المشتراة للإجارة لا زكاة فيها كما فى غاية البيان(حاشية الشرنبلالى على درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ص ۱۷۳، كتاب الزكاة)

[2] بعض اہلِ علم حضرات کی تصریح کے مطابق اگر کمپنی کے شیئرز اس مقصد سے خریدے گئے کہ کمپنی میں اپنے شیئر کو باقی رکھتے ہوئے فقط منافع حاصل کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں ان شیئرز کی (مارکیٹ ریٹ کے لحاظ سے) قیمت کے اس حصے پر زکاۃ لازم ہوگی، جو کمپنی کے قابلِ زکاۃ اثاثوں (مثلاً خام مال، تیار مال اور نقد روپیہ) کے مقابلہ میں ہوگا، اور قیمت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۷...... اگر کسی نے سامانِ تجارت کی زکاۃ ادا کرتے وقت اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے زکاۃ ادا کردی، لیکن اس کے بعد جب سامان فروخت ہوا، تو حساب لگائی ہوئی قیمت سے کم وبیش قیمت میں فروخت ہوا، تو اس فرق کی وجہ سے پہلے سے دی ہوئی زکاۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳۸...... جو تجارت کا سامان اپنی ملکیت نہ ہو، بلکہ کسی اور کی ملکیت ہو، اور دوسرا شخص مضاربت کے طور پر اس میں کام کررہا ہو، اور اس تجارت میں کچھ نفع ہوا ہو، تو اصل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کا جو حصہ نا قابلِ زکاۃ اثاثوں (مثلاً عمارت، مشینری وغیرہ) کے مقابلہ میں ہوگا، اس پر زکاۃ نہیں ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص اس کی تحقیق نہ کرسکتا ہو، تو وہ احتیاطاً شیئرز کی پوری بازاری قیمت کی زکاۃ ادا کرے (ملاحظہ ہو فقہی مقالات ج۳ص۱۵۲ ''زکاۃ کے احکام'' احسن الفتاویٰ ج۴ص۲۹۷، کتاب الزکاۃ)

آج کل شیئرز ایک مستقل تجارت بن گئے ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی کل مالیت پر زکاۃ دی جائے (ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل ج۱ص۲۱۱، کتاب الزکاۃ)

وأما الأسهم :فتجب زكاتها أيضاً بحسب قيمتها الحقيقية في البيع والشراء ، كزكاة العروض التجارية، أي تؤدى زكاتها على رأس المال مع أرباحها في نهاية العام بنسبة (2.5%في المئة) إذا كان الأصل والربح نصاباً أو يكمل مع مال مالكها نصاباً، ويعفى الحد الأدنى للمعيشة إذا لم يكن لصاحب الأسهم مورد رزق آخر سواها، كأرملة ويتيم ونحوهما .هذا في الشركات التجارية، أما في الشركات الصناعية كشركات السكر والنفط ونحوها كالمطابع والمصانع، فتقدر الأسهم بقيمتها الحالية مع حسم قيمة المباني والآلات وأدوات الإنتاج.

والخلاصة :أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي2.5%من قيمتها مع ربحها في نهاية كل عام، على ما لكها الذي حال عليه الحول بعد تملكها .أو تؤدى الزكاة جملة واحدة عن غلة الشركة وإيرادها بمقدار العشر من صافي الأرباح قياساً على نصاب الزروع والثمار، باعتبار أن أموال الشركة نامية بالصناعة ونحوها .ففي الحالة الأولى نعتبر صاحب الأسهم له وصف التاجر، وفي الحالة الثانية نعتبر الشركة لها وصف المنتج (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص۱۸۳۵ ، ۱۸۳۶ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

۱؎ إن قوم سلعة لأجل الزكاة وأخرجها على أساس ذلك، فلما باعها زاد ثمنها على القيمة، فقد صرح المالكية بأنه لا زكاة في هذه الزيادة بل هي ملغاة، لاحتمال ارتفاع سعر السوق، أو لرغبة المشتري، أما لو تحقق أنه غلط في التقويم فإنها لا تلغى لظهور الخطأ قطعا.

وكذا صرح الشافعية بأن الزيادة عن التقويم لا زكاة فيها عن الحول السابق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۷۵ ،مادة "زكاة")

رأس المال (یعنی اصل سرمایہ) کی زکاۃ تو مالک پر واجب ہوگی۔

جہاں تک اس طرح کے مالِ تجارت یا سامانِ تجارت کے نفع کی زکاۃ کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک سال پورا ہوتے وقت جو نفع موجود ہے، مال کے مالک اور مضاربت پر کام کرنے والے شخص، دونوں پر اپنے اپنے طے شُدہ نفع کے حصہ کے اعتبار سے زکاۃ واجب ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۹...... اگر مالِ تجارت اتنی مقدار میں ہو کہ مثلاً سونے کے نصاب کی مالیت کا حساب لگانے سے وہ مالِ تجارت، زکاۃ کے نصاب کے برابر نہیں بنتا، اور چاندی کے نصاب کی مالیت کا حساب لگانے سے وہ مالِ تجارت، زکاۃ کے نصاب کے برابر بن جاتا ہے، تو اس مالِ تجارت کی زکاۃ کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کس کے ساتھ لگائی جائے؟

---

[1] زكاة مال التجارة الذى بيد المضارب:

من أعطى ماله مضاربة لإنسان فربح فزكاة رأس المال على رب المال اتفاقا، أما الربح فقد اختلف فيه فظاهر كلام الحنفية أن على المضارب زكاة حصته من الربح إن ظهر فى المال ربح وتم نصيبه نصابا.

وذهب المالكية إلى أن مال القراض يزكى منه رب المال رأس ماله وحصته من الربح كل عام، وهذا إن كان تاجرا مديرا، وكذا إن كان محتكرا وكان عامل القراض مديرا، وكان ما بيده من مال رب المال الأكثر، وما بيد ربه المحتكر الأقل.

وأما العامل فلا يجب عليه زكاة حصته إلا بعد المفاصلة فيزكيها إذا قبضها لسنة واحدة .

وذهب الشافعية على الأظهر إلى أن زكاة المال وربحه كلها على صاحب المال، فإن أخرجها من مال القراض حسبت من الربح، لأنها من مئونة المال وذلك لأن المال ملكه، ولا يملك العامل شيئا ولو ظهر فى المال ربح حتى تتم القسمة.

هذا على القول بأن العامل لا يملك بالظهور، أما على القول بأنه يملك بالظهور فالمذهب أن على العامل زكاة حصته.

وذهب الحنابلة إلى أن على صاحب المال زكاة المال كله ما عدا نصيب العامل، لأن نصيب العامل ليس لرب المال ولا تجب على الإنسان زكاة مال غيره .ويخرج الزكاة من المال لأنه من مئونته، وتحسب من الربح، لأنه وقاية لرأس المال .وأما العامل فليس عليه زكاة فى نصيبه ما لم يقتسما، فإذا اقتسما استأنف العامل حولا من حينئذ .وقال أبو الخطاب من الحنابلة :يحتسب من حين ظهور الربح، ولا تجب عليه إخراج زكاته حتى يقبضه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۷، ۲۷۸، مادة "زكاة")

تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سونے یا چاندی کے نصاب میں سے جونسے نصاب کے ساتھ حساب لگانے میں غریبوں کا زیادہ نفع اور فائدہ ہوگا، اس کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ اگر مالِ تجارت کی قیمت چاندی کے نصاب کی مالیت کے بقدر بن جاتی ہو، تو زکاۃ واجب ہوگی، خواہ سونے کے نصاب کی مالیت کے بقدر نہ بنتی ہو، جیسا کہ آج کل عموماً ایسا ہی ہے کہ چاندی کے نصاب کی مالیت سونے کے نصاب کی مالیت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ [1]

---

[1] اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق مالک کو اختیار ہے کہ وہ سونے یا چاندی جس کی مالیت کے ساتھ چاہے حساب لگا کر زکاۃ ادا کرے، تاہم بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے، جبکہ دونوں کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کے بقدر مالیت بن جاتی ہو، اور اگر ایک کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کے برابر مالیت بنتی ہے، اور دوسرے کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کی مالیت نہیں بنتی، تو پھر اختیار حاصل نہیں، بلکہ جس کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کے برابر مالیت بن جاتی ہے، اس کے حساب سے زکاۃ دینے کا حکم متعین ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واختلف الفقهاء فيما تقوم به عروض التجارة :بالذهب أم بالفضة.

فذهب الحنابلة وأبو حنيفة في رواية عنه عليها المذهب، إلى أنها تقوم بالأحظ للفقراء ، فإن كان إذا قومها بأحدهما لا تبلغ نصابا وبالآخر تبلغ نصابا تعين عليه التقويم بما يبلغ نصابا.

وقال أبو حنيفة في رواية عنه :يخير المالك فيما يقوم به لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء .

وقال الشافعية وأبو يوسف :يقومها بما اشترى به من النقدين، وإن اشتراها بعرض قومها بالنقد الغالب في البلد.

وقال محمد :يقومها بالنقد الغالب على كل حال كما في المغصوب والمستهلك.

ولم نجد عند المالكية تعرضا لما تقوم به السلع، مع أنهم قالوا :إنها لا زكاة فيها ما لم تبلغ نصابا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۷۲،مادة "زكاة")

ثم إذا تم الحول على مال التجارة فإنه ينبغي أن يقومها حتى يعرف مقدار مال الزكاة لكن عند أبي حنيفة يقوم بما هو أوفى القيمتين وأنظرهما للفقراء من الدراهم والدنانير كذا ذكر ههنا وذكر في كتاب الزكاة وقال إن شاء قومها بالدراهم وإن شاء قومها بالدنانير.

ومشايخنا حملوا رواية كتاب الزكاة على ما إذا كان لا يتفاوت النفع في حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان حتى يكون جمعا بين الروايتين.

ولكن كيفما كان ينبغي أن يقوم بأدنى ما ينطلق عليه اسم الدراهم والدنانير.

وروى محمدعن أبي يوسف أنه قال يقوم الثمن الذي اشتراها به دراهم كان أو دنانير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض دوسرے فقہائے کرام کا اس مسئلہ میں قول اس سے مختلف ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان الثمن من العروض يقوم بالنقد الغالب فى ذلك الموضع.

وذكر ابن سماعة عن محمد إنما يقوم بالنقد الغالب فى ذلك الموضع(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص۲۷۳، ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب زكاة اموال التجارة)

[۱] وطريقة تقويم العروض:هى عند الجمهور غير الشافعية أن تقوم السلع إذا حال الحول بالأحظ للمساكين من ذهب أو فضة احتياطاً لحق الفقراء ، ولا تقوم بما اشتريت به .فإذا حال الحول على العروض، وقيمتها بالفضة نصاب، ولا تبلغ نصاباً بالذهب، قومناها بالفضة ليحصل للفقراء منها حظ، ولو كانت قيمتها بالفضة دون النصاب، وبالذهب تبلغ نصاباً قومناها بالذهب لتجب الزكاة فيها، ولا فرق بين أن يكون اشتراؤها بذهب أو فضة أو عروض.

وقال الشافعية :تقوم العروض بما اشتراها التاجر به من ذهب أو فضة، لأن نصاب العروض مبنى على ما اشتراه به، فيجب أن تجب الزكاة فيه، وتعتبر به، كما لو لم يشتر به شيئاً .وعلى هذا إن ملك العرض بنقد قوّم به إن ملك بنصاب أو دونه فى الأصح، سواء أكان ذلك النقد هو الغالب أم لا، وسواء أبطله السلطان أم لا، لأنه أصل ما بيده، فكان أولى من غيره .وإن ملك العرض بعرض آخر للقنية أو بخلع أو نكاح أو صلح عن دم عمد، فيقوَّم بغالب نقد البلد، من الدراهم والدنانير، لأنه لما تعذر التقويم بالأصل، رجع إلى نقد البلد، على قاعدة التقويمات فى الإتلاف ونحوه.

فإن حال الحول بمحل لا نقد فيه، كبلد يتعامل فيه بالفلوس أو نحوها، اعتبر أقرب البلاد إليه.

ولو ملك بدين فى ذمة البائع أو بنحو سبائك، قوّم بجنسه من النقد.

فإن غلب نقدان على التساوى فى التعامل بالبلد، وبلغ مال التجارة بأحدهما دون الآخر نصاباً، قوم به، لبلوغه نصاباً بنقد غالب .فإن بلغ نصاباً بكل من النقدين الغالبين، قوم بالأنفع منهما للفقراء .وإن ملك العرض بنقد وعرض آخر، كأن اشترى بمئتى درهم وعرض قنية، قوم ما قابل النقد به، والباقى بغالب نقد البلد، كما لو انفرد الشراء بواحد منهما.

ورأى الجمهور أولى لسهولته ومراعاته مصالح الفقراء .وعلى هذا يجب على كل تاجر أن يجرد آخر كل عام ما لديه من بضائع، ويقدر قيمتها وقت الجرد عند الجمهور بالنقود الرائجة، فإن بلغت نصاباً، وجب عليه إخراج ربع عشر قيمة هذه الأموال 2.5%، ويضم الربح إلى رأس المال، ولا يقوَّم الأثاث وموجودات المحل وأدوات التجارة والصناعة والكسب وفروغ المحل(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی چیز (مثلاً مکان، گاڑی وغیرہ) خریدتے وقت اس کو بیچنے یا خود استعمال کرنے کی نیت میں تردُّد ہے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک وہ چیز تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوگی، اوراس کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ شک کی وجہ سے اس کو مالِ تجارت میں داخل نہیں مانا جائے گا۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] العين وإن كانت للتجارة لكن قد يقصد ببدل منافعها المنفعة؛ فتؤجر الدابة لينفق عليها، والدار للعمارة فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية .اهـ. (ردالمحتار، ج۲، ص۲۶۸، كتاب الزكاة)

قد يقصد ببدل منافعها المنفعة فيؤاجر الدابة لينفق عليها والدار للعمارة فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية(بدائع الصنائع، ج۲ ۱۳، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع إلى المال)

فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية(البحر الرائق، ج۲ص ۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

(فصل نمبر۸)

مال کا نصاب کے بقدر ہونا

(زکاۃ کے مالی نصاب سے متعلق احکام)

زکاۃ واجب ہونے کے لئے مال کے نامی ہونے کے ساتھ (جس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے) یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مال نصاب کے بقدر ہو۔

کیونکہ زکاۃ اگر ہر شخص پر فرض کی جاتی، تو غریبوں پر بھی فرض ہوجاتی، اس وجہ سے اس کے لئے ایک معیار مقرر ہونا ضروری تھا، اسی کو زکاۃ کا ''مالی نصاب'' کہا جاتا ہے۔ [1]

بعض لوگ سِرے سے زکاۃ کے نصاب سے ہی ناواقف ہوتے ہیں، اور وہ شرعی اعتبار سے صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو غریب اور زکاۃ سے بَری سمجھتے رہتے ہیں، اور زکاۃ کے شرعی نصاب سے واقفیت حاصل نہیں کرتے، جو کہ خطرناک طرزِ عمل ہے۔

شریعت کی طرف سے زکاۃ فرض ہونے کے لئے جو نصاب مقرر ہے، اس کا علم حاصل کرنا چاہئے۔

اس لئے اب زکاۃ واجب ہونے کے مالی نصاب سے متعلق احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

---

[1] الشرط السادس :أن يبلغ المال نصابا:

والنصاب مقدار المال الذى لا تجب الزكاة فى أقل منه، وهو يختلف باختلاف أجناس الأموال الزكوية، فنصاب الإبل خمس منها، ونصاب البقر ثلاثون .ونصاب الغنم أربعون، ونصاب الذهب عشرون مثقالا، ونصاب الفضة مائتا درهم، ونصاب الزروع والثمار خمسة أوسق.

ونصاب عروض التجارة مقدر بنصاب الذهب أو الفضة .وفى بعض ما تقدم تفريعات وخلاف ينظر فى مواضعه مما يلى من هذا البحث.

والحكمة فى اشتراط النصاب واضحة، وهى أن الزكاة وجبت مواساة، ومن كان فقيرا لا تجب عليه المواساة، بل تجب على الأغنياء إعانته، فإن الزكاة تؤخذ من الأغنياء لترد على الفقراء .

وجعل الشرع النصاب أدنى حد الغنى، لأن الغالب فى العادات أن من ملكه فهو غنى إلى تمام سنته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۴، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۱...... شریعت کی طرف سے زکاۃ واجب ہونے کے لئے سونے میں نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولہ مقرر ہے، اور چاندی میں نصاب کی مقدار ساڑھے باون تولہ مقرر ہے۔ ۱؎

اور تجارت کے مال اور کرنسی کے نصاب کی مقدار سونے وچاندی کے نصاب کے تابع ہے۔

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی کے پاس کرنسی اتنی مقدار میں ہو کہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے، لیکن ساڑھے سات تولہ سونے کے نصاب کو نہ پہنچے، تو اکثر اہلِ علم حضرات کے نزدیک وہ زکاۃ کا نصاب شمار ہوتی ہے، اور اس کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۳...... جمہور فقہائے کرام یعنی حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت

۱؎ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عشر میں بھی پانچ وسق (یعنی پچیس من سے کچھ زائد) کا نصاب مقرر ہے، جس کی تفصیل ہم نے عشر سے متعلق اپنی دوسری کتاب میں ذکر کردی ہے، اور سائمہ جانوروں کے نصاب کا ذکر آگے اسی کتاب کے اگلے حصہ میں آتا ہے۔

كون المال نصاباً أو مقداراً بقيمة نصاب :وهو ما نصبه الشرع علامة على توفر الغنى ووجوب الزكاة من المقادير الآتية .وسيأتي في بحث أنواع أموال الزكاة بيان الأنصبة الشرعية، وخلاصتها : نصاب الذهب عشرون مثقالاً أو ديناراً، ونصاب الفضة مائتا درهم(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۳ص ۱۷۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانی)

مذهبنا ومذهب العلماء كافة أن الاعتبار فى نصاب الذهب والفضة بالوزن لا بالعدد وحكى صاحب الحاوى وغيره من أصحابنا عن المغربى وبشر المريسى المعتزلى أن الاعتبار بمائتى درهم عددا وزنا حتى لو كان معه مائة درهم عددا وزنها مائتان فلا شئ فيها وإن كانت مائتان عددا وزنها مائة وجبت الزكاة قال أصحابنا وهذا غلط منهما لمخالفته النصوص والإجماع فهو مردود (المجموع شرح المهذب، ج٦، ص۱۸،۱۹، باب زكاة الذهب و الفضة)

۲؎ البتہ بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ کرنسی کی زکاۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ ساڑھے سات تولہ سونے کے نصاب کے برابر نہ ہو جائے، جیسا کہ پہلے ”سکّہ اور کرنسی کی زکاۃ کے احکام“ کے ذیل میں گزرا۔

والأصح تقدير النصاب الورقى بالذهب، لأنه المعادل لنصاب الأنعام (الإبل والبقر والغنم)، ولارتفاع مستوى المعيشة وغلاء الحاجيات، وإن كان يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة، لأنه أنفع للفقراء ، وللاحتياط فى الدين، ولأن نصاب الفضة مجمع عليه، وثابت بالسنة الصحيحة، وكان يساوى فى الماضى ستة وعشرين ريالاً مصرياً وتسعة قروش وثلثى قرش، ونحو خمسين ريالاً فى السعودية ودولة الإمارات، ونحو ۵۵ أو ۶۰ روبية فى باكستان والهند(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۳۴، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

کے مطابق سونے اور چاندی کو نصاب مکمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی طرف ملایا جائے گا، پس اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی دونوں الگ الگ تو اتنی مقدار میں نہیں ہیں، کہ دونوں کا الگ الگ زکاۃ کا نصاب پورا ہوجائے، لیکن جب سونے اور چاندی دونوں کو ملایا جاتا ہے، توان دونوں کی مجموعی مالیت سے زکاۃ کا نصاب بن جاتا ہے، تو بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے، اوراسی طرح اگر سونے چاندی میں سے ایک چیز کا نصاب تو مکمل ہے، اوردوسری چیز نصاب سے کم ہے، تو بھی دونوں کو ملا کر زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ ۱؎

اورشافعیہ کے نزدیک اورامام احمد کی ایک روایت کے مطابق سونے اور چاندی کو نصاب مکمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی طرف نہیں ملایا جائے گا، اوراسی صورت میں زکاۃ واجب ہوگی، جبکہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک چیز کا نصاب مکمل ہو۔ ۲؎

۱؎ ذهب الجمهور (الحنفية والمالكية وهو رواية عن أحمد وقول الثورى والأوزاعى) إلى أن الذهب والفضة يضم أحدهما إلى الآخر فى تكميل النصاب، فلو كان عنده خمسة عشر مثقالا من الذهب، ومائة وخمسون درهما، فعليه الزكاة فيهما، وكذا إن كان عنده من أحدهما نصاب، ومن الآخر مالا يبلغ النصاب يزكيان جميعا، واستدلوا بأن نفعهما متحد، من حيث إنهما ثمنان، فمنهما القيم وأروش الجنايات، ويتخذان للتحلى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۶۷، مادة "زكاة")

۲؎ وذهب الشافعية وهو رواية أخرى عن أحمد وقول أبى عبيد وابن أبى ليلى وأبى ثور إلى أنه لا تجب فى أحد الجنسين الزكاة حتى يكمل وحده نصابا، لعموم حديث :ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۶۷، مادة "زكاة")

مذهبنا أنه لا يكمل نصاب الدراهم بالذهب ولا عكسه حتى لو ملك مائتين إلا درهما وعشرين مثقالا إلا نصفا أو غيره فلا زكاة فى واحد منهما وبه قال جمهور العلماء حكاه ابن المنذر عن ابن أبى ليلى والحسن بن صالح وشريك وأحمد وأبى ثور وأبى عبيد *قال ابن المنذر وقال الحسن وقتادة والأوزاعى والثورى ومالك وأبو حنيفة وسائر أصحاب الرأى يضم أحدهما إلى الآخر (المجموع شرح المهذب، ج٦، ص۱۸،۱۹، باب زكاة الذهب و الفضة)

ويضم عند الجمهور (غير الشافعية) أحد النقدين إلى الآخر فى تكميل النصاب، فيضم الذهب إلى الفضة وبالعكس بالقيمة، فمن له مئة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مئة، عليه زكاتها، لأن مقاصدها وزكاتهما متفقة، فهما كنوعى الجنس الواحد.

وقال الشافعية :لا يضم أحدهما إلى الآخر كالإبل والبقر، وإنما يكمل النوع بالنوع من الجنس الواحد وإن اختلفا جودة ورداءة، والرأى الأول هو الواجب الاتباع اليوم فى العملات الورقية، وضم نوع منها إلى آخر أصبح ضرورياً ومتعيناً(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۸۱۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جو حضرات سونے اور چاندی کا نصاب مکمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی طرف ملانے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک اس کو ملانے کا طریقہ کیا ہوگا؟ تو اس سلسلہ میں امام مالک، اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا فرمانا یہ ہے کہ سونے اور چاندی کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا (قیمت کے اعتبار سے نہیں ملایا جائے گا) مثلاً اگر کسی کے پاس سونے کے نصاب کی نصف مقدار (مثلاً 3.75 تولہ) سونا ہے، اور چاندی کے نصاب کی نصف مقدار (مثلاً 26.25 تولہ) چاندی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے پاس دونوں نصابوں کی آدھی آدھی مقدار ہے، یعنی آدھی مقدار ایک نصاب کی اور آدھی مقدار دوسرے کی ملا کر نصاب مکمل ہو جاتا ہے، تو ان حضرات کے نزدیک اس صورت میں زکاۃ واجب ہوگی، اور اگر مثلاً مذکورہ صورت میں سونے، چاندی میں سے کسی ایک نصاب کی تو نصف مقدار موجود ہے، لیکن دوسرے کی نصف مقدار سے کم موجود ہے، تو زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1]

---

[1] والقائلون بالضم اختلفوا فذهب مالک وأبو يوسف ومحمد وأحمد فى رواية إلى أن الضم يكون بالأجزاء فلو كان عنده خمسة عشر مثقالا ذهبا، وخمسون درهما لوجبت الزكاة، لأن الأول نصاب، والثانى 25نصاب، فيكمل منهما نصاب، وكذا لو كان عنده ثلث نصاب من أحدهما وثلثان من الآخر ونحو ذلک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲٦۷، ۲٦۸، مادة "زكاة")

فأما إن كان له من كل واحد من الذهب والفضة ما لا يبلغ نصابا بمفرده، أو كان له نصاب من أحدهما وأقل من نصاب من الآخر، فقد توقف أحمد عن ضم أحدهما إلى الآخر، فى رواية الأثرم وجماعة، وقطع فى رواية حنبل، أنه لا زكاة عليه حتى يبلغ كل واحد منهما نصابا .وذكر الخرقى فيه روايتين فى الباب قبله، إحداهما لا يضم.

وهو قول ابن أبى ليلى، والحسن بن صالح، وشريک، والشافعى، وأبى عبيد، وأبى ثور .واختاره أبو بكر عبد العزيز؛ لقوله -عليه السلام :-ليس فيما دون خمس أواق صدقة . ولأنهما مالان يختلف نصابهما، فلا يضم أحدهما إلى الآخر، كأجناس الماشية.

والثانية، يضم أحدهما إلى الآخر فى تكميل النصاب .وهو قول الحسن وقتادة، ومالک، والأوزاعى، والثورى، وأصحاب الرأى؛ لأن أحدهما يضم إلى ما يضم إليه الآخر، فيضم إلى الآخر كأنواع الجنس، ولأن نفعهما واحد، والمقصود منهما متحد .فإنهما قيم المتلفات، وأروش الجنايات، وأثمان البياعات، وحلى لمن يريدهما لذلک، فأشبها النوعين، والحديث مخصوص

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سونے اور چاندی کو ایک دوسرے کی طرف اس قیمت کے حساب سے ملایا جائے گا، جس میں فقراء وغرباء کا زیادہ فائدہ ہو (اور اجزاء کے اعتبار سے نہیں ملایا جائے گا)

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی کی ملکیت میں سونا اور چاندی جتنی بھی مقدار میں ہو، کم ہو یا زیادہ، ان دونوں کی قیمتوں کو جمع کر کے دیکھا جائے گا، اگر دونوں کی قیمتیں ملا کر اتنی مالیت بن رہی ہو کہ اس کے عوض میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکتی ہو، تو زکاۃ واجب ہوگی، ورنہ زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

پس اگر کسی کی ملکیت میں چاندی کا آدھا نصاب (مثلاً 26.25 تولہ چاندی) ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعرض التجارة، فنقيس عليه .فإذا قلنا بالضم، فإن أحدهما يضم إلى الآخر بالأجزاء ، يعني أن كل واحد منهما يحتسب من نصابه، فإذا كملت أجزاؤهما نصابا، وجبت الزكاة، مثل أن يكون عنده نصف نصاب من أحدهما، ونصف نصاب أو أكثر من الآخر، أو ثلث من أحدهما، وثلثان أو أكثر من الآخر .فلو ملك مائة درهم وعشرة دنانير، أو مائة وخمسين درهما وخمسة دنانير، أو مائة وعشرين درهما وثمانية دنانير، وجبت الزكاة فيهما.

وإن نقصت أجزاؤهما عن نصاب فلا زكاة فيهما .سئل أحمد، عن رجل عنده ثمانية دنانير ومائة درهم؟ فقال :إنما قال من قال فيها الزكاة، إذا كان عنده عشرة دنانير ومائة درهم .وهذا قول مالك، وأبي يوسف، ومحمد، والأوزاعي؛ لأن كل واحد منهما لا تعتبر قيمته في وجوب الزكاة إذا كان منفردا، فلا تعتبر إذا كان عنده عشرة دنانير مضمونة كالحبوب والثمار وأنواع الأجناس كلها .وقال أبو الخطاب :ظاهر كلام أحمد، في رواية المروذي، أنها تضم بالأحوط من الأجزاء والقيمة .ومعناه أنه يقوم الغالي منهما بقيمة الرخيص، فإذا بلغت قيمتهما بالرخيص منهما نصابا وجبت الزكاة فيهما؛ فلو ملك مائة درهم وتسعة دنانير قيمتها مائة درهم، أو عشرة دنانير وتسعين درهما قيمتها عشرة دنانير، وجبت الزكاة فيها.

وهذا قول أبي حنيفة في تقويم الدنانير بالفضة؛ لأن كل نصاب وجب فيه ضم الذهب إلى الفضة، ضم بالقيمة، كنصاب القطع في السرقة، ولأن أصل الضم لتحصيل حظ الفقراء ، فكذلك صفة الضم .والأول أصح؛ لأن الأثمان تجب الزكاة في أعيانها، فلا تعتبر قيمتها، كما لو انفردت . ويخالف نصاب القطع، فإن نصاب القطع فيه الورق خاصة في إحدى الروايتين، وفي الأخرى أنه لا يجب في الذهب حتى يبلغ ربع دينار .والله أعلم (المغني لابن قدامة، ج٣، ص ٣٦ و ٣٧، مسالة نصاب الفضة)

سونے کا چوتھائی نصاب (مثلاً 1.875 تولہ سونا) ہے، جس کی مالیت چاندی کے آدھے نصاب (یعنی 26.25 تولہ چاندی) کے برابر بنتی ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر زکاۃ واجب ہوگی، جبکہ مذکورہ دیگر فقہائے کرام (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ) کے نزدیک اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی کے پاس تجارت کا مال نصاب کی مالیت سے کم مقدار میں ہے، اور اس کے پاس کچھ مقدار میں سونا یا چاندی بھی ہے، جو کہ نصاب کی مقدار سے کم ہے، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی مجموعی مالیت اگر سونے یا چاندی کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے، تو زکاۃ واجب ہوگی، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ اجزاء کے اعتبار سے نصاب کو نہ پہنچیں۔

مثلاً کسی کے پاس تجارت کی گندم ہے، جس کی قیمت چاندی کے نصاب کی نصف مالیت (یعنی 26.25 تولہ چاندی) کے برابر ہے، اور اس کے پاس چوتھائی نصاب کے برابر (یعنی 1.875 تولہ) سونا ہے، جس کی قیمت چاندی کے نصاب کی نصف مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر زکاۃ واجب ہوگی، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [2]

---

[1] وذهب أبو حنيفة إلى أنه يضم أحدهما إلى الآخر بالتقويم في أحدهما بالآخر بما هو أحظ للفقراء ، أى يضم الأكثر إلى الأقل، فلو كان عنده نصف نصاب فضة، وربع نصاب ذهب تساوى قيمته نصف نصاب فضة فعليه الزكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۶۸ ،مادة "زكاة")

[2] وكذلك إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة فإنه يضمها إلى العروض ويقوم جملة لكن على قول أبى حنيفة يضمها باعتبار القيمة إن شاء قوم العروض وضمها إلى الدراهم أو الدنانير وإن شاء قوم الذهب والفضة وضم قيمتهما إلى قيمة أعيان التجارة وعندهما يضم باعتبار الأجزاء فيقوم العروض ويضم قيمتها إلى ما عنده من الدراهم والدنانير فإن بلغت الجملة نصابا تجب الزكاة وإلا فلا ولا يقوم الدراهم والدنانير عندهما أصلا فى باب الزكاة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب زكاة اموال التجارة)

(وتضم قيمتها) أى العروض التى للتجارة (إليهما) أى الذهب والفضة (ليتم النصاب) فيزكى عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک موجودہ کرنسی ونقدی کو سونے، چاندی کا، جبکہ بعض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قفيز حنطة للتجارة وخمسة مثاقيل من ذهب قيمة كل مائتى درهم عند الإمام؛ لأن الوجوب فى الكل باعتبار التجارة وإن افترقت جهة الإعداد وعندهما لا شيء فيه(مجمع الانهر، ج ا ص۲۰۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض)

(وقيمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنين) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة) وقالا بالإجزاء، فلو له مائة درهم وعشرة دنانير قيمتها مائة وأربعون تجب ستة عنده وخمسة عندهما(الدرالمختار)

(قوله :وقيمة العرض إلخ) تقدم قريبا تقويم العرض إذا بلغ نصابا، وما هنا فى بيان ما إذا لم يبلغ. وعنده من الثمنين ما يتم به النصاب.

وفى النهر قال الزاهدى :وله أن يقوم أحد النقدين ويضمه إلى قيمة العروض عند الإمام .وقالا :لا يقوم النقدين بل العروض ويضمها .وفائدته تظهر فيمن له حنطة للتجارة قيمتها مائة درهم وله خمسة دنانير قيمتها مائة تجب الزكاة عنده خلافا لها (قوله وضعا) راجع للثمنين، وقوله وجعلا راجع للعرض .والمعنى أن الله تعالى خلق الثمنين ووضعهما للتجارة والعبد يجعل العرض للتجارة. اهـ .ح أى؛ لأنه لا يكون للتجارة إلا إذا نوى به العبد التجارة بخلاف النقود(ردالمحتار، ج۲ص۳۰۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وكذا يضم بعض أموال التجارة إلى البعض فى تكميل النصاب لما قلنا.

وإذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب والفضة وهو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب والفضة فلا بد من التقويم حتى يعرف مقدار النصاب ثم بماذا تقوم؟ ذكر القدورى فى شرحه مختصر الكرخى أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم والدنانير حتى إنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالدنانير قومت بما تبلغ به النصاب.

وكذا روى عن أبى حنيفة فى الأمالى أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء .

وعن أبى يوسف أنه يقومها بما اشتراها به فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم وإن اشتراها بالدنانير قومها بالدنانير وإن اشتراها بغيرهما من العروض أو لم يكن اشتراها بأن كان وهب له فقبله ينوى به التجارة قومها بالنقد الغالب فى ذلك الموضع.

وعند محمد يقومها بالنقد الغالب على كل حال وذكر فى كتاب الزكاة أنه يقومها يوم حال الحول إن شاء بالدراهم وإن شاء بالدنانير.

وجه قول محمد أن التقويم فى حق الله تعالى يعتبر بالتقويم فى حق العباد ثم إذا وقعت الحاجة إلى تقويم شيء من حقوق العباد كالمغصوب والمستهلك يقوم بالنقد الغالب فى البلدة كذا هذا.

وجه قول أبى يوسف أن المشترى بدل وحكم البدل يعتبر بأصله فإذا كان مشترى بأحد النقدين فتقويمه بما هو أصله أولى.

وجه رواية كتاب الزكاة أن وجوب الزكاة فى عروض التجارة باعتبار ماليتها دون أعيانها، والتقويم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے نزدیک سامانِ تجارت کا حکم حاصل ہے، جیسا کہ پہلے سکہ وغیرہ کے بیان میں گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی کی ملکیت میں صرف سونا ہے یا صرف چاندی ہے تو اس کا نصاب سونے یا چاندی ہی کے اعتبار سے ہوگا، اور اگر کسی کی ملکیت میں صرف تجارت کا مال یا صرف کرنسی ہے، تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر ہونا زکاۃ کا نصاب کہلائے گا۔

اور اگر کسی کی ملکیت میں مذکورہ چاروں یا ان میں سے ایک سے زیادہ چیزوں کی مجموعی مالیت سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر ہو جائے، تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاۃ کا نصاب مکمل سمجھا جائے گا (جبکہ صاحبین وغیرہ کے نزدیک مالیت کے بجائے ہر ایک چیز کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، جیسا کہ گزرا)

مذکورہ تفصیل کے بعد اب یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ نصاب کی مقدار کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زکاۃ مندرجہ ذیل پانچ قسم کے افراد پر واجب ہے:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لمعرفة مقدار المالية والنقدان في ذلک سيان فكان الخيار إلى صاحب المال يقومه بأيهما شاء .

ألا ترى أن في السوائم عند الكثرة وهي ما إذا بلغت مائتين الخيار إلى صاحب المال إن شاء أدى أربع حقاق وإن شاء خمس بنات لبون؟ فكذا هذا.

وجه قول أبي حنيفة أن الدراهم والدنانير وإن كانا في الثمنية والتقويم بهما سواء ، لكنا رجحنا أحدهما بمرجح وهو النظر للفقراء ، والأخذ بالاحتياط أولى ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب وبالآخر لا فإنه يقوم بما يتم به النصاب نظرا للفقراء واحتياطا؟ كذا هذا.

ومشايخنا حملوا رواية كتاب الزكاة على ما إذا كان لا يتفاوت النفع في حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان جمعا بين الروايتين.

وكيفما كان ينبغي أن يقوم بأدنى ما ينطلق عليه اسم الدراهم أو الدنانير وهي التي يكون الغالب فيها الذهب والفضة، وعلى هذا إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة فإنه يضمها إلى العروض ويقومه جملة؛ لأن معنى التجارة يشمل الكل لكن عند أبي حنيفة يضم باعتبار القيمة إن شاء قوم العروض وضمها إلى الذهب والفضة، وإن شاء قوم الذهب والفضة وضم قيمتهما إلى قيمة أعيان التجارة.وعندهما يضم باعتبار الأجزاء فتقوم العروض فيضم قيمتها إلى ما عنده من الذهب والفضة فإن بلغت الجملة نصابا تجب الزكاة وإلا فلا.

ولا يقوم الذهب والفضة عندهما أصلا في باب الزكاة على ما مر(بدائع الصنائع، ج۲ص ۲۱، كتاب الزكاة، فصل صفة الواجب في أموال التجارة)

[1] وفي هذا المعنى العملة النقدية المتداولة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۸،مادة "زكاة")

(۱)...... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو۔ [۱]

(۲)...... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو۔ [۲]

(۳)...... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ صرف تجارت کا مال ہو۔ [۳]

(۴)...... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ صرف کرنسی ہو۔ [۴]

---

[۱] فنبدأ بزكاة الذهب والفضة فنقول :لا يخلوا إما أن يكون الانسان له فضة مفردة، أو ذهب مفرد، أو من الصنفين جميعا .فإن كانت له فضة مفردة، إن كان نصابا، وهو مائتا درهم، وزنا، وزن سبعة، يجب عليه خمسة دراهم، ربع عشرها، اجتمع شرائط الوجوب .وإن كان ما دون ذلک لا يجب(تحفة الفقهاء ، كتاب الزكاة،لعلاء الدين السمرقندی)

[۲] ملحوظ رہے کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سونے اور چاندی کا نصاب مستقل ہے،اوران میں سے کوئی نصاب دوسرے کے تابع نہیں، کیونکہ سونے اور چاندی کی زکاۃ کے دونوں نصاب اپنی اپنی جگہ نقل سے ثابت ہیں ،لہٰذا جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان دونوں نصابوں کی مالیت کے متفاوت ہونے سے اس مسئلے پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ،اور دونوں کی مستقل حیثیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے،جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

[۳] (فصل):وأما أموال التجارة فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير والدراهم فلا شیء فيها ما لم تبلغ قيمتها مائتی درهم أو عشرين مثقالا من ذهب فتجب فيها الزكاة، وهذا قول عامة العلماء (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل اموال التجارة)

ثم فی تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم والدنانير إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصابا فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ نصابا هكذا فی البحر الرائق (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۱۷۹ ،كتاب الزكاة،الباب الثالث،الفصل الثانی فی العروض)

ومحل التخيير إذا استويا فقط.أما إذا اختلفا قوم بالأنفع اهـ(ردالمحتار ج۲ ص ۲۹۹ ،كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

[۴] اور اکثر اہلِ علم حضرات اسی کے قائل ہیں، جبکہ بعض سونے کے ساتھ نصاب کی مالیت کو معیار بنانے کے قائل ہیں،جیسا کہ پہلے گزرا۔

ويجب أيضاً اعتبار النصاب الحالی كما كان هو المقرر فی أصل الشرع، دون النظر إلى تفاوت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی چاروں چیزیں یا ان چار میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ مالیت ہو جائے۔[۱]

اور جب زکاۃ کا نصاب مکمل ہو جائے یا نصاب سے بھی زیادہ مال ہو جائے، تو سارے مال کی زکاۃ دی جاتی ہے، یہ نہیں کہ نصاب کے برابر الگ کر کے پھر جو مال باقی بچے، اس کی زکاۃ دی جائے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۶ ...... عام طور پر لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہو تو کسی حال میں زکاۃ واجب نہیں، حالانکہ وزن کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی ملکیت میں صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تجارت کا سامان ذرا سا بھی نہ ہو، اور نقدی بالکل بھی نہ ہو۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السعر القائم الآن بين الذهب والفضة .وتقدر الأوراق النقدية في الأرجح دليلاً بسعر الذهب، لأنه هو الأصل في التعامل، ولأن غطاء النقود هو بالذهب، ولأن المثقال كان في زمن النبي صلّى الله عليه وسلم وعند أهل مكة هو أساس العملة، وهو أساس تقدير الديات .ويسأل الصراف عن سعر الذهب بالعملة المحلية الرائجة في كل بلد، مثلاً يعادل الجنية المصري ذهباً في وقت من الأوقات(2.5587) غم، ويساوي غرام الذهب في سوريا الآن حوالي ۵۰۰ ليرة سورية.

أما غرام الفضة فيساوي الآن حوالي عشر ليرات سورية .ويرى كثير من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتياطاً لمصلحة الفقراء ، ولأن ذلك أنفع لهم .وأرى الأخذ بهذا الرأي، لأنه يفتى بما هو أنفع للفقراء (الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

[۱] مگر امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک سونے اور چاندی کو ضم کر کے نصاب پورا نہیں کیا جاتا۔

نیز صاحبین کے نزدیک ضمِ نصاب قیمت و مالیت کے بجائے اجزاء کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، لہٰذا صاحبین کے نزدیک سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی کے اجزاء کے اعتبار سے اور مالِ تجارت و کرنسی کو بھی چاندی کے اجزاء کے اعتبار سے جمع کر کے مجموعہ کو دیکھا جائے گا کہ اجزاء کے اعتبار سے نصاب مکمل ہو رہا ہے یا نہیں؟

وكذلك إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة، فإنه يضمها إلى العروض ويقوم جملة (تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ۱ ص ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب زكاة اموال التجارة)

اور اگر کسی مرد یا عورت کی ملکیت میں دو یا زیادہ طرح کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کا علیٰحدہ نصاب پورا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سب کی مالیت (ویلیو) ملا کر دیکھی جائے گی، اگر سب کی مالیت ملا کر سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے تو زکاۃ واجب ہے، جیسا کہ خواتین کے پاس ساڑھے سات تولے سے کم سونا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ نقدی بھی عموماً واکثر ہوتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... ساڑھے سات تولہ سونے اور اسی طرح ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت صرافوں سے معلوم کی جاسکتی ہے، چونکہ سونے اور چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، اس لئے کسی ایک دن کی قیمت لکھ دینے سے غلط فہمی ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۸...... جب تک مال، زکاۃ کے نصاب سے کم ہو، اس وقت تک زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اور جب نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، تو زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

پھر جمہور اور اکثر فقہائے کرام اور امام ابویوسف وامام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک نصاب سے جتنی مقدار بھی زیادہ ہو، اس کے حساب سے زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، مثلاً اگر نصاب سے چالیس روپے کی مقدار زیادہ ہے، تو اس چالیس روپے میں سے ایک روپیہ زکاۃ میں واجب ہوا کرتا ہے، اور آج کل اسی کے مطابق لوگوں کا عمل بھی ہے۔ [2]

---

[1] ونصاب العروض بالقيمة، ويقوم بذهب أو فضة، فلا زكاة في ما يملكه الإنسان من العروض إن كانت قيمتها أقل من نصاب الزكاة في الذهب أو الفضة، ما لم يكن عنده من الذهب أو الفضة نصاب أو تكملة نصاب.

وتضم العروض بعضها إلى بعض في تكميل النصاب وإن اختلفت أجناسها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۷۲، مادة "زكاة")

[2] جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک چاندی کے نصاب پر کم از کم چالیس درہم اور سونے کے نصاب پر کم از کم چار دینار یعنی نصاب کا کم از کم پانچویں حصہ کا اضافہ نہ ہو جائے، اس وقت تک اس اضافی مقدار کی زکاۃ واجب نہیں ہوا کرتی، اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

ما نقص عن النصاب وما زاد عليه :تجب الزكاة كما عرفنا بالإجماع في الذهب إذا كان عشرين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹ ...... زکاۃ میں مقدار کے اعتبار سے اڑھائی فیصد، یا چالیسواں حصہ بطورِ زکاۃ واجب ہوا کرتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۰ ...... عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جس وقت انسان برسرِ روزگار اور کمائی کر رہا ہو، اس پر اسی وقت زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، اور اسی وجہ سے جب کوئی شخص کمائی کرنے سے معذور ہو جائے یا کسی وقت میں وہ برسرِ روزگار نہ ہو تو اس کو صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود زکاۃ سے بریٔ الذمہ سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ شرعاً زکاۃ واجب ہونے کے لئے کسی شخص کا برسرِ روزگار ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہے تو اس پر بہرحال زکاۃ واجب ہے اگرچہ وہ برسرِ روزگار نہ ہو۔

مسئلہ نمبر۱۱ ...... بہت سے لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب تک انسان غیر شادی شدہ ہو تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ بالغ اور صاحبِ نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مثقالاً (ديناراً) قيمتها مئتا درهم .أما ما دون العشرين مثقالاً، فلا زكاة فيه إلا أن يتم بورِق (فضة) أو عروض تجارة.

وأجمع العلماء على أنه إذا كان أقل من عشرين مثقالاً، ولا يبلغ مئتى درهم، فلا زكاة فيه لعدم بلوغ النصاب، وقال عامة الفقهاء :نصاب الذهب عشرون مثقالاً من غير اعتبار قيمتها ولا تقديرها بالفضة، قال صلّى الله عليه وسلم :ليس فى أقل من عشرين مثقالاً من الذهب، ولا فى أقل من مئتى درهم صدقة .

أما الزيادة على النصاب :فلا شيء فيها عند أبى حنيفة حتى تبلغ أربعين درهماً، فيكون فيها درهم، ثم فى كل أربعين درهماً درهم، ولا شيء فيما بينهما.

كذلك لا زكاة فى زيادة الدنانير حتى تبلغ أربعة دنانير .وهذا هو الصحيح عند الحنفية، لقول عليه السلام :من كل أربعين درهماً درهم .

وقال الصاحبان وجمهور الفقهاء:ما زاد على المئتين فزكاته بحسابه، وإن قلّت الزيادة، لقوله صلّى الله عليه وسلم :هاتوا ربع العشر من كل أربعين درهماً درهماً، وليس عليكم شيء حتى يتم مئتين، فإذا كانت مئتى درهم ففيها خمسة دراهم، فما زاد فبحساب ذلك وهذا هو المعقول(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ١٨٢٣، ١٨٢٤، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

[1] تؤخذ الزكاة مما وجبت فيه من الذهب والفضة بنسبة ربع العشر .وهكذا بالإجماع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٢٦٥ ،مادة "زكاة")

حالانکہ زکاۃ واجب ہونے کے لئے مرد یا عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں، کنوارے بالغ لڑکے، بالغ لڑکی اور بیوہ عورت وغیرہ پر بھی زکاۃ واجب ہے جب کہ یہ نصاب کے مالک ہوں۔

مسئلہ نمبر ۱۲...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر میں خواہ کتنے ہی افراد الگ الگ صاحبِ نصاب اور مالدار ہوں، مگر زکاۃ ہر حال میں ایک ہی فرد یا گھر کے سرپرست کے ذمہ واجب ہوا کرتی ہے، اور اس کے زکاۃ ادا کرنے سے دوسرے افراد کی طرف سے زکاۃ کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، یا دوسرے صاحبِ نصاب اہلِ خانہ بریٔ الذمہ ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ گھر کے جتنے افراد (والدین، بالغ اولاد، میاں بیوی وغیرہ) علیٰحدہ علیٰحدہ نصاب کے مالک ہوں تو ان پر الگ الگ اپنی زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، یعنی ہر عاقل بالغ شخص کی زکاۃ کا نصاب اس کے مال میں الگ الگ ہوا کرتا ہے۔

لٰہذا یہ سمجھ لینا کہ زکاۃ صرف گھر کے ایک فرد یا سربراہ پر ہی لازم ہوا کرتی ہے، یہ درست نہیں، بلکہ سنگین غلط فہمی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(فصل نمبر۹)

مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونا

(حاجت وضرورت میں مشغول اور اضافی وزائد مال پر زکاۃ کے احکام)

فقہائے کرام نے احادیث کے پیشِ نظر زکاۃ واجب ہونے کے لئے مال کے حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ فَرَسِهٖ وَغُلَامِهٖ صَدَقَةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر اس کے گھوڑے (اور سواری) اور اس کے غلام پر صدقہ (وزکاۃ واجب) نہیں (بخاری، مسلم، مسند احمد)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ زَكَاةٌ، إِلَّا زَكَاةَ الْفِطْرِ فِي الرَّقِيْقِ (سنن أبی داود) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے (اور سواری) پر اور غلام پر زکاۃ واجب نہیں، مگر غلام کا صدقۂ فطر ہے (ابوداؤد)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ١٤٦٣، كتاب الزكاة، باب: ليس على المسلم فی فرسه صدقة، مسلم، رقم الحديث ٩٨٢ "٨" مسند أحمد، رقم الحديث ٧٢٩٥)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ١٥٩٤، كتاب الزكاة، باب صدقة الرقيق.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية ابی داؤد)

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَجَوَّزْتُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے گھوڑے (اور سواری) اور غلام کے صدقہ (وزکاۃ) کو درگزر کردیا ہے (ابنِ ماجہ)

احادیث میں مذکورہ یہ چیزیں چونکہ انسان کی حاجت وضرورت کی ہوتی ہیں، اس لئے ان چیزوں پر زکاۃ واجب نہ ہونے کا حکم لگایا گیا۔

اور ان جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ زکاۃ فرض ہونے کے لئے مال کا ضرورت وحاجت سے فارغ وزائد ہونا بھی ضروری ہے، اور ضرورت وحاجت سے مراد انسان کی بنیادی ضرورت وحاجت ہے۔

لہٰذا جو مال انسان کی بنیادی ضرورت وحاجت میں مشغول ہو، اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٨١٣، كتاب الزكاة، باب صدقة الخيل والرقيق.
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية ابنِ ماجه)

[2] الشرط الرابع: الزيادة على الحاجات الأصلية:
وهذا الشرط يذكره الحنفية. وبناء عليه قالوا: لا زكاة في كتب العلم المقتناة لأهلها وغير أهلها ولو كانت تساوى نصبا، وكذا دار السكنى وأثاث المنزل ودواب الركوب ونحو ذلك.
قالوا: لأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم، وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كثيابه، أو تقديرا كدينه.
وقد جعل ابن ملك من هذا النوع أن يكون لديه نصاب دراهم أمسكها بنية صرفها إلى الحاجة الأصلية فلا زكاة فيها إذا حال عليها الحول عنده، لكن اعترضه ابن نجيم في البحر الرائق، بأن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، ونقله عن المعراج والبدائع.
ولم يذكر أي من أصحاب المذاهب هذا الشرط مستقلا، ولعله، لأن الزكاة أوجبها الشرع في أجناس معينة من المال إذا حال الحول على نصاب كامل منها، فإذا وجد ذلك وجبت الزكاة، واستغناء بشرط النماء والنتيجة واحدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ٢٤٢، مادة "زكاة")
ومنها كون المال فاضلا عن الحاجة الأصلية؛ لأن به يتحقق الغنى ومعنى النعمة وهو التنعم وبه يحصل الأداء عن طيب النفس إذ المال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون صاحبه غنيا عنه ولا يكون نعمة إذ التنعم لا يحصل بالقدر المحتاج إليه حاجة أصلية؛ لأنه من ضرورات حاجة البقاء وقوام البدن فكان شكره شكر نعمة البدن. ولا يحصل الأداء عن طيب نفس فلا يقع الأداء بالجهة المأمور بها (بدائع الصنائع، ج٢ ص ١١، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

اورقرض ودَین کی ادائیگی کوبھی بعض حضرات نے انسان کی حاجت اورضرورت میں داخل کیا ہے،لیکن بعض حضرات نے قرض ودَین کی شرط کو حاجت وضرورت کی اس شرط سے الگ کر کے بیان کیا ہے، اورکئی احکام ایک دوسرے سے مختلف بیان کئے ہیں، اس لئے قرض ودَین کا ذکر آگے الگ بیان میں آتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱...... حاجت میں وہ چیزیں داخل ہیں، جو اپنی یا اپنے اہل وعیال کی بنیادی ضرورت وحاجت میں مشغول ہوں، مثلاً اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے اور لباس اور رہائش وغیرہ کی ضروریات اور سواری وغیرہ۔ [2]

---

[1] اور بعض حضرات نے قرض پر زکاۃ واجب نہ ہونے کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ جتنی مقدار کسی شخص پر قرض ودَین ہو، اس کا وہ انسان مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مالک دوسرا شخص ہوتا ہے، یعنی جس کا یہ قرض ہے، اور زکاۃ واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مال اپنی ملکیت ہو۔

ثـم لايـخـفـى ان الدين داخل تحت الحاجة الاصلية الاانهٔ لماكان فيه تفصيل خصه بالذكرقهستانى (طحطاوى على الدرج ا ص ۳۹۱،كتاب الزكاة)

قـد عـللوا سقوط الزكاة بالدين بأن المديون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الـحـوائـج الأصـلية والـمـال الـمـحـتـاج إلـيـه حـاجـة أصـلية لا يـكـون مـال الـزكـاة تـأمل(رد المحتارج۲ ص ۲۶۱،كتاب الزكاة)

وأمـا خـلـوه عـن الـديـن فـلأن المشغول بالدين مشغول بالحاجة الأصلية؛ لأن فراغ ذمته من الدين الـحـائـل بـيـنـه وبـيـن الجنة أهم الحوائج، فصار كالطعام والكسوة، ولأن الملك ناقص لأن للغريم أخذه منه بغير قضاء ولا رضا(الاختيارلتعليل المختارج ا ص ۱۰۰،كتاب الزكاة)

لان قـضـاء الـديـن مـن الـحـوائـج الاصـلية ،لان فيه تفريغ ذمته ورفع الحائل بينه وبين الجنة (تبيين الحقائق ج۵ ص ۲۵،كتاب الاقرار،باب اقرارالمريض)

(وفـارغ)عـن الـديـن لان الـمـشـغـول بالحاجة الاصلية كالمعدوم (النهرالفائق ج ا ص ۴۱۴،كتاب الزكاة)

[2] (و) فارغ عن (حاجته الأصلية) أى عـمـا يدفع عنه الهلاک تحقيقا أو تقديرا كطعامه وطعام أهـلـه وكـسـوتـهـمـا والـمـسـكـن والخادم والمركب وآلة الحرف لأهلها وكتب العلم لأهلها وغير ذلک مما لا بد منه فى معاشه (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۹۳ ، كتاب الزكاة)

خصال الحاجة الأصلية ثلاث:

أ -نـفـقـة عـيـالـه ومـن تـلـزمه نفقتهم مدة ذهابه وإيابه عند الجمهور (خلافا للمالكية كما نوضح فى الخصلة التالية) ، لأن النفقة حق للآدميين، وحق العبد مقدم على حق الشرع .لما روى عبد الله بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲ ...... رہائشی مکان، ذاتی اور گھریلو ضرورت کا سامان، استعمالی کپڑے، جوتے، گھڑی وغیرہ، ضرورت کی سواری، صنعتی آلات و مشینیں (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان کی آری اور دوسری اشیاء وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) انسان کی اصلی، ضروری اور بنیادی حاجت میں داخل ہیں، اوران پر زکاۃ واجب نہیں۔ ۱؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال : کفی بالمرء إثما أن یضیع من یقوت ب -ما یحتاج إلیہ ھو وأھلہ من مسکن، ومما لا بد لمثلہ کالخادم وأثاث البیت وثیابہ بقدر الاعتدال المناسب لہ فی ذلک کلہ، عند الجمھور خلافا للمالکیۃ أیضا.

وقال المالکیۃ فی ھاتین الخصلتین:

یبیع فی زادہ دارہ التی تباع علی المفلس وغیرھا مما یباع علی المفلس من ماشیۃ وثیاب ولو لجمعتہ إن کثرت قیمتھا، وخادمہ، وکتب العلم ولو محتاجا إلیھا.

وإن کان یترک ولدہ وزوجتہ لا مال لھم، فلا یراعی ما یؤول إلیہ أمرہ وأمر أھلہ وأولادہ فی المستقبل، وإن کان یصیر فقیرا لا یملک شیئا، أو یترک أولادہ ونحوھم للصدقۃ، إن لم یخش ھلاکا فیما ذکر أو شدید أذی "

وھذا لأن الحج عندھم واجب علی الفور کما قدمنا.

ج -قضاء الدین الذی علیہ، لأن الدین من حقوق العباد، وھو من حوائجہ الأصلیۃ، فھو آکد، وسواء کان الدین لآدمی أو لحق اللہ تعالی کزکاۃ فی ذمتہ أو کفارات ونحوھا(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج۱۷ ص ۳۱، مادۃ "حج ")

۱؎ یری الفقھاء أنہ لا زکاۃ فی آلات العمل للمحترفین، لأنھا من الحاجات الأصلیۃ التی لا تجب فیھا الزکاۃ .یقول ابن عابدین :سبب وجوب الزکاۃ ملک نصاب فارغ عن دین وعن حاجتہ الأصلیۃ، لأن المشغول بھا کالمعدوم، والحاجۃ الأصلیۃ ھی ما یدفع الھلاک عن الإنسان تحقیقا کالنفقۃ، ودور السکنی، وآلات الحرب، وکآلات الحرفۃ، وکتب العلم لأھلھا . .ھذا إذا کانت آلات الحرف لم تقتن بنیۃ التجارۃ وإلا ففیھا الزکاۃ کباقی عروض التجارۃ(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج۱۷، ص۱۷۸، مادۃ "حرفۃ")

لا زکاۃ فی آلات العمل للمحترفین، سواء کان مما لا تستھلک عینہ کالمنشار والقدوم، أو مما تستھلک،إلا أن الآلات التی تشتری فتستعمل فیما یباع، کقواریر العطارین، إن کان من غرض المشتری بیعھا بھا ففیھا الزکاۃ عند الحول(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج۱، ص۱۰۹، مادۃ "آلۃ")

(و)فارغ(عن حاجتہ الأصلیۃ) کدورالسکنیٰ وثیاب البذلۃ وأثاث المنازل وآلات المحترفین وکتب الفقہ لأھلھا،لأن المشغول بالحاجۃ الأصلیۃ کالمعدوم (شرح العینی علی الکنز ج۱ ص۱۱۶ و۱۱۷،کتاب الزکاۃ)

مسئلہ نمبر۳...... جو چیز نہ تو سونے چاندی کی ہو اور نہ وہ کرنسی (روپیہ پیسہ) ہو اور نہ ہی وہ تجارت کا مال ہو، تو خواہ وہ بنیادی ضروریات میں بھی استعمال نہ ہو رہی ہو، تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں (لعدم النمو) ؎

؎ البتہ زکوٰۃ کا مصرف و مستحق ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے ضرورت سے زائد چیز کی مالیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جو چیزیں انسان کی بنیادی حاجات (مثلاً رہنے کا گھر، استعمالی کپڑے، گھریلو سامان وغیرہ) میں شامل ہوں، وہ تو مالِ نامی میں ویسے ہی داخل نہیں، لعدم اعداد للتجارۃ، تو پھر ان کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

اس کا اہلِ علم حضرات نے ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ اس قید کا فائدہ زکوٰۃ کے مصرف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، کہ اگر فارغ عن الحاجات الاصلیہ ہو اور نامی بھی نہ ہو، تو نصاب بننے کی صورت میں وہ شخص زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا ذکر بطور تمثیل کے صرف یہ بات بتلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ یہ اشیاء حاجاتِ اصلیہ میں داخل ہیں، نہ یہ کہ اگر حاجاتِ اصلیہ میں مشغول نہ ہوں، تو اعداد للتجارۃ کے بغیر بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر اعداد للتجارۃ بھی ہوں، لیکن حاجاتِ اصلیہ میں مشغول واستعمال ہوں، مثلاً کوئی شخص ان کا محتاج ہو اور وہ ان کو بالفعل حاجاتِ اصلیہ میں استعمال کر رہا ہو، تو وہ اس عمل کی وجہ سے نامی سے خارج ہو جاتی ہیں، اور ابنِ ملک کے قول کے مطابق اس قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر درہم ودینار کو ماہانہ یا سالانہ بنیادی ضرورت کے لئے رکھا ہو، تو وہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وما فی النهاية من أن التقييد بالأهل فی الكتب ليس بمفيد لما أنه إن لم يكن من أهلها وليست هی للتجارة لا تجب فيها الزكاة وإن كثرت لعدم النماء ، وإنما يفيد ذكر الأهل فی حق مصرف الزكاة فإذا كانت له كتب تساوی مائتی درهم، وهو محتاج إليها للتدريس وغيره يجوز صرف الزكاة إليه، وأما إذا كان لا يحتاج إليها، وهی تساوی مائتی درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه اهـ.

فغير مفيد؛ لأن كلامهم فی بيان ما هو من الحوائج الأصلية، ولا شک أن الكتب لغير الأهل ليست منها، وهو تقييد مفيد كما لا يخفى، وشرط أن يكون النصاب ناميا (البحر الرائق ج۲ ص ۲۲۲، كتاب الزكاة)

لابد مع الحول من شيئ آخر وهو الثمنية كما فی الثمنين ای الذهب والفضة او السوم كما فی الانعام،او نية التجارة فی غير ما ذكرنا حتى لو كان له عبد لاللخدمة او دار لاللسكنی ولم ينو التجارة لاتجب فيهما الزكاة وان حال عليهما الحول ،ولا بد ان يكون فاضلا عن حاجته الاصلية كالاطعمة والثياب واثاث المنزل وداوب الركوب وعبيدالخدمة ودورالسكنی وسلاح يستعملها وآلات المحترفة والكتب لاهلها (شرح الوقاية ج ا ص ۲۶۸، كتاب الزكاة)

قوله :وهو الثمنية الخ؛ حاصله أن الزكاة لا تجب فی مال وإن بلغ مقدار النصاب، وحال عليه الحول أيضا إلا إذا وجد ثلاثة أشياء ؛ أحدها :الثمنية؛ وهو أن يكون المال ثمنا خلقة بأن يكون مخلوقا لأن يجعل ثمنا وعوضا فی العقود والتجارات، وتشتری بها الأشياء ، وهو الذهب والفضة فتلزم فيهما الزكاة كيفما أمسكهما، ولو للنفقة إذا حال عليهما الحول، وبلغ نصابا واحترز بقوله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴...... اگر نصاب کے بقدر سونا، چاندی آئندہ ضرورت کے استعمال میں خرچ کرنے کے لیے رکھا ہوا ہے، تو حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق دیگر شرائط پائے جانے پر اس کی زکاۃ بھی واجب ہے، کیونکہ صرف آئندہ ضرورت میں خرچ کرنے کی نیت سے یہ سونا چاندی زکاۃ کے مال سے خارج نہیں ہوتے، البتہ اگر کسی پر قرض ودَین ہو، تو وہ زکاۃ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خلقة عن الفلوس، فإنها أثمان عرفا واصطلاحا، لا خلقة، وثانيهما :السوم؛ وهو فى الدواب التى تجب فيها الزكاة كالغنم والبقر والإبل على ما سيأتى ذكره فى موضعه، وهو عبارة لغة عن الرعى، يقال شاة سائمة :أى راعية، وفى اصطلاح الشرع :هى المكتفية بالرعى فى أكثر السنة، فتلزم الدواب الزكاة إذا كانت سائمة، وإن كان يعلفها فى بيته ويصرف عليها من عنده فلا زكاة عليها، وإن مضت عليه السنة وبلغت نصابا، وثالثها :نية التجارة، وهو فى غير الثمن الخلقى والدواب، فما عدا إذا كانت بنية التجارة تجب فيه الزكاة وإلا فلا......

قوله :لا للخدمة؛ هذا القيد، وكذا قيد لا للسكنى إنما اعتبر ليظهر أن عدم وجوب الزكاة فى مثل هذا العبد والدار إنما هو لعدم نية التجارة، فإنه إن كان للخدمة والسكنى فلعدم وجوبها فيهما، وجه آخر، وهو كونهما غير فاضلين عن الحاجة الأصلية......

قوله :كالأطعمة؛ هذا وما بعده مثال للحاجة الأصلية، فهذه الحوائج الأصلية لا تجب فيها الزكاة وإن بلغت قيمتها نصابا، ولم يذكر مقدار الطعام المحتاج إليه وجنسه، وزمانه، وذكر شيخ الإسلام التفتازانى أنهم قدروا فى النفقة الخبز والإدام بالمعروف المناسب ليسار الزوج وعساره، وقد ذكر فى (المحيط)إنه إذا اشترى طعاما لقوته مقدار ما يكفى شهرا أو أكثر أو أقل، وهو يساوى مائتى درهم، إن كان قوت شهر أو أقل حل له أخذ الزكاة بلا خلاف؛ لأنه مشغول بحاجته الأصلية، وإن كان أكثر قال بعضهم :لا يحل، وقال بعضهم :يحل، فقد صح أن النبى -صلى الله عليه وسلم - ادخر لنسائه قوت سنة، ثم أورد على الشارح فى تمثيله بالأطعمة أن الأطعمة إن لم يحل عليها الحول فلا زكاة فيها؛ لفقدان الحول، وإن حال الحول فهى فارغة عن الحوائج الأصلية، فلا يصح التمثيل بها، وأجيب عنه بأنه يحتمل أن يشترى الطعام بنية التجارة ويكون محتاجا إليها بنفسه وعياله، فيصرف على عياله إلى آخر السنة، ويبقى الطعام، فلا زكاة فيه، وهكذا حال دار اشتراها بنية التجارة وهو محتاج إليها للسكنى......

قوله :يستعملها فيه؛ إنه قيد مستدرك؛ لأن الأسلحة إن لم تكن للتجارة فلا زكاة فيها لعدم النماء ، وإلا ففيها الزكاة، ويجاب عنه بأن فيها القيد لإفادة أن من يحتاج إلى استعمالها كالغزاة والمحاربين وغيرهم لا زكاة فى أسلحتهم؛ لعدم فراغها عن الحاجة الأصلية، وإن كان اشتراها بنية التجارة.

قولهٗ وآلات المحترفة اى المحتاج اليها فى الحرفة مثل قدور الطباخين والصباغين وآلات النجارين .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مستثنیٰ ہوتا ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التقييد بأهلها غير معتبر المفهوم إلا أن يراد به إخراجها عن حاجته الأصلية، فالكتب لا زكاة فيها على الأهل وغيرهم من أى علم كانت لكونها غير نامية، وإنما الفرق بين الأهل وغيرهم فى جواز أخذ الزكاة والمنع عنه فمن كان من أهلها إذا كان محتاجا إليها للتدريس والحفظ والتصحيح، فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة.

قولهٗ لاهلهااى من يحتاج اليها لتعليم اوتدريس اوتعلم اوتصحيح وغيرذالک ويردعليه بانهٗ مستدرک لانهالولم تكن للتجارة لاتجب فيهاالزكاة وان لم تكن عنداهلهاوان كانت بنية التجارة تجب وان كانت عنداهلهاوانمايفيد ذكرهٰذاالقيدفى مصرف الزكاة فانهٗ اذاكانت له كتب تبلغ النصاب وهومحتاج اليهايجوزلهٗ اخذالزكاة والالاكذافى النهاية ،واجيب عنه بان هٰذاالقيدقائم مقام قوله لاللتجارة كمااشاراليه فى غايةالبيان كقيدالركوب فى الدواب والخدمة فى العبيد (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية ج ا ص۲۶۸ و ۲۶۹، كتاب الزكاة)

اس سے معلوم ہوا کہ جو مال تجارت کی غرض سے خرید کیا گیا ہو، لیکن وہ ساتھ ہی حاجاتِ اصلیہ میں مشغول ہو، اور اسی حال میں حولانِ حول ہوجائے، تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ل البتہ ابنِ ملک نے حاجتِ اصلیہ کے لئے رکھے ہوئے دراہم ودنانیر کو زکاۃ سے مستثنیٰ کیا ہے، اور ابنِ ملک کے قول کی رُو سے ضرورت وحاجت کے لئے رکھا ہوا، سکہ اور روپیہ پیسہ بھی بدرجہ اولیٰ حاجت میں داخل ہے۔

الزيادة عن الحاجات الأصلية :اشترط الحنفية كون المال الواجب فيه الزكاة فارغاً عن الدين وعن الحاجة الأصلية لمالكه، لأن المشغول بها كالمعدوم، وفسر ابن ملك الحاجة الأصلية :بأنها ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودار السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد، أو تقديراً كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضاء دينه بما فى يده من النصاب، دفعاً عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاك، وكآلات الحرفة وأثاث المنزل، ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها، فإن الجهل عندهم كالهلاك، فإذا كانت له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج، صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق صرفه إلى العطش، كان كالمعدوم، وجاز عنده التيمم(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، الباب الرابع، الفصل الاول ، المبحث الثانى)

قوله " :وعن حاجته الأصلية "كثيابه المحتاج إليها لدفع الحر والبرد وكالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والحرفة وأساس المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإذا كان عنده دراهم أعدها لهذه الأشياء وحال عليها الحول لا تجب فيها الزكاة وكتب العلم لغير أهلها ليست من الحوائج الأصلية وإن كانت الزكاة لا تجب على صاحبها بدون نية التجارة بحر بتصرف وقوله وكالنفقة لا زكاة فيها ولو حال عليها الحول قال فيه وهو مخالف لما فى المعراج والبدائع أن الزكاة تجب فى النقد كيف أمسكه للنفقة أو للنماء اهـ (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۷۱۴، ۷۱۵، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی شخص کے پاس سال پورا ہونے کے وقت اتنی رقم موجود ہے کہ جس پر خود یا دوسرے مال کے ساتھ شامل کرنے سے زکاۃ واجب ہوتی ہے، لیکن وہ رقم مہینے بھر کی ضروریات کے لئے رکھی ہوئی ہے، تو اکثر اہلِ علم حضرات کے نزدیک وہ بھی حاجتِ اصلیہ میں شمار کر کے زکاۃ سے منہا و مستثنیٰ نہیں ہوتی، بلکہ اس پر اس رقم کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [1]

البتہ اگر اس شخص نے سال پورا ہونے سے پہلے اس رقم کو اپنی ضروریات میں استعمال کر لیا مثلاً گھر کا سودا سلف خرید لیا اور رقم زکاۃ کے نصاب کے برابر نہیں بچی یا ادھار ضروریات کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة أو تبرا أو حليا يحل استعمالها أو لا أمسكها للنفقة أو لا نوى التجارة أو لم ينو (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۲۶۴، كتاب الزكاة)

إلا أن الإعداد للتجارة فى الأثمان المطلقة من الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة؛ لأنها لا تصلح للانتفاع بأعيانها فى دفع الحوائج الأصلية فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية، إذ النية للتعيين وهى متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة إلى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيها، نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة.

وأما فيما سوى الأثمان من العروض فإنما يكون الإعداد فيها للتجارة بالنية؛ لأنها كما تصلح للتجارة تصلح للانتفاع بأعيانها بل المقصود الأصلى منها ذلك فلا بد من التعيين للتجارة وذلك بالنية (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع إلى المال)

وقال المالكية: الفقير من يملك شيئا لا يكفيه لقوت عامه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۱۲، ۳۱۳، مادة "زكاة")

[1] چنانچہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

فقہائے کرام کی بیان کردہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے، کہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ مال خود حاجتِ اصلیہ میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً رہائشی مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کا جانور، گاڑی، گھریلو استعمال کا سامان وغیرہ کہ یہ چیزیں حاجاتِ اصلیہ میں خود یعنی ان کی ذات استعمال ہوتی ہے، برخلاف دراہم ودنانیر کے (روپیہ بھی انہی کے حکم میں ہے) کہ یہ خود یعنی ان کی ذات کسی حاجتِ اصلیہ میں استعمال نہیں ہوتی کیونکہ نہ ان میں رہائش ہوسکتی ہے نہ انہیں پہنا جاسکتا ہے، نہ کھایا پیا جاسکتا ہے، نہ ان پر سواری ہوسکتی ہے البتہ ان کو خرچ کر کے ان کے عوض ایسی چیزیں ضرور خریدی جاسکتی ہیں، جو حاجاتِ اصلیہ میں استعمال ہوں، پس جب تک یہ چیزیں خرچ نہ ہوں حاجتِ اصلیہ میں مشغول نہیں، لہٰذا ان پر زکاۃ فرض ہوگی (نوادرُ الفقہ جلد اول صفحہ ۳۸۳ بعنوان "رہائشی مکان کے لئے جمع شدہ رقم پر زکاۃ یا حج کی فرضیت")

چیزیں خرید لیں اوراس کے ذمہ اتنی رقم لازم ہوگئی کہ اگراس کوادا کیا جائے تو رقم نصاب کے برابر نہیں بچتی تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی (کذافی احسن الفتاوی ج۴ص ۳۰۱، کتاب الزکاۃ)

البتہ جو حضرات موجودہ کرنسی کو پہلے زمانہ کے فلوس وسکوں یا تجارت کے مال کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک حاجتِ اصلیہ میں استعمال ہونے کے لئے رکھی ہوئی رقم زکاۃ سے مستثنیٰ ہوگی، اور اسی طرح حنفیہ میں سے ابنِ ملک کے قول کے مطابق مہینہ یا سال بھر کے نفقہ یا بنیادی ضرورت کے لئے رکھی ہوئی رقم زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتی ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ [1]

---

[1] قلت أرأيت الرجل يشترى الفلوس للنفقة والآنية من النحاس ليتجمل بها فى بيته ويستعملها هل عليه فى شىء من هذا زكاة قال لا (الاصل للشيبانى، ج۲، ص۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

ذكر القدورى فى كتابه:روى الحسن عن أبى حنيفة أن الزكاة تجب فى الدراهم النبهرجة والزيوف، وما كان الغالب فيه الفضة إذا كانت مائتى درهم، لأن اسم الدرهم ينطلق على ما كانت الفضة فيه غالبة، فيتناولها النص الموجب باسم الدراهم، وإن كانت ستوقة ليست للتجارة لم تجب الزكاة فيها حتى يبلغ ما يكون فيها من الفضة مائتين، لأن الغالب فيها الغش فلا يتناولها اسم الدرهم، فينظر إلى ما فيها من الفضة، وهذا إذا لم تكن للتجارة، فإن كانت للتجارة، وقد بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة، لأنه إذا لم ينطلق عليها اسم الدرهم لم تكن بمنزلة الأثمان، فتكون بمنزلة العروض، وفى العروض تجب الزكاة إذا كانت للتجارة وقد بلغت قيمتها مائتين، كذا هنا.

وأما الفلوس، فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة، وإن كانت للتجارة، فإن بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة لما ذكرنا (المحيط البرهانى، ج۲، ص۲۴۲، وص۲۴۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

لا بد مع الحول من شىء آخر، وهو الثمنية كما فى الثمنين :أى الذهب والفضة، أو السوم كما فى الأنعام، أو نية التجارة فى غير ما ذكرنا (شرح الوقاية، صفحه ۱۳۹، وصفحه ۱۴۰، كتاب الزكاة)

قوله :وهو الثمنية الخ؛ حاصله أن الزكاة لا تجب فى مال وإن بلغ مقدار النصاب، وحال عليه الحول أيضا إلا إذا وجد ثلاثة أشياء ؛ أحدها :الثمنية؛ وهو أن يكون المال ثمنا خلقة بأن يكون مخلوقا لأن يجعل ثمنا وعوضا فى العقود والتجارات، وتشترى بها الأشياء ، وهو الذهب والفضة فتلزم فيهما الزكاة كيفما أمسكهما، ولو للنفقة إذا حال عليهما الحول، وبلغ نصابا واحترز بقوله خلقة عن الفلوس، فإنها أثمان عرفا واصطلاحا، لا خلقة، وثانيهما :السوم؛ وهو فى الدواب التى تجب فيها الزكاة كالغنم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو سامان ضرورت سے زائد ہو، اس پر بھی زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے۔

حالانکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ زکاۃ صرف سونے، چاندی، کرنسی اور تجارت کے مال میں واجب ہوتی ہے۔

اور جو سامان ان چار قسم کے مالوں کے علاوہ ہو، اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ زکاۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے غیر ضروری سامان کی مالیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جس کا ذکر ہم نے آگے زکاۃ کے مصارف کے بیان میں کر دیا ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والبقر والإبل على ما سيأتي ذكره في موضعه، وهو عبارة لغة عن الرعي، يقال شاة سائمة :أي راعية، وفي اصطلاح الشرع :هي المكتفية بالرعي في أكثر السنة، فتلزم الدواب الزكاة إذا كانت سائمة، وإن كان يعلفها في بيته ويصرف عليها من عنده فلا زكاة عليها، وإن مضت عليه السنة وبلغت نصابا، وثالثها :نية التجارة، وهو في غير الثمن الخلقي والدواب، فما عدا إذا كانت بنية التجارة تجب فيه الزكاة وإلا فلا (عمدة الرعاية، صفحه ۱۳۹، وصفحه ۱۴۰، كتاب الزكاة)

فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج، صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق صرفه إلى العطش كان كالمعدومة، وجاز عنده التيمم ونازع بعض الحنفية ابن مالك بناء على ما في بعض الكتب :أن الزكاة تجب في النقد ولو أعد للنفقة ولكن ما ذهب إليه ابن مالك هو الموافق لظاهر عبارات المتون في المذهب ولذا اختاره بعض علماء المذهب وقال :إنه الحق كما ورد في رد المحتار (۸/۲) وهو المختار عندي لقوته من جهة النظر، وموافقته للأدلة التي ذكرناها في شرط "الفضل عن الحوائج الأصلية "في الفصل الأول من هذا الباب (فقه الزكاة، للقرضاوي، ج ۱، ص ۲۴۳، شروط وجوب الزكاة في النقود، الفضل عن الحاجة الأصلية)

(فصل نمبر۱۰)

مال کا دَین وقرض سے فارغ ہونا

(قرض پر زکاۃ واجب ہونے نہ ہونے کے احکام)

اگر کسی شخص پر دوسرے کا قرض ودَین ہو،تو وہ قرض ودَین بھی زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتا ہے،قرض ودین کے زکاۃ سے مستثنیٰ ہونے سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱...... جو مال دوسرے سے اس طور پر لیا ہو، کہ اس کو واپس دینا یا واپس کرنا ضروری ہو،اس کو قرض کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] الشرط السابع :الفراغ من الدين:

وهـذا الشـرط مـعتبـر مـن حيـث الـجملة عند جمهور الفقهاء ومنهم الشافعي في قديم قوليه، وعبر بـعضهـم بـأن الـديـن مـانـع مـن وجوب الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۳،ص ۲۴۶،مـادة "زكاة")

أخبـرنا مالك أخبرنا الـزهـري عـن السـائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضي الله عنه كان يقول : هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة .

قـال محمد :وبهـذا نـأخـذ مـن كـان عـليـه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلك ما تـجـب فيـه الـزكاة ففيه زكاة وتلك مائتا درهم أو عشرون مثقالا ذهبا فصاعدا وإن كان الذي بقي أقل من ذلك بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة وهو قول أبي حنيفة رحمه الله (المؤطا للامام محمد ،رقم الحديث ۳۲۳،كتاب الزكاة،باب زكاة المال)

[2] القرض :في اللغة مصدر قرض الشيء يقرضه :إذا قطعه.

والقرض :اسـم مـصدر بمعنى الإقراض .يقال :قـرضـت الشـيء بالمقراض، والقرض :مـا تعطيه الإنسـان مـن مـالـك لتـقـضاه، وكأنه شيء قد قطعته من مالك، ويقال :إن فـلانـا وفلانا يتقارضان الثناء، إذا أثنى كل واحد منهما على صاحبه، وكأن معنى هذا أن كل واحد منهما أقرض صاحبه ثناء، كقرض المال.

وفي الاصطلاح :دفـع مـال إرفاقا لمن ينتفع به ويرد بدله قالوا :ويسـمى نفس المال المدفوع على الـوجـه المذكور قرضا، والدافع للمال مقرضا، والآخذ :مـقتـرضا ومستقرضا ويسمى المال الذي يـرده الـمـقتـرض إلى المقرض عوضا عن القرض :بـدل الـقـرض، وأخذ المال على جهة القرض : اقتراضا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگر کسی دوسرے کی طرف سے کوئی مال کسی بھی طور پر اپنے ذمہ میں لازم ہوا ہو، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی چیز خریدی ہو، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہو، یا اس وجہ سے کہ کسی کے مکان، دوکان یا کسی اور چیز کو کرائے پر حاصل کرنے کے بعد اس کا کرایہ ادا کرنا ذمہ میں باقی ہو، یا اس وجہ سے کہ کسی سے کوئی محنت، مزدوری پر کام کرایا ہو، اور اس کی محنت، مزدوری کا ادا کرنا ذمہ میں باقی ہو، تو اس طرح کے تمام مالی واجبات دَین کہلاتے ہیں۔ ۱

اور اس حیثیت سے قرض بھی دَین ہی کی ایک صورت یا قسم ہے، اور اسی وجہ سے قرض کو دَین بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر۲...... انسان پر جو دَین ہوتا ہے، اس کا مطالبہ بعض اوقات انسانوں کی طرف سے ہوتا ہے، جیسا کہ کسی انسان کا عام قرض یا کسی انسان سے خریدی ہوئی چیز کی ذمہ میں بقایا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والقرض بهذا المعنى عند الفقهاء هو القرض الحقيقي، وقد تفرد الشافعية فجعلوا له قسيما سموه: القرض الحكمي، ووضعوا له أحكاما تخصه، ومثلوا له بالإنفاق على اللقيط المحتاج، وإطعام الجائع، وكسوة العارى، إذا لم يكونوا فقراء بنية القرض، وبمن أمر غيره بإعطاء مال لغرض الآمر. كإعطاء شاعر أو ظالم، أو إطعام فقير أو فداء أسير، وكبع هذا وأنفقه على نفسك بنية القرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص ۱۱۱، مادة ”قرض“)

۱ الدين في اللغة :يقال دان الرجل يدين دينا من المداينة .ويقال :داينت فلانا إذا عاملته دينا، إما أخذا أو عطاء .من أدنت :أقرضت وأعطيت دينا.

ب -معنى الدين في اصطلاح الفقهاء :قيل في معناه أقوال متعددة أوضحها ما قاله ابن نجيم ": الدين لزوم حق في الذمة."

فيشمل المال والحقوق غير المالية كصلاة فائتة وزكاة وصيام وغير ذلك، كما يشمل ما ثبت بسبب قرض أو بيع أو إجارة أو إتلاف أو جناية أو غير ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۰۲، مادة ”دين“)

۲ القرض عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله .ويطلق عليه أحيانا اسم " دين "فيقال :دان فلان يدين دينا :استقرض .ودنت الرجل :أقرضته .والقرض أخص من الدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۰۳، مادة ”دين“)

الدين ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاك، وما صار في ذمته دينا باستقراضه فهو أعم من القرض، كذا في الكفاية (ردالمحتار، ج۵ص۱۵۷، كتاب البيوع، باب الاقالة، مطلب في بيان براء ة الاستيفاء وبراء ة الاسقاط)

قیمت وغیرہ، ایسے ذمہ میں واجب شدہ شخص کو فقہی زبان میں مدیون ومقروض کہا جاتا ہے۔

اور بعض اوقات اس کا مطالبہ، اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، جیسا کہ صدقۂ فطر، کوئی مالی نذر ومنت وغیرہ جو ذمہ میں لازم ہو، اوراس کی ادائیگی کرنا باقی ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... جس دَین کا مطالبہ انسانوں کی طرف سے ہو، خواہ وہ دَین، اللہ کے لئے ہو، جیسا کہ زکاۃ، یا وہ دَین انسانوں کے لئے ہو، جیسا کہ عام قرض، اور خواہ اس کی ادائیگی فی الحال کرنا ذمہ میں لازم ہو، جس کو دینِ معجّل کہا جاتا ہے، یا اس کو بعد میں کسی مقرر وطے شدہ وقت میں ادا کرنا ضروری ہو، جس کو دَینِ مؤجل کہا جاتا ہے، جس میں بیوی کا مہرِ مؤجَل بھی داخل ہے، تو وہ حنفیہ کے نزدیک زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔

اور جس دَین کا مطالبہ انسانوں کی طرف سے نہیں ہوتا، جیسا کہ حج کا فریضہ، صدقۂ فطر، نذر اور کفارہ، وغیرہ، حنفیہ کے نزدیک ایسا دَین زکاۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوا کرتا۔ [2]

---

[1] وينقسم الدين باعتبار الدائن إلى قسمين:
أ -دين الله :وهو كل دين ليس له من العباد من يطالب به على أنه حق له، وهو نوعان:
نوع يظهر فيه وجه العبادة والتقرب إلى الله تعالى، وهو ما لا مقابل له من المنافع الدنيوية، كصدقة الفطر، وفدية الصيام، وديون النذور، والكفارات ونحو ذلك، فإنها عبادات يؤديها المسلم امتثالا لأمر الله تعالى وتقربا إليه.
ونوع يفرض لتمكين الدولة من القيام بأعباء المصالح العامة للأمة، وهو ما يقابل -في الغالب- بمنفعة دنيوية للمكلف كخمس الغنائم وما أفاء الله على المؤمنين من أعدائهم من غير قتال، وما يفرضه الإمام على القادرين من أفراد الأمة للوفاء بالمصالح التي يعجز بيت المال عن الوفاء بها.
وتفصيل ذلك في مصطلح :(دين الله)
ب -ودين العبد :وهو كل دين له من العباد من يطالب به على أنه حق له كثمن مبيع وأجرة دار وبدل قرض وإتلاف وأرش جناية ونحو ذلك .ولصاحب هذا الدين أن يطالب به المدين، وأن يرفع أمره إلى القاضي إذا امتنع عن الأداء ليجبره عليه بالطرق المشروعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص۱۱۷، وص۱۱۸، مادة "دين")

[2] ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے بعض اموال کو اموالِ ظاہرہ اور بعض کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے، اور اموالِ ظاہرہ سے مراد سائمہ جانور اور عشر واجب ہونے والی فصل اور وہ مالِ تجارت ہے، جو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عاشر کے سامنے سے گزرے، اور اموالِ باطنہ سے مراد سونا، چاندی اوراپنے مقام (مثلاً دوکان، گودام وغیرہ) پر موجود مالِ تجارت ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک تھی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور حنفیہ کے نزدیک دَین، صرف اموالِ باطنہ کی وجوبِ زکاۃ میں مانع یا وجوبِ زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتا ہے، لیکن اموالِ ظاہرہ کی وجوبِ زکاۃ کے لئے مانع نہیں ہوتا۔

اور دینِ زکاۃ کا زکاۃ میں مانع ہونا طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک دینِ زکاۃ، مانعِ وجوبِ زکاۃ نہیں، جیسا کہ آگے مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے۔

مال الزكاة نوعان :ظاهر، وهو المواشي والزروع والمال الذى يمر به التاجر على العاشر، وباطن : وهو الذهب والفضة، وأموال التجارة فى مواضعها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۱۴۹، مادة "استيفاء")

ذهب الحنفية إلى أن الدين الذى يمنع وجوب الزكاة هو ما كان له مطالب من جهة العباد سواء كان دينا لله كزكاة وخراج، أو كان للعباد، وسواء كان حالا أو مؤجلا، ولو صداق زوجته المؤجل للفراق، أو نفقة لزوجته، أو لقريب لزمته بقضاء أو تراض، وكذا عندهم دين الكفالة، قالوا :لأن الكفيل محتاج إلى ما بيده ليقضى عنه دفعا للملازمة أو الحبس.

أما ما لم يكن له مطالب من جهة العباد فلا يمنع وجوب الزكاة، قالوا :كدين النذر والكفارة والحج، ومثلها الأضحية، وهدى المتعة، ودين صدقة الفطر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۴۷، مادة "زكاة")

عدم الدين :شرط عند الحنفية فى زكاة ماعدا الحرث (الزروع والثمار)، وعند الحنابلة فى كل الأموال، وعند المالكية فى زكاة العين (الذهب والفضة) دون زكاة الحرث والماشية والمعادن . وليس بشرط عند الشافعية.وتفصيل الآراء فيما يأتى:

قال الحنفية :الدين الذى له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء أكان لله كزكاة وخراج (ضريبة الأرض)، أم كان لإنسان، ولو دين كفالة، لأن للدائن المكفول له أخذ الدين من أيهم شاء من المدين أو الكفيل، ولو ديناً مؤجلاً، ولو صداق زوجته المؤجل للفراق، أو كان نفقة لزمته بقضاء القاضى أو بالتراضى.

أما الدين الذى ليس له مطالب من جهة العباد كدين النذر والكفارة والحج، فلا يمنع وجوب الزكاة.

ولا يمنع الدين وجوب العشر (زكاة الزروع والثمار) والخراج، والكفارة، أى أن الدين لا يمنع وجوب التكفير بالمال على الأصح(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانى)

الأموال الباطنة وهى النقود وعروض التجارة فإن الجمهور القائلين بأن الدين يمنع الزكاة ذهبوا إلى أن الدين يمنع الزكاة فيها، ولو كان من غير جنسها على ما صرح به المالكية.

وأما الأموال الظاهرة وهى السائمة والحبوب والثمار والمعادن فذهب الجمهور (المالكية والشافعية على قول والحنابلة فى الرواية المعتمدة فى المذهب) إلى أن الدين لا يمنع وجوب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الزكاة فيها، روى عن أحمد أنه قال :لأن المصدق إذا جاء فوجد إبلا أو بقرا أو غنما لم يسأل :أى شيء على صاحبها من الدين، وليس المال -يعنى الأثمان -هكذا.

والفرق بين الأموال الظاهرة والباطنة أن تعلق الزكاة بالظاهرة آكد؛ لظهورها وتعلق قلوب الفقراء بها؛ ولأن الحاجة إلى حفظها أوفر، فتكون الزكاة فيها آكد.

واستثنى الحنابلة على الرواية المشهورة الدين الذى استدانه المزكى للإنفاق على الزرع والثمر، فإنه يسقطه لما روى عن ابن عمر :يخرج ما استدان أو أنفق على ثمرته وأهله يزكى ما بقى.

وذهب الحنفية إلى أن الدين يمنع الزكاة فى الأموال الباطنة وفى السوائم، أما ما وجب فى الخارج من الأرض فلا يمنعه الدين، كما لا يمنع الخراج، وذلك لأن العشر والخراج مؤنة الأرض، ولذا يجبان فى الأرض الموقوفة وأرض المكاتب وإن لم تجب فيهما الزكاة.

وذهب الحنابلة فى رواية إلى أن الدين يمنع الزكاة فى الأموال الظاهرة والباطنة، ونقله ابن قدامة عن الثورى وإسحاق والليث والنخعى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۶، وص۲۴۷، مادة" زكاة")

[1] چنانچہ مالکیہ کے نزدیک دَین، اموالِ باطنہ کی زکاۃ سے مانع ہے، اگرچہ وہ دَینِ زکاۃ ہو، یا زکاۃِ فطر ہو، یا بندوں کا دَین ہو، اور خواہ وہ دَین حالی ہو، یا مؤجل، اور یا زوجہ کا مہر ہو، یا زوجہ کا نفقہ ہو، یا اولا د یا والدین کا وہ نفقہ ہو، جس کا قاضی نے حکم صادر کردیا ہو۔

اورحنابلہ کے نزدیک انسان کا دَین مطلقاً وجوبِ زکاۃ میں مانع ہے، اور اللہ کے دَین میں دو قول ہیں۔

اور امام شافعی کے نزدیک دین، وجوبِ زکاۃ کے لئے مانع نہیں، لہٰذا جو دَین زکاۃ کے اموال پر غالب آجائے، یا مال کو نصاب سے کم کردے، تو وہ وجوبِ زکاۃ کے لئے مانع نہیں، کیونکہ زکاۃ، عین کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، اور دَین ذمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، لہٰذا ان میں سے ایک چیز دوسرے کے لئے مانع نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وذهب المالكية إلى أن زكاة المال الباطن يسقطها الدين ولو كان دين زكاة، أو زكاة فطر، أو كان للعباد حالا كان أو مؤجلا، أو كان مهر زوجة أو نفقة زوجة مطلقا، أو نفقة ولد أو والد إن كان قد حكم بها القاضى. واختلف قول المالكية فى مثل دين الكفارة والهدى الواجب فاختار منها خليل وابن راشد القفصى أنه لا يمنع وجوب الزكاة لعدم المطالب من العباد، واختار ابن عتاب أنه يمنع لأن الإمام يطالب الممتنع بإخراج ما عليه من مثل هذه الديون.

وذهب الحنابلة إلى أن دين الآدمى مطلقا يمنع وجوب الزكاة، أما دين الله ففى قول :يمنع وفى قول :لا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۴۷، مادة "زكاة")

وذهب الشافعى فى الجديد، وحماد، وربيعة إلى أن الدين لا يمنع الزكاة أصلا؛ لأن الحر المسلم إذا ملك نصابا حولا وجبت عليه الزكاة فيه لإطلاق الأدلة الموجبة للزكاة فى المال المملوك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۶، مادة "زكاة")

(والتفصيل فى :الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۰۶ الىٰ ۱۸۰۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانى)

مسئلہ نمبر۴...... جو شخص مقروض و مدیون ہو، تو اگر قابلِ زکاۃ مال سے قرض و دَین منہا کرنے کے بعد اس کی ملکیت میں نصاب سے کم مال بچتا ہے، تو اس پر زکاۃ واجب نہیں، اور اگر نصاب کے برابر یا نصاب سے زیادہ بچتا ہے، تو قرض و دَین منہا اور الگ کرنے کے بعد باقی مال کی زکاۃ واجب ہے، اور اس کے حساب لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ملکیت میں موجود سونا، چاندی، تجارت کا مال، نقدی (یا ان میں سے جو بھی چیز ملکیت میں ہو) کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض و دَین کی مقدار کو علیٰحدہ کرے، قرض و دَین کی مقدار نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر بچتا ہے، تو صرف اتنے مال پر زکاۃ واجب ہے اور اگر قرض و دَین منہا کرنے کے بعد مال نصاب کے برابر نہیں بچتا تو زکاۃ واجب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی کے اوپر قرض و دَین ہے، اور اس کے پاس زکاۃ کے مال کے علاوہ ضرورت سے زائد کچھ ایسا مال ہے کہ جس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اور قرض و دَین کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ اگر زکاۃ والا مال اور ضرورت سے زائد تمام سامان قرض و دَین میں ادا کیا جائے، تو تب بھی قرض و دَین ادا نہیں ہوتا، یا قرض و دَین ادا ہونے کے بعد نصاب کے بقدر مال نہیں بچتا، تو اس صورت میں بلاشبہ زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

لیکن اگر کسی پر قرض و دَین اتنی مقدار میں ہے کہ اگر ضرورت سے زائد سامان سے قرض یا دَین ادا کیا جائے، تو وہ ادا ہو جاتا ہے، اور زکاۃ والا مال نصاب کے بقدر بچتا ہے، تو ایسی

---

[1] فإن زاد الدين الذى على المالك عما بيده فلا زكاة عليه، وكذا إن لم يبق بيده بعدما يسد به دينه نصاب فأكثر .واحتجوا بقول النبى صلى الله عليه وسلم :إذا كان لرجل ألف درهم وعليه ألف درهم فلا زكاة عليه .

وقوله :أمرت أن آخذ الصدقة من أغنيائكم فأردها على فقرائكم .ومن عليه ألف ومعه ألف فليس غنيا، ولقول عثمان رضى الله عنه :هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده وليزك بقية ماله.

ولا يعتبر الدين مانعا إلا إن استقر فى الذمة قبل وجوب الزكاة، فأما إن وجب بعد وجوب الزكاة لم تسقط، لأنها وجبت فى ذمته، فلا يسقطها ما لحقه من الدين بعد ثبوتها.

وذهب الشافعى فى الجديد، وحماد، وربيعة إلى أن الدين لا يمنع الزكاة أصلا، لأن الحر المسلم إذا ملك نصابا حولا وجبت عليه الزكاة فيه لإطلاق الأدلة الموجبة للزكاة فى المال المملوك

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۶، مادة "زكاة")

صورت میں بھی حنفیہ کے نزدیک اس کا قرضِ ودَین، زکاۃ کے مال سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ [۱]

جبکہ حنفیہ میں سے امام زفر اور دوسرے بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کا قرض ودَین زکاۃ کے مالوں (یعنی سونے، چاندی، روپیہ پیسہ اور تجارت کے مال) کے علاوہ دوسرے ضرورت سے زائد سامان کی مالیت سے پورا کیا جائے گا، اور پھر اگر زکاۃ کا مال نصاب کے بقدر ہو، تو اس کی زکاۃ واجب ہوگی۔ [۲]

---

[۱] ثم إذا كان على الرجل دين وله مال الزكاة وغيره من عبيد الخدمة، وثياب البذلة، ودور السكنى فإن الدين يصرف إلى مال الزكاة عندنا سواء كان من جنس الدين أو لا ولا يصرف إلى غير مال الزكاة، وإن كان من جنس الدين، وقال زفر " :يصرف الدين إلى الجنس وإن لم يكن مال الزكاة حتى أنه لو تزوج امرأة على خادم بغير عينه وله مائتا درهم وخادم فدين المهر يصرف إلى المائتين دون الخادم عندنا وعنده يصرف إلى الخادم.

وجه قول زفر أن قضاء الدين من الجنس أيسر فكان الصرف إليه أولى، ولنا أن عين مال الزكاة مستحق كسائر الحوائج، ومال الزكاة فاضل عنها فكان الصرف إليه أيسر وأنظر بأرباب الأموال ، ولهذا لا يصرف إلى ثياب بدنه وقوته وقوت عياله، وإن كان من جنس الدين لما قلنا وذكر محمد في الأصل "أرأيت لو تصدق عليه؟لم يكن موضعا للصدقة "ومعنى هذا الكلام أن مال الزكاة مشغول بحاجة الدين فكان ملحقا بالعدم، وملك الدار والخادم لا يحرم عليه أخذ الصدقة فكان فقيرا، ولا زكاة على الفقير ولو كان في يده من أموال الزكاة أنواع مختلفة من الدراهم والدنانير وأموال التجارة والسوائم فإنه يصرف الدين إلى الدراهم والدنانير وأموال التجارة دون السوائم؛ لأن زكاة هذه الجملة يؤديها أرباب الأموال، وزكاة السوائم يأخذها الإمام.

وربما يقصرون في الصرف إلى الفقراء ضنا بما لهم فكان صرف الدين إلى الأموال الباطنة ليأخذ السلطان زكاة السوائم نظرا للفقراء .وهذا أيضا عندنا(بدائع الصنائع، ج۲ ص۸، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

[۲] وعلى قول زفر يصرف الدين إلى الجنس وإن كان من السوائم حتى إن من تزوج امرأة على خمس من الإبل السائمة بغير أعيانها وله أموال التجارة وإبل سائمة فإن عنده يصرف المهر إلى الإبل وعندنا يصرف إلى مال التجارة لما مر(بدائع الصنائع، ج۲ ص۸، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

شروط إسقاط الزكاة بالدين:

القائلون بأن الدين يسقط الزكاة في قدره من المال الزكوي، اشترط أكثرهم أن لا يجد المزكي مالا يقضي منه الدين سوى ما وجبت فيه .فلو كان له مال آخر فائض عن حاجاته الأساسية، فإنه يجعله في مقابلة الدين، لكي يسلم المال الزكوي فيخرج زكاته.

ثم قد قال المالكية والحنابلة :إنه يعمل بذلك سواء كان ما يقضي منه من جنس الدين أو غير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷ ...... انسان کے ذمہ جو قرض ودَین ثابت اور واجب ہوتا ہے، اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، مثلاً بعض اوقات کسی چیز کو خریدنے پر قیمت ذمہ میں لازم ہوجانے کی وجہ سے وہ قیمت قرض ودَین کا حکم حاصل کرلیتی ہے، اور بعض اوقات کسی کی اجرت ومزدوری یا کرایہ ذمہ میں لازم ہوجانے کی وجہ سے قرض ودَین واجب ہوجایا کرتا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جنسه .فلو كان عليه دين مائتا درهم وعنده عروض قنية تساوى مائتى درهم فأكثر وعنده مائتا درهم، جعل العروض فى مقابلة الدين لأنه أحظ للفقراء .

وكذا إن كان عليه دين وله مالان زكويان، لو جعل أحدهما فى مقابل الدين لم يكن عليه زكاة، ولو جعل الآخر فى مقابلة الدين كان عليه زكاة، فإنه يجعل فى مقابلة الدين ما هو أحظ للفقراء ، كمن عليه دين مائة درهم وله مائتا درهم وتسع من الإبل، فإذا جعلنا فى مقابلة الدين الأربعة من الإبل الزائدة عن النصاب لكون الأربعة تساوى المائة من الدراهم أو أكثر منها وجب ذلك رعاية لحظ الفقراء ، لأننا لو جعلنا مما معه من الدراهم مائة فى مقابلة الدين سقطت زكاة الدراهم .

وذكر المالكية أيضا مما يمكن أن يجعل فى مقابلة الدين فيمنع سقوط الزكاة :الدين الحال المرجو، والأموال الزكوية الأخرى ولو جرت تزكيتها، وأن العرض يقوم وقت الوجوب، وأخرجوا من ذلك نحو البعير الشارد، والمال الضائع، والدين المؤجل أو غير المرجو لعدم صلاحية جعله فى مقابلة الدين الذى عليه .

ومذهب الحنفية -ومثله حكى عن الليث بن سعد على ما نقله صاحب المغنى وهو رواية عن أحمد على ما ذكره صاحب الفروع -أن من كان عنده مال زكوى ومال غير زكوى فائض عن حاجته الأساسية وعليه دين فله أن يجعل فى مقابلة الدين المال الزكوى، ولو من غير جنسه، فإن بقى منه نصاب فأكثر زكاه وإلا فلا زكاة عليه، قالوا :لأن غير مال الزكاة يستحق للحوائج، ومال الزكاة فاضل عنها، فكان الصرف إليه أيسر، وأنظر بأرباب الأموال.

قالوا :ولو كان له مالان زكويان من جنسين أو أكثر جاز له أن يجعل أيا منهما أو بعضه فى مقابلة الدين والخيار له .فلو كان عنده دراهم ودنانير وعروض تجارة وسوائم يصرف الدين لأيسرها قضاء ، ولو كان عنده نصاب بقر ونصاب إبل وعليه شاة دينا، جاز جعلها فى مقابلة شىء من البقر لئلا يجب عليه التبيع، لأن التبيع فوق الشاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۴۸ ،مادة "زكاة")

۱؎ والباحث فى كتب الفقه يجد أن أسباب وجوب الدين عديدة متنوعة، غير أنه يمكن حصرها فى تسعة أسباب:

أحدها :الالتزام بالمال :سواء أكان فى عقد يتم بين طرفين كالبيع، والسلم، والقرض، والإجارة، والزواج، والطلاق على مال، والحوالة، والكفالة بالمال، والاستصناع ونحوها، أو كان فى التزام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر خدانخواستہ کسی دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کردیا، جس کی دیت اپنے ذمہ میں قانونی طور پر ثابت اور واجب ہوگئی، یا مثلاً کسی کا مال تلف وضائع کردیا، اور اس کا تاوان (یعنی ڈنڈ) ذمہ میں لازم ہوگیا، یا کسی کی اپنے پاس موجود امانت کی حفاظت میں کوتاہی کے نتیجہ میں وہ ضائع ہوگئی، اور اس کا تاوان ذمہ میں لازم ہوگیا، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کسی کے ذمہ میں لازم شدہ واجبات بھی قرض ودَین میں شامل ہوکر زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی کی کوئی چیز غصب یا چوری کی، اور پھر اس چیز کو غصب یا چوری کرنے والے نے تلف کردیا، جس کی وجہ سے اس کے ذمہ میں اس چیز کا تاوان لازم ہوگیا، تو یہ بھی قرض ودَین میں شامل ہوکر زکاۃ سے مستثنیٰ ہوگا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فردی یتم بإرادة واحدة کنذر المال عند جمیع الفقهاء ، والتزام المعروف عند المالکیة .
ففی القرض مثلا یلتزم المقترض أن یرد للمقرض مبلغا من النقود، أو قدرا من أموال مثلیة یکون قد اقترضها منه، وثبتت دینا فی ذمته.علی أن جمیع الدیون التی تثبت فی عقود المعاوضات المالیة لا تستقر فی الذمة بعد لزومها إلا بقبض البدل المقابل لها، إذ به یحصل الأمن من فسخ العقد بسبب تعذر تسلیمه إلا دینا واحدا وهو دین السلم، فإنه وإن کان لازما فهو غیر مستقر لاحتمال طروء انقطاع المسلم فیه، مما یؤدی إلی انفساخ العقد وسقوط الدین.
وتعلیل ذلک أن استقرار الدین فی أی عقد من عقود المعاوضات إنما یعنی الأمن من فسخ العقد بسبب تعذر حصول الدین المذکور؛ لعدم وجود جنسه وامتناع الاعتیاض عنه . .وذلک مخصوص بدین السلم دون بقیة الدیون؛ لجواز الاعتیاض عنها عند انقطاع جنسها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۱ ص، ۱۰۹، ۱۱۰ ،مادة " دین")

[1] والثانی :العمل غیر المشروع المقتضی لثبوت دین علی الفاعل :کالقتل الموجب للدیة والجنایات الموجبة للأرش، وإتلاف مال الغیر، وکتعدی ید الأمانة أو تفریطها فی المحافظة علی ما بحوزته من أموال، کتعمد الأجیر الخاص إتلاف الأعیان الموجودة تحت یده أو إهماله فی حفظها .ویعد من هذا القبیل ما لو "أتلف علی شخص وثیقة تتضمن دینا له علی إنسان، ولزم من إتلافها ضیاع ذلک الدین، فیلزمه الدین (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۱ ص ۱۱۰، ۱۱۱ ،مادة "دین")

[2] والثالث :هلاک المال فی ید الحائز إذا کانت ید ضمان، مهما کان سبب الهلاک، کتلف المغصوب فی ید الغاصب وهلاک المتاع فی ید الأجیر المشترک أو القابض علی سوم الشراء ونحو ذلک(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۱ ص ۱۱۱ ،مادة " دین")

مسئلہ نمبر ۹...... حنفیہ کے نزدیک جو زکاۃ ذمہ میں باقی ہے، وہ بھی قرض ودَین میں شامل ہوتی ہے، اس لئے اگر کسی مال کی ایک سال یا ایک سے زیادہ سالوں کی زکاۃ ادا نہیں کی، اوراس مال میں اگلے سالوں کی زکاۃ بھی واجب ہوگئی، تو اگلے سالوں میں اس پورے مال کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ پہلے سالوں میں واجب شدہ زکاۃ کی مقدار منہا اور الگ کرنے کے بعد جو مال بچے گا، اس کی زکاۃ واجب ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے گزشتہ سال کی پوری زکاۃ یا اس کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا، اور وہ ذمہ میں باقی ہے، تو آئندہ سال کی زکاۃ سے وہ مقدار منہا ومستثنیٰ ہوگی (کذا فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۴، ۳۵، کتاب الزکاۃ والصدقات) [1]

---

[1] مندرجہ بالا حکم طرفین (یعنی امام ابوحنیفہ اورامام محمد) کے نزدیک ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک گزشتہ دینِ زکاۃ، موجودہ وجوبِ زکاۃ کے لئے مانع نہیں۔

والرابع :تحقق ما جعله الشارع مناطا لثبوت حق مالي :كحولان الحول على النصاب في الزكاة، واحتباس المرأة في نفقة الزوجية، وحاجة القريب في نفقة الأقارب، ونحو ذلك .فإذا وجد سبب من ذلك وجب الدين في ذمة من قضى الشارع بإلزامه به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۱ ،مادة " دين")

أما من كان في ذمته زكاة سنوات مضت فإن الحكم يختلف بالنسبة للزكاة الحاضرة.

فعند المالكية وأبي حنيفة ومحمد دين الزكاة يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الظاهرة.

وقال أبو يوسف :دين الزكاة لا يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الباطنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱،ص ۱۴۸ ،مادة "دين")

فأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أتلف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة عندهما.

وقال زفر لا يمنع كلاهما وقال أبو يوسف وجوب الزكاة في النصاب يمنع ودين الزكاة لا يمنع(تحفة الفقهاء ،للسمرقندي، ج ۱ ،ص ۲۷۵ ،كتاب الزكاة،باب زكاة أموال التجارة)

واختلفوا في دين الزكاة .قال زفر :لا يمنع في الأموال الباطنة؛ لأنه لا مطالب له من جهة العباد لأن الأداء للمالك .وقال أبو يوسف :إن كان الدين في الذمة بأن استهلك مال الزكاة بعد الحول، وبقي في ذمته، وملك مالا آخر، فإنه تجب عليه الزكاة، ولا يمنع ما في ذمته من الوجوب، ولو كان الدين في العين كمن له نصاب فمضى عليه سنون، فإنه لا تجب عليه الزكاة لجميع ما مضى من السنين خلافا لزفر ;وعندهما لا تجب الزكاة في الفصلين(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۰۰ ، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... اپنے ذمہ بیوی کا واجبُ الاداء مہر بھی زکاۃ سے مستثنیٰ ہوگا، کیونکہ وہ بیوی کی طرف سے اپنے ذمہ میں قرض ہے، اور شوہر کے ذمہ بیوی کا یہ مہر ادا کرنا فرض ہے۔ [1]

اور بیوی یا قریبی رشتہ دار کا نان نفقہ جو آپس کی مصالحت یا قانونی فیصلہ کے ذریعہ سے ذمہ میں لازم ہوگیا ہو، اور ابھی تک ادا نہ کیا ہو، وہ بھی دَین میں شامل ہوکر زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الزكاة الواجبة فى النصاب أو دين الزكاة بأن أتلف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة فى قول أبى حنيفة ومحمد سواء كان فى الأموال الظاهرة أو الباطنة.

وقال زفر " :لا يمنع كلاهما "، وقال أبو يوسف " :وجوب الزكاة فى النصاب يمنع فأما دين الزكاة فلا يمنع (بدائع الصنائع، ج۲ص۷، كتاب الزكاة، فصل سبب فرضية الزكاة)

[1] بعض حضرات نے مؤجل اور معجّل ہر قسم کے مہر کو مانعِ وجوبِ زکاۃ قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے صرف مؤجل کو مانع اور بعض نے غیر مانع قرار دیا ہے، اور بعض نے زوج کے ادائے مہر کا عزم رکھنے کی صورت میں مانع قرار دیا ہے۔

ولو صداق زوجته المؤجل للفراق(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۱، كتاب الزكاة)

أطلقه فشمل الحال والمؤجل، ولو صداق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت وقيل المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل وقيل إن كان الزوج على عزم الأداء منع، وإلا فلا؛ لأنه لا يعد دينا كذا فى غاية البيان(البحرالرائق ،ج۲ص ۲۱۹،كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة)

وقيل فى دين المهر :أنه يمنع وجوب الزكاة كسائر الديون، وقيل :إن كان من نية الزوج :أنها متى طالبته تلقاها بلطف، ويقرها أنه متى صادف مالاً لا يبطل حقها يمنع وجوب الزكاة كسائر الديون، وإن كان من حقه أنه متى طالبته ضربها، وتلقاها بالإنكار لا يمنع وجوب الزكاة(المحيط البرهانى، ج۲ص۲۹۷، كتاب الزكاة، الفصل العاشر)

(عن الدين) والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أو لله تعالى وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان فينتظم الدين المؤجل ولو صداق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت وقيل :لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل وقيل :إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه يعد دينا (مجمع الانهر، ج۱ص۱۹۳،كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

[2] ونفقة المرأة إذا صارت دينا على الزوج إما بالصلح أو بالقضاء ونفقة الأقارب إذا صارت دينا عليه إما بالصلح أو بالقضاء عليه يمنع كذا فى معراج الدراية وقيد نفقة الأقارب فى البدائع بقيد آخر، وهو قليل المدة فإن المدة إذا كانت طويلة فإنها تسقط، ولا تصير دينا وشمل كلامه كل دين(البحرالرائق ،ج۲ص ۲۱۹،۲۲۰،كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة)

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر حکومت کی طرف سے بیتُ المال اور ملکی خزانہ میں کمی کے باعث عمومی ضرورت (مثلاً کسی زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے حادثہ میں مبتلا لوگوں، ملکی حفاظت ودفاع) یا مصالحِ عامہ کے تحت جو واجبات یا ٹیکس لازم کئے جائیں اور کسی کے ذمہ ان کی ادائیگی باقی ہو، تو بعض شرائط کے ساتھ وہ بھی قرض ودَین میں شامل ہوتے ہیں۔ ۱

---

۱ حکومت کو عوام پر اس طرح کے واجبات یا ٹیکس عائد کرنے کی کئی شرائط ہیں، جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

(۱)......بیتُ المال سے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام نہ ہو۔

(۲)......اس طرح کے واجبات لوگوں پر عائد کرنے میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے، اور اسراف سے کام نہ لیا جائے، اور جو واجبات مستحق لوگوں کی ضرورت کے لئے وصول کئے جائیں، انہیں مستحقین پر ہی خرچ کیا جائے، اور غیر مستحقین پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے، اور مستحقین پر بھی بقدرِ استحقاق خرچ کیا جائے۔

(۳)......جو واجبات مصالحِ عامہ کے تحت وصول کئے جائیں، ان کو انہیں مصالح کے تحت خرچ کیا جائے، اپنی خواہش اور اغراض کے مطابق خرچ نہ کیا جائے۔

(۴)......اس طرح کے واجبات صرف انہی لوگوں پر عائد کئے جائیں، جو ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، اور ادائیگی کے نتیجہ میں غیر معمولی ضرر کا شکار نہ ہوں۔

(۵)......اس طرح کے واجبات بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت عائد کئے جائیں، اور جب ضرورت نہ رہے، تو پھر اس طرح کے واجبات عائد کرنے سے گریز کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

والخامس :إيجاب الإمام لبعض التكاليف المالية على القادرين عليها للوفاء بالمصالح العامة للأمة إذا عجز بيت المال عن الوفاء بها، أو للمساهمة فى إغاثة المنكوبين وإعانة المتضررين بزلزال مدمر أو حريق شامل أو حرب مهلكة، ونحو ذلك مما يفجأ الناس ولا يتسع بيت المال لتحمله أو التعويض عنه.

لكن لا يجوز هذا إلا بشروط:

الشرط الأول :أن تتعين الحاجة .فلو كان فى بيت المال ما يقوم به لم يجز أن يفرض عليهم شىء .

الشرط الثانى :أن يتصرف فيه بالعدل .ولا يجوز أن يستأثر به دون المسلمين، ولا أن ينفقه فى سرف، ولا أن يعطى من لا يستحق، ولا يعطى أحدا أكثر مما يستحق.

الشرط الثالث :أن يصرف مصرفه بحسب المصلحة والحاجة لا بحسب الغرض.

الشرط الرابع :أن يكون الغرم على من كان قادرا من غير ضرر ولا إجحاف، ومن لا شىء له، أو له شىء قليل فلا يغرم شيئا.

الشرط الخامس :أن يتفقد هذا فى كل وقت، فربما جاء وقت لا يفتقر فيه لزيادة على ما فى بيت المال، فلا يوزع .وكما يتعين المال فى التوزيع، فكذلك إذا تعينت الضرورة للمعونة بالأبدان ولم يكف المال، فإن الناس يجبرون على التعاون على الأمر الداعى للمعونة بشرط القدرة وتعين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کسی شخص کو اپنے ذمہ میں کسی کا دَین وقرض ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو، تو وہ بھی قرض ودَین میں شامل ہوتا ہے، اگر چہ فی الواقع ایسا نہ ہو، کیونکہ انسان اپنے یقین وگمان کے مطابق ہی مکلّف ہوا کرتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنے ذمہ میں لازم قرض ادا کرنے کا حکم دیا کہ تم فلاں کو میری طرف سے قرض ادا کردو، پھر اس دوسرے شخص نے اپنے مال میں سے اس پہلے شخص کا قرض ادا کردیا، تو اب اس حکم دینے والے پہلے شخص پر یہ مال اس دوسرے شخص کا قرض بن جائے گا، اور یہ پہلا شخص اس مال کا مقروض ومدیون شمار ہوگا، اور اتنا مال اس پہلے شخص کی زکاۃ سے مستثنیٰ اور علیحدہ ہوگا۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المصلحة والافتقار إلى ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ص ۱۱۱، ۱۱۲،مادة " دين")

أما الخراج فلأنه دين له مطالب من جهة العباد فصار كسائر الديون، وهذا؛ لأنه يجب حقا للمقاتلة بدلا عن الذب والاستحفاظ والمحاماة عن بيضة الإسلام فكان بمنزلة الأجرة (تبيين الحقائق، ج۴ص ۱۶۵، كتاب الكفالة، فصل أعطى المطلوب الكفيل قبل أن يعطى الكفيل الطالب)

۱ السبب السادس من أسباب ثبوت الدين :أداء ما يظن أنه واجب عليه، ثم يتبين براء ة ذمته منه: كمن دفع إلى شخص مالا يظنه دينا واجبا عليه، وليس بدين واجب فى الحقيقة ونفس الأمر، فله أن يرجع على القابض بما أخذه منه بغير حق، ويكون ذلك دينا فى ذمته، وذلك لأن من أخذ من غيره ما لا حق له فيه فيجب عليه رده إليه.وقد نصت م ۲۰۷من مرشد الحيران "من دفع شيئا ظانا أنه واجب عليه، فتبين عدم وجوبه، فله الرجوع به على من قبضه منه بغير حق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ص ۱۱۲ ،مادة " دين")

۲ والسابع :أداء واجب مالي يلزم الغير عنه بناء على طلبه :كما إذا أمر شخص غيره بأداء دينه، فأداه المأمور من ماله عنه، فإن ما دفعه يكون دينا فى ذمة الآمر للمأمور يرجع عليه به، سواء شرط الآمر رجوعه -بأن قال له :أد دينى على أن أؤديه لك بعد -أو لم يشرط ذلك، بأن قال له :أد دينى -فقط -فأداه.

ومثل ذلك ما لو أمر شخص آخر بشراء شيء له، أو ببناء دار أو دكان أو غير ذلك، ففعل المأمور ذلك، فإنه يرجع على الآمر بما دفعه، سواء اشترط عليه الرجوع أو لم يشترط.وكذا لو أمر شخص آخر بأن يكفله بالمال فكفله، ثم أدى الكفيل ما كفل به، فإنه يرجع على المكفول بما أدى عنه. وكذا إذا أحال مدين دائنه على شخص غير مدين للمحيل، فرضي المحال عليه، وأدى عنه الدين المحال به بناء على طلبه، فإن المحال عليه يرجع على المحيل بما أدى عنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ص ۱۱۲ ،مادة " دين")

مسئلہ نمبر۱۴...... اگرایک شخص نے اضطراری حالت میں ہلاکت سے بچنے کے لئے دوسرے کا کھانااس کی اجازت کے بغیر کھالیا، تو جب تک مالک معاف نہ کرے، اس وقت تک یہ کھایا ہوا کھانا (یعنی اتنی مالیت کا مال) بھی اس کھانے والے کے ذمہ میں قرض ودَین شمار ہوتا ہے، اورحنفیہ کے نزدیک اتنی مقدار زکاۃ واجب ہونے سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۵...... اگرایک شخص دوسرے شخص کے ذمہ میں کوئی واجب شدہ مالی حق اس دوسرے شخص کی اجازت کے بغیرادا کردے، مثلاً کسی مقروض کا قرض اس مقروض کی اجازت کے بغیرادا کردے، تو حنفیہ کے نزدیک اس طرح دوسرے کا مالی حق یا قرض ادا کرنے والا اس دوسرے شخص سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا، اور اس طرح کرنے والا شخص متبرع شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس طرح کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کرنے والا، اتنے مال کا اس دوسرے شخص سے مطالبہ نہیں کرے گا، اور اس کی وجہ سے وہ دوسرا شخص مقروض شمار نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] والثامن :الفعل المشروع حالة الضرورة إذا ترتب عليه إتلاف مال الغير :كمن أكل طعام غيره بدون إذنه مضطرا لدفع الهلاک عن نفسه، فإن ترخيص الشارع وإباحته استهلاک مال الغير بدون إذنه لداعي الضرورة لا يسقط عن الفاعل المسئولية المالية، ولا يعفيه من ثبوت مثل ما أتلفه أو قيمته دينا فی ذمته لمالكه، فالأعذار الشرعية لا تنافی عصمة المحل، والإباحة للاضطرار لا تنافی الضمان؛ ولأن إذن الشارع العام بالتصرف إنما ينفی الإثم والمؤاخذة بالعقاب، ولا يعفی من تحمل تبعة الإتلاف، بخلاف إذن المالک ، وللقاعدة الفقهية الكلية "الاضطرار لا يبطل حق الغير "(م ٣٣) من المجلة العدلية، وبهذا قال جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة والمالكية فی المشهور عندهم وغيرهم.

وخالف فی ذلک بعض المالكية فقالوا :لا ضمان عليه فی هذه الحالة؛ لأن دفع الهلاک عنه كان واجبا على المالک، والواجب لا يؤخذ له عوض.

وهناک رأی ثالث عند المالكية، وهو أن المضطر إلى طعام الغير لدفع الهلاک عن نفسه إنما يضمن قيمته لصاحبه إن كانت معه -أی بأن كان معه مال حاضر -وإلا فلا شیء عليه لوجوب بذل ربه له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١ ص ١١٢، ١١٣، مادة " دين")

[2] والتاسع :القيام بعمل نافع للغير بدون إذنه :وهو نوعان:

النوع الأول :أن يأتی بعمل يلزم الغير أو يحتاجه بدون إذنه، كمن أنفق عن غيره نفقة واجبة عليه، أو قضى عنه دينا ثابتا فی ذمته، ولم ينو المنفق بذلک التبرع، فإن ما دفعه يكون دينا فی ذمة المنفق عنه .وعلى ذلک نص المالكية والحنابلة .خلافا للشافعية والحنفية.فقد جاء فی مرشد الحيران (م

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۶...... جو چیز کسی سے اُدھار خریدی، اوراس کی قیمت ادا کرنا باقی ہے، تو وہ قیمت بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اوراس کی قیمت بھی زکاۃ سے مستثنٰی ومنہا ہوتی ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۷...... سال پورا ہونے کے وقت مکان، دکان کا کرایہ جو ذمہ میں لازم ہو چکا وہ بھی زکاۃ سے مستثنٰی ومنہا ہوگا، کیونکہ یہ کرایہ اپنے ذمہ قرض ودَین کا حکم رکھتا ہے۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۱۸...... ملازم اورنوکر کی وہ تنخواہ جو سال پورا ہونے کے وقت اپنے ذمے واجبُ الاداء ہو چکی ہے، وہ بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اوروہ بھی زکاۃ سے مستثنٰی ومنہا ہوتی ہے۔ ۳؎

مسئلہ نمبر۱۹...... غیر سرکاری اور پرائیویٹ واجبات کی طرح سرکاری ونیم سرکاری واجبات مثلاً فون، بجلی، گیس وغیرہ کے یوٹیلٹی بلز جو سال پورا ہونے کے وقت اپنے ذمہ میں لازم اور واجب الاداء ہو چکے ہیں، وہ بھی قرض کا حکم رکھتے ہیں اورزکاۃ سے مستثنٰی ومنہا ہوں گے۔ ۴؎

مسئلہ نمبر۲۰...... آجکل جو بیسی کمیٹی ڈالی جاتی ہے، جس میں جتنی قسطیں ادا کی جاتی ہیں، اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۲۰۵) إذا قضى أحد دين غيره بلا أمره سقط الدين عن المديون، سواء أقبل أم لم يقبل، ويكون الدافع متبرعا لا رجوع له على المديون بشيء مما دفعه بلا أمره، ولا رجوع له على رب الدين القابض لاسترداد ما دفعه إليه ."

وحجتهم على ذلک :أن من أدى عن غيره واجبا عليه من دين أو نفقة على قريب أو زوجة من غير إذنه، فهو إما فضولي، وهو جدير بأن يفوت عليه ما فوته على نفسه، أو متفضل فعوضه على الله دون من تفضل عليه، فلا يستحق مطالبته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ص ۱۱۳، ۱۱۴،مادة " دين")

۱؎ الديون على ضربين دين يطالب به ويحبس من جهة العباد كديون العباد حالة كانت أو مؤجلة وهو يمنع لما ذكرنا من المعنى(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب زكاة اموال التجارة)

۲؎ أما الخراج فلأنه دين له مطالب من جهة العباد فصار كسائر الديون، وهذا؛ لأنه يجب حقا للمقاتلة بدلا عن الذب والاستحفاظ والمحاماة عن بيضة الإسلام فكان بمنزلة الأجرة (تبيين الحقائق، ج۴ص ۱۶۵ ، كتاب الكفالة، فصل أعطى المطلوب الكفيل قبل أن يعطى الكفيل الطالب)

۳؎ ودين الأجرة كسائر الديون(المبسوط للسرخسى، ج ۳۰ص ۲۱۷، باب الاجارة)

۴؎ إذا تراكمت الأجرة وصارت ديناً تطبق عليها أحكام الديون(قرارات وتوصيات مجمع الفقه الاسلامى، ج ۱ ص ۱۲۱ ،قرار رقم ۷۵"۶/۸")

کے مطابق ہی رقم ہر فریق کو ملا کرتی ہے، اور جس کسی کے نام پر مکمل قسطیں جمع کرانے سے پہلے کمیٹی نکل جاتی ہے، اسے بقیہ اقساط جمع کرانا پڑتی ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کے حق میں کمیٹی آ چکی ہے، اور سال پورا ہونے کے وقت اس کی کچھ قسطوں کی ادائیگی باقی ہے، تو یہ قسطیں بھی اپنے ذمہ میں قرض ہیں، اور اتنی رقم زکاۃ سے مستثنیٰ ومنہا ہے۔

اور اگر سال پورا ہونے کے وقت کچھ قسطیں جمع کرائی جا چکی ہیں، لیکن ابھی تک یہ کمیٹی حاصل نہیں ہوئی، تو جتنی قسطیں جمع کرائی جا چکی ہیں وہ زکاۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی، اور ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ اس کا اتنا قرض کسی دوسرے کے ذمہ ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۱...... اُصولی اعتبار سے تو حنفیہ کے نزدیک ایسے قرضوں کو بھی زکاۃ سے مستثنیٰ و منہا کیا جانا چاہئے کہ جن کا تعلق زکاۃ کے مال سے ہو، اور اُن کی ادائیگی جلد کرنا ذمہ میں لازم ہو، مثلاً تجارت کا مال اُدھار خریدا ہوا ہے، اور اس کی قیمت کی ادائیگی ذمہ میں باقی ہے، اور ایسے قرضوں کو بھی زکاۃ سے مستثنیٰ ومنہا کیا جانا چاہئے کہ جن کا تعلق زکاۃ کے مال سے نہ

---

[1] ثم إذا كان على الرجل دين وله مال الزكاة وغيره من عبيد الخدمة، وثياب البذلة، ودور السكنى فإن الدين يصرف إلى مال الزكاة عندنا سواء كان من جنس الدين أو لا ولا يصرف إلى غير مال الزكاة، وإن كان من جنس الدين، وقال زفر " :يصرف الدين إلى الجنس وإن لم يكن مال الزكاة حتى أنه لو تزوج امرأة على خادم بغير عينه وله مائتا درهم وخادم فدين المهر يصرف إلى المائتين دون الخادم عندنا وعنده يصرف إلى الخادم.

وجه قول زفر أن قضاء الدين من الجنس أيسر فكان الصرف إليه أولى، ولنا أن عين مال الزكاة مستحق كسائر الحوائج، ومال الزكاة فاضل عنها فكان الصرف إليه أيسر وأنظر بأرباب الأموال؛ ولهذا لا يصرف إلى ثياب بدنه وقوته وقوت عياله، وإن كان من جنس الدين لما قلنا وذكر محمد في الأصل "أرأيت لو تصدق عليه؟لم يكن موضعا للصدقة "ومعنى هذا الكلام أن مال الزكاة مشغول بحاجة الدين فكان ملحقا بالعدم، وملك الدار والخادم لا يحرم عليه أخذ الصدقة فكان فقيرا، ولا زكاة على الفقير ولو كان في يده من أموال الزكاة أنواع مختلفة من الدراهم والدنانير وأموال التجارة والسوائم فإنه يصرف الدين إلى الدراهم والدنانير وأموال التجارة دون السوائم؛ لأن زكاة هذه الجملة يؤديها أرباب الأموال، وزكاة السوائم يأخذها الإمام.

وربما يقصرون في الصرف إلى الفقراء ضنا بما لهم فكان صرف الدين إلى الأموال الباطنة ليأخذ السلطان زكاة السوائم نظرا للفقراء .وهذا أيضا عندنا(بدائع الصنائع، ج٢ ص٨، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

ہو، بلکہ ایسے قرضے سے ہو، کہ کوئی مشینری خریدی ہو، جس کو بیچنا مقصود نہ ہو، اوراس کی قیمت ذمہ میں باقی ہو۔

مگرامام شافعی کے نزدیک اس طرح کے کسی قرض کو بھی زکاۃ سے منہانہیں کیا جاتا۔ ل

اورآج کل کیونکہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بڑے بڑے مالداروں کا یہ وطیرہ ہوگیا ہے، کہ قابلِ زکاۃ مال جتنا بڑھتا جاتا ہے، اس سے زیادہ قرض لیتے جاتے ہیں، اورنئ نئ ملیں، کارخانے کھولتے جاتے ہیں، اوران قرضوں کی ادائیگی بھی یکمشت ان پرلازم نہیں ہوتی، بلکہ بینکوں اور مالیاتی اداروں سے کئے گئے معاہدوں کے تحت ماہانہ یا سالانہ معمولی قسط کی شکل میں ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔

ل ومنها أن لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره حالا كان أو مؤجلا، وعند الشافعي هذا ليس بشرط، والدين لا يمنع وجوب الزكاة كيفما كان احتج الشافعي بعمومات الزكاة من غير فصل، ولأن سبب وجوب الزكاة ملك النصاب، وشرطه أن يكون معدا للتجارة، أو للإسامة وقد وجد.

أما الملك فظاهر؛ لأن المديون مالك لماله؛ لأن دين الحر الصحيح يجب في ذمته ولا يتعلق بماله ولهذا يملك التصرف فيه كيف شاء.

وأما الإعداد للتجارة أو الإسامة؛ فلأن الدين لا ينافي ذلك، والدليل عليه أنه لا يمنع وجوب العشر.

(ولنا) ما روى عن عثمان أنه خطب في شهر رمضان وقال في خطبته :ألا إن شهر زكاتكم قد حضر فمن كان له مال وعليه دين فليحسب ماله بما عليه ثم ليزك بقية ماله، وكان بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه أحد منهم فكان ذلك إجماعا منهم على أنه لا تجب الزكاة في القدر المشغول بالدين، وبه تبين أن مال المديون خارج عن عمومات الزكاة؛ ولأنه محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية؛ لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية.

والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة؛ لأنه لا يتحقق به الغنى، ولا صدقة إلا عن ظهر غنى على لسان رسول الله، -صلى الله عليه وسلم -وقد خرج الجواب عن قوله أنه وجد سبب الوجوب وشرطه؛ لأن صفة الغنى مع ذلك شرط، ولا يتحقق مع الدين مع ما أن ملكه في النصاب ناقص بدليل أن لصاحب الدين إذا ظفر بجنس حقه أن يأخذه من غير قضاء ولا إرضاء، وعند الشافعي له ذلك في الجنس وخلاف الجنس وذا آية عدم الملك كما في الوديعة والمغصوب، فلأن يكون دليل نقصان الملك أولى (بدائع الصنائع، ج٢، ص٦، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة، الشرائط التي ترجع على من عليه المال)

موجودہ دور میں ایسے لوگوں کے قرضوں کے متعلق بعض حنفی اہلِ علم حضرات کی رائے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے یہ ہے کہ اگر قرض لینے والے نے اس قرض کو ایسی اشیاء کے خریدنے میں استعمال کیا جو زکاۃ کے اموال میں شامل نہیں (مثلاً مشینری، پلانٹ یا عمارت، جس کو بیچنا مقصود نہ ہو) تو اس قسم کی چیزوں میں مشغول قرضوں کو تو مجموعی مالیت سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا، لیکن جو قرض قابلِ زکاۃ اموال میں استعمال کیا ہے، مثلاً اس سے خام مال، یا مالِ تجارت خریدا تو اس قرض کو مستثنیٰ کیا جائے گا (نوادر الفقہ ج۲ ص۱۶ و ص۱۷ ''زکاۃ آرڈیننس سے پیدا شدہ مسائل'' و فتاویٰ عثمانی، جلد۲، ص۸۳، کتاب الزکاۃ)

جب کہ بعض اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اس قسم کے طویل المیعاد قرضوں میں ہر سال کی جو قسط قرض لینے والے کے ذمہ ادا کرنا لازم ہوتی ہے، صرف اتنی مقدار زکاۃ سے مستثنیٰ ہوگی اور باقی کو مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا (ملاحظہ ہو اہم فقہی فیصلے ص۴۹، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء) [1]

مسئلہ نمبر۲۲...... اگر کسی شخص پر زکاۃ واجب ہو چکی تھی، اور اس نے زکاۃ ادا نہیں کی، پھر اس پر قرض ہو گیا، تو یہ بعد کا قرض پہلے سے واجب شدہ زکاۃ کے لئے مانع نہیں ہوگا۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] مگر حنفیہ کے قواعد کے مطابق اصولی اعتبار سے یہ تمام قرضے زکاۃ سے مستثنیٰ ہوں گے، اور مندرجہ بالا اہلِ علم حضرات نے یہ رائے موجودہ دور کے سرمایہ کاروں کے طرزِ عمل کی بنیاد پر قائم کی ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔

[2] ولا يعتبر الدين مانعا إلا إن استقر في الذمة قبل وجوب الزكاة، فأما إن وجب بعد وجوب الزكاة لم تسقط؛ لأنها وجبت في ذمته، فلا يسقطها ما لحقه من الدين بعد ثبوتها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۴۶، مادة "زكاة")

(فصل نمبر ۱۱)

مال پر متعین ملکیت کا قائم ہونا

(سرکاری اور وقف وغیرہ کے مال پر زکاۃ کے احکام)

حنفیہ سمیت بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک کسی مال پر زکاۃ واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس مال پر کسی کی متعین ملکیت قائم ہو۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱...... جو مال، کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہو، اس کی زکاۃ واجب نہیں، کیونکہ اس پر کسی کی متعین ملکیت قائم نہیں ہوتی۔ [۲]

مسئلہ نمبر۲...... جو روپیہ پیسہ مسجد یا مدرسہ وغیرہ کے لئے لوگ بطور تعاون کے دیتے ہیں، وہ اگر نصاب کے بقدر ہو، اور ایک سال سے زیادہ تک جمع رہے، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس

---

[۱] وأما الشرائط التى ترجع إلى المال فمنها :الملک فلا تجب الزكاة فى سوائم الوقف والخيل (بدائع الصنائع، ج۲ص۹، کتاب الزکاۃ، فصل الشرائط التى ترجع الى المال)

[۲] الشرط الأول :كون المال مملوكا لمعين:
فلا زكاة فيما ليس له مالک معين، ومن هنا ذهب الحنفية إلى أن الزكاة لا تجب فى سوائم الوقف، والخيل المسبلة، لأنها غير مملوكة.قالوا :لأن فى الزكاة تمليكا، والتمليک فى غير الملک لا يتصور، قالوا :ولا تجب الزكاة فى ما استولى عليه العدو، وأحرزوه بدارهم،لأنهم ملكوه بالإحراز، فزال ملک المسلم عنه .وقال المالكية :لا زكاة فى الموصى به لغير معينين .وتجب فى الموقوف ولو على غير معين كمساجد، أو بنى تميم، لأن الوقف عندهم لا يخرجه عن ملک الواقف، فلو وقف نقودا للسلف يزكيها الواقف أو المتولى عليها منها كلما مر عليها حول من يوم ملكها، أو زكاها إن كانت نصابا، وهذا إن لم يتسلفها أحد، فإن تسلفها أحد زكيت بعد قبضها منه لعام واحد.
وفصل الشافعية والحنابلة فقالوا :إذا كان الوقف على غير معين، كالفقراء ، أو كان على مسجد، أو مدرسة، أو رباط ونحوه مما لا يتعين له مالک لا زكاة فيه .وكذا النقد الموصى به فى وجوه البر، أو ليشترى به وقف لغير معين، بخلاف الموقوف على معين فإنه يملكه فتجب فيه الزكاة عند الحنابلة، وهو قول عند الشافعية، وقيل عندهم :لا تجب، لأن ملكه ينتقل إلى الله تعالى لا إلى الموقوف عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۶، مادة "زكاة")
فلا زكاة فى سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملک(رد المحتار، ج۲، ص۲۵۹، کتاب الزکاۃ)

کی زکاۃ بھی واجب نہیں ہوتی، یعنی مساجد ومدارس کے مصالح وضروریات کے لئے فراہم کردہ چندہ وفنڈ پر زکاۃ واجب نہیں، کیونکہ یہ کسی کی شخصی اور متعین ملکیت نہیں ہوتے (کذافی امدادالاحکام، ج۳ص۲۲۰، کتاب الوقف، احکام المساجد والمدارس، واحسن الفتاویٰ، ج۱ص۴۳۱، الکلام البدیع فی احکام التوزیع، کتاب العلم والعلماء) [1]

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی ادارہ یا کارخانہ غریبوں، ضرورت مندوں یا بیماروں وغیرہ کے لئے

---

[1] البتہ اگر موقوف علیہم متعین افراد یا فرد ہوں، تو پھر بعض فقہاء کے نزدیک ان پر زکاۃ واجب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

زكاة العين الموقوفة ينبني على اختلاف الفقهاء في ملك رقبة العين الموقوفة.

فعند الحنفية والشافعية في الأصح لا زكاة فيها، يقول الحنفية :لا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك لأن في الزكاة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور.

ويقول الشافعية :إذا كانت الماشية موقوفة على جهة عامة كالفقراء أو المساجد أو الغزاة أو اليتامى أو شبه ذلك فلا زكاة فيها بلا خلاف، لأنه ليس لها مالك معين .وإن كانت موقوفة على معين -سواء كان واحدا أو جماعة -فبناء على الأصح من أن الملك في رقبة الموقوف لله تعالى لا زكاة فيها كالوقف على جهة عامة .ومقابل الأصح -وهو أن الملك في رقبة الموقوف تكون للموقوف عليه -ففي وجوب زكاته على الموقوف عليه وجهان :أصحهما لا تجب، لأن ملكه ملك ضعيف بدليل أنه لا يملك التصرف في رقبته، والثاني أنها تجب عليه، لأنه يملكه ملكا تاما مستقرا فأشبه غير الموقوف.وعند المالكية يكون الموقوف على ملك الواقف وعلى ذلك فزكاته على الواقف، جاء في حاشية الصاوي على الشرح الصغير :من وقف عينا للسلف يأخذها المحتاج ويرد مثلها، يجب على الواقف زكاتها، لأنها على ملكه فتزكى كل عام ولو بانضمامها لماله، وإن مكثت عند المدين أعواما فإنها تزكى بعد قبضها لعام واحد . وكذلك من وقف أنعاما لتفرقة لبنها أو صوفها أو الحمل عليها أو لتفرقة نسلها فإن الجميع يزكى على ملك الواقف إن كان فيها نصاب ولو بالانضمام لماله، ولا فرق بين كون الموقوف عليهم معينين أو غير معينين ويقوم الناظر مقام الواقف إلا أن الناظر يزكيها إذا بلغت نصابا ولا يتأتى الضم لماله، لأنه ليس مالكا.وقال الحنابلة :إن الملك في الموقوف يكون للموقوف عليه فإن كان الموقوف عليه معينا كزيد مثلا فإنه يجب عليه زكاة الموقوف من إبل أو بقر أو غنم سائمة، لأن الملك ينتقل للموقوف عليه على المذهب أشبه سائر أملاكه. واختار بعض الحنابلة عدم وجوب الزكاة لضعف الملك.

وإن كان الموقوف عليه غير معين كالفقراء مثلا فلا تجب الزكاة في الموقوف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۴، ص۱۷۲، وص۱۷۳، مادة "وقف")

رجل أعطى درهما في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح؛ لأنه وإن كان لا يمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض، كذا في الواقعات الحسامية (الفتاوىٰ الهندية، ج۲، ص۴۶۰، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه)

وقف ہے، اوراس وقف کے فنڈ سے اس کی آمدنی میں اضافہ کے لئے کوئی تجارت کی جاتی ہے، تواس طرح کے مالِ تجارت پر بھی زکاۃ واجب نہیں۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۴...... جو اموال سرکاری خزانہ یا بیتُ المال میں جمع یا سرکاری مال شمار ہوتے ہیں، جب تک وہ باضابطہ کسی کی ذاتی ملکیت نہ بنیں، اس وقت تک ان پر بھی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۵...... دینی مدارس یا کسی اور وقف شدہ رفاہی ادارہ میں، جو مختلف لوگ مالِ زکاۃ

۱؎ سئل شيخ الإسلام أبو الحسن عن رجل قال :وقفت داری علی مسجد كذا، ولم يزد على هذا وسلمها إلى المتولي صح، ولم يشترط التأبيد ولم يجعل آخره للفقراء ، قال :وهذا يكون تمليكا للمسجد وهبة، فيتم بالقبض وإثبات الملک للمسجد على هذا الوجه يصح، فإن المتولی إذا اشترى من غلة دار المسجد يصح، وكذا من أعطى دراهم فی عمارة المسجد ونفقة المسجد أو مصالح المسجد يصح، وكذا إذا اشترى المتولی عبدا لخدمة المسجد يصح كل ذلک، فيصح هذا بطريق التمليک بالهبة، وإن كان لا يصح بطريق الوقف (المحيط البرهانی، ج۶، ص۲۱۳، كتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون)

اتفق الجمهور غير الحنفية على جواز وقف المنقول مطلقا، كآلات المسجد كالقنديل والحصير، وأنواع السلاح والثياب والأثاث، سواء أكان الموقوف مستقلا بذاته، ورد به النص أو جرى به العرف، أم تبعا لغيره من العقار، إذ لم يشترطوا التأبيد لصحة الوقف، فيصح كونه مؤبدا أو مؤقتا، خيريا أو أهليا.وأخذ القانون المصری (م 8) بهذا الرأی، فأجاز وقف العقار والمنقول.

(ولم يجز الحنفية) وقف المنقولومنه عندهم البناء والغراس إلا إذا كان تبعا للعقار، أو ورد به النص كالسلاح والخيل، أو جرى به العرف كوقف الكتب والمصاحف والفأس والقدوم والقدور (الأوانی) وأدوات الجنازة وثيابها، والدنانير والدراهم، والمكيل والموزون، والسفينة بالمتاع، لتعامل الناس به، والتعامل ـ وهو الأكثر استعمالا ـ يترک به القياس، لخبر ابن مسعود :ما رآه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن ولأن الثابت بالعرف ثابت بالنص، هذا مع العلم أن وقف البناء صار متعارفا، بخلاف ما لا تعامل فيه كثياب ومتاع، وهذا قول محمد، المفتى به .ويباع المكيل والموزون ويدفع ثمنه مضاربة أو مباضعة، كما يفعل فی وقف النقود، وما خرج من الربح يتصدق به فی جهة الوقف (الفقه الاسلامی و ادلته للزحيلی، ج۱۰، ص۷۶۱۰، القسم السادس: الأحوال الشخصية، الباب الخامس الوقف، الفصل الثانی :أنواع الوقف ومحله)

متولی المسجد اذا اشترا من غلته دارا او حانوتا فهذه الدار او هذا الحانوت، هل يلتحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد و معناه هل يصير وقفا؟ اختلف المشائخ فيه، قال الصدر الشهيد: المختار انه لا يلتحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد ولكن يصير مستغلا للمسجد (الفتاویٰ التتار خانية، ج۵، ص۸۶۲، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد)

۲؎ الزكاة فی المال العام (أموال بيت المال) : نص الحنابلة على أن مال الفیء، وخمس الغنيمة، وكل ما هو تحت يد الإمام مما يرجع إلى الصرف فی مصالح المسلمين لا زكاة فيه.

ولم نجد لدى غيرهم تعرضا لهذه المسألة مع مراعاتها فی التطبيق، إذ لم يعهد علما ولا عملا أخذ الزكاة من الأموال العامة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۵، مادة "زكاة")

جمع کراتے ہیں، اور وہ مال ان اداروں کے مہتمم یا متولی وغیرہ کے حوالے کر دیتے ہیں، تو اس عمل کے نتیجے میں اس مال سے معطیین (یعنی یہ رقم ومال دینے والوں) کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد ان مدارس اور اداروں کے ذمہ داران پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس طرح کی رقوم کو، غریب مستحقین کی شرعی تملیک کے بعد استعمال کریں، اور جب تک اس رقم کی تملیک نہ ہو، یا شرعی طریقہ پر خرچ نہ ہو، تب بھی اگر کسی زکوٰۃ دینے والے شخص کا انتقال ہو جائے، تو اس کے ورثاء کو، اس مال کا واپس لینا، جائز نہیں ہوتا، اور اگر اس رقم میں مدارس یا ادارہ کے ذمہ داران کوئی خیانت کریں، تو وہی اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اور ان پر اس کا تاوان بھی لازم ہوتا ہے، لیکن زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ پھر بھی ادا ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

''مدِ عطیہ کی رقوم مہتمم کی تحویل میں دے دینے کے بعد مُعطی کی مِلک سے خارج ہو جاتی ہیں۔

قال فی الھندیة: رجل أعطی درھما فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح؛ لأنه وإن کان لا یمکن تصحیحه تملیکا بالھبة للمسجد فإثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجه صحیح فیتم بالقبض، کذا فی الواقعات الحسامیة (عالمگیریة، کتاب الوقف، باب ۱۱، فصل ۲، ص ۴۶۰، ج ۲)

وفیھا ایضاً: متولی المسجد إذا اشتری بمال المسجد حانوتا أو دارا ثم باعھا جاز إذا کانت له ولایة الشراء، ھذه المسألة بناء علی مسألة أخری إن متولی المسجد إذا اشتری من غلة المسجد دارا أو حانوتا فھذه الدار وھذا الحانوت ھل تلتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد؟ ومعناه أنه ھل تصیر وقفا؟ اختلف المشایخ رحمھم الله تعالی قال الصدر الشھید: المختار أنه لا تلتحق ولکن تصیر مستغلا للمسجد کذا فی المضمرات (عالمگیریة، کتاب الوقف، باب ۵، ص ۴۱۸، ج ۲)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ عطیہ کی رقم معطی کی مِلک سے خارج ہو کر مدرسہ کی مِلک ہو جاتی ہے، یہاں ملک بمعنیٰ مختص ہے، ورنہ حقیقتِ ملک، غیر ذوی العقول کے لئے غیر معقول ہے، ان رقوم کی نظیر غلۃ الوقف ہے، پس رقومِ عطیہ پر تو کوئی اشکال نہ رہا، جب معطی کی مِلک ختم ہو گئی، تو نہ وجوبِ زکوٰۃ کا سوال رہا، نہ استرداد کا، اور نہ ہی موتِ معطی کی صورت میں پیدا ہونے والے اشکالات رہے، جس طرح معطی پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں، اسی طرح مہتممِ مدرسہ پر بھی اس سے زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں، لما مر انھا بمنزلة غلة الوقف۔

اب صرف رقومِ صدقہ میں استرداد اور موتِ متصدق پر وارِد ہونے والے اشکالات رہ جاتے ہیں، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقوم بھی مہتممِ مدرسہ کی تحویل میں آنے کے بعد اصل مالک کی مِلک سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... جو زمین عشری ہو، اور وہ مخصوص لوگوں پر وقف ہو، تو اس کی پیداوار پر بعض شرائط کے ساتھ عشر واجب ہوا کرتا ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنی عشر والی دوسری مستقل کتاب میں ذکر کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ خارج ہوجاتی ہیں، اس لئے کہ اس حکم میں عطیہ وصدقہ میں کوئی فارق ظاہر نہیں (احسن الفتاویٰ، ج۱ص۴۳۲، رسالہ: الکلام البدیع فی احکام التوزیع، کتاب العلم والعلماء)

خزانۂ مدرسہ بحکمِ بیت المال ہے، اس میں مالِ زکاۃ داخل ہونے سے زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، معہٰذا تملیکِ طلبہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں لگانا جائز نہیں، تفصیل تتمہ میں ہے (ایضاً ص۴۳۴)

اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کی قرارداد میں ہے کہ:

زکاۃ کی وصولی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفیر ومحصل) طلبہ کا وکیل ہے، مہتمم یا اس کے نائب (سفیر ومحصل) کو دے دینے سے زکاۃ ادا ہوجائے گی، مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکاۃ کی رقم حسبِ احکام شرع طلبہ پر صرف کرے، زکاۃ کی جو رقم مدارس یا بیتُ المال میں اکٹھی ہوتی ہے، ان کا کوئی مالک متعین نہیں، اسی طرح جو رقم ازقسمِ عطایا وصدقاتِ نافلہ اداروں کو مطلق وجوہِ خیر میں صرف کرنے کے لئے یا متعین مَدّات پر صرف کرنے کے لئے دی جاتی ہے، وہ دینے والوں کی مِلک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے، اس لئے بیتُ المال، مدارس یا دیگر رفاہی اداروں میں جمع شدہ رقوم پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی (اہم فقہی فیصلے ص۵۴، ۵۵، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃُ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء)

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک جو حکم مدارس کا ہے، وہی حکم دیگر وقف شدہ اور رفاہی اداروں کا بھی ہے۔

[1] غلة الأرض الموقوفة وثمار الأشجار إن كان الوقف على قوم بأعيانهم فحصل لبعضهم من الثمرة أو الحب نصاب ففيه الزكاة، لأن الموقوف عليهم يملكون الثمار والغلة ملكا تاما ويتصرفون فيه بجميع أنواع التصرف فمتى حصل لأحدهم نصاب وجبت عليه زكاته، وهذا عند الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة، وروى عن طاووس ومكحول أنه لا زكاة فى ذلك لأن الأرض ليست مملوكة لهم فلم تجب عليهم زكاة فى الخارج منه كالمساكين.

وإن كان الوقف على جهة عامة كالمساجد والفقراء فعند الحنفية والمالكية -وهو ما حكاه ابن المنذر عن الشافعي -تجب الزكاة إذا بلغت نصابا لعموم قوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده) ولأن العشر يجب فى الخارج لا فى الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة، كما يقول الحنفية .وعلى ذلك فإن الزكاة تخرج أولا بمعرفة من يلى الوقف ثم يفرق الباقي على الموقوف عليهم بالاجتهاد كما يقول المالكية.وعند الحنابلة وهو الصحيح المشهور من نصوص الشافعي أنه لا زكاة فى غلة الموقوف على غير معين كالفقراء ولا فيما يحصل فى أيديهم، سواء حصل فى يد بعضهم نصاب من الحبوب والثمار أو لم يحصل، لأن الوقف على الفقراء والمساكين لا يتعين لواحد منهم بدليل أن كل واحد منهم يجوز حرمانه والدفع إلى غيره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۴، ص۱۷۳، وص۱۷۴، مادة "وقف")

(فصل نمبر ۱۲)

مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کا قائم ہونا

(مال کا مالک ہونے، واجبُ الوصول اور غصب شدہ مال کی زکاۃ کے احکام)

کسی مال میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے حنفیہ وغیرہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس مال پر مطلق یا مکمل ملکیت قائم ہو، اور جس مال پر ملکیت قائم نہ ہو، یا اس پر ناقص ملکیت ہو، اس کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں چند مسائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱...... مال پر مطلق یا مکمل ملکیت قائم ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اس مال پر ملکیت بھی قائم ہو، اور اس مال پر اس طرح کا قبضہ یا تسلط بھی ہو کہ اس میں اسے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

اسی وجہ سے جو مال گم ہوگیا، یا مثلاً دریا میں ڈوب گیا، تو اگرچہ وہ انسان کی ملکیت میں ہے، لیکن اس پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت کامل نہیں بلکہ ناقص ہے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاۃ واجب نہیں۔

---

[۱] اہلِ علم کے لیے اس موقع پر یہ بات فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ بعض حضرات نے مِلکِ مطلق اور مِلکِ تام کی شرط کو الگ الگ ذکر کیا ہے، جبکہ بعض نے مال کے حلال ہونے کی شرط کو مستقل طور پر بیان کیا ہے، اور انہوں نے مِلکِ مطلق یا مِلکِ تام کسی ایک شرط یا دونوں شرطوں کا مستقل طور پر ذکر نہیں کیا، ان سب میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیونکہ مِلکِ حلال میں مِلکِ مطلق بھی شامل ہے، اور مِلکِ مطلق میں مِلکِ حلال بھی داخل ہے، اور اسی طرح مِلکِ تام کی قید میں مِلکِ مطلق بھی داخل ہے۔

بعض نے اختصار کے پیشِ نظر تداخل کو ترجیح دی، اور بعض نے بوجوہ، استقلال کو ترجیح دی، اور اس قسم کا تداخل وعدمِ تداخل فقہائے کرام کی عبارات میں شائع اور رائج ہے۔

ومنها الملك المطلق وهو أن يكون مملوكا له رقبة ويدا وهذا قول أصحابنا الثلاثة، وقال زفر ": اليد ليست بشرط "وهو قول الشافعي فلا تجب الزكاة فى المال الضمار عندنا خلافا لهما(بدائع الصنائع، ج۲ص ۹ ، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع الى المال)

الشرط الثانى :أن يكون ملكية المال مطلقة:وهذه عبارة الحنفية، وعبر غيرهم بالملك التام :وهو ما كان فى يد مالكه ينتفع به ويتصرف فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۷، مادة، "زكاة")

اسی طرح اگر کسی کا مال دوسرے نے چوری کرلیا یا لوٹ لیا اور چوری کرنے یا لوٹنے والے کا علم بھی ہے کہ وہ کون شخص ہے لیکن وہ اقرارِ جرم نہیں کرتا یا اب وہ کسی وجہ سے مال لوٹانے پر قادر نہیں، تو حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاۃ بھی واجب نہیں۔

اسی طرح اگر مال دوسرے کو قرض دیا اور اب اس قرض کے واپس ملنے کی امید نہیں، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاۃ بھی واجب نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ایسا مال فقہی زبان میں ''مالِ ضمار'' کہلاتا ہے، البتہ ان میں سے جس صورت میں بھی مال واپس مل جائے، تو آئندہ سالوں میں دوسری شرائط پائی جانے پر اس کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] الملک التام للمال: واختلف الفقهاء فی المراد بالملک، أهو ملک الید (الحیازة) أم ملک التصرف أم أصل الملک؟

فقال الحنفیة: المقصود أصل الملک وملک الید، بأن یکون مملوکاً، فلا زکاة فی سوائم الوقف والخیل الموقوفة، لعدم الملک، ولا تجب الزکاة فی المال الذی استوی علیه العدو وأحرزه بداره، لأن الأعداء فی رأی الحنفیة ملکوه بالإحراز، فزال ملک المسلم عنه، ولا فی الزرع النابت فی أرض مباحة لعدم الملک، ولا علی المدین الذی فی یده مال للغیر لعدم الملک، وإنما زکاة هذا المال علی المالک الأصلی .وأیضاً أن یکون مملوکاً فی الید أی مقبوضاً، فلو ملک شیئاً ولم یقبضه، کصداق المرأة قبل قبضه، فلا زکاة علیها فیه .ولا زکاة فی المال الضمار :وهو کل مال غیر مقدور الانتفاع به، مع قیام أصل الملک، کالحیوان الضال، والمال المفقود والمال الساقط فی البحر، والمال الذی أخذه السلطان مصادرة، والدین المجحود إذا لم یکن للمالک بینة وحال الحول ثم صار له بینة، بأن أقر عند الناس، والمال المدفون فی الصحراء إذا خفی علی المالک مکانه، فإن کان مدفوناً فی البیت تجب فیه الزکاة بالإجماع .وعلی هذا لا زکاة فی رأی الحنفیة علی مایقابل الدین من مال المزکی، لأن مقدار الدین هو فی الواقع مملوک للدائن لا للمدین(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانی)

الشرط الثانی :أن یکون ملکیة المال مطلقة:

وهذه عبارة الحنفیة، وعبر غیرهم بالملک التام :وهو ما کان فی ید مالکه ینتفع به ویتصرف فیه.

والملک الناقص یکون فی أنواع من المال معینة.

منها :مال الضمار :وهو کل مال مالکه غیر قادر علی الانتفاع به لکون یده لیست علیه، فمذهب أبی حنیفة، وصاحبیه، وهو مقابل الأظهر عند الشافعیة، ورواية عند الحنابلة أنه لا زکاة علیه فیه، کالبعیر الضال، والمال المفقود، والمال الساقط فی البحر، والمال الذی أخذه السلطان مصادرة، والدین المجحود إذا لم یکن للمالک بینة، والمال المغصوب الذی لا یقدر صاحبه علی أخذه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کے نزدیک مذکورہ مالوں اوراسی طرح جو مال گم یا غائب ہوگیا، جیسے کہ جنگل میں دفن شدہ مال، جس کی جگہ معلوم نہیں، تو اس طرح کا مال اگر دستیاب ہوجائے، تو پھران کے نزدیک گزشتہ ایک سال کی زکاۃ واجب ہوگی، خواہ وہ کئی سالوں کے بعد دستیاب ہوا ہو، اور جب تک وہ مال دستیاب نہ ہو، تو اس کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ ۱؎

اورشافعیہ وحنابلہ کے راجح قول کے مطابق اس طرح کے مذکورہ مالوں کی زکاۃ اس وقت تک تو واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ مال دستیاب نہ ہوں، لیکن دستیاب ہونے کے بعد ان کی گزشتہ تمام سالوں کی زکاۃ واجب ہوگی۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۲...... جس شخص کا دوسرے پر دَین وقرض ہو، تو یہ مال قرض ودَین کے مالک یعنی قرض خواہ کی ملکیت ہوتا ہے، دَین دار یا مقروض کی ملکیت نہیں ہوتا۔

اوراس طرح کے مال کی مالک پر زکاۃ واجب ہونے، نہ ہونے کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کچھ تفصیل ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک تو مالک پر اس مال کی زکاۃ واجب نہیں، خواہ وہ کسی بھی طرح کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والمسروق الذى لا يدرى من سرقه، والمال المدفون فى الصحراء إذا خفى على المالک مكانه، فإن كان مدفونا فى البيت تجب فيه الزكاة عند الحنفية، أى لأنه فى مكان محدود. واحتجوا بما روى عن على رضى الله عنه أنه قال: ليس فى مال الضمار زكاة. ولأن المال إذا لم يكن الانتفاع به والتصرف فيه مقدورا لا يكون المالک به غنيا. قالوا: وهذا بخلاف ابن السبيل (أى المسافر عن وطنه) فإن الزكاة تجب فى ماله، لأن مالكه يقدر على الانتفاع به، وكذا الدين المقر به إذا كان على ملىء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۷، مادة "زكاة")

۱؎ وذهب مالک إلى أن المال الضائع ونحوه كالمدفون فى صحراء إذا ضل صاحبه عنه أو كان بمحل لا يحاط به، فإنه يزكى لعام واحد إذا وجده صاحبه ولو بقى غائبا عنه سنين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۷، مادة "زكاة")

۲؎ وذهب الشافعية فى الأظهر وهو رواية عند الحنابلة إلى أن الزكاة تجب فى المال الضائع ولكن لا يجب دفعها حتى يعود المال. فإن عاد يخرجها صاحبه عن السنوات الماضية كلها، لأن السبب الملک، وهو ثابت. قالوا: لكن لو تلف المال، أو ذهب ولم يعد سقطت الزكاة.

وكذا عندهم المال الذى لا يقدر عليه صاحبه لانقطاع خبره، أو انقطاع الطريق إليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۷، مادة "زكاة")

دَین وقرض ہو۔ [1]

اورحنفیہ اورحنابلہ کے نزدیک جس دَین وقرض کے ملنے کی امید ہو، اس پر ہر سال زکاۃ واجب ہوتی ہے، مگراس کی زکاۃ کا ادا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے، جب وہ واپس مل جائے۔

اور واپس ملنے کے بعد گزشتہ اس تمام عرصہ کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، جتنا عرصہ مدیون ومقروض نے وہ مال واپس نہیں کیا۔ [2]

اورامام شافعی کے راجح قول کے مطابق جس دَین اورقرض کے ملنے کی امید ہو، مالک پراس کی زکاۃ ہر سال ادا کرنا اسی طرح واجب ہوتا ہے، جس طرح سے اپنے پاس موجود مال کی زکاۃ دینا واجب ہوا کرتا ہے۔ [3]

---

[1] زكاة الدين: الدين مملوك للدائن، ولكنه لكونه ليس تحت يد صاحبه فقد اختلفت فيه أقوال الفقهاء :فذهب ابن عمر، وعائشة، وعكرمة مولى ابن عباس رضى الله عنهم، إلى أنه لا زكاة فى الدين، ووجهه أنه غير نام، فلم تجب زكاته، كعروض القنية (وهى العروض التى تقتنى لأجل الانتفاع الشخصى) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٣٨، مادة "زكاة")

[2] وذهب جمهور العلماء إلى أن الدين الحال قسمان :دين حال مرجو الأداء ، ودين حال غير مرجو الأداء .فالدين الحال المرجو الأداء :هو ما كان على مقر به باذل له، وفيه أقوال :فمذهب الحنفية، والحنابلة، وهو قول الثورى :أن زكاته تجب على صاحبه كل عام لأنه مال مملوك له، إلا أنه لا يجب عليه إخراج الزكاة منه ما لم يقبضه، فإذا قبضه زكاه لكل ما مضى من السنين .ووجه هذا القول :أنه دين ثابت فى الذمة فلم يلزمه الإخراج قبل قبضه، ولأنه لا ينتفع به فى الحال، وليس من المواساة أن يخرج زكاة مال لا ينتفع به .على أن الوديعة التى يقدر صاحبها أن يأخذها فى أى وقت ليست من هذا النوع، بل يجب إخراج زكاتها عند الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٣٨، مادة "زكاة")

[3] اور مالکیہ کے نزدیک بعض دیون کی زکاۃ ہر سال واجب ہے، اور بعض کی قبضہ کرنے کے بعد واجب ہے، اور بعض کی سرے سے واجب نہیں۔

ومذهب الشافعى فى الأظهر، وحماد بن أبى سليمان، وإسحاق، وأبى عبيد أنه يجب إخراج زكاة الدين المرجو الأداء فى نهاية كل حول، كالمال الذى هو بيده، لأنه قادر على أخذه والتصرف فيه.وجعل المالكية الدين أنواعا :فبعض الديون يزكى كل عام وهى دين التاجر المدير عن ثمن بضاعة تجارية باعها، وبعضها يزكى لحول من أصله لسنة واحدة عند قبضه ولو أقام عند المدين سنين، وهو ما أقرضه لغيره من نقد، وكذا ثمن بضاعة باعها محتكر، وبعض الديون لا زكاة فيه، وهو ما لم يقبض من نحو هبة أو مهر أو عوض جناية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٣٩، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی شخص کا دوسرے پر ایسا دَین وقرض ہو، جس کے واپس ملنے کی امید نہ ہو، اور وہ ایک طرح سے ڈوب گیا ہو، مثلاً مدیون ومقروض اس دَین یا قرض کا منکِر ہو، یا ٹال مٹول سے کام لیتا ہو، جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ دَین وقرض ادا نہیں کرے گا، یا مدیون ومقروض کی تنگدستی کی حالت کے پیشِ نظر معلوم ہوتا ہو کہ وہ قرض ودَین ادا نہیں کر سکے گا، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے قرض ودَین کی زکاۃ نہ فی الحال واجب ہوتی، اور نہ ہی اس طرح کے قرض ودَین کے واپس ملنے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب ہوتی۔ [1]

اور شافعیہ کے راجح قول کے مطابق اس طرح کے قرض ودَین کی بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے، مگر اس وقت جبکہ وہ واپس ملے، اور واپس ملنے کے بعد گزشتہ تمام اس عرصہ کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، جتنا عرصہ مدیون ومقروض نے وہ مال واپس نہیں کیا۔

اور یہی حکم اس دَین اور قرض کا بھی ہے، جس کی واپسی کا ابھی زمانہ نہ آیا ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک اس طرح کے دَین وقرض کے ملنے کے بعد صرف ایک سال کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] وأما الدين غير المرجو الأداء، فهو ما كان على معسر أو جاحد أو مماطل، وفيه مذاهب: فمذهب الحنفية فيه كما تقدم، وهو قول قتادة وإسحاق، وأبي ثور، ورواية عن أحمد، وقول مقابل للأظهر للشافعي :أنه لا زكاة فيه لعدم تمام الملك، لأنه غير مقدور على الانتفاع به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۹،مادة "زكاة")

[2] والقول الثاني وهو قول الثوري، وأبي عبيد ورواية عن أحمد، وقول للشافعي هو الأظهر :أنه يزكيه إذا قبضه لما مضى من السنين، لما روى عن علي رضي الله عنه في الدين المظنون "إن كان صادقا فليزكه إذا قبضه لما مضى .وذهب مالك إلى أنه إن كان مما فيه الزكاة يزكيه إذا قبضه لعام واحد وإن أقام عند المدين أعواما .وهو قول عمر بن عبد العزيز، والحسن والليث، والأوزاعي.

واستثنى الشافعية والحنابلة ما كان من الدين ماشية فلا زكاة فيه، لأن شرط الزكاة في الماشية عندهم السوم، وما في الذمة لا يتصف بالسوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۹،مادة "زكاة")

ذهب الحنابلة وهو الأظهر من قولي الشافعية :إلى أن الدين المؤجل بمنزلة الدين على المعسر، لأن صاحبه غير متمكن من قبضه في الحال فيجب إخراج زكاته إذا قبضه عن جميع السنوات السابقة.ومقابل الأظهر عند الشافعية :أنه يجب دفع زكاته عند الحول ولو لم يقبضه.

ولم نجد عند الحنفية والمالكية تفريقا بين المؤجل والحال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۳۹،مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۴…… جس قرض یا دَین کے واپس ملنے کی امید ہو، زکاۃ واجب ہونے، نہ ہونے کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی مجموعی طور پر تین قسمیں ہیں۔

جن کا الگ الگ شقوں میں خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱)…… جو قرض دوسرے کو نقدی یعنی سونے، چاندی یا روپیہ، پیسہ کی شکل میں دیا ہو، یا تجارت کا مال فروخت کیا ہو، اور اس کی قیمت کا وصول کرنا باقی ہو، اور اس کے وصول ہونے کی امید ہو، تو اس طرح کا دَین یا قرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''دَینِ قوی'' کہلاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح کے دَین وقرض کی زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

(۲)…… اگر دوسرے کو نہ تو نقدی یعنی روپیہ پیسہ، سونا، چاندی، کی شکل میں قرض دیا ہو، اور نہ ہی مالِ تجارت فروخت کرنے کے نتیجہ میں اس کی قیمت کا وصول کرنا باقی ہو، بلکہ کوئی ایسا مال فروخت کیا، جو زکاۃ کا مال نہیں تھا (یعنی غیر نامی چیز تھی) مثلاً گھریلو سامان کو فروخت کیا تھا، اور اس کی قیمت کا وصول کرنا باقی ہو، اور اس کے وصول ہونے کی امید ہو، تو اس طرح کا دَین یا قرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''دَینِ متوسط'' کہلاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح کے دَین وقرض کی زکاۃ بھی واجب ہوتی ہے

(۳)…… اگر دوسرے کو نہ تو نقدی یعنی روپیہ پیسہ، سونا، چاندی، کی شکل میں قرض دیا ہو، اور نہ ہی مالِ تجارت یا کسی اور طرح کا مال فروخت کیا ہو، بلکہ ان کے علاوہ کسی اور سبب سے دوسرے کے ذمہ دین لازم ہوا ہو، مثلاً نکاح کے نتیجہ میں عورت کا وہ مہر جو شوہر کے ذمہ ہو، اور ابھی عورت کو وصول نہ ہوا ہو، یا بدلِ خلع (یعنی بیوی سے خلع کرنے کے نتیجہ میں معاہدہ کے تحت لازم شدہ مال) جو عورت کے ذمہ ہو، اور ابھی شوہر کو وصول نہ ہوا ہو، یا کسی چیز کی دیت جو دوسرے نے ادا کرنی ہو، یا اس نے کسی کا کوئی کام اجرت ومزدوری یا تنخواہ پر کیا ہو، اور وہ اجرت،

مزدوری یا تنخواہ وصول کرنا باقی ہو، تو اس طرح کا دَین یا قرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''دَینِ ضعیف'' کہلاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح کے دَین وقرض کی زکاۃ واجب نہیں ہوا کرتی۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ان تینوں قسم کے قرض ودَین کی زکاۃ واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اور ان حضرات کے نزدیک جب بھی ان میں سے کسی قسم کا قرض واپس وصول ہو، اس کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ نصاب کے بقدر ہو، یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو۔ [1]

---

[1] جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دَینِ قوی کی زکاۃ کا ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا، جبکہ چالیس درہم یا اُن کی مالیت کے بقدر (یعنی نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہو، اور دَینِ متوسط کی زکاۃ کا ادا کرنا، اصح قول کے مطابق، اس وقت واجب ہوگا، جبکہ دوسو درہم یا اُن کی مالیت کے بقدر (یعنی پورا نصاب) وصول ہو، اور دَینِ ضعیف میں گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب نہیں، اور وصول ہونے کے بعد آئندہ سالوں کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ وہ اگر دوسو درہم کے بقدر ہو، یا دوسرے مالِ زکاۃ کے ساتھ مل کر دوسو درہم کے بقدر ہو، تو حولانِ حول پر زکاۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

ذهب الصاحبان إلى أن الديون كلها نوع واحد، فكلما قبض شيئا منها زكاه إن كان الدين نصابا أو بلغ بضمه إلى ما عنده نصابا.

وذهب أبو حنيفة إلى أن الدين ثلاثة أقسام :الأول :الدين القوى :وهو ما كان بدل مال زكوى، كقرض نقد، أو ثمن مال سائمة، أو عرض تجارة .فهذا كلما قبض شيئا منه زكاه ولو قليلا (مع ملاحظة مذهبه فى الوقص فى الذهب والفضة، فلا زكاة فى المقبوض من دين دراهم مثلا إلا إذا بلغت ۴۰ درهما ويكون فيها درهم) وحوله حول أصله، لأن أصله زكوى فيبنى على حول أصله رواية واحدة.الثانى :الدين الضعيف :وهو ما لم يكن ثمن مبيع ولا بدلا لقرض نقد، ومثاله المهر والدية وبدل الكتابة والخلع، فهذا متى قبض منه شيئا وكان عنده نصاب غيره قد انعقد حوله يزكيه معه كالمال المستفاد، وإن لم يكن عنده من غيره نصاب فإنه لا تجب فيه الزكاة إلا إذا قبض منه نصابا وحال عليه الحول عنده منذ قبضه، لأنه بقبضه أصبح مالا زكويا .الثالث :الدين المتوسط : وهو ما كان ثمن عرض قنية مما لا تجب فيه الزكاة، كثمن داره أو متاعه المستغرق بالحاجة الأصلية.ففى رواية، يعتبر مالا زكويا من حين باع ما باعه فتثبت فيه الزكاة لما مضى من الوقت، ولا يجب الأداء إلا بعد أن يتم ما يقبضه منه نصابا، وفى رواية أخرى :لا يبتدء حوله إلا من حين يقبض منه نصابا، لأنه حينئذ أصبح زكويا، فصار كالحادث ابتداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۰، مادة "زكاة")

زكاة الدين :المال البالغ نصاباً والذى هو دين لإنسان فى ذمة آخر، وحال عليه الحول، تجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... جو چیز دوسرے کو فروخت کی ہو اور اس کی قیمت یا اس کا کچھ حصہ تو پیشگی (یعنی ایڈوانس) وصول کرلیا، لیکن اس فروخت کی جانے والی چیز پر دوسرے کو قبضہ نہیں دیا، تو اس قبضہ کی ہوئی رقم یا قیمت کی زکاۃ بائع (یعنی فروخت کنندہ) کے ذمہ واجب ہوتی ہے، کیونکہ قیمت پر قبضہ کرنے سے اس پر ملکیت مکمل طور پر قائم ہوجاتی ہے (ملاحظہ ہو: اہم فقہی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ زكاته بشروط مفصلة في المذاهب. قال الحنفية: الدين عند الإمام أبي حنيفة ثلاثة أنواع: قوى، ومتوسط، وضعيف. فالقوى: هو بدل القرض ومال التجارة كثمن العروض التجارية، إذا كان على مقرٍّ به ولو مفلساً، أو على جاحد عليه بينة، تجب فيه الزكاة إذا قبضه، لما مضى من الأعوام، كلما قبض أربعين درهماً، ففيه درهم واحد؛ لأن مادون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه، وما زاد عن ذلك فزكاته بحسابه. والمتوسط: هو بدل ما ليس للتجارة أى ما ليس دين تجارة كثمن دار السكنى وثمن الثياب المحتاج إليها، لا يجب فيه الزكاة إلا إذا قبض منه نصاباً (مئتى درهم) فإن قبض مئتى درهم زكى لما مضى، ويعتبر الماضى من الحول من وقت لزومه لذمة المشترى، في صحيح الرواية. فالدين المتوسط مثل الدين القوى في حولان الحول عليه، فيعتبر حوله من وقت التزام المدين به، لا من وقت القبض في الأصح. والضعيف: هو بدل ما ليس بمال، كالمهر والميراث والوصية وبدل الخلع والصلح عن دم العمد، والدية، فإن المهر ليس بدلاً عن مال أخذه الزوج من زوجته، وكذا بدل الخلع ليس بدلاً عن مال تدفعه الزوجة لزوجها. ومثله دين الوصية، والدية وبدل الصلح، والميراث. لا تجب فيه الزكاة مالم يقبض نصاباً ويحول عليه الحول بعد القبض. والخلاصة: أن الزكاة تجب في كل أنواع الدين المذكورة، لكن الأداء يكون عند القبض، قبض خُمُس النصاب في القوى، وقبض كامل النصاب في المتوسط والضعيف، وبما أن الدين الضعيف كسب جديد، فيجب حولان الحول. وقال الصاحبان: الديون كلها سواء، وكلها قوية، تجب الزكاة فيها قبل القبض إلا الدية على العاقلة (العصبة)، فإنه لا تجب الزكاة فيها أصلاً ما لم تقبض ويحول عليها الحول، لأن تلك الديون ما عدا الدية ملك لصاحبها، لكن لا يطالب بالأداء للحال، وإنما عند القبض (الفقه الاسلامی وادلتہٗ للزحیلی، ج۳، ص ۱۸۳۰، وص ۱۸۳۱، القسم الاول، الباب الرابع، الفصل الاول)

(و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك.

ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض في الأصح، ومثله ما لو ورث دينا على رجل (و) عند قبض (مائتين مع حولان الحول بعده) أى بعد القبض (من) دين ضعيف وهو (بدل غير مال) كمهر ودية وبدل كتابة وخلع، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف كما مر (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص ۳۰۵، الیٰ ۳۰۷، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال)

فیصلے ص۴۹، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء) لے

مسئلہ نمبر۷ ...... اگر کوئی سامان، تجارت کی غرض سے خرید لیا گیا، مگر ابھی تک اس مالِ تجارت پر خریدار یا اس کے نمائندہ کا قبضہ نہیں ہوا، تو بعض حنفیہ کے نزدیک اس مالِ تجارت پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار کے ذمہ گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، کیونکہ اس طرح کا سامان دوسرے پر دَینِ قوی ہوتا ہے، اور بعض حنفیہ کے نزدیک اس مالِ تجارت کی زکاۃ خریدار کے ذمہ واجب نہیں ہوتی، کیونکہ قبضہ سے پہلے خریدار کی ملکیت سودے پر مکمل نہیں ہوتی۔ ۲

لے زكاة الثمن في السلم على البائع (المسلم إليه) ويعتبر الحول من تاريخ قبضه الثمن، وأما المبيع (المسلم فيه) فزكاته قبل قبضه زكاة الديون، وبعد القبض يزكى زكاة عروض تجارة إذا كان للتجارة(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج١٠ ص ٧٩٦٦، القسم السادس ،الباب السادس)

زكاة الثمن المقبوض عن بضائع لم يجر تسليمها :إذا اشترى مالا بنصاب دراهم، أو أسلم نصابا في شيء فحال الحول قبل أن يقبض المشترى المبيع، أو يقبض المسلم فيه، والعقد باق لم يجر فسخه، قال الحنابلة :زكاة الثمن على البائع، لأن ملكه ثابت فيه .ثم لو فسخ العقد لتلف المبيع، أو تعذر المسلم فيه، وجب رد الثمن كاملا.وصرح الشافعية بما هو قريب من ذلك وهو أن البضاعة المشتراة إذا حال عليها الحول من حين لزوم العقد تجب زكاتها على المشترى وإن لم يقبضها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٢٤١،مادة "زكاة")

۲ جدید فقہی مسائل ج۱ص ۲۱۸، وج۲ص ۴۳، میں قبضہ سے پہلے مگر بیع کے بعد مالِ تجارت کی مشتری پر مطلقاً عدمِ وجوبِ زکاۃ کا حکم مذکور ہے، اور فقہی مقالات، جلد۳ صفحہ۱۶۹، تاریخ اشاعت: جنوری 1999ء، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، میں مطلقاً وجوبِ زکاۃ کا حکم مذکور ہے، اور اس کی بظاہر وجہ اس سلسلہ میں حنفیہ کے دو قسم کے اقوال ہیں، چنانچہ بعض حنفیہ نے قبضہ سے پہلے مشتری کے ملکِ تام یا ملکِ مطلق نہ ہونے کی وجہ سے عدمِ وجوب کا حکم لگایا ہے، جبکہ بعض نے بیع مکمل ہونے کے بعد اس کے نصاب اور دوسرے پر دَین ہونے کی وجہ سے قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکاۃ کے وجوب کا حکم لگایا ہے، اور اس کو اصح یا صحیح قرار دیا ہے، اور عدمِ وجوبِ زکاۃ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبضہ اور وصولی سے پہلے زکاۃ کا ادا کرنا واجب نہیں۔

فالقوى :هو بدل القرض ومال التجارة كثمن العروض التجارية، إذا كان على مقرٍّ به ولو مفلساً، أو على جاحد عليه بينة، تجب فيه الزكاة إذا قبضه، لما مضى من الأعوام، كلما قبض أربعين درهماً، ففيه درهم واحد؛ لأن مادون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه، وما زاد عن ذلك فزكاته بحسابه(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج٣، ص ١٨٣٠، الباب الرابع، الفصل الاول)

ولا فيما اشتراه لتجارة قبل قبضه(الدر المختار)

(قوله قبل قبضه) أما بعده فيزكيه عما مضى كما فهمه في البحر ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲...... اگر کسی نے قابلِ زکاۃ مال مثلاً زیور دوسرے کے پاس رہن رکھوا کر قرض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ من عبارة المحيط فراجعه، لكن فى الخانية :رجل له سائمة اشتراها رجل للسيامة ولم يقبضها حتى حال الحول ثم قبضها لا زكاة على المشترى فيما مضى لأنها كانت مضمونة على البائع بالثمن .اهـ .ومقتضى التعليل عدم الفرق بين ما اشتراها للسيامة أو للتجارة فتأمل(ردالمحتار، ج٢ص٢٦٣، كتاب الزكاة)

واما المشترى قبل القبض فقد قال مشائخ العراق انه لايكون نصابا قبل القبض عندهم جميعا، وفى المنتقىٰ :انه لايكون نصابا قبل القبض من غير ذكر الخلاف،على مايأتى فى آخر الفصل ان شاء الله تعالىٰ ، قال غيرهم من المشائخ:هو على الخلاف الذى ذكرنا فى الثمن ، قال بعضهم هو نصاب قبل القبض بلاخلاف (الفتاوىٰ التتارخانية، ج٢ص٣٠٣، كتاب الزكاة، الفصل الثالث عشر فى زكاة الديون)

وقدمنا أن المبيع قبل القبض لا تجب زكاته على المشترى وذكر فى المحيط فى بيان أقسام الدين أن المبيع قبل القبض، قيل :لا يكون نصابا؛ لأن الملك فيه ناقص بافتقاد اليد، والصحيح أنه يكون نصابا؛ لأنه عوض عن مال كانت يده ثابتة عليه، وقد أمكنه احتواء اليد على العوض فتعتبر يده باقية على النصاب باعتبار التمكن شرعا اهـ فعلى هذا قولهم :لا تجب الزكاة معناه قبل قبضه ،وأما بعد قبضه فتجب زكاته فيما مضى كالدين القوى(البحر الرائق،ج٢،ص٢٢٥، كتاب الزكاة)

(قوله ملكا تاما) يحترز عن ملك المكاتب والمديون والمبيع قبل القبض لأن الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كملك المبيع قبل القبض والصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكاة(الجوهرة النيرة،ج١،ص١١٤،كتاب الزكاة)

الحاصل أن بالعقد يحصل أصل الملك، وتمام ما هو المقصود لا يحصل إلا بالقبض، وصيرورته نصاب الزكاة ينبنى على تمام المقصود لا على حصول أصل الملك بخلاف التصرف فإن نفوذه ينبنى على ثبوت أصل الملك، وقد روى عن أبى يوسف -رحمه الله تعالى -فى المبيع قبل القبض أنه لا يكون نصاب الزكاة؛ لأن الملك فيه غير تام حتى لا يملك التصرف فيه(المبسوط،للسرخسى ،ج٢،ص١٦٨،كتاب الزكاة)

قوله" :ملكا تاما "، احترازا عن البيع قبل القبض حيث لا زكاة فيه؛ لأن ملكه لم يتم، ولهذا لا يجوز تصرفه فيه، والملك :عبارة عن مطلق التصرف فيكون الملك فيه ناقصا، فلا يلزم عليه مال ابن السبيل؛ لأن يده ثابتة(البناية شرح الهداية، ج٣ص٢٨٩، كتاب الزكاة، حكم الزكاة وشروط وجوبها)

ولو تزوجها على خمس من الإبل السائمة أو عرض التجارة بعينها لا تجب فيها الزكاة فى قول أبى حنيفة الثانى حتى تقبضها ويحول عليها الحول بعد قبضها؛ لأنها بدل ما لا تجب فيه الزكاة كالدية وبدل الكتابة قال أبو نصر فى شرح القدورى وكالمبيع قبل القبض، وفى الحاوى المبيع قبل القبض لا تجب فيه الزكاة، وفى قياس قول أبى حنيفة كالمهر قال الفقيه أبو الليث هو قول الكل لأن المشترى لا يملك التصرف فى المبيع قبل قبضه بخلاف المهر، وفى الجامع المبيع قبل القبض نصاب عندهما وكذا عند أبى حنيفة على الأصح، وفى المحيط والصحيح أنه نصاب؛ لأنه بدل مال بخلاف المهر؛ لأنه بدل ما ليس بمال.اهـ.غاية(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق،ج١،ص٢٥٧، كتاب الزكاة)

لیا، اور پھر قرض ادا کر کے وہ رہن واپس لے لیا، تو بعض حضرات کے نزدیک اس رہن رکھے ہوئے زیور کی زکاۃ اس عرصہ کی کسی پر واجب نہیں ہوگی، جتنے عرصہ تک وہ دوسرے کے پاس رہن رکھا رہا، جبکہ بعض کے نزدیک رہن کی وہ چیز ملنے کے بعد مالک پر گزشتہ عرصہ کی زکاۃ واجب ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ ایسا قرض ودَین تھا، جس کے واپس ملنے کی امید تھی، اور اس کی زکاۃ بھی واجب تھی، پھر اس مال کے مالک یعنی قرض خواہ نے اس مدیون ومقروض کو معاف کر دیا، تو بہت سے حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاۃ بھی ساقط ہو جائے گی، خواہ وہ زکاۃ ساقط ہونے کی نیت سے اپنا وہ دین وقرض معاف کرے، یا کسی اور وجہ سے معاف

---

[1] جہاں تک اس قرض کی زکاۃ کا تعلق ہے، جو قرض دہندہ نے رہن اپنے پاس رکھ کر دوسرے کو دیا ہے، تو یہ دینِ قوی میں داخل ہے، جس کے وصول ہونے کے بعد اس کے ذمہ گزشتہ عرصہ کی زکاۃ واجب ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

ولا فی مرهون بعد قبضه(الدرالمختار)

(قوله :ولا فی مرهون) أی لا علی المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا علی الراهن لعدم اليد، وإذا استرده الراهن لا يزكی عن السنين الماضية، وهو معنی قول الشارح بعد قبضه، ويدل عليه قول البحر ومن موانع الوجوب الرهن ح وظاهره ولو كان الرهن أزيد من الدين ط.

قلت :لكن أرجع شيخ مشايخنا السائحانی الضمير فی قول الشارح بعد قبضه إلی المرتهن كما رأيته بخطه فی هامش نسخته، ويؤيده أن عبارة البحر هكذا :ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان فی يد المرتهن لعدم ملك اليد اهـ وليس فيها ما يدل علی أنه لا يزكيه بعد الاسترداد، لكن قال فی الخانية :السائمة إذا غصبها ومنعها عن المالك وهو مقر ثم ردها عليه لا زكاة علی المالك فيما مضی، وكذا لو رهنها بألف وله مائة ألف فحال الحول علی الرهن فی يد المرتهن يزكی الراهن ما عنده من المال إلا ألف الدين، ولا زكاة فی غنم الرهن لأنها كانت مضمونة بالدين فرق بين الدراهم المغصوبة والسائمة فإنه يزكی الدراهم إذا قبضها دون السائمة ولو الغاصب مقرا .اهـ .وظاهره أنه لا فرق بين السائمة والدراهم فليتأمل(ردالمحتار، ج۲ص۲۶۳، كتاب الزكاة)

(قوله وظاهره أنه لا فرق الخ) فان ما ذكره من العلة دال علی ان الدارهم الرهن لاتجب زكاتها بعد الاسترداد (تقريرات الرافعی علی حاشية ابنِ عابدين، ص۱۲۷، كتاب الزكاة، مشمولة: ردالمحتار، ج۲)

ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان فی يد المرتهن لعدم ملك اليد بخلاف العشر حيث يجب فيه كذا فی العناية(البحرالرائق، ج۲ص۲۱۸، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

العين كانت محبوسة عند الحق المرتهن فإذا، وصلت يده إليه أدی الزكاة لما مضی، وليس عليه فی الألف زكاة؛ لأنه كان عليه مثلها دينا، والمستغرق بالدين لا يكون نصاب الزكاة(المبسوط للسرخسی، ج۲۱ص۱۲۲، كتاب الرهن، باب رهن الفضة بالفضة والكيل والوزن)

کرے، اور اگر پورا قرض و دین معاف نہیں کیا، بلکہ کچھ حصہ معاف کر دیا، تو جتنا حصہ معاف کیا، صرف اتنے حصہ کی زکاۃ ساقط ہو جائے گی۔ [1]

اور بعض حنفی مشائخ نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر قرض خواہ نے مقروض کو زکاۃ کا سال پورا ہونے (یعنی زکاۃ کی تاریخ آنے) سے پہلے ہی معاف کر دیا تو اس کی زکاۃ واجب نہیں۔

اور اگر سال پورا ہونے (یعنی زکاۃ کی تاریخ آنے) کے بعد معاف کیا (جبکہ اس کی زکاۃ اپنے اوپر واجب ہو چکی تھی) تو دیکھا جائے گا کہ جس کو قرض معاف کیا، وہ مالدار ہے یا غریب مستحق زکاۃ؟

اگر وہ مالدار ہے تو اس کی زکاۃ واجب ہو گی، اور معاف نہیں ہو گی (البتہ اس صورت میں آئندہ اس قرض کی زکاۃ واجب نہ ہو گی)

اور اگر وہ غریب زکاۃ کا مستحق ہے، تو پھر اس سال کی زکاۃ معاف ہو جائے گی (لان فی الصورۃ الاول صار استھلاکا ،وفی الصورۃ الثانیۃ ھلاکا) [2]

---

[1] ثم اعلم أن هذا كله فيما إذا لم يبرء صاحب الدين منه أما إذا أبرأ المديون منه بعد الحول فإنه لا زكاة عليه فيه سواء كان ثمن مبيع أو قرضا أو غير ذلك، صرح به قاضي خان في فتاويه لكن قيده في المحيط بكون المديون معسرا أما لو كان موسرا فهو استهلاك، وهو تقييد حسن يجب حفظه، وذكر في القنية أن فيه روايتين (البحرالرائق، ج۲، ص۲۲۵، كتاب الزكاة)

رجل له على رجل ألف درهم فحال الحول عليه ثم أبرأ المديون من الدين سقطت عنه الزكاة وكذلك رجل له ألف فحال عليه الحول فاستهلكها رجل ثم إن صاحب الألف أبرأ المستهلك سقطت عنه الزكاة وكذلك رجل أقرض ألفها رجلاً بعدما حال الحول ثم أبرأ المستقرض عن القرض سقطت عنه الزكاة وكذلك رجل عنده متاع للتجارة وحال عليه الحول فباعه من رجل ثم أبرأ المشترى عن الثمن سقطت عنه الزكاة لأن من عليه الزكاة له أن يبيع ماله بمال الزكاة ويقرضه بعد الحول إذا صار مال الزكاة ديناً (فتاویٰ قاضی خان، ج۱، ص۱۸۰، كتاب الزكاة)

ولو كان له دين على فقير فأبرأه عنه سقط عنه زكاته نوى به عن الزكاة أو لا؛ لأنه كالهلاك، ولو أبرأه عن البعض سقط زكاة ذلك البعض لما قلنا وزكاة الباقي لا تسقط، ولو نوى به إلا الأداء عن الباقي كذا في التبيين(الفتاوى الهندية، ج۱،ص۱۷۱،كتاب الزكاة ،الباب الأول)

[2] ولو أبرأ رب الدين المديون بعد الحول فلا زكاة سواء كان الدين قويا أو لا خانية، وقيده في المحيط بالمعسر .أما الموسر فهو استهلاك فليحفظ بحر قال في النهر :وهذا ظاهر في أنه تقييد للإطلاق وهو غير صحيح في الضعيف كما لا يخفى (الدر المختار) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹......جس مال پر جس فرد کی ملکیت قائم ہو، زکاۃ اسی پر واجب ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ جو مال مرد کی ملکیت ہے، اس مال کی زکاۃ مرد کے ذمہ ہے، اور جس مال کی عورت مالک ہے، اس کی زکاۃ عورت کے ذمہ ہے، اور جس مال کے والدین مالک ہیں، اس مال کی زکاۃ ان کے ذمہ ہے، اور جس مال کی بالغ اولاد مالک ہے، اس مال کی زکاۃ اسی اولاد کے ذمہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾(قوله :وقيده) أى قيد عدم الزكاة فيما إذا أبرأ الدائن المديون ط (قوله: بالمعسر) أى بالمديون المعسر فكان الإبراء بمنزلة الهلاک ط.

(قوله :فهو استهلاک) أى فتجب زكاته ط .(قوله :وهذا ظاهر إلخ) أى قوله البحر، وقيده إلخ ظاهر فى أن مراده أنه تقييد للإطلاق المذكور فى قوله سواء كان الدين قويا أو لا الشامل لأقسام الدين الثلاثة :أى أن سقوط الزكاة بإبراء الموسر عنه بعد الحول فى الديون الثلاثة مقيد بالمعسر احترازا عن الموسر، فإن المديون إذا كان موسرا أو

أبرأه الدائن لا تسقط الزكاة؛ لأنه استهلاک، وهذا غير صحيح فى الدين الضعيف؛ لأنه لا تجب زكاته إلا بعد قبض نصاب وحولان الحول عليه بعد القبض فقبله لا تجب، فيكون إبراؤه استهلاكا قبل الوجوب فلا يضمن زكاته ومثله الدين المتوسط على ما قدمناه من تصحيح البدائع وغاية البيان .وكان الأوضح فى التعبير أن يقول وهذا ظاهر فى أن إبراء المديون الموسر استهلاک مطلقا وهو غير صحيح إلخ.ثم إن عبارة المحيط لا غبار عليها؛ لأنها فى الدين القوى.

ونصها ولو باع عرض التجارة بعد الحول بالدراهم ثم أبرأه من ثمنه والمشترى موسر يضمن الزكاة؛ لأنه صار مستهلكا، وإن كان معسرا أو لا يدرى فلا زكاة عليه؛ لأنه صار دينا عليه وهو فقير فصار كأنه وهبه منه، ولو وهب الدين ممن عليه وهو فقير تسقط عنه زكاة .اهـ.

وفيه ولو كان له ألف على معسر فاشترى منه بها دينارا ثم وهبه منه فعليه زكاة لألف؛ لأنه صار قابضا لها بالدينار(ردالمحتار، ج۲، ص۳۰۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

[1] دلہن کو جو زیور مہر میں حاصل ہوتا ہے، اس کی وہ مالک ہوتی ہے، اور جو زیور مہر کے علاوہ ہوتا ہے، اس میں دینے والوں کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، کہ دینے والوں نے کس کو مالک بنانے کی نیت سے دیا ہے؟

اگر دینے والوں نے دیتے وقت ملکیت کی وضاحت کردی کہ یہ کس کی ملکیت ہے؟ آیا شوہر کی یا بیوی کی تب تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، اور اگر وضاحت نہیں کی، تو پھر اس کا دارومدار عرف ورواج پر ہوگا۔

کہ عرف ورواج میں اس طرح دینے کو کس کی ملکیت سمجھا جاتا ہے؟

ہمارے عرف ورواج میں مہر کے علاوہ جو زیور دلہا یا اس کے رشتہ داروں کی طرف سے عورت کو دیا جاتا ہے، اس کا مالک شوہر کہلاتا ہے، اور جو زیور عورت کے والدین وغیرہ کی طرف سے دیا جاتا ہے، اس کا عورت کو مالک سمجھا جاتا ہے۔

تو ایسے عرف ورواج میں زکاۃ واجب ہونے کا حکم بھی مالک ہونے کی حیثیت سے مذکورہ تفصیل کے مطابق ہوگا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰ ...... اگر کسی شخص کی اولاد کمائی یا محنت مزدوری کر کے رقم اپنے والد یا والدہ کو دے دیتی ہے، تو وہ اگر والد یا والدہ کو اس رقم کا مالک بنا کر دے، تو اس کی زکاۃ والد یا والدہ پر ہی ہوگی، جس کو بھی مالک بنا کر یہ رقم دی ہے، اور اگر مالک بنا کر نہیں دی، بلکہ ان کے پاس امانتاً جمع کرائی ہے، تو پھر اس کی مالک وہ اولاد ہی ہے، اور اس کی زکاۃ اسی پر واجب ہے، کیونکہ زکاۃ، مال کے مالک پر واجب ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱ ...... بعض خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ ان کے مملوکہ مال (اور زیور وغیرہ) کی زکاۃ ان کے شوہروں کے ذمہ ہے اور اگر ان کے شوہر ان کی طرف سے ادا نہ کریں تو وہ خود بھی اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتیں۔

اور اس صورتِ حال کے نتیجہ میں نہ عورت اپنے مال کی زکاۃ ادا کرتی، اور نہ ہی اس کی طرف سے شوہر زکاۃ ادا کرتا۔

جب کہ عورت کے مملوکہ مال کی زکاۃ شوہر پر لازم نہیں، بلکہ خود اس عورت پر ادا کرنا لازم ہے، خواہ اس کے لئے زیور وغیرہ کیوں نہ بیچنا پڑے۔

البتہ اگر کسی عورت کا شوہر اپنی رقم سے بیوی کی طرف سے زکاۃ ادا کر دے تو جائز ہے (جبکہ بیوی کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہو، جیسا کہ قربانی کا مسئلہ ہے) [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البتہ اگر شوہر یا والدین عورت کے زیور کی زکاۃ اس کی اجازت سے ادا کر دیں تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، جس کا ذکر آگے زکاۃ کی ادائیگی کے احکام میں آ رہا ہے۔

اسی طرح مشترکہ کاروبار اور گھر داری میں بھی دیکھا جائے گا کہ مال کس کی ملکیت ہے؟

اگر ایک سے زیادہ افراد کی ملکیت ہو تو ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار کر کے اس کے صاحبِ نصاب ہونے کو دیکھا جائے گا، جو جو بھی صاحبِ نصاب ہوگا، وہ اپنے اپنے حصہ کے بقدر زکاۃ ادا کرے گا۔

[۱] ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم .وعن الثاني أنه يجوز استحسانا بلا إذنهم بزازية .قال في الذخيرة :ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبو يوسف مستحسن (رد المحتار على الدر المختار، ج۶ ص ۳۱۵، كتاب الأضحية)

بعض خواتین یہ عذر کیا کرتی ہیں کہ وہ خود سے مال نہیں کماتیں، اس لئے ان کے مال کی زکاۃ خود ان کے ذمہ ادا کرنا لازم نہیں۔

مگر ان کا یہ عذر شرعاً قابلِ قبول نہیں، کیونکہ جس پر زکاۃ فرض ہو، اس کا کمائی کرنا ضروری نہیں، اگر کوئی مرد بھی صاحبِ نصاب ہو اور وہ مال نہ کماتا ہو، تو اس پر بھی زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، پس اسی طرح عورتوں پر بھی اپنے مال کی زکاۃ واجب ہے۔

پھر شریعت نے زیور وغیرہ میں زکاۃ واجب ہونے کے بعد اس کی زکاۃ ادا کرنے کے لئے الگ سے کسی اور مال کے ہونے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ جس مال میں زکاۃ واجب ہے، اس کے ہونے کو ہی کافی سمجھا ہے، کیونکہ دراصل زکاۃ اس ہی مال کے ڈھائی فیصد حصہ میں لازم ہوتی ہے، اسے چاہئے کہ جس مال میں زکاۃ واجب ہوئی ہے، اسی کا ڈھائی فیصد حصہ زکاۃ میں ادا کرے، البتہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک کسی دوسرے مال سے زکاۃ ادا کرنے کی آسانی بھی موجود ہے، لہٰذا زیور وغیرہ کی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے الگ سے کسی مال کے ہونے کو ضروری سمجھنا غلط ہے۔

پھر اگر موجودہ زمانہ کی خواتین کی حالت پر غور کیا جائے تو ان کا یہ عذر لنگ زکاۃ وغیرہ کے بارے میں ہی سامنے آتا ہے، اور اس کے علاوہ جو اپنی خواہشات اور ذاتی، دنیاوی مقاصد ہوتے ہیں، ان میں خرچ کرنے کے لئے بھی تو وہ کسی نہ کسی طرح سے انتظام کرتی ہی ہیں۔

چنانچہ اپنی من پسند کا لباس، جوتے، اور زیورات کا بھی تو مال ہی سے انتظام ہوتا ہے، پس اگر ان کے دلوں میں زکاۃ کے فریضے کی اہمیت ہو، تو وہ اپنی دوسری ضروریات کی طرح اس کی ادائیگی کا بھی یقیناً انتظام کرسکتی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۲...... زکاۃ فرض ہونے کے لئے قابلِ زکاۃ مال کو خود اپنی کمائی (مثلاً تجارت یا ملازمت) کر کے حاصل کرنا ضروری نہیں، بلکہ قابلِ زکاۃ مال کسی بھی طریقہ سے کامل ملکیت میں داخل ہو جائے (مثلاً سونا، چاندی یا روپیہ، پیسہ، ہدیہ، صدقہ یا میراث میں حاصل

ہوجائے) اس پر بھی دیگر شرائط پائے جانے کے بعد زکاۃ فرض ہوتی ہے، البتہ کسی سامان کے تجارت کا مال بننے کے لئے مخصوص طریقہ پر (یعنی خرید کر یا کوئی معاملہ کر کے) ملکیت میں آنا ضروری ہے، جس کی وضاحت تجارت کے مال کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۳...... جو مال اپنی جائز ملکیت میں ہے، اور اس پر ملکیت بھی مکمل قائم ہے، اس کی زکاۃ بہر حال واجب ہوتی ہے، خواہ وہ مال ظاہری اعتبار سے اپنے پاس نہ ہو۔

چنانچہ جو زیور یا رقم دوسرے کے پاس امانت رکھوائی ہوئی ہو، یا بینک وغیرہ میں جمع کرائی ہوئی ہو، اس کی زکاۃ بھی مال کے مالک پر واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر۱۴...... نقد پذیر مالی دستاویزات جیسے ڈرافٹ، چیک، بل آف ایکس چینج، بچت سرٹیفکیٹ، انعامی بانڈ (Bond) وغیرہ کی شکل میں جو جو مال اپنی مکمل ملکیت ہوں، ان کی زکاۃ بھی واجب ہے۔

یہ حکم زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے ہے، ورنہ انعامی بانڈ پر ملنے والی انعام کے نام سے رقم اور قومی بچت اسکیم کا بونس وغیرہ، جائز معاملات میں داخل نہیں (فتاویٰ دار العلوم، ج۶، ص۱۳۷، فتاویٰ عثمانی، ج۲، ص۵۲، جدید فقہی مسائل، ج۲، ص۶۸)

اور اسی طرح شیئرز (Shares) کی زکاۃ بھی واجب ہے۔ ۲؎

۱؎ والملک التام الذی یکمل جمیع آثار الملک، واحترز به عن مال المدیون، والمکاتب، ومال الضمان، وبدل الخلع، والمهر قبل القبض (البنایة شرح الهدایة، ج۳ص ۲۸۹، کتاب الزکاة، حکم الزکاة وشروط وجوبها)

۲؎ والسندات جمع سند، والسند تعهد مکتوب بمبلغ من الدین (القرض) لحامله فی تاریخ معین، نظیر فائدة مقدرة .والسهم :النصیب فی رأس المال.

والسهم یمثل جزءاً من رأس مال الشرکة، وصاحبه مساهم، والسند یمثل جزءاً من قرض علی شرکة أو دولة، وحامله مقرض أو دائن.

والتعامل بالأسهم جائز شرعاً، أما التعامل بالسندات فحرام لاشتمالها علی الفائدة الربویة.

وبالرغم من تحریم السندات، فإنه تجب زکاتها، لأنها تمثل دیناً لصاحبها، وتؤدی زکاتها عن کل عام، عملاً برأی جمهور الفقهاء غیر المالکیة، لأن الدین المرجو (وهو ما کان علی مقر موسر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر کسی نے کسی چیز کی اجرت یا مزدوری پیشگی (وایڈوانس) وصول کرلی، مثلاً اپنی کسی دوکان یا مکان کو کرایہ پر دیا، اوراس کا پیشگی (وایڈوانس) کرایہ وصول کرلیا، یا کسی کا کوئی کام کرنے کا معاملہ طے کرکے اس کام کی مزدوری پیشگی وصول کرلی، تو اس طرح کی اجرت یا مزدوری میں وصول کردہ رقم کی زکاۃ واجب ہونے کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاۃ پیشگی وصول کرنے والے پرواجب ہوتی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک دینے والے پرواجب ہوتی ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجب زكاته في كل عام .وأما سندات الاستثمار فالأولى أن تزكى كزكاة النقود أي بنسبة(2.5%) من قيمتها.

وأما الأسهم :فتجب زكاتها أيضاً بحسب قيمتها الحقيقية في البيع والشراء ، كزكاة العروض التجارية، أي تؤدى زكاتها على رأس المال مع أرباحها في نهاية العام بنسبة (2.5%في المئة) إذا كان الأصل والربح نصاباً أو يكمل مع مال مالكها نصاباً، ويعفى الحد الأدنى للمعيشة إذا لم يكن لصاحب الأسهم مورد رزق آخر سواها، كأرملة ويتيم ونحوهما .هذا في الشركات التجارية، أما في الشركات الصناعية كشركات السكر والنفط ونحوها كالمطابع والمصانع، فتقدر الأسهم بقيمتها الحالية مع حسم قيمة المباني والآلات وأدوات الإنتاج.

والخلاصة :أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي (2.5%)من قيمتها مع ربحها في نهاية كل عام، على ما لكها الذي حال عليه الحول بعد تملكها .أو تؤدى الزكاة جملة واحدة عن غلة الشركة وإيرادها بمقدار العشر من صافي الأرباح قياساً على نصاب الزروع والثمار، باعتبار أن أموال الشركة نامية بالصناعة ونحوها .ففي الحالة الأولى نعتبر صاحب الأسهم له وصف التاجر، وفي الحالة الثانية نعتبر الشركة لها وصف المنتج (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص۱۸۳۵ ، ۱۸۳۶ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الخامس)

۱ جبکہ بعض حضرات نے احتیاطاً دونوں پرواجب ہونے کا حکم لگایا ہے، اور بعض نے مدار، عرف پر رکھا ہے، اور فرمایا کہ اگر عرف میں معاملہ فسخ ہونے کے باوجود بھی اس پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی کا حکم نہ ہوتا ہو، تو اس کی زکاۃ اجرت لینے والے پرواجب ہوگی، ورنہ اجرت دینے والے پرواجب ہوگی، جو کہ معقول قول ہے۔ واللہ اعلم۔

الأجور المقبوضة سلفا :مذهب الحنابلة، ونقله الكاساني عن محمد بن الفضل البخاري الحنفي، وهو قول عند الشافعية :إن الأجرة المعجلة لسنين إذا حال عليها الحول تجب على المؤجر زكاتها كلها، لأنه يملكها ملكا تاما من حين العقد .بدليل جواز تصرفه فيها، وإن كان ربما يلحقه دين بعد الحول بالفسخ الطارء .وعند المالكية لا زكاة على المؤجر فيما قبضه مقدما إلا بتمام ملكه، فلو آجر نفسه ثلاث سنين بستين دينارا، كل سنة بعشرين، وقبض الستين معجلة ولا شيء له غيرها،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پیشگی یعنی ایڈوانس لی گئی تنخواہ بھی چونکہ اجرت کا حکم رکھتی ہے، اس لئے اگر کوئی ملازم کچھ مہینوں کی تنخواہ ایڈوانس وصول کرلے، جبکہ ابھی وہ مہینے آئے ہی نہیں، جن میں اس نے اس لی ہوئی تنخواہ کے عوض کام کرنا ہے، تو اس کا حکم بھی گزشتہ تفصیل کے مطابق اجرت ہی کا ہوگا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا مر على ذلک حول فلا زكاة عليه، لأن العشرين التي هي أجرة السنة الأولى لم يتحقق ملكه لها إلا بانقضائها، لأنها كانت عنده بمثابة الوديعة، فلم يملكها حولا كاملا، فإذا مر الحول الثاني زكى عشرين، وإذا مر الثالث زكى أربعين إلا ما أنقصته الزكاة، فإذا مر الرابع زكى الجميع.

وفي قول عند المالكية وهو الأظهر للشافعية :لا تجب إلا زكاة ما استقر، لأن ما لم يستقر معرض للسقوط، فتجب زكاة العشرين الأولى بتمام الحول الأول، لأن الغيب كشف أنه ملكها من أول الحول .وإذا تم الحول الثاني فعليه زكاة عشرين لسنة وهي التي زكاها في آخر السنة الأولى، وزكاة عشرين لسنتين، وهي التي استقر عليها ملكه الآن، وهكذا .(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۰، و ۲۴۱، مادة "زكاة")

زكاة المعجلة على الأجر لتملكه بالقبض وعند الانفساخ لا يلزمه ردّ عين المقبوض بل يرد مثله وكأنه دين حادث بعد الحلول *وعلى المستأجر زكاة المؤجلة في السنين التي الأجرة بيده لأنه دين في العرف فلا يزول الواجب فيه قبل القضاء وذكر السيد أبو شجاع رحمه الله أنه لا يجب على المستأجر والاحتياط أن يزكى كل واحد(الفتاوىٰ البزازية، ج ا ص ۳۹، كتاب الزكاة)

وذكر الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل البخاري في الإجارة الطويلة التي تعارفها أهل بخارى أن الزكاة في الأجرة المعجلة تجب على الآجر؛ لأنه ملكه قبل الفسخ، وإن كان يلحقه دين بعد الحول بالفسخ .وقال بعض مشايخنا :إنه يجب على المستأجر أيضا؛ لأنه يعد ذلک مالا موضوعا عند الآجر، وقالوا في البيع الذي اعتاده أهل سمرقند وهو بيع الوفاء :إن الزكاة على البائع في ثمنه إن بقي حولا؛ لأنه ملكه، وبعض مشايخنا قالوا :يجب أن يلزم المشتري أيضا؛ لأنه يعده مالا موضوعا عند البائع فيؤاخذ بما عنده، وقالوا فيمن ضمن الدرک فاستحق المبيع :إنه إن كان في الحول يمنع لأن المانع قارن الموجب فيمنع الوجوب فأما إذا استحق بعد الحول لا يسقط الزكاة؛ لأنه دين حادث؛ لأن الوجوب مقتصر على حالة الاستحقاق، وإن كان الضمان سببا حتى اعتبر من جميع المال، وإذا اقتصر وجوب الدين لم يمنع وجوب الزكاة قبله(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۶،۷، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

ل وأما زكاة الأجرة المعجلة عن سنين في الإجارة الطويلة التي يفعلها بعض الناس عقودا ويشترطون الخيار ثلاثة أيام في رأس كل شهر فتجب على الآجر لأنه ملكها بالقبض وعند الانفساخ لا يجب عليه رد عين المقبوض بل قدره فكان كدين لحقه بعد الحول .وقال الشيخ الإمام الزاهد على بن محمد البزدوي ومجد الأئمة السرخكتي :يجب على المستأجر أيضا لأن الناس يعدون مال هذه الإجارة دينا على الآجر، وفي بيع الوفاء يجب زكاة الثمن على البائع، وعلى قول الزاهد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ جو اجرت ومزدوری یا تنخواہ ابھی تک وصول نہیں ہوئی، خواہ دوسرے کے ذمہ لازم ہو چکی ہو، تو وصول ہونے سے پہلے اس کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی، کیونکہ وصول ہونے سے پہلے اس پر ملکیت مکمل طور پر قائم نہیں ہوتی (جیسا کہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ کے مسئلہ میں ذکر آتا ہے) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والسرخكتي يجب على المشترى أيضا، وصرح السيد أبو شجاع بعدم الوجوب على المستأجر. وفي الخلاصة قال :الاحتياط أن يزكى كل منهما.وفي فتاوى قاضي خان استشكل قول السرخكتي بأنه لو اعتبر دينا عند الناس وهو اعتبار معتبر شرعا ينبغي أن لا تجب .على الآجر والبائع لأنه مشغول بالدين، ولا على المستأجر والمشترى أيضا لأنه وإن اعتبر دينا لهما فليس بمنتفع به لأنه لا يمكنه المطالبة قبل الفسخ ولا يملكه حقيقة فكان بمنزلة الدين على الجاحد، وثم لا يجب ما لم يحل الحول بعد القبض انتهى :يعني فيكون في معنى الضمار.وفي الكافي :لو استأجر دارا عشر سنين بألف وعجلها إلى المؤجر ثم لم يقبضها حتى انقضت العشر سنين ولا مال لهما سوى الألف كان على المؤجر في السنة الأولى زكاة تسعمائة لظهور الدين بمائة بسبب انفساخ الإجارة في حق تلك السنة، وفي السنة الثانية في ثمانمائة إلا قدر ما وجب من الزكاة في السنة الأولى وهو اثنان وعشرون ونصف، وهكذا في كل سنة تنقص عنه زكاة مائة وقدر ما وجب إلى أن يصير الباقي خالصا من دين الانفساخ أقل من مائتين.وأما المستأجر فإنما تجب عليه في السنة الثالثة زكاة ثلاثمائة لأنه ملك دينا على المؤجر في السنة الأولى مائة، وفي الثانية مائتين لم يحل حولها، وفي الثالثة حال حول المائتين، واستفاد مائة في آخر الحول فيضمها إلى النصاب، ثم تزيد زكاته في كل سنة مائة للانفساخ إذ به يملك مائة دينا فعليه في الرابعة زكاة أربعمائة وهلم جرا إلى العاشرة فعليه زكاة الألف فيها .ولو كانت الأجرة أمة للتجارة فحين عجلها للمؤجر نوى فيها التجارة والباقي بحاله لا زكاة على المؤجر لشيء فيها لاستحقاق تمام عين الأجرة، بخلاف الأولى لأن المستحق بالانفساخ مائة دينا في الذمة لا يتعين في المقبوض، وعلى المستأجر في السنة الثالثة زكاة ثلاثة أعشارها تزيد كل سنة عشرا ولا يخفى وجهه .ولو كان المسألة على القلب :أعني قبض المستأجر الدار ولم يعجل الأجرة فالمؤجر هنا كالمستأجر والمستأجر كالمؤجر فعلى المستأجر أن يزكى للسنة الأولى تسعمائة وللثانية بثمانمائة فتنقص في كل سنة مائة إلا زكاة ما مضى لأن الملك في الأجرة يثبت ساعة فساعة، والمؤجر يزكى في السنة الثالثة ثلاثمائة والرابعة أربعمائة إلا قدر زكاة ما مضى، ولو كانا تقابضا في الأجرة والدار فظاهر أنه لا زكاة على المستأجر لزوال ملكه بالتعجيل ولم تعد لعدم الانفساخ (قوله على هذا الاختلاف) عندنا لا فطرة عليه، وعنده عليه (فتح القدير، ج٢ص١٦٥، ١٦٦، كتاب الزكاة)

[1] قال صدر الشريعة في شرحه فان المستأجر اذا عجل الأجرة فالمعجل هو الأجرة الواجبة بمعنى ان لايكون له حق الاسترداد انتهى. وفي الفصل الثاني من اجارات المحيط البرهاني يجب أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۶...... آجکل زرِضمانت (Security Deposit) کے نام سے مختلف رقوم، اداروں یا اشخاص کی طرف سے اجارہ وکرایہ داری وغیرہ کے معاملات طے کیے جانے کے وقت جمع کرائی جاتی ہیں، اوران کی واپسی کا کوئی ایک لگا بندھا معیار مقرر نہیں ہوتا، اس سلسلے میں بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اگر واپس ملنے کی امید ہو، تو اس کی زکاۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب ہوگی، کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور بعض کے نزدیک کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی، جبکہ بعض حضرات اس رقم کو جمع کر کے رکھنے والے شخص پر زکاۃ کو واجب قرار دیتے ہیں، اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس کی زکاۃ کسی فریق پر بھی واجب نہیں ہوگی (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلے اسلامک فقہ اکیڈمی ہند، ص۵۰، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول دسمبر 1997ء، آپ کے مسائل اوران کا حل، ج۳ص۳۵۳)

مسئلہ نمبر۱۷...... سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے، اور سرکاری ملازمین کے نام سے وہ محکمہ اس رقم کو اپنی تحویل میں جمع رکھتا ہے اور اس پر کچھ اضافہ بھی کرتا رہتا ہے، تو اہلِ علم حضرات کی تحقیق کے مطابق اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے مکمل ملکیت قائم نہیں ہوتی، اس لئے ملازم پر، اس فنڈ کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

البتہ ملازم کو اس رقم کے ملنے کے بعد اس پر مکمل ملکیت قائم ہوجاتی ہے، اس لئے اس رقم کے وصول ہونے کے بعد زکاۃ کا سال پورا ہوتے وقت اگر یہ رقم موجود ہو تو اس کو اب زکاۃ کے حساب میں شمار کیا جائے گا (ملاحظہ ہو ضمیمہ رسالہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ اور سود کا مسئلہ، مجلس تحقیقِ مسائلِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يعلم أن الأجرة لاتملک بنفس العقد ولايجب ايفاؤها الابعد استيفاء المنفعة اذا لم يشترط التعجيل فى الأجرة سواء كانت الأجرة عينا أو دينا هٰكذا ذكر محمد فى الجامع وفى كتاب التحرى وذكر فى الاجارات أن الأجرة إذا كانت عينا لاتملک بنفس العقد واذا كانت دينا تملک بنفس العقد فتكون بمنزلة الدين المؤجل عامة المشائخ على أن الصحيح ماذكر فى الجامع وكتاب التحرى وبعضهم قالوا ما ذكر فى الاجارات قول محمد اولا وماذكر فى الجامع والتحرى قوله آخر انتهى (حاشية سعدى چلپى برهامش فتح القدير، جلد۸ صفحه ۱۰، كتاب الزكاة)

حاضرہ ص ۲۶ و ۲۷) [1]

اور مذکورہ حکم اس وقت ہے، جب کہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم متعلقہ محکمہ سے اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اور اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر متعلقہ محکمہ سے کسی شخص یا بینک، بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے خود یہ رقم اپنے قبضہ میں لے لی ہو، کیونکہ جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی ہو، وہ کمپنی اس ملازم کی وکیل ہوگئی اور اس کا قبضہ کرنا شرعاً ملازم کے قبضہ کرنے کے حکم میں ہوگیا، لہٰذا اس صورت میں جب سے یہ رقم اس شخص یا کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگی اس وقت سے ملازم کے حق میں اس پر زکاۃ کے احکام جاری ہوجائیں گے، اور ہر سال کی زکاۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی۔

اسی طرح اگر ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی ادارہ و کمپنی کو اس شرط پر دلوادی کہ وہ اسے تجارت میں لگائے اور ملازم اس کے نفع ونقصان میں شریک ہو تو جس وقت سے یہ رقم اس کمپنی کو منتقل ہوگی، اس وقت سے ملازم کے حق میں اس پر زکاۃ کے احکام جاری ہوجائیں گے، اور ہر سال کی زکاۃ ملازم پر ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی، اور جب اس پر نفع ملنا شروع ہوگا تو نفع پر بھی زکاہ کے احکام جاری ہوں گے (ایضاً رسالہ بالا ص ۲۷)

مسئلہ نمبر ۱۸...... بعض غیر سرکاری محکموں میں ملازمین کی تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے کاٹ کر ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دے دی جاتی ہے، جس میں ان ملازمین کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہوتی ہے، اس لئے اس کمپنی کا پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر قبضہ کرنا، دراصل ملازم کا قبضہ کرنا ہوتا ہے۔

اس لئے اس رقم پر ملازم کی ملکیت کامل قائم ہوجاتی ہے، اس لئے ہر سال زکاۃ کے حساب

---

[1] البتہ اس کے باوجود اگر کوئی تقوے پر عمل کرتے ہوئے گزشتہ سالوں کی بھی حساب کرکے زکاۃ ادا کردے تو یہ زیادہ احتیاط اور تقوے کی بات ہے، اگرچہ ایسا کرنا لازم نہیں (ملاحظہ ہو رسالہ بالا، ص ۱۸)

کے وقت اس رقم پر بھی زکاۃ واجب ہوگی (ایضاً ص ۲۷ رسالہ بالا، احسن الفتاوی ج ۴ ص ۲۷۰، کتاب الزکاۃ)

مسئلہ نمبر ۱۹...... اگر کسی شخص نے اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لیا تو وہ چونکہ اس کی اپنی رقم ہے، اور اس رقم کو قرض کے عنوان سے لینے کے بعد اس کی مکمل ملکیت قائم ہو چکی ہے، اس لئے زکاۃ ادا کرتے وقت اس رقم کو قرض میں شمار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس رقم کو زکاۃ کے حساب میں شامل کر کے زکاۃ ادا کی جائے گی (رسالہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ اور سود کا مسئلہ ص ۲۹ وفقہی مقالات ج ۳ ص ۲۷۰ بتغیر، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی)

مسئلہ نمبر ۲۰...... حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمین اور افسران کو ریٹائرڈ ہونے یا فوت ہونے کی صورت میں مختلف طرح کے فنڈز دیے جاتے ہیں، ان فنڈز میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، یا نہیں؟ اس بارے میں اصول وقواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ جو فنڈز ملازم کی ملکیت اور قبضے میں آجاتے ہوں، ان میں تو زکاۃ فرض ہوگی، اور جو فنڈز ملازم کی ملکیت میں نہ آتے ہوں، یا ملکیت میں آجاتے ہوں لیکن قبضے میں نہ آتے ہوں، تو ان میں زکاۃ فرض نہیں ہوگی، جیسا کہ پراویڈنٹ فنڈ، کا معاملہ ہے۔

اسی طرح بینوولنٹ فنڈ (بنولہ فنڈ) جو ہر ملازم کی تنخواہ سے جبراً کاٹا جاتا ہے، اور ملازم اس کو اپنی زندگی میں حاصل نہیں کرسکتا، چاہے ریٹائرڈ ہی کیوں نہ ہو جائے، اس فنڈ میں بھی زکاۃ لازم نہیں ہوتی۔

اور اسی طرح گریجویٹی فنڈ جو اگرچہ ملازم کی تنخواہ سے نہیں کاٹا جاتا، بلکہ پنشن کا ایک حصہ ہوتا ہے، اس میں بھی ملازم کی ملکیت وقبضہ نہ ہونے کی وجہ سے زکاۃ فرض نہیں ہوتی۔

گروپ انشورنس کی رقم ملازم کی تنخواہ سے جبراً کاٹی جاتی ہے، اور ملازم کے ریٹائرڈ ہونے کی صورت میں اس کی زندگی میں یہ رقم اسے ملتی ہے، اس رقم پر بھی وصولی سے پہلے زکاۃ لازم نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر ۲۱...... جس شخص کی ملکیت میں زکاۃ کے نصاب کے بقدر مال تو ہو، لیکن وہ اپنے

مال میں تصرف کرنے پر قادر نہ ہو، اوراس کو اپنے مال سے انتفاع حاصل کرنے کا اختیار نہ ہو، مثلاً وہ کسی جگہ محبوس اور قید میں ہو، یا وطن سے دور سفر میں ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس پر زکاۃ تو واجب ہوجاتی ہے، لیکن زکاۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوتی ہے، جب وہ زکاۃ ادا کرنے پر قادر ہوجائے۔ [1]

---

[1] وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن القدرة على الأداء ليست شرطا لوجوبها، لأن الزكاة عبادة مالية فيثبت وجوبها في الذمة مع عدم إمكان الأداء ، كثبوت الديون في ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۳۴۸، مادة "قدرة")

من كان مأسورا أو مسجونا قد حيل بينه وبين التصرف في ماله والانتفاع به، ذكر ابن قدامة أن ذلك لا يمنع وجوب الزكاة عليه، لأنه لو تصرف في ماله ببيع وهبة ونحوهما نفذ، وكذا لو وكل في ماله نفذت الوكالة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۸، ماده، زكاة)

(قوله وابن السبيل) وفي جوامع الفقه هو الغريب الذي ليس في يده شيء وإن كان له مال في بلده ومن له ديون على الناس ولا يقدر على أخذها لغيبتهم أو لعدم البينة أو لإعساره أو لتأجيله يحل له أخذها وقوله في الكتاب وهو في مكان لا شيء فيه وقول العتابي هو الغريب الذي ليس في يده شيء ليس نفي الشيء على إطلاقه أو عمومه بل المراد شيء لا يكفيه لرجوعه إلى وطنه يؤيده ما ذكره في قنية المنية ابن السبيل له ما يكفيه في معيشته وزاد يكفيه إلى وطنه لا يجوز دفع الزكاة إليه .اهـ. غاية(حاشية الشلبي على التبيين، ج ۱ ص ۲۹۸، كتاب الزكاة، باب المصرف)

(قوله وابن السبيل) هو المنقطع عن ماله لبعده عنه والسبيل الطريق فكل من يكون مسافرا يسمى ابن السبيل، وهو غني بمكانه حتى تجب الزكاة في ماله، ويؤمر بالأداء إذا وصلت إليه يده، وهو فقير يدا حتى تصرف إليه الصدقة في الحال لحاجته كذا في الكافي (البحرالرائق، ج ۲ ص ۲۶۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا حکم ملکیت میں موجود مال پر وجوبِ زکاۃ کا ہے، جہاں تک ایسے شخص کو زکاۃ لینے یا ایسے شخص کے زکاۃ کا مستحق ہونے کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو بقدرِ ضرورت زکاۃ کا لینا جائز ہے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی پر زکاۃ واجب ہو، تو وہ زکاۃ کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

بذاتِ خود مسافر ہونا اخذِ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں بلکہ اس کا محتاج اور مال پر قادر نہ ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو، مگر بقدرِ حاجت مال اس کے پاس موجود ہو، اس کے لئے اخذِ صدقہ جائز نہیں، معلوم ہوا کہ بذاتِ خود مسافر ہونا اخذِ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں، بلکہ اس کا ضرورت مند ہونا اصل سبب ہے، ورنہ مسافر ہونا بذاتِ خود اخذِ جوازِ صدقہ کو مستلزم ہوتا، لہٰذا غنی مسافر پر صدقۂ فطر واجب ہے اور ضرورت مند مسافر کے حق میں وجوبِ صدقہ وحرمتِ اخذِ صدقہ کے عدمِ اجتماع کا شبہ درست نہیں۔

بخلاف الزكاة، لأن الزكاة لا يتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمر وقتها فكان جميع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۲...... جو تجارت کا سامان کسی شخص کی اپنی ملکیت نہ ہو، بلکہ کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہو، اور یہ شخص مضاربت کے طور پر اس میں کام کر رہا ہو، اور اس تجارت میں کچھ نفع ہوا ہو، تو اصل رأس المال کی زکاۃ تو مال کے مالک پر واجب ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأوقات وقتا لأدائها، فإن لم يكن فى يده شىء للحال يؤديها إذا وصل إلى المال، وكذا تتأدى بكل مال فإيجابها عليه لا يوقعه فى الحرج، وكذلك صدقة الفطر لأنها تجب وجوبا موسعا كالزكاة، وهو الصحيح.وعند بعضهم وإن كانت تتوقف بيوم الفطر لكنها تتأدى بكل مال فلا يكون فى الوجوب عليه حرج (بدائع والصنائع ، ج۵ص۶۳،كتاب التضحية،فصل فى شرائط وجوب الاضحية)

وقال الكاكى :وعلى هذا الخلاف وجوب صدقة الفطر بسبب العبد الآبق والضال والمفقود والمغصوب إذا لم يكن للمالك بذلك بينة وحلف .وذكر التمرتاشي -رحمه الله -ولم يذكر وجوب الأضحية على قول أبى حنيفة -رضى الله عنه -وينبغى أن لا يجب، لأن نفس الملك لا يدفع إمكان الوصول، لا يكفى لوجوب الأضحية كما فى ابن السبيل بخلاف الزكاة، فإن الملك مع إمكان الوصول يكفى لوجوبها(البناية شرح الهداية، ج۳ص۳۰۸، ۳۰۹، كتاب الزكاة)

أما عند المالكية فإن كون الرجل مفقودا أو أسيرا يسقط الزكاة فى حقه من أمواله الباطنة، لأنه بذلك يكون مغلوبا على عدم التنمية فيكون ماله حينئذ كالمال الضائع، ولذا يزكيها إذا أطلق لسنة واحدة كالأموال الضائعة .وفى قول الأجهورى والزرقانى :لا زكاة عليه فيها أصلا .وفى قول البنانى :لا تسقط الزكاة عن الأسير والمفقود، بل تجب الزكاة عليهما كل عام، لكن لا يجب الإخراج من مالهما بل يتوقف مخافة حدوث الموت.

أما المال الظاهر فقد اتفقت كلمة المالكية أن الفقد والأسر لا يسقطان زكاته، لأنهما محمولان على الحياة، ويجوز أخذ الزكاة من مالهما الظاهر وتجزء، ولا يضر عدم النية، لأن نية المخرج تقوم مقام نيته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۳۸، ماده، زكاة)

ذهب مالك والشافعى إلى أن التمكن من الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة، فلو حال الحول ثم تلف المال قبل أن يتمكن صاحبه من الأداء فلا زكاة عليه، حتى لقد قال مالك :إن المالك لو أتلف المال بعد الحول قبل إمكان الأداء فلا زكاة عليه إذا لم يقصد الفرار من الزكاة.

واحتج لهذا القول بأن الزكاة عبادة فيشترط لوجوبها إمكان أدائها كالصلاة والصوم.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن التمكن من الأداء ليس شرطا لوجوبها، لمفهوم قول النبى صلى الله عليه وسلم :لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول فمفهومه وجوبها عليه إذا حال الحول، ولأن الزكاة عبادة مالية، فيثبت وجوبها فى الذمة مع عدم إمكان الأداء ، كثبوت الديون فى ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۳۴،مادة "زكاة")

ذهب مالك والشافعى إلى أن القدرة على الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة على الفور، وتتحقق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک اس طرح کے مالِ تجارت یا سامانِ تجارت کے نفع کی زکاۃ کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک مال کے مالک اور مضاربت پر کام کرنے والے شخص، دونوں پر اپنے اپنے طے شُدہ نفع کے حصہ کے اعتبار سے زکاۃ واجب ہوگی۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذه القدرة بحضور المال وحضور المستحقين أو حضور الإمام أو الساعي، لأن الزكاة عبادة، فيشترط لوجوبها إمكان أدائها، كالصلاة والصوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۳۴۸، مادة "قدرة")

قال أصحابنا وليس المراد بإمكان الأداء مجرد إمكان الإخراج بل يشترط معه وجوب الإخراج بثلاثة شروط.

(أحدها) حضور المال عنده فإن غاب عنه لم يجب الإخراج من موضع آخر بالاتفاق وإن جوزنا نقل الزكاة

(والثاني) أن يجد المصروف إليه وسيأتي في قسم الصدقات أن الأموال باطنة وظاهرة فالباطنة يجوز صرف زكاتها بنفسه وبوكيله وبالسلطان والساعي فيكون واجدا للمصروف إليه سواء وجد أهل السهمين أو السلطان أو نائبه (وأما) الظاهرة فكذلك إن قلنا بالأصح أنه له تفريقها بنفسه وإلا فلا إمكان حتى يجد السلطان أو نائبه ولو وجد من يجوز الصرف إليه فأخر لطلب الأفضل بأن وجد السلطان أو نائبه فأخر ليفرق بنفسه حيث جعلناه أفضل أو أخر لانتظار قريب أو جار أو من هو أحوج ففي جواز التأخير وجهان مشهوران (أصحهما) جوازه فإن لم نجوز التأخير فأخر أثم وضمن وإن جوزناه فتلف المال فهل يضمن فيه وجهان مشهوران (أصحهما) يكون ضامنا لوجود التمكن (والثاني) لا لأنه مأذون له في التأخير قال إمام الحرمين للوجهين شرطان:

(أحدهما) أن يظهر استحقاق الحاضرين فإن تشكك في استحقاقهم فأخر ليتروى جاز بلا خلاف

(والثاني) أن لا يستفحل ضرر الحاضرين وفاقتهم فإن تضرروا بالجوع ونحوه لم يجز التأخير للقريب وشبهه بلا خلاف قال الرافعي في هذا الشرط الثاني نظر لأن إشباعهم لا يتعين على هذا الشخص ولا من هذا المال ولا من مال الزكاة وهذا الذي قاله الرافعي باطل والصواب ما ذكره إمام الحرمين لأنه وإن لم يتعين هذا المال لهؤلاء المحتاجين فرفع ضرورتهم فرض كفاية فلا يجوز إهماله لانتظار فضيلة لو لم يعارضها شيئ.

(الشرط الثالث) لامكان الاداء مشتغلا بمهم من أمر دينه أو دنياه كصلاة وأكل ونحوهما ذكره البغوي وغيره والله أعلم (المجموع شرح المهذب، ج ۵ ص ۳۳۳، ۳۳۴، كتاب الزكاة)

۱؎ من أعطى ماله مضاربة لإنسان فربح فزكاة رأس المال على رب المال اتفاقا، أما الربح فقد اختلف فيه فظاهر كلام الحنفية أن على المضارب زكاة حصته من الربح إن ظهر في المال ربح وتم نصيبه نصابا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۳...... اگر کسی شخص نے ایسے طریقہ پر حرام مال حاصل کیا ہو، جس میں مالک کی رضامندی شامل نہ ہو (مثلاً چوری، ڈاکے اور لوٹ مار کے ذریعہ سے) تو ایسے مال پر غاصب، ڈاکو اور چور کی ملکیت قائم نہیں ہوتی اور اس کی وجہ سے ایسا انسان صاحبِ نصاب نہیں بنتا، اور بذاتِ خود اس مال پر زکاۃ بھی واجب نہیں ہوتی، بلکہ ایسی صورت میں اس پر فرض ہوتا ہے کہ اس حرام مال کو اس کے اصل مالک یا اس کے وارثوں کو واپس کرے، اور اگر اصل مالک یا اس کے وارثوں کا علم نہ ہو تو مالک کی طرف سے غریبوں کو صدقہ کرے، ورنہ سخت گناہ گار ہوگا، اور آخرت میں اس کا وبال بڑا سخت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب المالكية إلى أن مال القراض يزكى منه رب المال رأس ماله وحصته من الربح كل عام، وهذا إن كان تاجرا مديرا، وكذا إن كان محتكرا وكان عامل القراض مديرا، وكان ما بيده من مال رب المال الأكثر، وما بيد ربه المحتكر الأقل.

وأما العامل فلا يجب عليه زكاة حصته إلا بعد المفاصلة فيزكيها إذا قبضها لسنة واحدة .

وذهب الشافعية على الأظهر إلى أن زكاة المال وربحه كلها على صاحب المال، فإن أخرجها من مال القراض حسبت من الربح، لأنها من مئونة المال وذلك لأن المال ملكه، ولا يملك العامل شيئا ولو ظهر في المال ربح حتى تتم القسمة.

هذا على القول بأن العامل لا يملك بالظهور، أما على القول بأنه يملك بالظهور فالمذهب أن على العامل زكاة حصته.

وذهب الحنابلة إلى أن على صاحب المال زكاة المال كله ما عدا نصيب العامل، لأن نصيب العامل ليس لرب المال ولا تجب على الإنسان زكاة مال غيره .ويخرج الزكاة من المال لأنه من مئونته، وتحسب من الربح، لأنه وقاية لرأس المال .وأما العامل فليس عليه زكاة في نصيبه ما لم يقتسما، فإذا اقتسما استأنف العامل حولا من حينئذ .وقال أبو الخطاب من الحنابلة :يحتسب من حين ظهور الربح، ولا تجب عليه إخراج زكاته حتى يقبضه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۷۷، ۲۷۸، مادة "زكاة")

(وكذا في:الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص۱۸۷۸، ۱۸۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول ، المبحث الخامس)

[1] المال الحرام كالمأخوذ غصبا أو سرقة أو رشوة أو ربا أو نحو ذلك ليس مملوكا لمن هو بيده، فلا تجب عليه زكاته، لأن الزكاة تمليك، وغير المالك لا يكون منه تمليك، ولأن الزكاة تطهر المزكي وتطهر المال المزكى لقوله تعالى :(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگر مال تو ناجائز وحرام طریقے پر حاصل کیا،لیکن اس میں مالک کی رضا مندی شامل ہو (مثلاً جوا،سود،اور رشوت یا شراب ، خنزیر وغیرہ کی فروخت کے ذریعہ سے مال حاصل کرے)تو ایسے مال پر بھی انسان کی حلال ملکیت قائم نہیں ہوتی ، بلکہ شریعت کی نظر میں وہ ملکیت خبیث ہوتی ہے،اوراس صورت میں بھی اصل مالک یااس کے وارثوں تک اس مال کا پہنچانااور مالک یااس کا وارث معلوم نہ ہوتواس کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے (امداد الاحکام ج۲ص۳،کتاب الزکاۃ،واحسن الفتاویٰ ج۴ص۲۹۳،کتاب الزکاۃ) ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾وقال النبی صلی الله علیه وسلم :لا یقبل الله صدقة من غلول .والمال الحرام کله خبث لا یطهر، والواجب فی المال الحرام رده إلی أصحابه إن أمکن معرفتهم وإلا وجب إخراجه کله عن ملکه علی سبیل التخلص منه لا علی سبیل التصدق به، وهذا متفق علیه بین أصحاب المذاهب .قال الحنفیة :لو کان المال الخبیث نصابا لا یلزم من هو بیده الزکاة، لأنه یجب إخراجه کله فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه.

وفی الشرح الصغیر للدردیر من المالکیة :تجب الزکاة علی مالک النصاب فلا تجب علی غیر مالک کغاصب ومودع.

وقال الشافعیة کما نقله النووی عن الغزالی وأقره :إذا لم یکن فی یده إلا مال حرام محض فلا حج علیه ولا زکاة، ولا تلزمه کفارة مالیة.

وقال الحنابلة :التصرفات الحکمیة للغاصب فی المال المغصوب تحرم ولا تصح، وذلک کالوضوء من ماء مغصوب والصلاة بثوب مغصوب أو فی مکان مغصوب، وکإخراج زکاة المال المغصوب، والحج منه، والعقود الواردة علیه کالبیع والإجارة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳،ص ۲۴۹،مادة "زکاة")

(قوله :کما لو کان الکل خبیثا) فی القنیة لو کان الخبیث نصابا لا یلزمه الزکاة؛ لأن الکل واجب التصدق علیه فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه .اهـ.(ردالمحتار، ج۲ص ۱۹، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم)

(وملک نصاب) عده شرطا موافقة للکنز وإن عد فی الکتب الأصولیة سببا ......والمتبادر أن یکون النصاب مالا حلالا فإن کان حراما وکان له خصم حاضر فواجب الرد وإلا فواجب التصدق إلی الفقیر ولا یحل له منه شیء فلا زکاة فی المغصوب والمملوک شراء فاسدا کما فی القهستانی(مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر،ج۱ص ۱۹۱،۱۹۲، کتاب الزکاة، شرط وجوب الزکاة)

۱؎ ۱ ـ المال الحرام :هو کل مال حظر الشارع اقتناءه أو الانتفاع به سواء کان لحرمته لذاته، بما فیه من ضرر أو خبث کالمیتة والخمر، أم لحرمته لغیره، لوقوع خلل فی طریق اکتسابه، لأخذه من مالکه بغیر إذنه کالغصب، أو لأخذه منه بأسلوب لا یقره الشرع ولو بالرضا کالربا والرشوة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۴...... اگر کسی کی ملکیت میں حلال اور حرام دونوں قسم کے مال ہوں، اور حلال وحرام دونوں قسم کے مال ایک دوسرے سے بالکل جدا وممتاز ہوں، اس صورت میں حرام مال کی تو زکاۃ واجب نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اور ایسے مال کو مالک یا اس کے وارثوں تک پہنچانا، اور مالک اور اس کے وارث معلوم نہ ہوں، تو اس کو ان کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اور اگر حلال اور حرام دونوں قسم کے مال آپس میں اس طرح سے مخلوط ہوگئے ہوں کہ ان میں باہم امتیاز نہیں ہوسکتا، جیسا کہ آجکل عام طور پر حلال وحرام رقم ایک ساتھ ہونے سے اس طرح مخلوط ہوجاتی ہے تو سارے مال کی زکاۃ ادا کرنا بھی ضروری ہے، بشرطیکہ وہ مال خود یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہوجاتا ہو، اور اصل مالکوں یا ان کے وارثوں کو ان کا مال واپس کرنا بھی ضروری ہے۔

البتہ اگر مالک یا ان کے وارث معلوم نہ ہوں تو سارے مال کی زکاۃ ادا کرنے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا، کہ حلال کا اڑھائی فیصد تو زکاۃ ہے، اور حرام کا اڑھائی فیصد وہ صدقہ ہے جو کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ۲ ـ حائز المال الحرام لخلل فی طریقة اکتسابه لا یملکه مهما طال الزمن، ویجب علیه رده إلی مالکه أو وارثه إن عرفه، فإن یئس من معرفته وجب علیه صرفه فی وجوه الخیر للتخلص منه وبقصد الصدقة عن صاحبه.

إذا أخذ المال أجرة عن عمل محرم فإن الآخذ یصرفه فی وجوه الخیر ولا یرده إلی من أخذه منه.

لا یرد المال الحرام إلی من أخذ منه إن کان مصراً علی التعامل غیر المشروع الذی أدی إلی حرمة المال کالفوائد الربویة بل یصرف فی وجوه الخیر أیضاً.

إذا تعذر رد المال الحرام بعینه وجب علی حائزه رد مثله أو قیمته إلی صاحبه إن عرفه وإلا صرف المثل أو القیمة فی وجوه الخیر وبقصد الصدقة عن صاحبه.

۳ ـ المال الحرام لذاته لیس محلاً للزکاة، لأنه لیس مالاً متقوماً فی نظر الشرع، ویجب التخلص منه بالطریقة المقررة شرعاً بالنسبة لذلک المال.

۴ ـ المال الحرام لغیره الذی وقع خلل شرعی فی کسبه، لا تجب الزکاة فیه علی حائزه، لانتفاء تمام الملک المشترط لوجوب الزکاة، فإذا عاد مالکه وجب علیه أن یزکیه لعام واحد ولو مضی علیه سنین علی الرأی المختار (الفقه الاسلامی وادلتۂ للزحیلی، ج۱۰ ص۷۹۴۵، ۷۹۴۶، الباب السادس، الفصل التاسع عشر، ملحق: فتاوی وتوصیات مؤتمر الزکاة الأول)

اس کے ذمہ لازم تھا (امدادالفتاویٰ ج۲ص۱۴، کتاب الزکاۃ والصدقات، وامدادالاحکام ج۲ص۴، کتاب الزکاۃ) ۱؎

اوراگر ملکیت میں کچھ حرام مال ہو، تو اس کو مالک کو واپس کرنا اور بصورتِ دیگر صدقہ وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکالنا ضروری ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

۱؎ چنانچہ اہم فقہی فیصلے میں ہے کہ:

''استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ پورے کے پورے مال کی زکاۃ ادا کردی جائے تاکہ یقینی اوراطمینان بخش طریقہ پر زکاۃ ادا کرنے والا فریضۂ زکاۃ سے بری الذمہ ہوجائے، اور ظالمانہ اور حرام طریقوں سے لوگوں کے مال سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو، نیز ایسا نہ ہو، کہ مال حرام کھانے والا دوطرفہ فائدہ اٹھائے۔ اس طرح ایک طرف مالِ حرام سے انتفاع کرے اور زکاۃ سے بھی بچ جائے'' (اہم فقہی فیصلے ص۵۵،۵۶، پانچویں فقہی سیمینار منعقدہ اعظم گڑھ کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء)

اورمجلسِ تحقیقِ حاضرہ نے اس سلسلہ میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ:

''اگر کسی شخص کی آمدنی حلال وحرام سے مخلوط ہو، اور وہ مجموعہ سے زکاۃ نکال دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکاۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکاۃ نہیں ہوگا، بلکہ وہ صدقہ سمجھا جائے گا، جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا جاتا ہے'' (فقہی مقالات ج۲ص۷۶و۷۷ ''بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکاۃ کا مسئلہ'')

وعلى القول بأن المال المغصوب يدخل فى ملك الغاصب فى بعض الصور كأن اختلط بماله ولم يتميز فإنه يكون بالنسبة للغاصب مالا زكويا، إلا أنه لما كان الدين يمنع الزكاة، والغاصب مدين بمثله أو قيمته، فإن ذلك يمنع الزكاة فيه .قال ابن عابدين :من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالا وخلطها، ملكها بالخلط ويصير ضامنا، وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه فيها وإن بلغت نصابا لأنه مديون وأموال المدين لا تنعقد سببا لوجوب الزكاة عند الحنفية، فوجوب الزكاة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها، ولا يخفى أن الزكاة حينئذ إنما تجب فيما زاد عليها لا فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۹، مادة "زكاة")

حائز المال الحرام إذا لم يرده إلى صاحبه وأخرج قدر الزكاة منه بقي الإثم بالنسبة لما بيده منه، ويكون ذلك إخراجاً لجزء من الواجب عليه شرعاً ولا يعتبر ما أخرجه زكاة، ولا تبرأ ذمته إلا برده كله لصاحبه إن عرفه أو التصدق به عنه إن يئس من معرفته (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۱۰ ص ۷۹۴۶، الباب السادس، الفصل التاسع عشر، ملخص فتاوى وتوصيات مؤتمر الزكاة الأول)

(فصل نمبر ۱۳)

مال پر سال گزرنا

(مال پر سال گزرنے کے احکام)

زکاۃ کی ادائیگی اس وقت تک واجب نہیں ہوتی، جب تک کہ مال پر سال نہ گزر جائے، جس کو عربی میں ''حولانِ حول'' کہا جاتا ہے، البتہ زکاۃ پیشگی دینے سے بھی بعض صورتوں میں ادا ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سال پورا ہونے سے پہلے صدقہ (وزکاۃ) ادا کرنے کے متعلق سوال کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی (ابوداؤد)

اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکاۃ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے سے پہلے پیشگی زکاۃ دینا جائز ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۲۴، کتاب الزکاۃ، باب فی تعجیل الزکاۃ.
قال شعیب الارنؤوط: حدیث حسن (حاشیۃ ابی داؤد)

[2] (وعن علی -رضی اللہ عنہ -أن العباس سأل رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم -فی تعجیل صدقتہ قبل أن تحل) بکسر الحاء أی تجب الزکاۃ، وقیل :قبل أن تصیر حالا بمضی الحول، وأما قول ابن حجر :قبل أن یتم حولہا فہو حاصل المعنی لا تحقیق المبنی (فرخص لہ) أی العباس (فی ذلک) قال ابن الملک :وہذا یدل علی جواز تعجیل الصدقۃ بعد حصول النصاب قبل تمام الحول .اھ (مرقاۃ المفاتیح، ج۴ص ۱۲۷۵، کتاب الزکاۃ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَکَاۃَ عَلَیْہِ، حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّہٖ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مال حاصل کیا، تو اس پر زکاۃ نہیں ہے، یہاں تک کہ اس (مال) کے مالک کے پاس (مال پر) سال گزر جائے (ترمذی، دارقطنی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا زَکَاۃَ فِیْ مَالٍ، حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ (ابنِ ماجہ) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مال پر زکاۃ نہیں ہے، یہاں تک کہ اس (مال) پر سال گزر جائے (ابن ماجہ)

---

[1] رقم الحديث ٦٣١، ابواب الزكاة، باب ما جاء لا زكاة على المال المستفاد حتى يحول عليه الحول، سنن الدارقطنى، رقم الحديث ١٨٨٧، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة بالحول.

قال الالبانى:وجدت للحديث طريقا أخرى بسند صحيح عن على رضى الله عنه خرجته فى " صحيح أبى داود(١٤٠٣) "فصح الحديث والحمد لله(ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ٧٨٧)

[2] رقم الحديث ١٧٩٢، كتاب الزكاة، باب من استفاد مالا.

قال شعيب الارنؤوط: صحيحٌ لغيره، وهذا إسنادٌ ضعيف لضعف حارثة بن محمَّد، وهو ابن أبى الرجال .عمرة :هى بنت عبد الرحمن.

وأخرجه الدارقطنى (١٨٩٣)والبيهقى٤/٩٥و١٠٣ من طريق شُجاع بن الوليد أبى بدر، بهذا الإسناد .وفى الباب عن على بن أبى طالب عند أبى داود(١٥٧٢)و(١٥٧٣)ولفظهُ فى الموضع الأول" :الصدقةُ فى كل عام"، ولفظه فى الموضع الثانى" :ليس فى مال زكاةٌ حتى يحُول عليه الحول "وهذا إسناد حسن.

وقال الحافظ ابن حجر فى "التلخيص الحبير: ١٥٦/٢ "حديث على لا بأس بإسناده، والآثار تعضُده فيصلحُ للحُجَّة، وحَسنه الحافظ الزيلعى فى "نصُب الراية٣٢٨/٢ "، ونقل عن النووى قوله فى "خلاصة الأحكام :"وهو حديث صحيح أو حسن.

وعن ابن عمر موقوفًا عند الترمذى (٦٣٢)وغيره، وإسناده صحيح .وقد روى مرفوعًا عنه ولا يصح(حاشية سنن ابنِ ماجه)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَيُسَ فِيُ مَالٍ زَكَاةٌ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيُهِ الُحَوُلُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: کسی مال پر زکاۃ نہیں ہے، یہاں تک کہ اس (مال) پر سال گزر جائے

(مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:لَا ثَنَا فِي الصَّدَقَةِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۱۰۸۳۷، کتاب الزکاة، باب من قال لا تؤخذ فی السنة إلا مرة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ (وزکاۃ) میں دوہرا حکم نہیں ہے

(ابنِ ابی شیبہ)

مطلب یہ ہے کہ ایک سال اور ایک مال میں دو مرتبہ یا دو طرح کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

اس طرح کی روایات وآثار اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۶۵، ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۷۳، کتاب الزکاة، باب فی زکاة السائمة.
قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، شریک -وإن کان سیء الحفظ -متابع، ونقل الزیلعی فی "نصب الرایة ۲/۳۲۸"عن النووی أنه قال فی "الخلاصة :"هو حدیث صحیح أو حسن.
وقال ابن حجر فی "التلخیص الحبیر ۲/۱۵۶ "بعد أن نسبه إلی البیهقی :حدیث علی لا بأس بإسناده، والآثار تعضده فیصلح للحجة، والله أعلم(حاشیة مسند احمد)

[2] عن الأعمش ، عن رجل ، عن جابر ، عن أبی بکر ، قال :لیس علیه زکاة حتی یحول علیه الحول(مصنف بن ابی شیبة، رقم الحدیث ۱۰۳۱۷)
عن عمرة بنت عبد الرحمن ، عن عائشة ،قالت :لیس فی مال زکاة حتی یحول علیه الحول(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۳۲۲)
عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :لیس علیه زکاة حتی یحول علیه حول ، من حین یستفیده(ایضاً، رقم الحدیث ۱۰۳۲۴)
عن ابن أبی ذئب ، عن الزهری ، قال لم یبلغنا أن أحدا من ولاة هذه الأمة الذین کانوا بالمدینة ,أبو بکر ، وعمر ,وعثمان ,أنهم کانوا یثنون الصدقة ,لکن یبعثون علیها کل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے ''حولانِ حول'' یعنی سال پورا ہونے کے متعلق چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ کی ادائیگی واجب یا فرض ہونے کے لئے مال پر سال گزرنا بھی ضروری ہے، جس کو شریعت کی زبان میں ''حولانِ حول'' کہا جاتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عام فی الخصب والجدب لأن أخذها سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم(ايضاً، رقم الحديث ۱۰۸۳۵ ، باب من قال لا تؤخذ فى السنة إلا مرة)

عن حميد ، قال : كتب عمر بن عبد العزيز :أيما رجل أفاد مالا فلا زكاة عليه ، حتى يعود عليه الحول(ايضا، رقم الحديث ۱۰۳۱۸)

عن يحيى بن سعيد ، عن سالم ، قال :ليس فيه زكاة حتى يحول عليه الحول(ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۱۹)

عن هشام ، عن الحسن ، قال :ليس فى مال زكاة ، حتى يحول عليه الحول(ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۰)

عن سفيان ، عن منصور ، أو غيره ، عن إبراهيم قال :لا زكاة فيه حتى يحول عليه الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۱)

عن إسرائيل ، عن جابر ، عن أبى جعفر ، قال :ليس فيه زكاة حتى يحول عليه الحول(ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۳)

عن ابن جريج ، قال :أخبرنى سليمان الأحول ، عن طاووس ، أنه قال إذ تداركت الصدقتان فلا يؤخذ الأولى كالجزية(ايضاً،رقم الحديث ۱۰۸۳۶ ، باب من قال لا تؤخذ فى السنة إلا مرة)

[۱] اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط وجوبِ ادا کے لئے ہے نہ کہ نفسِ وجوب کے لئے، اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اصولِ فقہ کے اعتبار سے نفسِ وجوب یا وجوبِ زکاۃ اور وجوبِ اداء دو الگ الگ چیزیں ہیں، کسی کے حق میں نفسِ وجوب یا وجوبِ زکاۃ ثابت ہونے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر زکاۃ اداء کرنا بھی واجب ہو، مثلاً نصاب کا مالک ہونے سے وجوبِ زکاۃ تو ہوجاتا ہے، مگر اس کا اداء کرنا اس وقت تک واجب نہیں ہوتا، جب تک کہ حولانِ حول نہ ہوجائے، کیونکہ حولانِ حول وجوبِ ادا کا حکم رکھتا ہے۔ پس نصاب کا مالک ہونے پر جب زکاۃ ذمہ میں واجب ہوجائے، اس کو تو نفسِ وجوب کہتے ہیں اور اس کے بعد حولانِ حول بھی ہوجائے تو اس کو وجوبِ اداء کہتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص نصاب کا مالک ہوگیا تو زکاۃ چونکہ اس کے ذمہ میں واجب ہوگئی یعنی نفسِ وجوب ہوگیا اس لئے اگر وہ پیشگی زکاۃ دے دے تو زکاۃ اداء ہوجائے گی، بلکہ اگر وہ موجودہ مال کے علاوہ مزید مال کی زکاۃ مال آنے سے پہلے دے دے، تب بھی اس غیر موجود مال کی زکاۃ بھی اداء ہوجاتی ہے، جس کی شرائط وتفصیل اور فقہی اختلاف اسی فصل میں آگے آتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... سال پورا ہونے میں چاند کے حساب کا اعتبار کیا جاتا ہے، یعنی جب قمری اعتبار سے سال پورا ہو، اس وقت زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور قمری حساب کے علاوہ کسی اور مثلاً انگریزی تاریخ کے حساب کا اعتبار نہیں ہوتا، اس لئے زکاۃ کا سال شروع اور پورا ہونے میں چاند کی تاریخ کے معلوم ہونے اور اس کے یاد رکھنے کی بڑی اہمیت ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشرط الخامس :الحول:
المراد بالحول أن يتم على المال بيد صاحبه سنة كاملة قمرية، فإن لم تتم فلا زكاة فيه، إلا أن يكون بيده مال آخر بلغ نصابا قد انعقد حوله، وكان المالان مما يضم أحدهما إلى الآخر، فيرى بعض الفقهاء ، أن الثاني يزكى مع الأول عند تمام حول الأول، كما يأتي بيانه تفصيلا.
ودليل اعتبار الحول قول النبي صلى الله عليه وسلم :لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول. .
ويستثنى من اشتراط الحول فى الأموال الزكوية الخارج من الأرض من الغلال الزراعية، والمعادن، والركاز، فتجب الزكاة فى هذين النوعين ولو لم يحل الحول، لقوله تعالى فى الزروع (وآتوا حقه يوم حصاده)ولأنها نماء بنفسها فلم يشترط فيها الحول، إذ أنها تعود بعد ذلک إلى النقص، بخلاف ما يشترط فيه الحول فهو مرصد للنماء .وسيأتي تفصيل ذلک فى النوعين فى موضعه.
والحكمة فى أن ما أرصد للنماء اعتبر له الحول، ليكون إخراج الزكاة من النماء لأنه أيسر، لأن الزكاة إنما وجبت مواساة، ولم يعتبر حقيقة النماء ، لأنه لا ضابط له، ولا بد من ضابط، فاعتبر الحول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۲ ،مادة "زكاة")
ومنها الحول فى بعض الأموال دون بعض(بدائع الصنائع ،ج۲ص ۱۳ ، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

[۱] اسلامی سال اور مروجہ عیسوی یعنی انگریزی سال کے دنوں میں فرق ہوتا ہے، اور اسلامی سال چند دن چھوٹا ہوتا ہے، اور مروجہ عیسوی سال اس کے مقابلے میں چند دن بڑا ہوتا ہے۔
مگر آج کل عام طور پر لوگوں میں نہ تو اسلامی سال وتاریخوں کے استعمال کا رواج ہے، اور نہ ہی ان سے واقفیت۔
المراد بالحول أن يتم على المال بيد صاحبه سنة كاملة قمرية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۴۲، مادة "زكاة")
(قوله :نسبة للحول) أى الحول القمرى لا الشمسى كما سيأتى متنا قبيل زكاة المال (ردالمحتار، ج۲، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة)
وفى القنية العبرة فى الزكاة للحول القمرىِ (البحر الرائق، ج۲، ص ۲۱۹، كتاب الزكاة)
مضى عام أو حَوَلان حول قمرى على ملک النصاب :لقوله صلّى الله عليه وسلم :لازكاة فى مال حتى يحول عليه الحول ولإجماع التابعين والفقهاء .وحول الزكاة قمرى لا شمسى بالاتفاق كباقى أحكام الإسلام من صوم وحج(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۰۳ ،الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانى)

مسئلہ نمبر ۳...... نصاب پورا ہونے کا اعتبار کس وقت کا کیا جاتا ہے؟ اس کے متعلق فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، حنفیہ کے نزدیک سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک سال کے آخر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اور حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک پورے سال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ [۱]

مذکورہ تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اگر کسی نے تجارت کا مال خریدا، اور اس کی ملکیت میں اس تجارت کے مال کے علاوہ اور کوئی زکاۃ کا مال نہیں ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اگر سال کے شروع اور آخر میں اس کی قیمت زکاۃ کے نصاب کے بقدر ہوگی، تو اس کی زکاۃ واجب ہوگی، خواہ سال کے درمیان میں اس کی قیمت نصاب سے کم کیوں نہ ہوگئی ہو۔

---

[۱] الوقت الذی یعتبر وجود النصاب فیه:

ذهب الشافعية والحنابلة على المعتمد فی المذهب، إلى أن من شرط وجوب الزكاة وجود النصاب فی جميع الحول من أوله إلى آخره، فلو نقص فی بعضه ولو يسيرا انقطع الحول فلم تجب الزكاة فی آخره .قالوا :فلو كان له أربعون شاة فماتت فی الحول واحدة ثم ولدت واحدة انقطع الحول . فإن كان الموت والنتاج فی لحظة واحدة لم ينقطع، كما لو تقدم النتاج على الموت، واحتجوا بعموم حديث لا زكاة فی مال حتى يحول عليه الحول .

وذهب الحنفية إلى أن المعتبر طرفا الحول، فإن تم النصاب فی أوله وآخره وجبت الزكاة ولو نقص المال عن النصاب فی أثنائه، ما لم ينعدم المال كلية، فإن انعدم لم ينعقد الحول إلا عند تمام النصاب، وسواء انعدم لتلفه، أو لخروجه عن أن يكون محلا للزكاة، كما لو كان له نصاب سائمة فجعلها فی الحول علوفة.

وفی قول عند الحنابلة :إذا وجد النصاب لحول كامل إلا أنه نقص نقصا يسيرا كساعة أو ساعتين وجبت الزكاة.ولو زال ملك المالك للنصاب فی الحول ببيع أو غيره ثم عاد بشراء أو غيره استأنف الحول لانقطاع الحول الأول بما فعله،لكن إن فعل ذلك حيلة ففی انقطاع الحول خلاف ينظر فی ما سبق تحت عنوان (الحيل لإسقاطها)

وذهب المالكية إلى أن الشرط أن يحول الحول على ملك النصاب أو ملك أصله، فالأول كما لو كان يملك أربعين شاة تمام الحول، والثانی كما لو ملك عشرين شاة من أول الحول فحملت وولدت فتمت بذلك أربعين قبل تمام الحول، فتجب الزكاة فی النوعين عند حول الأصل.

ومثاله أيضا، أن يكون عنده دينار ذهب فيشتری به سلعة للتجارة فيبيعها بعشرين دينارا قبل تمام الحول، ففيها الزكاة عندما يحول الحول على ملكه للدينار، والذی يضم إلى أصله فيتم به النصاب هو نتاج السائمة وربح التجارة، بخلاف المال المستفاد بطريق آخر كالعطية والميراث فإنه يستقبل بها حولها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۴۵،مادة "زكاة")

اور مالکیہ کے نزدیک اگر ملکیت میں داخل ہوتے وقت اس تجارت کے مال کی قیمت نصاب سے کم تھی، لیکن سال پورا ہونے کے وقت نصاب کے بقدر تھی، تو اس کی زکاۃ واجب ہوگی۔

اور حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک اسی صورت میں زکاۃ واجب ہوگی، جبکہ پورے سال اس کی قیمت نصاب کے بقدر رہی ہو، اور اگر سال کے درمیان یا کسی بھی وقت اس کی قیمت نصاب سے کم ہوگئی، تو ''حولانِ حول'' نہ ہونے کی وجہ سے زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... سال گزرنے یا حولانِ حول کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس مہینے اور جس تاریخ میں کوئی شخص ایک مرتبہ صاحبِ نصاب بنا تو حنفیہ کے نزدیک آئندہ سال اسی مہینے اور تاریخ میں اس کا سال پورا ہوگا۔

مثلاً کوئی شخص شعبان کی پانچ تاریخ کو نصاب کا مالک بنا تھا تو آنے والے شعبان کی پانچ تاریخ میں جو مال (سونا، چاندی، روپیہ پیسہ اور تجارت کا سامان) اِس کی ملکیت میں ہوگا اس سب کی زکاۃ اس پر لازم ہوگی۔

پس جس اسلامی مہینے کی جس تاریخ کو کوئی شخص پہلی مرتبہ صاحبِ نصاب ہوا، اس تاریخ کو یاد

---

[1] نقص قيمة التجارة فى الحول عن النصاب:

ذهب المالكية والشافعية على القول المنصوص إلى أن المعتبر فى وجوب الزكاة القيمة فى آخر الحول، فلو كانت قيمة العروض فى أول الحول أقل من نصاب ثم بلغت فى آخر الحول نصابا وجبت فيها الزكاة، وهذا خلافا لزكاة العين فلا بد فيها عندهم من وجود النصاب فى الحول كله .

قالوا :لأن الاعتبار فى العروض بالقيمة، ويعسر مراعاتها كل وقت لاضطراب الأسعار ارتفاعا وانخفاضا فاكتفى باعتبارها فى وقت الوجوب، قال الشافعية :فلو تم الحول وقيمة العرض أقل من نصاب فإنه يبطل الحول الأول ويبتدء حول جديد.

وقال الحنفية وهو قول ثان للشافعية :المعتبر طرفا الحول، لأن التقويم يشق فى جميع الحول فاعتبر أوله للانعقاد وتحقق الغنى، وآخره للوجوب، ولو انعدم بهلاك الكل فى أثناء الحول بطل حكم الحول.

وقال الحنابلة وهو قول ثالث للشافعية :المعتبر كل الحول كما فى النقدين، فلو نقصت القيمة فى أثناء الحول لم تجب الزكاة، ولو كانت قيمة العرض من حين ملكه أقل من نصاب فلا ينعقد الحول عليه حتى تتم قيمته نصابا، والزيادة معتبرة سواء كانت بارتفاع الأسعار، أو بنماء العرض، أو بأن باعها بنصاب، أو ملك عرضا آخر أو أثمانا كمل بها النصاب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۷۲، ۲۷۳،مادة ''زكاة'')

رکھنا بہت ضروری ہے، ایک سال گزرنے کے بعد اسی مہینے کی اسی تاریخ کو زکاۃ واجب ہوگی۔

اس لئے اس تاریخ کو مال کا حساب بھی محفوظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ لاکھوں روپے ذمہ میں واجب رہ سکتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص پر شعبان کی پہلی تاریخ میں زکاۃ فرض ہوگئی تھی یعنی اس تاریخ میں اس کا سال پورا ہوگیا تھا اور اس وقت اس کی ملکیت میں پچاس لاکھ کی مالیت کے برابر مال تھا، لیکن اس نے (مذکورہ تاریخ گزرنے کے بعد) اس مال کی زکاۃ ادا کرنے سے پہلے اس میں سے کچھ مال خرچ کرلیا (مثلاً مکان تعمیر کرلیا یا کسی کو ہدیہ دے دیا وغیرہ) اور اب اس کے پاس اس کے بعد مثلاً پچاس لاکھ سے کم ہوکر چالیس لاکھ کی مالیت کا مال رہ گیا اور اس نے صرف چالیس لاکھ کی زکاۃ ادا کردی۔

تو اس صورت میں اس کے ذمہ دس لاکھ روپے کی زکاۃ باقی رہ گئی، کیونکہ درحقیقت اس پر پچاس لاکھ کی زکاۃ ادا کرنا ضروری تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہر شخص کا سال اپنی اپنی مالی نوعیت کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے، سب کے لئے رجب یا رمضان کا مہینہ متعین کرنا (جیسا کہ بعض لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے) صحیح نہیں۔

آج کل بہت سے مسلمان اسلامی مہینوں اور تاریخوں کے یاد رکھنے اور ان کے استعمال کرنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے، اور اس کے بجائے انگریزی تاریخوں اور مہینوں کے حساب اور شمار پر اکتفاء کرتے ہیں، اور زکاۃ کا سال پورا ہونے میں بھی اسی کو معتبر سمجھتے ہیں۔

حالانکہ شرعی احکام میں اسلامی تاریخوں اور مہینوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اس لئے زکاۃ کے مال پر سال گزرنے کے بارے میں اسلامی ماہ وتاریخ کا اعتبار کرنا چاہئے، اور اس کو یاد رکھنے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہئے۔

اسلامی سال اور عیسوی سال میں چند دنوں کے فرق کی وجہ سے بعض اوقات زکاۃ کی مقدار اور حکم میں بڑی غلطی ہوسکتی ہے، جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ نمبر ۵...... بہت سے لوگ اپنی زکاۃ کا سال پورا ہونے کے حساب پر عمل کرنے کے بجائے کسی مخصوص مہینہ کو زکاۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں، اور اسی مہینے میں زکاۃ کے فرض ہونے اور حساب کرنے اور زکاۃ کے ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

چنانچہ بہت سے لوگ تو اپنا سال پورا ہونے کا حساب کرنے کے بجائے رمضان کو اور کچھ لوگ کسی دوسرے مہینے (مثلاً رجب) کو متعین سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اس طرزِ عمل میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں مثلاً:

(۱)...... اگر کسی کے زکاۃ کا سال رمضان سے پہلے پورا ہو رہا ہے، لیکن وہ اس وقت زکاۃ ادا نہیں کرتا اور رمضان کے انتظار میں رہتا ہے، لیکن رمضان المبارک کے آنے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ گنہگار ہو کر فوت ہوگا اور اس کے ذمہ زکاۃ کا فریضہ باقی رہے گا۔

(۲)...... اگر زکاۃ کا سال پہلے پورا ہو رہا ہے، لیکن اس وقت زکاۃ ادا نہیں کی اور رمضان کے مہینہ میں اس کا مال کسی اختیاری عمل کے نتیجہ میں کم ہوگیا، مثلاً اس نے خرچ کرلیا، اور پھر جب رمضان میں حساب کر کے زکاۃ ادا کی تو کم مال کی زکاۃ ادا کی اور جتنا مال سال پورا ہونے کے بعد خرچ کرلیا، اس کی زکاۃ ذمہ میں باقی رہی، اسی طرح اگر مال میں اضافہ ہوگیا تو زیادہ مال کی زکاۃ دینی پڑے گی، جو کہ اس کے ذمہ واجب نہیں تھی، اور اگر کوئی ہمیشہ اسی طرح کرتا رہا تو اس خرابی کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

(۳)...... ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا جو ثواب ہے اس سے محرومی ہوتی ہے۔

اور شرعاً ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا عظیم ثواب ہے۔ [۱]

اور جب سال پورا ہونے کے بجائے اس کو کسی دوسرے مہینے کے لئے مؤخر کیا جائے گا، تو اس فضیلت سے محرومی ہوگی۔

(۴)...... جب سب لوگ رمضان میں زکاۃ ادا کریں گے اور دوسرے دنوں میں ادا نہیں کریں گے تو سال کے گیارہ مہینے غریبوں کو اپنی ضروریات کا پورا کرنا مشکل ہوگا، اور سال کے گیارہ مہینوں میں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔

(۵)...... رمضانُ المبارک کو زکاۃ کے لئے خاص کر لینے کی وجہ سے ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ ہر شخص کو رمضان ہی میں جلد از جلد اپنی زکاۃ ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے اور جب کوئی صحیح مصرف سامنے نہیں آتا تو کسی نہ کسی کو زکاۃ دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے، خواہ وہ صحیح مستحق بھی نہ ہو۔

(۶)...... اس مہینے میں رسمی غریبوں اور بھکاریوں کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے اور پھر لوگ ان ہی پیشہ وروں کو اپنی زکاۃ دیتے ہیں اور اس طرح اصل مستحق نظروں سے پوشیدہ اور محروم رہتے ہیں (ماخذہٗ اشرف الجواب ص ۱۲۶ للتھانوی رحمہ اللہ)

(۷)...... اس کے علاوہ سال بھر میں مستحقوں کو تلاش کرنا بھی آسان ہے اور صحیح وقت پر ادائیگی کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور جب ہر شخص اپنے اپنے سال کے پورا ہونے کے اعتبار سے زکاۃ ادا کرے گا، تو سارا سال غریبوں کی ضروریات کا لحاظ ہوتا رہے گا۔

لہٰذا زکاۃ کے لئے ہر شخص کو رمضان یا رجب کی تخصیص کرنا غلط ہے، اور ہر شخص کو

---

[۱] چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ، اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ" (سورة الواقعه، رقم الآية ۱۰، ۱۱)

نیز ارشاد ہے کہ:

أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۶۱)

اپنا سال پورا ہونے پر زکاۃ صحیح صحیح مصرف میں خرچ کرنی چاہئے، اور اپنا سال پورا ہونے کی قمری تاریخ کو محفوظ رکھنا چاہیے، البتہ اگر کسی کا سال رمضان ہی میں پورا ہو رہا ہو تو پھر رمضان میں دینے میں بھی حرج نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنے تفصیلی حالات اہلِ علم کے سامنے رکھ کر شرعی حکم معلوم کرلیا جائے۔

(ماخوذ بتغیر: ''ماہِ رمضان کے فضائل واحکام'' مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

مسئلہ نمبر۶...... ایک شخص کسی وقت نصاب کا مالک بنا اور درمیان سال میں اس مال کے اندر کمی زیادتی ہوتی رہی (خواہ یہ کمی زیادتی نصاب سے زیادہ مقدار میں ہوتی رہی ہو یا نصاب سے کم ہوکر ہوتی رہی ہو) تو حنفیہ کے نزدیک اس مال میں کمی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا، اور سال پورا ہونے کے وقت اس کی ملکیت میں جتنا مال ہوگا اس سب کا حساب کرکے زکاۃ دینی ہوگی، خواہ مال کا کوئی حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو۔

البتہ اگر نصاب کا مالک بننے کے بعد (سال پورا ہونے سے پہلے ہی) اس کی ملکیت میں سے سارا مال نکل گیا (یعنی سونا، چاندی، تجارت کا مال، کرنسی، چاروں چیزوں میں سے کسی بھی چیز کی تھوڑی سی مقدار نہ رہی، سب چیزیں بالکل ختم ہوگئیں) تو اب اس کا صاحبِ نصاب ہونا ختم ہوجائے گا۔

پھر اس کے بعد اگر یہ شخص کسی وقت صاحبِ نصاب بنے گا، تو اس وقت سے اس کا سال شروع ہوگا اور مذکورہ تفصیل کے اعتبار سے حکم ہوگا۔ [1]

---

[1] نقصان النصاب فی أثناء الحول لا یقطع حکم الحول(البحرالرائق، ج۲ص ۲۳۹، کتاب الزکاۃ)

ولفقهاء المذاهب آراء متقاربة فی حولان الحول.

فقال الحنفية يشترط كون النصاب كاملاً فی طرفی الحول، سواء بقی فی أثنائه كاملاً أم لا، فإذا ملك إنسان نصاباً فی بدء الحول، ثم استمر كاملاً لنهاية الحول، من غير أن ينقطع تماماً فی الأثناء، أو يذهب كله فی أثناء العام، وجبت الزكاة، وتجب أيضاً إن نقص فی أثناء الحول، ثم تم فی آخره، فنقصان النصاب فی الحول لا يضر إن كمل فی طرفيه(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ للزحیلی، ج۳ص ۱۸۰۴،الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثانی)

مسئلہ نمبر۷...... اگر کسی شخص کی ملکیت میں زکاۃ کا مال بالکل بھی نہیں تھا، پھر اس کی ملکیت میں زکاۃ کا مال آ گیا، لیکن وہ مال نصاب کے برابر نہیں ہے، بلکہ نصاب سے کم ہے، تو نہ تو اس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور نہ ہی اس حالت میں اس پر سال گزرنے کا اعتبار ہوتا ہے۔

پھر اگر کسی وقت وہ نصاب کے بقدر زکاۃ کے مال کا مالک ہو گیا، تو اس وقت سے اس کا سال شروع ہو جائے گا، پھر سال پورا ہونے کے وقت اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال ہو گا، تو زکاۃ واجب ہو گی۔ [1]

مسئلہ نمبر۸...... اگر کوئی زکاۃ کے نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو گیا، پھر سال پورا ہونے سے پہلے اس کی ملکیت میں مزید زکاۃ کا مال آ گیا، یا اسی مال میں نفع ہونے یا قیمت چڑھنے سے اضافہ ہو گیا، مثلاً سال کے شروع میں آٹھ تولہ سونے کی مالیت کے بقدر تجارت کا مال تھا، اور سال کے آخر میں اس کی ملکیت میں دس تولہ سونے کی مالیت کے بقدر تجارت کا مال ہو گیا، تو اس پر اس پورے مال کی (ڈھائی فیصد کے اعتبار سے) زکاۃ واجب ہو گی۔ [2]

---

[1] المال المستفاد أثناء الحول:

إن لم يكن عند المكلف مال فاستفاد مالا زكويا لم يبلغ نصابا فلا زكاة فيه ولا ينعقد حوله.

فإن تم عنده نصاب انعقد الحول من يوم تم النصاب، وتجب عليه زكاته إن بقي إلى تمام الحول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۴۳،مادة "زكاة")

[2] البتہ شافعیہ وغیرہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ملحوظ رہے کہ زکاۃ کے مال میں اگر اضافہ پہلے مال کے اندر ہی ہوا ہو، جیسا کہ سائمہ جانور کے بچہ پیدا ہوا، یا مالِ تجارت میں نفع ہوا، تو سال پورا ہونے پر اس پورے مال کی زکاۃ واجب ہونے پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے، اور اگر وہ اضافہ پہلے زکاۃ والے مال کی جنس کے علاوہ کسی اور جنس میں ہوا ہو، جیسا کہ سائمہ جانوروں کے نصاب کے ہوتے ہوئے کچھ تجارت کا مال یا سونا، یا چاندی حاصل ہوا، تو اس کو پہلے نصاب کے ساتھ ملا کر حولانِ حول یا سال پورا ہونے کا حکم نہیں ہوگا، اور اگر درمیان سال میں کوئی مال پہلے سے موجود مال کی جنس سے حاصل ہوا ہو، لیکن وہ اسی مال میں اضافہ کے طور پر نہ ہو، مثلاً پہلے سے نصاب کے برابر سونا تھا، اور پھر کچھ سونا حاصل ہوا، تو حنفیہ کے نزدیک پہلے مال کے تابع ہو کر یہ حولانِ حول میں شامل ہوگا، مگر شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ حولانِ حول کے اعتبار سے پہلے مال کے تابع نہ ہوگا، بلکہ اس کا حولانِ حول الگ سے ہوگا۔

مثلاً کسی کی ملکیت میں یکم محرم کو دس تولہ سونا تھا، پھر دس ذی الحجہ کو اس کے پاس کسی جگہ سے مزید دس تولہ سونا آ گیا، تو شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یکم محرم والے مال کا سال یکم محرم کو اور دس ذی الحجہ والے مال کا سال دس ذی الحجہ کو پورا ہونا سمجھا جائے گا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹ ...... اگر کوئی شخص مثلاً محرم کی یکم تاریخ کو صاحبِ نصاب بنا، اور پھر چند دنوں تک اُس کی ملکیت میں نصاب سے کم مال رہا، پھر اس کے بعد مثلاً صفر کی یکم تاریخ کو اس کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وإن كان عنده نصاب، وقبل أن يحول عليه الحول استفاد مالا من جنس ذلك النصاب أو مما يضم إليه، فله ثلاثة أقسام:

الأول :أن تكون الزيادة من نماء المال الأول .كربح التجارة، ونتاج السائمة، فهذا يزكى مع الأصل عند تمام الحول .قال ابن قدامة :لا نعلم في ذلك خلافا، لأنه تبع للنصاب من جنسه، فأشبه النماء المتصل.

القسم الثاني :أن يكون المستفاد من غير جنس المال الذي عنده، كأن يكون ماله إبلا فيستفيد ذهبا أو فضة .فهذا النوع لا يزكى عند حول الأصل .بل ينعقد حوله يوم استفادته إن كان نصابا، اتفاقا، ما عدا قولا شاذا أنه يزكيه حين يستفيده.

ولم يعرج على هذا القول أحد من العلماء ، ولا قال به أحد من أئمة الفتيا.

القسم الثالث :أن يستفيد مالا من جنس نصاب عنده قد انعقد حوله وليس المستفاد من نماء المال الأول .كأن يكون عنده عشرون مثقالا ذهبا ملكها في أول المحرم، ثم يستفيد ألف مثقال في أول ذي الحجة، فقد اختلف العلماء في ذلك:

فذهب الشافعية والحنابلة، إلى أنه يضم إلى الأول في النصاب دون الحول، فيزكي الأول عند حوله أي في أول المحرم في المثال المتقدم، ويزكي الثاني لحوله أي في أول ذي الحجة ولو كان أقل من نصاب، لأنه بلغ بضمه إلى الأول نصابا .واستدلوا بعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم :لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول.وبقوله :من استفاد مالا فلا زكاة عليه حتى يحول عليه الحول عند ربه.

وذهب الحنفية إلى أنه يضم كل ما يأتي في الحول إلى النصاب الذي عنده فيزكيهما جميعا عند تمام حول الأول، قالوا :لأنه يضم إلى جنسه في النصاب فوجب ضمه إليه في الحول كالنصاب، ولأن النصاب سبب، والحول شرط، فإذا ضم في النصاب الذي هو سبب، فضمه إليه في الحول الذي هو شرط أولى، ولأن إفراد كل مال يستفاد بحول يفضي إلى تشقيص الواجب في السائمة، واختلاف أوقات الواجب، والحاجة إلى ضبط مواقيت التملك، ووجوب القدر اليسير الذي لا يتمكن من إخراجه، وفي ذلك حرج، وإنما شرع الحول للتيسير، وقد قال الله تعالى (وما جعل عليكم في الدين من حرج)وقياسا على نتاج السائمة وربح التجارة .واستثنى أبو حنيفة ما كان ثمن مال قد زكي فلا يضم، لئلا يؤدي إلى الثنى .

وذهب المالكية إلى التفريق في ذلك بين السائمة وبين النقود، فقالوا في السائمة كقول أبي حنيفة، قالوا :لأن زكاة السائمة موكولة إلى الساعي، فلو لم تضم لأدى ذلك إلى خروجه أكثر من مرة ، بخلاف الأثمان فلا تضم، فإنها موكولة إلى أربابها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۴۳، ۲۴۴،مادة "زكاة")

ملکیت میں نصاب کے برابر مال آ گیا، اور آئندہ سال یکم محرم کو وہ صاحبِ نصاب نہیں تھا، لیکن صفر کی یکم تاریخ کو وہ صاحبِ نصاب تھا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر یکم صفر کو زکاۃ واجب نہ ہوگی، لہٰذا اس سال کی زکاۃ اس سے ساقط ہوجائے گی، کیونکہ اس کا حولانِ حول یکم محرم کو ہورہا ہے، لیکن اس تاریخ میں نصاب پورا نہیں، اور جس تاریخ کو نصاب پورا ہے، وہ اس کے زکاۃ کی تاریخ نہیں۔ [1]

---

[1] پہلے ایڈیشن میں یہ مسئلہ لکھنے میں خطاء سرزَد ہوگئی تھی، اس مرتبہ کی اشاعت میں اس مسئلہ کی متن میں اصلاح کی گئی، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک زکاۃ کا سببِ وجوب مالِ نامی کا ہونا ہے، اور حولانِ حول وجوبِ اداء کی شرط ہے۔

المال النَّامی سبب، لوجوبِ الزَّکاۃ، والحلولُ شرطٌ لوجوب الأداء ، فإذا وُجِدَ السَّبب یصحُّ الأداء مع أنَّه لم یجب (شرح الوقایة، ج۳، ص ۱۸۹، کتاب الزکاۃ)

قوله :مع أنه لم یجب، قد یستشکل ظاهره بأنه لمّا وُجِدَ سببُ الوجوبِ وجبت لا محالة، وإلا لزم الفصلِ بین سبب الوجوب والوجوب، فکیف یصحُّ قوله :مع أنه لم یجب، ویجاب عنه :بأنَّ الضَّمیرَ راجعٌ إلی الأداء ، والغرضُ منه نفی وجوب الأداء لا نفی أصل الوجوب، والحاصل أن یتحقَّقَ سببُ الوجوب یجب الشیء فی الذمة فإذا وجد المال النِّصاب وجبت فی الذِّمَّة، وتعلَّقت بالزَّکاۃ، وأمَّا وجوبُ الأداء الموقوف علی مطالبةِ الشَّارعِ فهو إنّما یتعلّقُ بعد حولان الحول (عمدۃ الرعایة، بتحشیة شرح الوقایة، ج۳، ص ۱۸۹، کتاب الزکاۃ)

وسبب وجوب الزکاۃ المال بصفة أن یکون نصابا نامیا ألا تری أنه یضاف إلی المال وأنه یتضاعف بتضاعف النصب فی وقت واحد ولکن الوجوب بواسطة غنی المالک قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا صدقة إلا عن ظهر غنی والغنی لا یحصل بأصل المال ما لم یبلغ مقدارا وذلک فی النصاب شرعا والوجوب بصفة الیسر ولا یتم ذلک إلا إذا کان المال نامیا ولهذا یضاف إلی سبب النماء أیضا فیقال زکاۃ السائمة وزکاۃ التجارۃ فأما مضی الحول فهو شرط لوجوب الأداء من حیث إن النماء لا یحصل إلا بمضی الزمان ولهذا جاز الأداء بعد کمال النصاب قبل حولان الحول وجواز الأداء لا یکون قبل تقرر سبب الوجوب حتی لو أدی قبل کمال النصاب لم یجز

فإن قیل الزکاۃ یتکرر وجوبها فی مال واحد باعتبار الأحوال وبتکرر الشرط لا یتجدد الواجب قلنا لیس کذلک بل یتکرر الوجوب بتجدد النماء الذی هو وصف للمال وباعتباره یکون المال سببا للوجوب فإن لمضی کل حول تأثیرا فی حصول النماء المطلوب من عین السائمة بالدر والنسل والمطلوب من ربح عروض التجارۃ زیادۃ القیمة(أصول السرخسی، ج ۱، ص ۱۰۶، ۱۹۷، فصل فی بیان اسباب الشرائع)

اور فقہائے احناف نے زکاۃ کے سببِ وجوب منعقد ہونے کے لئے نصاب کے کامل ہونے کا اعتبار ابتدائے حول کی حالت کا کیا ہے، اور زکاۃ کے وجوبِ اداء یا تاکدِ وجوب کے لئے آخرِ حول کی حالت کا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر سال کے دوران مال کی نوعیت بدلتی رہی، لیکن وہ قابلِ زکاۃ مال میں داخل رہا، مثلاً نصاب کے بقدر سونے یا چاندی سے تجارت کا مال خرید لیا، تو بھی حنفیہ کے نزدیک سال کا حساب جاری رہتا ہے، اور اس طرح مال کے تبدیل ہونے سے سال کا حساب تبدیل نہیں ہوتا، البتہ اگر کسی نے سال پورا ہونے سے پہلے اس مال کو ایسے مال سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اعتبار کیا ہے، اور ان دونوں کے مابین کا زمانہ نہ تو انعقادِ سبب کی حالت ہے، اور نہ وجوبِ اداء کی حالت ہے بلکہ حالتِ بقاء ہے، اس لئے اس کو (نصاب کے زیادہ اور کم ہونے میں) غیر معتبر قرار دیا ہے۔

اور حالتِ بقاء کے غیر معتبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے اعتبار کرنے میں حرجِ عظیم لازم آتا ہے، کیونکہ حالتِ بقاء میں مال کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

ثم لا بد من اعتبار كمال النصاب فى أول الحول للانعقاد، وفى آخره لوجوب الأداء ، وما بينهما حالة البقاء فلا اعتبار بها؛ لأن فى اعتبارها حرجا عظيما، فإن بالتصرفات فى النفقات يتناقص ويزداد فى كل وقت، فيسقط اعتباره دفعا لهذا الحرج(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ، ص ۱۰۱، كتاب الزكاة)

المعتبر كمال النصاب فى طرفى الحول؛ ولأن سبب الوجوب هو النصاب فأحد الطرفين حال انعقاد السبب والطرف الآخر حال الوجوب، أو حال تأكد الوجوب بالسبب وما بين ذلك ليس بحال الانعقاد ولا حال الوجوب إذ تأكد الوجوب بالسبب فلا معنى لاشتراط النصاب عنده ولأن فى اعتبار كمال النصاب فيما بين ذلك حرجا؛ لأن التجار يحتاجون إلى النظر فى ذلك كل يوم وكل ساعة وفيه من الحرج ما لا يخفى ولا حرج فى مراعاة الكمال فى أول الحول وآخره وكذلك جرت عادة التجار بتعرف رء وس أموالهم فى أول الحول وآخره ولا يلتفتون إلى ذلك فى أثناء الحول إلا أنه لا بد من بقاء شيء من النصاب وإن قل فى أثناء الحول ليضم المستفاد إليه ولأنه إذا هلك النصاب الأول كله فقد انقطع حكم الحول (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۵،كتاب الزكاة، فصل شرائط جواز النصاب)

(ونقصان النصاب) أطلقه ليتناول كل نصاب تجب فيه الزكاة كالنقدين وعروض التجارة والسوائم (فى أثناء الحول لا يضر إن كمل فى طرفيه) ؛ لأن فى اعتبار كمال النصاب فى جميع الحول حرجا فاعتبر وجود النصاب فى أول الحول للانعقاد.

وفى آخره للوجوب وفيه إشارة إلى أنه لا بد من بقاء شيء من النصاب حتى لو هلك كله فى أثناء الحول لا تجب وإن تم آخر الحول على النصاب(مجمع الانهر، ج ا ، ص۲۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض)

(ونقصانه) أى نقصان مقدار النصاب (فى الحول هدر) أى ساقط غير مانعٍ من الزكاة، لأن فى اعتبار كمالِ النصاب فى جميع الحول حَرَجاً، فاعتُبِر وجودُ النصاب فى أَول الحَول للانعقاد، وفى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تبدیل کرلیا کہ جس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، مثلاً نقدی یا سونے یا چاندی یا تجارت کے مال کے عوض میں رہائش کے لئے مکان یا کسی اور طرح کا سامان خرید لیا، جس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں تھا، تو ایسی صورت میں چونکہ یہ مال نامی نہیں رہتا، اس لئے سال پورا ہونے کے وقت اس کی زکاۃ بھی واجب نہیں ہوتی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

آخره للوجوب، كاليمين يشترط فيها الملك حالةَ الانعقاد وحالة نزول الجزاء ، وفيما بين ذلك لا يشترط (شرح النقاية، ج۲، ص ۱۲۲ ،كتاب الزكاة)

اور سال کے آخری حالت کے وجوبِ اداء یا تاکُّدِ وجوب ہونے کی وجہ سے درمیان سال میں جو ہم جنس مال مستفاد ہو، اُس پر بھی اصل کے تابع ہونے کی وجہ سے زکاۃ کو واجب قرار دیا ہے۔

المستفاد من جنس الأصل تبع له؛ لأنه زيادة عليه، إذ الأصل يزداد به ويتكثر والزيادة تبع للمزيد عليه والتبع لا يفرد بالشرط كما لا يفرد بالسبب لئلا ينقلب التبع أصلا فتجب الزكاة فيها بحول الأصل كالأولاد والأرباح بخلاف المستفاد بخلاف الجنس؛ لأنه ليس بتابع بل هو أصل بنفسه (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲، ص ۱۴ ، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع الى المال)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ کسی کے حق میں نصاب کے بقدر مالِ نامی ہونے کی وجہ سے سببِ وجوب متحقق ہوگیا، تو جب تک ملکیت میں مالِ نامی ہے، خواہ وہ نصاب سے کم ہو، اُس وقت تک اُس کا سببِ وجوب ساقط نہ ہوگا، اور یہ آخرِ سال تک ممتد ہوگا، پھر سال کے آخر میں وجوبِ اداء یا تاکُّدِ وجوب پائے جانے کی صورت میں زکاۃ کی ادائیگی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور سال کے درمیان کا زمانہ (جو کہ حالتِ بقاء ہے) ہدر ہوگا، نہ تو اُس کے ذریعے سے سببِ وجوب کا انعقاد ہوگا، اور نہ وجوبِ ادا یا تاکُّدِ وجوب کا۔

اِلَّا یہ کہ سببِ وجوب کے بعد مال کے پوری طرح جاتے رہنے کی وجہ سے یہ سبب ختم ہوجائے۔

پھر اس کے بعد دوبارہ سببِ وجوب متحقق ہونے پر اُس کے حولانِ حول کا آغاز ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہ ممتد نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

(نقصان النصاب أثناء الحول هدر) ؛ لأن الحول لا ينعقد إلا على النصاب ولا تجب الزكاة إلا في النصاب فلا بد منه في البداية والنهاية ولا عبرة لما بينهما إذ قلما يبقى الحال حولا على حاله لكن لا بد من بقاء شيء من النصاب ليضم المستفاد إليه؛ لأن هلاك الكل يبطل انعقاد الحول إذ لا يمكن اعتباره بلا مال(درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱، ص ۱۸۲ ، كتاب الزكاة،باب زكاة المال)

[۱] أجمع أهل العلم على أن بيع النصاب من عروض التجارة بمثله أثناء الحول لا يقطع الحول، لأن الزكاة تجب في قيمة العروض لا في نفسها.

وذهب المالكية والحنابلة إلى أنه إذا باع نصابا للزكاة مما يعتبر فيه الحول بجنسه كالإبل بالإبل،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی کو صاحبِ نصاب بننے کا انگریزی مہینہ وتاریخ تو یاد ہے، مگر اسلامی مہینہ وتاریخ یاد نہیں تو اسے اسلامی مہینہ وتاریخ کا حساب نکالنا چاہئے۔

اور اگر اس کے باوجود ٹھیک حساب نہ نکالا جاسکے تو پھر غالب گمان پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۲...... صاحبِ نصاب شخص کو ہر سال میں ایک مرتبہ ڈھائی فیصد زکاۃ ادا کرنا لازم ہے، اور اگر وہ ایک سال سے زیادہ سالوں تک (خواہ عمر بھر) صاحبِ نصاب رہے تو ہر سال زکاۃ واجب ہوگی۔

اور جس سال صاحبِ نصاب نہیں ہوگا، اس سال کی زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

اور بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ مالِ زکاۃ کی عمر بھر میں ایک مرتبہ زکاۃ دینا کافی ہوتا ہے، خواہ وہ مال کتنے ہی سال اپنے پاس کیوں نہ رہے، یہ سراسر شرعی حکم سے ناواقفی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳...... زکاۃ کی ادائیگی واجب ولازم ہونے کے بعد جلد از جلد زکاۃ ادا کرنے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أو البقر بالبقر، أو الغنم بالغنم، أو الذهب بالذهب، أو الفضة بالفضة، لم ينقطع الحول وبنى حول البدل على حول النصاب الأول (المبدل منه) لأنه نصاب يضم نماؤه فى الحول، فبنى حول بدله من جنسه على حوله كالعروض.

وذهب الشافعية إلى أن الحول ينقطع بهذه المبادلة ما لم تكن للتجارة، فلا ينقطع الحول إلا فى الصرف فينقطع، ويستأنف حول جديد. لقوله صلى الله عليه وسلم: لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول.

أما الحنفية، فقد وافقوا المالكية والحنابلة فى الأثمان، ووافقوا الشافعية فيما سواها، لأن الزكاة إنما وجبت فى الأثمان عندهم، لكونها ثمنا، بخلاف غيرها من الأموال الأخرى.

أما إذا باع نصابا للزكاة بغير جنسه، كإبل ببقر، فقد اتفقوا على انقطاع الحول واستئناف حول جديد، إذا لم يكن هذا فرارا من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۷۴، مادة "تغيير")

[۱] المظنة من الظن وهو فى اللغة: اسم لما يحصل عن أمارة ومتى قويت أدت إلى العلم، والظن فى الأصل خلاف اليقين، وقد يستعمل بمعنى اليقين كقوله تعالى: (الذين يظنون أنهم ملاقو ربهم) والمظنة: بكسر الظاء للمعلم وهو حيث يعلم الشىء والجمع المظان ومظنة الشىء موضعه ومألفه.

وفى الاصطلاح: المظنونات هى القضايا التى يحكم فيها حكما راجحا مع تجويز نقيضه.

الأحكام المتعلقة بالمظنة:

المظنة تقوم مقام اليقين عند الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص۱۴۵، مادة "مظنة")

اہتمام کرنا چاہئے، اور بغیر کسی معقول عذر کے اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے، کہ شاید اچانک موت آجائے اور یہ فریضہ اپنی گردن پر رہ جائے، یا اور کوئی وجہ بن جائے۔

اگر سال گزرنے پر زکاۃ نہیں دی، یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گزر گیا، تو بلا عذر یہ تاخیر کرنا گناہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہئے، اور گزشتہ مکمل عرصہ کی زکاۃ ادا کرنی چاہئے۔

اگر کوئی بروقت زکاۃ ادا نہیں کرتا، تو خواہ کتنا بھی وقت گزر جائے، زکاۃ اس کے ذمہ میں لازم ہی رہتی ہے، معاف نہیں ہوتی، اور تاخیر کا گناہ الگ ہوتا ہے، اور گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا کرنے کا طریقہ آگے ''زکاۃ کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام'' میں آتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴...... اگر زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جانے اور سال گزرنے کے بعد وہ مال اپنے اختیار کے بغیر ہلاک ہوجائے، جس پر کہ زکاۃ واجب تھی، مثلاً وہ مال چوری ہوجائے، یا آگ میں جل کر راکھ یا تلف ہوجائے، یا سیلاب وغیرہ کی نذر ہوجائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاۃ ساقط ہوجاتی ہے، یعنی اس کی زکاۃ واجب نہیں رہتی، کیونکہ جس مال میں زکاۃ واجب تھی، اس کی ذات ہی باقی نہیں رہی۔

اور اگر سارا مال تو ہلاک نہ ہو، البتہ کچھ مال ہلاک ہوجائے، تو جتنا مال ہلاک ہو، اس کی زکاۃ ساقط ہوجاتی ہے۔

البتہ اگر کوئی جان بوجھ کر اس مال کو ہلاک کردے، مثلاً اسے کسی جگہ خرچ کردے، تو پھر اس کی

---

[1] ذهب المالكية والشافعية والحنابلة والحنفية فى المفتى به عندهم إلى أن أداء الزكاة يجب على الفور، حين التمكن من أدائها، ويأثم المكلف بتأخيرها بعد التمكن، حتى عند الذين يرون أن الأمر المطلق لا يقتضى الفور ولا التراخى، بل مجرد طلب المأمور به، لأن الأمر بالصرف إلى الفقير معه قرينة إرادة الفور منه، ولأنه حق لزم المزكى وقدر على أدائه، ودلت القرينة على طلبه، وهى حاجة الأصناف، وهى معجلة، فمتى لم تجب على الفور لم يحصل المقصود من الإيجاب على الوجه المطلوب.

والقول الثانى عند الحنفية، وعليه عامة علمائهم :أنها على التراخى وأن افتراضها عمرى، لما قلنا : من أن مطلق الأمر لا يقتضى الفور فيجوز للمكلف تأخيره، وهو قول عند الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۲۳، مادة "فور")

زکاۃ ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اپنی کوتاہی واختیار کا دخل پایا جاتا ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جب کسی مال پر زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں، اور سال گزرنے کے بعد زکاۃ ادا کرنے پر قدرت ہونے کے باوجود کوتاہی کرے، اور پھر وہ مال اختیاری یا غیر اختیاری طور پر ہلاک ہوجائے، تو اس کی زکاۃ معاف نہیں ہوتی، کیونکہ وقت پر زکاۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ کوتاہی کا مرتکب شمار ہوتا ہے، اور جب کوئی چیز ذمہ میں واجب ہوجائے، تو وہ ساقط نہیں ہوا کرتی۔ [2]

---

[1] اور اگر زکاۃ دینے کے بجائے وہ مال صدقہ کردے، جس پر کہ زکاۃ واجب تھی، تو حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں صدقہ کے ضمن میں زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، جیسا کہ آگے ''زکاۃ کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام'' میں آتا ہے۔

من وجبت عليه الزكاة فلم يخرجها ثم ضاع المال كله أو بعضه، أو تلف بغير فعل المزكى فقد اختلف الفقهاء فى ذلك: فقال الحنفية :إن تلف المال سقطت الزكاة؛ لأن الواجب جزء من النصاب فيسقط بهلاك محله، لكن إن كان هلاكه بعد طلب الساعى فقيل :يضمن، وقيل :لا يضمن. قالوا :وإذا هلك بعض المال يسقط من الزكاة بقدره أى بنسبة ما هلك.

وقالوا :إن تلف من مال الزكاة بعد الحول ما كان به الباقى أقل من نصاب قبل إمكان الأداء بلا تفريط سقطت الزكاة، فإن أمكن الأداء وفرط ضمن (الموسوعةالفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۳، مادة "زكاة")

[2] وقال المالكية والشافعية :إن كان ضياعه بتفريطه فى حفظه وجبت عليه زكاة كل المال، وكذا إن فرط فى الإخراج بعد التمكن، بأن وجد المستحق، سواء طلب الزكاة أم لم يطلبها، لتقصيره بحبس الحق عن مستحقه .ثم قال الشافعية :إن لم يكن فرط زكى الباقى فقط بقسطه، ولو كان أقل من نصاب، على الأظهر عندهم، فلو ملك خمسا من الإبل فتلفت واحدة منه قبل التمكن ففى الباقى ۴/۵ شاة على الأظهر، ولا شىء على الثانى. وقال المالكية -وهو قول آخر للشافعية :إن كان الباقى أقل من نصاب سقطت الزكاة .وقال الحنابلة :يجب عليه زكاة كل المال، حتى لو ضاع كله بعد الحول فالزكاة فى ذمته لا تسقط إلا بالأداء ، لأنها حق للفقراء ومن معهم لم يصل إليهم، كدين الآدمى (الموسوعةالفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۳، مادة "زكاة")

قال الجمهور: إن هلك المال بعد وجوب الزكاة لم تسقط الزكاة، وإنما يضمنها، فيكون إمكان الأداء شرطاً فى الضمان لا فى الوجوب، لأن من تقرر عليه الواجب لا يبرأ عنه بالعجز عن الأداء كما فى صدقة الفطر والحج وديون الناس، والزكاة حق متعين على رب المال، فإن تلف قبل وصوله إلى مستحقه لم يبرأ منه بذلك، كدين الآدمى .ولو عزل قدر الزكاة، فنوى أنه زكاة فتلف، فهو فى ضمان رب المال، ولا تسقط الزكاة عنه بذلك، سواء قدر على أن يدفعها إليه أو لم يقدر.

واستثنى المالكية زكاة الماشية، لأن وجوبها عندهم إنما يتم بشرط خروج الساعى، مع الحول، فإن تلفت فلا تضمن زكاتها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۵...... سال پورا ہونے سے پہلے اگرچہ زکاۃ ادا کرنا لازم نہیں، لیکن اگر کوئی پیشگی زکاۃ دے، تو اگر اس نے ایسے وقت زکاۃ دی، جب اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال نہیں تھا، تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔

اور اگر نصاب کے بقدر مال تھا، تو پھر حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ دینا درست ہوتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا وقد ذكر ابن رشد خمسة أقوال فيما إذا أخرج الزكاة فضاعت كأن تسرق أو تحترق :وهي قول :إنه لا يضمن بإطلاق، وقول :إنه يضمن بإطلاق، وقول:وما بعدها .إن فرط ضمن وإن لم يفرط لم يضمن، وهو مشهور مذهب مالك، وقول :إن فرط ضمن، وإن لم يفرط زكى ما بقي، وبه قال أبو ثور والشافعي.

والقول الخامس :يعد الذاهب من الجميع ويكون المساكين ورب المال شريكين في الباقي بقدر حظهما من حظ رب المال(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۱۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الرابع)

[۱] البتہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک پیشگی زکاۃ کی ادائیگی کے جائز ہونے کے باوجود اختلاف سے بچنے کے لئے افضل وبہتر یہ ہے کہ بلاضرورت پیشگی زکاۃ نہ دے، تاہم اگر کسی ضرورت کی وجہ سے پیشگی زکاۃ دے، تو حرج نہیں، اور اگر نصاب کا مالک بننے سے پہلے پیشگی زکاۃ ادا کرے، تو پھر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

ذهب جمهور الفقهاء :إلى جواز تعجيل إخراج الزكاة قبل الحول في الجملة، وذلك لأن العباس رضي الله عنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك، ولأنه حق مالي جعل له أجل للرفق، فجاز تعجيله قبل أجله، كالدين ولأنه -كما قال الشافعية - وجب بسببين، وهما :النصاب، والحول :فجاز تقديمه على أحدهما، كتقديم كفارة اليمين على الحنث.

ومنعه ابن المنذر، وابن خزيمة من الشافعية، وأشهب من المالكية، وقال :لا تجزء قبل محله كالصلاة، ورواه كذلك ابن وهب .قال ابن يونس :وهو الأقرب، وغيره استحسان.

ونص الحنفية والمالكية والحنابلة :على أن تركه أفضل، خروجا من الخلاف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ،ص ۲۲۶ ،مادة "تعجيل")

الفقهاء يختلفون في جواز تعجيل الأداء عن وقت وجوبها أو عن أسبابها :ففي الزكاة مثلا يجوز تعجيل الأداء قبل الحول متى تم النصاب، وذلك عند جمهور الفقهاء ، لأن النبي صلى الله عليه وسلم تسلف من العباس رضي الله عنه زكاة عامين ؛ ولأنه حق مال أجل للرفق، فجاز تعجيله قبل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جس صورت میں پیشگی زکاۃ دینا جائز ہے، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک ایک سے زیادہ سالوں کی پیشگی زکاۃ دینا بھی جائز ہے۔

اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک ایک سال سے زیادہ کی پیشگی زکاۃ دینا جائز نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محله، كالدين المؤجل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص۳۳۳،مادة "اداء")

اتفق العلماء على أنه لا يجوز تعجيل الزكاة قبل ملك النصاب، لأنه لم يوجد سبب وجوبها، فلم يجز تقديمها كأداء الثمن قبل البيع، والدية قبل القتل.

أما تعجيل الزكاة متى وجد سبب وجوب الزكاة، وهو النصاب الكامل، ففيه رأيان للفقهاء .

۱ ــ قال الجمهور :يجوز تطوعاً تقديم الزكاة على الحول، وهو مالك للنصاب، لأنه أدى بعد سبب الوجوب، ولما روى علي كرم الله وجهه أن العباس رضي الله عنه سأل رسول الله صلّى الله عليه وسلم ليعجل زكاة ماله قبل محلها، فرخص له في ذلك ، ولأنه حق مال أجّل للرفق، فجاز تعجيله قبل أجله أو محله، كالدين المؤجل ودية الخطأ، فهي تشبه الحقوق المالية المؤجلة.

وذكر الشافعية أن شرط إجزاء المعجل :أن يبقى المالك أهلاً للوجوب إلى آخر الحول في الحول، ودخول شوال في الفطرة، وأن يكون القابض في آخر الحول أو عند دخول شوال مستحقاً. وإذا لم يجزئه المعجل لفوات أحد هذين الشرطين، استرد من القابض إن علم القابض أنها زكاة معجلة .وإن مات المالك أو القابض قبل ذلك أو ارتد القابض أو غاب أو استغنى بمال غير المعجل كزكاة أخرى ولو معجلة، أو نقص النصاب أو زال عن ملكه وليس مال تجارة، لم يجزئه المعجل لخروجه عن الأهلية عند الوجوب.

۲ ــ وقال الظاهرية والمالكية:لا يجوز إخراج الزكاة قبل الحول، لأنها عبادة تشبه الصلاة، فلم يجز إخراجها قبل الوقت، ولأن الحول أحد شرطي الزكاة، فلم يجز تقديم الزكاة عليه، كالنصاب(الفقه الاسلامي وادلتۂ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثالث)

[1] اور مالکیہ کے نزدیک سال پورا ہونے سے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ قبل تو زکاۃ دینا جائز ہے، اس سے زیادہ مدت پہلے دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

واختلف الفقهاء في المدة التي يجوز تعجيل الزكاة فيها:

فذهب الحنفية :إلى جواز تعجيل الزكاة لسنين، لوجود سبب الوجوب، وهو :ملك النصاب النامي .وقيده الحنابلة بحولين فقط، اقتصارا على ما ورد .فقد روى علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم تعجل من العباس رضي الله عنه صدقة سنتين لقوله صلى الله عليه وسلم :أما العباس فهي علي ومثلها معها ولما روى أبو داود من أن النبي صلى الله عليه وسلم تسلف من العباس صدقة عامين وهو وجه عند الشافعية، صححه الإسنوي وغيره، وعزوه للنص.

وذهب الشافعية :إلى عدم جواز تعجيل الزكاة لأكثر من عام، وذلك :لأن زكاة غير العام الأول لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... زکاۃ واجب ہونے سے بچنے کی غرض سے حیلہ اختیار کرنا، مثلاً جب زکاۃ کے مال پر سال پورا ہونے والا ہو، تو اس سے پہلے اس مال کو اپنے کسی عزیز مثلاً بیوی یا بیٹے کو ہبہ کر دینا اور سال گزرنے کے بعد اس ہبہ کو واپس لے لینا یا اس پورے مال کو یا مال کی اتنی مقدار کو کہ اس کے بعد مال زکاۃ کے نصاب کے بقدر باقی نہ رہے، کسی ایسے مال سے بدل دینا کہ جس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، تو ایسا حیلہ اختیار کرنا مکروہ وممنوع ہے، البتہ بعض حضرات کے نزدیک بضرورت جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ينعقد حولها، والتعجيل قبل انعقاد الحول لا يجوز، كالتعجيل قبل كمال النصاب فى الزكاة العينية.
أما المالكية :فلم يجيزوا تعجيل الزكاة لأكثر من شهر قبل الحول على المعتمد، وتكره عندهم بشهر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۱، ص۲۲۶،مادة " تعجيل")

[1] ولو احتال بشىء من ذلك فرارا من وجوب الزكاة عليه هل يكره له ذلك؟ قال محمد : يكره.وقال أبو يوسف :لا يكره.
وهو على الاختلاف فى الحيلة لمنع وجوب الشفعة، ولا خلاف فى الحيلة لإسقاط الزكاة بعد وجوبها مكروهة كالحيلة لإسقاط الشفعة بعد وجوبها(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۵، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع الى المال)
(وتكره الحيلة لإسقاطها) أى الزكاة (عند محمد) لأن الزكاة لنفع الفقراء وفى الحيلة إضرار بهم وهو المختار عند المصنف لأنه قدمه وعليه الفتوى (خلافا لأبى يوسف) لأنها امتناع عن الوجوب لا إبطال لحق الغير لأنه ربما يخاف أن لا يمتثل الأمر فيكون عاصيا والفرار من المعصية طاعة قيل: وهذا أصح(مجمع الانهر، ج۱ص۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة اداء الزكاة)
وفى المعراج ولو باع السوائم قبل تمام الحول بيوم فرارا عن الوجوب قال محمد يكره، وقال أبو يوسف لا يكره، وهو الأصح ولو باعها للنفقة لا يكره بالإجماع ولو احتال لإسقاط الواجب يكره بالإجماع، ولو فر من الوجوب بخلا لا تأثيما يكره بالإجماع .اهـ(البحرالرائق، ج۲ص۲۳۶، ۲۳۷، كتاب الزكاة)
ومنها أن يهبه لطفله قبل التمام بيوم(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص۳۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)
(قوله :وهى من الحيل) أى هذه المسألة من حيل إسقاط الزكاة بأن يهب النصاب قبل الحول بيوم مثلا ثم يرجع فى هبته بعد تمام الحول والظاهر أنه لو رجع قبل تمام الحول تسقط عنه الزكاة أيضا لبطلان الحول بزوال الملك تأمل وقدمنا الاختلاف فى كراهة الحيلة عند قوله :ولا فى هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلك(ردالمحتار، ج۲ص۳۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

بعض مرد اور خاص کر خواتین زکاۃ سے بچنے کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتی ہیں کہ سال کے کچھ دنوں کے لئے زیورات وغیرہ میں اپنے نابالغ بچوں یا شوہر کی ملکیت تصور اور فرض کرلیتی ہیں، اور کچھ دنوں کے لئے اپنی ملکیت تصور کرلیتی ہیں، اور اس طرح یہ سمجھ بیٹھتی ہیں کہ زکاۃ کے مال پر سال گزرنے کی شرط کسی فرد کے حق میں بھی ثابت نہیں ہوئی، لہٰذا اس مال کی زکاۃ کسی پر بھی واجب نہیں ہوئی۔

حالانکہ اولاً تو اس قسم کے تصور کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، اور یہ صرف تصور ہی کے درجہ کی چیز ہے۔

دوسرے اگر کوئی حقیقت میں کسی دوسرے کو مال ہبہ کردے تو اس ہبہ کے صحیح اور مکمل ہونے کے لئے کچھ شرائط مقرر ہیں، اور پھر دوسرے کا مال اپنی ذات کے لئے ہبہ ہونے کے لئے دوسرے کی طرف سے بھی ان شرائط کے ساتھ ہبہ ہونا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ وہ عاقل بالغ ہو، اور نابالغ بچہ کی طرف سے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

تیسرے اگر دونوں طرف سے ہبہ کی تمام شرائط موجود ہوں، تب بھی زکاۃ سے بچنے کے لئے اس قسم کے حیلوں کو اختیار کرنا بہت سے فقہاء کرام کی نظر میں مکروہ اور برا فعل ہے۔

اور پھر یہ سب کچھ مال میں کمی ہونے کے ڈر سے کیا جاتا ہے، جبکہ شریعت کی رُو سے زکاۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے۔

لہٰذا یہ طرزِ عمل ایمان اور یقین کی کمزوری کی بھی دلیل ہے۔ [1]

---

[1] وكـذلك يحرم التصرف فى المال بهبة أو غيرها قبل الحول للفرار من الزكاة عند المالكية والحنابلة .وقد اختلف الحنفية فى ذلك.

فقال أبو يوسف :لا يكره ذلك، لأنه امتناع عن الوجوب لإبطال حق الغير .

وفى المحيط أنه الأصح .

وقال محمد :يكره .واختاره الشيخ حميد الدين الضرير، لأن فيه إضرارا بالفقراء ، وإبطال حقهم مآلا .وقيل :الفتوى على قول محمد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم اس طرح صحیح طریقہ پر ہبہ کا عمل کرکے زکاۃ سے بچنے کا حیلہ اختیار کرنے کے بعد حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بظاہر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، کیونکہ زکاۃ واجب ہونے کی جو ایک شرط سال گزرنا یا حولانِ حول ہے، وہ نہیں پائی جاتی، جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے، تو ممکن ہے کہ آخرت میں اس طرزِ عمل پر مؤاخذہ ہو، جبکہ زکاۃ سے بچنے کی خاطر اور بلاضرورت ایسا کیا گیا ہو۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ كـذلك الأمر بالنسبة للشافعية، ففى نهاية المحتاج والشروانى : يكره تنزيها إن قصد به الفرار من الزكاة .وقال الشروانى :وفى الوجيز يحرم .زاد فى الإحياء :ولا تبرأ به الذمة باطنا، وأن هذا من الفقه الضار، وقال ابن الصلاح يأثم بقصده لا بفعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٠٢، مادة "احتيال")

[1] اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ حیلہ نا قابلِ اعتبار شمار ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے زکاۃ ساقط نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

اختلف الفقهاء فى حكم الفرار من الزكاة، فقال المالكية والحنابلة ومحمد بن الحسن من الحنفية والأوزاعى وإسحاق وأبو عبيد :إنه يحرم الاحتيال لسقوط الزكاة، وتجب مع الحيلة، كمن كانت عنده ماشية فباعها قبل الحول بدراهم فرارا من الزكاة، أو أبدل النصاب بغير جنسه ليقطع الحول ويستأنف حولا آخر، أو أتلف جزءا من النصاب قصدا لنقص النصاب لتسقط عنه الزكاة، بل تجب عليه الزكاة سواء كان المبدل ماشية أو غيرها من النصب، بدليل قوله تعالى :(إنا بلوناهم كما بلونا أصحاب الجنة إذ أقسموا ليصرمنها مصبحين ولا يستثنون فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون فأصبحت كالصريم) فتنادوا مصبحين . فعاقبهم الله تعالى بذلك لفرارهم من الصدقة، لأنهم لما قصدوا قصدا فاسدا اقتضت الحكمة معاقبتهم بنقيض قصدهم، كمن قتل مورثه لاستعجال ميراثه عاقبه الشرع بالحرمان.

وهذا إذا كانت الحيلة عند قرب الوجوب، ولو فعل ذلك فى أول الحول لم تجب فيه الزكاة، لأن ذلك ليس بمظنة للفرار، وكذلك لا تجب الزكاة لو أتلفه لحاجته.

وقال الشافعية والشيخان من الحنفية بسقوط الزكاة مع الكراهة، لأنه نقص قبل تمام حوله، فلم تجب فيه الزكاة كما إذا أتلفه لحاجته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢،ص٧٥،مادة "فرار")

اختلف الفقهاء فى التحيل على إسقاط الزكاة بإبدال النصاب بغير جنسه قبل نهاية الحول فذهب الحنفية والشافعية إلى سقوط الزكاة لأن النصاب نقص قبل تمام حوله فلم تجب فيه كما لو أتلفه لحاجته.

وذهب المالكية والحنابلة والأوزاعى وإسحاق وأبو عبيد إلى تحريم التحيل لإسقاط الزكاة وأنه لا تسقط عنه الزكاة سواء كان المبدل ماشية أو غيرها من النصب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦،ص ٢٤٤ ،مادة "مخارج الحيل")

(باب نمبر۴)

زکاۃ کے مصارف اور ادائیگی کے احکام

(زکاۃ کے مستحقین اور زکاۃ کی ادائیگی سے متعلق احکام)

قرآن مجید میں جگہ جگہ زکاۃ کا حکم دیتے وقت ”آتوا الزکاۃ“ یعنی زکاۃ ادا کرو، کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ دے کر بے فکر ہوجانا کافی نہیں، بلکہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ زکاۃ اداء ہوئی بھی ہے یا نہیں؟

پس زکاۃ فرض اور واجب ہونے کے بعد شریعت کا حکم پورا نہیں ہوجاتا، بلکہ زکاۃ کو مستحقین تک پہنچانا اور زکاۃ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے شریعت کی طرف سے زکاۃ کے مختلف مصارف متعین کئے گئے ہیں، جہاں زکاۃ کو خرچ کرنے کا حکم ہے، اور بعض مقامات یا اشخاص کو زکاۃ دینا جائز قرار نہیں دیا گیا۔

اور اسی طرح زکاۃ کی ادائیگی کے لئے مخصوص شرائط بھی مقرر کی گئی ہیں، ان کا علم حاصل کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

اس لئے اب اس باب میں الگ الگ فصلوں کے ذیل میں زکاۃ کے مصارف و مستحقین اور زکاۃ کی ادائیگی کے احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(فصل نمبر۱)

زکاۃ کے آٹھ قرآنی مصارف اوران کے احکام

قرآن مجید میں زکاۃ کے آٹھ مصارف ومواقع بیان کیے گئے ہیں۔

چنانچہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورة التوبة، رقم الآية ٦٠)

ترجمہ: بس صدقات ہیں فقیروں کے لئے، اور مسکینوں کے لیے، اوران پر مقرر عاملوں کے لیے، اوران کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے، اور گردنیں چھڑانے میں، اور قرض داروں کے لئے، اور اللہ کے راستہ میں، اور مسافر کے لئے، فریضہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علیم ہے، حکیم ہے (سورہ توبہ)

فائدہ: صدقات کے مفہوم میں زکاۃ بھی داخل ہے، اور زکاۃ درحقیقت فرض درجہ کا صدقہ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ اور صدقات کے بنیادی طور پر آٹھ مصارف ہیں، جو مذکورہ آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ [1]

---

[1] مصارف الزكاة محصورة في ثمانية أصناف. والأصناف الثمانية قد نص عليها القرآن الكريم في قوله تعالى :(إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم)و "إنما" التي صدرت بها الآية أداة حصر، فلا يجوز صرف الزكاة لأحد أو في وجه غير داخل في هذه الأصناف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۱۲، مادة "زكاة")

نصت الآية القرآنية من سورة التوبة على أصناف ثمانية تستحق الزكاة وهي قوله تعالى :(إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل، فريضة من الله، والله عليم حكيم)فدلت على أنه تصرف الزكاة إلى الأصناف الثمانية(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

آگے زکاۃ وصدقات کے مذکورہ آٹھ قرآنی مصارف کی بالترتیب تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱،۲)......فقراء ومساکین (یعنی فقیر اور مسکین کو زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا پہلا مصرف فقراء اور دوسرا مصرف مساکین کو بیان کیا گیا ہے۔

فقراء، فقیر کی جمع ہے، اور مساکین، مسکین کی جمع ہے، آگے زکاۃ کے ان دونوں مصارف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... زکاۃ کا ایک مصرف فقیر ہے، اور دوسرا مصرف مسکین ہے۔

فقیر اور مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جو ایسے ضرورت مند ہوں کہ ان کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کا انتظام نہ ہو، اور فقیر ومسکین کے معنیٰ ایک دوسرے کے قریب قریب آتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے کبھی یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتے ہیں، البتہ جب یہ الفاظ ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوں، تو ان کے متعین معنیٰ فقہائے کرام کی آراء میں مختلف ہوتے ہیں۔ [۱]

چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر شخص، مسکین شخص کے مقابلہ میں زیادہ حاجت مند شمار ہوتا ہے۔ [۲]

---

[۱] الصنفان الأول والثانی :الفقراء والمساكين:
الـفـقـراء والمساكين هم أهل الحاجة الذين لا يجدون ما يكفيهم، وإذا أطلق لفظ (الفقراء) وانفرد دخل فيهم (المساكين) ، وكـذلک عكسه، وإذا جمع بينهما فی كلام واحد، كما فی آية مصارف الزكاة، تميز كل منهما بمعنى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۱۲، مادة "زكاة")

[۲] وقـد اختلف الفقهاء فی أيهما أشد حاجة، فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الفقير أشد حاجة من الـمسكين، واحتجوا بأن الله تعالى قدم ذكرهم فی الآية، وذلک يدل على أنهم أهم وبقوله تعالى :(أما السفينة فكانت لمساكين يعملون فی البحر) . فأثبت لهم وصف المسكنة مع كونهم يملكون سفينة ويحصلون نولا، واستأنسوا لذلک أيضا بالاشتقاق، فالفقير لغة :فعيل بمعنى مفعول، وهو من نزعت بعض فقار صلبه، فانقطع ظهره، والمسكين مفعيل من السكون، ومن كسر صلبه أشد حالا من الساكن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۱۲، مادة "زكاة")

اوراس کے بالکل برعکس حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مسکین شخص، فقیر کے مقابلہ میں زیادہ حاجت مند شمار ہوتا ہے۔ ؎۱

کیونکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر وہ کہلاتا ہے کہ جس پاس نہ تو مال ہو، اور نہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کمائی کا موقع میسر ہو، یا اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کا، آدھے سے کم انتظام ہو، یعنی جتنی اس کی بنیادی (کھانے پینے، پہننے وغیرہ کی) ضرورت ہو، اس کو پورا کرنے کے لئے اس کو آدھے سے زیادہ مال درکار ہو۔

اور اگر اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کا آدھا یا اس سے زیادہ انتظام ہو، لیکن ضرورت پوری کرنے کا مکمل انتظام نہ ہو، تو وہ ان حضرات کے نزدیک مسکین کہلاتا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مسکین وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس ذرا سا بھی مال نہ ہو، جس کی وجہ سے اس کو لوگوں سے سوال کرنے اور مانگنے کی ضرورت ہو، اور اس کو سوال کرنا اور مانگنا حلال بھی ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک فقیر وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس مال تو ہو، لیکن وہ مال نہ تو زکاۃ کے نصاب کے بقدر ہو، اور نہ ہی اس کی مالیت نصاب کے بقدر ہو، اور اگر اس کے پاس زیادہ مالیت کا مال ہو، تو وہ اس کی حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک فقیر وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس اتنا مال ہو، جو اس کے سال بھر کی

؎۱ وذهب الحنفية والمالكية إلى أن المسكين أشد حاجة من الفقير، واحتجوا بأن الله تعالى قال :(أو مسكينا ذا متربة) وهو المطروح على التراب لشدة جوعه، وبأن أئمة اللغة قالوا ذلك، منهم الفراء وثعلب وابن قتيبة، وبالاشتقاق أيضا، فهو من السكون، كأنه عجز عن الحركة فلا يبرح.

ونقل الدسوقي قولا أن الفقير والمسكين صنف واحد، وهو من لا يملك قوت عامه، سواء كان لا يملك شيئا أو يملك أقل من قوت العام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۳، مادة "زكاة")

کھانے پینے اور خوراک وغذا وغیرہ کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... مالدار شخص جس کو عربی میں ''غنی'' کہا جاتا ہے، اس کو زکاۃ دینا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں غنی کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا

---

[1] واختلف الفقهاء فی حد کل من الصنفين:

فقال الشافعية والحنابلة :الفقير من لا مال له ولا كسب يقع موقعا من حاجته، كمن حاجته عشرة فلا يجد شيئا أصلا، أو يقدر بماله وكسبه وما يأتيه من غلة وغيرها على أقل من نصف كفايته .فإن كان يجد النصف أو أكثر ولا يجد كل العشرة فمسكين.

وقال الحنفية والمالكية :المسكين من لا يجد شيئا أصلا فيحتاج للمسألة وتحل له.

واختلف قولهم فى الفقير:

فقال الحنفية :الفقير من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب، فإذا ملك نصابا من أى مال زكوى فهو غنى لا يستحق شيئا من الزكاة، فإن ملك أقل من نصاب فهو غير مستحق، وكذا لو ملك نصابا غير نام وهو مستغرق فى الحاجة الأصلية، فإن لم يكن مستغرقا منع، كمن عنده ثياب تساوى نصابا لا يحتاجها، فإن الزكاة تكون حراما عليه، ولو بلغت قيمة ما يملكه نصبا فلا يمنع ذلك كونه من المستحقين للزكاة إن كانت مستغرقة بالحاجة الأصلية كمن عنده كتب يحتاجها للتدريس، أو آلات حرفة، أو نحو ذلك.

وقال المالكية :الفقير من يملك شيئا لا يكفيه لقوت عامه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۲، ۳۱۳، مادة "زكاة")

الفقير فى اللغة ضد الغنى، وهو من قل ماله، والفقر ضد الغنى.

وفى الاصطلاح عرفه الشافعية، والحنابلة بأنه :من لا يملك شيئا ألبتة، أو يجد شيئا يسيرا من مال أو كسب لا يقع موقعا من كفايته.

وعرفه الحنفية :بأنه من يملك دون نصاب، من المال النامى، أو قدر نصاب غير نام مستغرق فى حاجته.

وعرفه المالكية :بأنه من يملك شيئا لا يكفيه قوت عامه .

الألفاظ ذات الصلة:المسكين:

المسكين عند الحنفية، والمالكية :من لا يملك شيئا، وعند الشافعية :من قدر على مال أو كسب يقع موقعا من كفايته ولا يكفيه، وقال قوم :إن الفقير والمسكين صنف واحد.

وعند الحنابلة :من يجد معظم الكفاية أو نصفها من كسب أو غيره.

والصلة بينهما أن كلا من الفقير والمسكين اسم ينبىء عن الحاجة، وأن كليهما من مصارف الزكاة والصدقات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲، ص۲۰۰، مادة "فقير")

لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِغَارِمٍ، أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ، أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ، فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ (سنن ابی داوٗد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مالدار کو حلال نہیں، مگر پانچ افراد کو، ایک تو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کو، دوسرے زکاۃ کے عامل (یعنی اسلامی حکومت کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے والے نمائندہ) کو، تیسرے مقروض کو (یعنی جس پر دوسروں کا قرض چڑھا ہوا ہو) چوتھے اس آدمی کو جس نے اس (زکاۃ والے مال) کو اپنے مال کے عوض میں (غریب سے) خرید لیا (تو اس کے لئے یہ زکاۃ کا خریدا ہوا مال حلال ہوگیا) پانچویں اس آدمی کو جس کا پڑوسی غریب ہو، پھر غریب کو صدقہ کیا جائے، تو وہ مسکین اس صدقہ کا غنی (یعنی مالدار) کو ہدیہ کردے (ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

بعض روایات میں مسافر کا بھی ذکر آیا ہے۔ [2]

اس جیسی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ جس شخص کو زکاۃ دی جائے، اس

---

[1] رقم الحديث ۱۶۳۵، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذُ الصدقة وهو غنيٌّ، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۸۴۱، باب من تحل له الصدقة.
قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح (حاشية ابى داوٗد)

[2] عن أبي سعيدٍ، قال: قال رسولُ الله -صلَّى الله عليه وسلم " :-لا تحل الصدقة لغني، إلا في سبيل الله، أو ابن السبيل، أو جارٍ فقيرٍ يُتصدَّقُ عليه، فيُهدى لك أو يدعوك" (سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ۱۶۳۷)

فيهدى لک او يدعوک اى يضيفک ويطعمک وانت غنى ، والحاصل ان الفقير اذا تصدق عليه فيهدى للغنى ويملكه او يضيف الغني ويطعمه على سبيل الاباحة يحل للغنى على الحالين ، قال ابوداوٗد رواه فراس وابن ابى ليلى محمد عن عطيه مثله، اثبت ابوداوٗد بهذا التعليق ان عمران البارقى عن عطية ليس بمتفرد بهذا الحديث ، بل رواه فراس وابن ابى ليلى ايضا كما رواه عمران البارقى، فلفظ ابن السبيل فى هذا الحديث صحيح (بذل المجهود شرح ابى داوٗد، ج۳ص۴۵، باب من يجوز له اخذ الصدقة وهو غنى)

کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقیر وغریب ہو، مالدار اور امیر آدمی کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔
البتہ اگر کوئی مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ کی وصولی کے لئے بطورِ عامل کے مقرر ہو، تو اس کو زکاۃ کی مد سے معاوضہ دینا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ''عاملین'' کے مصرف کے بیان میں آتی ہے۔

اسی طرح سے اگر کوئی شخص سفر میں ہو، اور اس کے وطن میں مال موجود ہو، لیکن وہ مال اس کے ساتھ نہ ہو، تب بھی اس کو سفری ضروریات کے لئے زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ''ابن السبیل'' کے مصرف کے بیان میں آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳...... زکاۃ کا مصرف نہ ہونے کے اعتبار سے فقیر ومسکین کے مقابلہ میں مالدار یا غنی شخص حنفیہ کے نزدیک وہ شمار ہوتا ہے، جس پر یا تو زکاۃ واجب ہو، یا زکاۃ تو واجب نہ ہو، لیکن اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی حاجت وضرورت سے زائد اتنا مال ہو کہ جو

---

[1] اور اسی طرح بعض فقہائے کرام کے نزدیک مجاہد کو جہادی ضروریات کے لئے مالدار ہونے کے باوجود، اور اسی طرح مؤلفۃ قلوبہم کو مالدار ہونے کے باوجود زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ''وفی سبیل اللہ'' اور ''مؤلفۃ قلوبہم'' کے مصارف کے بیان میں آتی ہے۔

أن يكون فقيراً إلا العامل فإنه يعطى ولو كان غنياً لأنه يستحقه أجرة ولأنه فرغ نفسه لهذا العمل، فيحتاج إلى الكفاية، وإلا ابن السبيل إذا كان له في وطنه مال، فهو بمنزلة الفقير، لأن الحاجة هي المعتبرة، وهو الآن فقير يداً، وإن كان غنياً ظاهراً، وإلا المؤلف والغازي في رأي الشافعية والحنابلة.
والفقر شرط عام لصرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة كالعشور والكفارات والنذور وصدقة الفطر، لعموم قوله تعالى :(إنما الصدقات للفقراء)
وعليه لا يجوز صرف الزكاة وغيرها من الواجبات لغني، لقوله صلّى الله عليه وسلم: لاتحل الصدقة لغني، ولا ذي مِرّة سوي وجاز دفع الزكاة لأربعة أو خمسة من الأغنياء : وهم العامل، والمؤلف، والغازي، والغارم لإصلاح ذات البين عند الشافعية والحنابلة، لقوله صلّى الله عليه وسلم :لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة :لعامل، أو رجل اشتراها بماله، أوغاز في سبيل الله، أو لغارم، أو مسكين تُصدِّق عليه منها فأهدى منها لغني (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۶۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

نصاب کی مالیت کے بقدر ہو جائے۔ [1]

مگر حنفیہ کے نزدیک جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک وضروریات کا انتظام ہو، اس کو زکاۃ وغیرہ کا سوال کرنا جائز نہیں ہوتا، ہاں کوئی دوسرا شخص خود سے بغیر سوال کئے ہوئے اسے زکاۃ وصدقہ دے، تو اسے لینا جائز ہوتا ہے۔ [2]

اور مالکیہ کے نزدیک جس شخص کے قبضہ میں اتنا مال ہو کہ وہ اس کے سال بھر کی (کھانے پینے وغیرہ کی بنیادی) ضروریات کے لئے کافی ہو، تو وہ مالدار شمار ہوتا ہے، اور جس کی ملکیت میں اس سے کم مال ہو، وہ غریب شمار ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] والغنى عند الحنفية:هو من ملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال .فيعطى من الزكاة من كان يملك أقل من نصاب شرعى، ولو كان صحيحاً قوياً قادراً على الكسب، لأنه فقير والفقراء هم المصارف، ولأن حقيقة الحاجة لا يوقف عليها، فأدير الحكم على دليلها وهو فقد النصاب، فلا بأس أن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به فى منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن،وكتب العلم إن كان من أهله، لأن هذه الأشياء من الحوائج الأصلية اللازمة التى لابد منها للإنسان، فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مئتى درهم، حرم عليه أخذ الصدقة .ويجوز أداء الزكاة للمكاتب وإن حصل نصاباً زائداً عن بدل الكتابة، ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً من أى مال كان، لأن الغنى الشرعى مقدر به (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۶۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[2] فرق الحنفية بين مستحقى الزكاة من الفقراء من حيث جواز طلبهم الزكاة بالرغم من استحقاقهم، فقالوا :إن الذى يحل له طلب الزكاة هو من لا شىء له ليومه وليلته فيحتاج للسؤال لقوته، أو ما يوارى بدنه، وهو فى اصطلاحهم المسمى مسكينا، وكذا لا يحل السؤال لمن لا يملك قوت يومه وليلته لكنه قادر على الكسب، أما الفقير وهو فى اصطلاحهم من يملك قوته ليومه وليلته، فلا يحل له سؤال الصدقة، وإن كان يحل له أخذها إن لم يكن مالكا لخمسين درهما.على ما تقدم.وعند الحنابلة على المذهب :من أبيح له أخذ الزكاة أبيح له طلبها، وفى رواية: يحرم طلبها على من له قوت يومه وليلته، وقال ابن الجوزى :إن علم أنه يجد من يسأله كل يوم لم يجز أن يسأل أكثر من قوت يومه وليلته، وإن خاف أن لا يجد من يعطيه أبيح له السؤال أكثر من ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۳ ،ص۳۳۵،مادة ”زكاة “)

[3] والغنى عند المالكية:هو من ملك كفايته لمدة سنة، والفقير :هو من ملك من المال أقل من كفاية السنة، فيعطى من الزكاة ولو ملك نصاباً فأكثر لكنه لا يكفيه لعامه، ولو كان قوياً قادراً على الكسب أى كسب ما يكفيه بصنعة تارك لها وغير مشتغل بها، ولو كان تركه التكسب بها اختياراً على المشهور .ومن لم يجد كفاية سنة ويقوم بالإنفاق عليه نحو والد أو بيت مال بمرتب لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ وحنابلہ کا قول اس سے مختلف ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاۃ کا مستحق وہ مسلمان شخص ہے کہ جس پر نہ تو خود

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يكفيه من أكل وكسوة، أو من صنعة لا تكفيه، فيعطى من الزكاة (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ١٩٦١، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

الفقير وهو من له بلغة لا تكفيه لعيش عامة(حاشية العدوى على كفاية الطالب الربانى، ج ا ص ٥٠٩، باب فى الزكاة، باب فى زكاة الماشية)

[1] والغنى عند الشافعية:من كانت عنده الكفاية فى عمره الغالب وهو اثنان وستون سنة، إلا إذا كان له مال يتجر فيه، فيعتبر ربحه فى كل يوم، فإن كان أقل من نصف الكفاية فى ذلك اليوم، فهو فقير .وكذا إذا جاوز العمر الغالب فالعبرة بكل يوم على حدة، فإن كان له مال أو كسب لا يكفيه فى نصف اليوم فهو فقير.

والفقير :هو من لا مال له أصلاً ولا كسب حلال، وله مال أو كسب حلال لا يكفيه بأن كان أقل من نصف الكفاية، ولم يكن له منفق يعطيه ما يكفيه كالزوج بالنسبة للزوجة .والمعتبر :كسب يليق بحاله ومروء ته، وأما ما لا يليق به فهو كالمعدوم .وتحل الزكاة لطالب العلوم الشرعية، لأن تحصيل العلم فرض كفاية، ويخاف من الإقبال على الكسب الانقطاع عن التحصيل.

والمسكين :هو من قدر على مال أو كسب حلال يساوى نصف ما يكفيه فى العمر الغالب.

ولا يعطى الفقير أو المسكين من الزكاة إذا كان قادراً على الكسب، للحديث السابق عند أبى داود بإسناد صحيح :لا حظ فيها لغنى، ولا لقوى مكتسب.

لكن تعطى الزكاة للعبد المكاتب ولو مع القدرة والكسب.

والخلاصة :لا يمنع الفقير مسكنه وثيابه وماله الغائب فى مسافة مرحلتين (مسافة القصر) ودينه المؤجل وكسب لا يليق به، ولايشترط فيه الزمانة ولا التعفف عن المسألة فى الجديد، والمكفى بنفقة قريب أو زوج ليس فقيراً فى الأصح .ولو اشتغل بعلم والكسب يمنعه من اشتغاله بذلك، فهو فقير. والغنى عند الحنابلة فى أظهر الروايتين عن أحمد :هو من ملك خمسين درهماً أو قيمتها من الذهب، أو وجود ما تحصل به الكفاية على الدوام من كسب أو تجارة أو عقار أو نحو ذلك، لحديث أبى داود والترمذى :الغنى :خمسون درهماً أو قيمتها من الذهب والفقير :من لا يجد شيئاً البتة (أى قطعاً)،أو يجد شيئاً يسيراً من الكفاية دون نصفها من كسب أو غيره، مما لا يقع موقعاً من كفايته، كدرهمين من عشرة .والمسكين :من يجد معظم الكفاية أو نصفها من كسب أو غيره. فيعطى كل منهما كفايته مع عائلته سنة .ولا يعطى كل منهما من الزكاة إذا كان قادراً على الاكتساب إذ إنه لاحظ فيها لغنى ولا لقوى مكتسب، كما روى أبو داود .لكن إذا تفرغ القادر على التكسب لطلب العلم، وتعذر الجمع بين طلب العلم والتكسب، يعطى من الزكاة، ولا يعطى إذا تفرغ للعبادة، لقصور نفعها(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ١٩٦١، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

زکاۃ فرض ہو (جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)

اور نہ ہی اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت وحاجت کی چیزوں) سے زیادہ اتنا سامان ہو کہ تنہا اس کی مالیت یا اس کے ساتھ زکاۃ کے مال (یعنی سونا، چاندی، سامانِ تجارت اور کرنسی) یا ان چار میں سے کسی ایک مال کے ملانے سے سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت بنتی ہو۔

اب ہم آسانی کے طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاۃ کا مستحق ہونے نہ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ قسم کی چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(نمبر ایک) سونا (نمبر دو) چاندی (نمبر تین) کرنسی یعنی روپیہ پیسہ (نمبر چار) تجارت کا مال (نمبر پانچ) ضرورت سے زیادہ سامان۔

پس زکاۃ کے واجب ہونے کے نصاب میں تو صرف چار قسم کے مالوں (یعنی سونا، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت) کا اعتبار کیا جاتا ہے، لیکن زکاۃ کا مستحق ہونے کے لئے ان چار چیزوں کے علاوہ پانچویں چیز (ضرورت سے زیادہ سامان) کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو افراد مالدار شمار ہوتے ہیں، اور جن افراد کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہوتا، وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو۔

(۲)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو۔

(۳)......جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف کرنسی یعنی روپیہ پیسہ ہو۔ [1]

(۴)......جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف

---

[1] اکثر حضرات کا یہی موقف ہے، جبکہ بعض حضرات کرنسی کو سونے کے نصاب کی مالیت کے ساتھ معتبر مانتے ہیں، جیسا کہ سکہ و کرنسی کی زکاۃ کے بیان میں گزرا۔

تجارت کا مال ہو۔

(۵)......جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف ضرورت سے زیادہ کسی بھی قسم کی کوئی چیز ہو۔

(۶)......جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی پانچوں چیزیں یا ان پانچ میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جائیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۵...... جو چیزیں نہ تو سونے کی شکل میں ہوں، اور نہ چاندی کی شکل میں ہوں، نہ کرنسی یعنی روپیہ پیسہ کی شکل میں ہوں، اور نہ ہی تجارت کے مال کی شکل میں ہوں، بلکہ ان چاروں چیزوں کے علاوہ ہوں، ان میں اعتبار حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت میں استعمال ومشغول ہونے، نہ ہونے کا ہوگا۔

پس جو چیزیں اس شخص کی حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں استعمال ومشغول ہوں گی، ان کی مالیت کا حساب نہیں لگایا جائے گا، اور جو چیزیں حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوں گی، ان کی مالیت کا حساب لگایا جائے گا۔ [۲]

---

[۱] البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد ضمِ نصاب کے مسئلہ میں مالیت کے بجائے اجزاء کے نصاب کے ساتھ ضم کے قائل ہیں، جیسا کہ "مال کا نصاب کے بقدر ہونا" کے بیان میں تفصیل گزری۔

(قوله ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أى مال كان)سواء كان النصاب ناميا أو غير نام حتى لو كان له بيت لا يسكنه يساوى مائتى درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه وهذا النصاب المعتبر فى وجوب الفطرة والأضحية قال فى المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتى درهم يحل له الزكاة وتجب عليه ولهذا يظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا من جنسه أو لم يبلغ وقوله إلى من يملك نصابا بشرط أن يكون النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۱، كتاب الزكاة،باب مصارف الزكاة)

[۲] ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخى فى مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به فى منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتى درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصرى أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... رہائشی مکان، پہننے اوڑھنے کے کپڑے، کھانے پینے کے برتن، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان جو عام طور پر زیرِ استعمال رہتا ہے، مثلاً کپڑے سینے اور دھلائی کرنے کی مشین، فریج، ڈیپ فریزر وغیرہ۔ یہ چیزیں ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اور ان کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں کہلاتا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقوله :كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهذا؛ لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء (بدائع الصنائع، ج۲ ص ۴۸، كتاب الزكاة،فصل شرائط ركن الزكاة)

فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کی جو قیدلاکر اس کے ساتھ مختلف مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت وحاجت کی بنیاد مباح الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ، مقام، احوالِ زمانہ، لوگوں کی قوتِ برداشت وغیرہ کے لحاظ سے فرق واقع ہوسکتا ہے، کسی دور میں وقت دیکھنے کے لئے موجودہ گھڑی ضرورت میں داخل نہیں تھی، ایک زمانے میں روشنی کے لئے معمولی چراغ کافی تھے، مگر آج کے دور میں عموماً گھڑی، بلب اور بجلی ضرورت میں داخل ہو چکی ہے، کسی دور میں ہاتھ کے پنکھے گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے، مگر آج ان کے بجائے بجلی کے پنکھے ضرورت وحاجت میں داخل ہیں (اذا كان يستعمل) لہٰذا حوائجِ اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات کی روشنی میں ہوگا، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی کام ہے اور حیثیات وحالات سے حکم مختلف ہو جاتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی حالت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔

ل اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک جو لباس زینت کے لئے رکھا ہو، اس کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا، اور ایسے غیر صاحبِ نصاب کو بھی زکاۃ لینا جائز ہوتا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک زینت کا لباس حاجت میں داخل نہیں، اور اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں، چوتھے جوڑے کے زائد از حاجت ہونے نہ ہونے کے بیان میں آتی ہے۔

وفي هذه الآية دلالة على أن من له ثياب الكسوة ذات قيمة كثيرة لا تمنعه إعطاء الزكاة ، ؛ لأن الله تعالى قد أمرنا بإعطاء الزكاة من ظاهر حال مشبه لأحوال الأغنياء (احكام القرآن جصاص ، ج ا ص ۵۶۰، سورة البقرة)

ولا يمنع الفقر :مسكن الفقير وثيابه وإن كانت للتجمل، وخادمه الذي يحتاج إليه، وماله الغائب في مرحلتين، وكسب لا يليق به، وكتب العلم إن كان من أهله، لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها.

وطالب العلم الذي يمنعه الكسب عن طلب العلم فقير، فتعطى له الزكاة، ويترك الكسب لتعدى نفعه وعمومه، بخلاف من تفرغ للعبادة والنوافل، فلا تعطى له الزكاة

لقصور نفعها عليه، فيجب عليه الاكتساب وتركها.وتفصيل ذلك في مصطلح :(طالب علم ف ۴، زكاة ف ۱۶۲)ولا يشترط في الفقير ليعطى الزكاة :الزمانة، ولا التعفف عن المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص ۲۰۱،مادة "فقير")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح آلاتِ صنعت وحرفت (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان یعنی بڑھئی کی آری وغیرہ، قصاب کی چُھری، مزدور کی مزدوری کا سامان، صنعت وکارخانے کی مشینری وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) یہ چیزیں بھی انسان کی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں، اوران کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... فضول چیزیں جو اپنی ضرورت وحاجت کی نہ ہوں، بلکہ صرف زیب وزینت یا نمود ونمائش کی ہوں، اوراسی طرح وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں اور استعمال میں نہیں آتیں، وہ ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

اسی طرح جو چیزیں پرانی یا خراب ہوجانے کے بعد یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی گھروں میں ایک طرف پڑی رہتی ہیں، اوران کی عام طور پر ضرورت پیش نہیں آتی اوران کی طرف مدتوں دھیان بھی نہیں جاتا (مثلاً فالتو مشینری، فرنیچر، غیر ضروری لباس وغیرہ، جو زیرِ استعمال نہ ہو) اس قسم کی تمام چیزیں غیر ضروری ہیں، فقہائے کرام کے نزدیک ان کی مالیت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا يمنع الفقر مسكنه وثيابه ولو للتجمل ورقيقه المحتاج له لخدمته وماله الغائب في مرحلتين (غاية البيان شرح زبد ابن رسلان للرملي، ج ١ ص ١٤٨، كتاب الزكاة)

ولا يمنع الفقر مسكنه وثيابه وإن كانت للتجمل، وماله الغائب في مرحلتين(الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، ج٤ ص ٧٠، كتاب الزكاة، باب قسم الصدقات)

[1] (قوله :وفارغ عن حاجته الأصلية) أشار إلى أنه معطوف على قوله عن دين (قوله وفسره ابن ملك) أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلك حيث قال :وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك (ردالمحتارعلى الدرالمختار، ج٢، ص ٢٦٢، كتاب الزكاة، دارالفكر ،بيروت)

کو بھی حساب میں شمار کیا جائے گا، اور جو چیز بالکل ناکارہ ہوگئی ہو اور اس کی کچھ بھی مالیت نہ ہو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... جو غلہ (گندم، چاول، مکئی، آٹا، چینی، دال وغیرہ) کسی شخص کی سال بھر کی کھانے پینے کی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہے، اور اس غلہ کی مالیت زکاۃ کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہے؛ تو راجح یہ ہے کہ یہ غلہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، اور اس کی وجہ سے وہ شخص مالدار شمار نہیں ہوتا کہ اس کو زکاۃ دینا جائز نہ ہو، لہٰذا ایسے شخص کو زکاۃ لینا جائز ہے، اور بہت سے فقہائے کرام کا فتویٰ اسی پر ہے کہ ایسے شخص کو زکاۃ لینا جائز ہے، کیونکہ یہ غلہ اس کی ضرورت (وحاجتِ اصلیہ) میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] والذی يظهر مما مر أن ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأوانی الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية وما زاد على ذلك من الحلی والأوانی والأمتعة التی يقصد بها الزينة إذا بلغ نصابا تصير به غنية، ثم رأيت فی التتارخانية فی باب صدقة الفطر :سئل الحسن بن علی عمن لها جواهر ولآلی تلبسها فی الأعياد وتتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر؟ قال :نعم إذا بلغت نصابا .وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا يجب عليها شیء .اهـ (ردالمحتار، ج۲ص۳۴۸، باب مصرف الزكاة والعشر)

ومحل الصدقات الفقراء وإنما يعتبر فی المسكن والكسوة وأثاث البيت مقدار الكفاية، بدليل ما روى هشام عن محمد أنه سئل عمن له فضل عن كسوته، أو عن متاع يده بنفسه، أو فضل عن مسكنه قدر مائتی درهم،يعطى من الزكاة؟ قال :لا إذا كان مستغنياً عنه .يعنی عن فضل الكسوة والمتاع(المحيط البرهانی،ج۲ص۲۱۵،۲۱۶،كتاب الزكاة،الفصل الثامن)

الحلی مال فاضل عن الحاجة الأصلية إذ الإعداد للتجمل والتزين دليل الفضل عن الحاجة الأصلية فكان نعمة لحصول التنعم به فيلزمه شكرها بإخراج جزء منها للفقراء (بدائع الصنائع، ج۲ص۱۷،كتاب الزكاة،فصل صفة نصاب الزكاة فی الفضة)

[2] چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اگر اس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں بچتا تو مانعِ اخذِ زکاۃ وموجبِ فطر واضحیہ نہیں
(امداد الفتاویٰ ج۲ص۳۰، کتاب الزکاۃ)

وقال الحنفية :يجوز دفع الزكاة إلى من عنده دخل سنوی أو شهری أو يومی من عقار أو نحو ذلك، إن لم يملك نصابا زكويا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۱۴،مادة "زكاة")

ويحل لمن له دور وحوانيت تساوى نصبا، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله على خلاف فيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان موجود ہے، لیکن اس نے بلاضرورت مزید کچھ سامان رکھ رکھا ہے، مثلاً ایک سواری سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس نے زیادہ سواریاں اپنی ملکیت میں رکھی ہوئی ہیں، یا ایک مکان سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس نے ایک سے زیادہ مکان اپنی ملکیت میں رکھے ہوئے ہیں، تو اس ضرورت سے زیادہ سامان کی مالیت کا مالدار ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔

البتہ اگر ان میں سے کچھ سامان تو اپنی ذاتی ضرورت کے استعمال میں آرہا ہے، اور کچھ سامان (گاڑی وغیرہ) یا جگہ کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنی روزی اور بنیادی ضروریات کا انتظام کررہا ہے، کہ اگر یہ انتظام نہ ہو، تو اس کے ضروری اخراجات متأثر ہوتے ہیں، تو پھر یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولمن عنده طعام سنة تساوى نصابا لعياله على ما هو الظاهر بخلاف قضاء الدين فإنه يجب عليه بيع قوته إلا قوت يومه كما فى القنية من الحبس(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص ۲۶۳،كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

وذكر فى الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد، وعند أبى يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته؛ ولو عنده طعام للقوت يساوى مائتى درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام- لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها فى الصيف يحل ذكر هذه الجملة فى الفتاوى .اهـ.

وظاهر تعليله للقول الثانى فى مسألة الطعام اعتماده.وفى التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة فى الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفى لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ (ردالمحتار، ج۲ص ۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وذكر فى الفتاوى فيمن له حوانيت ودور الغلة لكن غلتها لا تكفيه ولعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد وزفر، وعند أبى يوسف لا يحل وعلى هذا إذا كان له أرض وكرم لكن غلته لا تكفيه ولعياله، ولو كان عنده طعام للقوت يساوى مائتى درهم فإن كان كفاية شهر تحل له الصدقة وإن كان كفاية سنة، قال بعضهم :لا تحل، وقال بعضهم :تحل؛ لأن ذلك مستحق الصرف إلى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم(بدائع الصنائع ج۲ص ۴۸،كتاب الزكاة،فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه)

سامان (گاڑی وغیرہ) اورجگہ (مکان، دوکان وغیرہ) بھی ضرورت میں داخل سمجھا جائے گا، اوران چیزوں اورسامان کو مالدار ہونے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۰...... جو شخص ویسے تو فقیر وغریب ہو، لیکن وہ کمانے پر قادر ہو، اور وہ کمائی کر کے اپنی ضروریات کا انتظام کرسکتا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے فقیر وغریب شخص کو زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ فقیر یا غریب ہونے کی وجہ سے زکاۃ کا مستحق ہے، اور اس کا کمائی نہ کرنا، ایک الگ مسئلہ ہے۔

پس حنفیہ کے نزدیک زکاۃ کا مصرف ہونے کے لئے صرف مستحق ہونا کافی ہے، مریض یا معذور یا اپاہج یا عورت کا بیوہ یا کسی کا بے روزگار ہونا ضروری نہیں۔ [2]

---

[1] الفرق بين الأهل وغيرهم في جواز أخذ الزكاة والمنع عنه، فمن كان من أهلها إذا كان محتاجا إليها للتدريس والحفظ والتصحيح فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة إن كانت فقها أو حديثا أو تفسيرا ولم يفضل عن حاجته نسخ تساوى نصابا، كأن يكون عنده من كل تصنيف نسختان، وقيل ثلاث لأن النسختين يحتاج إليهما لتصحيح كل من الأخرى والمختار الأول :أى كون الزائد على الواحدة فاضلا عن الحاجة، وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكاة لتعلق الحرمان بملك قدر نصاب غير محتاج إليه، وإن لم يكن ناميا .وأما كتب الطب والنحو والنجوم فمعتبرة فى المنع مطلقا ونص فى الخلاصة على أن كتب الأدب والمصحف الواحد ككتب الفقه، لكن اضطرب كلامه فى كتب الأدب فصرح فى باب صدقة الفطر بأنها كالتعبير والطب والنجوم .والذى يقتضيه النظر أن نسخة من النحو أو نسختين على الخلاف لا تعتبر من النصاب، وكذا من أصول الفقه، والكلام غير المخلوط بالآراء بل مقصور على تحقيق الحق من مذهب أهل السنة إلا أن لا يوجد غير المخلوط لأن هذه من الحوائج الأصلية أفاده فى فتح القدير.

قلت :والذى يقتضيه النظر أيضا أنه إن أريد بالأدب الظرافة كما فى القاموس وذلك ككتب الشعر والعروض والتاريخ ونحوه تمنع الأخذ، وإن أريد به آداب النفس كما فى المغرب وهو المسمى بعلم الأخلاق كالإحياء للغزالى ونحوه فهو كالفقه لا يمنع، وإن كتب الطب لطبيب يحتاج إلى مطالعتها ومراجعتها لا تمنع لأنها من الحوائج الأصلية كآلات المحترفين، وإن الأهل إذا كان غير محتاج إليها فهو كغير الأهل كما يعلم مما مر، وكذا حافظ قرآن له مصحف لا يحتاجه لأن المناط هو الحاجة (قوله أو تزيد على نسختين) صوابه على نسخة لأن المختار هو كون الزائد على نسخة واحدة فاضلا عن الحاجة كما قدمناه عن الفتح :ومثله فى النهر(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۲۶۵، كتاب الزكاة)

[2] ويدل على أن الصحيح الجسم جائز أن يعطى من الزكاة ، لأن الله تعالى أمر بإعطاء هؤلاء القوم ، وكانوا من المهاجرين الذين كانوا يقاتلون مع النبى صلى الله عليه وسلم المشركين ولم يكونوا مرضى ولا عميانا(احكام القرآن للجصاص، ج۲ص۱۸۰ ، سورة البقرة،رقم الآية ۲۷۳)

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو شخص ویسے تو فقیر وغریب ہو، لیکن وہ کمانے پر قادر ہو، اور اس کو کمائی کا ذریعہ بھی میسر ہو، جس سے کمائی کر کے وہ اپنی ضروریات کا انتظام کرسکتا ہو، تو ان کے نزدیک ایسے شخص کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہوتا۔ [1]

البتہ اگر کوئی فقیر وغریب علمِ دین کا طالب علم ہو، اور وہ کمائی پر قادر ہو، تو ان حضرات کے نزدیک اس کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے۔ [2]

ملحوظ رہے کہ آج کل بعض لوگ زکاۃ وصدقہ کا مستحق ہونے کے لئے معذور واپاہج ہونے کو بنیاد بناتے اور زکاۃ کے لئے معذور انسان کی تلاش کرتے ہیں، حالانکہ زکاۃ وصدقہ کا مستحق ہونے کے لئے بنیادی طور پر غریب ومسکین ہونا ضروری ہے۔

اگر کوئی انسان معذور واپاہج ہے مگر غریب نہیں تو اس کو زکاۃ وصدقہ کا مستحق سمجھنا غلط ہے، دنیا میں بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جو معذور واپاہج تو ہیں مگر غریب نہیں ہیں، اس لئے وہ زکاۃ وصدقہ

---

[1] من كان من الفقراء والمساكين قادرا على كسب كفايته وكفاية من يمونه، أو تمام الكفاية، لم يحل له الأخذ من الزكاة، ولا يحل للمزكي إعطاؤه منها، ولا تجزئه لو أعطاه وهو يعلم بحاله، لقول النبي في الصدقة :لا حظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب وفي لفظ لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. وهذا مذهب الشافعية والحنابلة.

وقال الحنفية :يجوز دفع الزكاة إلى من يملك أقل من نصاب، وإن كان صحيحا مكتسبا، لأنه فقير أو مسكين، وهما من مصارف الزكاة، ولأن حقيقة الحاجة لا يوقف عليها، فأدير الحكم على دليلها، وهو فقد النصاب .واحتجوا بما في قصة الحديث المذكور سابقا، وهي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقسم الصدقات فقام إليه رجلان يسألانه، فنظر إليهما فرآهما جلدين فقال :إنه لا حق لكما فيه وإن شئتما أعطيتكما لأنه أجاز إعطاء هما، وقوله :لا حق لكما فيه معناه لا حق لكما في السؤال.

ومثله قول المالكية المعتمد عندهم، إلا أن الحد الأدنى الذي يمنع الاستحقاق عندهم هو ملك الكفاية لا ملك النصاب، كما عند الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٣١٥، ٣١٦، مادة "زكاة")

[2] استحقاق طالب العلم للزكاة:

اتفق الفقهاء على جواز إعطاء الزكاة لطالب العلم، وقد صرح بذلك الحنفية والشافعية، والحنابلة، وهو ما يفهم من مذهب المالكية، إذ أنهم يجوزون إعطاء الزكاة للصحيح القادر على الكسب، ولو كان تركه التكسب اختيارا على المشهور (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص٣٣٧، مادة "طالب العلم")

کے حقدار نہیں ہیں، اور کیونکہ معذور لوگوں کو زکاۃ وصدقہ کا مستحق سمجھ کر آج کل لوگ خود ہی زکاۃ وصدقہ وغیرہ دیتے رہتے ہیں اور اس کے برخلاف جو سفید پوش اور غیر معذور غریب ہوتے ہیں ان کو زکاۃ وصدقہ نہیں دیتے۔

اس لئے ہمارے معاشرے میں آج کل معذور لوگ کم ہی غریب اور زکاۃ وصدقہ کے مستحق ہوتے ہیں، جبکہ سفید پوش غریب زیادہ مستحق ہوتے ہیں، پس جب زکاۃ وصدقہ دیں تو معذوری، بیماری اور اپاہج ہونے وغیرہ کو اصل بنیاد بنانے کے بجائے اصل مستحق وغریب ہونے کی جستجو کریں اور پھر مستحق وغریب معلوم ہونے کی صورت میں زکاۃ وصدقہ ادا کریں۔

اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... جس شخص کی ملکیت میں مال تو ہو، لیکن وہ مال اس کے پاس نہ ہو، اور وہ اس سے نفع اٹھانے پر قادر نہ ہو (مثلاً وہ خود سفر میں ہو، اور مال اس کے وطن میں ہو، یا دوسرے پر قرض ہو، مگر مقروض ادا کرنے سے قاصر ہو، یا اسی طرح کوئی اور صورت ہو) تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۲...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک کھانے پینے اور رہنے سہنے اور اس کے علاوہ تمام ضرورت وحاجت کی چیزیں ہر جگہ یا افراد کے عرف وعادت کے مطابق درمیانہ درجہ کے اعتبار سے معتبر ہوتی ہیں، جن میں نہ بخل ہو، اور نہ اسراف وفضول خرچی، ایسی درمیانہ درجہ کی چیزیں انسان کی ضرورت وحاجت میں داخل ہوتی ہیں۔ [۲]

---

[۱] إعطاء الزكاة لمن له مال أو كسب وامتنع عنه ماله أو كسبه:
من كان عنده مال يكفيه فلا يستحق من الزكاة، لكن إن كان ماله غائبا أو كان دينا مؤجلا، فقد صرح الشافعية بأنه لا يمنع ذلك من إعطائه ما يكفيه إلى أن يصل إلى ماله أو يحل الأجل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۱۶،مادة "زكاة")

[۲] الكفاية المعتبرة عند الجمهور هي للمطعم والمشرب والمسكن وسائر ما لا بد منه على ما يليق بالحال من غير إسراف ولا تقتير، للشخص نفسه ولمن هو في نفقته.
وصرح المالكية وغيرهم بأن مال الزكاة إن كان فيه سعة يجوز الإعانة به لمن أراد الزواج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۱۶،مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۱۴۳...... حنفیہ کے نزدیک ایک شخص کو ایک وقت میں زکاۃ کا مال بہت زیادہ مقدار میں دے دیا جائے کہ اس کی وجہ سے زکاۃ لینے والا شخص مالدار ہوجائے اور صاحبِ نصاب بن جائے، تب بھی زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، البتہ بلاضرورت کسی شخص کو اتنی مقدار میں زکاۃ دینا مکروہ ہوتا ہے، اور اگر ضرورت کی وجہ سے دیا جائے، مثلاً وہ شخص غیر معمولی مقروض ہو، تو پھر مکروہ نہیں ہوتا۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ بقدرِ ضرورت دینی چاہئے، جس سے اس غریب اور اس کے اہل وعیال کی ضرورت پوری ہوسکے، اور بعض کے نزدیک زیادہ سے زیادہ ایک سال کے کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت پوری ہوسکے، جس کی مزید تفصیل آگے ''زکاۃ کی مقدار کے احکام'' میں آتی ہے۔ [1]

---

[1] القدر الذی یعطاه الفقیر والمسکین من الزکاة:

ذهب الجمهور (المالكية وهو قول عند الشافعية وهو المذهب عند الحنابلة) إلى أن الواحد من أهل الحاجة المستحق للزكاة بالفقر أو المسكنة يعطى من الزكاة الكفاية أو تمامها له ولمن يعوله عاما كاملا، ولا يزاد عليه، إنما حددوا العام لأن الزكاة تتكرر كل عام غالبا، ولأن النبی صلى الله عليه وسلم ادخر لأهله قوت سنة. وسواء كان ما يكفيه يساوی نصابا أو نصبا. وإن كان يملك أو يحصل له بعض الكفاية أعطی تمام الكفاية لعام. وذهب الشافعية فی قول منصوص والحنابلة فی رواية إلى أن الفقير والمسكين يعطيان ما يخرجهما من الفاقة إلى الغنی وهو ما تحصل به الكفاية على الدوام، لحديث قبيصة مرفوعا إن المسألة لا تحل إلا لثلاثة: رجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال: سدادا من عيش . . الحديث.

قالوا: فإن كان من عادته الاحتراف أعطى ما يشتری به أدوات حرفته قلت قيمتها أو كثرت بحيث يحصل له من ربحه ما يفی بكفايته غالبا تقريبا، وإن كان تاجرا أعطی بنسبة ذلک، وإن كان من أهل الضياع يشترى له ضيعة تكفيه غلتها على الدوام. قال بعضهم: يشتريها له الإمام ويلزمه بعدم إخراجها عن ملكه.

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملک نصابا زكويا كاملا يجوز أن يدفع إليه أقل من مائتی درهم أو تمامها. ويكره أكثر من ذلک، وقال زفر لا يجوز تمام المائتين أو أكثر.

وهذا عند الحنفية لمن لم يكن له عيال ولا دين عليه، فإن كان له عيال فلكل منهم مائتا درهم، والمدين يعطى لدينه ولو فوق المائتين كما يأتی فی الغارمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۶، ۳۱۷، مادة "زكاة")

القدر المعطى للفقير: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴...... جو شخص صحیح، سالم اور طاقت ور ہو، اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ غریب ہے، اور اس کو کمائی کا کوئی ذریعہ میسر نہیں، اور اس کی ظاہری حالت سے اس کے دعویٰ کی نفی بھی نہیں ہوتی، تو اس کے دعوے کے مطابق اس کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، خواہ پھر وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہو، ایسی صورت میں اس کا وہ خود ذمہ دار شمار ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۵...... اگر کسی انسان کا غریب وفقیر ہونا معلوم ہو، تو اس کو تو زکاۃ دینے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر کسی کا غریب وفقیر ہونا معلوم نہ ہو، اور غور وفکر کرنے سے دل اس کے غریب وفقیر ہونے کی گواہی دے، تب بھی اس کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، اور اس سے کوئی دلیل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذهب المالكية والحنابلة في المذهب وهو قول عند الشافعية إلى أن الفقير يعطى من الزكاة الكفاية له ولمن يعوله عاما كاملا.

وذهب الشافعية في الأصح المنصوص والحنابلة في رواية إلى أن الفقير يعطى ما تحصل به الكفاية على الدوام.

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصابا زكويا يدفع إليه أقل من مائتى درهم أو تمامها، ويكره إعطاؤه أكثر من ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲، ص۲۰۱، مادة "فقير")

[1] البتہ بعض فقہائے کرام اس کے دعوے پر شہادت وبینہ کے بغیر زکاۃ دینے کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

إذا ادعى رجل صحيح قوى أنه لا يجد مكسبا يجوز أن يعطى من الزكاة إن كان مستور الحال، ويقبل قوله بغير يمين، لقول النبى صلى الله عليه وسلم كما فى الحديث المتقدم :إن شئتما أعطيتكما لكن من علم كذبه بيقين لم يصدق ولم يجز إعطاؤه من الزكاة.

وإن ادعى أن له عيالا وطلب من الزكاة لأجلهم، فعند الشافعية والحنابلة لا يقبل قوله إلا ببينة، لأن الأصل عدم العيال، ولا تتعذر إقامة البينة على ذلك.

وكذا من كان معروفا باليسار لا يعطى من الزكاة، لكن إن ادعى أن ماله تلف أو فقد كلف البينة على ذلك .واختلف قول الحنابلة فى عدد البينة، فقيل :لا بد من ثلاثة، لما ورد فى حديث قبيصة أن النبى قال له :أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لك بها .ثم قال :يا قبيصة :إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة . . .وذكر منهم :رجل أصابته فاقة حتى يقوم له ثلاثة من ذوى الحجا من قومه، لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش أو قال :سدادا من عيش.

وقيل عندهم :يقبل قول اثنين فقط كسائر الحقوق، والحديث وارد فى المسألة، لا فى الإعطاء دون مسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۷، ۳۱۸، مادة "زكاة")

حاصل کرنا یا قسم لینا ضروری نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۶...... اگر کسی عورت کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال نہیں ہے، لیکن اس کا اپنے شوہر سے ابھی مہر کا مال لینا باقی ہے، اور وہ مہر کا مال نصاب کے بقدر ہے، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اگر مہر اس نوعیت کا ہے کہ وہ عورت اپنے شوہر سے مطالبہ کرے، تو اسے وہ مہر حاصل ہو جائے گا، تو ایسی عورت کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور اگر اس کے مطالبہ کرنے پر مہر حاصل نہ ہوتا ہو، تو پھر اس کو زکاۃ دینا جائز ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۷...... بچہ (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) کو زکاۃ دینے کے حکم کے بارے میں حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی بچہ بالغ ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال نہیں ہے، مگر اس کا والد یا والدہ مالدار اور صاحبِ نصاب ہے، تو اس بچہ کو زکاۃ دینا جائز ہے، اسی طرح اگر وہ بچہ نابالغ ہے، لیکن اس کا والد مالدار اور صاحبِ نصاب نہیں، بلکہ غریب ہے، تو اس بچہ کو زکاۃ دینا جائز ہے، خواہ اس کی والدہ مالدار اور صاحبِ نصاب ہی کیوں نہ ہو، اور اگر اس نابالغ بچہ کا والد زندہ اور مالدار و صاحبِ نصاب ہے، تو اس بچہ کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی شخص یا عورت کی اولاد تو مالدار اور صاحبِ نصاب ہے، مگر خود وہ شخص یا عورت

---

[1] إن علم حال الإنسان، وأنه فقير صرف له الزكاة، وإن لم يعلم تحرى دافع الزكاة في أمره، فإن لم يعلم بحاله، وادعى فقرا وهو ممن لا يعرف بالغنى قبل قوله، ويصرف له الزكاة بلا بينة ولا يمين، لأن الأصل استصحاب الحال السابقة، والظاهر صدقه، ولعسر إقامة البينة على ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص ۲۰۲،مادة "فقير")

[2] والمراد من الدين ما يبلغ نصابا كما لا يخفى، وفي فتح القدير :ولو دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصابا، وهو موسر بحيث لو طلبت أعطاها لا يجوز، وإن كان بحيث لا يعطى لو طلبت جاز اهـ۔

وهو مقيد لعموم ما في الخانية والمراد من المهر ما تعورف تعجيله؛ لأن ما تعورف تأجيله فهو دين مؤجل لا يمنع أخذ الزكاة، ويكون في الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره ويفرق بينه وبين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضي مما لا ينبغي للمرأة بخلاف غيره لكن في البزازية، وإن كان موسرا أو المعجل قدر النصاب لا يجوز عندهما وبه يفتى للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقا وسيأتي بيان النصب الثلاثة آخر الباب إن شاء الله -تعالى (البحر الرائق،ج۲ص ۲۵۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

(یعنی اس اولاد کا والد یا والدہ) مالدار اور صاحبِ نصاب نہیں، بلکہ غریب ہے، تو اس شخص یا عورت کو بھی زکاۃ دینا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کوئی عورت فقیر وغریب ہو، اور اس کا شوہر غنی و مالدار ہو، تو اس عورت کو تو زکاۃ دینا جائز ہے، لیکن اس کے شوہر کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔ [2]

(۳)...... عاملین (یعنی زکاۃ کی وصولی پر حکومتی نمائندوں کو زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا تیسرا مصرف ''عاملین'' کو بیان کیا گیا ہے۔

عاملین، عامل کی جمع ہے، آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

---

[1] ويجوز دفعها إلى الولد الذى أبوه غنى إن كان الولد كبيرا فقيرا، سواء كان ذكرا أو أنثى، لأنه لا يعد غنيا بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه، أما الولد الصغير الذى أبوه غنى فلا تدفع إليه الزكاة لأنه يعد غنيا بيسار أبيه، وسواء كان الصغير فى عيال أبيه أم لا .وكذا قال أبو حنيفة ومحمد :يجوز دفع الزكاة إلى رجل فقير له ابن موسر .وقال أبو يوسف :إن كان الأب فى عيال الابن الموسر لا يجوز، وإن لم يكن جاز(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۵، مادة "زكاة")

وأما ولد الغنى فإن كان صغيرا لم يجز الدفع إليه وإن كان فقيرا لا مال له؛ لأن الولد الصغير يعد غنيا بغنى أبيه وإن كان كبيرا فقيرا يجوز؛ لأنه لا يعد غنيا بمال أبيه فكان كالأجنبى ...... وكذا يجوز الدفع إلى فقير له ابن غنى وإن كان يجب عليه نفقته لما قلنا :إن تقدر النفقة لا يصير غنيا فيجوز الدفع إليه(بدائع الصنائع، ج۲، ص۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذى يرجع إلى المؤدى إليه)

[2] مندرجہ بالا قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا ہے، اور امام ابو یوسف کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، البتہ امام ابو یوسف کی دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔

قالوا :وكذلك المرأة الفقيرة إن كان لها زوج غنى يجوز إعطاؤها من الزكاة، لأنها لا تعد غنية بيسار زوجها، وبقدر النفقة لا تصير موسرة، واستيجابها النفقة بمنزلة الأجرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۵، مادة "زكاة")

ولو دفع إلى امرأة فقيرة وزوجها غنى جاز فى قول أبى حنيفة ومحمد وهو إحدى الروايتين عن أبى يوسف.وروى عنه أنها لا تعطى إذا قضى لها بالنفقة.

وجه هذه الرواية أن نفقة المرأة تجب على زوجها فتصير غنية بغنى الزوج كالولد الصغير، وإنما شرط القضاء لها بالنفقة؛ لأن النفقة لا تصير دينا بدون القضاء .

وجه ظاهر الرواية أن المرأة الفقيرة لا تعد غنية بغنى زوجها؛ لأنها لا تستحق على زوجها إلا مقدار النفقة فلا تعد بذلك القدر غنية(بدائع الصنائع، ج۲، ص۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذى يرجع إلى المؤدى إليه)

مسئلہ نمبر۱...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ زکاۃ کے عاملین کو بھی زکاۃ دینا جائز ہے۔

اور زکاۃ کے عامل کو زکاۃ دینے کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ غریب ہو، بلکہ امیر ہونے کی صورت میں بھی اس کو زکاۃ کا عامل ہونے کی وجہ سے، اس کے کام کے بقدر بطور معاوضہ زکاۃ دینا جائز ہے۔

کیونکہ حدیث میں عامل کے امیر ہونے کے باوجود اس کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [۱]

اور زکاۃ کے آٹھ مصارف میں سے صرف یہ ایک مصرف ہی ایسا ہے کہ جس میں معاوضہ واجرت کے طور پر زکاۃ میں سے دینا جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۲...... زکاۃ کا عامل وہ شخص اور زکاۃ کے عاملین وہ اشخاص کہلاتے ہیں کہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکاۃ، صدقات اور عُشر وغیرہ حاصل کر کے بیتُ المال میں جمع کرنے

---

[۱] الصنف الثالث :العاملون على الزكاة :يجوز إعطاء العاملين على الزكاة منها .ويشترط فى العامل الذى يعطى من الزكاة شروط تقدم بيانها.ولا يشترط فيمن يأخذ من العاملين من الزكاة الفقر، لأنه يأخذ بعمله لا لفقره.

وقد قال النبى :لا تحل الصدقة لغنى إلا لخمسة . .فذكر منهم العامل عليها .

قال الحنفية :يدفع إلى العامل بقدر عمله فيعطيه ما يسعه ويسع أعوانه غير مقدر بالثمن، ولا يزاد على نصف الزكاة التى يجمعها وإن كان عمله أكثر.

وقال الشافعية والحنابلة :للإمام أن يستأجر العامل إجارة صحيحة بأجر معلوم، إما على مدة معلومة، أو عمل معلوم.

ثم قال الشافعية :لا يعطى العامل من الزكاة أكثر من ثمن الزكاة، فإن زاد أجره على الثمن أتم له من بيت المال .وقيل من باقى السهام..ويجوز للإمام أن يعطيه أجره من بيت المال.وله أن يبعثه بغير إجارة ثم يعطيه أجر المثل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص٣١٨،مادة "زكاة")

[۲] اس سلسلہ میں معارفُ القرآن میں ہے کہ:

عاملین صدقہ کو جو رقم مدِّ زکاۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکاۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکاۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں رقم زکاۃ بطور معاوضۂ خدمت دی جاتی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔

اور بعض اوقات یہ عاملین، مستحقین تک زکاۃ پہنچانے کی خدمت پر بھی مامور ہوتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ہے، ورنہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضۂ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مالِ زکاۃ دیا گیا، تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی لئے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مالِ زکاۃ کو معاوضۂ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مالدار کے لئے یہ مالِ زکاۃ حلال کیسے ہوا؟ ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ عاملینِ صدقہ کی اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنا دے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بَریٔ ہو جاتا ہے، تو جب رقم زکاۃ عاملینِ صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی تو ان کی زکاۃ ادا ہوگئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے، جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے اب جو رقم بطور حق الخدمت کے اُن کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضۂ خدمت دے دیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، امیرِ مملکت جس جس کو صدقات کی وصول یابی پر عامل بنا دے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملینِ صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنا دے اور اس کا حق الخدمت زکاۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کردے تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکاۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکاۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

فائدہ: تفصیلِ مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات، زکاۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملینِ صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے، زکاۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی (معارف القرآن ج۴، ص۳۹۸ وص۳۹۹، سورہ توبہ، آیت۶۰، پارہ۱۰)

یہ لوگ چونکہ اپنے اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، اوران کا حقُّ الخدمت زکاۃ سے دینا جائز ہے۔ ؎

؎ اوراسلامی حکومت کی طرف سے راستوں اور بازاروں سے گزرنے والے تجارت کے اموال سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے جن عاملین کومقرر کیا جاتا ہے، ان کومخصوص اصطلاح میں ''عاشر'' یا ''عاشرین'' کہا جاتا ہے، اور ہماری زیرِ بحث مندرجہ بالا عامل کی اصطلاح عاشر کوبھی شامل ہے۔

العامل فی اللغة بوزن فاعل من عمل، يقال :عملت على الصدقة :سعيت فی جمعها.

ويطلق العامل ويراد به :الوالی، والجمع عمال وعاملون، ويتعدى إلى المفعول الثانی بالهمزة، فيقال :أعملته كذا، واستعملته أی :جعلته عاملا، أو سألته أن يعمل، وعملته على البلد بالتشديد: وليته عمله.والعمالة -بضم العين :-أجرة العامل، والكسر لغة.

وفی الاصطلاح :العامل على الزكاة هو :المتولی على الصدقة والساعی لجمعها من أرباب المال، والمفرق على أصنافها إذا فوضه الإمام بذلك .

والعامل بمعنى الوالی :هو من يقلده الخليفة أميرا على إقليم أو بلد، أو يستعمله فی عمل معين.

وأحكام هذا المصطلح خاصة بعامل الزكاة، أما العامل بمعنى الوالی فتنظر أحكامه فی :(إمارة، وولاية)

الألفاظ ذات الصلة:العاشر:

العاشر :هو من نصبه الإمام على الطريق ليأخذ الصدقات من التجار مما يمرون به عليه عند اجتماع شرائط الوجوب، وهو مأخوذ من :عشرت المال عشرا -من باب قتل -وعشورا :أخذت عشره واسم الفاعل عاشر وعشار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص۲۲۶،۲۲۷،مادة "عامل ")

أجمع الفقهاء على أن العامل على الزكاة مصرف من مصارفها الثمانية لقوله تعالى :(والعاملين عليها)

وقالوا :إنه يدخل فی اسم العامل:الساعی :وهو الذی يجبی الزكاة ويسعى فی القبائل لجمعها.

والحاشر :وهو اثنان، أحدهما :من يجمع أرباب الأموال .وثانيهما :من يجمع ذوی السهام من الأصناف.

والعريف :وهو كالنقيب للقبيلة، وهو الذی يعرف الساعی أهل الصدقات إذا لم يعرفهم.

والكاتب :وهو الذی يكتب ما أعطاه أرباب الصدقات من المال، ويكتب لهم براء ة بالأداء ، ويكتب كذلك ما يدفع للمستحقين.

والقاسم :وهو الذی يقسم أموال الزكاة بين مستحقيها.

ويدخل فی اسم العامل كذلك :الحاسب، والخازن، وحافظ المال، والعداد، والكيال، والوزان، والراعی لمواشی الصدقة، والحمال، وكل من يحتاج إليه فی شأن الصدقة، حتى إذا لم تقع الكفاية بساع واحد، أو كاتب واحد، أو حاسب واحد، أو حاشر أو نحوه زيد فی العدد بقدر الحاجة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص۲۲۷،۲۲۸،مادة "عامل ")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ لوگوں سے زکاۃ وعُشر وغیرہ حاصل کرنے کے لئے عامل ونمائندہ مقرر کرے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۴...... جن اموال کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، وہ دو قسم کے اموال ہیں، ایک اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں، جس سے مراد سائمہ جانور اور فصل اور کھیتی کا عشر اور وہ تجارت کا مال ہے، جو ان راستوں سے لے جایا جائے، جہاں اسلامی حکومت کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے عامل ونمائندہ مقرر ہوتا ہے۔

ایسے اموال کی زکاۃ حاصل یا وصول کرنے کا اسلامی حکومت کو استحقاق ہوتا ہے۔

اور دوسرے اموالِ باطنہ کہلاتے ہیں، جس سے مراد سونا، چاندی اور کرنسی اور اپنے مقام پر رکھا ہوا تجارت کا مال ہے، اسلامی حکومت کو ایسے اموال کی زکاۃ وصول کرنے کا استحقاق نہیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والصنف الثالث ـ العاملون عليها :وهم السعاة لجباية الصدقة، ويشترط فيهم العدالة والمعرفة بفقه الزكاة، ويدخل العاشر والكاتب وقاسم الزكاة بين مستحقيها وحافظ المال، والحاشر :الذي يجمع أرباب الأموال، والعريف :الذي يعرف أرباب الاستحقاق .وعدّاد المواشي والكيال والوزان والراعي، وكل من يحتاج إليه في الزكاة لدخولهم في مسمّى العامل غير قاض ووال لاستغنائهما بمالهما في بيت المال .أما أجرة الكيل والوزن في حال تسليم الزكاة من المالك ومؤنة دفعها، فعلى المالك، لأن تسليمها عليه، فكذلك مؤنته .أما مؤنة ذلك حال الدفع إلى جباة الزكاة، فمن سهم العمال(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص۱۹۵۳، الباب الرابع، الفصل الاول ، المبحث السابع)

[۱] يجب على الإمام أن يرسل السعاة لقبض الزكاة وتفريقها على مستحقيها، وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يولي العمال ذلك ويبعثهم إلى أصحاب الأموال، فقد استعمل عمر بن الخطاب رضي الله عنه عليها، وورد أنه استعمل ابن اللتبية.

وكذلك الخلفاء الراشدون كانوا يرسلون سعاتهم لقبضها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۰۶،مادة "زكاة")

تعيين العمال لقبض الزكاة وتفريقها على مستحقيها واجب على الإمام، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يولي العمال ذلك، ويبعثهم إلى أصحاب الأموال، وقد استعمل عمر بن الخطاب رضي الله عنه عليهاوكذلك الخلفاء الراشدون كانوا يرسلون عمالهم لقبضها، ولأن في الناس من يملك المال ولا يعرف ما يجب عليه فيه، ومنهم من يبخل بالزكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص۲۲۷،مادة "عامل")

ہوتا، اوران اموال کی زکاۃ میں مال کے مالکان کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ جو مناسب مستحق سمجھیں، وہ خود سے اس کو زکاۃ ادا کریں، البتہ اگر کوئی اس طرح کے اموال کی زکاۃ خود سے اسلامی حکومت کو سپرد کرے، تو بھی حرج کی بات نہیں۔ [1]

---

[1] مال الزكاة نوعان :ظاهر، وهو المواشي والزروع والمال الذى يمر به التاجر على العاشر، وباطن :وهو الذهب والفضة، وأموال التجارة فى مواضعها.
وولاية أخذ الزكاة فى الأموال الظاهرة للإمام فى مذاهب :الحنفية، والمالكية، وأحد قولى الشافعية.
ودليل ذلك قول الله تعالى :(خذ من أموالهم صدقة)والذى عليه عامة أهل التأويل أن المراد بالصدقة الزكاة، وكذلك قوله تعالى :(إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها)فقد جعل الله تعالى للعاملين عليها حقا ولو لم يكن للإمام أن يطالب أرباب الأموال بصدقات الأنعام والزروع فى أماكنها، وكان أداؤها إلى أرباب الأموال، لم يكن لذكر العاملين وجه.
وكان الرسول عليه الصلاة والسلام والأئمة بعده يبعثون المصدقين إلى أحياء العرب والبلدان والآفاق، لأخذ الصدقات من الأنعام والمواشي فى أماكنها.
وقال الحنفية :إنه يلحق بالأموال الظاهرة المال الباطن إذا مر به التاجر على العاشر، فله أن يأخذ منه الزكاة فى الجملة، لأنه لما سافر به وأخرجه من العمران صار ظاهرا والتحق بالسوائم، وهذا لأن الإمام إنما كان له المطالبة بزكاة المواشي فى أماكنها لمكان الحماية، لأن المواشي فى البرارى لا تصير محفوظة إلا بحفظ السلطان وحمايته، وهذا المعنى موجود فى مال يمر به التاجر على العاشر فكان كالسوائم .وعليه إجماع الصحابة رضى الله عنهم.
وهذا الحكم (دفع زكاة الأموال الظاهرة إلى الأئمة) إذا كان الأئمة عدولا فى أخذها وصرفها.
وإن كانوا غير عدول فى غير ذلك، وذلك مذهب المالكية، فإن طلبها الإمام العدل فادعى المزكى إخراجها لم يصدق،والذى فى كتب الحنفية أن السلاطين الذين لا يضعون الزكاة مواضعها إذا أخذوا الزكاة أجزأت عن المزكين، لأن ولاية الأخذ لهم، فلا تعاد .وقال بعضهم :يسقط الخراج ولا تسقط الزكوات .ومؤدى هذا أنه إذا كان الإمام غير عادل فللمزكى إخراج زكاته.
والمنصوص عليه فى مذهب الشافعية .أنه إذا كان الإمام عدلا ففيها قولان :أحدهما أنه محمول على الإيجاب، وليس لهم التفرد بإخراجها، ولا تجزئهم إن أخرجوها ومذهب الحنابلة لا يختلف عن الجمهور فى الأموال الظاهرة، أما فى الأموال الباطنة فقد صرح أبو يعلى بأنه ليس لوالى الصدقات نظر فى زكاتها، وأربابها أحق منه بإخراجها إلا أن يبذل رب المال زكاتها طوعا، والمذهب أن للإمام طلب زكاة الأموال الباطنة أيضا.
وإذا تأكد الإمام أن أرباب الأموال لا يؤدون زكاتها أجبرهم على إيتائها ولو بالقتال، كما فعل أبو بكر رضى الله عنه بما يفى الزكاة، وهذا إن كان الإمام يضعها موضعها، وإلا فلا يقاتلهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۱۴۹، وص ۱۵۰، مادة "استيفاء")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے جو عامل مقرر کیا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فإن كان مال الزكاة خفياً أو باطناً :وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، جاز للمالك أن يفرقها بنفسه، أو أن يدفعها إلى الإمام، لأن رسول الله صلّى الله عليه وسلم طالب بزكاته، وتبعه في ذلك أبو بكر وعمر، ثم طالب بها عثمان لمدة، ولما كثرت أموال الناس ورأى أن في تتبعها حرجاً على الأمة، فوض الأداء إلى أربابها .ودفعها إلى الإمام لأنه نائب عن الفقراء ، فجاز الدفع إليه كولي اليتيم، ولأن الإمام أعلم بمصارفها، ودفعها إليه يبرئه ظاهراً وباطناً، لاحتمال أن يكون غير مستحق لها، ولأنه يخرج من الخلاف وتزول التهمة عنه.

ب ــ وإن كان مال الزكاة ظاهراً :وهو المواشي والزروع والثمار والمال الذي يمر به التاجر على العاشر، فيجب عند الجمهور منهم الحنفية والمالكية دفعها إلى الإمام، فإن فرقها بنفسه، لم يحتسب له ما أدى، لقوله تعالى :(خذ من أموالهم صدقة)أمر الله نبيه بأخذ الزكاة، فدل أن للإمام المطالبة بذلك والأخذ .ودل ذكر العاملين عليها في المصارف على أن للإمام مطالبة أرباب الأموال بالصدقات.

وكان النبي يبعث المصدِّقين (الجباة) إلى أحياء العرب والبلدان والآفاق لأخذ الصدقات من الأنعام والمواشي في أماكنها .

وتابعه على ذلك الخلفاء الراشدون، وقال أبو بكر رضي الله عنه لما امتنعت العرب عن أداء الزكاة :والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلم، لحاربتهم عليه .

لكن المالكية قالوا :إذا كان الإمام عدلاً، وجب دفع الزكاة إليه، وإن كان غير عدل، فإن لم يتمكن المزكي صرفها عنه، دفعت إليه وأجزأت .وإن تمكن صرفها عنه دفعها صاحبها لمستحقها. ويستحب ألا يتولى دفعها بنفسه خوف الثناء .

وقال الشافعي في الجديد:يجوز للمزكي أن يفرق زكاة الأموال الظاهرة بنفسه كزكاة الباطن، لأنها زكاة، فجاز أن يفرقها بنفسه كزكاة المال الباطن.

وقال الحنابلة:يستحب للإنسان أن يلي تفرقة الزكاة بنفسه، ليكون على يقين من وصولها إلى مستحقها، سواء أكانت من الأموال الظاهرة أم الباطنة .قال أحمد :أعجب إلي أن يخرجها، وإن دفعها إلى السلطان فهو جائز .ودليلهم أن المزكي دفع الحق إلى مستحقه الجائز تصرفه، فأجزأه، كما لو دفع الدين إلى غريمه، وكزكاة الأموال الباطنة، ولأن المال الظاهر أحد نوعي الزكاة، فأشبه النوع الآخر، ولتوفير أجر العُمالة (رزق العامل)

ولكن للإمام أخذها، وهذا لا خلاف فيه، لدلالة الآية:(خذ من أموالهم صدقة)ومطالبة أبي بكر لهم بها بكونهم لم يؤدوها إلى أهلها، ولو أدوها إلى أهلها لم يقاتلهم عليها.

وعلى كل حال فالواقع أن إخراج الزكاة أصبح منوطاً بأرباب الأموال، ويطلب اليوم سن تشريعات فريضة الزكاة، وقيام الدولة بجبايتها، بسبب تقصير الكثير عن أدائها، على أن تصرف في المصارف الشرعية، وأن يكون الحاكم عادلاً أميناً على مصالح المسلمين(الفقه الاسلامی وادلتہٗ للزحیلی، ج۳ص ۱۹۷۲ الیٰ ص۱۹۷۵ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

جائے، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، مرد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، دیانت دار ہو، سنتا ہو (بہرا نہ ہو) اور زکاۃ کے مسائل سے واقف ہو۔ [1]

اور عامل کے آزاد ہونے اور ہاشمی نہ ہونے کی شرط میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات آزاد ہونے کو ضروری اور بعض غیر ضروری قرار دیتے ہیں، اور بعض ہاشمی نہ ہونے کو بھی ضروری اور بعض غیر ضروری قرار دیتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ [2]

---

[1] يشترط في العامل أن يكون مسلما عاقلا بالغا عدلا سميعا ذكرا، وأن يكون عالما بأبواب الزكاة، ليعلم ما يأخذه، ومن يأخذ منه، ولئلا يأخذ غير الواجب، أو يسقط الواجب، ولئلا يدفع لغير مستحق، أو يمنع عن مستحق، وهذا إذا كان مفوضا من الإمام لعموم أمر الزكاة، أي :أخذها من أرباب الأموال وتوزيعها على مستحقيها وغير ذلك مما تدعو إليه الحاجة في جمع الزكاة، أما إذا لم يكن مفوضا تفويضا عاما، كأن يكون منفذا فقط، عين له الإمام ما يأخذه ومن يعطيه، فلا يشترط أن يكون عالما بأبواب الزكاة، لأن النبي كان يبعث العمال ويكتب لهم ما يأخذون ، وكذلك فعل أبو بكر رضي الله عنه لعماله، ولأن هذه رسالة لا ولاية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۲۲۸، مادة "عامل")

[2] واختلف الفقهاء في شرطين:

أحدهما :الحرية، فقد ذهب الجمهور إلى اشتراط الحرية، فلا يصح عندهم أن يكون العامل عبدا، لعدم الولاية.

وذهب الحنابلة إلى عدم اشتراط الحرية، لقوله صلى الله عليه وسلم :اسمعوا وأطيعوا وإن استعمل عليكم عبد الحديث.

ثانيهما :أن لا يكون هاشميا(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۹،ص۲۲۹،مادة "عامل")

ويشترط في الساعي ما يلي:

۱ ......أن يكون مسلما، فلا يستعمل عليها كافرا لأنها ولاية، وفيها تعظيم للوالي.

۲ ...... وأن يكون عدلا، أي ثقة مأمونا، لا يخون ولا يجور في الجمع، ولا يحابي في القسمة.

۳...... وأن يكون فقيها في أمور الزكاة، لأنه يحتاج إلى معرفة ما يؤخذ وما لا يؤخذ، ومحتاج إلى الاجتهاد فيما يعرض له من وقائع الزكاة.

۴......وأن يكون فيه الكفاية، وهي القدرة على القيام بالعمل وضبطه على الوجه المعتبر.

۵......وأن لا يكون من آل البيت، وفي هذا الشرط اختلاف بين الفقهاء .

ومعنى اشتراطه هنا عدم استحقاقه للأخذ منها مقابل عمله فيها، فلو عمل بلا أجر أو أعطى أجره من مال الفيء أو غيره جاز، و (ر :آل، جباية).

والسعاة على الزكاة أنواع فمنهم الجابي:

وهو القابض للزكاة، والمفرق :وهو القاسم، والحاشر :وهو الذي يجمع أرباب الأموال لتؤخذ منهم الزكاة، والكاتب لها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۶،۳۰۷،مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کہیں اسلامی حکومت نہ ہو، یا اس کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے کا مناسب انتظام نہ ہو، تو پھر مال دار لوگوں پر خود سے زکاۃ کا مستحقین تک پہنچانا ضروری ہوجاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۷...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے جن عاملوں اور نمائندوں کو مقرر کیا جائے، ان میں مستحب یہ ہے کہ جن اموال کی زکاۃ سال کے بعد واجب ہوتی ہے، ان اموال کی زکاۃ وصول کرنے کے لئے ایک مہینہ لوگوں کے پاس عاملوں کو بھیجنے کا مقرر کردیا جائے، اور اس مقررہ وقت کی وہاں کے لوگوں کو اطلاع کردی جائے۔

اور جن اموال کی زکاۃ واجب ہونے کے لئے سال کا گزرنا ضروری نہیں، جیسا کہ فصل اور غلہ کا عشر تو ان چیزوں کی زکاۃ وصول کرنے کے لئے اس وقت عاملوں کو بھیجا جائے، جب فصل تیار ہونے کا وقت ہو۔ [2]

---

[1] وإن لم يكن هناك إمام، أو كان الإمام لا يرسل السعاة لجبي الزكاة فيجب على أهل الأموال إخراجها وتفريقها على المستحقين، لأنهم أهل الحق فيها والإمام نائب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۷، مادة "زكاة")

[2] يستحب للإمام أو العامل أن يعين للناس شهرا يأتيهم فيه لأخذ الزكاة من أموالهم التي يشترط في وجوب الزكاة فيها حولان الحول عليها، كالمواشي والنقود وعروض التجارة ونحوها.
ويستحب أن يكون ذلك الشهر من السنة هو شهر المحرم، لقوله صلى الله عليه وسلم :هذا شهر زكاتكم ولأنه أول السنة القمرية، وليتهيأ أرباب الأموال لدفع زكاة أموالهم، ويتهيأ المستحقون لأخذ الزكاة، والأفضل أن يخرج إليهم قبل شهر المحرم، ليصل إليهم في أوله.
أما فيما لا يعتبر فيه الحول من أموال الزكاة كالزروع والثمار، فيبعث الإمام العمال لأخذ زكواتها وقت وجوبها، وهو وقت الجذاذ والحصاد.
ويستحب للساعي كذلك :أن يعد الماشية على الماء إن كانت ترد الماء ، وفي أفنيتهم إن لم تكن ترد الماء ، لقوله صلى الله عليه وسلم :تؤخذ صدقات المسلمين عند مياههم أو عند أفنيتهم .
فإن أخبره صاحب المال بعددها -وهو ثقة -فله أن يصدقه ويعمل بقوله؛ لأنه أمين، وإن لم يصدقه، أو أراد الاحتياط بعدها عدها.
فإن اختلفا في العد بعد العد، وكان الفرض يختلف بذلك، أعاد العد ثانية.
وإن اختلف الساعي ورب المال في حولان الحول كأن يقول المالك :لم يحل الحول بعد، ويقول الساعي :بل حال الحول، أو قال المالك :هذه السخال تولدت بعد الحول، وقال الساعي :بل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... مسلمان حکومت کی طرف سے تجارت کے مال کی زکاۃ وصول کرنے کے لئے ایسے راستوں اور چوراہوں پر بھی عاملوں کو مقرر کیا جاتا ہے، جہاں سے لوگ تجارت کا مال لے کر گزرتے ہوں، تاکہ تجارت کا مال لے جانے والے لوگوں سے تجارت کے مال کی زکاۃ وصول کی جائے۔

پھر مسلمان تاجروں کے مال سے حاصل کردہ یہ مال اس تجارت کے مال کی زکاۃ کہلاتا ہے، جس پر مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تولدت قبله، أو قال الساعي: كانت ماشيتك نصابا ثم توالدت، وقال المالك: بل ماشيتي تمت نصابا بالتوليد، فالقول قول المالك في جميع هذه الصور ونظائرها مما لا يخالف الظاهر، لأن الأصل براء ته، ولأن الزكاة موضوعة على الرفق.

وإن رأى الساعي -المفوض في قبض الزكاة وتفريقها- المصلحة في أن يوكل من يأخذها من المزكي عند حلولها ويفرقها على أهلها فعل.

وإن وثق بصاحب المال، ورأى أن يفوض إليه تفريقها على المستحقين فعل أيضا، لأن المالك يجوز له أن يفرق زكاته على المستحقين بغير إذن العامل، فمع إذنه أولى.

ويستحب أن يخرج مع الساعي -لأخذ زكاة الزروع والثمار- من يخرص ما يحتاج إلى خرصه، وينبغي أن يكون معه خارصان ذكران حران.

كما يستحب للإمام -أو العامل إن كان مفوضا للقسمة- أن يكون عارفا عدد المستحقين وقدر حاجتهم، ليتعجل حقوقهم، وليأمن هلاك المال عنده.

ويبدأ في القسمة بالعاملين، لأن استحقاقهم أقوى، لكونهم يأخذون على وجه العوض، وغيرهم يأخذ على وجه المواساة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص ۲۳۱ الیٰ ۲۳۳، مادة "عامل")

موعد إرسال السعاة:

الأموال قسمان: فما كان منها لا يشترط لزكاته الحول كالزروع والثمار والمعادن، فهذا يرسل الإمام سعاته وقت وجوبها، ففي الزروع والثمار عند إدراكها بحيث يصلهم وقت الجذاذ والحصاد.

وهذا في غير الخرص، أما الخارص فيرسل عند بدء ظهور الصلاح كما تقدم (وانظر مصطلح: خرص)

وما كان يشترط فيه الحول كالمواشي: فذهب الشافعية إلى أنه يجب أن يعين لهم شهرا معينا من السنة القمرية يرسل إليهم فيه الساعي كل عام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۷، مادة "زكاة")

جبکہ غیر مسلموں کے مال سے حاصل کردہ یہ مال "جزیہ" وٹیکس کہلاتا ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۹...... مسلمان حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کی جو زکاۃ حاصل کرے، اس کو بیت المال میں محفوظ رکھ کر زکاۃ کے صحیح مستحقین کو یہ زکاۃ کا مال پہنچائے، اور اس سلسلہ میں پوری دیانت وذمہ داری سے کام لے۔ ۲؎

مسئلہ نمبر ۱۰...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ زکاۃ کے عامل کو زکاۃ کے مال میں سے اتنی مقدار، اس کے معاوضہ وتنخواہ میں دی جائے گی، جو اس کی محنت وعمل کی حیثیت کے مطابق ہو، نہ تو اس سلسلہ میں کوتاہی سے کام لیا جائے گا اور نہ ہی زیادتی سے کام لیا جائے گا۔ ۳؎

۱؎ ينصب الإمام على المعابر في طرق الأسفار عشارين للجباية ممن يمر عليهم بالمال من المسلمين وأهل الذمة وأهل الحرب إذا أتوا بأموالهم إلى بلاد الإسلام، فيأخذ من أهل الإسلام ما يجب عليهم من زكاة، ويأخذ من أهل الذمة نصف العشر، ويأخذ من أهل الحرب العشر . والذى يأخذه من أهل الذمة وأهل الحرب فيء حكمه حكم الجزية يصرف فى مصارف الفيء ، وينظر تفصيله فى مصطلح :(عشر).

أما ما يأخذه من أهل الإسلام فهو زكاة يشترط له ما يشترط فى سائر الأموال الزكوية ويصرف فى مصارف الزكاة، إلا أن هذا النوع من المال وإن كان فى الأصل مالا باطنا لكنه لما انتقل صاحبه به فى البلاد أصبح فى حكم المال الظاهر على ما صرح به ابن عابدين، ولذا كانت ولاية قبض زكاته إلى الإمام، كالسوائم والزروع.

وصرح الحنفية بتحليف من يمر على العاشر إن أنكر تمام الحول على ما بيده، أو ادعى أن عليه دينا يسقط الزكاة، فإن حلف فالقول قوله، وكذا إن قال أديتها إلى عاشر آخر وأخرج براء ة (إيصالا رسميا بها) ، وكذا إن قال أديتها بنفسي إلى الفقراء فى المصر.

ويشترط أن يكون ما معه نصابا فأكثر حتى يجب الأخذ منه، فإن كان معه أقل من نصاب وله فى المصر ما يكمل به النصاب فلا ولاية للعاشر على الأخذ منه، لأن ولايته على الظاهر فقط.

ويشترط فى العاشر ما يشترط فى الساعى كما تقدم وأن يأمن المسافرون بحمايته من اللصوص(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۱۱،۳۱۲،مادة "زكاة")

۲؎ على الإمام أن يتخذ بيتا لأموال الزكاة تحفظ فيه وتضبط إلى أن يتمكن من صرفها لأهلها .وتفصيل ذلك فى مصطلح :بيت المال "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۱۰،مادة "زكاة")

۳؎ والذى يعطى للعامل :هو بمثابة الأجرة على العمل، فيعطاها ولو كان غنياً، أما لو اعتبرت زكاة أو صدقة لما حلت للغنى(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۵۴، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

مسئلہ نمبر ۱۱...... مسلمان حکمران یا اسلامی حکومت کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ پہلے زکاۃ وصول کرنے کے لئے کسی کو عامل مقرر کردے، اور بھیج دے، اوراس سے کوئی اجرت وغیرہ متعین و طے نہ کرے، اور بعد میں اس کو اجرتِ مثل یعنی اس جیسے کام اور محنت پر بازار اور مارکیٹ کے حساب سے ملنے والا معاوضہ ادا کردے۔

اور یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ عامل کے لئے بھیجنے سے پہلے ہی کام کی اجرت ومعاوضہ یا تنخواہ وغیرہ مقرر و متعین اور طے کردے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ عاملین کی تنخواہیں وصول شدہ زکاۃ کی نصف مقدار سے بڑھنے نہ پائیں، اور اگر زکاۃ کی وصول یابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر وصول شدہ زکاۃ کا نصف بھی باقی نہیں رہتا تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی۔ [2]

---

[1] والإمام مخير في العامل، إن شاء أرسله لأخذ الزكاة من غير عقد ولا تسمية شيء ، بل يدفع إليه أجرة مثله، لما رواه ابن الساعدي قال :استعملني عمر بن الخطاب رضى الله عنه على الصدقة، فلما فرغت منها وأديتها إليه أمر لي بعمالة، فقلت :إنما عملت لله وأجري على الله، قال :خذ ما أعطيت، فإني عملت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فعملني، فقلت مثل قولك، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا أعطيت شيئا من غير أن تسأل فكل وتصدق.
وإن شاء عقد له عقدا واستأجره إجارة صحيحة سمى له فيها قدر أجرته، ثم دفع إليه ما سمى له من أموال الزكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۲۹ ،مادة "عامل ")

[2] (قوله :فيحتاج إلى الكفاية) لكن لا يزاد على نصف ما قبضه كما يأتي(ردالمحتار، ج۲ص ۳۴۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)
وإذا زاد سهم العاملين على أجرته رد الفاضل على سائر الأصناف، وقسم على سهامهم.
أما إن كان سهم العاملين أقل من أجرته، فقد اختلف الفقهاء في ذلك فذهب الحنفية إلى أنه يكمل له من أموال الزكاة التي بيده، بشرط ألا يزيد على نصف ما قبضه؛ لأن التنصيف هو عين الإنصاف، ولا يعطى من بيت المال شيئا.
وذهب المالكية إلى أنه يتمم له من أموال الزكاة وإن استغرق جميع أموال الزكاة التي بيده لأنها أجرة عمله.
وذهب الشافعية إلى أنه يتمم له، ولكنهم اختلفوا من أين يتمم له؟ فالمذهب عندهم :أنه يتمم من حق سائر الأصناف، لأنه يعمل لهم، فكانت أجرته عليهم، وقيل :يتمم من سهم المصالح؛ لأن الله تعالى جعل لكل صنف سهما، فلو قسمنا ذلك على الأصناف ونقصنا حقهم فضلنا العامل عليهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۴۳...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو جو تنخواہ یا معاوضہ دیا جاتا ہے، وہ اس کی جمع کردہ زکاۃ کے علاوہ بیت المال میں موجود دوسرے مال سے بھی دیا جا سکتا ہے، بطورِ خاص جب کوئی عامل زکاۃ کا مال لینے کا اہل نہ ہو، تو پھر بیت المال کے دوسرے اموال سے دینا ہی متعین ہو جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴۴...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کے ذمہ زکاۃ کے مال کی حفاظت ونگرانی ضروری ہوتی ہے، اور لوگوں سے زکاۃ کی مَد میں حاصل شدہ اموال اس کے قبضہ میں امانت ہوتے ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقيل :الإمام بالخيار، إن شاء تممه من سهم المصالح وإن شاء تممه من سهام الأصناف الأخرى، لأنه يشبه الحاكم حيث يستوفي به حق الغير على وجه الأمانة، ويشبه الأجير، فخير بين حقيهما.

وقيل :إن كان الإمام بدأ بنصيب العامل، فوجده ينقص تمم من سهام الأصناف الأخرى، وإن كان بدأ بسهام الأصناف الأخرى فأعطاهم، ثم وجد سهم العامل ينقص تممه من سهم المصالح؛ لأنه يشق عليه استرجاع ما دفع إليهم.وقيل :إن فضل عن قدر حاجة الأصناف شيء تمم من الفضل، فإن لم يفضل عنهم شيء تمم من سهم المصالح.

قال النووي :والخلاف في جواز التكميل من أموال الزكاة، ولكنهم اتفقوا على جواز التكميل من سهم المصالح مطلقا، بل لو رأى الإمام أن يجعل أجرة العامل كلها في بيت المال، ويقسم الزكاة على سائر الأصناف جاز، لأن بيت المال لمصالح المسلمين، وهذا من المصالح.

وذهب الحنابلة إلى أنه يتمم له من أموال الزكاة وإن كانت أجرته أكثر من ثمن أموال الزكاة؛ لأن ما يأخذه العامل أجرة، إلا أن الإمام إذا رأى إعطاء العامل أجرته من بيت المال، ويوفر الزكاة على باقي الأصناف جاز له، وإن رأى أن يجعل له رزقا ثابتا في بيت المال نظير عمالته، ولا يعطيه من أموال الزكاة شيئا جاز كذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۹،ص۲۲۹، ۲۳۰،مادة "عامل ")

[1] العامل على الزكاة يجوز إعطاؤه حقه من الزكاة نفسها بالشروط المتقدمة في الساعي. ويجوز إعطاؤه من بيت المال .ويتعين ذلك إن لم يكن من أهل الزكاة، كأن يكون من آل البيت على ما صرح به المالكية، أو يكون العمل مما لا يحتاج إليه غالبا كالراعي والحارس والسائق على ما صرح به المالكية والشافعية، وقال الحنابلة :يعطى الراعي والحارس ونحوهما من الزكاة كغيرهم من العاملين(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۳،ص۳۰۸،مادة "زكاة ")

[2] على الساعي المحافظة على مال الزكاة .وهو أمانة في يده حتى يوصله إلى مستحقيه، أو يوصله إلى الإمام إن فضل منه شيء ، وله في سبيل ذلك أن يتخذ حارسا أو راعيا ونحوهما.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو یہ بات جائز نہیں کہ وہ اپنے معاوضہ واجرت یا تنخواہ کے علاوہ زکاۃ کے مال میں سے مزید کچھ مال اپنے لئے حاصل کرے۔ ل

مسئلہ نمبر ۱۶...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو حلال نہیں کہ وہ زکاۃ دینے والے لوگوں سے ہدیہ،تحفہ وغیرہ کے عنوان سے کوئی چیز اپنے لئے حاصل کرے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر زکاۃ کا مال عامل کے ہاتھ میں آنے کے بعد ضائع ہوجائے،اور اس میں اس عامل کی کوئی غفلت وکوتاہی شامل نہ ہو،تو عامل پر اس کا تاوان (یا ڈَنڈ) لازم نہیں آتا،البتہ اگر عامل کی غفلت وکوتاہی کی وجہ سے مال ضائع ہو،مثلاً وہ اس کی حفاظت میں غفلت وکوتاہی سے کام لے،تو پھر عامل پر اس کا تاوان (یا ڈَنڈ) لازم آتا ہے،اور وہ اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومما ذكره الفقهاء من وسائل الحفظ وسم بهائم الصدقة من الإبل والبقر والغنم لتتميز عن غيرها، ولئلا تضيع، ويسمها بالنار بعلامة خاصة، كأن تكون علامة الوسم (لله) لما ورد في الصحيحين عن أنس رضي الله عنه أنه قال :وافيت النبي صلى الله عليه وسلم وبيده الميسم يسم إبل الصدقة ولآثار وردت من فعل عمر وغيره من الصحابة رضوان الله عليهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۰۹،۳۱۰،مادة "زكاة")

ل وليس للساعي أن يأخذ من الزكاة لنفسه شيئا غير الأجر الذي يعطيه إياه الإمام، لما في حديث عدي بن عميرة رضي الله عنه قال :سمعت رسول الله صلى يقول :من استعملناه منكم على عمل فكتمنا مخيطا فما فوقه، كان غلولا يأتي به يوم القيامة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۸، مادة "زكاة")

۲ وليس للساعي أن يأخذ شيئا من أهل الأموال باسم الهدية بسبب ولايته، وإن أخذه لم يحل له أن يكتمه ويستأثر به، لما ورد في حديث أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال :استعمل النبي صلى الله عليه وسلم رجلا من الأزد يقال له ابن اللتبية على الصدقة، فلما قدم قال :هذا لكم، وهذا أهدي لي .قال :فهلا جلس في بيت أبيه -أو بيت أمه، فينظر أيهدى له أم لا؟ والذي نفسي بيده، لا يأخذ أحد منكم شيئا إلا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبته، إن كان بعيرا له رغاء ، أو بقرة لها خوار، أو شاة تيعر -ثم رفع بيده حتى رأينا عفرة إبطيه -اللهم هل بلغت، اللهم هل بلغت، ثلاثا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۰۸،مادة "زكاة")

ضائع شدہ زکاۃ کے مال کے جمع کرنے کے معاوضہ وتنخواہ سے بھی محروم قرار پاتا ہے۔ [1]

لیکن زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ بہرحال ادا ہوجاتی ہے، جیسا کہ ''زکاۃ دینے کا وکیل بنانے کے احکام'' میں آتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کی غفلت وکوتاہی کے بغیر اگر عامل سے زکاۃ کا مال ضائع ہوجائے، تو اس پر تاوان (یا ڈَنڈ) لازم نہیں آتا، جیسا کہ گزرا، اور بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں عامل اپنی تنخواہ ومعاوضہ کا مستحق قرار پاتا ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں عامل اپنی تنخواہ ومعاوضہ کے استحقاق سے محروم ہوجاتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۹...... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو زکاۃ کی مَد میں حاصل کردہ مال کا بغیر سخت ضرورت کے بیچنا جائز نہیں ہوتا، البتہ سخت ضرورت میں بیچنے کی گنجائش ہوتی ہے، مثلاً راستہ میں اس مال کی حفاظت مشکل ہو، تو اسے ایسی چیز کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہوتا ہے کہ جس کی حفاظت آسان ہو۔ [3]

---

[1] لو تلف مال الزكاة في يد العامل بلا تفريط أو تقصير لم يضمن؛ لأنه أمين كالوكيل :وناظر مال اليتيم إذا تلف في يده شيء بلا تفريط لم يضمن.

أما إذا تلف المال بتفريط منه، بأن قصر في حفظه أو عرف المستحقين وأمكنه التفريق عليهم فأخر من غير عذر ضمنه؛ لأنه متعد بذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩، ص ٢٣٠، مادة "عامل")

[2] واختلفوا في دفع أجرته إذا تلف المال بدون تفريط منه.

فذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يستحق أجرته، وتعطى من بيت المال؛ لأنه أجير، ولأن بيت المال لمصالح المسلمين، وهذا منها. وعندهم أيضا :يستحق العامل الزكاة بعمله على سبيل الأجرة، وإلى هذا ذهب كل من المالكية والشافعية والحنابلة .

وذهب الحنفية إلى أن حقه يسقط، كنفقة المضارب تكون في مال المضاربة، فإذا هلك سقطت نفقته؛ لأن العامل عندهم يستحق الزكاة بعمله على سبيل الكفاية لاشتغاله بها، لا على سبيل الأجرة؛ لأن الأجرة مجهولة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩، ص ٢٣١، مادة "عامل")

[3] قال الفقهاء :لا يجوز للساعي بيع شيء من مال الزكاة من غير ضرورة، بل يوصلها إلى المستحقين بأعيانها إذا كان مفوضا للتفريق عليهم؛ لأن أهل الزكاة أهل رشد لا ولاية عليهم، فلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۰...... جب مسلمانوں کی کسی حکومت کے حکمران دیانت دار وذمہ دار ہوں، تو اپنے اموال کی زکاۃ ان کوحوالہ کرنا، تا کہ وہ مستحقین تک پہنچائیں، بلاشبہ جائز ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۲۱...... اگر حکومت کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے اوراس کا انتظام کرنے والے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يجز بيع مالهم بدون إذنهم، أو يوصلها إلى الإمام إذا لم يكن مفوضا للتفريق عليهم، وإن باع بلا ضرورة ضمن.

فإن وقعت ضرورة البيع، كأن خاف هلاك بعض الماشية، أو كان في الطريق خطر، أو احتاج إلى رد جبران، أو إلى مؤنة النقل، أو ما أشبه ذلك جاز البيع للضرورة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۳۱، مادة "عامل ")

۱؎ حكم دفع الزكاة إلى الإمام العادل :المراد بالإمام العادل هنا من يأخذ الزكاة بحقها، ويعطيها لمستحقها، ولو كان جائرا في غير ذلك على ما صرح به المالكية.

ومن دفع زكاة ماله إلى الإمام العادل جاز، وأجزأت عنه اتفاقا.

ولو كان بإمكانه دفعها إلى الإمام وتفريقها بنفسه فقد اختلف الفقهاء في ذلك:

فذهب مالك وأبو حنيفة وأبو عبيد، وهو القديم من قولي الشافعي، إلى التفريق بين الأموال الظاهرة، وهي الزروع، والمواشي، والمعادن، ونحوها، وبين الأموال الباطنة وهي الذهب والفضة والتجارات.فأما الظاهرة فيجب دفعها إلى الإمام، لأن أبا بكر طالبهم بالزكاة وقاتلهم عليها، ووافقه الصحابة على هذا، فليس للمزكي إخراجها بنفسه، حتى لقد صرح الشافعية بأنه لو أخرجها كذلك لم تجزئه.ولأن ما للإمام قبضه بحكم الولاية لا يجوز دفعه إلى المولى عليه، كولي اليتيم.

وأما زكاة الأموال الباطنة فقال الحنفية :للإمام طلبها، وحقه ثابت في أخذ الزكاة من كل مال تجب فيه الزكاة، للآية .وما فعله عثمان رضي الله عنه أنه فوض إلى الملاك زكاة المال الباطن، فهم نوابه في ذلك، وهذا لا يسقط طلب الإمام أصلا، ولهذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدون زكاتهم طالبهم بها .فأما إذا لم يطلبها لم يجب الدفع إليه .

وقال المالكية والشافعية :زكاة الأموال الباطنة مفوضة لأربابها، فلرب المال أن يوصلها إلى الفقراء وسائر المستحقين بنفسه.وذهب الحنابلة، وهو الجديد المعتمد من قولي الشافعي :إلى أن الدفع إلى الإمام غير واجب في الأموال الظاهرة والباطنة على السواء ، فيجوز للمالك صرفها إلى المستحقين مباشرة، قياسا للظاهرة على الباطنة، ولأن في ذلك إيصال الحق إلى مستحقه الجائز تصرفه، فيجزئه، كما لو دفع الدين إلى غريمه مباشرة، وأخذ الإمام لها إنما هو بحكم النيابة عن مستحقها، فإذا دفعها إليهم جاز، لأنهم أهل رشد.

ثم قال الشافعية في الأظهر :الصرف إلى الإمام أفضل من تفريقها بنفسه، لأنه أعرف بالمستحقين، وأقدر على التفريق بينهم، وبه يبرأ ظاهرا وباطنا. ثم قال الحنابلة :تفرقتها بنفسه، أولى وأفضل من دفعها إلى الإمام، لأنه إيصال للحق إلى مستحقه، فيسلم عن خطر الخيانة من الإمام أو عماله، ولأن فيه مباشرة تفريج كربة من يستحقها، وفيه توفير لأجر العمالة، مع تمكنه من إعطاء محاويج أقربائه، وذوي رحمه، وصلتهم بها، إلا أنه إن لم يثق ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لوگ مسلمان، مگر غیر ذمہ دار اور ظالم ہوں، یا وہ جبراً وقہراً مسلمانوں کی حکومت پر قابض ہوجائیں، اور وہ زبردستی لوگوں کے مال کی زکاۃ وصول کرلیں، تو بھی بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، اور اس زکاۃ کے مال کو صحیح مصرف میں لگانا ان حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور اگر وہ اس میں غفلت وکوتاہی اختیار کریں، تو وہ خود اس کے ذمہ دار شمار ہوتے ہیں۔ [1]

البتہ اس صورت میں زکاۃ ادا ہونے کے متعلق بعض اہلِ علم کا اختلاف ہے، اس لئے اگر اللہ نے حیثیت دی ہو، تو خود سے صحیح مصرف میں دوبارہ زکاۃ خرچ کرنا افضل ہوتا ہے۔

اور اگر حکومت کی طرف سے مال والے لوگوں کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ خود سے کسی صحیح مصرف میں زکاۃ خرچ کریں، اور وہ ظالم حکمرانوں کو زکاۃ حوالہ نہ کریں، تو پھر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ایسے حکمرانوں کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہوتا، بلکہ خود سے زکاۃ کو صحیح مصرف میں لگانا ضروری ہوجاتا ہے۔ [2]

اور حکومت کی طرف سے بینک سے زکاۃ کاٹے جانے کا حکم ''زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام'' میں ذکر کردیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأمانة نفسه فالأفضل له دفعها إلى الساعي، لئلا يمنعه الشح من إخراجها.

أما لو طلب الإمام العادل الزكاة فإنه يجب الدفع إليه اتفاقا، وسواء كان المال ظاهرا أو باطنا، والخلاف في استحقاقه جمع زكاة المال الباطن لا يبيح معصيته في ذلك إن طلبه، لأن الموضع موضع اجتهاد، وأمر الإمام يرفع الخلاف كحكم القاضي، كما هو معلوم من قواعد الشريعة.

وصرح المالكية بأن الإمام العدل إن طلبها فادعى المالك إخراجها لم يصدق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۰۴، ۳۰۵، مادة "زكاة")

[1] السلطان الجائر إذا أخذ صدقات الأموال الظاهرة يجوز وسقط في الصحيح ولا يؤمر بالأداء ثانياً (الفتاوىٰ البزازية، ج ۱ ص ۴۰، كتاب الزكاة)

[2] دفع الزكاة إلى الأئمة الجائرين، وإلى البغاة:

إن أخذ الإمام الجائر الزكاة قهرا أجزأت عن صاحبها.

وكذا إن أكره الإمام المزكي فخاف الضرر إن لم يدفعها إليه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)......مؤلفة قلوبهم (یعنی دلوں میں الفت ڈالنے کے لئے زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا چوتھا مصرف ''مؤلفة قلوبهم'' کو بیان کیا گیا ہے۔
یعنی جن لوگوں کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے۔
آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف الفقهاء فيمن كان قادرا على الامتناع عن دفعها إلى الإمام الجائر، أو على إخفاء ماله، أو إنكار وجوبها عليه، أو نحو ذلك:

فذهب الجمهور من الحنفية والمالكية إلى عدم جواز دفعها إلى الإمام حينئذ، وأنها لا تجزء عن دافعها على التفصيل التالي:

فقال الحنفية :إذا أخذ الخوارج والسلاطين الجائرون زكاة الأموال الظاهرة كزكاة السوائم والزروع وما يأخذه العاشر، فإن صرفوه فى مصارفه المشروعة فلا إعادة على المزكى، وإلا فعلى المزكى فيما بينه وبين الله تعالى إعادة إخراجها .وفى حالة كون الآخذ لها البغاة ليس للإمام أن يطالب أصحاب الأموال بها، لأنه لم يحمهم من البغاة، والجباية بالحماية، ويفتى البغاة بأن يعيدوا ما أخذوه من الزكاة.

وأما الأموال الباطنة فلا يصح دفعها إلى السلطان الجائر .

وقال المالكية :إن دفعها إلى السلطان الجائر اختيارا، فدفعها السلطان لمستحقها أجزأت عنه، وإلا لم تجزئه .فإن طلبها الجائر فعلى ربها جحدها والهرب بها ما أمكن، فإن أكرهه جاز.

وهذا إن كان جائرا فى أخذها أو صرفها، وسواء كانت من الأموال الظاهرة أو الباطنة.

أما إن كان عادلا فيها وجائرا فى غيرها، فيجوز الدفع إليه مع الكراهة .

أما الشافعية فذهبوا إلى أنه إن طلب الإمام الجائر زكاة المال الباطن، فصرفها إليه أفضل، وكذا زكاة المال الظاهر سواء لم يطلبها أو طلبها، وفى التحفة إن طلبها وجب الدفع إليه .

وذهب الحنابلة إلى أن دفع الزكاة إلى الإمام الجائر والبغاة والخوارج إذا غلبوا على البلد جائز سواء كانت من الأموال الظاهرة أو الباطنة.

ويبرأ المزكى بدفعها إليهم، سواء صرفها الإمام فى مصارفها أو لا .واحتجوا بما ورد فى ذلك عن بعض الصحابة، منهم سعد بن أبى وقاص وجابر وأبو هريرة وابن عمر وغيرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۰٦،مادة ''زكاة'')

أخذ البغاة والخوارج الزكاة :إذا تغلبت فئة الخوارج والبغاة على بلد إسلامى، فأخذوا زكواتهم وعشور أراضيهم وخراجها، ثم استعادها الإمام منهم أو أخذ السلطان الجائر الزكاة، أجزأ المدفوع عن أصحابه ولا يثنّى عليهم، وأجزأ دفع الخراج عن المكلف به، سواء عدل الآخذ فيما أخذ أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبرا...... قرآن مجید میں زکاۃ کا ایک مصرف ''اَلْـمُـؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ '' بیان کیا گیا ہے، یعنی ایسے لوگ جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے۔

اوراس سے ایسے لوگ مراد ہیں، جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے اوران کا شر دور کرنے اور ان پر احسان کرنے کے لئے زکاۃ دی جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جار، وسواء أخذها قهراً أو دفعت إليه اختياراً .وذلک عملاً بفعل الصحابة، ولأن المعطى دفعها إلى أهل الولاية، ولأن حق الأخذ للإمام لأجل الحفظ والحماية، ولم يوجد ذلک منه، فجاز دفعها لغيره .لكن قال الحنفية :إلا أن المعطين يفتون فيما بينهم وبين ربهم أن يؤدوا الزكاة والعشور ثانياً.
وقالوا أيضاً :لو أخذ السلطان الصدقات أو الجبايات أو أخذ مالاً مصادرة إن نوى المأخوذ منه الصدقة عند الدفع، جاز وبه يفتى، أو إذا دفع إلى كل جائر بنية الصدقة يجزء، والأحوط الإعادة(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص١٩٧٨، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)
فصل ومن امتنع من أداء الزكاة أخذها الإمام كرها ووضعها موضعها، لقوله تعالى :(خذ من أموالهم)وقوله -عليه الصلاة والسلام :-خذها من أغنيائهم وهذا لأن حق الأخذ كان للإمام فی الأموال الظاهرة والباطنة إلى زمان عثمان -رضى الله عنه -بهذه النصوص، ففوضها فی الأموال الباطنة إلى أربابها مخافة تفتيش الظلمة إلى أموال الناس، فصار أرباب الأموال كالوكلاء عن الإمام، فإذا علم أنهم لا يؤدون طالبهم بها ;وما أخذه الخوارج والبغاة من الزكاة لا يثنى عليهم لأنه عجز عن حمايتهم، والجباية بالحماية، ويفتى أهلها بالإعادة فيما بينهم وبين الله تعالى لعلمنا أنهم لم يأخذوها بطريق الصدقة ولا يصرفونها مصارفها.
واختلف المتأخرون فيما يأخذه الظلمة من السلاطين فی زماننا .قال مشايخ بلخ :يفتون بالإعادة كالمسألة الأولى .وقال أبو بكر الأعمش :يفتون بإعادة الصدقة لأنها حق الفقراء ولا يصرفونها إليهم(الاختيار لتعليل المختار، ج١، ص١٠٤، كتاب الزكاة)
[1] المؤلفة فی اللغة :جمع مؤلف، وهو اسم مفعول من الألفة، يقال :ألفت بينهم تأليفا إذا جمعت بينهم بعد تفرق، والمراد بتأليف قلوبهم :استمالة قلوبهم بالإحسان والمودة .
والمؤلفة قلوبهم فی الاصطلاح :هم الذين يراد تأليف قلوبهم بالاستمالة إلى الإسلام، أو تقريرا لهم على الإسلام، أو كف شرهم عن المسلمين، أو نصرهم على عدو لهم، ونحو ذلک .
حكمة تأليف القلوب:
حث الإسلام أتباعه بالإحسان إلى خصومهم وأعدائهم، وبذلک يفتح الإسلام القلوب بالإحسان، كما يفتح العقول بالحجة والبرهان، قال الله تعالى :(ولا تستوى الحسنة ولا السيئة ادفع بالتی هی أحسن)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... حنفیہ کے علاوہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک موجودہ دور میں بھی ضرورت پڑنے پر ایسے لوگوں کوزکاۃ دینا جائز ہے، جو''مؤلفۃ قلوبہم''میں داخل ہوں۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک یا تو ان کوغربت کی بنیاد پر زکاۃ دی جاتی تھی، یا پھر ایسے لوگوں کوزکاۃ دینے کا حکم اس وقت تھا، جب اسلام کوتقویت حاصل نہیں ہوئی تھی، بعد میں جب اسلام کو تقویت حاصل ہوگئی، تو یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا، لہٰذا حنفیہ کے نزدیک اب صرف دلوں میں الفت ڈالنے کی بنیاد پر کسی کوزکاۃ دینا جائز نہیں، تا آنکہ وہ دیگر شرائط پائے جانے مثلاً مسلمان اورغریب وغیرہ ہونے کی وجہ سے زکاۃ کا مستحق ومصرف نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولذلك شرع الإسلام نصيبا من مال الزكاة لتأليف القلوب، قال القرطبي :قال بعض المتأخرين : اختلف في صفة المؤلفة قلوبهم فقيل :هم صنف من الكفار يعطون ليتألفوا على الإسلام، وكانوا لا يسلمون بالقهر والسيف، ولكن يسلمون بالعطاء والإحسان، وقيل :هم قوم من عظماء المشركين لهم أتباع يعطون ليتألفوا أتباعهم على الإسلام، قال :هذه الأقوال متقاربة، والقصد بجميعها الإعطاء لمن لا يتمكن إسلامه حقيقة إلا بالعطاء فكأنه ضرب من الجهاد.

وقال :المشركون ثلاثة أصناف :صنف يرجع بإقامة البرهان، وصنف بالقهر، وصنف بالإحسان، والإمام الناظر للمسلمين يستعمل مع كل صنف ما يراه سببا لنجاته وتخليصه من الكفر ، وقد فقه الرسول -صلى الله عليه وسلم -أمته في تأليف الناس على الإسلام بقوله :إني لأعطي الرجل وغيره أحب إلي منه خشية أن يكب في النار على وجهه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ص ١٢ و١٣، مادة "المؤلفة قلوبهم")

[1] الصنف الرابع :المؤلفة قلوبهم:

اختلف الفقهاء في صنف المؤلفة قلوبهم :فالمعتمد عند كل من المالكية والشافعية والحنابلة أن سهم المؤلفة قلوبهم باق لم يسقط.

وفي قول عند كل من المالكية والشافعية ورواية عند الحنابلة :أن سهمهم انقطع لعز الإسلام، فلا يعطون الآن، لكن إن احتيج لاستئلافهم في بعض الأوقات أعطوا.

قال ابن قدامة :لعل معنى قول أحمد :انقطع سهمهم، أي لا يحتاج إليهم في الغالب، أو أراد أن الأئمة لا يعطونهم اليوم شيئا، فأما إن احتيج إلى إعطائهم جاز الدفع إليهم، فلا يجوز الدفع إليهم إلا مع الحاجة.

وقال الحنفية :انعقد الإجماع على سقوط سهمهم من الزكاة لما ورد أن الأقرع بن حابس وعيينة بن حصن جاءا يطلبان من أبي بكر أرضا، فكتب لهما بذلك، فمرا على عمر، فرأى الكتاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جو حضرات موجودہ دور میں بھی ''مؤلفة قلوبهم'' کے زکاۃ کا مصرف ہونے کے قائل ہیں، ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک یہ حکم صرف مسلمان افراد کے ساتھ خاص ہے، یعنی جو لوگ نو مسلم ہوں، نیا نیا اسلام لائے ہوں، اور انہیں ابھی تک اسلام سے معتد بہ اُنسیت پیدا نہ ہوئی ہو، ان کو اُنسیت پیدا کرنے کے لئے زکاۃ دینا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فمزقه، وقال :هذا شيء كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيكموه ليتألفكم، والآن قد أعز الله الإسلام وأغنى عنكم، فإن ثبتم على الإسلام، وإلا فبيننا وبينكم السيف، فرجعا إلى أبي بكر، فقالا، ما ندرى :الخليفة أنت أم عمر؟ فقال :هو إن شاء، ووافقه .ولم ينكر أحد من الصحابة ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۹، مادة "زكاة")

اختلف الفقهاء في سهم الزكاة المخصص للمؤلفة قلوبهم فجمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة على أن سهمهم باق.

وذهب به بعضهم إلى أن سهمهم منقطع لعز الإسلام، لكن إذا احتيج إلى تألفهم أعطوا.

وقال الحنفية بسقوط سهم المؤلفة قلوبهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص۱۳، مادة "المؤلفة قلوبهم")

وسكت عن المؤلفة قلوبهم لسقوطهم إما بزوال العلة أو نسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -لمعاذ في آخر الأمر خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم(الدر المختار)

(قوله وسكت عن المؤلفة قلوبهم) كانوا ثلاثة أقسام :قسم كفار كان -عليه الصلاة والسلام - يعطيهم ليتألفهم على الإسلام.

وقسم كان يعطيهم ليدفع شرهم .وقسم أسلموا وفيهم ضعف في الإسلام، فكان يتألفهم ليثبتوا وكان ذلك حكما مشروعا ثابتا بالنص، فلا حاجة إلى الجواب عما يقال كيف يجوز صرفها إلى الكفار بأنه كان من جهاد الفقراء في ذلك الوقت أو من الجهاد؛ لأنه تارة بالسنان وتارة بالإحسان أفاده في الفتح.

(قوله :لسقوطهم) أي في خلافة الصديق لما منعهم عمر -رضي الله تعالى عنهما -وانعقد عليه إجماع الصحابة، نعم على القول بأنه لا إجماع إلا عن مستند يجب علمهم بدليل أفاد نسخ ذلك قبل وفاته -صلى الله عليه وسلم -أو تقييد الحكم بحياته أو كونه حكما مغيا بانتهاء علته وقد اتفق بعد وفاته وتمامه في الفتح لكن لا يجب علمنا نحن بدليل الإجماع كما هو مقرر في محله.

(قوله :إما بزوال العلة) هي إعزاز الدين فهو من قبيل انتهاء الحكم لانتهاء علته الغائية التي كان لأجلها الدفع، فإن الدفع كان للإعزاز وقد أعز الله الإسلام وأغنى عنهم بحر لكن مجرد التعليل بكونه معللا بعلة انتهت لا يصلح دليلا على نفي الحكم المعلل؛ لأن الحكم لا يحتاج في بقائه إلى بقاء علته.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات اس کا مصداق ایسے غیر مسلموں کو قرار دیتے ہیں، جن کو زکاۃ دے کر اسلام کی ترغیب وانسیت اور مسلمانوں کی اعانت مقصود ہو۔

اور بعض حضرات مذکورہ دونوں قسم کے لوگوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لاستغنائه في البقاء عنها لما علم في الرق والاضطباع والرمل، فلا بد من دليل على أن هذا الحكم مما شرع مقيدا بقاؤه ببقائها لكن لا يلزمنا تعيينه في محل الإجماع فنحكم بثبوت الدليل وإن لم يظهر لنا على الآية التي ذكرها عمر تصلح لذلك وهي قوله تعالى (وقل الحق من ربكم فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر)وتمامه في الفتح (قوله :أو نسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -إلخ) أي هو مستند الإجماع فالنسخ في حياته -صلى الله عليه وسلم -بالحديث المذكور الذي سمعه أهل الإجماع من النبي -صلى الله عليه وسلم -فكان قطعيا بالنسبة إليهم فيصح نسخه للكتاب، وجعل في البحر مستند الإجماع الآية التي ذكرها عمر -رضي الله تعالى عنه -وإنما لم يجعل الإجماع ناسخا؛ لأنه خلاف الصحيح؛ لأن النسخ لا يكون إلا في حياته -صلى الله عليه وسلم -والإجماع لا يكون إلا بعده كما أوضحه المصنف في المنح (قوله :وردها في فقرائهم) في نسخة :على فقرائهم ولفظ الحديث على ما في الفتح من رواية أصحاب الكتب الستة إنك ستأتي قوما أهل كتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم إلخ ."اهـ.

وأما باللفظ الذي ذكره الشارح تبعا للهداية ففي حاشية نوح عن الحافظ ابن حجر أنه لم يره في شيء من المسانيد اهـ وضمير فقرائهم للمسلمين، فلا تدفع إلى من كان من المؤلفة كافرا أو غنيا وتدفع إلى من كان منهم مسلما فقيرا بوصف الفقر لا لكونه من المؤلفة فالنسخ للعموم أو لخصوص الجهة تأمل(رد المحتار، ج۲،ص ۳۴۲، ۳۴۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة والعشر)

۱؎ ثم اختلفوا:

ففي قول للمالكية :المؤلفة قلوبهم كفار يعطون ترغيبا لهم في الإسلام لأجل أن يعينوا المسلمين، فعليه لا تعطى الزكاة لمن أسلم فعلا .

وقال الشافعية :لا يعطى من هذا السهم لكافر أصلا، لأن الزكاة لا تعطى لكافر، للحديث :تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم بل تعطى لمن أسلم فعلا، وهناك أقوال أخرى للشافعية.

وقال الحنابلة :يجوز الإعطاء من الزكاة للمؤلف مسلما كان أو كافرا.

وعند كل من الشافعية والمالكية أقوال بمثل هذا.

قال ابن قدامة :المؤلفة قلوبهم ضربان :كفار ومسلمون، وهم جميعا السادة المطاعون في قومهم وعشائرهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......رقاب (یعنی آزاد کرنے کے لئے زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا پانچواں مصرف ’’رقاب‘‘ کو بیان کیا گیا ہے۔

’’رقاب‘‘ رقبہ کی جمع ہے، اور رقبہ گردن کو کہا جاتا ہے، جس سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو، یعنی وہ غلام ہو۔

آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم ذكر المسلمين منهم فجعلهم أربعة أضرب:

ا ۔ سادة مطاعون في قومهم أسلموا ونيتهم ضعيفة فيعطون تثبيتا لهم.

۲ ۔ قوم لهم شرف ورياسة أسلموا ويعطون لترغيب نظرائهم من الكفار ليسلموا.

۳ ۔ صنف يراد بتألفهم أن يجاهدوا من يليهم من الكفار، ويحموا من يليهم من المسلمين.

۴ ۔ صنف يراد بإعطائهم من الزكاة أن يجبوا الزكاة ممن لا يعطيها.

ثم ذكر ابن قدامة الكفار فجعلهم ضربين:

ا ۔ من يرجى إسلامه فيعطى لتميل نفسه إلى الإسلام.

۲ ۔ من يخشى شره ويرجى بعطيته كف شره وكف غيره معه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۱۹، ۳۲۰، مادة "زكاة")

ثم اختلف الفقهاء في أقسامهم.

فقال المالكية :المؤلفة قلوبهم كفار يتألفون.

وقال الشافعية :لا يعطى من هذا السهم لكافر أصلا.

وجوز الحنابلة الإعطاء لمؤلف مسلما كان أو كافرا.

وقال ابن قدامة :المؤلفة قلوبهم ضربان:

كفار ومسلمون، والكفار صنفان، والمسلمون أربعة أصناف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳٦، ص۱۳ ،مادة "المؤلفة قلوبهم")

والصنف الرابع ۔ المؤلفة قلوبهم :منهم ضعفاء النية في الإسلام، فيعطون ليتقوى إسلامهم .وهم نوعان :مسلمون وكفار.

أما الكفار فصنفان :صنف يرجى خيره، وصنف يخاف شره .وقد ثبت أن النبي صلّى الله عليه وسلم أعطى قوماً من الكفار، يتألف قلوبهم ليسلموا، ففي صحيح مسلم :أنه صلّى الله عليه وسلم أعطى أبا سفيان بن حرب وصفوان بن أمية وعيينة بن حصن والأقرع بن حابس، وعباس بن مرداس، كل إنسان منهم مئة من الإبل .وأعطى أيضاً علقمة ابن علاثة من غنائم حنين .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱...... غلام کی ایک قسم ''مکاتَب'' کہلاتی ہے، جس سے مراد ایسا غلام ہوتا ہے، جس کو اس کے آقا ومالک نے مخصوص مال کی مقدار متعین وطے کر کے یہ کہہ دیا ہو کہ تم اتنا مال کہیں سے جائز طریقہ پر لا کر مجھے دے دو، جس کے عوض میں تم آزاد ہو۔

اگر کوئی ایسا ''مکاتَب'' مسلمان غلام ہو، اور وہ اپنے آقا ومالک کو مخصوص و متعین مال دے کر غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر نہ ہو، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واختلف العلماء فی إعطاء المؤلفة قلوبهم من الزكاة حال كونهم كفاراً، فقال الحنابلة والمالكية : يعطون ترغيباً فی الإسلام، لأن النبی صلّى الله عليه وسلم أعطى المؤلفة من المسلمين والمشركين.

وقال الحنفية والشافعية :لا يعطى الكافر من الزكاة لا لتأليف ولا لغيره، وقد كان إعطاؤهم فی صدر الإسلام فی حال قلة عدد المسلمين وكثرة عدوهم، وقد أعز الله الإسلام وأهله، واستغنى بهم عن تألف الكفار، ولم يعطهم الخلفاء الراشدون بعد رسول الله صلّى الله عليه وسلم، قال عمر رضی الله عنه :إنا لا نعطی على الإسلام شيئاً، فمن شاء فليؤمن، ومن شاء فليكفر.

وأما المسلمون من المؤلفة :فهم أصناف يعطون بسبب احتياجنا إليهم:

۱ ۔ ضعفاء النية فی الإسلام :يعطون ليتقوى إسلامهم.

۲ ۔ الشريف المسلم فی قومه الذی يتوقع بإعطائه إسلام نظرائه، فقد أعطى النبی صلّى الله عليه وسلم أبا سفيان بن حرب وجماعة ممن ذكر، وأعطى الرسول صلّى الله عليه وسلم الزبرقان بن بدر وعدی بن حاتم، لشرفهما فی قومهما.

۳ ۔ المقيم فی ثغر فی ثغور المسلمين المجاورة للكفار، ليكفينا شر من يليه من الكفار بالقتال.

۴ ۔ من يجبی الصدقات من قوم يتعذر إرسال ساع إليهم، وإن لم يمنعوها .وقد ثبت أن أبا بكر أعطى عدی بن حاتم حين قدم عليه بزكاته وزكاة قومه عام الردة.

وقد اختلف العلماء فی بقاء سهم المؤلفة قلوبهم بعد النبی صلّى الله عليه وسلم :فقال الحنفية ومالك :قد سقط سهم المؤلفة بانتشار الإسلام وغلبته، لأن الله تعالى أعز الإسلام، وأغنى عنهم وعن استمالتهم إلى الدخول فيه .فيكون عدد الأصناف سبعة لا ثمانية، وذلك بإجماع الصحابة.

قال مالك :لا حاجة إلى المؤلفة الآن لقوة الإسلام.

وقال الجمهور منهم خليل من المالكية :حكم المؤلفة باق لم ينسخ، فيعطون عند الحاجة، ويحمل ترك عمر وعثمان وعلی إعطاء هم :على عدم الحاجة إلى إعطائهم فی خلافتهم، لا لسقوط سهمهم، فإن الآية من آخر ما نزل، وأعطى أبو بكر عدی بن حاتم والزبرقان بن بدر، كما ذكرت، ولأن المقصود من دفعها إليهم ترغيبهم فی الإسلام لأجل إنقاذ مهجهم من النار، لا لإعانتهم لنا حتى يسقط بفشو الإسلام(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج۳ص۱۹۵۵، ۱۹۵۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

زکاۃ دینا جائز ہے، تاکہ وہ اپنے آقا کو یہ مال دے کر اس کے بدلہ میں غلامی سے آزادی حاصل کرلے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی غلام کو اس کے آقا نے مکاتَب نہ بنایا ہو، بلکہ وہ عام غلام ہو، اور وہ غلام مسلمان بھی ہو، اور کوئی زکاۃ کے مال سے اس غلام کو خرید کر آزاد کرنا چاہے، تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کے مطابق ایسا کرنا جائز نہیں، جبکہ مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے۔ ۲؎

۱؎ الصنف الخامس :فى الرقاب:

وهم ثلاثة أضرب :الأول :المكاتبون المسلمون :فيجوز عند الجمهور الصرف من الزكاة إليهم، إعانة لهم على فك رقابهم ولم يجز ذلك مالك، كما لم يجز صرف شىء من الزكاة فى إعتاق من انعقد له سبب حرية بغير الكتابة، كالتدبير والاستيلاد والتبعيض.

فعلى قول الجمهور :إنما يعان المكاتب إن لم يكن قادرا على الأداء لبعض ما وجب عليه،فإن كان لا يجد شيئا أصلا دفع إليه جميع ما يحتاج إليه للوفاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۲۰، مادة "زكاة")

والصنف الخامس ـ فى الرقاب :وهم عند الحنفية والشافعية :المكاتبون المسلمون الذى لا يجدون وفاء ما يؤدون، ولو مع القوة والكسب، لأنه لا يمكن الدفع إلى الشخص الذى يراد فك رقبته إلا إذا كان مكاتباً(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۵۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

۲؎ الثانى :إعتاق الرقيق المسلم، وقد ذهب إلى جواز الصرف من الزكاة فى ذلك المالكية وأحمد فى رواية، وعليه فإن كانت الزكاة بيد الإمام أو الساعى جاز له أن يشترى رقبة أو رقابا فيعتقهم، وولاؤهم للمسلمين.

وكذا إن كانت الزكاة بيد رب المال فأراد أن يعتق رقبة تامة منها، فيجوز ذلك لعموم الآية (وفى الرقاب)ويكون ولاؤها عند المالكية للمسلمين أيضا، وعند الحنابلة :ما رجع من الولاء رد فى مثله، بمعنى أنه يشترى بما تركه المعتق ولا وارث له رقاب تعتق .وعند أبى عبيد :الولاء للمعتق.

وذهب الحنفية والشافعية وأحمد فى رواية أخرى إلى أنه لا يعتق من الزكاة، لأن ذلك كدفع الزكاة إلى القن، والقن لا تدفع إليه الزكاة، ولأنه دفع إلى السيد فى الحقيقة، وقال الحنفية :لأن العتق إسقاط ملك، وليس بتمليك، لكن إن أعان من زكاته فى إعتاق رقبة جاز عند أصحاب هذا القول من الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۲۰، ۳۲۱،مادة "زكاة")

ولو اشترى بالسهم عبيد، لم يكن الدفع إليهم، وإنما هو دفع إلى سادتهم، ولم يتحقق التمليك المطلوب فى أداء الزكاة، ويؤكده قوله تعالى :(وآتوهم من مال الله الذى آتاكم)وفسر ابن عباس فى الرقاب بأنهم المكاتبون.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ آج کل دنیا میں شرعی غلاموں کا وجود نایاب ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی شخص غلام تو نہیں ہے، اور وہ مسلمان ہے، لیکن وہ غیر مسلموں کے قبضہ میں قید ہے، جیسا کہ جنگ کے موقع پر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی قید میں آ جائے، تو حنفیہ سمیت بہت سے فقہائے کرام اس کی آزادی کے لئے زکاۃ خرچ کرنے کے جواز کے قائل نہیں، البتہ حنابلہ اور بعض مالکیہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المالكية والحنابلة :يشترى بسهمهم رقيق، فيعتق، لأن كل موضع ذكرت فيه الرقبة، يراد بها عتقها، والعتق والتحرير لا يكون إلا فى القن (العبد الخالص العبودية) كما فى الكفارات.

وشرط إعطاء المكاتب هو كونه مسلماً، محتاجاً(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۵۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

۱؎ وبما أنه لا يوجد الآن فى العالم رقيق، لإلغائه وتحريمه دولياً، فإن هذا السهم لا وجود له حقيقة، وما قد يوجد ليس له طريق شرعى جائز(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۵۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

۲؎ الثالث :أن يفتدى بالزكاة أسيرا مسلما من أيدى المشركين، وقد صرح الحنابلة وابن حبيب وابن عبد الحكم من المالكية بجواز هذا النوع، لأنه فك رقبة من الأسر، فيدخل فى الآية بل هو أولى من فك رقبة من بأيدينا .وصرح المالكية بمنعه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۲۱، مادة "زكاة")

وأما فك الأسارى :فقال أصبغ وابن القاسم :لا يجوز صرف الزكاة فى فكاك الأسرى . والمشهور عند المالكية أنه لا تجزء الزكاة فى فك أسير، وهذا قول الحنفية والشافعية .وقال ابن حبيب وابن عبد الحكم :يجوز، لأنها رقبة ملكت بملك الرق، فهى تخرج من رق إلى عتق، وكان ذلك أحق وأولى من فك الرقاب الذى بأيدينا، لأنه إذا كان فك المسلم عن رق المسلم عبادة، وجائزاً من الصدقة، فأحرى وأولى أن يكون ذلك فى فك المسلم عن رق الكافر وذله .وهذا قول الحنابلة (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳، ص۲۰۲۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثامن)

خاتمة البحث:تبين من البحث أن مصرف فى الرقاب أحد مصارف الزكاة يشمل بإطلاقه تحرير الأرقاء من الرق، ومعونة المكاتبين على تحرير أنفسهم، وفكاك الأسرى المسلمين من قيد الأسر وأغلال الحبس فى بلاد الكفار.

وبما أن الرق انتهى ولله الحمد من العالم، فيمكن تخصيص جزء من الزكاة لفك الأسرى المسلمين أخذاً بمذهب الإمام أحمد رضى الله عنه، لأنه فيه فك رقبة من الأسر.

كما يمكن إعانة الشعوب المستعمرة من مصرف الجهاد :فى سبيل الله لتتمكن من طرد المستعمرين وتحرير البلاد من رجسهم، وتخليصهم من ويلات الاستعمار (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳، ص۲۰۳۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثامن)

(۶)......غارمین (یعنی مقروض ومدیون لوگوں کوزکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا چھٹا مصرف ''غارمین'' کو بیان کیا گیا ہے۔
اور''غارمین'' غارم کی جمع ہے، جس کے معنیٰ مقروض ودَین دار کے آتے ہیں۔
آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبرا...... اگرکسی نے اپنی ضرورت ومصلحت کے لئے قرض لیا تھا، تو اس کوزکاۃ لینا جائز ہے، جبکہ وہ مسلمان ہو، اور حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اس کے پاس قرض کی ادائیگی کا انتظام نہ ہو، یا قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدرِ نصاب مال نہ بچتا ہو۔

پس اگر کوئی مقروض ہے تو سونا، چاندی، تجارت کا مال، ضرورت سے زیادہ سامان کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض کو علیٰحدہ کرے، قرض نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور اگر قرض نکالنے کے بعد نصاب کے برابر مال باقی نہیں رہتا تو اس کوزکاۃ دینا جائز ہے۔ [۱]

---

[۱] وكل مديون كان له نصاب فاضل عن وفاء دينه لا يجوز دفع الزكوة اليه عند ابى حنيفة ومالك واحمد خلافا للشافعي فى مديون اذان فى الطاعة(التفسير المظهرى، ج۴ص۲۳۸، سورة التوبة، رقم الآية ۶۰)

والصنف السادس ـ الغارمون :وهم المدينون، سواء استدان المدين عند الشافعية والحنابلة لنفسه أم لغيره، وسواء أكان دينه فى طاعة أم معصية .فإن استدان لنفسه لم يعط إلا إذا كان فقيراً، وإن استدان لإصلاح ذات البين ولو بين أهل ذمة، بسبب إتلاف نفس أو مال أو نهب، فيعطى من سهم الغارمين، ولو كان غنياً، لقوله صلّى الله عليه وسلم :لا تحل الصدقة لغنى إلا خمسة :لغاز فى سبيل الله، أو لعامل عليهم، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله، أو لرجل له جار مسكين، فتصدق على المسكين، فأهدى المسكين إليه.

وقال الحنفية :الغارم :من لزمه دين، ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه .

وقال المالكية :الغارم :هو من فدحه الدين للناس فى غير سفه ولا فساد، أى من ليس عنده ما يوفى به دينه، إذا كان الدين فى غير معصية كشرب خمر وقمار، ولم يستدن لأخذ الزكاة، كأن يكون عنده ما يكفيه وتوسع فى الإنفاق بالدين لأجل أن يأخذ من الزكاة، فلا يعطى منها، لأنه قصد مذموم، بخلاف فقير استدان للضرورة، ناوياً الأخذ من الزكاة، فإنه يعطى قدر دينه منها لحسن قصده.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی نے اپنی ذاتی ضرورت کے لئے قرض لیا ہو، اور وہ اس وجہ سے مقروض ہوگیا ہو، تو فقہائے کرام کے نزدیک اس کو زکاۃ لینا جائز ہے۔

اور اگر کسی دوسرے (مثلاً بیوی) کی ضرورت کے لئے قرض لیا ہو، تو اس صورت میں بعض فقہاء کے نزدیک زکاۃ لینا جائز ہے، اور بعض کے نزدیک جائز نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳...... مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے مقروض کے لئے زکاۃ لینے کے جائز ہونے میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز وگناہ کے کام کے لئے نہ لیا ہو، اور اگر کسی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكن إن تاب من استدان لمعصية، أو بقصد ذميم، فإنه يعطى على الأحسن(الفقه الاسلامی وادلتۂ للزحيلی، ج۳ص۱۹۵۸، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[۱] الصنف السادس :الغارمون:

والغارمون المستحقون للزكاة ثلاثة أضرب:

الضرب الأول:

من كان عليه دين لمصلحة نفسه.

وهذا متفق عليه من حيث الجملة، ويشترط لإعطائه من الزكاة ما يلی:

۱ ـ أن يكون مسلما.

۲ ـ أن لا يكون من آل البيت، وعند الحنابلة قول :بجواز إعطاء مدين آل البيت منها.

۳ ــ واشترط المالكية أن لا يكون قد استدان ليأخذ من الزكاة، كأن يكون عنده ما يكفيه وتوسع فی الإنفاق بالدين لأجل أن يأخذ منها، بخلاف فقير استدان للضرورة ناويا الأخذ منها.

۴ ــ وصرح المالكية بأنه يشترط أن يكون الدين مما يحبس فيه، فيدخل فيه دين الولد على والده، والدين على المعسر، وخرج دين الكفارات والزكاة.

۵ ـ أن لا يكون دينه فی معصية، وهذا عند المالكية والشافعية والحنابلة، كأن يكون بسبب خمر، أو قمار، أو زنا، لكن إن تاب يجوز الدفع إليه، وقيل :لا .ورجح المالكية الأول، وعد الشافعية الإسراف فی النفقة من باب المعصية التی تمنع الإعطاء من الزكاة.

۶ ــ أن يكون الدين حالا، صرح بهذا الشرط الشافعية، قالوا :إن كان الدين مؤجلا ففی المسألة ثلاثة أقوال ثالثها :إن كان الأجل تلك السنة أعطی، وإلا فلا يعطى من صدقات تلك السنة.

۷ ــ أن لا يكون قادرا على السداد من مال عنده زكوی أو غير زكوی زائد عن كفايته، فلو كان له دار يسكنها تساوی مائة وعليه مائة، وتكفيه دار بخمسين فلا يعطى حتى تباع، ويدفع الزائد فی دينه على ما صرح به المالكية، ولو وجد ما يقضی به بعض الدين أعطی البقية فقط، وإن كان قادرا على وفاء الدين بعد زمن بالاكتساب، فعند الشافعية قولان فی جواز إعطائه منها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۲۱،مادة "زكاة")

ناجائز وگناہ کے کام کے لئے قرض لیا ہو، جیسے شراب نوشی یا نشہ کا ارتکاب کرنے یا جوا کھیلنے کے لئے یا شادی غمی کی ناجائز اور گناہ والی رسمیں پوری کرنے کے لئے، تو ایسے قرضدار یا مقروض کو زکاۃ نہیں دی جائے گی، تاکہ ناجائز وگناہ اور فضول خرچی کے کام کا تعاون لازم نہ آئے، اور اس کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک ہر طرح کے مقروض کو اپنی شرائط کے ساتھ زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، اور گناہ کے لئے قرض لینا اس کا اپنا طرزِ عمل شمار ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی ایسا مقروض تھا کہ جس کو زکاۃ دینا جائز تھا، اور اس کو کسی کی طرف سے زکاۃ کا مال حاصل ہو گیا، اور پھر زکاۃ کا مال حاصل ہونے کے بعد اس شخص کو اس زکاۃ کے مال کی ضرورت نہیں رہی، مثلاً اس کا قرض کسی اور نے ادا کر دیا، یا قرض خواہ نے اس کو معاف کر دیا، تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کو پہلے سے حاصل شدہ زکاۃ کا وہ مال اپنے پاس رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر ایک شخص کا کسی غریب کے ذمہ قرض ہے، اور وہ یعنی قرض خواہ شخص قرض لیے بغیر اس غریب کے حق میں، اس قرض کو زکاۃ شمار کر لے، تو اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں زکاۃ کے مال کا غریب کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا، بلکہ ایک طرح سے

---

[1] ذهب المالكية والشافعية في المذهب والحنابلة إلى عدم إعطاء الزكاة للمستدين في معصية كالخمر والقمار قبل التوبة لأن في إعطائه إعانة له على المعصية.
وأما الحنفية فلا يشترطون في دفع الزكاة إلى الغارم أن يكون دينه لطاعة أو مباح.
وتعطى الزكاة لمن تاب في الأصح عند الشافعية لأن التوبة تجب ما قبلها، ومقابله لا تعطى لأنه ربما اتخذ ذلك ذريعة ثم يعود(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص ۲۱۶، مادة "معصية")

[2] وكذا إذا استغنى الفقير يطيب له ما أخذه من الزكاة حالة فقره(تبيين الحقائق، ج۵،ص ۱۷۴، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولى)
وكذلك الفقير إذا تصدق عليه، ثم استغنى والصدقة قائمة لا بأس بأن يتناول تلك الصدقة(الفتاوى الهندية، ج۵،ص ۳۴۰، كتاب الكراهية ،الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به)

قرض کا معاف کرنا پایا جاتا ہے۔ ۱

البتہ اگر وہ قرض خواہ شخص پہلے تو اس غریب کو زکاۃ کا مال زکاۃ ادا کرنے کی نیت سے فراہم کردے، اور پھر اس سے اپنے قرض کے طور پر وہی مال واپس لے لے، تو اس طرح زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، اگرچہ وہ غریب اس مال کو قرض میں لوٹانے پر دل سے راضی نہ ہو، تب بھی اس سے جبراً اپنا قرض واپس لینا جائز ہوتا ہے۔ ۲

---

۱ إسقاط الدين لا يقع عن الزكاة :يترتب على اشتراط تمليك الزكاة للفقراء ونحوهم أن المسامحة بالدين لا تجزء عند الحنفية عن الزكاة، وإنما يجب إعطاء الزكاة للفقير، ويمكن استيفاء الدين منه بعد ذلك فيعطيه الزكاة، ثم بعد أن يستلمها يقول له :أعطني ديني، وكذلك أجاز الحنابلة الإعطاء للمدين ثم يستوفي منه حقه، ما لم يكن حيلة أي بأن شرط عليه أن يردها عليه من دينه .ولو اشترى بالزكاة طعاماً، فأطعم الفقراء غداء وعشاء ، ولم يدفع عين المال إليهم لايجوز، لعدم التمليك، ولو دفع الزكاة للفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها بنفسه أو يقبضها له وليه أو وصيه.

ولو قضى دين ميت فقير بنية الزكاة، لم يصح عن الزكاة، لأنه لم يوجد التمليك من الفقير، لعدم قبضه، لكن لو قضى دين فقير حي بأمره، جاز عن الزكاة، لوجود التمليك من الفقير، لأنه لما أمره به، صار وكيلاً عنه في القبض، فصار كأن الفقير قبض الصدقة بنفسه، وملكها للغريم الدائن(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص۱۹۸۰،۱۹۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

لا يجوز للدائن أن يسقط دينه عن مدينه الفقير المعسر الذي ليس عنده ما يسد به دينه ويحسبه من زكاة ماله .فإن فعل ذلك لم يجزئه عن الزكاة، وبهذا قال الحنفية والحنابلة والمالكية ما عدا أشهب، وهو الأصح عند الشافعية، وقول أبي عبيد.

ووجه المنع أن الزكاة لحق الله تعالى، فلا يجوز للإنسان أن يصرفها إلى نفع نفسه أو إحياء ماله، واستيفاء دينه.

وذهب الشافعية في قول وأشهب من المالكية وهو منقول عن الحسن البصري وعطاء :إلى جواز ذلك، لأنه لو دفع إليه زكاته ثم أخذها منه عن دينه جاز، فكذا هذا. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۰۰،مادة "زكاة")

۲ وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المديون مد يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه، فإن مانعه رفعه للقاضي (الدر المختار)

(قوله وحيلة الجواز) أي فيما إذا كان له دين على معسر، وأراد أن يجعله زكاة عن عين عنده أو عن دين له على آخر سيقبض (قوله أن يعطي مديونه إلخ) قال في الأشباه وهو أفضل من غيره أي لأنه يصير وسيلة إلى براء ة ذمة المديون (قوله لكونه ظفر بجنس حقه) نقل العلامة البيري في آخر شرح الأشباه أن الدراهم والدنانير جنس واحد في مسألة الظفر (قوله فإن مانعه إلخ)(رد المحتار، ج۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)

اور اگر یہ خوف ہو کہ وہ غریب زکاۃ کا مال خود رکھ لے گا، اور اس کا قرض ادا نہیں کرے گا، یا اور کوئی وجہ ہو تو یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ اس غریب مقروض کو کہا جائے کہ تم کسی کو اپنی طرف سے اپنے لئے زکاۃ کا مال وصول کر کے اسے اپنا قرض ادا کرنے کا وکیل ونمائندہ بنادو، جب وہ ایسا کردے، تو پھر اس مقروض مستحق کی طرف سے مقرر کردہ اس نمائندے کو اس مقروض مستحق کے لئے زکاۃ دی جائے، اور پھر اس نمائندہ سے وہی مال قرض کے طور پر واپس لے لیا جائے (کذا فی احسن الفتاویٰ ج۴ص۲۶۰، کتاب الزکاۃ)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ اس مقروض سے کہا جائے کہ وہ کہیں سے قرض لاکر اپنا قرض ادا کرے، اور پھر یہی مال اس کو زکاۃ کی نیت سے دے دیا جائے، جس کے بعد وہ اس مال سے اپنا دوسرے سے لیا ہوا قرض ادا کردے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۷...... بعض اوقات کسی غریب پر مالدار کا قرض ہوتا ہے، اور اس کی طرف سے ادائیگی نہیں ہوتی، تو مالدار آدمی اس قرض میں زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کرلیتا ہے، اور اس کو اس نیت سے قرض سے سبکدوش کردیتا ہے، اور اس طریقہ سے زکاۃ کی ادائیگی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوتی، بلکہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ غریب کو

---

[۱] والحيلة إذا خاف ذلک ما فی الأشباه، وهو أن يوكل المديون خادم الدائن بقبض الزكاة ثم بقضاء دينه، فبقبض الوكيل صار ملكا للموكل، ولا يسلم المال للوكيل إلا فی غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدفع .اهـ .وفيها :إن كان للدائن شريک فی الدين يخاف أن يشاركه فی المقبوض، فالحيلة أن يتصدق الدائن بالدين ويهب المديون ما قبضه للدائن فلا مشاركة (قوله :ثم هو) أی الفقير يكفن والظاهر أن له أن يخالف أمره لأنه مقتضى صحة التملک كما سيأتی فی باب المصرف بحثا (رد المحتار، ج۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)

فإن دفع الدائن زكاة ماله إلى مدينه فردها المدين إليه سدادا لدينه، أو استقرض المدين ما يسد به دينه فدفعه إلى الدائن فرده إليه واحتسبه من الزكاة، فإن لم يكن ذلک حيلة، أو تواطؤا، أو قصدا لإحياء ماله، جاز عند الجمهور، وهو قول عند المالكية.

وإن كان على سبيل الحيلة لم يجز عند المالكية والحنابلة، وجاز عند الشافعية ما لم يكن ذلک عن شرط واتفاق، بل بمجرد النية من الطرفين.

لكن صرح الحنفية بأنه لو وهب جميع الدين إلى المدين الفقير سقطت زكاة ذلک الدين ولو لم ينو الزكاة، وهذا استحسان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۰، مادة "زكاة")

باقاعدہ زکاۃ کا مال حوالہ کیا جائے، پھر اس کے بعد اس سے اس مال کو اپنے قرض میں واپس لے لیا جائے، یا کوئی دوسرا جائز طریقہ اختیار کیا جائے، جس کی تفصیل اس سے پہلے گزری۔

مسئلہ نمبر ۷...... اگر ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا، پھر اس قرض خواہ نے اپنے مقروض سے یہ کہا کہ آپ کی طرف میرے جو اتنے پیسے قرض ہیں، ان کو آپ میری طرف سے غریبوں کو زکاۃ کے طور پر دیدیں، تو اس طرح بھی وکیل بنانا درست ہوجاتا ہے، اور وہ مقروض جب قرض خواہ کے کہنے کے مطابق اس قرض خواہ کی طرف سے زکاۃ ادا کردے گا، تو اس طرح بھی اس قرض خواہ کی زکاۃ ادا ہوجائے گی، اور مقروض، قرض سے بھی بَریٔ ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر ایک شخص مالدار وامیر تھا، جس پر زکاۃ واجب تھی، اور اس کا کسی دوسرے شخص پر قرض تھا، پھر اس مالدار وامیر شخص نے کسی غریب کو اس دوسرے شخص سے اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنایا، اور ساتھ ہی یہ نیت کرلی، یا اس غریب کو زبان سے بھی کہہ دیا کہ وہ میرا حاصل کردہ قرض کا مال آپ کے لئے بطورِ زکاۃ کے ہے، تو اس طرح بھی زکاۃ ادا ہوجائے گی، اور یہ سمجھا جائے گا کہ گویا کہ اس امیر نے غریب کو یہ کہہ دیا کہ آپ میرا وہ قرض لے کر زکاۃ کے طور پر اپنے پاس رکھ لو۔ [2]

---

[1] وإذا قال لمديونه تصدق بالعشرة التى لى عليک على الفقراء عنى أو قال كفر عن يمينى بما لى عليک أو قال أد زكاة مالى من العشرة التى لى عليک تصح الوكالة بالإجماع (الفتاویٰ الهندية، ج۳، ص ۶۲۳، كتاب الوكالة، فصل فى أحكام التوكيل بتقاضى الدين وقبضه)

[2] ولو أمر فقيرا بقبض دين له على آخر نواه عن زكاة عين عنده جاز؛ لأن الفقير يقبض عينا فكان عينا عن عين كذا فى الولوالجية (البحر الرائق، ج۲، ص ۲۲۸، شرائط اداء الزكاة)

ولو أمر فقيرا بقبض دين له على آخر ونواه عن زكاة عين عنده جاز كذا فى البحر الرائق، ولو وهب دينه من فقير ونوى زكاة دين آخر له على رجل آخر أو نوى زكاة عين له لم يجز كذا فى الكافى (الفتاوى الهندية، ج۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

(فرع) لو أمر فقيرا بقبض دين له على آخر نواه عن زكاة عين عنده جاز لأن الفقير يقبض عينا فكان عينا (فتح القدير، ج۲، ص ۲۶۸، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کوئی غریب شخص مقروض و مدیون ہے، پھر کسی مالدار شخص نے اس غریب مقروض کی اجازت سے زکاۃ کی رقم سے اس کا قرض ادا کر دیا، تو اس غریب کا قرض بھی ادا ہو جائے گا، اور اس امیر کی زکاۃ بھی ساتھ ہی ادا ہو جائے گی، اور ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ اس غریب نے زکاۃ کے مال کا مالک بن کر یہ کہا ہو کہ آپ اس مال سے میرا قرض ادا کر دو۔

اور اگر اس غریب مقروض شخص کی اجازت کے بغیر زکاۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کیا، تو پھر زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ [1]

(۷)...... فی سبیل اللہ (یعنی اللہ کے راستہ میں زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' بیان کیا گیا ہے۔

اور ''سبیل اللہ'' کے معنیٰ ''اللہ کے راستہ'' کے ہیں۔

آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... فقہائے کرام کے نزدیک جو لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد و قتال کر رہے ہوں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بخلاف ما إذا أمر فقيرا بقبض دين له على آخر عن زكاة عين عنده فإنه يجوز لأنه عند قبض الفقير يصير عينا فكان عينا عن عين (رد المحتار، ج۲، ص ۲۷۱، كتاب الزكاة)

لو أمر فقيرا بقبض دين له من زكاة ماله جاز، لأنه قبض عينا والعين تجوز عن العين والدين جميعا، أما لو تصدق بمال على الذى هو له عليه دين وهو فقير جاز عن ذلك، ولم يجز عن العين، لأن فى الوجه الأول أدى المال الناقص عن الناقص فيجوز، وفى الوجه الثانى أدى الناقص عن الكامل فلا يجوز (البناية شرح الهداية، ج ۳، ص ۴۶۳، دفع الزكاة الى الذمى)

[1] قال محمد رحمه الله فى الأصل :إذا قضى دين غيره من زكاته، فإن قضى بأمر المديون وكان المديون فقيراً يجوز، وإن أدى بغير أمره لا يجوز؛ لأن المأخوذ على رب المال تمليك المال والفقير، فإذا قضى بأمر المديون، أو كان المديون فقيراً يجوز، فقد وجد التمليك منه؛ لأن تقدير الأمر بقضاء الدين، ولا يتصور قضاء الدين عنه إلا بعد تمليك قدر الزكاة عنه ملكنى قدر الزكاة، ثم كن وكيلى بقضاء دينى من ذلك، ولو قال :هكذا يجوز، وينوب قبض صاحب الدين عن قبض المديون، فإذا قضى بغير أمر المديون لم يوجد التمليك منه؛ لأنه لم يرض بوقوع الملك له، فلا يمكن أن يجعل هذا تمليكاً منه، فلهذا لا يخرج عن العهدة (المحيط البرهانى، ج۲، ص ۳۲۱ و ۳۲۲، كتاب الزكاة،الفصل السابع عشر فى المتفرقات)

وہ حدیث کی رُو سے مصرفِ زکاۃ کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کا اصل مصداق ہیں۔

اور جو اس طرح کا مجاہد غنی و مالدار نہ ہو، بلکہ فقیر و مسکین ہو، تو اس کو تو زکاۃ کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر وہ فقیر و مسکین تو نہ ہو، بلکہ غنی و مالدار ہو، لیکن اس کے پاس جو مال ہو، وہ اس کے جہاد و قتال کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو، یا مثلاً اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے جہادی لشکر کے ساتھ جا کر مل سکے، تب بھی بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ایسے مجاہد کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... اگر جہاد و قتال کی ایسی ضروریات کے لئے مال کی ضرورت ہو کہ جن میں مجاہدین کو مال کا مالک نہیں بنایا جاتا، مثلاً سرحدوں کی تعمیر وغیرہ، یا اسلحہ کی خریداری کہ جس کو حکومت کی تحویل میں رکھ کر وقف کیا جائے، اور ضرورت پڑنے پر مالک بنائے بغیر مجاہدین

---

[1] البتہ بعض حنفیہ کے نزدیک مجاہد کو زکاۃ کے جواز کے لئے فقر شرط ہے۔

الصنف السابع :في سبيل الله.وهذا الصنف ثلاثة أضرب.

الضرب الأول :الغزاة في سبيل الله تعالى، والذين ليس لهم نصيب في الديوان، بل هم متطوعون للجهاد .وهذا الضرب متفق عليه عند الفقهاء من حيث الجملة، فيجوز إعطاؤهم من الزكاة قدر ما يتجهزون به للغزو من مركب وسلاح ونفقة وسائر ما يحتاج إليه الغازي لغزوه مدة الغزو وإن طالت.

ولا يشترط عند الجمهور في الغازي أن يكون فقيرا، بل يجوز إعطاء الغني لذلك، لأنه لا يأخذ لمصلحة نفسه، بل لحاجة عامة المسلمين، فلم يشترط فيه الفقر.

وقال الحنفية :إن كان الغازي غنيا، وهو من يملك خمسين درهما أو قيمتها من الذهب كما تقدم في صنف الفقراء فلا يعطى من الزكاة، وإلا فيعطى، وإن كان كاسبا، لأن الكسب يقعده عن الجهاد.

وعند محمد الغازي منقطع الحاج لا منقطع الغزاة.

وصرح المالكية بأنه يشترط في الغازي أن يكون ممن يجب عليه الجهاد، لكونه مسلما ذكرا بالغا قادرا، وأنه يشترط أن يكون من غير آل البيت.

وأما جنود الجيش الذين لهم نصيب في الديوان فلا يعطون من الزكاة، وفي أحد قولين عند الشافعية :إن امتنع إعطاؤهم من بيت المال لضعفه، يجوز إعطاؤهم من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۲،۳۲۳، مادة "زكاة")

(قوله :وهو منقطع الغزاة) أي الذين عجزوا عن اللحوق بجيش الإسلام لفقرهم بهلاك النفقة أو الدابة أو غيرهما فتحل لهم الصدقة وإن كانوا كاسبين إذ الكسب يقعدهم عن الجهاد قهستاني (ردالمحتار، ج۲ ص۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

اورفوجیوں کے استعمال کرنے کے لئے دیا جائے، تو حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک اس طرح کی ضروریات میں زکاۃ کا خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی، البتہ بعض فقہائے کرام اس کو ''فی سبیل اللہ'' ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] الضرب الثانی :مصالح الحرب

وهذا الضرب ذكره المالكية، فالصحيح عندهم أنه يجوز الصرف من الزكاة فی مصالح الجهاد الأخرى غير إعطاء الغزاة، نحو بناء أسوار للبلد لحفظها من غزو العدو، ونحو بناء المراكب الحربية، وإعطاء جاسوس يتجسس لنا على العدو، مسلما كان أو كافرا.

وأجاز بعض الشافعية أن يشترى من الزكاة السلاح وآلات الحرب وتجعل وقفا يستعملها الغزاة ثم يردونها، ولم يجزه الحنابلة.

وظاهر صنيع سائر الفقهاء -إذ قصروا سهم سبيل الله على الغزاة، أو الغزاة والحجاج، أنه لا يجوز الصرف منه فی هذا الضرب، ووجهه أنه لا تمليك فيه، أو فيه تمليك لغير أهل الزكاة، أو كما قال أحمد :لأنه لم يؤت الزكاة لأحد، وهو مأمور بإيتائها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۲۳، مادة ''زكاة'')

يعطون لأنهم غزاة قال أصحابنا فعلى الأول يجب على أغنياء المسلمين إعانتهم قال المصنف والأصحاب ويعطى الغازی مع الفقر والغنى للحديث السابق ولأن فيه مصلحة للمسلمين قال أصحابنا ويعطى ما يستعين به على الغزو فيعطى نفقته وكسوته مدة الذهاب والرجوع والمقام فی الثغر وإن طال وهل يعطى جميع المؤنة أم ما زاد بسبب السفر فيه وجهان (أصحهما) الجميع وهو مقتضى كلام الجمهور ويجريان فی ابن السبيل ويعطى ما يشترى به الفرس إن كان يقاتل فارسا وما يشترى به السلاح وآلات القتال ويصير ذلك ملكا للغازی ويجوز أن يستأجر له الفرس والسلاح من مال الزكاة ويختلف الحال بكثرة المال وقلته فإن كان يقاتل راجلا لم يعط للفرس شيئا ويعطى ما يحمل عليه الزاد ويركبه فی الطريق إن كان ضعيفا أو كان السفر مسافة القصر قال أصحابنا ويسلم الإمام إلى الغازی ثمن الفرس والسلاح والآلات ثم الغازی يشتريها قال القاضی أبو الطيب والأصحاب فلو استأذنه الإمام فی شراها له بمال الزكاة فأذن جاز فلو أراد الإمام أن يشترى ذلك بمال الزكاة ويسلمه إلى الغازی بغير إذنه هل يجوز فيه وجهان (أحدهما) لا يجوز بل يتعين تسليم مال الزكاة إلى الغازی أو إذنه وبه قطع جماعة من العراقيين وهو ظاهر عبارة آخرين منهم (وأصحهما) يجوز وهو الذی صححه الخراسانيون وتابعهم الرافعی على تصحيحه وقطع به جماعة منهم قال الخراسانيون الإمام بالخيار إن شاء سلم الفرس والسلاح والآلات إلى الغازی أو ثمن ذلك تمليكا له فيملكه وإن شاء استأجر ذلك له.

وإن شاء اشترى من سهم سبيل الله سبحانه وتعالى أفراسا وآلات الحرب وجعلها وقفا فی سبيل الله ويعطيهم عند الحاجة ما يحتاجون إليه ثم يردونه إذا انقضت حاجتهم وتختلف المصلحة فی ذلك بحسب قلة المال وكثرته (وأما) نفقة عيال الغازی فقال الرافعی فی بعض شروح المفتاح أنه يعطى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جس شخص پر حج فرض ہو، اوراس کے پاس حج کے اخراجات موجود نہیں، تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ایسے شخص کو زکاۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ شخص فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل نہیں، جبکہ بعض فقہاء ایسے شخص کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل کرتے ہوئے، اس کے لئے زکاۃ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۴...... اگرکوئی دین کا طالبِ علم ہو، اوراس کو علم حاصل کرنے کے لئے مال کی ضرورت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نفقته ونفقة عياله ذهابا ومقاما ورجوعا قال وسكت المعظم عن نفقة العيال ولكن إعطاؤه إياها ليس بعيدا كما ينظر فى استطاعة الحج إلى نفقة العيال فيعتبر غناه لعياله كنفسه والله تعالى أعلم(المجموع شرح المهذب، ج٦ص ٢١٣، ٢١٤،باب قسم الصدقات)

[۱] الضرب الثالث :الحجاج:

ذهب جمهور العلماء (الحنفية والمالكية والشافعية والثورى وأبو ثور وابن المنذر وهو رواية عن أحمد، وقال ابن قدامة :إنه الصحيح) إلى أنه لا يجوز الصرف فى الحج من الزكاة، لأن سبيل الله فى آية مصارف الزكاة مطلق، وهو عند الإطلاق ينصرف إلى الجهاد فى سبيل الله تعالى، لأن الأكثر مما ورد من ذكره فى كتاب الله تعالى قصد به الجهاد، فتحمل الآية عليه.

وذهب أحمد فى رواية، إلى أن الحج فى سبيل الله فيصرف فيه من الزكاة، لما روى أن رجلا جعل ناقته فى سبيل الله، فأرادت امرأته أن تحج، فقال لها النبى صلى الله عليه وسلم :فهلا خرجت عليه فإن الحج من سبيل الله فعلى هذا القول لا يعطى من الزكاة من كان له مال يحج به سواها، ولا يعطى إلا لحج الفريضة خاصة، وفى قول عند الحنابلة :يجوز حتى فى حج التطوع.

وينقل عن بعض فقهاء الحنفية أن مصرف فى سبيل الله هو لمنقطع الحجاج.

إلا أن مريد الحج يعطى من الزكاة عند الشافعية على أنه ابن سبيل كما يأتى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٣٢٣، ٣٢٤،مادة "زكاة")

والحج عند الحنابلة وبعض الحنفية من السبيل، فيعطى مريد الحج من الزكاة، لما روى أبو داود عن ابن عباس :أن رجلاً جعل ناقة فى سبيل الله، فأرادت امرأته الحج، فقال لها النبى صلّى الله عليه وسلم :اركبيها، فإن الحج من سبيل الله فيأخذ مريد الحج من الزكاة إن كان فقيراً، ما يؤدى به فرض حج أو فرض عمرة، أو يستعين به فى أداء الفرضين، لأنه يحتاج إلى إسقاط الفرض .وأما التطوع فله عنه مندوحة(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج٣ص ١٩٥٩، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

(قوله :وقيل الحاج) أى منقطع الحاج .قال فى المغرب :الحاج بمعنى الحجاج كالسامر بمعنى السمار فى قوله تعالى (سامرا تهجرون)وهذا قول محمد والأول قول أبى يوسف اختاره المصنف تبعا للكنز .قال فى النهر :وفى غاية البيان أنه الأظهر وفى الإسبيجابى أنه الصحيح(ردالمحتار، ج٢ص ٣٤٣، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

ہو، اور اس ضرورت کو پوری کرنے کا اس کے پاس انتظام نہ ہو، اور جو مال اس کے پاس موجود ہو، وہ اس کے لئے کافی نہ ہو، تو بعض حضرات اس کو زکاۃ دینا جائز قرار دیتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... اہلِ حق علماء کی زیرِ نگرانی دینی مدارس وجامعات دین کی اشاعت اور بقاء اور دین کی حفاظت کا ذریعہ ہیں (اور زکاۃ کا اس وقت میں عمدہ مصرف ہیں) ان حالات میں ان کے ساتھ تعاون بہت بڑی نیکی ہے اور ان کی طرف سے کسی کی زکاۃ یا صدقہ وغیرہ قبول کرلینا، دینے والے کی نیک بختی اور خوش نصیبی ہے نہ کہ ان پر کوئی احسان ہے، مسلمان کی سعادت اور خوش بختی کی نشانی یہ ہے کہ از خود ان کو اپنا مال پیش کرے۔

لیکن اس سلسلہ میں اچھی طرح دیکھ بھال کر لینی چاہئے، کیونکہ آج کل بعض لوگوں نے دینی مدارس اور جامعات کے نام پر چندہ جمع کرنے کا کاروبار بنالیا ہے، لہٰذا ہر کس وناکس کو مدرسہ اور جامعہ کے نام پر چندہ دینے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۶...... مساجد وغیرہ کی تعمیر میں زکاۃ خرچ کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی غریب مستحق کو باقاعدہ مالک بنا کر زکاۃ دے دی گئی، اور پھر وہ باقاعدہ مالک بن کر اپنی خوشی سے اس مال کو مسجد کی تعمیر میں صرف کرے، تو اس میں حرج نہیں۔ [2]

---

[1] (قوله :وقيل طلبة العلم) كـذا فـي الظهيرية والمرغيناني واستبعده السروجي بأن الآية نزلت وليـس هناك قوم يقال لهم طلبة علم قال في الشرنبلالية :واستبعاده بعيد؛ لأن طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبي -صلى الله عليه وسلم -لتلقي الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا وقد قال في البدائع في سبيل الله جميع القـرب فيـدخـل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا .اهـ(ردالمحتار، ج۲ ص ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

[2] (قوله :لا إلى بناء مسجد . . .إلخ) الـحيلة في جواز مثله أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثـم يـأمـره بـعد ذلك بالصرف إلى ذلك الوجه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هـذا التـقـرب كـمـا فـي البـحر عن المحيط (دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۸۹، كتاب الزكاة،باب مصارف الزكاة)

جهـات الـخيـر من غير الأصناف الثمانية:ذهـب الـفـقـهـاء إلى أنه لا يجوز صرف الزكاة في جهات الـخيـر غيـر ما تقدم بيانه، فلا تنشأ بها طريق، ولا يبنى بها مسجد ولا قنطرة، ولا تشق بها ترعة، ولا يعمل بها سقاية، ولا يوسع بها على الأصناف،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... آج کل جو بعض لوگ ''فی سبیل اللہ'' کا مفہوم عام لے کر ہر کارِ خیر یا رفاہی کاموں میں زکاۃ کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، جن میں کہ غریبوں کو زکاۃ کا مالک نہیں بنایا جاتا، یہ درست نہیں ہے۔ [1]

(۸)......ابنُ السبیل (یعنی مسافر کو زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا آٹھواں اور آخری مصرف ''ابن السبیل'' کو بیان کیا گیا ہے۔

عربی لغت میں ''سبیل'' راستہ کو کہا جاتا ہے، اور ''ابن'' بیٹے کو کہا جاتا ہے، اور ابنُ السبیل مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ راستہ پر سفر کر رہا ہوتا ہے۔ [2]

آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... جو مسافر ایسا ہو کہ وہ اپنے شہر یا جائے اقامت سے باہر ہو، خواہ شرعی مسافت پر ہو، یا اس سے کم پر، اور اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہ ہو، اور جتنا مال اس کے ساتھ ہو، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی نہیں، تو اس کو اپنی ضرورت کے بقدر زکاۃ لینا جائز ہے، تاکہ وہ بخیر وعافیت اپنے شہر یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولم يصح فيه نقل خلاف عن معين يعتد به، وظاهر كلام الرملى أنه إجماع، واحتجوا لذلک بأمرين: الأول: أنه لا تمليک فيها، لأن المسجد ونحوه لا يملک، وهذا عند من يشترط فى الزكاة التمليک. والثانى: الحصر الذى فى الآية، فإن المساجد ونحوها ليست من الأصناف الثمانية، وفى الحديث المتقدم الذى فيه: إن الله جعل الزكاة ثمانية أجزاء.

ولا يثبت مما نقل عن أنس وابن سيرين خلاف ذلک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۲۸، ۳۲۹، مادة "زكاة")

[1] رأى أكثرية أعضاء المجلس الأخذ بقول جمهور العلماء من مفسرين ومحدثين وفقهاء من أن المراد بقوله تعالى: (وفى سبيل الله) الغزاة المتطوعون بغزوهم، وما يلزم لهم من استعداد، وإذا لم يوجدوا صرفت الزكاة كلها للأصناف الأخرى، ولا يجوز صرفها فى شىء من المرافق العامة إلا إذا لم يوجد لها مستحق من الفقراء والمساكين وبقية الأصناف المنصوص عليهم فى الآية الكريمة (ابحاث هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية، ج۱ ص۹۸، وفى سبيل الله، قرار الهيئة، قرار رقم ۲۴ وتاريخ: ۱۳۹۴/۸/۲۱هـ)

[2] الصنف الثامن: ابن السبيل: سمى بذلک لملازمته الطريق، إذ ليس هو فى وطنه ليأوى إلى سكن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۲۴، مادة "زكاة")

جائے اقامت تک پہنچ سکے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... جس مسافر کو زکاۃ دینا جائز ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کے شہر یا جائے اقامت میں بھی اس کی ملکیت میں مال نہ ہو، بلکہ اگر اس کی ملکیت میں اس کے شہر یا جائے اقامت میں اتنا مال موجود ہو کہ جو نصاب کے بقدر یا اس سے کہیں زیادہ بن جاتا ہو، تب بھی اس کو زکاۃ دینا جائز ہے۔

اور بہت سے فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسافر بنو ہاشم نہ ہو، جس کی تفصیل ہم نے آگے تحقیقی مسائل میں ذکر کردی ہے۔ [2]

اور اگر کسی کے پاس سفر میں نصاب کے بقدر مال ہے، یا اس کے پاس جتنا مال ہے، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی ہے، اور وہ اپنے شہر یا جائے اقامت میں صاحبِ نصاب ہے، تو اس کو زکاۃ لینا جائز نہیں۔ [3]

---

[1] (لانه لايقدر على الوصول الى ماله فلم يكن فى يده)

وهذا الصنف ضربان:الضرب الأول :المتغرب عن وطنه الذى ليس بيده ما يرجع به إلى بلده:
وهـذا الضرب متفق على أنه من أصحاب الزكاة، فيعطى ما يوصله إلى بلده، إلا فى قول ضعيف عند الشـافعية :أنــه لا يـعـطـى، لأن ذلك يـكـون مـن بـاب نـقـل الـزكـاة من بلدها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۴، مادة "زكاة")

(ومنها ابن السبيل)وهو الغريب المنقطع عن ماله كذا فى البدائع .جاز الأخذ من الزكاة قدر حاجته، ولم يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۸، كتاب الزكاة،الباب السابع فى المصارف)

[2] ولا يعطى من الزكاة إلا بشروط:الشرط الأول :أن يكون مسلما، من غير آل البيت.
الشرط الثانى :أن لا يـكـون بيـده فـى الـحـال مال يتمكن به من الوصول إلى بلده وإن كان غنيا فى بـلـده، فـلـو كـان له مال مؤجل أو على غائب، أو معسر، أو جاحد، لم يمنع ذلك الأخذ من الزكاة على ما صرح به الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۳، ص ۳۲۴،۳۲۵،مادة "زكاة")

يـعـطـى ابـن الـسبيـل مـا يـبـلـغ بـه مـقـصـده، إذا كان محتاجاً فى سفره، ولو كان غنياً فى وطنه(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۵۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[3] (لانه قادر على الوصول الى ماله فكأنهٔ فى يده)

قـوله تعالى وَابْنِ السَّبِيلِ وهو المسافر فاعلم ان المسافر اما ان يكون مالكا لنصاب يمنع أخذ الزكاة اولا وعلى الثانى يعطى له الزكوة اتفاقا سواء كان فى أثناء السفر او مريدا للسافر كمن لم يكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۳...... جس مسافر کو زکاۃ دینا جائز ہے، اس کے لئے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اس کا سفر گناہ والا نہ ہو، بلکہ جائز یا عبادت والا سفر ہو، جیسا کہ حج کا سفر یا والدین کی اطاعت کے لئے سفر، یا علماء وصالحین کی زیارت کے لئے سفر، یا اپنی معاشی ضرورت اور تجارت یا ملازمت وغیرہ کے لئے سفر۔

اور اگر اس کا سفر گناہ والا ہو، جیسا کہ چوری یا کسی کو جانی ومالی نقصان پہنچانے وغیرہ کی غرض سے سفر، تو پھر ان حضرات کے نزدیک ایسے شخص کو زکاۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ اس میں ایک طرح سے اس کا گناہ میں تعاون کرنا پایا جاتا ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک زکاۃ جائز ہونے کے لئے اس مذکورہ شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسافرا لكونه فقيرا وعلى التقدير الاول إن كان له مال فى يده بقدر النصاب وبقدر ما يبلغ بلدا يريد دخوله لا يعطى له الزكوة اتفاقا سواء كان فى أثناء السفر اولا وإن كان له مال كثير فى وطنه لا معه وهو فى أثناء السفر فقير يدا ليس عنده ما يبلغ نصابا ولا ما يبلغ به وطنه الذى فيه ماله يعطى له الزكوة اتفاقا وهو المراد بابن السبيل فى هذه الآية عند ابى حنيفة رحمه الله فالفقر المعتبر لاباحة أخذ الزكوة هو الفقر يدا فمالكية المال لا ينافى جواز أخذ الزكوة ان لم يكن المال فى يده فالمقيم فى الوطن الذى له مال فى وطنه بمنزلة ابن السبيل والدائن الذى مديونه مقر مفلس كابن السبيل كذا فى المحيط وإن كان له مال كثير فى وطنه وعنده مال قليل لا يبلغ نصابا لكن يمكن ان يبلغ به مكانه الذى فيه ماله لا يجوز له أخذ الزكوة اتفاقا لانه قادر على الوصول الى ماله فكانه فى يده وإن كان له مال فى يده يبلغ نصابا لكن ليس بقدر ما يقطع به المسافة المقصورة سواء هو فى أثناء السفر او هو مريد للسفر وسواء كان له مال بعيد منه او لا يكون لا يجوز له أخذ الزكوة عند ابى حنيفة وقال الشافعى يجوز لابى حنيفة ان المبيح لاخذ الزكوة انما هو الفقر وهو ليس بفقير وقال الشافعى ارادة السفر ايضا مبيح لاخذ الزكوة ان لم يكن عنده ما يقطع به السفر لان ابن السبيل صنف آخر غير الفقير لا يعتبر فيه الفقر والله اعلم(التفسير المظهرى، ج۴ص ۲۳۹،تحت آيت ٦٠ من سورة التوبة)

۱؎ الشرط الثالث :أن لا يكون سفره لمعصية، صرح بهذا الشرط المالكية والشافعية والحنابلة، فيجوز إعطاؤه إن كان سفره لطاعة واجبة كحج الفرض، وبر الوالدين، أو مستحبة كزيارة العلماء والصالحين، أو كان سفره لمباح كالمعاشات والتجارات، فإن كان سفره لمعصية لم يجز إعطاؤه منها لأنه إعانة عليها، ما لم يتب، وإن كان للنزهة فقط ففيه وجهان عند الحنابلة :أقواهما :أنه لا يجوز، لعدم حاجته إلى هذا السفر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۲۴،۳۲۵،مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴......جس مسافر کو زکاۃ لینا جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ اپنے شہر میں مالدار ہو، تو اس کو سفر میں قرض حاصل نہ ہوسکتا ہو، اور اگر اس کو سفر میں قرض حاصل کر کے ضرورت پوری کرنے کا سامان ہوسکتا ہو، تو پھر مالکیہ کے نزدیک ایسے مسافر کو زکاۃ لینا جائز نہیں۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اگر مسافر کو آسانی قرض حاصل کر کے اپنی ضرورت پوری کرنا ممکن ہو، تو اس کو زکاۃ لینے کے بجائے قرض لینا بہتر ہے، اگرچہ اسے زکاۃ لینا بھی جائز ہے۔

اور مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مسافر کو بہرحال زکاۃ لینا جائز ہے، اور اسے قرض لینا واجب یا افضل نہیں ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵......جو شخص اپنے شہر میں ہو، اور وہ کوئی ضروری یا ایسا سفر کرنا چاہتا ہے کہ جو گناہ پر مشتمل نہیں ہے، اور وہ مالدار بھی ہے، مگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ جس سے سفر کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن ابن السبيل لا يعطى من الزكاة إن خرج فى معصية كقطع الطريق ونحوه .وأما الحنفية فلا يشترطون لإعطاء الزكاة ابن السبيل عدم المعصية بسفره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸،ص ۲۱۵،مادة "معصية")

[1] الشرط الرابع :وهو للمالكية خاصة :أن لا يجد من يقرضه إن كان ببلده غنيا.

ولا يعطى أهل هذا الضرب من الزكاة أكثر مما يكفيه للرجوع إلى وطنه، وفى قول للحنابلة :إن كان قاصدا بلدا آخر يعطى ما يوصله إليه ثم يرده إلى بلده.

قال المالكية :فإن جلس ببلد الغربة بعد أخذه من الزكاة نزعت منه ما لم يكن فقيرا ببلده، وإن فضل معه فضل بعد رجوعه إلى بلده نزع منه على قول عند الحنابلة.

ثم قد قال الحنفية :من كان قادرا على السداد فالأولى له أن يستقرض ولا يأخذ من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۲۴،۳۲۵،مادة "زكاة")

اتفق الفقهاء على أن ابن السبيل إذا أراد الرجوع إلى بلده ولم يجد ما يتبلغ به يعطى من الزكاة والغنيمة والفيء حسب حاجته، ولا يحل له ما زاد عن ذلك.

والأولى له عند الحنفية أن يستقرض إن تيسر له ذلك .وأوجبه المالكية إذا لم يكن فقيرا فى بلده .

وخالف فى هذا الحنابلة والشافعية فى المعتمد، حيث لا يقولون بوجوب الاستقراض ولا بأولويته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱،ص ۱۹۰،مادة "ابن السبيل")

والأولى له أن يستقرض إن قدر ولا يلزمه ذلك لجواز عجزه عن الأداء (رد المحتار على الدر المختار،ج۲ص ۳۴۴،باب مصرف الزكاة والعشر)

ضروریات کا انتظام ہوسکے، تو اس کو زکاۃ لینا جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کوئی شخص سفر میں تو نہیں ہے، بلکہ اپنے وطن اور گھر میں ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال تو ہے، مگر وہ دوسرے پر قرض ودَین ہے، اور اس قرض ودَین کی ادائیگی میں ابھی وقت باقی ہے، یا جس پر اس کا قرض ودَین ہے، وہ تنگ دست ہے، اور اس کا قرض ودَین ادا کرنے پر قادر نہیں، اور خود اس شخص کے قبضہ میں جتنا مال ہے، وہ نصاب کے بقدر نہیں، اور اس کو اس حال میں کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ضرورت پیش آ گئی ہے، اور اس ضرورت کے پوری کرنے کے لئے اس کے ہاتھ میں مال نہیں ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو بھی مسافر کا حکم حاصل ہوتے ہوئے بقدرِ ضرورت زکاۃ کا لینا جائز ہے، مگر یہ شرط ضروری ہے کہ وہ زکاۃ کا مال صرف ضرورت کے بقدر لے، اور ایسے شخص کو ضرورت سے زیادہ زکاۃ کا مال لینا جائز نہیں۔ [2]

---

[1] البتہ "الموسوعة الفقهية الكويتية" کی عبارت کے مطابق شافعیہ کے نزدیک ایسے مسافر کو زکاۃ دینا جائز ہے، جبکہ اس کے پاس سفر کے اخراجات کے بقدر مال نہ ہو، اور اس کا سفر گناہ والا بھی نہ ہو، پس اس بناء پر ان کے نزدیک جو شخص حج کرنا چاہتا ہے، اور اس کے پاس اس سفر کی ضروریات کو پورا کرنے کے بقدر مال نہیں ہے، تو اسے اپنے سفرِ حج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے زکاۃ لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

الضرب الثاني :من كان فى بلده ويريد أن ينشء سفرا:

فهذا الضرب منع الجمهور إعطاء ه، وأجاز الشافعية إعطاء ه لذلك بشرط أن لا يكون معه ما يحتاج إليه فى سفره، وأن لا يكون فى معصية، فعلى هذا يجوز إعطاء من يريد الحج من الزكاة إن كان لا يجد فى البلد الذى ينشء منه سفر الحج ما لا يحج به.

والحنفية لا يرون جواز الإعطاء فى هذا الضرب، إلا أن من كان ببلده، وليس له بيده مال ينفق منه وله مال فى غير بلده، لا يصل إليه، رأوا أنه ملحق بابن السبيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۵، مادة "زكاة")

[2] ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا حکم مال سے دور یا مال پر قادر نہ ہونے اور ضرورت وحاجت پیش آنے کی صورت میں بقدرِ ضرورت اخذِ زکاۃ وصدقات کا ہے، جہاں تک ملکیت میں موجود مال پر وجوبِ زکاۃ کا تعلق ہے، تو وہ اپنی شرائط کے ساتھ الگ واجب ہے، اگر کوئی اس وقت قادِر نہیں، تو بعد میں ادا کردے، اور اس پر شبہ کا جواب پیچھے "مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کا قائم ہونا" کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

السبيل الطريق .وابن السبيل المسافر الذى انقطع به الطريق،وأوسع ما قيل فى تعريفه الاصطلاحى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... جس مسافر کو زکاۃ لینا جائز تھا، اگر اس نے اس حالت میں زکاۃ کا مال لیا تھا، اور پھر وہ بخیر وعافیت اپنے وطن پہنچ گیا، لیکن اس کی ملکیت میں زکاۃ کی مد میں لیا ہوا کچھ مال باقی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو اس مال کا استعمال کرنا جائز ہے، اور اس مال کا اس پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾أنه :المنقطع عن ماله سواء كان خارج وطنه أو بوطنه أو مارا به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ا ،ص ۱۹۰ ،مادة "ابن السبيل ")

وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان فى بلده(مجمع الانهر، ج ا ص ۲۲۱، كتاب الزكاة، باب فى بيان احكام المصرف)

وألحق به كل من هو غائب عن ماله، وإن كان فى بلده، لأن الحاجة هى المعتبرة(الفتاوى الهندية، ج ا ص۱۸۸، كتاب الزكاة،الباب السابع فى المصارف)

(قوله :من له مال لا معه) أى سواء كان هو فى غير وطنه أو فى وطنه وله ديون لا يقدر على أخذها كما فى النهر عن النقاية لكن الزيلعى جعل الثانى ملحقا به حيث قال :وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان فى بلده، لأن الحاجة هى المعتبرة وقد وجدت، لأنه فقير يدا وإن كان غنيا ظاهرا . اهـ.وتبعه فى الدرر والفتح وهو ظاهر كلام الشارح.

وقال فى الفتح أيضا :ولا يحل له أى لابن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجته(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۳۴۳،۳۴۴،باب مصرف الزكاة والعشر)

(قوله وابن السبيل) وفى جوامع الفقه هو الغريب الذى ليس فى يده شىء وإن كان له مال فى بلده ومن له ديون على الناس ولا يقدر على أخذها لغيبتهم أو لعدم البينة أو لإعساره أو لتأجيله يحل له أخذها وقوله فى الكتاب وهو فى مكان لا شىء فيه وقول العتابى هو الغريب الذى ليس فى يده شىء ليس نفى الشىء على إطلاقه أو عمومه بل المراد شىء لا يكفيه لرجوعه إلى وطنه يؤيده ما ذكره فى قنية المنية ابن السبيل له ما يكفيه فى معيشته وزاد يكفيه إلى وطنه لا يجوز دفع الزكاة إليه .اهـ. غاية(حاشية الشلبى على التبيين، ج ا ص۲۹۸، كتاب الزكاة، باب المصرف)

وَابْنِ السَّبِيلِ وهو المسافر المنقطع عن ماله .والاستقراض له خير من قبول الصدقة على ما فى الظهيرية .وفى فتح القدير أنه لا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته، وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان فى بلده .وفى المحيط وإن كان تاجرا له دين على الناس لا يقدر على أخذه ولا يجد شيئا يحل له أخذ الزكاة لأنه فقير يدا كابن السبيل .وفى الخانية تفصيل فى هذا المقام قال :والذى له دين مؤجل على إنسان إذا احتاج إلى النفقة يجوز له أن يأخذ من الزكاة قدر كفايته إلى حلول الأجل، وإن كان الدين غير مؤجل فإن كان من عليه الدين معسرا يجوز له أن يأخذ الزكاة فى أصح الأقاويل لأنه بمنزلة ابن السبيل، وإن كان المديون موسرا معترفا لا يحل له أخذ الزكاة وكذا إذا كان جاحدا وله عليه بينة عادلة، وإن لم تكن عادلة لا يحل له الأخذ أيضا ما لم يرفع الأمر إلى القاضى فيحلفه فإذا حلفه يحل له الأخذ بعد ذلك اهـ، والمراد من الدين ما يبلغ نصابا كما لا يخفى .وفى فتح القدير ولو دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصابا وهو موسر بحيث لو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صدقہ کرنا یا واپس لوٹانا ضروری نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... جس مسافر کو زکاۃ دینا جائز ہے، اس کو مالِ غنیمت، اور مالِ فئی کا خمس دینا بھی جائز ہے۔ [2]

اور مالِ غنیمت و مالِ فیئ کی حقیقت ہم نے آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں بنو ہاشم وسید کو زکاۃ دینے کے حکم میں ذکر کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

تنبیہ (آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور کو زکاۃ دینے کی ممانعت)

قرآن مجید میں زکاۃ کے جو آٹھ مصارف ذکر کئے گئے ہیں، اور ان کی تفصیل پیچھے بیان کی گئی، ان کے علاوہ کسی اور کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔

اسی وجہ سے زکاۃ کا مال مساجد کی تعمیر اور رفاہی کاموں میں لگانا جائز نہیں، جہاں کہ غریبوں کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ طلبت أعطاها لا يجوز، وإن كان بحيث لا يعطى لو طلبت جاز اهـ .وهو مقيد لعموم ما فى الخانية، والمراد من المهر ما تعورف تعجيله لأن ما تعورف تأجيله فهو دين مؤجل لا يمنع أخذ الزكاة، ويكون فى الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، ويفرق بينه وبين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضى مما ينبغى للمرأة بخلاف غيره، لكن فى البزازية دفع الزكاة إلى أخته وهى تحت زوج إن كان مهرها المعجل أقل من النصاب أو أكثر لكن الزوج معسر له أن يدفع إليها الزكاة وإن كان موسرا والمعجل قدر النصاب لا يجوز عندهما وبه يفتى للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقا هذا(روح المعانى، ج۵ص ۳۱۳،تحت آيت ۶۰ من سورة التّوبة)

[1] ثم لا يلزمه أن يتصدق بما فضل فى يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى كذا فى التبيين(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۸ ،كتاب الزكاة،الباب السابع فى المصارف)

ولا يلزمه التصدق بما فضل فى يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى والمكاتب إذا عجز. وعندهما من مال الزكاة لا يلزمها التصدق اهـ.قلت :وهذا بخلاف الفقير فإنه يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته وبهذا فارق ابن السبيل كما أفاده فى الذخيرة(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص ۳۴۴،باب مصرف الزكاة والعشر)

[2] اتفق الفقهاء على أن ابن السبيل إذا أراد الرجوع إلى بلده ولم يجد ما يتبلغ به يعطى من الزكاة والغنيمة والفىء حسب حاجته، ولا يحل له ما زاد عن ذلك.

والأولى له عند الحنفية أن يستقرض إن تيسر له ذلك .وأوجبه المالكية إذا لم يكن فقيرا فى بلده. وخالف فى هذا الحنابلة والشافعية فى المعتمد، حيث لا يقولون بوجوب الاستقراض ولا بأولويته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱ ، ص ۱۹۰ ، مادة "ابن السبيل")

زکاۃ کے مال کا مالک بنانا نہیں پایا جاتا، اور مالک بنائے بغیر زکاۃ کے ناجائز ہونے کے احکام کی مزید تفصیل آگے ''زکاۃ بغیر معاوضہ کے مالکانہ طور پر دینے کے احکام'' میں آتی ہے۔ ۱؎ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

۱؎ معارف القرآن میں ہے کہ:

''جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکاۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مالِ زکاۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکاۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے، جو مصرفِ زکاۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکاۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔ البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا اور وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقمِ زکاۃ صرف ہوسکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے، اس کی قیمت رقمِ زکاۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، اسی طرح فقہائے امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکاۃ سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ رقمِ زکاۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کردے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے، تو اس قرض کو رقم زکاۃ سے براہِ راست ادا نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں اس کے وارث غریب مستحقِ زکاۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کرسکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقینِ زکاۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہائے امت متفق ہیں (معارف القرآن ج۴، ص۴۰۹، سورہ توبہ، آیت ۶۰، پارہ ۱۰)

هل تعطى الزكاة لغير هذه الأصناف؟ اتفق جماهير فقهاء المذاهب على أنه لا يجوز صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى من بناء المساجد والجسور والقناطر والسقايات وكرى الأنهار وإصلاح الطرقات، وتكفين الموتى، وقضاء الدين، والتوسعة على الأضياف، وبناء الأسوار وإعداد وسائل الجهاد، كصناعة السفن الحربية وشراء السلاح، ونحو ذلك من القرب التي لم يذكرها الله تعالى مما لا تمليك فيه، لأن الله سبحانه وتعالى قال :(إنما الصدقات للفقراء)وكلمة إنما للحصر والإثبات، تثبت المذكور وتنفي ماعداه، فلا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه، لأنه لم يوجد التمليك أصلاً.لكن فسر الكاساني في البدائع سبيل الله .بجميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً، لأن في سبيل الله عام في الملك، أي يشمل عمارة المساجد ونحوها مما ذكر، وفسر بعض الحنفية سبيل الله بطلب العلم ولو كان الطالب غنياً .قال أنس والحسن :ما أعطيت في الجسور والطرق، فهي صدقة ماضية.

وقال مالك :سبل الله كثيرة، ولكني لا أعلم خلافاً في أن المراد بسبيل الله ههنا الغزو(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۳ص۱۹۵۸، ۱۹۵۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

(فصل نمبر۲)

مستحقِ زکاۃ کے مسلم، آزاد، عاقل وبالغ ہونے کے احکام

مسئلہ نمبر۱...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف جب اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، تو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ وہ لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ:

أَنَّ اللّٰـهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ (بخاری، رقم الحديث ۱۳۹۵)

ترجمہ: بے شک اللہ نے اُن (مسلمانوں) پر اِن کے مالوں میں صدقہ (یعنی زکاۃ) کو فرض کیا ہے، جس کو اُن (مسلمانوں) کے مالداروں سے لے کر اُن (مسلمانوں) کے غریبوں کو دیا جائے گا (بخاری)

یعنی جس طرح زکاۃ امیر و مالدار مسلمانوں سے لی جائے گی، اسی طرح وہ غریب مسلمانوں ہی پر خرچ بھی کی جائے گی۔

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام کا فرمانا یہ ہے کہ زکاۃ کا مصرف ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس کو زکاۃ دی جائے، وہ مسلمان ہو۔

کسی غیر مسلم و کافر کو زکاۃ دینا جائز نہیں، خواہ وہ اصلی کافر ہو یا مرتد ہو، یا کوئی ایسا شخص ہو جو اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہو، لیکن اس کے عقائد صریح کفر والے ہوں، جیسا کہ قادیانی وغیرہ۔ [۱]

---

[۱] البتہ حنابلہ کے ایک قول کے مطابق حکومت کی طرف سے جس کو زکاۃ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر کیا جائے، وہ اگر غیر مسلم ہو، تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... بعض لوگ زکاۃ کے معاملہ میں یہاں تک غفلت اختیار کرتے ہیں کہ اس کا مستحق ہونے کے لئے صرف ضرورت منداور غریب ہونے کو کافی سمجھتے ہیں، اوراس کے لئے مسلمان ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے، اوراگر کوئی ضرورت مند غیر مسلم وکافر ہو، تو اس کو بھی زکاۃ دے دیتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس سے کوئی مفاد بھی وابستہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ اپنا ملازم یا خدمت گزار ہو۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اوراسی طرح ''مؤلفۃ قلوبہم'' کے لئے مسلمان ہونے کی شرط میں بھی فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر ذکر کی جا چکی ہے۔

مندرجہ بالا حکم زکاۃ کا ہے، جہاں تک صدقۂ فطر اور کفارات اور نذور وغیرہ کے غیر مسلم کو دینے کا تعلق ہے، تو اکثر فقہائے کرام اور امام ابویوسف وامام زفر کے نزدیک زکاۃ کی طرح غیر مسلم ان چیزوں کے بھی مصرف شمار نہیں ہوتے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غیر مسلم غریب ان چیزوں (یعنی صدقۂ فطر وغیرہ) کے مصرف شمار ہوتے ہیں۔

الكفار ولو كانوا أهل ذمة :لا يجوز إعطاؤهم من الزكاة .نقل ابن المنذر الإجماع على ذلك لحديث :إن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم .وأجاز الحنابلة فى قول إعطاء هم مع العاملين إن عملوا على الزكاة.

ويستثنى المؤلف قبله أيضا على التفصيل والخلاف المتقدم فى موضعه.

ويشمل الكافر هنا الكافر الأصلى والمرتد، ومن كان متسميا بالإسلام وأتى بمكفر نحو الاستخفاف بالقرآن، أو سب الله أو رسوله، أو دين الإسلام، فهو كافر لا يجوز إعطاؤه من الزكاة اتفاقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٣٢٥،مادة "زكاة")

يشترط فى الفقير الذى تعطى له الزكاة الشروط الآتية:

أ -الإسلام :فلا يجوز صرف الزكاة إلى كافر باتفاق الفقهاء ،لحديث معاذ رضى الله عنه :خذها من أغنيائهم وردها فى فقرائهم أمر عليه الصلاة والسلام بوضع الزكاة فى فقراء من يؤخذ منهم، وهم المسلمون، فلا يجوز فى غيرهم .أما ما سوى الزكاة من صدقة الفطر، والكفارات والنذور فقد اختلف الفقهاء فى جواز صرفها لفقراء أهل الذمة.فذهب الجمهور إلى أنه لا يجوز صرفها إلى فقراء أهل الذمة، لأن فقيرهم كافر فلم يجز الدفع إليه كفقراء أهل الحرب .وذهب أبو حنيفة .ومحمد بن الحسن إلى جواز صرفها إلى فقراء أهل الذمة، وقالا :إن الله سبحانه وتعالى قال :(إن تبدوا الصدقات فنعما هى وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم)من غير فصل بين فقير وفقير، وعموم هذا النص يقتضى جواز صرف الزكاة إليهم، إلا أنه خص منه زكاة المال، لحديث معاذ المتقدم، ولأن صرف الصدقة إلى أهل الذمة من باب إيصال البر إليهم، وما نهينا عن ذلك، قال تعالى :(لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين)وظاهر هذا النص جواز صرف الزكاة إليهم، لأنه بر بهم،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ سنگین غلط فہمی بلکہ زکاۃ کو ایک طرح سے ضائع کرنا ہے، کیونکہ غیر مسلم کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اگر کوئی غیر مسلم وکافر ضرورت مند ہے، تو کسی دوسرے طریقہ سے اس کی مدد کرنا کارِ خیر ہے۔

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی مسلمان مستحق کو زکاۃ دی، اور پھر وہ زکاۃ لینے والا مستحق نعوذ باللہ مرتد ہو گیا، تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور اگر کسی نے سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکاۃ دی، اور پھر وہ زکاۃ لینے والا مرتد ہو گیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی پیشگی دی ہوئی زکاۃ بھی ادا ہو جاتی ہے، اور اس کو دوبارہ زکاۃ دینا ضروری نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إلا أن البر بطريق زكاة المال غير مراد، لحديث معاذ، فيبقى غيرها من طرق البر بهم جائزا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۰، مادة "فقير")

أن يكون مستحق الزكاة مسلماً :إلا المؤلفة قلوبهم فى رأى المالكية والحنابلة :فلا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر بلا خلاف، لحديث معاذ رضى الله عنه المتقدم :خذها من أغنيائهم وردها فى فقرائهم أمر بوضع الزكاة فى فقراء من يؤخذ من أغنيائهم وهم المسلمون، فلا يجوز وضعها فى غيرهم.وأما ما سوى الزكاة من صدقة الفطر والكفارات والنذور، فلا شك فى أن صرفها إلى فقراء المسلمين أفضل، لأن الصرف إليهم يقع إعانة لهم على الطاعة .وهل يجوز صرفها إلى أهل الذمة؟ قال أبو حنيفة ومحمد :يجوز، لقوله تعالى :(إن تبدوا الصدقات فنعما هى، وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء، فهو خير لكم، ويكفر عنكم من سيئاتكم)من غير تفرقة بين فقير وفقير، وعموم هذا النص يقتضى جواز صرف الزكاة إليهم، إلا أنه خص منه الزكاة لحديث معاذ، وقوله تعالى فى الكفارات: (فكفارته إطعام عشرة مساكين)من غير تفرقة بين مسكين ومسكين، إلا أنه خص منه الحربى بدليل حتى لا يكون ذلك إعانة لهم على قتالنا، ولأن صرف الصدقة إلى أهل الذمة من باب إيصال البر إليهم، وما نهينا عن ذلك، قال تعالى :(لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين، ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم)وقال أبو يوسف وزفر والشافعى والجمهور :لا يجوز صرف غير الزكاة أيضاً إلى الذميين قياساً على الزكاة، وعلى الحربى (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۶۱، الیٰ ص۱۹۶۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[1] ولو دفع الإمام المعجل إلى فقير فأيسر الفقير قبل تمام الحول أو مات أو ارتد جاز عن الزكاة عندنا وقال الشافعى يسترده الإمام إلا أن يكون يساره من ذلك المال .وجه قوله أن كون المعجل زكاة إنما يثبت عند تمام الحول وهو ليس محل الصرف فى ذلك الوقت فلا يقع زكاة إلا إذا كان يساره من ذلك المال؛ لأنه حينئذ يكون أصلا فلا يقطع التبع عن أصله .ولنا أن الصدقة لاقت كف الفقير فوقعت موقعها فلا تتغير بالغنى الحادث بعد ذلك كما إذا دفعها إلى الفقير بعد حولان الحول ثم أيسر (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۵۲، كتاب الزكاة، فصل حكم المعجل إذا لم يقع زكاة)

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی شخص مسلمان، مگر فاسق یعنی کبیرہ گناہوں کا عادی (مثلاً شرابی، جواری، زانی وغیرہ) ہو، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ کسی دیندار شخص کو زکاۃ دینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

البتہ بعض فقہاء بدعتی اور فاسق و فاجر شخص کو زکاۃ دینے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ ایسے شخص کو زکاۃ دینے سے ان کے ساتھ تعلق و محبت کا اظہار اور ان کا گناہوں پر تعاون یا حوصلہ افزائی پائی جاتی ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۵...... زکاۃ کا مستحق و مصرف ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کو زکاۃ دی جائے، وہ آزاد ہو، کیونکہ غلام خود سے مال کا مالک نہیں ہوتا۔

اور اگر غلام کو کوئی چیز دی جائے، تو وہ اس کے آقا کی ملکیت کہلاتی ہے۔ [۲]

اس بناء پر فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر ایسے غلام کو زکاۃ دی جائے، کہ اس کا آقا غریب ہے اور زکاۃ کا مستحق ہے، تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور اگر اس کا آقا مالدار ہے اور زکاۃ کا مستحق

---

[۱] الفاسق والمبتدع: ذكر الحافظ ابن حجر في شرحه لحديث: تصدق الليلة على كافر أن في إعطاء الزكاة للعاصي خلافا، وقد صرح المالكية بأن الزكاة لا تعطى لأهل المعاصي إن غلب على ظن المعطي أنهم يصرفونها في المعصية، فإن أعطاهم على ذلك لم تجزئه عن الزكاة، وفي غير تلك الحال تجوز، وتجزء. وعند الحنابلة قال ابن تيمية: ينبغي للإنسان أن يتحرى بزكاته المستحقين من أهل الدين المتبعين للشريعة، فمن أظهر بدعة أو فجورا فإنه يستحق العقوبة بالهجر وغيره والاستتابة فكيف يعان على ذلك؟ وقال: من كان لا يصلي يؤمر بالصلاة، فإن قال: أنا أصلي، أعطي، وإلا لم يعط، ومراده أنه يعطى ما لم يكن معلوما بالنفاق. وعند الحنفية يجوز إعطاء الزكاة للمنتسبين إلى الإسلام من أهل البدع إن كانوا من الأصناف الثمانية، ما لم تكن بدعتهم مكفرة مخرجة لهم عن الإسلام. على أن الأولى تقديم أهل الدين المستقيمين عليه في الاعتقاد، والعمل على من عداهم عند الإعطاء من الزكاة، لحديث: لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۲۷، ۳۲۸، مادة "زكاة")

[۲] والاسترقاق يمنع المسترق من سائر التبرعات كالهبة، والصدقة، والوصية ونحو ذلك. كما يمنع الاسترقاق من سائر الاستحقاقات المالية، فإن وقع شيء منها استحقه المالك لا الرقيق، فالرقيق لا يرث، وما يستحقه من أرش الجناية عليه فهو لسيده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص۳۰۱، وص۳۰۲، مادة "استرقاق")

نہیں، تو پھر زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔

البتہ مکاتب غلام کو زکاۃ دینا جائز ہے، جس کا ذکر پیچھے ''وفی الرقاب'' کے مصرَف کی بحث میں گزر چکا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... زکاۃ ادا ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کو زکاۃ دی جائے، وہ بالغ اور عاقل ہو، بلکہ نابالغ اور مجنون و پاگل کو زکاۃ دینا بھی جائز ہوتا ہے، جیسا کہ ''فقراء ومساکین'' کے مصرف کے بیان میں مسئلہ نمبر۱۷ کے تحت گزرا، لیکن زکاۃ ادا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس پر زکاۃ کے مستحق یا اس کے نمائندہ کی طرف سے معتبر قبضہ ہو جائے۔

پس اگر کسی ایسے غریب، نابالغ بچے کو زکاۃ دی، جو کہ ناسمجھ تھا کہ جس کو مال کی حقیقت اور اس

---

[1] فلا تجزء لعبد اتفاقاً (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۳ص ۱۹۷۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الثانی)

ج -أن لا يكون رقيقا، ولو كان سيده فقيرا، لأن نفقته واجبة على سيده فهو غنى بغناه، إلا المكاتب فإنه يعطى له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲، ص ۲۰۰، مادة ''فقير'')

(وعبده) أى الغنى؛ لأن الملك يقع لمولاه وكذا للمدبر وأم الولد والمراد بالعبد الغير المديون المستغرق لما فى يده ورقبته، ولو كان جاز دفعها عند الإمام خلافا لهما (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۳، كتاب الزكاة، باب فى بيان احكام المصرف)

(و) لا إلى (مملوكه) أى الغنى ولو مدبرا أو زمنا ليس فى عيال مولاه أو كان مولاه غائبا على المذهب لأن المانع وقوع الملك لمولاه (غير المكاتب) والمأذون المديون بمحيط فيجوز (الدرالمختار)

(قوله :أى الغنى) احترز به عن مملوك الفقير فيجوز دفعها إليه كما فى منية المفتى ط (قوله :ولو مدبرا) مثله أم الولد كما فى البحر (ردالمحتار، ج۲ص ۳۴۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

ولا يجوز الصرف إلى عبد الغنى ومدبره وأم ولده؛ لأن الملك فى المدفوع نفع لمولاه وهو غنى فكان دفعا إلى الغنى، هذا إذا كان العبد محجورا أو كان مأذونا لكنه لم يكن عليه دين مستغرق لرقبته؛ لأن كسبه ملك المولى فالدفع يقع إلى المولى وهو غنى فلا يجوز ذلك.

وإن كان عليه دين مستغرق لكنه غير ظاهر فى حق المولى؛ لأنه يتأخر إلى ما بعد العتاق فكان كسبه ملك المولى وهو غنى.وأما إذا كان ظاهرا فى حق المولى كدين الاستهلاك ودين التجارة فينبغى أن يجوز على قول أبى حنيفة؛ لأن المولى لا يملك كسب عبده المأذون المديون دينا مستغرقا ظاهرا فى حقه وعندهما لا يجوز؛ لأنه يملك كسبه عندهما .ويجوز الدفع إلى مكاتب الغنى؛ لأن كسب المالك المكاتب ملكه من حيث الظاهر وإنما يملكه المولى بالعجز ولم يوجد (بدائع الصنائع، ج۲، ص۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذى يرجع إلى المؤدى إليه)

کی حفاظت کا پتہ نہیں، اور وہ مال کو پھینک دیتا ہے، یا کسی مجنون کو زکاۃ دی، تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اگرچہ وہ بچہ اپنے والد کو ہی وہ زکاۃ کا مال کیوں نہ حوالہ کردے، کیونکہ یہ ایسا ہی ہوجائے گا، جیسا کہ کوئی شخص زکاۃ کا مال کسی جگہ رکھ دے، پھر غریب آ کر وہاں سے اس مال کو اٹھالے، تو زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔

پس ایسی صورت میں زکاۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ اس نابالغ وناسمجھ بچہ یا مجنون وپاگل کو دیئے جانے والے زکاۃ کے مال پر اس کے والد یا ولی یا ایسے سرپرست کو قبضہ دیا جائے، جس کی عیالداری میں یہ ناسمجھ بچہ یا مجنون داخل ہے، پھر یہ والد یا ولی یا سرپرست اس مال کو اس بچہ یا مجنون کی ضروریات میں خرچ کرے گا۔ [1]

اور یہ بات زکاۃ کے مصرف کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہے کہ نابالغ بچہ کو زکاۃ دینا اس وقت جائز ہوتا ہے، جبکہ وہ بچہ خود بھی غریب ہو، اور اس کا والد بھی غریب ہو۔ [2]

---

[1] ولا بد من قيد آخر، وهو مع قبض معتبر احترازا عما لو دفع للصبى الفقير غير العاقل والمجنون فإنه لا يجوز. وإن دفعها الصبى إلى أبيه قالوا :لا يجوز .كما لو وضع زكاته على دكان فجاء الفقير وقبضها لا يجوز، فلا بد فى ذلك من أن يقبضها لهما الأب أو الوصى أو من كانا فى عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه، والملتقط يقبض للقيط(فتح القدير، ج۲ص ۲۷۰، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

وإذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها الفقير أو من له ولاية على الفقير نحو الأب والوصى يقبضان للصبى والمجنون أو من كان فى عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه والملتقط يقبض للقيط ولو دفع الزكاة إلى صبى لا يعقل أو مجنون فدفع الصبى إلى أبويه أو وصيه قالوا لا يجوز ولو قبض الصبى وهو مراهق جاز وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمى به ولا يخدع عنه (فتاوىٰ قاضيخان، ج۱ص ۱۸۵، كتاب الزكاة)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصى يقبضان للصبى والمجنون كذا فى الخلاصة .أو من كان فى عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه والملتقط يقبض للقيط .ولو دفع الزكاة إلى مجنون أو صغير لا يعقل فدفع إلى أبويه أو وصيه قالوا لا يجوز كما لو وضع على دكان ثم قبضها فقير لا يجوز(الفتاوىٰ الهندية، ج۱ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع)

[2] ولا تجزء عند الحنفية لصغير غير مراهق (ما دون السابعة) ولا مجنون إلا إذا قبض عن الصغير والمجنون لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصى وغيرهما، وتجوز عندهم لصبيان أقاربه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کوئی بچہ نابالغ تو ہے، مگر وہ بالغ ہونے کے قریب اور سمجھدار ہے، جو کہ زکاۃ میں حاصل ہونے والے مال پر قبضہ کی حقیقت کو سمجھتا ہے، بایں طور کہ وہ اس مال کو پھینکتا نہیں، اور اس سے دھوکہ نہیں کھاتا، تو پھر ایسے نابالغ بچہ کو براہِ راست زکاۃ دینا بھی درست ہوجائے گا، بشرطیکہ وہ بچہ خود مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو، اور اسی طرح سے اگر اس کا والد زندہ وموجود ہو، تو وہ بھی مالدار وصاحبِ نصاب نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ المميزين في مناسبة عيد أوغيره، ولا يجوز دفع الزكاة لولد الغني إذا كان صغيراً، لأن الولد الصغير يعد غنياً بغنى أبيه، ويجوز إعطاؤها له إذا كان كبيراً فقيراً؛ لأنه لايعد غنياً بمال أبيه، فكان كالأجنبي، كما لا يعد الأب غنياً بغنى ابنه، ولا الزوجة بغنى زوجها، ولا الطفل بغنى أمه.واشترط الشافعية أن يكون قابض الزكاة رشيداً :وهو البالغ العاقل حسن التصرف، فلا تجزء لصبي أو مجنون أو سفيه ديانة كتارك الصلاة إلا أن يقبضها له وليه لسفهه أو قصوره.

واشترط المالكية أن يكون عامل الزكاة بالغاً، فلا تعطى الزكاة لقاصر.

أما الحنابلة:فأجازوا دفع الزكاة إلى الكبير والصغير، سواء أكل الطعام أو لم يأكل، والمجنون، لكن يقبضها ولي الصغير والمجنون عنهما، أو القيّم عليهما، روى الدارقطني عن أبي جحيفة قال :بعث رسول الله صلّى الله عليه وسلم ساعياً، فأخذ الصدقة من أغنيائنا، فردها في فقرائنا، وكنت غلاماً يتيماً لا مال لي، فأعطاني قَلُوصاً أي ناقة شابة(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الثاني)

أما الولد الصغير الذي أبوه غني فلا تدفع إليه الزكاة لأنه يعد غنيا بيسار أبيه، وسواء كان الصغير في عيال أبيه أم لا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۱۵،مادة ”زكاة“)

وأما ولد الغني فإن كان صغيرا لم يجز الدفع إليه وإن كان فقيرا لا مال له؛ لأن الولد الصغير يعد غنيا بغنى أبيه وإن كان كبيرا فقيرا يجوز؛ لأنه لا يعد غنيا بمال أبيه فكان كالأجنبي (بدائع الصنائع،ج۲،ص۴۷،كتاب الزكاة،فصل الذي يرجع إلى المؤدي إليه)

(و) لا إلى (طفله)بخلاف ولده الكبير(الدر المختار)

(قوله :ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو أنثى في عيال أبيه أولا على الأصح لما عنده أنه يعد غنيا بغناه نهر (رد المحتار، ج۲،ص ۳۵۰،كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة والعشر)

[۱] ولو قبض الصبي وهو مراهق جاز وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه(فتاویٰ قاضيخان، ج ۱ ص ۱۸۵، كتاب الزكاة)

ولو قبض الصغير، وهو مراهق جاز، وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمي، ولا يخدع عنه(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع)

(وطفله) ؛ لأنه يعد غنيا بغناء أبيه عرفا ولا يخفى أن في الإضافة إشارة إلى جواز الصرف إلى طفل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... اگر کوئی شخص بالغ تو ہے، اور اسی کے ساتھ عاقل بھی ہے، مگر کم عقل یا کم سمجھ ہے، تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... اگر کسی نے نابالغ مگر سمجھدار، زکاۃ کے مستحق بچے کو جو کہ مالدار نہیں تھا، اور نہ ہی اس کا والد مالدار تھا، کسی تقریب یا خوشی کے موقع پر (مثلاً عیدین کے موقع پر یا ختنہ وغیرہ کے موقع پر) کوئی نقدی یا دوسرا مال ہدیہ وگفٹ کے عنوان سے پیش کیا، اور اس کو دیتے وقت زکاۃ کی نیت کر لی، تب بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ زکاۃ کے لئے نیت کا ہونا کافی ہے، زبان سے اس کا اظہار کرنا ضروری نہیں، اور کسی دوسرے عنوان سے بھی زکاۃ ادا کرنا درست ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل ''زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کے احکام'' میں ذکر کر دی گئی ہے، وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفقير (بخلاف ولده الكبير) وإن كانت نفقته على الأب الغني؛ لأنه لا يعد غنيا بغنائه(مجمع الانهر، ج ا ص ۲۲۳، ۲۲۴، كتاب الزكاة، باب في بيان احكام المصرف)

ولو كان الصبي مراهقا أو يعقل القبض بأن كان لا يرمى به ويخدع عنه يجوز(فتح القدير، ج۲ص ۲۷۰، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

[1] والدفع إلى المعتوه مجزء(فتح القدير، ج۲ص ۲۷۰، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

ولو دفع إلى معتوه فقير جاز(فتاوىٰ قاضيخان، ج ا ص ۱۸۵، كتاب الزكاة)

ولو دفع إلى فقير معتوه جاز كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع)

[2] نوى الزكاة بما يدفع لصبيان أقربائه أو لمن يأتيه بالبشارة أو يأتي بالباكورة أجزأه، ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية (الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع)

ولا يشترط علم آخذ الزكاة أنها زكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۳، مادة "زكاة")

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

(فصل نمبر۳)

ہاشمی یا بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کے احکام

اکثر فقہائے کرام نے عام حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت داروں کو زکاۃ کا دینا ناجائز قرار دیا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قرابت داروں یعنی بنو ہاشم جن کو ہاشمی بھی کہا جاتا ہے، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک عام حالات میں ان کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ قرابت دار ضرورت مند ہوں، تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ ویسے دوسرے طریقوں (مثلاً عطیات وغیرہ) سے ان کی مدد کریں اور اس کو اپنی سعادت سمجھیں۔

اور بنو ہاشم یا ہاشمی وہ حضرات کہلاتے ہیں کہ جو یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں (جن میں سید ذات کے افراد بھی داخل ہیں، یعنی جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مشترک نسب سے تعلق رکھتے ہوں) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں۔ [2]

---

[1] أصناف الذين لا يجوز إعطاؤهم من الزكاة: آل النبى محمد صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۵، مادة "زكاة")

[2] اور فقہائے کرام کے نزدیک ابولہب کا نسب اس میں داخل نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابولہب کی قرابت کو شریعت نے باطل قرار دے دیا ہے۔

ولا يجوز أن يعطى من الزكاة فقراء بنى هاشم، ولا مواليهم، قال عليه السلام الصدقة محرمة على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص رشتہ دار ''بنو مطلب'' کو زکاۃ دینا جائز ہے، جبکہ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بنی هاشم ومولى القوم من أنفسهم، وقال عليه السلام :يا بنى هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس، وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنيمة .

قال :وبنو هاشم الذى تحرم عليهم الصدقة آل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل على، وولد الحارث بن عبد المطلب؛ لأن الله تعالى إنما حرم الصدقة على من عوضه عنه خمس الخمس من الغنيمة، وهو خمس ذوى القربى، ومنهم ذوى القربى يختص هؤلاء ، فكذا تحرم الصدقة، وإنما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والبذور والكفارات، فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس؛ لأن فى الواجب المؤدى نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى بمنزلة من استعمل الماء فى الوضوء ، وهو معنى قوله يا بنى هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس(المحيط البرهانى، ج۲ص ۲۸۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن)

قال :(ولا إلى هاشمى) لقوله -صلى الله عليه وسلم :-يا بنى هاشم إن الله حرم عليكم أوساخ الناس وعوضكم عنها بخمس الخمس وهم :آل عباس، وآل على، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبد المطلب، لأنهم ينتسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ولأن هؤلاء هم المستحقون لخمس الخمس، وهو سهم ذوى القربى دون غيرهم من الأقارب، فالله تعالى حرم الصدقة على فقرائهم وعوضهم بخمس الخمس، فيختص تحريم الصدقة بهم، ويبقى من سواهم من الأقارب كالأجانب فتحل لهم الصدقة(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(ولا) تدفع (إلى هاشمى من آل على أو عباس أو جعفر أو عقيل) بفتح العين (أو الحارث بن عبد المطلب، ولو كان عاملا عليها) أى على الزكاة لقوله -عليه الصلاة والسلام -إن هذه الصدقات إنما هى أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا آل محمد والعباس والحارث ابنا عبد المطلب وعلى وجعفر وعقيل أولاد أبى طالب -رضى الله تعالى عنهم - ، وفائدة التخصيص بهؤلاء أنه يجوز الدفع إلى من عداهم من بنى هاشم كذرية أبى لهب كما فى الجوهرة وهو ظاهر الرواية(مجمع الانهر، ج ا ص ۲۲۴، كتاب الزكاة، باب فى بيان احكام المصرف)

ولا يدفع إلى بنى هاشم، وهم آل على وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب كذا فى الهداية ويجوز الدفع إلى من عداهم من بنى هاشم كذرية أبى لهب؛ لأنهم لم يناصروا النبى -صلى الله عليه وسلم -كذا فى السراج الوهاج .هذا فى الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم كذا فى الكافى، وكذا لا يدفع إلى مواليهم كذا فى العينى شرح الكنز .ويجوز صرف خمس الركاز والمعدن إلى فقراء بنى هاشم كذا فى الجوهرة النيرة(الفتاوى الهندية، ج ا ،ص ۸۹، كتاب الزكاة ،الباب السابع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بنو ہاشم کی طرح بنو مطلب کو بھی زکاۃ دینا جائز نہیں۔ ل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حكم أخذ آل البيت من الصدقة المفروضة:

إن آل محمد صلى الله عليه وسلم المذكورين لا يجوز دفع الزكاة المفروضة إليهم باتفاق فقهاء المذاهب الأربعة، لقوله عليه الصلاة والسلام :يا بنى هاشم إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم، وعوضكم عنها بخمس الخمس.

والذين ذكروا ينسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ونسبة القبيلة إليه.

وخرج أبو لهب -وإن كان من الآل -فيجوز الدفع إلى بنيه، لأن النص أبطل قرابته، وهو قوله صلى الله عليه وسلم لا قرابة بينى وبين أبى لهب، فإنه آثر علينا الأفجرين ولأن حرمة الصدقة على بنى هاشم كرامة من الله لهم ولذريتهم، حيث نصروه صلى الله عليه وسلم فى جاهليتهم وفى إسلامهم. وأبو لهب كان حريصا على أذى النبى صلى الله عليه وسلم، فلم يستحقها بنوه .وهذا هو المذهب عند كل من الحنفية والحنابلة .وفى قول آخر فى كلا المذهبين :يحرم إعطاء من أسلم من آل أبى لهب، لأن مناط الحكم كونهم من بنى هاشم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ا، ص ١٠٠، الیٰ ص ١٠٢، مادة "آل")

ل ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے درجہ کے دادا کا نام عبد مناف تھا، جن کے چار بیٹے تھے، ایک کا نام ہاشم، دوسرے کا نام مطلب، تیسرے کا نام نوفل اور چوتھے کا نام عبد شمس تھا، تو حنفیہ کے نزدیک ہاشم کی اولاد کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور اسی نسبت سے ایسے حضرات کو ہاشمی کہا جاتا ہے، اور ہاشم کے باقی بھائیوں کی اولاد کو زکاۃ دینا جائز ہے۔

جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مطلب کی اولاد کو بھی زکاۃ دینا ناجائز ہے، جن کو بنی مطلب کہا جاتا ہے۔

(و) لا إلى (بنى هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب، فتحل لمن أسلم منهم كما تحل لبنى المطلب(الدرالمختار)

(قوله :وبنى هاشم إلخ) اعلم أن عبد مناف وهو الأب الرابع للنبى -صلى الله عليه وسلم -أعقب أربعة وهم :هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة انقطع نسل الكل إلا عبد المطلب فإنه أعقب اثنى عشر تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء إلا أولاد عباس وحارث وأولاد أبى طالب من على وجعفر وعقيل قهستانى، وبه علم أن إطلاق بنى هاشم مما لا ينبغى إذ لا تحرم عليهم كلهم بل على بعضهم ولهذا قال فى الحواشى السعدية :إن آل أبى لهب ينسبون أيضا إلى هاشم وتحل لهم الصدقة .اهـ(ردالمحتار، ج٢ص ٣٥٠، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

المطلبى هو من ينسب إلى المطلب بن عبد مناف، وهو أخو هاشم بن عبد مناف، الجد الثانى لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

الأحكام المتعلقة بالمطلبى:

وردت الأحكام المتعلقة ببنى المطلب فى مواضع من كتب الفقهاء منها:

أ -دفع الزكاة إليهم:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو زکاۃ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اختلف الفقهاء فی جواز دفع الزكاة لبنی المطلب بن عبد مناف.
فذهب الجمهور -وهم الحنفية والمالكية والحنابلة فی رواية -إلى أنه يجوز دفع الزكاة إلى بنی المطلب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨ص١١٢، مادة " مطلبی")
ذهب الحنفية والمالكية إلى أنه يجوز دفع الزكاة لبنی المطلب، وعليه فيجوز كونه عاملا وآخذ الأجرة من الزكاة .
واختلف أصحاب الشافعی -وهم الذين حرموا على بنی المطلب الزكاة -فی ذلک على وجهين مشهورين.
أحدهما - :وهو الأصح عند جمهور الأصحاب -لا يجوز لحديث عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث رضی الله عنه أنه والفضل بن عباس رضی الله عنهما أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألاه أن يؤمرهما على بعض الصدقات، فيؤديانه إليه كما يؤدی الناس، ويصيبا كما يصيبون فسكت طويلا ثم قال :إن الصدقة لا تنبغی لآل محمد، إنما هی أوساخ الناس، وفی رواية :إن هذه الصدقات إنما هی أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد.
والثانی :يجوز للمطلبی أن يكون عاملا فی الزكاة لأن ما يأخذه على وجه العوض، فلو استعمله الإمام مثلا فی الحفظ أو النقل جاز، وله أجرته، قال النووی رحمه الله :قال أصحابنا الخراسانيون : هذان الوجهان مبنيان على أن ما يأخذه العامل هل هو أجرة أو صدقة؟ وفيه وجهان فإن قلنا :هو أجرة جاز وإلا فلا، وهو يشبه الإجارة من حيث التقدر بأجرة المثل، ويشبه الصدقة من حيث أنه لا يشترط عقد إجارة، ولا مدة معلومة ولا عمل معلوم.
والخلاف فيمن طلب على عمله سهما من الزكاة، فأما إذا تبرع بعمله بلا عوض، أو دفع الإمام إليه أجرته من بيت المال فإنه يجوز كونه هاشميا، أو مطلبيا بلا خلاف، قال الماوردی :يجوز كونه هاشميا، ومطلبيا إذا أعطاه الإمام من سهم المصالح .
وعند الحنابلة لا يجوز أن يكون المطلبی عاملا على الزكاة إذا أخذ أجرته منها، أما إذا دفعت له أجرته من غير الزكاة فإنه يجوز أن يكون عاملا عليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨، ص١١٣، مطلبی، مادة "آل")
واختلف فی بنی المطلب أخی هاشم هل تدفع الزكاة إليهم؟
فمذهب الحنفية، والمشهور عند المالكية، وإحدى روايتين عند الحنابلة، أنهم يأخذون من الزكاة، لأنهم دخلوا فی عموم قوله تعالى (إنما الصدقات للفقراء والمساكين) لكن خرج بنو هاشم لقول النبی صلى الله عليه وسلم إن الصدقة لا تنبغی لآل محمد فيجب أن يختص المنع بهم.
ولا يصح قياس بنی المطلب على بنی هاشم، لأن بنی هاشم أقرب إلى النبی صلى الله عليه وسلم وأشرف، وهم آل النبی صلى الله عليه وسلم ومشاركة بنی المطلب لهم فی خمس الخمس لم يستحقوه بمجرد القرابة، بدليل أن بنی عبد شمس وبنی نوفل يساوونهم فی القرابة ولم يعطوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دینا جائز ہے، کیونکہ صرف ازواجِ مطہرات ہونے کی وجہ سے وہ ہاشمی نہیں کہلاتیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، بنو ہاشم کو زکاۃ کے علاوہ واجب صدقات مثلاً قسم، ظہار اور قتل کا کفارہ وغیرہ بھی دینا جائز نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

شيئا، وإنما شاركوهم بالنصرة، أو بهما جميعا، والنصرة لا تقتضى منع الزكاة.

ومذهب الشافعية والقول غير المشهور عند المالكية وإحدى الروايتين عن الحنابلة، أنه ليس لبنى المطلب الأخذ من الزكاة، لقول النبى صلى الله عليه وسلم إنا وبنو المطلب لم نفترق فى جاهلية ولا إسلام .إنما نحن وهم شيء واحد وفى رواية إنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد .وشبك بين أصابعه ولأنهم يستحقون من خمس الخمس، فلم يكن لهم الأخذ، كبنى هاشم .وقد أكد ذلك ما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم علل منعهم الصدقة باستغنائهم عنها بخمس الخمس، فقال صلى الله عليه وسلم :أليس فى خمس الخمس ما يغنيكم؟

هذا وقد روى أبو عصمة عن أبى حنيفة أنه يجوز الدفع إلى بنى هاشم فى زمانه.

والمشهور عند المالكية أن محل عدم إعطاء بنى هاشم من الزكاة إذا أعطوا ما يستحقونه من بيت المال، فإن لم يعطوا، وأضر بهم الفقر أعطوا منها .وإعطاؤهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم.

وقيده الباجى بما إذا وصلوا إلى حالة يباح لهم فيها أكل الميتة، لا مجرد ضرر .والظاهر خلافه وأنهم يعطون عند الاحتياج ولو لم يصلوا إلى حالة إباحة أكل الميتة، إذ إعطاؤهم أفضل من خدمتهم لذمى أو ظالم.

وقال الشافعية :إنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الزكاة، وإن حبس عنهم الخمس، إذ ليس منعهم منه يحل لهم ما حرم عليهم من الصدقة، خلافا لأبى سعيد الإصطخرى الذى قال :إن منعوا حقهم من الخمس جاز الدفع إليهم، لأنهم إنما حرموا الزكاة لحقهم فى الخمس، فإذا منعوا منه وجب أن يدفع إليهم .

والظاهر من إطلاق المنع عند الحنابلة أنه تحرم على الآل الصدقة وإن منعوا حقهم فى الخمس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، الیٰ ص ۱۰۲، مادة "آل")

[1] أما أزواجه صلى الله عليه وسلم فذكر أبو الحسن بن بطال فى شرح البخارى أن الفقهاء كافة اتفقوا على أن أزواجه عليه الصلاة والسلام لا يدخلن فى آله الذين حرمت عليهم الصدقة،لكن فى المغنى عن عائشة رضى الله عنها ما يخالف ذلك .قال :روى الخلال بإسناده عن ابن أبى مليكة أن خالد بن سعيد بن العاص بعث إلى عائشة رضى الله عنها سفرة من الصدقة، فردتها، وقالت :إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة .قال صاحب المغنى :وهذا يدل على أنهن من أهل بيته فى تحريم الزكاة .وذكر الشيخ تقى الدين أنه يحرم عليهن الصدقة وأنهن من أهل بيته فى أصح الروايتين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، مادة "آل")

البتہ حنابلہ کے نزدیک بعض واجب صدقات (مثلاً نذرومنت کے مال) کا دینا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... بنوہاشم کو حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک نفلی صدقات کا دینا جائز ہے، اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک زکاۃ اور واجب صدقات کے علاوہ نفل صدقات کا دینا بھی ناجائز یا کم ازکم مکروہ ہے۔ [2]

---

[1] وكذلك الحكم فيما سوى الزكاة من الصدقات الواجبات كصدقة الفطر والكفارات والعشور والنذور وغير ذلك، لأنها في معنى الزكاة، فإنه يطهر نفسه بأداء الواجب وإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، بخلاف صدقة التطوع حيث تحل للهاشمي لأنها لا تدنس كالوضوء للتبرد(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ١٢١، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

أخذ الآل من الكفارات والنذور وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف:

ذهب الحنفية والمالكية والشافعية إلى أنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الأخذ من كفارة اليمين والظهار والقتل وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف .وهو رواية عند الحنابلة في الكفارات، لأنها أشبهت الزكاة .وعن أبي يوسف من الحنفية أنه يجوز لهم أخذ غلة الوقف إذا كان الوقف عليهم، لأن الوقف عليهم حينئذ بمنزلة الوقف على الأغنياء .

فإن كان على الفقراء ، ولم يسم بني هاشم، لا يجوز.

وصرح في "الكافي "بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف، فقال : وأما التطوع والوقف، فيجوز الصرف إليهم، لأن المؤدي في الواجب يطهر نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المال المؤدى، كالماء المستعمل، وفي النفل يتبرع بما ليس عليه، فلا يتدنس به المؤدي . اهـ

قال صاحب فتح القدير :والحق الذي يقتضيه النظر إجراء صدقة الوقف مجرى النافلة، فإن ثبت في النافلة جواز الدفع، يجب دفع الوقف، وإلا فلا، إذ لا شك في أن الواقف متبرع بتصدقه بالوقف، إذ لا إيقاف واجب.

وذهب الحنابلة إلى جواز أخذ الآل من الوصايا لأنها تطوع، وكذا النذور، لأنها في الأصل تطوع، فأشبه ما لو وصى لهم .وعلى ذلك يجوز لهم الأخذ منهما.

وفي الكفارة عندهم وجه آخر بالجواز، لأنها ليست بزكاة ولا هي أوساخ الناس، فأشبهت صدقة التطوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص١٠٢، وص١٠٣، مادة "آل")

[2] حكم أخذ الآل من صدقة التطوع:

للفقهاء في هذه المسألة ثلاثة اتجاهات:

الأول :الجواز مطلقا، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد، لأنها ليست من أوساخ الناس، تشبيها لها بالوضوء على الوضوء .

الثاني :المنع مطلقا، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد أيضا، وهي الأظهر عند

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بنوہاشم کے غلاموں کو بھی زکاۃ دینا جائز نہیں، خواہ وہ آزاد کردہ غلام ہی کیوں نہ ہوں۔ [1]

مسئلہ نمبر۷ ...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ہاشمی کو اپنے مال کی زکاۃ دوسرے ہاشمی کو دینا بھی جائز نہیں، البتہ امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق ہاشمی کو اپنے مال کی زکاۃ دوسرے ہاشمی کو دینا جائز ہے، اور بعض حضرات نے ضرورت کی وجہ سے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے، جیسا کہ آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحنابلة، لأن النصوص الواردة فی النهی عن أخذ آل البیت من الصدقة عامة، فتشمل المفروضة والنافلة.

الثالث: الجواز مع الكراهة، وهو مذهب المالكية، جمعا بین الأدلة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱، ص ۱۰۳، مادة "آل")

[1] قال الحنفیة والحنابلة، وهو الأصح عند الشافعیة وقول عند المالكیة: إن موالی آل النبی صلی الله علیه وسلم وهم من أعتقهم هاشمی أو مطلبی، حسب الخلاف السابق، لا یعطون من الزكاة، مستدلین بما روی أبو رافع أن رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة، فقال لأبی رافع: اصحبنی كیما تصیب منها. فقال: لا، حتی آتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فأسأله، فانطلق إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله، فقال: إنا لا تحل لنا الصدقة، وإن مولی القوم منهم ولأنهم ممن یرثهم بنو هاشم بالتعصیب، فلم یجز دفع الصدقة إلیهم كبنی هاشم وهم بمنزلة القرابة، بدلیل قوله صلی الله علیه وسلم الولاء لحمة كلحمة النسب وثبت لهم حكم القرابة من الإرث والعقل والنفقة، فلا یمتنع تحریم الصدقة علیهم. وإذا حرمت الصدقة علی موالی الآل، فأرقاؤهم ومكاتبوهم أولی بالمنع، لأن تملیك الرقیق یقع لمولاه، بخلاف العتیق.

والمعتمد عند المالكیة جواز دفع الصدقة لموالی آل البیت، لأنهم لیسوا بقرابة النبی صلی الله علیه وسلم فلم یمنعوا الصدقة، كسائر الناس، ولأنهم لم یعوضوا عنها بخمس الخمس، فإنهم لا یعطون منه، فلم یجز أن یحرموها، كسائر الناس (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱، ص ۱۰۳، وص ۱۰۴، مادة "آل")

[2] یری أبو یوسف من الحنفیة، وهو روایة عن الإمام، أنه یجوز للهاشمی أن یدفع زكاته إلی هاشمی مثله، قائلین: إن قوله علیه الصلاة والسلام یا بنی هاشم، إن الله كره لكم غسالة أیدی الناس وأوساخهم، وعوضكم منها بخمس الخمس لا ینفیه، للقطع بأن المراد من "الناس" غیرهم لأنهم المخاطبون بالخطاب المذكور، والتعویض بخمس الخمس عن صدقات الناس لا یستلزم كونه عوضا عن صدقات أنفسهم (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱، ص ۱۰۴، مادة "آل")

مسئلہ نمبر۸...... اگر حکومت کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے ہاشمی کو عامل مقرر کیا جائے، تو حنفیہ کے اصح قول اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عامل ہونے کی صورت میں بھی بنوہاشم کو زکاۃ دینا جائز نہیں، البتہ اکثر حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔ [1]

اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بنوہاشم عامل کو اس کی اجرت ومعاوضہ میں زکاۃ دینا جائز مگر مکروہ ہے، اور حنفیہ میں سے امام طحاوی کا رجحان اس کے جائز ہونے کی طرف ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۹...... دوسرے فقہائے کرام کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرُ الروایۃ کے

---

[1] قال الحنفية في الأصح عندهم، والمالكية والشافعية وبعض الحنابلة، وهو ظاهر قول الخرقي :إنه لا يحل للهاشمي أن يكون عاملا على الصدقات بأجر منها، تنزيها لقرابة النبي صلى الله عليه وسلم عن شبهة الوسخ، ولما روى عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه اجتمع ربيعة والعباس بن عبد المطلب، فقالا :لو بعثنا هذين الغلامين لي وللفضل بن العباس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرهما على الصدقة، فأصابا منها كما يصيب الناس .فقال علي :لا ترسلوهما . فانطلقنا حتى دخلنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يومئذ عند زينب بنت جحش، فقلنا: يا رسول الله، قد بلغنا النكاح وأنت أبر الناس وأوصل الناس، وجئناك لتؤمرنا على هذه الصدقات، فنؤدي إليك كما يؤدي الناس، ونصيب كما يصيبون .قال :فسكت طويلا، ثم قال :إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد، إنما هي أوساخ الناس.

وفي قول للحنفية :إن أخذ الهاشمي العامل على الصدقات مكروه تحريما لا حرام

وجوز الشافعية أن يكون الحمال والكيال والوزان والحافظ هاشميا أو مطلبيا.

وأكثر الحنابلة على أنه يباح للآل الأخذ من الزكاة عمالة، لأن ما يأخذونه أجر، فجاز لهم أخذه، كالحمال وصاحب المخزن إذا آجرهم مخزنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۴، وص ۱۰۵، مادة "آل")

[2] وخالف أبا يوسف رحمه الله في ذلك آخرون ,فقالوا :لا بأس أن يجتعل منها الهاشمي , لأنه إنما يجتعل على عمله ,وذلك قد يحل للأغنياء .فلما كان هذا لا يحرم على الأغنياء الذين يحرم عليهم غناهم الصدقة ,كان كذلك أيضا في النظر ,لا يحرم ذلك على بني هاشم الذين يحرم عليهم نسبهم أخذ الصدقة.وقد روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما تصدق به على بريرة أنه أكل منه وقال :هو عليها صدقة، ولنا هدية......فلما كان ما تصدق به على بريرة جائزا للنبي صلى الله عليه وسلم أكله لأنه إنما ملكه بالهدية ,جاز أيضا للهاشمي أن يجتعل من الصدقة ,لأنه إنما يملكه بعمله ,لا بالصدقة .فهذا هو النظر ,وهو أصح مما ذهب إليه أبو يوسف رحمه الله في ذلك(شرح معاني الآثار، ج۲ ص ۱۱ الیٰ ۱۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم)

مطابق بھی بنوہاشم کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور فقہ حنفی میں بہت سے حضرات کی طرف سے اسی قول کو راجح قرار دیا جاتا رہا ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے اور کئی اہلِ علم حضرات کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ موجودہ زمانہ میں بنوہاشم کو زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنوہاشم، غریب اور تنگ دستوں کی ضرورت کے لئے زکاۃ کے عوض میں مالِ غنیمت وغیرہ دیا جاتا تھا، اور اب مالِ غنیمت اور اسلامی حکومتوں کی طرف سے اس کا نظم موجود نہیں، اس لئے اب ان کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور کئی حضرات کا فتویٰ اسی پر ہے۔

جبکہ امام ابویوسف اور بعض حضرات کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنوہاشم کا ایک دوسرے کو زکاۃ دینا جائز ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی راجح یہ ہے کہ موجودہ دور میں جبکہ بنوہاشم کو مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ نہیں ملتا، ایسے حالات میں ضرورت مند فقراء ومساکین بنوہاشم کو زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کا دینا ولینا جائز ہے، جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل ورسائل کے ضمن میں مستقل رسالہ کے تحت ذکر کردی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

مسئلہ نمبر۱۰...... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک کسی شخص کا نسب ثابت ہونے کے لئے سماع اور تسامع یا کسی نسب کی شہرت کافی ہے، اور کسی کے نسب کا مشاہدہ کرنا ضروری نہیں۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک کسی کے نسب کی سن کر گواہی دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نسب مشہور ہو۔ [1]

---

[1] ح -السماع -ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النسب يثبت بالشهادة بالسماع للضرورة .
قال ابن المنذر :أما النسب فلا أعلم أحدا من أهل العلم منع منه، ولو منع ذلك لاستحالت معرفة الشهادة به، إذ لا سبيل إلى معرفته قطعا بغيره، ولا تمكن المشاهدة فيه، ولو اعتبرت المشاهدة لما عرف أحد أباه ولا أمه ولا أحدا من أقاربه .
واشترط الحنفية لقبول الشهادة بالتسامع أن يكون النسب مشهورا، جاء فى الفتاوى الهندية : الشهادة بالشهرة فى النسب وغيره بطريقتين :الحقيقة والحكمية .فالحقيقة :أن تشتهر وتسمع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس اصول کی بناء پر جولوگ بنوہاشم کے کسی نسب کے ساتھ مشہور ہیں، تواس شہرت کی وجہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من قوم كثير لا يتصور تواطؤهم على الكذب، ولا تشترط في هذه العدالة، ولا لفظ الشهادة بل يشترط التواتر.

والحكمية أن يشهد عنده رجلان أو رجل وامرأتان عدول بلفظ الشهادة كذا في الخلاصة، هذا إذا شهدا عنده من غير استشهاد هذا الرجل، فإنه ذكر محمد في كتاب الشهادات أنه إذا لقي رجلين عدلين شهدا عنده على نسبه وعرفا حاله وسعه أن يشهد، ولو أقام هذا الرجل عنده شاهدين شهدا على نسبه لم يسعه أن يشهد.

ولو أن رجلا نزل بين ظهراني قوم وهم لا يعرفونه وقال :أنا فلان بن فلان، قال محمد :لا يسعهم أن يشهدوا على نسبه حتى يلقوا من أهل بلده رجلين عدلين فيشهدان عندهم على نسبه، قال الجصاص في شرح هذا الكتاب :وهو الصحيح كذا في شرح أدب القاضي للصدر الشهيد.

وقال الحنفية أيضا :ولا يشهد أحد بما لم يعاينه بالإجمال إلا في عشرة منها النسب، فله الشهادة به إذا أخبره به من يثق الشاهد به من خبر جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب بلا شرط عدالة أو شهادة عدلين.

قال المالكية :الشهادة على السماع عند مالك وأصحابه جائزة في النسب المشهور.

وقال ابن القاسم :لا يثبت بذلك نسب، إنما يستحق به المال، إلا أن يكون أمرا مشتهرا مثل نافع مولى ابن عمر.

واشترط الشافعية الاستفاضة أيضا، لأن النسب أمر لا مدخل للرؤية فيه، وغاية الممكن رؤية الولادة على الفراش، لكن النسب إلى الأجداد المتوفين والقبائل القديمة لا تتحقق فيه الرؤية، فدعت الحاجة إلى اعتماد الاستفاضة، ولو من الأم قياسا على الأب.

وذكر النووي أن مما تجوز فيه الشهادة بالتسامع -وهو الاستفاضة -النسب، وقال :يجوز أن يشهد بالتسامع أن هذا الرجل ابن فلان، أو هذه المرأة -إذا عرفها بعينها -بنت فلان، أو أنهما من قبيلة كذا .ويثبت النسب من الأم بالتسامع أيضا على الأصح، وقيل :قطعا كالأب، ووجه المنع إمكان رؤية الولادة.

ثم ذكر الشافعي والأصحاب في صفة التسامع أنه ينبغي أن يسمع الشاهد المشهود بنسبه، فينسب إلى ذلك الرجل أو القبيلة، والناس ينسبونه إليه، وهل يعتبر في ذلك التكرار وامتداد مدة السماع؟ قال كثيرون :نعم، وبهذا أجاب الصيمري، وقال آخرون:

لا، بل لو سمع انتساب الشخص وحضر جماعة لا يرتاب في صدقهم فأخبروه بنسبه دفعة واحدة، جاز له الشهادة، ورأى ابن كج القطع بهذا، وبه أجاب البغوي في انتسابه.

ويعتبر مع انتساب الشخص ونسبة الناس ألا يعارضهما ما يورث تهمة وريبة، فلو كان المنسوب إليه حيا وأنكر لم تجز الشهادة، وإن كان مجنونا جازت على الصحيح كما لو كان ميتا .ولو طعن بعض الناس في ذلك النسب، هل يمنع جواز الشهادة؟ وجهان :أصحهما :نعم، لاختلاف الظن.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان کو بنو ہاشم کا حکم حاصل ہوگا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والمعتبر فی الاستفاضة أوجه:
الأول :وهو أصحها أنه يشترط أن يسمعه من جمع كثير يقع العلم أو الظن القوى بخبرهم ويؤمن تواطؤهم على الكذب، وهذا هو الذى رجحه الماوردى وابن الصباغ والغزالى، وهو أشبه بكلام الشافعي.
والثانى :يكفى عدلان، اختاره أبو حامد وأبو حاتم، ومال إليه الإمام.
والثالث :يكفى خبر واحد إذا سكن القلب إليه، حكاه السرخسى وغيره .فعلى الأولى ينبغى ألا يشترط العدالة ولا الحرية ولا الذكورة.
ولو سمع رجلا لآخر :هذا ابنى وصدقه الآخر أو قال :أنا ابن فلان، وصدقه فلان، قال كثير من الأصحاب :يجوز أن يشهد به على النسب، وكذا لو استلحق صبيا أو بالغا وسكت، لأن السكوت فى النسب كالإقرار، وفى المهذب وجه أنه لا يشهد عند السكوت إلا إذا تكرر عنده الإقرار والسكوت، والذى أجاب به الغزالى :أنه لا تجوز الشهادة على النسب بذلك، بل يشهد والحالة هذه على الإقرار، وهذا قياس ظاهر.
ويوافق الحنابلة الشافعية كذلك فى اشتراط العدد أو الاستفاضة بالنسبة للنسب .جاء فى المغنى:
وما تظاهرت به الأخبار واستقرت معرفته فى قلبه شهد به، وهو ما يعلمه بالاستفاضة، وأجمع أهل العلم على صحة الشهادة بها فى النسب والولادة.
وكلام أحمد والخرقى يقتضى ألا يشهد بالاستفاضة حتى تكثر به الأخبار ويسمعه من عدد كثير يحصل به العلم، يقول الخرقى :فيما تظاهرت به الأخبار واستقرت معرفته فى القلب، يعنى حصل العلم به، وذكر القاضى فى "المجرد "أنه يكفى أن يسمع من اثنين عدلين ويسكن قلبه إلى خبرهما، لأن الحقوق تثبت بقول اثنين، وهذا قول المتأخرين من أصحاب الشافعى، والقول الأول هو الذى يقتضيه لفظ الاستفاضة، فإنها مأخوذة من فيض الماء لكثرته، ولأنه لو اكتفى فيه بقول اثنين لا يشترط فيه ما يشترط فى الشهادة على الشهادة، وإنما اكتفى فيه بمجرد السماع، وإذا سمع رجلا يقول لصبى :هذا ابنى، جاز له أن يشهد به، لأنه مقر بنسبه، وإن سمع الصبى يقول :هذا أبى، والرجل يسمعه فسكت جاز أن يشهد أيضا، لأن سكوت الأب إقرار له، والإقرار يثبت النسب فجازت الشهادة، وإنما أقيم السكوت ههنا مقام الإقرار، لأن الإقرار على الانتساب الباطل جائز بخلاف سائر الدعاوى، ولأن النسب يغلب فيه الإثبات، ألا ترى أنه يلحق بالإمكان فى النكاح؟ وذكر أبو الخطاب أنه يحتمل ألا يشهد مع السكوت حتى يتكرر، لأن السكوت ليس بإقرار حقيقى، وإنما أقيم مقامه، فاعتبرت تقويته بالتكرار، كما اعتبرت تقوية اليد فى العقار بالاستمرار(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ۴۰ص ۲۴۹ الیٰ ۲۵۲ ،مادة "نسب")

[1] والشهادة فى الأنساب تحل بالشهرة والتسامع، وكذا فيما له حكم النسب، ألا ترى أنا نقول : نافع مولى ابن عمر، وعكرمة مولى عبد الله بن عباس، كما نقول :عمر بن الخطاب رضى الله عنه،

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی شخص کے نسب کا قضیہ کسی قاضی وجج کی عدالت میں پہنچا، اور قاضی نے اس شخص کا کسی (مثلاً بنو ہاشم) سے نسب ثابت ہونے کا فیصلہ کر دیا، تو قاضی وجج کا یہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وعلى بن أبى طالب رضى الله عنه، وأبو حنيفة رحمه الله قال :إنما تحل الشهادة بالشهرة والتسامع فى النسب، لأنه يشتهر وقوعاً وبقاء فى الغالب على ما بيّنا(المحيط البرهانى، ج۸ص ۳۰۵، كتاب الشهادات، الفصل الاول)

وتجوز الشهادة بتسامع وشهرة فى أشياء منها النسب حتى لو سمع من الناس أن هذا فلان بن فلان الفلانى وسعه أن يشهد به ولو لم يعاين الولادة على فراشه وطريق المعرفة النسب أن يسمعه من جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب عند "ح "رحمه الله وعندهما لو أخبر به عدلان يكفى وقد مر فى فصل الإشارة أن الفتوى على قولهما (جامع الفصولين، ج ۱ ص ۱۰۱، كتاب الشهادات،الفصل الثانى عشر فيما تسمع فيه الشهادة بلا دعوى وفى الشهادة بتسامع)

قال :(ولا يجوز له أن يشهد بما لم يعاينه إلا النسب والموت والدخول والنكاح وولاية القاضى، وأصل الوقف) ، والقياس أنه لا يجوز، لأن الشهادة من المشاهدة وهى المعاينة ولم توجد .وجه الاستحسان أن هذه الأشياء تباشر بحضور جماعة مخصوصين وتتعلق بها أحكام مستمرة، فأقيمت الشهرة والاستفاضة مقام العيان والمشاهدة كيلا تتعطل هذه الأحكام، وعلى هذا الناس من الصدر الأول إلى يومنا هذا، ألا ترى أنا نشهد أن عائشة -رضى الله عنها -زوج النبى -صلى الله عليه وسلم -وكذلك سائر زوجاته وفاطمة -رضى الله عنها -زوجة على -رضى الله عنه -وغير ذلك، ونشهد بنسب النبى -صلى الله عليه وسلم -وأصحابه، ونشهد بقضاء شريح وابن أبى ليلى وأبى يوسف، ونشهد بموت الخلفاء الراشدين وغيرهم، والشهرة إنما تكون إما بالتواتر أو بإخبار من يثق به، حتى لو أخبره واحد يثق به جاز، واشترط بعضهم رجلين أو رجلا وامرأتين(الاختيار لتعليل المختار، ج ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴، كتاب الشهادات،فصل يجوز أن يشهد بكل ما سمعه أو أبصره من الحقوق والعقود)

إلا فى النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضى وأصل الوقف) فإن الشهادة بالتسامع جائزة فيها (إذا أخبر بها رجلان أو رجل وامرأتان عدولا) والقياس أن لا تجوز لأن الشهادة لا تجوز إلا بعلم كما مر ولا يحصل العلم إلا بالمشاهدة والعيان أو بالخبر المتواتر ولم يوجد فصار كالبيع والإجارة بل أولى لأن حكم المال أسهل من حكم النكاح وجه الاستحسان أن هذه الأمور تختص بمعاينة أسبابها خواص من الناس ويتعلق بها أحكام تبقى على انقضاء القرون وانقراض الأعصار فلو لم تقبل فيها الشهادة بالتسامع أدى إلى الحرج وتعطيل تلك الأحكام بخلاف البيع والهبة والإجارة ونحوها لأنه كلام يسمعه كل أحد وإنما يجوز أن يشهد بالتسامع إذا حصل له العلم بالتواتر أو بالاشتهار أو بإخبار من يثق به ويشترط أن يخبره رجلان عدلان أو رجل وامرأتان لأنه أقل نصاب يفيد العلم الذى يبتنى عليه الحكم فى المعاملات (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۲ ص ۳۷۴، ۳۷۵، كتاب الشهادات)

فیصلہ بھی نسب کے ثبوت کے لئے مستقل حجت اور دلیل سمجھا جاتا ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۲...... جولوگ علوی کہلاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب سے تعلق رکھتے ہیں، اور جولوگ عباسی کہلاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ

۱؎ حكم القاضي يعد حكم القاضي بالنسب دليلا مستقلا،لأن الحكم قد لا يذكر فيه مستند الحكم، والأكثر على أن ذلك لا يقدح في حكمه كما ذكره المالكية، وأصله قول سحنون :يقبل قول القاضي فيما اشتمل عليه مجلس حكمه، ولأن مستنده قد يكون مختلفا في اعتباره مستندا، فإذا حكم بمقتضاه ارتفع الخلاف فيه، وكان الحكم طريق الثبوت.

وفي الفقه المالكي يكثر التنبيه في نوازل النسب على أن حكم القاضي بالإرث لمدعي النسب في الأحوال المختلف فيها يمضي، فإذا وقع الاستظهار بحكم قاض بثبوت نسب أحد غيره مذكور فيه مستند الحاكم لم يسع القاضي -المستظهر لديه بذلك الحكم -إلا أن يقول :ثبت ذلك بحكم القاضي فلان.

قال الجزيري من المالكية :إذا انصرمت الآجال وعجز الطالب عجزه القاضي وأشهد بذلك، ويصح التعجيز في كل شيء يدعى فيه إلا خمسة أشياء :الدماء ، والأحباس، والعتق، والطلاق، والنسب، وبه قال ابن القاسم وأشهب وابن وهب .

وضابطه كل حق ليس لمدعيه إسقاطه بعد ثبوته، ومنها دعوى نسب لشخص معين ببينة، ولم يأت بها بعد التلوم، فلا يعجز، فمتى أقامها حكم على مقتضاها وفصل الدسوقي فقال :فليس للقاضي أن يعجز طالب إثبات النسب سواء اعترف بالعجز أو ادعى أن له بينة، وطلب الإمهال لها وأنظر فلم يأت بها، فإن عجزه كان حكمه بالتعجيز غير ماض، فإذا قال مدعي النسب :لي بينة بذلك، وأمهل للإتيان بها فتبين لدده، حكم الحاكم بعدم ثبوت النسب، ولا يحكم بتعجيز ذلك المدعي، فإن حكم بعجزه كان حكمه غير ماض، وأما طالب نفي النسب فإنه يمضي حكمه بتعجيزه في النسب، فإذا قامت بينة لمدعي النسب فقال المدعى عليه :عندي بينة تجرح بينة المدعي، فإذا أمهل وتبين لدده حكم القاضي بثبوت النسب وتعجيز المدعى عليه، وإذا عجزه فلا يقبل منه ما أتى به بعد ذلك، كذا قال الجيزي وارتضاه البناني، وقال علي الأجهوري :إن المدعى عليه كالمدعي في النسب ليس للقاضي تعجيزه أصلا فيها .

وحكم القاضي بثبوت النسب ينفذ على المحكوم عليه وعلى غيره ممن لم يدخل في الخصومة؛ لأن الحكم على الحاضر حكم على الغائب في مسائل منها النسب.

والمراد بالغائب :من لم يخاصم في النازلة المقضي فيها أصلا، أو لم يحضر عند صدور الحكم من القاضي، وفسروه بأنه من ثبتت غيبته بالبينة، سواء كان غائبا وقت إقامة الشهادة أو بعدها وبعد التزكية، وسواء كان غائبا عن المجلس أو عن البلد، وأما إذا أقر عند القاضي فإنه يقضى عليه وهو غائب؛ لأن له أن يطعن في البينة وليس له أن يطعن في الإقرار عند القاضي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰ ص ۲۵۲، ۲۵۳ ،مادة "نسب")

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نسب سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ ہاشمی ہیں۔

البتہ اگر اس طرح کے نسب سے مشہور کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نسبت کسی اور وجہ سے مشہور ہوئی ہے، ورنہ درحقیقت وہ لوگ بنو ہاشم کے نسب سے تعلق نہیں رکھتے، مثلاً ان کے اوپر کسی سلسلہ میں عباس نام کا کوئی شخص گزرا ہے، جس کی وجہ سے ان کو عباسی کہا جاتا ہے، تو پھر اس طرح کی شہرت ونسبت کی وجہ سے انہیں ہاشمی قرار نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۴۳...... نسب کا ثبوت باپ کی طرف سے ہوتا ہے، ماں کی طرف سے نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر کسی شخص کی صرف ماں ہاشمی ہو، لیکن باپ کسی اور نسب سے تعلق رکھتا ہو (یعنی باپ کا تعلق بنو ہاشم کے نسب سے نہ ہو) تو ایسے شخص کو ہاشمی نہیں قرار دیا جائے گا۔

اور اس کے برعکس اگر کسی شخص کا والد ہاشمی ہو، اور ماں غیر ہاشمی ہو، تو اس کو ہاشمی قرار دیا جائے گا۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] البتہ حنابلہ وغیرہ میں سے بعض حضرات کے نزدیک اس سلسلہ میں والدہ کے نسب کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، نہ کہ والد کے نسب کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف)فهي عبارة في إيجاب نفقة المنكوحات إشارة إلى أن نفقة الأولاد على الأب وأن النسب له (مجمع الانهر، ج ا ص۴۹۷، كتاب الطلاق، باب النفقة، فصل نفقة الطفل الصغير)

(ويجوز) دفع الزكاة (إلى ولد هاشمية من غير هاشمي في ظاهر كلامهم، وقاله القاضي اعتبارا بالأب) وقال أبو بكر لا يجوز واحتج بحديث أنس ابن أخت القوم منهم متفق عليه(كشاف القناع عن متن الاقناع، ج۲ص ۲۹۱،كتاب الزكاة، فصل دفع الزكاة إلى كافر،لمنصور بن يونس البهوتي)

(فصل نمبر۴)

اولاد، والدین، زوجین واقرباء کوزکاۃ دینے کے احکام

مخصوص رشتہ داروں کے علاوہ عام رشتہ داروں کوزکاۃ دینا، نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ زیادہ ثواب کا باعث ہے، جس کے احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... زکاۃ دینے والے کو اپنے اصولی رشتہ داروں کو (یعنی جن افراد سے یہ شخص خود بلاواسطہ یا بالواسطہ پیدا ہوا ہے، مثلاً اپنے والدین اور والدین کے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک کے سلسلہ کے لوگوں کو) زکاۃ دینا جائز نہیں۔

اوراسی طرح زکاۃ دینے والے کو اپنے فروعی رشتہ داروں کو (یعنی جو افراد بلاواسطہ یا بالواسطہ اس سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو نیچے تک کے سلسلہ کے لوگوں کو) زکاۃ دینا جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... زوجین کے ایک دوسرے کو زکاۃ دینے کے مسئلہ میں فقہائے کرام کے نزدیک کچھ تفصیل ہے۔

چنانچہ شوہر کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے نکاح میں موجود بیوی کو دینا تو فقہائے کرام کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں، الّا یہ کہ اس عورت کو طلاق دے دی ہو، اور عدت بھی گزر گئی ہو۔ [2]

---

[1] كل من انتسب إليه المزكي أو انتسب إلى المزكي بالولادة.
ويشمل ذلك أصوله وهم أبواه وأجداده، وجداته، وارثين كانوا أو لا، وكذا أولاده وأولاد أولاده، وإن نزلوا، قال الحنفية :لأن منافع الأملاك بينهم متصلة، وهذا مذهب الحنفية والحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۲٦،مادة "زكاة")

[2] لا يجزء الرجل إعطاء زكاة ماله إلى زوجته .قال ابن قدامة :هو إجماع، قال الحنفية :لأن المنافع بين الزوجين مشتركة، وقال الجمهور :لأن نفقتها واجبة على الزوج، فيكون كالدافع إلى نفسه، ومحل المنع إعطاؤها الزكاة لتنفقها على نفسها، فأما لو أعطاها ما تدفعه في دينها، أو لتنفقه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بیوی کے اپنے مال کی زکاۃ اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعی اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، اور امام احمد اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دینا جائز ہے، جبکہ اس کا شوہر مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی غیرها من المستحقین، فلا بأس، علی ما صرح به المالکیة وقریب منه ما قال الشافعیة :إن الممنوع إعطاؤها من سهم الفقراء أو المساکین، أما من سهم آخر هی مستحقة له فلا بأس، وهو ما یفهم أیضا من کلام ابن تیمیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳،ص۳۲۷،مادة "زکاة")

أما الزوجة فلا یجوز دفع الزکاة إلیها إجماعا .قال ابن المنذر أجمع أهل العلم علی أن الرجل لا یعطی زوجته من الزکاة؛ وذلک لأن نفقتها واجبة علیه، فتستغنی بها عن أخذ الزکاة، فلم یجز دفعها إلیها، کما لو دفعها إلیها علی سبیل الإنفاق علیها (المغنی لابن قدامة، ج۲، ص ۴۸۴، کتاب الزکاة، مسالة من لا تعطی لهم الصدقة)

[۱] علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب "المغنی" میں امام احمد کی اسی روایت کی طرف اپنا رجحان ظاہر فرمایا ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور ہمارا ذاتی رجحان بھی اسی موقف کی طرف ہے، جس کے حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد بھی قائل ہیں، بالخصوص جبکہ اس کی ضرورت بھی لاحق ہو، مثلاً بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کی ملکیت میں زکاۃ کے نصاب کے بقدر سونے، چاندی کا زیور ہوتا ہے، اور اس کا شوہر غریب، ضرورت مند، بلکہ بعض اوقات مقروض ہوتا ہے، ایسی صورت میں بہت سی عورتیں اپنے زیور اور مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتیں، اور اگر ان کو یہ بتلایا جائے کہ وہ اپنے مال کی زکاۃ، اپنے شوہر کو دے سکتی ہیں، تو بہت سی عورتیں زکاۃ دینے پر آمادہ ہو جائیں، اور کسی کے نزدیک بھی زکاۃ کا فریضہ ادا نہ ہونا بنسبت بعض کے نزدیک ادا ہونے کے سنگین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وأما إعطاء المرأة زوجها زکاة مالها فقد اختلف فیه :فذهب الشافعی وصاحبا أبی حنیفة وهو روایة عن أحمد واختیار ابن المنذر، إلی جواز ذلک لحدیث زینب زوجة عبد الله بن مسعود رضی الله عنهما، وفیه أنها هی وامرأة أخری سألتا النبی صلی الله علیه وسلم :هل تجزء الصدقة عنهما علی أزواجهما، وعلی أیتام فی حجرهما؟ فقال :لهما أجران أجر القرابة وأجر الصدقة.

وقال ابن قدامة :ولأنه لا تجب علیها نفقة الزوج، ولعموم آیة مصارف الزکاة، إذ لیس فی الزوج إذا کان فقیرا نص أو إجماع یمنع إعطاءه(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳،ص۳۲۷،مادة "زکاة")

وفیما إذا دفعت المرأة لزوجها خلاف أبی یوسف ومحمد والشافعی (تبیین الحقائق، ج۱، ص ۳۰۱، کتاب الزکاة، باب المصرف)

والروایة الثانیة، یجوز لها دفع زکاتها إلی زوجها .وهو مذهب الشافعی وابن المنذر وطائفة من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ شوہر نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی ہو، اور اس کی عدت بھی ختم ہوگئی ہو، اور حنفیہ کی عام کتبِ فقہ وفتاویٰ میں اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أهل العلم؛ لأن زينب امرأة عبد الله بن مسعود قالت يا نبي الله، إنك أمرت اليوم بالصدقة، وكان عندي حلي لي، فأردت أن أتصدق به، فزعم ابن مسعود أنه هو وولده أحق من تصدقت عليهم .فقال النبي -صلى الله عليه وسلم -صدق ابن مسعود، زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم. رواه البخاري.

وروى أن امرأة عبد الله سألت النبي -صلى الله عليه وسلم -عن بني أخ لها أيتام في حجرها، أفتعطيهم زكاتها؟ قال :نعم.

وروى الجوزجاني، بإسناده عن عطاء قال :أتت النبي -صلى الله عليه وسلم -امرأة، فقالت :يا رسول الله، إن علي نذرا أن أتصدق بعشرين درهما، وإن لي زوجا فقيرا، أفيجزء عني أن أعطيه؟ قال :نعم، لك كفلان من الأجر. ولأنه لا تجب نفقته، فلا يمنع دفع الزكاة إليه، كالأجنبي، ويفارق الزوجة، فإن نفقتها واجبة عليه، ولأن الأصل جواز الدفع لدخول الزوج في عموم الأصناف المسمين في الزكاة، وليس في المنع نص ولا إجماع.

وقياسه على من ثبت المنع في حقه غير صحيح؛ لوضوح الفرق بينهما، فيبقى جواز الدفع ثابتا، والاستدلال بهذا أقوى من الاستدلال بالنصوص، لضعف دلالتها؛ فإن الحديث الأول في صدقة التطوع، لقولها :أردت أن أتصدق بحلي لي .ولا تجب الصدقة بالحلي، وقول النبي -صلى الله عليه وسلم -زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم . والولد لا تدفع إليه الزكاة .والحديث الثاني، ليس فيه ذكر الزوج، وذكر الزكاة فيه غير محفوظ (المغني لابن قدامة، ج ۲، ص ۴۸۴ و ۴۸۵، كتاب الزكاة، مسألة من لا تعطى لهم الصدقة)

[1] اور امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے بارے میں مالکیہ کے دو اقوال ہیں، ایک یہ کہ بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دینا جائز ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اور دوسرے یہ کہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

وقال أبو حنيفة، وهو رواية أخرى عن أحمد :لا يجزء المرأة أن تعطي زوجها زكاتها ولو كانت في عدتها من طلاقه البائن ولو بثلاث طلقات، لأن المنافع بين الرجل وبين امرأته مشتركة، فهي تنتفع بتلك الزكاة التي تعطيها لزوجها، ولأن الزوج لا يقطع بسرقة مال امرأته، ولا تصح شهادته لها.

وقال مالك :لا تعطي المرأة زوجها زكاة مالها .واختلف أصحابه في معنى كلامه، فقال بعضهم : بأن مراده عدم الإجزاء ، وقال آخرون :بإجزائه مع الكراهة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۷، مادة "زكاة")

وأما الزوج، ففيه روايتان :إحداهما، لا يجوز دفعها إليه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... اپنے اُصولی وفروعی رشتہ داروں اور زوجین کے علاوہ (جن کی تفصیل پہلے ذکر کی گئی) دوسرے ہر قسم کے رشتہ داروں کو حنفیہ کے نزدیک زکاۃ دینا جائز ہے، جبکہ وہ غریب ومستحق ہوں۔

چنانچہ اپنے بھائی، بہن، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اوران سب کی اولادیں، اور رضاعی یعنی دودھ کے رشتے کے والدین اور دودھ کے رشتے والی اولاد، اوراسی طرح سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو، داماد، ساس، سسر وغیرہ ان سب طرح کے رشتہ داروں کو غریب ومستحق ہونے کی صورت میں اپنے مال کی زکاۃ دینا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو اختيار أبي بكر ومذهب أبي حنيفة لأنه أحد الزوجين، فلم يجز للآخر دفع زكاته إليه كالآخر، ولأنها تنتفع بدفعها إليه؛ لأنه إن كان عاجزا عن الإنفاق عليها، تمكن بأخذ الزكاة من الإنفاق، فيلزمه، وإن لم يكن عاجزا، ولكنه أيسر بها، لزمته نفقة الموسرين، فتنتفع بها في الحالين، فلم يجز لها ذلك، كما لو دفعتها في أجرة دار، أو نفقة رقيقها أو بهائمها.

فإن قيل :فيلزم على هذا الغريم؛ فإنه يجوز له دفع زكاته إلى غريمه، ويلزم الآخذ بذلك وفاء دينه؛ فينتفع الدافع بدفعها إليه .قلنا :الفرق بينهما من وجهين :أحدهما، أن حق الزوجة في النفقة آكد من حق الغريم، بدليل أن نفقة المرأة مقدمة في مال المفلس على أداء دينه، وأنها تملك أخذها من ماله بغير علمه، إذا امتنع من أدائها، والثاني أن المرأة تنبسط في مال زوجها بحكم العادة، ويعد مال كل واحد منهما مالا للآخر، ولهذا قال ابن مسعود في عبد سرق مرآة امرأة سيده :عبدكم سرق مالكم .ولم يقطعه.

وروي ذلك عن عمر وكذلك لا تقبل شهادة كل واحد منهما لصاحبه، بخلاف الغريم مع غريمه(المغني لابن قدامة، ج۲، ص ۴۸۴، كتاب الزكاة، مسالة من لا تعطى لهم الصدقة)

[1] ويجوز دفع الزكاة إلى بقية الأقارب الفقراء غير المذكورين كالأخ والأخت والعمة والعم والخالة والخال ونحوهم، لحديث الطبراني عن سلمان بن عامر :الصدقة على المسكين صدقة وهي لذي الرحم اثنتان :صدقة وصلة بل إن القرابة أحق بزكاة المزكي، قال مالك :أفضل من وضعت فيه زكاتك قرابتك الذين لا تعول.

ويجوز دفع الزكاة لزوجة أبيه وابنه وزوج ابنته (الصهر .(ولم يجز المالكية دفع الزكاة لمن كانت نفقته لازمة عليه أو كان له مرتب في بيت المال يكفيه .وكذلك لم يجز الحنابلة دفع الزكاة إلى عمودي النسب في حال تجب نفقتهم فيه عليه أو لا تجب نفقتهم فيه، ورثوا أو لم يرثوا، حتى ذوي الأرحام منهم، كأبي الأم وولد البنت (الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص۱۹۶۸ الیٰ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴…… جن رشتہ داروں کو شرعاً زکاۃ دینا جائز ہے، ان کو زکاۃ دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک زکاۃ کی ادائیگی کا، اور دوسرے حسنِ سلوک کا۔

لیکن اگر دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہو، تو اس کو زکاۃ کا بتا کر دینا مناسب نہیں، بلکہ تحفہ، ہدیہ وغیرہ کے عنوان سے زکاۃ دے دینی چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

أما سائر الأقارب، وهم الحواشي كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات، وأولادهم، فلا يمتنع إعطاؤهم زكاته ولو كان بعضهم في عياله، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: الصدقة على المسكين صدقة، وهي على ذي الرحم اثنتان :صدقة وصلة وهذا مذهب الحنفية وهو القول المقدم عند الحنابلة.

وأما عند المالكية والشافعية فإن الأقارب الذين تلزم نفقتهم المزكي لا يجوز أن يعطيهم من الزكاة، والذين تلزم نفقتهم عند المالكية الأب والأم دون الجد والجدة، والابن والبنت دون أولادهما، واللازم نفقة الابن ما دام في حد الصغر، والبنت إلى أن تتزوج ويدخل بها زوجها.

والذين تلزم نفقتهم عند الشافعية الأصول والفروع.

وفي رواية عند الحنابلة وهو قول الثوري :يفرق في غير الأصول والفروع بين الموروث منهم وغير الموروث، فغير الموروث يجزء إعطاؤه من الزكاة، والموروث لا يجزء، وعلى الوارث نفقته إن كان الموروث فقيرا فيستغني بها عن الزكاة، إذ لو أعطاه من الزكاة لعاد نفع زكاته إلى نفسه، ويشترط هنا شروط الإرث ومنها :أن لا يكون الوارث محجوبا عن الميراث وقت إعطاء الزكاة.

واستثنى الحنفية في ظاهر الرواية من فرض له القاضي النفقة على المزكي، فلا يجزء إعطاؤه الزكاة، لأنه أداء واجب في واجب آخر، على أنهم نصوا على أن يجوز أن يدفعها إلى زوجة أبيه وزوجة ابنه وزوج ابنته.

وقيد المالكية والشافعية وابن تيمية من الحنابلة الإعطاء الممنوع بسهم الفقراء والمساكين، أما لو أعطى والده أو ولده من سهم العاملين أو المكاتبين أو الغارمين أو الغزاة فلا بأس .وقالوا أيضا :إن كان لا يلزمه نفقته جاز إعطاؤه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۱۷۶، مادة "زكاة")

[1] ولا يشترط علم آخذ الزكاة أنها زكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۳، مادة "زكاة")

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۹۲، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

ومن أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه، وهو الأصح هكذا في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... جن رشتہ داروں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اگر وہ سخت ضرورت مند ہوں، اور زکاۃ کے علاوہ کسی اور طرح سے ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں اگر زکاۃ کا مال کسی مستحق غریب کو مالک بنا کر دے دیا جائے، اور پھر وہ اپنی خوش دلی سے ان حضرات کا اس مال سے تعاون واعانت کر دے، تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البحر الرائق ناقلا عن المبتغي والقنية (الفتاوى الهندية، ج ١، ص ١٧١، كتاب الزكاة، الباب الأول)

ولو نوى الزكاة فيما يدفعه إلى صبيان أقاربه عيدياً أو لمن يهدى إليه الباكورة أو يبشره بقدوم صديقه أو بخير يسره أو إلى سحر خوان أو المعلم أو الخليفة التى فى المكتب ولم يستأجره يجوز (الفتاوىٰ البزازية، ج ١ ص ٤٠، كتاب الزكاة)

[1] ذهب الفقهاء إلى أنه لا يجوز دفع الزكاة إلى أصله وإن علا ولا إلى فرعه وإن سفل وإن كانا معسرين والحيلة عند الحنفية فى جواز ذلك مع الكراهة أن يتصدق بها على الفقير ثم يصرفها الفقير إليهما .

وكذلك التمليك شرط فى مصارف الزكاة فلا تصرف الزكاة إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والتكفين وكل ما لا تمليك فيه والحيلة فى جواز الدفع لهذه الأشياء مع صحة الزكاة عند الحنفية :أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فيكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب.

وصرح الحنفية بأنه لا يجوز فى الزكاة أداء الدين عن العين والمراد بالدين ما كان ثابتا فى الذمة من مال الزكاة وبالعين ما كان قائما فى ملكه من نقود وعروض، وأداء الدين عن العين كجعله ما فى ذمة مديونه زكاة لماله الحاضر.

وكذلك لا يجوز أداء دين عن دين سيقبض كما لو أبرأ الفقير عن بعض النصاب ناويا به الأداء عن الباقى لأن الباقى يصير عينا بالقبض فيصير مؤديا الدين عن العين.

وحيلة الجواز عندهم فيما إذا كان له دين على معسر وأراد أن يجعله زكاة عن عين عنده أو عن دين له على آخر سيقبضه :أن يعطى مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه قال فى الأشباه :وهو أفضل من غيره واستدل ابن عابدين لهذا بقوله :لأنه يصير وسيلة إلى براء ة ذمة المديون.

وصرح المالكية والحنابلة بأنه يجوز إلا إذا كان حيلة قال الحطاب :ومحل الجواز إذا لم يتواطآ عليه وإلا منع اتفاقا.

وقال أحمد :إن كان حيلة فلا يعجبنى قال القاضى وغيره :معنى الحيلة :أن يعطيه بشرط أن يردها عليه من دينه لأن من شرطها كونها تمليكا صحيحا، فإذا شرط الرجوع لم يوجد ولأن الزكاة حق الله تعالى فلا يجوز صرفها إلى نفعه وإن رد الغريم من نفسه ما قبضه وفاء عن دينه من غير شرط ولا مواطأة جاز لرب المال أخذه من دينه لأنه بسبب متجدد كالإرث والهبة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٦، ص ٢٤٥، مادة "مخارج الحيل")

مسئلہ نمبر ۶ ...... جن رشتہ داروں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، ان کو نفلی صدقات کا دینا جائز ہے، بلکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک نفلی صدقات کا مالدار کو دینا بھی جائز ہے، اور مالدار کو دیئے جانے والا صدقہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے ہدیہ و ہبہ کا حکم رکھتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷ ...... منہ بولی اولاد اور منہ بولے والدین وغیرہ کو زکاۃ دینا جائز ہے، جبکہ یہ افراد زکاۃ کے مستحق ہوں، کیونکہ منہ سے کسی کو اولاد یا والدین وغیرہ بنانے کی وجہ سے حقیقی رشتہ قائم نہیں ہو جاتا۔ [2]

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ ''لے پالک اور منہ بولی اولاد کی شرعی حیثیت''

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] أما صدقات التطوع: فيجوز دفعها للأصول والفروع والزوجات والأزواج، والدفع إليهم أولى، لأن فيه أجرين: أجر الصدقة وأجر الصلة.
وتجوز صدقة التطوع للأغنياء والكفار، ولهم أخذها، وفيه أجر، لقوله تعالى: (ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً) ولم يكن الأسير يومئذ إلا كافراً، وكسى عمر خاله مشركاً حلة كان النبي صلّى الله عليه وسلم كساه إياها، وقال النبي صلّى الله عليه وسلم لأسماء بنت أبي بكر التي استفتته في صلة أمها وهي مشركة: صلي أمك، لكن يستحب للغني عن السؤال، مع وجود حاجتهم، فقال: (يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف) فإن أخذها الغني مظهراً للفاقة، حرم عليه ذلك، وإن كانت تطوعاً، لما فيه من الكذب والتغرير (الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۳ ص ۱۹۶۸ الیٰ ص ۱۹۷۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

[2] فلا يثبت بالتبني شيء من احكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذلك (التفسير المظهري، ج۷ ص ۲۸۴، سورة الاحزاب، تحت رقم الآية ۵)

(فصل نمبر ۵)

زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام

زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... زکاۃ درحقیقت، فرض عبادات میں ایک اہم فریضہ ہے، جیسا کہ نماز بھی ایک اہم فریضہ ہے، اور عبادت کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے، اس وجہ سے زکاۃ کی ادائیگی کے لئے بھی نیت کا ہونا شرط اور ضروری ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... نیت کا اصل محل ومقام انسان کا دل ہے، یعنی نیت، دل کا عمل ہے، لہٰذا زکاۃ ادا ہونے کے لئے دل میں نیت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور زبان سے کوئی لفظ کہنا ضروری نہیں ہوتا۔

اور دل میں نیت اس طریقہ سے کرے، مثلاً وہ زکاۃ کا فریضہ ادا کر رہا ہے، یا اللہ نے جو زکاۃ

---

[۱] جمہور واکثر اہلِ علم حضرات کے نزدیک زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت شرط ہے، اور امام اوزاعی سے نیت کا شرط نہ ہونا مروی ہے۔

الزكاة فريضة من فرائض العبادات، كالصلاة، ولذلك فإن النية شرط فيها عند عامة العلماء .
وروى عن الأوزاعى عدم اشتراط النية فيها لأنها دين على صاحبها، وأداء الدين لا يفتقر إلى نية.
واستدل الجمهور بقول النبى صلى الله عليه وسلم :إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوى .
ولأن إخراج المال لله يكون فرضا ويكون نفلا، فافتقرت الفريضة إلى النية لتمييزها عن النفل، وقياسا على الصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۹۲ مادة "زكاة")
ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النية شرط لصحة أداء الزكاة لحديث :إنما الأعمال بالنيات ... ولأنها عبادة من العبادات فوجبت فيها النية كسائر العبادات، ولأن إخراج المال لله يكون فرضا أو نفلا فافتقرت الزكاة إلى النية لتمييزها.
وحكى عن الأوزاعى أنه قال :لا تجب النية لأن الزكاة دين فلا تجب لها النية كسائر الديون، ولهذا يخرجها ولى اليتيم، وولى الصبى والسلطان ينوبان عند الحاجة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص ۱۰۲ مادة "نية")

کی شکل میں عبادت مقرر کی ہے، وہ اس کو انجام دے رہا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳...... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کا ہونا یا تو غریب یا اس کے وکیل کو مال حوالہ کرتے وقت ضروری ہے، یا پھر زکاۃ دینے کے لئے مال کو دوسرے مال سے الگ کرتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر زکاۃ ادا کرنے کی غرض سے زکاۃ کا مال الگ کر کے رکھ لیا، اور پھر کسی دوسرے وقت میں مستحق کو یہی مال بغیر زکاۃ کی نیت کئے ہوئے خالی الذہن ہو کر دے دیا، تب بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور وہی زکاۃ کا مال الگ کرتے وقت کی نیت کافی ہو جائے گی۔

لیکن اگر نہ تو غریب کو مال دیتے وقت زکاۃ کی نیت کی، اور نہ ہی پہلے سے زکاۃ کی نیت سے یہ مال الگ کر کے رکھا ہوا تھا، تو پھر زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ [2]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی نے زکاۃ ادا کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل ونمائندہ بنایا، اور اس وکیل

---

[1] ومعنى النية المشترطة فى الزكاة أن يقصد بقلبه أن ما يخرجه هو الزكاة الواجبة عليه فى ماله، وإن كان يخرج عمن تحت يده من صبى أو مجنون أن يقصد أنها الزكاة الواجبة عليهما .ويعتبر أن يكون الناوى مكلفا، لأنها فريضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۹۲، مادة "زكاة")

(قوله وشرط أدائها نية مقارنة للأداء أو لعزل ما وجب أو تصدق بكله) بيان لشرط الصحة فإن شرائطها ثلاثة أنواع :شرائط وجوب، وهى ما ذكره إلا الحول، فإنه من شروط وجوب الأداء بدليل جواز التعجيل قبله بعد وجود السبب وأما النية فهى شرط الصحة لكل عبادة كما قدمناه وقد علمت من قوله أولا لله تعالى لكن المراد هنا بيان تفاصيلها، والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيخرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج (البحرالرائق، ج۲ ص ۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط اداء الزكاة)

[2] وقال الحنفية والمالكية والشافعية :إن عزل الزكاة عن ماله ونوى عند العزل أنها زكاة كفى ذلك، ولو لم ينو عند الدفع، قال ابن عابدين :لأن الدفع يتفرق، فيتحرج باستحضار النية عند كل دفع، فاكتفى بذلك، للحرج .

وإن دفع الزكاة إلى وكيله ناويا أنها زكاة كفى ذلك، والأفضل أن ينوى الوكيل أيضا عند الدفع إلى المستحقين أيضا ولا تكفى نية الوكيل وحده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۹۲، ۲۹۳، مادة "زكاة")

أو نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية أو دفعها لذمى ليدفعها لأن المعتبر للفقراء جاز نية الأمر (الدر المختار مع ردالمحتار، ج۲ ص ۲۶۸، ۲۶۹، كتاب الزكاة)

ونمائندہ کوزکاۃ کا مال دیتے وقت زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کی، اور پھر اس وکیل ونمائندہ نے وہ زکاۃ کا مال غریب کو بغیر زکاۃ کی نیت کے دے دیا، تب بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

پس اگر غریب مستحق کو زکاۃ دینے کے لئے اپنا مال، زکاۃ کی نیت سے کسی دوسرے کو حوالے کیا (یعنی اسے اپنی زکاۃ ادا کرنے کا نمائندہ اور وکیل بنایا) تو اس دوسرے کو حوالے کرتے وقت زکاۃ کی نیت کر لینا کافی ہے، پھر اس کے بعد اگر وہ دوسرا شخص، کسی غریب مستحق کو یہ رقم بغیر زکاۃ کی نیت کے دے دے تو بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

اور اگر وکیل کو زکاۃ کا مال دیتے وقت تو زکاۃ کی نیت نہیں کی، لیکن جب وکیل نے غریب کو زکاۃ دی، اس وقت زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کر لی، تب بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی شخص نے اپنی زکاۃ کا مال الگ کرتے وقت زکاۃ کی نیت کی تھی، پھر اس مال کو بغیر زکاۃ کی نیت کے کسی وکیل کو دے دیا، تاکہ وہ کسی غریب کو وہ مال دے دے،

---

[1] (قوله ولا يجوز أداء الزكاة إلا بنية مقارنة للأداء أو مقارنة لعزل مقدار الواجب) لأن الزكاة عبادة فكان من شرطها النية كالصلاة والصوم والأصل في النية الاقتران إلا أن الدفع يتفرق فاكتفى بوجودها حالة العزل تيسيرا كتقديم النية في الصوم وقوله مقارنة للأداء يعني إلى الفقير أو إلى الوكيل فإنه إذا وكل في أداء الزكاة أجزأته النية عند الدفع إلى الوكيل فإن لم ينو عند التوكيل ونوى عند دفع الوكيل جاز (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۱۵، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

وكما إذا وكل رجلا بدفع زكاة ماله ونوى المالك عند الدفع إلى الوكيل فدفع الوكيل بلا نية فإنه يجزئه؛ لأن المعتبر نية الآمر؛ لأنه المؤدى حقيقة، ولو دفعها إلى ذمي ليدفعها إلى الفقراء جاز لوجود النية من الآمر (البحرالرائق، ج۲ ص ۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط اداء الزكاة)

إذا وكل في أداء الزكاة أجزأته النية عند الدفع إلى الوكيل فإن لم ينو عند التوكيل ونوى عند دفع الوكيل جاز كذا في الجوهرة النيرة وتعتبر نية الموكل في الزكاة دون الوكيل كذا في معراج الدراية، فلو دفع الزكاة إلى رجل وأمره أن يدفع إلى الفقراء فدفع، ولم ينو عند الدفع جاز .

ولو دفعها إلى الذمي ليدفعها إلى الفقراء جاز لوجود النية من الآمر هكذا في محيط السرخسي فإن تجدد للموكل نية أخرى بعد الدفع إلى الوكيل قبل دفع الوكيل إلى الفقير كان عما نوى أخيرا حتى لو دفع إليه دراهم يتصدق بها عن زكاة ماله فلم يدفع المأمور حتى نوى الآمر أن يكون عن نذره وقعت عن ذلك كذا في السراج الوهاج (الفتاوى الهندية، ج ا، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

تب بھی حنفیہ کے نزدیک یہ نیت معتبر ہونے کی وجہ سے زکاۃ ادا ہوجائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی مال میں زکاۃ فرض ہوگئی تھی، پھر اس نے وہ سارا مال صدقہ کی نیت سے زکاۃ کے مستحق شخص کو دے دیا، تو دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکاۃ ادا ہونے کی نیت نہیں پائی گئی۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس صدقہ کے ضمن میں اس کی زکاۃ بھی ادا ہوجاتی ہے۔ [2]

لیکن اگر اس نے یہ مال صدقہ کرتے وقت، کسی اور واجب صدقہ کی نیت کی، مثلاً اس نے کوئی نذر و منت مانی ہوئی تھی، یا اس پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم تھا، اور اس نذر یا کفارہ وغیرہ کی نیت

---

[1] وبقي ما لو عزلها ونوى بها الزكاة قبل الدفع إلى الوكيل. وعبارة الشارح تشملها والظاهر الجواز كما قالوا فيما لو دفعها في هذه الحالة إلى الفقير بنفسه لوجود النية وقت الدفع حكما. وعليه يمكن دخولها أيضا في قول البحر وقت الدفع إلى الوكيل (رد المحتار، ج۲، ص۵۹۸، كتاب الحج، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة)

[2] البتہ اگر اس نے وہ پورا مال صدقہ نہیں کیا، بلکہ اس میں سے کچھ حصہ صدقہ کیا، اور اس صدقہ سے نفلی صدقہ کی نیت کی، تو پھر اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صدقہ کئے ہوئے مال کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ کئے ہوئے مال کی زکاۃ تو ساقط ہوجائے گی، اور باقی مال کی زکاۃ ذمہ میں موجود رہے گی۔

ولو دفع الإنسان كل ماله إلى الفقراء تطوعا بعد ما وجبت فيه الزكاة، لم تسقط عنه الزكاة، بل تبقى في ذمته، وبهذا قال الشافعية والحنابلة لأنه لم ينو الفرض.

وقال الحنفية: تسقط عنه الزكاة في هذه الحال استحسانا لأنه لما أدى الكل زالت المزاحمة بين الجزء المؤدى وسائر الأجزاء، وبأداء الكل لله تعالى تحقق أداء الجزء الواجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۳، مادة "زكاة")

وفي البدائع: لو تصدق بجميع ماله على فقير، ولم ينو الزكاة أجزأه عن الزكاة استحسانا.

والقياس: أن لا يجوز؛ لأن الزكاة عبادة مقصودة، فلا بد لها من النية. ووجه الاستحسان أن النية وجدت دلالة، وعلى هذا إذا وهب جميع النصاب من الفقير، أو نوى تطوعا، ولو أدى مائة لا ينوي الزكاة، ونوى تطوعا، لا تسقط زكاة المائة وعليه أن يزكي الكل عند أبي يوسف. وعند محمد يسقط عنه زكاة ما تصدق، ولا يسقط عنه زكاة الباقي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۱۶۶، ۱۶۷، مادة "تطوع")

ولو تصدق الإنسان بجميع ماله تطوعاً، ولم ينو به الزكاة، لم يجزئه عند الجمهور غير الحنفية، لأنه لم ينو به الفرض، كما لو تصدق ببعضه، وكما لو صلى مئة ركعة، ولم ينو الفرض بها. وقال الحنفية: تسقط عنه الزكاة استحساناً خلافاً للقياس(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص۱۸۱۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

ومن تصدق بجميع نصابه ولا ينوي الزكاة سقط فرضها وهذا استحسان كذا في الزاهدي، ولا فرق بين أن ينوي النفل أو لم تحضره النية(الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

سے اس نے یہ مال صدقہ کیا، تو پھر اس کی زکاۃ ساقط نہیں ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... زکاۃ ادا کرتے وقت زکاۃ کی نیت اور زکاۃ کی جتنی مقدار واجب تھی، اس کو ادا کرنا کافی ہے، اور متعین طور پر یہ نیت کرنا ضروری نہیں کہ یہ فلاں مال کی زکاۃ ہے، مثلاً اگر کسی نے سونے، چاندی اور تجارت کے مال کی زکاۃ دینی ہے، اور اس نے ان اموال پر واجب شدہ مجموعی زکاۃ کی مقدار کو اس طرح سے ادا کیا کہ کچھ زکاۃ کی مقدار ایک غریب کو دے دی، اور کچھ دوسرے غریب کو دے دی، لیکن ہر غریب کو دیتے وقت یہ متعین نہیں کیا کہ یہ مثلاً سونے کی زکاۃ ہے، اور یہ چاندی کی زکاۃ ہے، اور یہ تجارت کے مال کی زکاۃ ہے، تب بھی اس کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ [2]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر غریب کو مال دیتے وقت زکاۃ کی نیت نہیں کی، پھر بعد میں نیت کرنے کا خیال ہوا، تو اکثر فقہاء کے نزدیک زکاۃ کا مال غریب کو دینے کے بعد زکاۃ کی نیت کرنا درست نہیں ہوتا، کیونکہ ادائیگی کے عمل کے ساتھ نیت نہیں پائی گئی۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک جب تک وہ مال بعینہٖ غریب کے قبضہ میں ہو، اور اس نے اس میں کوئی تصرف نہ کیا ہو، اور اس کو خرچ نہ کیا ہو (مثلاً اگر روپیہ پیسہ تھا، تو اس سے کوئی چیز نہ خریدی ہو) اس وقت تک زکاۃ کی نیت کرنا حکماً معتبر اور جائز ہو جاتا ہے۔

بلکہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو وکالت کے طور پر زکاۃ کی نیت کئے بغیر مال دیا، تاکہ وہ کسی غریب کو دے دے، اور وکیل نے وہ پیسہ اس غریب کو دے دیا، پھر مال دینے والے سابق مالک نے زکاۃ کی نیت کی، تو جب تک وہ مال غریب کے پاس موجود ہو، حنفیہ

---

[1] ولو دفع جميع النصاب إلى الفقير ينوى به عن النذر أو واجب آخر يقع عما نوى ويضمن قدر الواجب (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

[2] فلو أخرج الزكاة ونوى عن ماله الغائب الذى لا يعلم سلامته جاز، لأن الأصل بقاؤه ثم إن تبينت سلامته أجزأه، وإن تبين تلفه لم يجز أن يصرف الزكاة إلى مال آخر، وإن نوى عن مالى الغائب أو الحاضر، فتبين تلف الغائب أجزأت عن الحاضر، وإن نوى بالمخرج أن يكون زكاة المال الموروث الذى يشك فى موت مورثه لم تجزئه، لأنه متردد والأصل عدم الموت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، مادة "زكاة")

کے نزدیک اس وقت تک زکاۃ کی نیت کرنا درست ہوجاتا ہے۔

اور اگر غریب نے اس میں تصرف کرلیا، یا اس کو خرچ کرلیا، مثلاً اس کو کھاپی لیا، یا اس کو بیچ دیا، یا اس سے کوئی چیز خریدلی، وغیرہ وغیرہ، تو پھر زکاۃ کی نیت کرنا درست نہیں ہوتا۔

لیکن کیونکہ غریب کو مال دینے کے بعد زکاۃ کی نیت کرنے میں اکثر فقہائے کرام زکاۃ ادا ہونے کے قائل نہیں ہیں، اس لئے زکاۃ جیسے فریضہ میں ایسا کرنا خلافِ احتیاط ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی نے زکاۃ کی رقم اپنے ہاتھ پر رکھی، پھر اس کے ہاتھ میں سے کسی غریب وفقیر نے وہ رقم چھین لی یا اگر کسی کے ہاتھ سے اس کی زکاۃ کی رقم گرگئی، اور وہ رقم کسی فقیر نے اٹھالی، اور اس مال کا مالک، فقیر کے مالک بننے اور اٹھانے پر راضی ہے، تب بھی حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا ہوجائے گی، بشرطیکہ اسے پتہ ہو کہ میری رقم فلاں فقیر نے چھینی یا اٹھائی ہے، اور رقم اس فقیر کے پاس ہوتے ہوئے یہ راضی ہوا ہو، اور زکاۃ کی نیت بھی کی ہو۔ [2]

---

[1] مندرجہ بالا تفصیل تو فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ذکر کی گئی، اور بندہ کا اپنا ذاتی رجحان چند وجوہات کی بناء پر فیما بینی وبین اللہ اس طرف ہے کہ اگر مال غریب کو حوالہ کرتے وقت زکاۃ کی نیت نہیں کی تھی، تو بعد میں نیت کرنا معتبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ زکاۃ کی حقیقت غریب مستحق کو مال کا مخصوص نیت سے مالک بنانا ہے، اور مالک بناتے وقت جب یہ شرط نہیں پائی گئی، اور نہ ہی مال الگ کرتے وقت یہ نیت پائی گئی، اور دوسرے کو مالک بنانے کی نیت کے پائی جانے کی وجہ سے معطی کی ملکیت بھی زائل ہوگئی، تو اب نیتِ محض کی تبدیلی معتبر نہ ہونی چاہئے، کیونکہ اب یہ صرف نیتِ محضہ ہے، عمل کے بغیر۔

وبقی أیضا ما لو نوی بعد دفع الوکیل إلی الفقیر وهی فی ید الفقیر والظاهر الجواز کما قالوا فیما لو دفعها إلی الفقیر بنفسه فافهم (رد المحتار، ج۲، ص۵۹۸، کتاب الحج، مطلب فی الفرق بین العبادة والقربة والطاعة)

وینوی عند دفعها إلی الإمام أو إلی مستحقها، أو قبل الدفع بقلیل .فإن نوی بعد الدفع لم یجزئه علی ما صرح به المالکیة والشافعیة .أما عند الحنفیة فالشرط مقارنة النیة للأداء ولو حکما، کما لو دفع بلا نیة ثم نوی والمال لا یزال قائما فی ملک الفقیر بخلاف ما إذا نوی بعدما استهلکه الفقیر أو باعه فلا تجزء عن الزکاة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص۲۹۲ مادة "زکاة")

وإذا دفع إلی الفقیر بلا نیة ثم نواه عن الزکاة فإن کان المال قائما فی ید الفقیر أجزأه، وإلا فلا کذا فی معراج الدرایة والزاهدی والبحر الرائق والعینی وشرح الهدایة(الفتاوی الهندیة، ج۱، ص۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول)

[2] ولو وضع الزکاة علی یده فانتهبها الفقراء جاز، وکذا إن سقط ماله من یده فرفعه فقیر فرضی به جاز إن کان یعرفه والمال قائم(فتح القدیر، ج۲ص ۲۷۰، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... زکاۃ کیونکہ عبادت ہے، اور عبادت، اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے زکاۃ کو عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔

اور عبادت کے قبول ہونے کے لئے اخلاص ضروری ہے، اس لئے اخلاص کے ساتھ اور دِکھلاوے اور ریاء کاری سے بچتے ہوئے زکاۃ ادا کرنی چاہئے۔ ؎۱

بعض لوگ اپنی سخاوت اور مالداری کی شہرت اور بڑائی ونام آوری کے لئے زکاۃ دیتے ہیں، اور اس کی خاطر پھر صحیح مستحقین کی بھی رعایت نہیں کرتے، چنانچہ بعض لوگ بازاروں اور مجمعوں میں سب لوگوں کے سامنے زکاۃ کا مال لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، یا شہرت ونام آوری کی خاطر خاموشی کے ساتھ نقدی دینے کے بجائے بعض اشیاء تقسیم کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ نام آوری اور شہرت کی خاطر جو عمل کیا جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا، اور اگر اس کے علاوہ دوسری کوتاہیوں (مثلاً احسان چڑھا کر اپنا مقصد حل کرنے) کا بھی ارتکاب کیا گیا ہو، تو اس کا وبال الگ ہے۔

مسئلہ نمبر۱۱...... اخلاص کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شہرت سے بچتے ہوئے زکاۃ کا مال، خفیہ اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولو وضعها على كفه فانتهبها الفقراء جاز، ولو سقط مال فرفعه فقير فرضي به جاز إن كان يعرفه والمال القائم خلاصة(الدرالمختار)

(قوله :جاز) ويكون تمليكا لهم والنية سابقة عند العزل وكذا إذا لم ينو ثم بعد انتهابه وهو قائم في يد الفقراء كما تقدم نظيره.

قلت :وينبغي تقييده بما إذا كان الانتهاب برضاه لاشتراط اختيار الدفع في الأموال الباطنة كما مر في مسألة البغاة ويدل عليه المسألة الآتية (قوله :إن كان يعرفه) أي يعرف شخصه لئلا يكون تمليكا لمجهول؛ لأنه إذا لم يعرفه بأن جاء إلى موضع المال فلم يجده وأخبره أحد بأنه رفعه فقير لا يعرفه ورضي المالك بذلك لم يصح؛ لأنه يكون إباحة والشرط في الزكاة التمليك تأمل (قوله : والمال قائم) ؛ لأنه لو رضي بذلك بعدما استهلك الفقير المال لم تصح نيته كما مر(ردالمحتار، ج۲ص ۳۵۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

؎۱ ج -الحذر من المن والرياء والأذى، وهذه الأمور محرمة في كل ما يخرج من المال مما يقصد به وجه الله تعالى، وتحبط الأجر لقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى) ومن هنا استحب المالكية للمزكي أن يستنيب من يخرجها خوف قصد المحمدة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۰۲، مادة "زكاة")

چھپ کر دینا اور دوسروں کے سامنے ظاہر کر کے دینا، دونوں طریقوں سے جائز ہے۔

پھر اگر دوسروں کے سامنے اظہار کرنے میں ریاء کاری پیدا ہوتی ہو، تو پھر چھپ کر اور خفیہ انداز میں زکاۃ دینا افضل ہے۔

اور اگر ریاء کاری کے بغیر دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے زکاۃ کو دوسروں کے سامنے ظاہر کر کے دیا جائے، تو بھی فضیلت سے خالی نہیں۔ [1]

البتہ اگر نفلی صدقہ دینا ہو، تو بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس کو بہر حال خفیہ انداز

---

[1] نقل الطبری وغيره الإجماع على أن الإخفاء فی صدقة التطوع أفضل، والإعلان فی صدقة الفرض أفضل، لقوله تعالى :(وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم)وقول النبی صلى الله عليه وسلم ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه.

وقال ابن عطية :يشبه فی زماننا أن يكون الإخفاء بصدقة الفرض (الزكاة) أفضل، فقد كثر المانع لها، وصار إخراجها عرضة للرياء.وقيل :إن كان المتصدق ممن يقتدى به ويتبع، وسلم قصده، فالإظهار أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۲۸۷، و۲۸۸، مادة "اختفاء")

قال أبو بكر بن العربی :لا خلاف فی أن إظهار صدقة الفرض أفضل، كصلاة الفرض وسائر فرائض الشريعة، لأن المرء يحرز بها إسلامه ويعصم ماله.

وقال الحنفية والمالكية :إنه لا يشترط علم الفقير أن ما أعطى له زكاة على الأصح، لما فی ذلک من كسر قلبه، ولذا فإن الإسرار فی إعطائها إليه أفضل من إعلانه بها .

وقال الشافعية :إن الأفضل فيها إظهار إخراجها ليراه غيره فيعمل عمله، ولئلا يساء الظن به.

واستحب الحنابلة إظهار إخراجها، سواء أكان الإخراج بموضع يخرج أهله الزكاة أم لا، وسواء أنفی عنه ظن السوء بإظهار إخراجها أم لا، لما فيه من نفی الريبة عنه، ولعله يقتدى به، ومن علم أهليته أخذ الزكاة -ولو بغلبة الظن -كره أن يعلمه أنها زكاة، ومع عدم عادة الآخذ بأخذ الزكاة لا يجزء دفعها إليه إلا أن يعلمه أنها زكاة، لأنه لا يقبل زكاة ظاهرا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص۱۷۳، مادة "اسرار")

إظهار إخراج الزكاة وإعلانه، قال ابن عباس :جعل الله صدقة السر فی التطوع تفضل علانيتها، يقال :بسبعين ضعفا، وجعل صدقة الفريضة علانيتها أفضل من سرها، يقال :بخمسة وعشرين ضعفا، قال :وكذلک جميع الفرائض والنوافل فی الأشياء كلها.

وقال الطبری :أجمع الناس على أن إظهار الواجب أفضل .اهـ .وأما قوله تعالى :(إن تبدوا الصدقات فنعما هی وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم) فهو فی صدقة التطوع، نظيرها الصلاة، تطوعها فی البيت أفضل، وفريضتها فی المسجد ومع الجماعة أفضل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۱،مادة "زكاة")

میں اور چھپ کر دینا ہی افضل ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر۱۲...... زکاۃ کی ادائیگی کے لئے دل میں نیت کافی ہے، مستحق کو یہ بتلانا اور اس پر اس چیز کا اظہار کرنا ضروری نہیں کہ یہ زکاۃ کا مال ہے۔

لہٰذا اگر کسی مستحق کو زکاۃ کی نیت سے مال دیا، لیکن اس پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ زکاۃ ہے، بلکہ ہدیہ، تحفہ اور انعام وغیرہ کے عنوان سے زکاۃ دی، تب بھی زکاۃ ادا ہوجائے گی، جبکہ وہ دوسرا شخص واقعی زکاۃ کا مستحق بھی ہو۔ ۲

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر غریب کو زکاۃ کے عنوان سے لیتے ہوئے عار محسوس ہوتی

---

۱ صدقات التطوع:

قال الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة :إن الإسرار بها أفضل من الجهر، ولذا يسن لمعطيها أن يسر بها، لقوله تعالى (إن تبدوا الصدقات فنعما هي وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم ويكفر عنكم من سيئاتكم والله بما تعملون خبير)

ولما روى عن أبي هريرة مرفوعا سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله وذكر منهم رجلا تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم يمينه ما تنفق شماله.

ولما روى أن رسول الله قال :صنائع المعروف تقي مصارع السوء ، وصدقة السر تطفء غضب الرب، وصلة الرحم تزيد في العمر ولأن إعطاء ها على هذا النحو يراد به الله عز وجل وحده، وقد قال ابن عباس رضي الله عنهما "جعل الله صدقة السر في التطوع تفضل علانيتها بسبعين ضعفا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص۱۷۳، وص ۱۷۴، مادة "اسرار")

إذا أراد الرجل أداء الزكاة الواجبة قالوا الأفضل الإعلان والإظهار، وفي التطوعات الأفضل هو الإخفاء والإسرار كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

۲ ولا يشترط علم آخذ الزكاة أنها زكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۳، مادة "زكاة")

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الانهر، ج۱ ص۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

ومن أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه، وهو الأصح هكذا في البحر الرائق ناقلا عن المبتغى والقنية (الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

ولو نوى الزكاة فيما يدفعه إلى صبيان أقاربه عيدياً أو لمن يهدى إليه الباكورة أو يبشره بقدوم صديقه أو بخير يسره أو إلى سحر خوان أو المعلم أو الخليفة التي في المكتب ولم يستأجره يجوز(الفتاوىٰ البزازية، ج۱ ص۴۰، كتاب الزكاة)

ہو، تو اس کو زکاۃ کی خبر دینا مناسب بھی نہیں۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۱۳...... گھروں میں کام کرنے والے ملازمین خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین کو، عیدین وغیرہ کے مواقع پر تحفہ یا تعاون کے عنوان سے زکاۃ کا دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان اور زکاۃ کے مستحق ہوں، اور زکاۃ دینے والا ان کو یہ مال یا چیز اجرت کے طور پر نہ دے۔ ؎۲

مسئلہ نمبر۱۴...... اگر کوئی زکاۃ کا مستحق ایسا غیرت مند ہے، کہ وہ زکاۃ یا تعاون اور ہدیہ وغیرہ کے عنوان سے وصول نہیں کرتا، اور قرض وغیرہ کے نام سے وصول کر لیتا ہے، تو اس کو قرض کے عنوان سے زکاۃ دینے سے زکاۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔ ؎۳

پھر اگر وہ غریب قرض کے نام سے لی ہوئی زکاۃ کی رقم اپنی ضرورت پوری کرکے بعد میں واپس کرے، تو اس کا واپس لینا جائز نہیں، بلکہ اس کو دوبارہ واپس دینا لازم ہے، اگر دوبارہ واپس کرتے وقت زکاۃ کا اظہار مناسب نہ ہو، تو اس غریب پر یہ ظاہر کردے کہ اس نے قرض معاف کردیا ہے، یا اس کو ہدیہ کے نام سے دے دے (کذافی امداد الاحکام، ج۲ص۱۰، کتابُ

؎۱ د -أن لا يخبر المزكى الفقير أنها زكاة :قيل لأحمد :يدفع الرجل زكاته إلى الرجل، فيقول : هذا من الزكاة، أو يسكت؟ قال :ولم يبكته بهذا القول؟ يعطيه ويسكت، ما حاجته إلى أن يقرعه؟ وهذا يقتضى الكراهة وبه صرح اللقانى من المالكية ، قال :لما فيه من كسر قلب الفقير.

وقال ابن أبى هريرة من الشافعية :لا بد أن يقول بلسانه شيئا، كالهبة، قال النووى :هذا ليس بشىء .قال :والصحيح المشهور أنه إذا دفعها إلى المستحق ولم يقل هى زكاة، ولا تكلم بشىء أصلا فإنها تجزئه وتقع زكاة .لكن قال الشافعية :إن أعطاه ولم يبين له أنها زكاة فبان الآخذ غنيا لم يرجع عليه بشىء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۰۲، مادة "زكاة")

؎۲ ولو دفع زكاته إلى من يخدمه ويقضى حوائجه أو إلى من بشره ببشارة أو إلى من أهدى له هدية جاز إلا أن ينص على التعويض كذا فى إيضاح الصيرفى (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۱ ، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(رجل وهب لمسكين درهما، وسماه هبة، ونواه من زكاته :أجزأه) ؛ لما بينا أن فى حق المسكين لفظة الهبة كلفظة الصدقة؛ ولأنه لا معتبر باللفظ فى أداء الزكاة، إنما المعتبر :الإعطاء بنية الزكاة؛ ألا ترى أنه لو أعطاه، ولم يتكلم بشىء :كان ذلك زكاة له، فلا يتغير ذلك الحكم بذكر الهبة (المبسوط للسرخسى، ج۱۲، ص۹۴، كتاب الهبة، باب العطية)

؎۳ والعبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه حتى لو قال المحترم وهبت لك هذا الشىء أو أقرضتك وينوى به الزكاة وقع عن الزكاة (الفتاوىٰ البزازية، ج ا ص ۴۱، كتاب الزكاة)

الزکاۃ، احسن الفتاویٰ، ج۴ص۲۷۳،۲۷۴، کتاب الزکاۃ) لے

مسئلہ نمبر ۱۵...... مسلمان حکمران یا اسلامی حکومت کی طرف سے جب کسی کے مال سے زکاۃ لی جائے، تو بہت سے فقہاء کے نزدیک مال کے مالک کی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کئے بغیر بھی زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ اس وقت ادا ہوتی ہے، جب مال کا مالک زکاۃ ادا کرنے کی نیت کرے۔ ۲

لے اور اگر غریب کو یہ زکاۃ بطور ہدیہ کے دی تھی، اور پھر وہ غریب واپس کرے، تو اس کو لینا جائز ہے، مگر بہتر نہیں، کیونکہ یہ ہبہ مستانفہ ہے، اور لے لینے کے بعد صدقہ کر دینا بہتر ہے، احترازاً عن صورۃ العود فی الصدقۃ۔

اور اگر خود رکھ لیا تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اس صورت میں بھی زکاۃ بہرحال ادا ہوجاتی ہے، برخلاف قرض والی صورت کے کہ اس میں عود فی الصدقۃ کی حقیقت پائی جاتی ہے (کذا فی امداد الاحکام ج۲ص۲، وص۹،۱۰، کتاب الزکاۃ)

(وتسقط) الزكاة (عن موهوب له في) نصاب (مرجوع فيه مطلقا) سواء رجع بقضاء أو غيره (بعد الحول) لورود الاستحقاق على عين الموهوب، ولذا لا رجوع بعد هلاكه قيد به لأنه لا زكاة على الواهب اتفاقا لعدم الملك وهي من الحيل(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ ص۳۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

ملحوظ رہے کہ پہلے ایڈیشن میں اس مسئلہ کے ضمن میں قرض کے عنوان سے دی ہوئی زکاۃ کی رقم کے واپس لینے کو جائز اور خلافِ اولیٰ تحریر کر دیا گیا تھا، جس کا اب خطاء ہونا ظاہر ہوا، اور اب اس مسئلہ کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ محمد رضوان۔

۲ البتہ بعض حضرات نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ جن اموال کی زکاۃ کو وصول کرنے کا حکومت کو حق حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ اموالِ ظاہرہ، ان میں تو زکاۃ کی ادائیگی کے لئے مالک کی نیت کا ہونا ضروری نہیں، اور جن اموال کی زکاۃ کو وصول کرنے کا حکومت کو حق نہیں ہوتا، ان میں زکاۃ کی ادائیگی کے لئے مالک کی نیت کا ہونا ضروری ہے۔

إن أخذ السلطان أو نوابه الزكاة من الممتنع عن أدائها قهرا، وبمنزلة الممتنع قهرا من غيب ماله لئلا تؤخذ منه الزكاة، والأسير، ومن يتعذر الوصول إليه، على ما صرح به شارح المنتهى، فقد اختلف الفقهاء في ذلك .فقال الشافعية في الأصح وهو قول عند الحنابلة :إن أخذ السلطان الزكاة من الممتنع قهرا ونوى عند الأخذ أو عند التفريق، أجزأت عن الممتنع ظاهرا وباطنا، لأن تعذر النية في حقه أسقط وجوبها عنه، كالصغير والمجنون، والسلطان له ولاية على المالك.

وأطلق المالكية القول بإجزائها، وظاهره إجزاؤها ظاهرا وباطنا.

وقال القاضي من الحنابلة :إذا أخذها السلطان أجزأت من غير نية سواء أخذها طوعا أو كرها، لأن أخذ الإمام لها بمنزلة القسم بين الشركاء ، لأنه وكيل الفقراء ، ولأن للسلطان ولاية عامة، وبدليل أنه يأخذها من الممتنع اتفاقا، ولو لم يجزئه لما أخذها، أو لأخذها ثانية وثالثة، حتى ينفد ماله.

وفي قول أبي الخطاب وابن عقيل من الحنابلة :إن أخذها الإمام قهرا أجزأت ظاهرا، فلا يطالب بها، ولا تجزء باطنا، لأنها عبادة، فلا تجزء عمن وجبت عليه بغير نية، كالصلاة، وأخذ الإمام لها يسقط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر مسلمان حکومت کی طرف سے بینکوں میں رکھی ہوئی لوگوں کی رقوم سے زکاۃ کاٹ لی جائے، تو بہت سے اہلِ علم حضرات کے فتوے کے مطابق اس طرح زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، اور دوبارہ زکاۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ اس کے بعد حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ زکاۃ کو صحیح مصرف میں خرچ کرے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''بینک اکاؤنٹ سے حکومت کا زکاۃ وصول کرنا'' از مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ، مشمولہ فقہی مقالات ج ۲، از ص ۶۳، و احسن الفتاویٰ ج ۴، کتاب الزکاۃ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المطالبة بها لا غير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۹۳، ۲۹۴، مادة "زكاة")

لكن إن أخذ الإمام الزكاة قهراً أجزأت من غير نية، لأن تعذر النية فى حقه أسقط وجوبها عنه كالصغير والمجنون (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۱۲، الباب الرابع، الفصل الاول)

وفى مختصر الكرخي إذا أخذها الإمام كرها فوضعها موضعها أجزأ؛ لأن له ولاية أخذ الصدقات فقام أخذه مقام دفع المالك .وفى القنية :فيه إشكال؛ لأن النية فيه شرط ولم توجد منه .اهـ.

قلت :قول الكرخي فقام أخذه إلخ يصلح للجواب تأمل .ثم قال فى البحر :والمفتى به التفصيل إن كان فى الأموال الظاهرة يسقط الفرض؛ لأن للسلطان أو نائبه ولاية أخذها، وإن لم يضعها موضعها لا يبطل أخذه وإن كان فى الباطنة فلا (ردالمحتار، ج۲ص ۲۹۰، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

(ولا يجوز إخراج الزكاة إلا بنية) . إلا أن يأخذها الإمام منه قهرا (المغنى لابنِ قدامة، ج۲ص ۴۷۶، كتاب الزكاة ،فصل تسلف الإمام الزكاة فهلكت فى يده)

[1] اس سلسلہ میں مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ کے فیصلے کا ایک اقتباس درج ذیل ہے کہ:

بینک اکاؤنٹ اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکاۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموالِ ظاہرہ سے زکاۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے، اموالِ باطنہ سے نہیں، عام طور پر فقہاء نے مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالِ تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جارہا ہو، اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے، اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابلِ زکاۃ اموال کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورتِ نقد ہوتے ہیں، اس لئے علمی طور پر یہ سوال قابلِ غور ہے کہ حکومت ان سے زکاۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ''موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے'' (فقہی مقالات، ج ۲ ص ۶۹، ۷۰، بعنوان ''حکومت کا بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکاۃ وصول کرنے کا شرعی حکم''، پہلا حصہ، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، تاریخ اشاعت: جولائی 1996ء)

للإمام حق أخذ الزكاة من المال الذى وجبت فيه (على خلاف فى بعض الأموال يأتى بيانه) . وكان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بینک وغیرہ کی زکاۃ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کرنا یا لکھوانا جائز نہیں، بلکہ ایمان کے لئے سخت خطرناک بات ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۷...... حکومت کی طرف سے جو مخصوص لوگوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، یہ چونکہ زکاۃ کی طرح عبادت نہیں ہے، اس لئے اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ٹیکس دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، اور ٹیکس زکاۃ کا متبادل نہیں بنتا، اگرچہ ٹیکس دینے والا، ٹیکس دیتے وقت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده يأخذون الزكاة من كل الأموال، إلى أن فوض عثمان رضى الله عنه فى خلافته أداء الزكاة عن الأموال الباطنة إلى ملاكها، كما يأتى .

ودليل ذلك قوله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم :(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها)

وقول أبى بكر رضى الله عنه :والله لو منعونى عقالا كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعه واتفق الصحابة على ذلك.

ويجب على الإمام أخذ الزكاة ممن وجبت عليهم، فقد صرح الشافعية بأنه يجب على الإمام بعث السعاة لأخذ الصدقات، لأن النبى صلى الله عليه وسلم والخلفاء من بعده كانوا يبعثون السعاة، ولأن فى الناس من يملك المال ولا يعرف ما يجب عليه، ومنهم من يبخل .والوجوب هو أحد قولى المالكية، واحتجوا بقوله تعالى :(خذ من أموالهم صدقة).

والذين رخصوا للإمام فى عدم أخذ الزكاة من جميع الأموال أو من بعضها دون بعض، إنما هو إذا علم الإمام أنهم إذا لم يأخذها منهم أخرجوها من عند أنفسهم، أما لو علم أن إنسانا من الناس أو جماعة منهم لا يخرجون الزكاة فيجب على الإمام أخذها منهم ولو قهرا، كما تقدم، لأن الإمامة لحراسة الدين وسياسة الدنيا، ومنع الزكاة هدم لركن من أركان الدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۳، ۳۰۴، مادة "زكاة")

فصل ومن امتنع من أداء الزكاة أخذها الإمام كرها ووضعها موضعها، لقوله تعالى :(خذ من أموالهم) وقوله -عليه الصلاة والسلام :-خذها من أغنيائهم وهذا لأن حق الأخذ كان للإمام فى الأموال الظاهرة والباطنة إلى زمان عثمان -رضى الله عنه -بهذه النصوص، ففوضها فى الأموال الباطنة إلى أربابها مخافة تفتيش الظلمة إلى أموال الناس، فصار أرباب الأموال كالوكلاء عن الإمام، فإذا علم أنهم لا يؤدون طالبهم بها ;وما أخذه الخوارج والبغاة من الزكاة لا يثنى عليهم لأنه عجز عن حمايتهم، والجباية بالحماية، ويفتى أهلها بالإعادة فيما بينهم وبين الله تعالى لعلمنا أنهم لم يأخذوها بطريق الصدقة ولا يصرفونها مصارفها.

واختلف المتأخرون فيما يأخذه الظلمة من السلاطين فى زماننا .قال مشايخ بلخ :يفتون بالإعادة كالمسألة الأولى .وقال أبو بكر الأعمش :يفتون بإعادة الصدقة لأنها حق الفقراء ولا يصرفونها إليهم (الاختيار لتعليل المختار، ج۱، ص۱۰۴، كتاب الزكاة)

زکاۃ کی نیت ہی کیوں نہ کرلے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کسی کو زکاۃ ادا کرنے میں شک ہوجائے کہ اس نے زکاۃ ادا کی ہے، یا نہیں؟

تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس پر دوبارہ زکاۃ کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ شک کی صورت میں زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔

اور اگر اس بات میں شک ہوجائے کہ جس کو زکاۃ دی ہے، وہ زکاۃ کا مصرف تھا یا نہیں؟ تو

---

۱ احتساب المكس ونحوه عن الزكاة:

قال السرخسي الحنفي :إذا نوى أن يكون المكس زكاة فالصحيح -أي عند الحنفية -أنه لا يقع عن الزكاة، ونقله ابن عابدين عن الفتاوى البزازية .

وعند المالكية أفتى الشيخ عليش فيمن يملك نصابا من الأنعام، فجعل عليه الحاكم نقدا معلوما كل سنة، يأخذه بغير اسم الزكاة، فلا يسوغ له أن ينوي به الزكاة، وإن نواها لا تسقط عنه، وقال: أفتى به الناصر اللقاني والحطاب.

وفي المجموع للنووي :اتفق الأصحاب أن الخراج المأخوذ ظلما لا يقوم مقام العشر، فإن أخذه السلطان على أن يكون بدل العشر فهو كأخذ القيمة، وفي سقوط الفرض به خلاف، والصحيح السقوط به، فعلى هذا إن لم يبلغ قدر العشر أخرج الباقي.

وأفتى ابن حجر الهيتمي بأن ما يؤخذ من التاجر من المكس لا يحسب عنه زكاة، ولو نوى به الزكاة، لأن الإمام لم يأخذه باسم الزكاة.

وعند الحنابلة روايتان :إحداهما يجزء والأخرى لا يجزء، قال ابن مفلح :وهي الأصح، لأنه أخذها غصبا. وفي فتاوى ابن تيمية :ما يأخذه ولاة الأمور بغير اسم الزكاة لا يعتد به من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۰۰، ۳۰۱،مادة "زكاة")

هل تجزء الضريبة المدفوعة للدولة عن الزكاة؟ لا تجزء أصلاً الضريبة عن الزكاة، لأن الزكاة عبادة مفروضة على المسلم شكراً لله تعالى وتقرباً إليه، والضريبة التزام مالي محض خال عن كل معني للعبادة والقربة، ولذا شرطت النية في الزكاة ولم تشرط في الضريبة، ولأن الزكاة حق مقدر شرعاً، بخلاف الضريبة فإنها تخضع لتقدير السلطة، ولأن الزكاة حق ثابت دائم، والضريبة مؤقتة بحسب الحاجة، ولأن مصارف الزكاة هي الأصناف الثمانية :الفقراء والمساكين المسلمون إلخ، والضريبة تصرف لتغطية النفقات العامة للدولة .وللزكاة أهداف روحية وخلقية واجتماعية إنسانية، أما الضريبة فلا يقصد بها تحقيق شيء من تلك الأهداف (الفقه الاسلامي وادلتہٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

فإن صادر أو أخذ الجبايات ونوى أن يكون عن الزكاة أو نوى أن يكون المكس زكاة فالصحيح أنه لا يقع عن الزكاة *كذا قال السرخسي رحمه الله (الفتاویٰ البزازية، ج ا ص ۴۰، كتاب الزكاة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اس کا حکم اگلی فصل میں آتا ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] حکم من شک هل أدى الزكاة أم لم يؤدها:

تعرض لهذه المسألة الحنفية :فقالوا :إن من شک هل أدى زكاته أو لا يجب عليه أن يزكى بخلاف ما لو شک بعد الوقت أنه هل صلى أم لا، لا يعيد .قالوا :لأن وقت الزكاة لا آخر له، بل هو العمر، فالشک فيها كالشک فى الصلاة فى الوقت .

وقواعد المذاهب الأخرى تقتضى مثل ذلک فإن اليقين لا يزول بالشک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۹۷، ۲۹۸،مادة "زكاة")

الشک فى الزكاة:

أ -الشک فى تأديتها:

لو شک رجل فى الزكاة فلم يدر أزكى أم لا؟ فالواجب عليه إخراجها لأن العمر كله وقت لأدائها، ومن هنا يظهر الفرق بين صاحب هذه الحالة وبين من شک فى الصلاة بعد خروج الوقت أصلى أم لا؟ حيث ذكروا -كما تقدم -إعفاء ه من الإعادة لأنها مؤقتة والزكاة بخلافها

ب -الشک فى تأدية كل الزكاة أو بعضها:

ذكر ابن نجيم أن حادثة وقعت مفادها :أن رجلا شک هل أدى جميع ما عليه من الزكاة أو لا؟ حيث كان يؤدى ما عليه متفرقا من غير ضبط، فتم إفتاؤه بلزوم الإعادة حيث لم يغلب على ظنه دفع قدر معين، وهذا الحكم هو مقتضى القواعد لأن الزكاة ثابتة فى ذمته بيقين فلا يخرج عن العهدة بالشک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶ص۱۹۵، مادة "شک")

(فصل نمبر۶)

زکاۃ دینے کا وکیل ونمائندہ بنانے کے احکام

مسئلہ نمبر۱...... جس شخص پر زکاۃ واجب ہو، اس کے لئے جس طرح خود زکاۃ کا ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی دوسرے کو اپنی زکاۃ ادا کرنے کی ذمہ داری لگانا یعنی دوسرے کو اپنی زکاۃ کا وکیل ونمائندہ بنانا اور اُس وکیل ونمائندہ کے ذریعہ زکاۃ ادا کرانا بھی درست ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... اپنی زکاۃ ادا کرنے کے لئے وکیل بنانا بھی درست ہے، خواہ مسلم حکمران یا اس کے (مقرر کردہ) نمائندہ تک پہنچانے کے لئے کسی کو وکیل بنائے، یا کسی بھی غریب مستحق تک پہنچانے کے لئے وکیل بنائے۔

اور وکیل ونمائندہ بناتے وقت یہ بھی جائز ہے کہ اس وکیل ونمائندہ کو کسی بھی مستحق کو زکاۃ دینے کی اجازت دے دے، اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی متعین مستحق کو زکاۃ ادا کرنے کا پابند کرے۔

البتہ یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کو زکاۃ ادا کرنے کا وکیل ونمائندہ بنایا جائے، وہ سمجھ دار ہو۔ [۲]

---

[۱] من وجبت عليه الزكاة إما أن يخرجها بإعطائها مباشرة إلى الفقراء وسائر المستحقين، وإما أن يدفعها إلى الإمام ليصرفها فى مصارفها .ونذكر هنا الأحكام المتعلقة بالإخراج وخاصة الإخراج المباشر إلى الفقراء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۲، مادة "زكاة")

[۲] يجوز للمزكى أن يوكل غيره فى أداء زكاته، سواء فى إيصالها للإمام أو نائبه، أو فى أدائها إلى المستحق، سواء عين ذلك المستحق أو فوض تعيينه إلى الوكيل.

وقد نص الشافعية على أن إخراج المزكى الزكاة بنفسه أفضل من التوكيل، لأنه بفعل نفسه أوثق.

وقال المالكية :التوكيل أفضل خشية قصد المحمدة، ويجب لمن يعلم من نفسه ذلك القصد، أو يجهل المستحقين .قالوا :وليس للوكيل صرفها لقريب المزكى الذى تلزمه نفقته، فإن لم تلزمه نفقته كره. ثم قال الشافعية :إن كان الوكيل بالغا عاقلا، جاز التفويض إليه، فإن كان صبيا أو سفيها لم يصح التوكيل، إلا إن نوى الموكل وعين له من يعطيه المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۰۲، ۳۰۳، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۳......اگر کوئی مسلمان شخص، کسی غیر مسلم شخص کو اپنی زکاۃ ادا کرنے کا وکیل ونمائندہ بنائے، اور پھر وہ غیر مسلم شخص، اس مسلمان شخص کی طرف سے زکاۃ ادا کردے، تو حنفیہ کے نزدیک اس طرح بھی زکاۃ ادا ہوجاتی ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۴......اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو اپنی زکاۃ کسی خاص غریب کو دینے کے لئے وکیل ونمائندہ بنایا۔

تو اس وکیل کے لئے اس مؤکل (یعنی وکیل ونمائندہ بنانے والے شخص) کی اجازت کے بغیر یہ جائز نہیں کہ اس غریب کے بجائے کسی اور کو وہ یہ زکاۃ دے۔ ؎۲

؎۱ التوكيل فى أداء الزكاة :اتفق الفقهاء على أنه يجوز التوكيل فى أداء الزكاة، بشرط النية من الموكل أو المؤدى، فلو نوى عند الأداء أو الدفع للوكيل عند الحنفية والشافعية، أو قبل الأداء بزمن يسير عند الحنابلة، أو عند العزل لدى المالكية والحنفية والشافعية، ثم أداها الوكيل إلى الفقير بلا نية جاز، لأن تفرقة الزكاة من حقوق المال، فجاز أن يوكل فى أدائه كديون الآدميين.

وللوكيل أن يوكل غيره بلا إذن ولو نوى الوكيل ولم ينو الموكل، لم يجز، لأن الفرض يتعلق به، والإجزاء يقع عنه، وإن دفعها إلى الإمام ناوياً ولم ينو الإمام حال دفعها إلى الفقراء ، جاز.

وبناء عليه يجوز فى رأى الحنفية توكيل الذمى غير المسلم بأداء الزكاة للفقراء ، لأن المؤدى فى الحقيقة هو المسلم (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص۱۹۷۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

يصح توكيل الذمى بأداء الزكاة والذمى ليس من أهل العبادة (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۵، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

تصح إنابة ذمى فى دفع الزكاة (ردالمحتار، ج۲ص۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

(قوله أو دفعها لذمى) نبه على الفرق بين الزكاة والحج لأن الزكاة عبادة مالية محضة، فتصح فيها إنابة الذمى وإن لم يكن من أهل النية لأن الشرط فيها نية الآمر، بخلاف الحج لأنه عبادة مركبة من المال والبدن فتشترط فيه أهلية المأمور للنية (ردالمحتار، ج۲ص۲۶۹، كتاب الزكاة)

ولو دفعها إلى الذمى ليدفعها إلى الفقراء جاز لوجود النية من الآمر هكذا فى محيط السرخسى (الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

؎۲ اور اگر اس وکیل نے موکل کی مخالفت کرکے، کسی اور کو یہ زکاۃ دے دی، تو حنفیہ کے یہاں وکیل پر تاوان لازم ہونے، نہ ہونے کے دونوں اقوال ہیں، اور بعض کے نزدیک تاوان لازم ہونے کا قول راجح ہے۔

وفى القنية من باب الوكالة بأداء الزكاة لو أمره أن يتصدق بدينار على فقير معين فدفعها إلى فقير آخر لا يضمن ثم رقم برقم آخر أنه فى الزكاة يضمن، وله التعيين .اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنی طرف سے زکاۃ کا مال دیئے بغیر یہ کہا کہ وہ میری طرف سے اپنے مال سے زکاۃ ادا کردے، اور پھر اس دوسرے شخص نے پہلے شخص کی طرف سے زکاۃ کی نیت کرکے زکاۃ دے دی، تو بھی اس کے وکیل ونمائندہ بن جانے کی وجہ سے پہلے شخص کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی نے دوسرے شخص کو اپنی طرف سے زکاۃ دینے کا وکیل ونمائندہ نہیں بنایا، اور دوسرے شخص نے خود ہی پہلے شخص کی طرف سے زکاۃ دے دی، تو اس صورت میں اس کے وکیل ونمائندہ نہ بننے اور فضولی ہونے کی وجہ سے پہلے شخص کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ اگرچہ بعد میں اطلاع ملنے کے بعد پہلا شخص اجازت ہی کیوں نہ دے دے، اور اسی وجہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والقواعد تشهد للأول؛ لأنهم قالوا :لو قال :لله على أن أتصدق بهذا الدينار على فلان له أن يتصدق على غيره (البحر الرائق، ج۲، ص۲۲۸، شرائط اداء الزكاة)

والقواعد تشهد للأول إلخ) أقول ::فيه نظر فإن ما ذكره قياس مع الفارق؛ لأنهم صرحوا بأن تعيين الزمان والمكان والدرهم والفقير غير معتبر فى النذر؛ لأن الداخل تحت النذر ما هو قربة، وهو أصل التصدق دون التعيين فيبطل التعيين وتلزم القربة، وهنا الوكيل إنما يملك التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فليس له مخالفته كما فى سائر أنواع الوكالة ونظيره لو أوصى بدراهم لفلان، وأمر الوصى بأن يدفعها إليه بعد موته ليس له أن يدفعها إلى آخر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص۲۲۸، شرائط اداء الزكاة)

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصى الدفع إلى غيره فتأمل(ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۹، كتاب الزكاة)

وإن أمره بالدفع إلى شخص معين، فدفعها الوكيل لغيره، فيه قولان عند الحنفية :قول بأنه لا يضمن، كمن نذر أن يتصدق على فلان معين، له أن يتصدق على غيره، وقول رجحه ابن عابدين :يضمن، لأن الوكيل يستمد سلطته بالتصرف من الموكل، وقد أمر بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره، كمن أوصى لزيد بكذا، ليس للوصى الدفع إلى غيره(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳، ص۱۹۷۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[1] لا يشترط الدفع من عين مال الزكاة، ولذا لو أمر غيره بالدفع عنه جاز كما قدمناه (رد المحتار، ج۲، ص ۲۷۰، كتاب الزكاة)

اس زکاۃ دینے والے کو پہلے شخص سے اس مال کے وصول کرنے کا بھی حق نہیں ہوتا۔ ؎۱

البتہ اگر مالک نے ایسے وقت اجازت دی، جب کہ وہ زکاۃ میں دیا ہوا مال غریب کے قبضہ میں اسی طرح قائم تھا، اور اس نے اس کو خرچ نہیں کیا تھا، تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ ؎۲

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی نے دوسرے کو اپنی زکاۃ کی رقم دے کر غریبوں کو اپنی زکاۃ ادا کرنے کا وکیل اور نمائندہ بنایا تو اس وکیل کو چاہئے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس رقم کو اپنی یا دوسروں کی رقم کے ساتھ نہ ملائے، اور نہ ہی اس رقم کو تبدیل کرے، بلکہ وہی رقم زکاۃ میں ادا کرے۔ ؎۳

؎۱ ولو أدى زكـاة غيـره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذا على المتصدق؛ لأنها ملكه، ولم يصر نائبا عن غيره فنفذت عليه (البحرالرائق، ج ۲، ص ۲۲۶ ، كتاب الزكاة)

؎۲ اس موقف کے بارے میں بندہ کے اپنے رجحان کا ذکر ''زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام'' کے تحت گزر چکا ہے۔محمد رضوان۔

رجل أدى زكـاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك فإن كان المال قائما في يد الفقير جاز، وإلا فلا كذا في السراجية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

؎۳ اگر مذکورہ صورت میں یہ وکیل اس رقم کے بجائے اپنی رقم سے اس کی زکاۃ ادا کرے، اور دوسرے کی دی ہوئی رقم اس کے پاس الگ تھلگ موجود ہے، تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ اپنی رقم سے زکاۃ دیتے وقت یہ نیت بھی کرلے کہ اس زکاۃ کے بدلے میں اس کی وہ رقم میری ہوگئی، جو کہ میرے پاس رکھی ہوئی ہے۔

لیکن اگر اس وکیل نے دوسرے کی دی ہوئی رقم کو پہلے خرچ کر دیا تھا، یا اپنی رقم کے ساتھ ملا دیا تھا، تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس دوسرے کی زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور یہ جو کچھ دے گا، وہ اس کی طرف سے صدقہ تصور کیا جائے گا، اور یہ شخص اس دوسرے کی زکاۃ کا تاوان بھی ادا کرے گا (عمدۃ الفقہ ج۳ص ۹۲، ۹۳، امداد الاحکام ج۲ص ۹۳ تا ۹۵)

مگر یہ سب حکم اس وقت ہے، جبکہ رقم دینے والے کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہو، اور اگر اس کی اجازت سے اس نے اپنی رقم کے ساتھ اس کی رقم ملائی یا اس رقم کے بجائے دوسری رقم دی، تو پھر مذکورہ صورتوں میں دوسرے کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

ملحوظ رہے کہ جب کسی کی رقم اپنی رقم میں ملا دے تو غیر کی رقم کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اس لئے وہ رقم اس کی اپنی رقم بن جاتی ہے اور وہ اتنی رقم کا دوسرے کا مقروض بن جاتا ہے۔ اگر اس حالت میں وہ کوئی رقم کسی کو زکاۃ میں دے تو وہ اپنی جیب سے دینے والا شمار ہوتا ہے اور اسی لئے وہ اس کی طرف سے نفلی صدقہ شمار ہوتا ہے۔

یہ اس طرح ہے کہ جیسے تم نے اس کو زکاۃ دینے کے لئے کچھ نہیں دیا اس نے اپنی طرف سے آپ کی زکاۃ اداء کر دی تو ظاہر ہے کہ یہ زکاۃ نہیں بنے گی، بلکہ اس کی طرف سے نفلی صدقہ بنے گی اس لئے وہ آپ سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر دوسرے نے صراحتاً رقم کو تبدیل کرنے یا اپنی یا دوسرے کی رقم کے ساتھ ملانے کی اجازت نہ دی ہو، تو کیا آج کل کے عرف میں دلالتاً اجازت شمار کی جاتی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں بعض علماء کا فرمانا ہے کہ آج کل کے عرف میں اس کی اجازت ہوتی ہے، اس لئے صراحتاً اجازت حاصل کئے بغیر بھی رقم ملالینے اور دوسری رقم دینے سے زکاۃ ادا ہو جائے گی، جیسا کہ آج کل مدارس وغیرہ کا ایک ہی بینک اکاؤنٹ ہوتا ہے، جس میں بہت سے لوگ بلانکیر مشترک رقوم جمع کراتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اجازت لے لینا بہرحال بہتر ہے، اور اجازت لئے بغیر ایسا تصرف کرنا خلافِ احتیاط ہے (ملاحظہ ہو: کفایتُ المفتی، ج ۴ ص ۲۷۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، جولائی 2001ء، احسنُ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۰۰، کتاب الزکاۃ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کیونکہ جو رقم اس نے مؤکل کی طرف سے زکاۃ میں دی ہے وہ مؤکل کی ہلاک شدہ رقم کا عوض نہیں ہے۔ اگر مؤکل کی طرف سے خلط کرنے کی اجازت ہے تو پھر یہ معاملہ جیسے وکالت ہے، اسی طرح عوض معاوضے کا بھی ہے، اس لئے ہلاکت کے بعد جب وہ اس کی طرف سے زکاۃ ادا کرے گا وہ مؤکل کے مال کا عوض ہوگا اور اس کی طرف سے زکاۃ اداء ہو جائے گی (ماخوذ از بہشتی رہبر بتغیر ص ۱۷۷، ۱۷۸، مؤلفہ: مولانا محمد الیاس کوہاٹی صاحب)

ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان على نية الرجوع وكانت دراهم الموكل قائمة (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۹، كتاب الزكاة)

(قوله ولو تصدق إلخ) أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح . بخلاف ما إذا أنفقها أولا على نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرع (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۹ و ۲۷۰، كتاب الزكاة)

[1] (نوع آخر) * رجلان دفع كل منهما زكاة ماله إلى واحد ليتصدق به عن زكاته إلى فقير فخلط قبل الدفع أو المتولي في يده أوقاف مختلفة خلط غلات بعضها ببعض أو البياع أو السمسار خلط الأثمان بعضها ببعض أو الطحان خلط حنطة الناس ولم تجر العادة في تلك الناحية بالخلط أو بأي مرد خلط ما يجمع من الناس وقد ذكرناه يجب الضمان على الكل (الفتاویٰ البزازية، ج ۱ ص ۴۰، كتاب الزكاة)

ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعا إلا إذا وكله الفقراء (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۹، كتاب الزكاة)

(قوله ضمن وكان متبرعا) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه .قال في التتارخانية :إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان اهـ أي أجاز قبل الدفع إلى الفقير، لما في البحر :لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز لأنها وجدت نفاذا على المتصدق لأنها ملكه ولم يصر تائبا عن غيره فنفذت عليه اهـ لكن قد يقال :تجزي عن الآمر مطلقا لبقاء الإذن بالدفع .قال في البحر :ولو تصدق عنه بأمره جاز ويرجع بما دفع عند أبي يوسف .وعند محمد لا يرجع إلا بشرط الرجوع اهـ تأمل،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو زکاۃ ادا کرنے کے لئے نقدی فراہم کی، تو اس وکیل کو چاہیئے کہ وہ مستحق کو زکاۃ میں نقدی ہی فراہم کرے، کوئی چیز خرید کر مستحق کو دینا جائز نہیں، ہاں اگر زکاۃ دینے والے نے اس کی اجازت دے دی ہو، تو پھر کوئی حرج نہیں (احسن الفتاویٰ ج۴ص۳۰۰، کتاب الزکاۃ)

مسئلہ نمبر۹...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو رقم دے کر اپنی زکاۃ ادا کرنے کا وکیل ونمائندہ بنایا، اور اس وکیل ونمائندہ کے زکاۃ ادا کرنے سے پہلے اس کے پاس سے یہ رقم ضائع مثلاً چوری ہوگئی، تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

اب اگر وکیل ونمائندہ نے اس کی حفاظت میں غفلت وکوتاہی کی، یا ضائع ہونے سے پہلے اس کی رقم کو (دوسرے کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت کے بغیر) اپنی رقم میں ملا لیا تھا، تو اس سے اس کا تاوان لیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں (احسن الفتاویٰ ج۴ص۲۹۹بتغیر وقد مر حکم الاجازۃ دلالۃً)

مسئلہ نمبر۱۰...... جب کسی نے دوسرے کو اپنی زکاۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا، تو اس وکیل کو یہ زکاۃ خود مستحق کو ادا کرنی چاہیئے، لیکن اگر وہ کسی دوسرے ذمہ دار کو آگے اس زکاۃ کو ادا کرنے کا وکیل بنادے، اور وہ صحیح مصرف میں زکاۃ ادا کردے، تب بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۱...... جس کو کسی نے اپنی زکاۃ کسی بھی غریب وضرورت مند کو دینے کا نمائندہ اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ثم قال فی التتارخانیة أو وجدت دلالة الإذن بالخلط کما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات؛ وکذلک المتولی إذا کان فی یده أوقیات مختلفة وخلط غلاتها ضمن وکذلک السمسار إذا خلط الأثمان أو البیاع إذا خلط الأمتعة یضمن .اهـ.
قال فی التجنیس :ولا عرف فی حق السماسرة والبیاعین بخلط ثمن الغلات والأمتعة اهـ ویتصل بهذا العالم إذا سأل للفقراء شیئا وخلط یضمن.
قلت :ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حینئذ دلالة .والظاهر أنه لا بد من علم المالک بهذا العرف لیکون إذنا منه دلالة (رد المحتار، ج۲، ص ۲۶۹، کتاب الزکاة)

[1] للوکیل بدفع الزکاة أن یوکل غیره بلا إذن بحر عن الخانیة وسیأتی متنافی الوکالة (رد المحتار، ج۲، ص ۲۷۰، کتاب الزکاة)
وفی الخانیة من باب الأضحیة :للوکیل بدفع الزکاة أن یوکل بلا إذن، ولا یتوقف (البحر الرائق، ج۲، ص۲۲۸، شرائط اداء الزکاة)

وکیل بنایا، تو اس نمائندہ اور وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ زکاۃ کا مال کسی غریب کو دے دے، اور وہ یہ زکاۃ کا مال اپنی غریب و مستحق بیوی، والدین، اور اولاد کو بھی دے سکتا ہے۔

لیکن اگر وہ شخص خود غریب ہو، تو یہ زکاۃ خود نہیں رکھ سکتا، ہاں اگر زکاۃ دینے والے نے اس کو پورا اختیار دے دیا ہو کہ جو چاہے کرو، اور جسے چاہے دے دو، تو پھر یہ شخص مستحق ہونے کی صورت میں خود بھی زکاۃ کا مال اپنے لئے رکھ سکتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... ایک ساتھ شراکت کے طور پر کام کرنے والے لوگ، تجارت کے معاملات

---

[1] مندرجہ بالا حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اور مذکورہ قول بعض مشائخ نے امام محمد کی طرف، جبکہ بعض نے امام ابو یوسف کی طرف وکیل کے خود زکاۃ رکھ لینے کے جواز کا منسوب کیا ہے، جبکہ وہ وکیل خود سے زکاۃ کا مستحق ہو، واللہ اعلم۔

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال :ربها ضعها حيث شئت (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج٢ص ٢٦٩، كتاب الزكاة)

وللوكيل بدفع الزكاة أن يدفعها إلى ولد نفسه كبيرا كان أو صغيرا، وإلى امرأته إذا كانوا محاويج، ولا يجوز أن يمسك لنفسه شيئا اهـ .إلا إذا قال ضعها حيث شئت فله أن يمسكها لنفسه كذا في الولوالجية(البحر الرائق، ج٢ص٢٢٧، كتاب الزكاة، شروط اداء الزكاة)

ويجوز للوكيل بأداء الزكاة أن يدفع لأبيه وزوجته إذا كانوا فقراء كذا في الإيضاح.

وفي الفتاوى إذا دفعها إلى ولده الصغير أو الكبير وهم محتاجون جاز ولا يجوز أن يأخذ لنفسه منها شيئا فإن قال له صاحب المال ضعها حيث شئت له أن يأخذ لنفسه(الجوهرة النيرة، ج ١ ص ١١٥، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

وللوكيل أن يدفع الزكاة لولده الفقير أو زوجته الفقيرة إذا لم يأمره بالدفع إلى شخص معين، ولا يجوز له أن يأخذ الزكاة لنفسه إلا إذا قال له الموكل :ضعها حيث شئت (الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج٣، ص١٩٧٦، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

رجل دفع إلى رجل مالاً قال :أعط هذا من أحببت، ليس له أن يتصدق على نفسه عند أبي حنيفة، وقال محمد :له ذلك(المحيط البرهاني، ج٢، ص ٣٢٢، كتاب الزكاة، الفصل الرابع عشر)

(فروع) من مسائل الأمر بأداء الزكاة ذكرها في المبسوط والجامع وجوامع الفقه والواقعات لو قال لرجل ادفع زكاتي إلى من شئت أو أعطها من شئت فدفعها لنفسه لم يجز وفي جوامع الفقه جعله قول أبي حنيفة وقال وعند أبي يوسف يجوز ولو قال ضعها حيث شئت جاز وضعها في نفسه وقال في المرغيناني وكل بدفع زكاته فدفعها لولده الكبير أو الصغير أو زوجته يجوز ولا يمسك لنفسه (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج ١ ص ٣٠٥، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ولو وهب بعض النصاب من الفقير يسقط عنه زكاة المؤدى عند محمد -رحمه الله تعالى - كذا في التبيين وعن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى -مثله، وهو الأشبه كذا في الزاهدي(الفتاوى الهندية، ج ١، ص ١٧١، كتاب الزكاة، الباب الأول)

میں تو ایک دوسرے کے وکیل ونمائندے شمار ہوتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کی طرف سے زکاۃ ادا کرنے کے وکیل ونمائندے شمار نہیں ہوتے، اس لئے کاروبار کے شرکاء کو دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے حصہ کے مال کی زکاۃ ادا کرنا، جائز نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا، پھر اس قرض خواہ نے اپنے مقروض ودَین دار سے یہ کہا کہ آپ کی طرف میرے جو اتنے پیسے قرض ہیں، ان کو آپ میری طرف سے غریبوں کو زکاۃ کے طور پر دے دیں، تو اس طرح بھی وکیل بنانا درست ہوجاتا ہے، اور وہ مقروض جب قرض خواہ کے کہنے کے مطابق اس قرض خواہ کی طرف سے زکاۃ ادا کردے گا، تو اس طرح بھی اس قرض خواہ کی زکاۃ ادا ہوجائے گی۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۴...... اگر کسی غریب نے دوسرے شخص کو کسی سے اپنے لئے زکاۃ وصول کرنے کا اس طرح وکیل بنایا کہ تم میرے لئے فلاں سے زکاۃ وصول کرکے، فلاں جگہ خرچ کردو، تو اس طرح بھی غریب کی طرف سے وہ شخص زکاۃ وصول کرکے، اس غریب کی منشاء کے مطابق خرچ کرنے کا وکیل بن جائے گا، اور زکاۃ بھی ادا ہوجائے گی۔ [3]

مسئلہ نمبر۱۵...... جب کوئی شخص دوسرے کو اپنی زکاۃ یا صدقہ کسی کو دینے کا وکیل بنائے،

---

[1] وليس لأحد الشريكين أن يؤدى زكاة مال الآخر إلا بإذنه(الهداية، ج۳، ص ۱۴، كتاب الزكاة)
(وليس لأحد الشريكين أن يؤدى زكاة مال الآخر إلا بإذنه) ; لأن ذلک ليس بداخل فى الشركة لأنه ليس من التجارة (الاختيار لتعليل المختار، ج۳، ص ۱۸، كتاب الشركة)

[2] وإذا قال لمديونه تصدق بالعشرة التى لى عليک على الفقراء عنى أو قال كفر عن يمينى بما لى عليک أو قال أد زكاة مالى من العشرة التى لى عليک تصح الوكالة بالإجماع (الفتاوىٰ الهندية، ج۳، ص ۶۲۳، كتاب الوكالة، فصل فى أحكام التوكيل بتقاضى الدين وقبضه)
(وحيلة أخرى) أن يقول الطالب للمطلوب من الابتداء وكل واحدا من خدمى ليقبض لک زكاة مالى، ثم وكله بقضاء دينک، فإذا قبض الوكيل يصير المقبوض ملكا لموكله وهو المديون والوكيل بالقبض وكيل بقضاء دينه فيقضى دينه من هذا المال بحكم وكالته (الفتاوىٰ الهندية، ج۳، ص ۳۹۲، كتاب الحيل، الفصل الثالث فى مسائل الزكاة)

[3] والحيلة إذا خاف ذلک ما فى الأشباه، وهو أن يوكل المديون خادم الدائن بقبض الزكاة ثم بقضاء دينه، فبقبض الوكيل صار ملكا للموكل، ولا يسلم المال للوكيل إلا فى غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدفع .اهـ (ردالمحتار، ج۲، ص ۲۷۱، كتاب الزكاة)

تو اس وکیل کے وہ زکاۃ یا صدقہ ادا کرنے سے پہلے اگر یہ وکیل ونمائندہ فوت ہوجائے، یا موکل یعنی وکیل ونمائندہ بنانے والا شخص فوت ہوجائے، تو یہ وکالت ونمائندگی باطل وختم ہوجاتی ہے، خواہ وکیل کو اس کا علم بھی نہ ہو کہ موکل یعنی اس کو وکیل بنانے والا شخص فوت ہوچکا ہے۔ ۲

۲ البتہ بعض مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق موکل کی موت کی وجہ سے وکالت ختم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وکیل کو موکل کی موت کا علم ہو، اور ہمارے نزدیک بوقتِ ضرورت اس قول پر عمل کی گنجائش ہے، مثلاً آج کل وکالت کے ذریعے بڑے بڑے معاملات منعقد وطے ہوتے ہیں، اور وکیل ایک بہت بڑا سودا کرلیتا ہے، اور وہ اپنے موکل سے دور اور فاصلہ پر ہوتا ہے، اور اسے موکل کے فوت ہونے کے بعد علم ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں اس معاملہ کو باطل قرار دینے میں سخت مشکل پیش آتی ہے، واللہ اعلم۔

عقد الوكالة ينفسخ بموت الوكيل أو الموكل عند عامة الفقهاء ؛ لأنها عقد جائز ينفسخ بالعزل، والموت فى حكم عزل الوكيل .وإذا مات الوكيل زالت أهليته للتصرف، وإذا مات الموكل زالت صلاحيته بتفويض الأمر إلى الوكيل فتبطل الوكالة.

هذا ولا يشترط جمهور الفقهاء فى انفساخ الوكالة علم الوكيل بموت الموكل .واشترط بعض المالكية (وهو رواية عند الحنابلة) علم الوكيل بموت الموكل فى انفساخ الوكالة كما ذكره ابن رشد.وهكذا الحكم فى سائر العقود الجائزة كعقد الشركة، الوديعة وغيرهما تنفسخ بموت أحد العاقدين على تفصيل فى بعض الفروع يرجع إليها فى مواضعها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧ص ٣٢، مادة "انفساخ")

تبطل الوكالة بموت الموكل أو الوكيل باتفاق الفقهاء .وذلك لأن الموت مبطل لأهلية التصرف، فإذا مات الموكل أو الوكيل بطلت أهليته بالموت فتبطل الوكالة.

ولأن الوكيل نائب عن الموكل فى ماله، وقد انتقل هذا المال بالوفاة إلى ورثته، فلا يلزمهم ما باع أو اشترى.وذهب الحنابلة فى الرواية الثانية إلى أنه يشترط العلم بموت الموكل حتى يصح العزل، لأنه لو انعزل قبل علمه كان فيه ضرر، لأنه قد يتصرف تصرفات فتقع باطلة .فعلى هذه الرواية متى تصرف قبل علمه نفذ تصرفه .

وذهب المالكية إلى أنه إذا كان المتعاقد مع الوكيل حاضرا فى البلد الذى مات فيها الموكل، وعلم أنه يتعاقد مع وكيل بأن أعلمه الوكيل بذلك، أو ثبت ذلك ببينة، فإنه لا ينعزل إلا إذا علم بموت الموكل، وهناك رواية أخرى عندهم أنه لا يشترط العلم لصحة العزل، ولكن الأول هو الراجح عندهم.أما إذا لم يكن المتعاقد موجودا بالبلد الذى مات فيه الموكل، أو كان موجودا ولكنه لم يعلم بالوكالة، فإنه لا ينعزل الوكيل إلا إذا علم بوفاة موكله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٥ص ١٠٦، مادة "وكالة")

الوكيل بأداء الزكاة، مأمور بأداء الزكاة وأداء الزكاة هو إسقاط الفرض بتمليك المال من الفقير، ولم يوجد ذلك من الوكيل (بدائع الصنائع، ج٦، ص٣٥،كتاب الوكالة، فصل فى الوكيلان هل ينفرد أحدهما بالتصرف فيما وكلا به)

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر زکاۃ کی رقم وکیل کے پاس سے ضائع، یا ہلاک ہوجائے، تو زکاۃ دہندہ کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور جو فرد یا ادارہ زکاۃ دہندہ کا وکیل ہو، تو اس کے پاس سے ضائع ہونے کی صورت میں بھی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، اور اسی وجہ سے اگر کوئی ڈاک یا رجسٹری وغیرہ کے ذریعہ سے کسی جگہ زکاۃ بھیجے، اور وہ زکاۃ راستہ میں ضائع ہوجائے، تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی (کفایت المفتی، ج۴ص۲۹۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، جولائی 2001ء، فتاویٰ دارالعلوم، ج۶ص۸۸، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی) [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عامل کے پاس سے، اگر زکاۃ کا وصول شدہ مال یا رقم ضائع وہلاک ہوجائے، تو دینے والوں کی زکاۃ ادا ہوجاتی ہے۔ [2]

اور مدرسہ یا کسی وقف، یا دینی ورفاہی ادارہ کے مدیر یا مہتمم کے پاس سے ضائع و ہلاک ہونے کا حکم بھی، کئی اہلِ علم حضرات کے نزدیک عامل کی طرح ہے، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ''رفع التشکیک عن حیلۃ التملیک''، واحسن الفتاویٰ، ج۱ص۴۳۲، الکلام البدیع فی احکام التوزیع، کتاب العلم والعلماء، واہم فقہی فیصلے اسلامک فقہ اکیڈمی ہند، ص۵۴، ۵۵، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء)

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة ولو مات كانت ميراثا عنه، بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء بحر عن المحيط(ردالمحتار، ج۲ص۲۷۰، كتاب الزكاة)

[2] قال القدوري في كتابه :لو هلك المال في يد العامل سقط حقه، وأجزأت عن الزكاة، أما سقوط حقه؛ فلأن حقه في المال الذي في يديه، فيسقط بهلاكه كما في المضاربة إذا هلك في يد المضارب بعد العمل، وأما جواز الزكاة؛ فلأن قبض العاشر بعد الحول واقع للفقير، وكان كقبض الفقير بنفسه (المحيط البرهاني، ج ۲، ۲۸۰، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه)

ويسقط الواجب عن أرباب الأموال لو هلك المال في يده، لأن يده كيد الإمام، وهو نائب عن الفقراء (البحر الرائق، ج۲، ص ۲۵۹، باب مصرف الزكاة)

(فصل نمبر ۷)

زکاۃ بغیر معاوضہ کے مالکانہ طور پر دینے کے احکام

مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بھی شرط ہے، تملیک کے معنیٰ ہیں ''مالک بنانا''

پس زکاۃ ادا کرنے والے کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ زکاۃ کا مال غریب کو مالکانہ طریقہ پر دے، اور اگر وہ زکاۃ کا مال غریب کو مالکانہ طریقہ پر نہ دے، بلکہ اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کے لئے مباح وجائز کردے، یا اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کو، اس طریقہ سے کھلا پلا دے کہ غریب کو اس مال کے بارے میں کھانے پینے کے علاوہ کوئی اور اختیار حاصل نہ ہو، تو زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔ [۱]

---

[۱] اباحت اور تملیک میں یہ فرق ہے کہ دوسرے کے لئے اباحت کرنے سے اس چیز کا دوسرے کو صرف مخصوص طریقہ پر کام میں لانا مباح ہوجاتا ہے، اور یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اس میں جو تصرف چاہے کرسکے، اور تملیک سے سب طرح کے تصرفات کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، مثلاً اگر کسی کو کھانا مباح کیا تو اس کو صرف اس کے کھالینے کا اختیار ہے، کسی دوسرے تصرف کا اختیار نہیں، یہ تو اباحت ہے۔ اور اگر دوسرے کو اس طرح مالک کردیا کہ وہ چاہے تو خود کھائے، یا استعمال کرے، یا دوسروں کو دے دے، یا بیچ دے، اس کو ان سب چیزوں کا ہر طرح کا اختیار حاصل ہو، اس کا نام تملیک ہے۔

پس زکاۃ میں تملیک ضروری ہے، اور اباحت کافی نہیں (ملاحظہ ہو''معارف القرآن ج۴ ازص۴۰۹''''زکاۃ اور مسئلۂ تملیک'' جمع وترتیب: مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی)

وكـذلك التمليك شرط في مصارف الزكاة فلا تصرف الزكاة إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والتكفين وكل ما لا تمليك فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٦، ص ٢٤٥، مادة "مخارج الحيل")

التمليك :يشترط التمليك لصحة أداء الزكاة بأن تعطى للمستحقين، فلا يكفي فيها الإباحة أو الإطعام إلا بطريق التمليك، ولا تصرف عند الحنفية إلى مجنون وصبي غير مراهق (مميز) إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما .وذلك لقوله تعالى :(وآتوا الزكاة) والإيتاء هو التمليك، وسمى الله تعالى الزكاة صدقة بقوله عز وجل :(إنما الصدقات للفقراء) والتصدق تمليك، واللام في كلمة للفقراء ـ كما قال الشافعية ـ لام التمليك، كما يقال :هذا المال لزيد (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج٣ص ١٨١٢، ١٨١٣، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

مسئلہ نمبر۲...... زکاۃ کا پیسہ مسجد یا مدرسہ یا شفاخانہ یا کسی اور رفاہی یا وقف وٹرسٹ کی تعمیر میں لگانا درست نہیں، کیونکہ اس میں کسی غریب کا مالک بننا نہیں پایا جاتا۔ ل

مسئلہ نمبر۳...... زکاۃ کا مال ایسے خیر کے کاموں یا رفاہی کاموں (مثلاً کنویں کی کھدائی، پُل کی تعمیر وغیرہ) میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں، جن میں غریب یا غریبوں کا مالک بننا نہیں پایا جاتا، اگرچہ غریب لوگ مالک بنے بغیر ان چیزوں سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتے ہوں۔ ۲

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی ادارے میں غریب طلبہ یا دوسرے غریبوں کو مالک بنا کر، زکاۃ کا مال فراہم کیا جاتا ہو، یا شرعی اصولوں کے مطابق ''تملیک'' کا اہتمام ہوتا ہو، تو وہاں زکاۃ دینا

ل -ذهب الفقهاء إلى أنه لا يجوز صرف الزكاة فى بناء المسجد، لانعدام التمليك.
وللتفصيل انظر مصطلح (زكاة ف).
ونقل الإمام فخر الدين الرازى عن القفال فى تفسيره آية الزكاة عن بعض الفقهاء أنهم أجازوا صرف الصدقات إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الحصون وعمارة المساجد لأن قوله تعالى :(وفى سبيل الله)عام فى الكل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۷، ص ۲۲۲، مادة "مسجد")

فصل :ولا يجوز صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى، من بناء المساجد والقناطر والسقايات وإصلاح الطرقات، وسد البثوق، وتكفين الموتى، والتوسعة على الأضياف، وأشباه ذلك من القرب التى لم يذكرها الله تعالى.
وقال أنس والحسن :ما أعطيت فى الجسور والطرق فهى صدقة ماضية. والأول أصح؛ لقوله سبحانه وتعالى :(إنما الصدقات للفقراء والمساكين) "وإنما "للحصر والإثبات، تثبت المذكور، وتنفى ما عداه، والخبر المذكور (المغنى لابن قدامة، ج ۲، ص ۴۹۷ و ۴۹۸، كتاب الزكاة، فصل صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى)

۲ ذهب الفقهاء إلى أنه لا يجوز صرف الزكاة فى جهات الخير غير ما تقدم بيانه، فلا تنشأ بها طريق، ولا يبنى بها مسجد ولا قنطرة، ولا تشق بها ترعة، ولا يعمل بها سقاية، ولا يوسع بها على الأصناف، ولم يصح فيه نقل خلاف عن معين يعتد به، وظاهر كلام الرملى أنه إجماع، واحتجوا لذلك بأمرين:
الأول :أنه لا تمليك فيها، لأن المسجد ونحوه لا يملك، وهذا عند من يشترط فى الزكاة التمليك.
والثانى :الحصر الذى فى الآية، فإن المساجد ونحوها ليست من الأصناف الثمانية، وفى الحديث المتقدم الذى فيه :إن الله جعل الزكاة ثمانية أجزاء .
ولا يثبت مما نقل عن أنس وابن سيرين خلاف ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۸، ۳۲۹، مادة "زكاة")

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

درست ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... زکاۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر کسی مدرسہ میں وقف کر دینے، یا کوئی زمین خرید کر کسی رفاہی کام کے لئے وقف کر دینے یا کسی وقف شدہ جگہ مثلاً ٹرسٹ کی تعمیر و توسیع وغیرہ میں لگانے یا اسی طرح مستحقین کے کام آنے کے لئے کوئی شامیانہ یا کرسیاں اور دیگیں وغیرہ خرید کر وقف کر دینے سے بھی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ ان صورتوں میں بھی غریب مستحق کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا، بلکہ زکاۃ کی رقم کو براہِ راست وقف کرنا پایا جاتا ہے، جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ نمبر۶ ...... زکاۃ کی رقم سے مستحق مریضوں کا اس طرح علاج معالجہ کرنا درست نہیں، جس سے زکاۃ کی رقم یا اس سے خریدا ہوا مال مستحق کی ملکیت میں داخل نہ ہو۔

البتہ اگر زکاۃ کی مَد سے مستحق کو مالکانہ طور پر دوا فراہم کر دی جائے، یا زکاۃ کی رقم کا غریب کو مالک بنا کر یعنی اس غریب یا اس کے نامزد نمائندہ کو زکاۃ کا مال مالکانہ قبضہ کے ساتھ دے کر پھر اس مال سے ڈاکٹر کی فیس یا دوسرے اخراجات وصول کر لئے جائیں، تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

اگر زکاۃ کی رقم سے کسی غریب مریض کو مالکانہ طریقہ پر دوائی فراہم کر دی جائے، یا علاج معالجہ کی اجرت وفیس ادا کرنے کے لئے غریب مریض یا اس کے نامزد نمائندہ کو مالکانہ طریقہ پر رقم فراہم کر دی جائے، جس سے وہ اپنے علاج معالجہ کی ضروریات پوری کرے، تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۷...... میت کی تجہیز و تکفین (یعنی کفن دفن) میں زکاۃ کو استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں کسی شخص کا باضابطہ زکاۃ کا مالک بننا نہیں پایا جاتا، اور مُردہ کو مال کا مالک بنانا ممکن نہیں، اسی طرح زکاۃ کی مد سے کسی میت کا قرض ادا کرنا بھی درست نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] ملحوظ رہے کہ آج کل نام نہاد اور غیر ذمہ دار علماء دینی مدارس کھول کھول کر بیٹھ رہے ہیں، جس کو گویا کہ انہوں نے ایک دوکان سمجھ لیا ہے، نہ انہیں زکاۃ کی تملیک کی شرط کا علم ہے، اور نہ ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہے۔ اس لئے ایسے مدارس کو زکاۃ حوالہ کرنا درست نہیں۔ ''تملیک'' کی تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ ''رفع التشکیک عن حیلۃ التملیک'' ملاحظہ ہو۔

[2] البتہ بعض فقہاء زکاۃ کی مد سے میت کے قرض کو ادا کرنے کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

ذهب الحنفية وهو قول للشافعية والحنابلة (على المذهب) والنخعي :إلى أنه لا تعطى الزكاة فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو زکاۃ کی رقم ایسے اداروں کے حوالے کر دی جاتی ہے، جو زکاۃ کی ادائیگی میں مستحقین کو مالک بنانے کی رعایت نہیں کرتے، اگرچہ وہ ضرورت مندوں کو کتنا ہی فائدہ کیوں نہ پہنچا رہے ہوں، یہ غلط طریقہ ہے، اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی ان اداروں میں تعاون کرنا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ نفلی صدقہ وخیرات اور عطیات وغیرہ سے شرکت کرے، کیونکہ زکاۃ اہم اور خاص فریضہ ہے، جس میں غریب کو مالک بنانے کی بڑی اہمیت ہے، جہاں تک غریبوں کو مالک بنائے بغیر دوسرے طریقوں سے کارِ خیر میں خرچ کرنے کا تعلق ہے، تو وہ کام بھی باعثِ ثواب ہیں، لیکن ان میں دوسری مَد کے مالوں سے خرچ کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۸ ...... اگر کسی غریب نے دوسرے (مثلاً مدرسہ یا ادارہ کے مہتمم) کو اپنی طرف سے زکاۃ وصول کر کے کسی ایسی جگہ خرچ کرنے کا وکیل بنا دیا کہ جہاں زکاۃ دہندہ کا براہِ راست زکاۃ خرچ کا کرنا جائز نہیں تھا، تو اس کا بطور وکالت کے خرچ کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجهيز ميت عند من قال بأن ركن الزكاة تمليكها لمصرفها، فإن الميت لا يملك، ومن شرط صحة الزكاة التمليك، قالوا :ولا يجوز أن يقضى بها دين الميت الذى لم يترك وفاء ، لأن قضاء دين الغير بها لا يقتضى تمليكه إياها، قال أحمد :لا يقضى من الزكاة دين الميت، ويقضى منها دين الحى .وقال المالكية وهو قول للشافعية ونقله فى الفروع عن أبى ثور، وعن اختيار ابن تيمية، وأن فى ذلك رواية عن أحمد :أنه لا بأس أن يقضى من الزكاة دين الميت الذى لم يترك وفاء إن تمت فيه شروط الغارم، قال بعض المالكية :بل هو أولى من دين الحى فى أخذه من الزكاة، لأنه لا يرجى قضاؤه بخلاف الحى، واحتج النووى لهذا القول بعموم الغارمين فى آية مصارف الزكاة، وبأنه يصح التبرع بقضاء دين الميت كدين الحى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۸، مادة "زكاة")

[1] جیسا کہ پچھلی فصل کے مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزرا، اور اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کے فیصلوں میں ہے کہ:

مدرسہ میں طلبہ کے قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں، ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الاداء ماہانہ اخراجات کے بقدر مدِ زکاۃ سے ادا کئے جائیں، یہ ادائیگی بصورتِ نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے، اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقمِ زکاۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کر سکتا ہے، بشرطیکہ بوقتِ داخلہ، فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور اگر نابالغ ہو تو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرا دی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مدِ زکاۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہوگا (اہم فقہی فیصلے ص ۵۴، مطبوعہ پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء)

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی میت کے کفن کا زکاۃ کے مال کے علاوہ کسی اور مال سے انتظام نہ ہو سکے، تو ایسی مجبوری میں یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ زکاۃ کا مال کسی غریب کو مالکانہ طریقہ پر دے دیا جائے، جس میں اس غریب کو ہر طرح کے تصرف کرنے کا اختیار ہو، پھر وہ غریب اپنی خوشدلی کے ساتھ اپنی طرف سے اس مال سے میت کے کفن دفن کا انتظام کردے، تو اس طرح زکاۃ ادا ہو جاتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... اگر کوئی زکاۃ کا مال غریب کو مالک بنا کر دے دے، جس میں اس غریب کو ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہو کہ وہ اس کا جو چاہے کرے، اور پھر اُس غریب کو کسی ایسے نیک مصرف میں خرچ کرنے کا مشورہ دے، جہاں زکاۃ کا خرچ کرنا جائز نہیں تھا، مثلاً شفاخانے کی ایسی ضروریات میں جہاں غریبوں کو مالک نہیں بنایا جاتا (مثلاً آپریشن وغیرہ کی اجرت) اور وہ غریب اپنی خوشدلی سے، اُس مصرف میں خرچ کردے، تو بھی جائز ہے۔ [2]

---

[1] وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا فى تعمير المسجد، وتمامه فى حيل الأشباه (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)
(قوله :فيكون الثواب لهما) أى ثواب الزكاة للمزكى، وثواب التكفين للفقير .وقد يقال :إن ثواب التكفين يثبت للمزكى أيضا، لأن الدال على الخير كفاعله، وإن اختلف الثواب كما وكيفا ط.
قلت :وأخرج السيوطى فى الجامع الصغير لو مرت الصدقة على يدى مائة لكان لهم من الأجر مثل أجر المبتدء من غير أن ينقص من أجره شىء (قوله وكذا) الإشارة إلى الحيلة (قوله وتمامه إلخ) هو ما قدمناه عن الأشباه (رد المحتار، ج۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)

[2] الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره والظاهر نعم(الدرالمختار)
(قوله :وهو الركن) أى ركن الزكاة بالمعنى المصدرى؛ لأنها كما مر تمليك المال من فقير مسلم إلخ، وتسميته ركنا تبعا للهداية وغيرها ظاهر بخلاف ما فى الدرر من تسميته شرطا (قوله :وقدمنا) أى قبيل قوله وافتراضها عمرى (قوله :أن الحيلة) أى فى الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة.
(قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر وفى التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولا لا يجزء؛ لأنه يكون وكيلا عنه فى ذلك وفيه نظر؛ لأن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرضا أو هبة فى الأصح كما قدمناه فافهم.(قوله :والظاهر نعم) البحث لصاحب النهر وقال؛ لأنه مقتضى صحة التمليك قال الرحمتى :والظاهر أنه لا شبهة فيه؛ لأن ملكه إياه عن زكاة ماله وشرط عليه شرطا فاسدا والهبة والصدقة لا يفسدان بالشرط الفاسد (ردالمحتار، ج۲ص۳۴۵، ۳۴۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

مسئلہ نمبر ۱۱...... زکاۃ ادا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کسی مزدوری یا خدمت کے معاوضہ میں نہ دی جائے، اسی وجہ سے کسی مسجد کے امام، مؤذن یا مدرسہ کے مدرس یا گھر یا دوکان یا شفاخانے وہسپتال وغیرہ کے ملازم کو ان کی خدمات کے صلہ و تنخواہ میں زکاۃ دینا جائز نہیں۔[۱]

بعض لوگ کسی غریب مزدور کی مزدوری یا اس کی خدمات کے صلہ میں زکاۃ دینے کی غلطی کرتے ہیں، یا اگر زکاۃ کو محنت، مزدوری یا خدمت کا پورا معاوضہ نہ سمجھیں، تو اس سے اپنی دنیوی اغراض وابستہ رکھتے ہیں، مثلاً اس لئے زکاۃ دیتے ہیں، تاکہ یہ ہمارے فرمانبردار و تابعدار رہیں، اور ہمارا کام ٹھیک ٹھیک کرتے رہیں، اور ہمارے احسان مند رہیں۔

اس قسم کی اغراض درست نہیں، اگر مزدوری یا حق الخدمت کا معاوضہ بنا کر زکاۃ کا مال دیا گیا، تب تو زکاۃ ادا ہی نہیں ہوگی۔ اور اگر باقاعدہ معاوضہ تو نہیں بنایا، لیکن دنیاوی اغراض وابستہ رکھیں، تو وہ زکاۃ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل نہ کرے گی، اگرچہ بعض صورتوں میں زکاۃ کا فریضہ ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۲...... اگر مسجد کے امام و مؤذن مالدار و صاحبِ نصاب ہیں، تو ان کو زکاۃ دینا بہر حال جائز نہیں، اور اگر وہ فقیر و غریب ہوں، تو اگر اذان و امامت کی تنخواہ و معاوضہ کے طور پر ان کو زکاۃ دی جائے، تو بھی ناجائز ہے، کیونکہ زکاۃ کو معاوضہ میں دینا جائز نہیں، اور اگر معاوضہ کے بغیر دی جائے، تو پھر جائز ہے۔

ملحوظ رہے کہ جن علاقوں میں مؤذن اور امام کی تقرری کے وقت زکاۃ کا لینا دینا طے ہوتا ہے، وہ تو بہر حال ناجائز ہے ہی، اور جہاں طے نہ ہو، مگر اس طرح معروف اور رائج ہو کہ دینے والے اپنے لئے امام یا مؤذن کو دینا لازم سمجھتے ہوں، اور امام و مؤذن اس کو اپنا حق سمجھتے

---

[۱] التملیک أنواع ثلاثة فلا بد لکل نوع من اسم خاص لیتمیز عن صاحبه فالبیع اسم لتملیک عین المال بعوض فی حالة الحیاة والهبة والصدقة تملیک عین المال بغیر عوض فی حالة الحیاة بطریق التبرع والعاریة تملیک المنفعة بطریق التبرع فی حالة الحیاة فیکون الوصیة اسما لتملیک المال بعد الموت بطریق التبرع فی العین والمنافع جمیعا (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۳، ص ۲۰۶، کتاب الوصایا)

ہوں، کہ اگر انہیں نہ ملے، تو اعتراض ہوتا ہو، تو یہ بھی جائز نہیں ''لان المعروف کالمشروط''[1]

مسئلہ نمبر ۱۳...... زکاۃ بذریعہ چیک بھی ادا کی جاسکتی ہے، لیکن کیونکہ آج کے دور میں چیک بذاتِ خود مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اس لئے کسی مستحق کو صرف چیک دینے سے اس وقت تک زکاۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ وہ چیک کو کیش نہ کرالے (کذافی امداد المفتین ص ۴۵۱، کتاب الزکاۃ)

مسئلہ نمبر ۱۴...... اگر کوئی ڈاکخانہ کے ذریعہ سے یا کسی اور فرد، یا ادارہ کے واسطہ سے، کسی جگہ زکاۃ ارسال کرے، تو زکاۃ کے ارسال کرنے پر، جو کرایہ وغیرہ کے اخراجات آئیں، وہ زکاۃ ادا کرنے والے کو، زکاۃ سے منہا کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اخراجات الگ سے ادا کرنا چاہئے۔ اسی طرح زکاۃ کی وصولی کے سفیر کو زکاۃ کے مال سے کمیشن دینا بھی جائز نہیں (اہم فقہی فیصلے ص ۵۵، مطبوعہ پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر 1997ء)

مسئلہ نمبر ۱۵...... بعض لوگ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے کسی غریب مستحق کو زکاۃ کا مالک بنانے کا اہتمام نہیں کرتے، اور غریب کو شرعی مالک بنائے بغیر زکاۃ کے مال کو رفاہی یا کسی خیر کے کام میں لگادیتے ہیں، مثلاً کنویں کی کھدائی، پُل کی تعمیر یا تعمیرِ مسجد و ہسپتال وغیرہ میں خرچ کردیتے ہیں۔ جبکہ اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ زکاۃ ادا ہونے کے لئے شریعت نے یہ بات لازم قرار دی ہے کہ کسی غریب مستحق کو زکاۃ مالکانہ طور پر دی جائے، جس سے اس کی ملکیت ثابت ہوجائے اور وہ اس میں جس طرح سے چاہے تصرف کرسکے، یہاں تک کہ اگر غریب کو باقاعدہ مالک بھی نہیں بنایا، بلکہ اس کے لئے زکاۃ کا مال مباح کردیا مثلاً یہ کہ کھانا بنا کر اس کو صرف کھانے کی اجازت دے دی، تب بھی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ تفصیلاً گزرا۔

مسئلہ نمبر ۱۶...... جو مال غریب کو زکاۃ میں مالکانہ طریقہ پر دے دیا گیا، اور پھر وہ غریب اپنی خوشی سے وہ مال کسی مالدار کو ہبہ کرے، تو مالدار کے لئے وہ مال جائز ہے، اور اگر ہبہ کئے بغیر ویسے ہی مباح کرے یا کھلائے پلائے، تو مالدار کے لئے اس کے جائز و ناجائز ہونے کے دونوں قول ہیں، ایک قول کی رُو سے گنجائش ہے، جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل میں آتی ہے۔

---

[1] وقد ذکر الفقھاء أن الشرط العرفی کاللفظی (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۳۰ ص۵۶، مادة "عرف")

(فصل نمبر ۸)

زکاۃ کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام

بعض صورتوں میں زکاۃ وقت پر ادا نہیں کی جاتی، پھر اس کی قضاء کے احکام پیش آتے ہیں، اور بعض صورتوں میں زکاۃ ذمہ میں معاف ہوجاتی ہے، اور بعض صورتوں میں زکاۃ کی وصیت کا حکم ہوتا ہے، اس طرح کے چند مسائل کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ا...... جب کسی شخص میں زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں، مثلاً کوئی شخص زکاۃ کے نصاب کا مالک ہو، اور سال بھی پورا ہوجائے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ کی ادائیگی فی الفور واجب ہوجاتی ہے، اور پھر اس میں بلا عذر تاخیر کرنا گناہ ہوتا ہے۔

البتہ اگر فی الفور زکاۃ ادا کرنے میں کوئی معقول عذر ہو، مثلاً مال اس کے پاس موجود نہ ہو، تو پھر اسی طرح کا عذر زائل ہونے تک تاخیر کرنے میں گناہ نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] ذهب جمهور العلماء (الشافعية والحنابلة وهو المفتى به عند الحنفية) إلى أن الزكاة متى وجبت، وجبت المبادرة بإخراجها على الفور، مع القدرة على ذلك وعدم الخشية من ضرر.
واحتجوا بأن الله تعالى أمر بإيتاء الزكاة، ومتى تحقق وجوبها توجه الأمر على المكلف بها، والأمر المطلق يقتضى الفور عندهم، ولأنه لو جاز التأخير لجاز إلى غير غاية فتنتفى العقوبة على الترك، ولأن حاجة الفقراء ناجزة، وحقهم فى الزكاة ثابت، فيكون تأخيرها منعا لحقهم فى وقته .وسئل أحمد :إذا ابتدأ فى إخراجها فجعل يخرجها أولا فأولا؟ قال :لا، بل يخرجها كلها إذا حال الحول . وقال :لا يجرى على أقاربه من الزكاة كل شهر، أى مع التأخير.
ثم قال الشافعية والحنابلة :ويجوز التأخير لعذر .ومما ذكره الشافعية من الأعذار :أن يكون المال غائبا فيمهل إلى مضى زمن يمكن فيه إحضاره، وأن يكون بإخراجها أمر مهم دينى أو دنيوى، وأن ينتظر بإخراجها صالحا أو جارا.
ومما ذكره الحنابلة أن يكون عليه مضرة فى تعجيل الإخراج، مثل من يحول عليه الحول قبل مجىء الساعى، ويخشى إن أخرجها بنفسه أخذها الساعى منه مرة أخرى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی شخص نے فرض ہونے کے باوجود، ایک یا زیادہ سالوں کی زکاۃ ادا نہیں کی، اور وہ اسی حال میں فوت ہوگیا، تو کیا اُس کے ترکہ (یعنی متروکہ مال) سے زکاۃ نکالی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جس پر زکاۃ واجب ہوجائے، اور وہ ادائیگی پر قادر بھی ہو، پھر وہ زکاۃ ادا کرنے سے پہلے فوت ہوجائے، تو اس کے فوت ہونے سے زکاۃ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذا إن خشي في إخراجها ضررا في نفسه أو مال له سواها، لأن مثل ذلك يجوز تأخير دين الآدمي لأجله، فدين الله أولى.

وذهب المالكية إلى أن الحاضر يجب عليه أن يخرج زكاة ما حضر من ماله وما غاب دون تأخير مطلقا، ولو دعت الضرورة لصرف ما حضر، بخلاف المسافر فله التأخير إن دعته الضرورة أو الحاجة لصرف ما معه في نفقته.

والقول الآخر للحنفية، وعليه عامة مشايخهم أن افتراض الزكاة عمري، أي على التراخي ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب حتى لو لم يؤد يأثم إذا مات. واستدل له الجصاص بأن من عليه الزكاة إذا هلك نصابه بعد تمام الحول والتمكن من الأداء لا يضمن، ولو كانت على الفور لضمن، كمن أخر صوم رمضان عن وقته فإن عليه القضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۵، ۲۹۶، مادة "زكاة")

اتفق الفقهاء في المفتى به عند الحنفية على وجوب الزكاة فوراً بعد استيفاء شروطها من ملك النصاب وحولان الحول ونحوهما، فمن وجبت عليه الزكاة وقدر على إخراجها لم يجز له تأخيرها، ويأثم بالتأخير بلا عذر، وترد شهادته عند الحنفية، لأنه حق يجب صرفه إلى الآدمي توجهت المطالبة بالدفع إليه، والأمر بالصرف إلى الفقير ومن معه قرينة الفور، لأنها لدفع حاجته، فإذا لم تجب معجلة لم يحصل المقصود من الإيجاب على وجه التمام. والإخراج على الفور بشرطين:

أولاً۔ أن يتمكن من إخراجها، بأن كان المال حاضراً عنده، ثانياً۔ أن يحضر الأصناف المستحقون لها أو نوابهم أو الإمام أو وكيله الساعي.

فإن أخرها وهو قادر على أدائها ضمنها، لأنه أخر ما وجب عليه مع إمكان الأداء، كالوديعة إذا طالب بها صاحبها، ويأثم بالتأخير، لحبسه مال الفقراء عنده بغير حق، وهو حرام، إلا إذا أخر في رأي الشافعية لانتظار قريب أو جار أو من هو أحوج من الحاضرين، بشرط ألا يتضرر الحاضرون بالتأخير ضرراً بليغاً. وعليه لايجوز للجمعيات الخيرية تأخير صرف الزكاة كرصيد مدور لحساب الجمعية، لأن دفع الزكاة واجب على الفور (الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص۱۸۱۳، ۱۸۱۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثالث)

ساقط نہیں ہوتی، اور اس کے ترکہ میں سے قرض کی طرح زکاۃ ادا کی جاتی ہے، جس کی ذمہ داری اس کے وارثوں پر لازم ہوتی ہے، خواہ اس نے زکاۃ کی وصیت بھی نہ کی ہو۔ ۱؎

اور حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کے فوت ہونے سے دنیوی احکام کے اعتبار سے اس کی زکاۃ ساقط ہوجاتی ہے، اور اس کے وارثوں کو اس کے ترکہ میں سے زکاۃ نکالنا لازم نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس نے زکاۃ کی وصیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے وصیت کی ہو، تو پھر دوسری وصیتوں کی طرح، اس کے ترکہ کے تہائی مال تک اس کی وصیت کو پورا کیا جاتا ہے، اور اگر اس وصیت کی مقدار، ترکہ کے تہائی مال سے زیادہ ہو، تو پھر تمام عاقل، بالغ وارثوں کی اجازت سے ہی، اس کو پورا کیا جاتا ہے۔ ۲؎

۱؎ اختلف الفقهاء فی تأثیر الموت علی سقوط دین الزکاة إذا توفی من وجبت الزکاة فی ماله قبل أدائها، وذلک علی ثلاثة أقوال:

الأول :للشافعیة والحنابلة، وهو أنه من وجبت علیه الزکاة وتمکن من أدائها، ولم یؤدها حتی مات، فإنها لا تسقط بموته، ویلزم إخراجها من رأس ماله وإن لم یوص بها، وهو مذهب عطاء والحسن البصری والزهری وقتادة وإسحاق وأبی ثور وابن المنذر واحتجوا علی ذلک بأن دین الزکاة حق مالی واجب لزمه حال الحیاة، فلم یسقط بموته، کدین العبد .ویفارق الصلاة، فإنها عبادة بدنیة لا تصح الوصیة بها ولا النیابة فیها وبعموم قوله تعالی فی آیة المواریث :(من بعد وصیة یوصی بها أو دین) حیث عمم سبحانه الدیون کلها، والزکاة دین قائم لله تعالی وللمساکین والفقراء والغارمین وسائر من فرضها الله تعالی لهم بنص الکتاب المبین.

وبما ورد عن ابن عباس رضی الله عنهما قال :جاء رجل إلی النبی صلی الله علیه وسلم فقال :یا رسول الله إن أمی ماتت وعلیها صوم شهر، أفأقضیه عنها؟ قال صلی الله علیه وسلم :نعم .قال: فدین الله أحق أن یقضی .فدل ذلک علی أن حقوق الله تعالی أحق أن تقضی، ودین الزکاة منها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۹، ص ۲۸۱ و ۲۸۲، مادة "موت")

۲؎ البتہ حنفیہ کے نزدیک واجب شدہ عشر موت سے بہر حال ساقط نہیں ہوتا۔

الثانی :للحنفیة، وهو أن من مات، وعلیه دین زکاة لم یؤده فی حیاته، فإنه یسقط بموته فی أحکام الدنیا، ولا یلزم الورثة بإخراجها من ترکته ما لم یوص بذلک، فإن أوصی بأدائها من ترکته، فإنها تخرج من ثلثها کسائر الوصایا، وما زاد علی الثلث لا ینفذ إلا بإجازة الورثة.

وهو قول ابن سیرین والشعبی والنخعی وحماد بن أبی سلیمان وحمید الطویل وعثمان البتی وسفیان الثوری وغیرهم.

وتعلیل ذلک أن المقصود من حقوق الله تعالی إنما هو الأفعال، إذ بها تظهر الطاعة والامتثال، وما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی نے زندگی میں زکاۃ ادا نہیں کی، اور وہ اسی حال میں فوت ہوجائے، تو وہ گنہگار ہوکر فوت ہوتا ہے، اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک تو اس کے ترکہ میں سے زکاۃ ادا کی جاتی ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک اس کے ترکہ میں سے زکاۃ ادا نہیں کی جاتی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان ماليا منها، فالمال متعلق بالمقصود، وهو الفعل، وقد سقطت الأفعال كلها بالموت، لتعذر ظهور طاعته بها فى دار التكليف، فكان الإيصاء بالمال الذى هو متعلقها تبرعا من الميت ابتداء ، فاعتبر من الثلث.

وأيضا فإن الزكاة وجبت بطريق الصلة، ألا ترى أنه لا يقابلها عوض مالى، والصلات تبطل بالموت قبل التسليم.

واستثنى الحنفية من ذلك زكاة الزروع والثمار، فقالوا بعدم سقوطها بالموت قبل الأداء إذا كان الخارج، قائما، فمن وجب عليه العشر أو نصف العشر فإنه يؤخذ من تركته إذا مات قبل أدائه

الثالث :للمالكية، وهو أن من مات وعليه زكاة لم تؤد فى حياته، فلا يخلو :إما أن تكون تلك الزكاة حالة فى العام الحاضر الذى مات فيه، وإما أن تكون عن سنين ماضية فرط فى أداء الزكاة فيها.

الحالة الأولى :فإن كانت الزكاة حالة فى العام الحاضر الذى مات فيه، فإنها إما أن تكون زكاة حرث وثمر وماشية، أو زكاة عين (ذهب أو فضة).

فإن كانت زكاة أموال ظاهرة كحرث وماشية ونحوها، فإنها لا تسقط بموته، بل تخرج من رأس ماله مقدمة على الكفن والتجهيز، سواء أوصى بها أو لا، لأنها من الأموال الظاهرة.

أما إذا كانت زكاة عين حاضرة (من الأموال الباطنة) فإنها تخرج من رأس المال جبرا عن الورثة، إن اعترف بحلولها وبقائها فى ذمته وأوصى بإخراجها، أما إذا اعترف بحلولها، ولم يعترف ببقائها، ولم يوص بإخراجها، فلا يجبر الورثة على إخراجها لا من ثلث تركته ولا من رأس ماله، وإنما يؤمرون فى غير جبر، إلا أن يتحقق الورثة من عدم إخراجها، فحينئذ تخرج من رأس ماله جبرا.

وإذا اعترف ببقائها، وأوصى بإخراجها، أخرجت من الثلث جبرا.

وإن اعترف ببقائها ولم يوص بإخراجها، لم يقض عليهم بإخراجها، وإنما يؤمرون بذلك من غير إجبار لاحتمال أن يكون قد أخرجها قبل موته، فإن علموا عدم إخراجها أجبروا على الإخراج من رأس ماله.

الحالة الثانية : وإذا كانت الزكاة عن مدة ماضية، وفرط فى أدائها سواء أكانت زكاة عين أو ماشية أو حرث فيلزم إخراجها من الثلث إن أوصى بها أو اعترف بأنها باقية فى ذمته.

أما إذا لم يعترف بذلك ولم يوص بها، فإنه لا يلزم الورثة إخراجها لا من الثلث ولا من رأس المال.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن حنفیہ کے نزدیک فوت ہونے سے پہلے ایسے شخص پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ترکہ میں سے زکاۃ ادا کرنے کی وصیت کردے، اور وصیت کرنے کے بعد اس کے وارثوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ اس کے تہائی ترکہ میں سے زکاۃ ادا کریں۔

اور اگر وہ وصیت نہ کرے، تو یہ خود گنہگار ہوتا ہے، مگر اس کے وارثوں کے ذمہ زکاۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کے بالغ وارث تبرع واحسان کے طور پر نیکی سمجھتے ہوئے، اپنے میراث کے حصہ میں سے یا اپنے کسی اور مال سے، میت کے ذمہ میں واجب شدہ زکاۃ ادا کردیں، تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ باعثِ ثواب اور مرحوم کے لئے باعثِ افادیت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو أشهد فی صحته أنها فی ذمته، وأنه لم یفرط، فإنها تخرج من رأس المال.

وإذا أشهد فی مرض موته علی ذلک تکون بمنزلة الوصیة، وتخرج من الثلث(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۳۹،ص ۲۸۲ و ۲۸۳ ،مادة "موت")

حکم من مات وعلیه زکاة أمواله، أو هل تسقط الزکاة بالموت؟ اختلف الفقهاء فی ذلک ، فقال المالکیة والشافعیة والحنابلة :من وجبت علیه زکاة وتمکن من أدائها، فمات قبل أدائها، عصی، ووجب إخراجها من ترکته، وإن لم یوص بها، ولا تسقط بموته، لأنها حق واجب تصح الوصیة به، أو حق مال لزمه فی حال الحیاة، فلم یسقط بالموت کدین الآدمی .ولکن تنفذ من ثلث الترکة کالوصیة فی مشهور مذهب المالکیة، ومن رأس مال الترکة کلها فی رأی الشافعی وأحمد.

وإذا اجتمع فی ترکة المیت دین لله تعالی ودین لآدمی، مثال الأول :زکاة وکفارة ونذر وجزاء صید حرمی وغیر ذلک، فالأصح عند الشافعیة تقدیم دین الله تعالی.

وقال أبو حنیفة :تسقط عنه الزکاة بالموت، إلا أن یوصی بها وصیة، فتخرج من الثلث، ویزاحم بها أصحاب الوصایا، وإذا لم یوص بها سقطت، لأنها عبادة من شرطها النیة، فسقطت بموت من هی علیه کالصوم.

فتکون مسقطات الزکاة عند الحنفیة ثلاثة :موت من علیه الزکاة من غیر وصیة، والردة، وهلاک النصاب بعد الحول قبل التمکن من الأداء وبعده، خلافاً للشافعی وغیره فی الأمور الثلاثة(الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحیلی، ج۳ص ۱۹۸۰ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[1] من ترک الزکاة التی وجبت علیه، وهو متمکن من إخراجها، حتی مات ولم یوص بإخراجها أثم إجماعا.

ثم ذهب جمهور الفقهاء منهم مالک والشافعی، وأحمد، وإسحاق، وأبو ثور، وابن المنذر، وهو مروی عن عطاء ، والحسن، والزهری إلی أن من مات وعلیه زکاة لم یؤدها فإنها لا تسقط عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... زکاۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی (یعنی ایڈوانس) بھی ادا کرنا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالموت كسائر حقوق الله تعالى المالية، ومنها الحج والكفارات، ويجب إخراجها من ماله سواء أوصى بها أو لم يوص، وتخرج من كل ماله لأنها دين لله، فتعامل معاملة الدين، ولا تزاحم الوصايا في الثلث، لأن الثلث يكون فيما بعد الدين .واستدلوا بأنه حق واجب في المال، فلم تسقط بالموت كدين الآدمي.

ثم قال الشافعية :إذا اجتمع دين الله مع دين الآدمي يقدم دين الله لحديث دين الله أحق أن يقضى . وقيل :يقدم دين الآدمي، وقيل :يستويان.

وذهب الأوزاعي والليث إلى أنها تؤخذ من الثلث مقدمة على الوصايا ولا يجاوز بها الثلث.

وذهب أبو حنيفة والثوري والنخعي والشعبي إلى أن الزكاة تسقط بالموت بمعنى أنها لا يجب إخراجها من تركته، فإن كان قد أوصى بها فهي وصية تزاحم سائر الوصايا في الثلث، وإن لم يوص بها سقطت، لأنها عبادة من شرطها النية، فسقطت بموت من هي عليه كالصلاة والصوم، فإن أخرجها الورثة فهي صدقة تطوع منهم.

ويستثنى من هذا عند الحنفية في ظاهر الرواية عشر الخارج من الأرض، فيؤخذ من تركة الميت لأنه عندهم في معنى مئونة الأرض .وفي رواية :بل يسقط أيضا.

ثم عند المالكية تخرج زكاة فرط فيها من رأس ماله إن تحقق أنه لم يخرجها، أما إن كان ذلك بمجرد إقراره في مرض موته وأشهد على بقائها في ذمته، وأوصى بإخراجها فهي من الثلث، وإلا فلا تخرج أصلا.

وأما زكاة عام موته فإن اعترف بحلولها وأوصى بإخراجها أخرجت من رأس المال(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۹۶،۲۹۷،مادة "زكاة ")

ذهب جمهور العلماء ، ومنهم الحنفية على المفتى به عندهم، إلى أنه لا يجوز تأخير دفع الزكاة عن وقت استحقاقها وأنها يجب إخراجها على الفور، لقوله تعالى :(وآتوا حقه يوم حصاده)وهذا في زكاة الزروع ويلحق بها غيرها.

والذي عليه عامة مشايخ الحنفية، وصححه الباقلاني والجصاص :أنها تجب على التراخي، ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب، حتى لو لم يؤد إلى أن مات يأثم.

وقد ذهب جمهور العلماء إلى أنه إن أخر الزكاة بعد الحول مع التمكن من الإخراج فتلف بعض المال أو كله فإنه ضامن لها، ولا تسقط عنه.

وعند المالكية إذا أخرها يوما أو يومين فلا ضمان عليه، إلا أن يقصر في حفظها.

وذهب الحنفية إلى سقوط الزكاة بهلاك المال بعد الحول، سواء تمكن من الأداء أم لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کے نزدیک کئی سالوں کی پیشگی زکاۃ دینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ شخص نصاب کا مالک ہو، جیسا کہ سال گزرنے کے بیان میں گزرا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يتمكن(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠، ص٩، مادة "تأخير")

ولو مات من عليه الزكاة قبل الأداء فلا يخلو إما إن أوصى بالأداء أو لم يوص فإن لم يوص فإنه تسقط عنه الزكاة ولا يؤمر الوصي والوارث بالأداء من ماله عندنا وقال الشافعي تؤخذ من تركته(تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج١ ص٣١١، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

ل اورشافعیہ کے نزدیک صرف ایک سال کی پیشگی زکاۃ دینا جائز ہے، اس سے زیادہ مدت کی پیشگی زکاۃ دینا جائز نہیں، اور مالکیہ کے نزدیک سال پورا ہونے سے ایک مہینہ پیشتر زکاۃ دینا تو جائز ہے، اس سے زیادہ پہلے دینا جائز نہیں، جس کی تفصیل سال گزرنے کے بیان میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

ذهب جمهور الفقهاء :إلى جواز تعجيل إخراج الزكاة قبل الحول في الجملة، وذلك لأن العباس رضي الله عنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك، ولأنه حق مالي جعل له أجل للرفق، فجاز تعجيله قبل أجله، كالدين

ولأنه -كما قال الشافعية -وجب بسببين، وهما :النصاب، والحول :فجاز تقديمه على أحدهما، كتقديم كفارة اليمين على الحنث.

ومنعه ابن المنذر، وابن خزيمة من الشافعية، وأشهب من المالكية، وقال :لا تجزء قبل محله كالصلاة، ورواه عن مالك، ورواه كذلك ابن وهب .قال ابن يونس :وهو الأقرب، وغيره استحسان.

ونص الحنفية والمالكية والحنابلة :على أن تركه أفضل، خروجا من الخلاف.

واختلف الفقهاء في المدة التي يجوز تعجيل الزكاة فيها:

فذهب الحنفية :إلى جواز تعجيل الزكاة لسنين، لوجود سبب الوجوب، وهو :ملك النصاب النامي .وقيده الحنابلة بحولين فقط، اقتصارا على ما ورد .فقد روى علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم تعجل من العباس رضي الله عنه صدقة سنتين لقوله صلى الله عليه وسلم :أما العباس فهي علي ومثلها معهاولما روى أبو داود من أن النبي صلى الله عليه وسلم تسلف من العباس صدقة عامين وهو وجه عند الشافعية، صححه الإسنوي وغيره، وعزوه للنص.

وذهب الشافعية :إلى عدم جواز تعجيل الزكاة لأكثر من عام، وذلك :لأن زكاة غير العام الأول لم ينعقد حولها، والتعجيل قبل انعقاد الحول لا يجوز، كالتعجيل قبل كمال النصاب في الزكاة العينية.

أما المالكية :فلم يجيزوا تعجيل الزكاة لأكثر من شهر قبل الحول على المعتمد، وتكره عندهم بشهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٢٦، مادة "تعجيل")

ذهب جمهور الفقهاء ومنهم الحنفية والشافعية والحنابلة وأبو عبيد وإسحاق، إلى أنه يجوز للمزكي تعجيل إخراج زكاة ماله قبل ميعاد وجوبها، لما ورد أن العباس سأل رسول الله صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی زکاۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے، اسی سال کے دوران تھوڑی تھوڑی کر کے وقتاً فوقتاً زکاۃ ادا کرتا رہے، اور سال پورا ہونے پر سارے مال کا حساب کرلے، یعنی پیشگی زکاۃ ادا کرتا رہے، اور اس کا حساب (وریکارڈ) محفوظ رکھے، پھر سال پورا ہونے کے وقت مال کی مقدار کا حساب کرلے، اور اگر مزید ادائیگی باقی ہو، تو اس کو اب ادا کردے تو بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی زکاۃ پیشگی ادا کرنے کی ایک صورت ہے۔

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی نے ایک یا زیادہ سالوں کی زکاۃ ادا نہیں کی، تب بھی اس پر ان سب سالوں کی زکاۃ کا ادا کرنا لازم رہتا ہے، اور وقت گزرنے سے زکاۃ معاف نہیں ہوتی۔ البتہ گزشتہ کئی سالوں کی زکاۃ ادا کرنے کے طریقۂ کار میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه وسلم فی تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له فی ذلک .وقال النبی صلى الله عليه وسلم لعمر :إنا قد أخذنا زكاة العباس عام الأول للعام .إلا أن الشافعية قالوا :يجوز التعجيل لعام واحد ولا يجوز لعامين فی الأصح لأن زكاة العام الثانی لم ينعقد حولها.

واشترطوا لجواز ذلک أن يكون النصاب موجودا، فلا يجوز تعجيل الزكاة قبل وجود النصاب، بغير خلاف، وذلک لأن النصاب سبب وجوب الزكاة، والحول شرطها ولا يقدم الواجب قبل سببه، ويجوز تقديمه قبل شرطه، كإخراج كفارة اليمين بعد الحلف وقبل الحنث، وكفارة القتل بعد الجرح وقبل الزهوق.

وتوسع الحنفية فقالوا :إن كان مالكا لنصاب واحد جاز أن يعجل زكاة نصب كثيرة لأن اللاحق تابع للحاصل.

والشافعية أجازوا ذلک فی مال التجارة لأن النصاب فيها عندهم مشترط فی آخر الحول فقط لا فی أوله ولا فی أثنائه.

وقال الحنابلة :إن ملک نصابا فقدم زكاته وزكاة ما قد يستفيده بعد ذلک فلا يجزئه عندهم.

وقال الحنفية، وهو المعتمد عند الشافعية :إن قدم زكاته وزكاة ما قد ينتج منه، أو يربحه منه، أجزأه لأنه تابع لما هو مالكه الآن.

وذهب المالكية إلى أنه إن أخرج زكاة الثمار أو الزروع قبل الوجوب، بأن دفع الزكاة من غيرها لم يصح ولم تجزء عنه .وكذا لا تجزء زكاة الماشية إن قدمها وكان هناک ساع يأتی لقبضها فأخرجها قبل قدومه .أما زكاة العين والماشية التی ليس لها ساع فيجوز تقديمها فی حدود شهر واحد لا أكثر، وهذا على سبيل الرخصة، وهو مع ذلک مكروه والأصل عدم الإجزاء لأنها عبادة موقوتة بالحول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۹۴، ۲۹۵، مادة "زكاة")

حنفیہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال کی زکاۃ ادا کرنے کے بعد جو زکاۃ کا مال باقی بچے، دوسرے سال صرف اس مال کی زکاۃ ادا کرے، پھر اس کے بعد جو مال باقی بچے، تیسرے سال اس کی زکاۃ ادا کرے، اسی طرح گزشتہ تمام سالوں کا حساب کرتا رہے، یعنی حنفیہ کے نزدیک اگلے سال کی زکاۃ میں گزشتہ سال کے پورے مال کی زکاۃ واجب نہیں ہوا کرتی، بلکہ گزشتہ سال کی زکاۃ کی مقدار کو نکالنے کے بعد، جو مال بچے، صرف اُس کی زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، کیونکہ جو زکاۃ ذمہ میں باقی ہے، وہ قرض ودَین میں شامل ہو کر مستثنٰی ہوا کرتی ہے۔ [1]

---

[1] مندرجہ بالا حکم طرفین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد) کے نزدیک ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک گزشتہ دینِ زکاۃ، موجودہ وجوبِ زکاۃ کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ دین وقرض کے بیان میں گزرا۔

والرابع :تحقق ما جعله الشارع مناطا لثبوت حق مالي :كحولان الحول على النصاب في الزكاة، واحتباس المرأة في نفقة الزوجية، وحاجة القريب في نفقة الأقارب، ونحو ذلك .فإذا وجد سبب من ذلك وجب الدين في ذمة من قضى الشارع بإلزامه به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١ص ١١١ ،مادة " دين")

أما من كان في ذمته زكاة سنوات مضت فإن الحكم يختلف بالنسبة للزكاة الحاضرة.

فعند المالكية وأبي حنيفة ومحمد دين الزكاة يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الظاهرة.

وقال أبو يوسف :دين الزكاة لا يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الباطنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١ ،ص١٤٨ ،مادة "دين")

فأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أتلف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة عندهما.

وقال زفر لا يمنع كلاهما وقال أبو يوسف وجوب الزكاة في النصاب يمنع ودين الزكاة لا يمنع(تحفة الفقهاء ،للسمرقندي، ج ١ ،ص ٢٧٥ ، كتاب الزكاة،باب زكاة أموال التجارة)

واختلفوا في دين الزكاة .قال زفر :لا يمنع في الأموال الباطنة؛ لأنه لا مطالب له من جهة العباد لأن الأداء للمالك .وقال أبو يوسف :إن كان الدين في الذمة بأن استهلك مال الزكاة بعد الحول، وبقي في ذمته، وملك مالا آخر، فإنه تجب عليه الزكاة، ولا يمنع ما في ذمته من الوجوب، ولو كان الدين في العين كمن له نصاب فمضى عليه سنون، فإنه لا تجب عليه الزكاة لجميع ما مضى من السنين خلافا لزفر ;وعندهما لا تجب الزكاة في الفصلين(الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ،ص ١٠٠ ، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں اور سال گزرنے کے بعد وہ مال اپنے اختیار کے بغیر ضائع و ہلاک ہوجائے، جس پر کہ زکاۃ واجب تھی، مثلاً وہ مال چوری ہوجائے، یا آگ میں جل کر راکھ ہوجائے، یا سیلاب وغیرہ کی نذر ہوجائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاۃ ساقط ہوجاتی ہے، یعنی اس کی زکاۃ واجب نہیں رہتی، کیونکہ جس مال میں زکاۃ واجب تھی، اس کی ذات ہی باقی نہیں رہی۔

اور اگر سارا مال تو ہلاک نہ ہو، بلکہ کچھ مال ہلاک ہوجائے، تو جتنا مال ہلاک ہو، تو صرف اتنے حصہ کی ڈھائی فیصد زکاۃ ساقط ہوجاتی ہے۔

البتہ اگر کوئی جان بوجھ کر اپنے اختیار سے اس مال کو ضائع وہلاک کردے، مثلاً اسے کسی جگہ خرچ کردے، تو پھر اس کی زکاۃ ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اپنی کوتاہی وغفلت کا دخل پایا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أتلف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة في قول أبي حنيفة ومحمد سواء كان في الأموال الظاهرة أو الباطنة. وقال زفر " :لا يمنع كلاهما "، وقال أبو يوسف " :وجوب الزكاة في النصاب يمنع فأما دين الزكاة فلا يمنع "(بدائع الصنائع، ج۲ ص۷، كتاب الزكاة، فصل سبب فرضية الزكاة)

[1] من وجبت عليه الزكاة فلم يخرجها ثم ضاع المال كله أو بعضه، أو تلف بغير فعل المزكي فقد اختلف الفقهاء في ذلك:

فقال الحنفية :إن تلف المال سقطت الزكاة؛ لأن الواجب جزء من النصاب فيسقط بهلاك محله، لكن إن كان هلاكه بعد طلب الساعي فقيل :يضمن، وقيل :لا يضمن.

قالوا :وإذا هلك بعض المال يسقط من الزكاة بقدره أي بنسبة ما هلك.

وقالوا :إن تلف من مال الزكاة بعد الحول ما كان به الباقي أقل من نصاب قبل إمكان الأداء بلا تفريط سقطت الزكاة، فإن أمكن الأداء وفرط ضمن.

وقال المالكية والشافعية :إن كان ضياعه بتفريطه في حفظه وجبت عليه زكاة كل المال، وكذا إن فرط في الإخراج بعد التمكن، بأن وجد المستحق، سواء طلب الزكاة أم لم يطلبها، لتقصيره بحبس الحق عن مستحقه .ثم قال الشافعية :إن لم يكن فرط زكى الباقي فقط بقسطه، ولو كان أقل من نصاب، على الأظهر عندهم، فلو ملك خمسا من الإبل فتلفت واحدة منه قبل التمكن ففي الباقي شاة على الأظهر، ولا شيء على الثاني.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جب کسی مال پر زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں، اورسال گزرنے کے بعدزکاۃ ادا کرنے پرقدرت ہونے کے باوجودزکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، اورپھر وہ مال ہلاک ہوجائے، تواس کی زکاۃ معاف نہیں ہوتی، کیونکہ وقت پرزکاۃ ادانہ کرنے کی وجہ سے وہ کوتاہی کا مرتکب شمار ہوتا ہے، اور جب کوئی چیز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المالكية -وهو قول آخر للشافعية :إن كان الباقي أقل من نصاب سقطت الزكاة.

وقال الحنابلة :يجب عليه زكاة كل المال، حتى لو ضاع كله بعد الحول فالزكاة في ذمته لا تسقط إلا بالأداء ، لأنها حق للفقراء ومن معهم لم يصل إليهم، كدين الآدمي (الموسوعةالفقهية الكويتية، ج ٢٣، ص٣٠٣، مادة "زكاة")

للفقهاء رأيان في سقوط الزكاة بعد وجوبها وهلاك المال:

فقال الحنفية:إن هلک المال بعد وجوب الزكاة، سقطت الزكاة، كما أنه يسقط العشر وخراج المقاسمة، لأن الواجب جزء من النصاب، وتحقيقاً للتيسير، فإن الزكاة وجبت بقدرة مُيسِّرة أي بقاء اليسر إلى وقت أداء الزكاة، فيسقط الواجب بهلاک محله، سواء تمكن من الأداء أم لا، لأن الشرع علق الوجوب بقدرة ميسرة، والمعلق بقدرة ميسرة لا يبقى بدونها، والقدرة الميسرة هنا هي وصف النماء ، لا النصاب.

ولا تسقط الزكاة بالاستهلاک، وإن انتفت القدرة الميسرة، لوجود التعدي.

وإن هلک البعض يسقط بقدر الهالک اعتباراً للبعض بالكل.

أما زكاة الفطر ومثلها مال الحج :فلا تسقط بهلاک المال بعد الوجوب، كما لا يبطل الزواج بموت الشهود.وسبب التفرقة أن الزكاة تتعلق بالنماء ، فشرطت له القدرة الميسرة (وهي ما يوجب يسر الأداء على العبد) تيسيراً على الناس إذ الإنسان إنما يخاطب بأداء ما يقدر عليه، ويجوز ألا يكون له مال سواه، أما الفطرة ومثلها مال الحج فلم تتعلق بالنماء وإنما تجب في الذمة فشرطت له القدرة الممكِّنة (وهي ما يشترط للتمكن من الفعل وإحداثه)

ويلاحظ أن هلاک المال بعد الإقراض والإعارة واستبدال مال التجارة بمال التجارة :هلاک، فلا يضمن الزكاة، وأما استبدال مال التجارة بغير مال التجارة واستبدال الماشية السائمة بالسائمة فهو استهلاک، فيضمن زكاته(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج٣ص١٨١٧،١٨١٨، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الرابع)

(قوله :ولا في هالک إلخ) أي لا تجب الزكاة في نصاب هالک بعد الوجوب :أي بعد مضي الحول بل تسقط......(قوله :لتعلقها بالعين) ؛ لأن الواجب جزء من النصاب فيسقط بهلاک محله كدفع العبد بالجناية يسقط بهلاكه هداية (قوله :وإن هلک بعضه) أي بعض النصاب سقط حظه : أي حظ الهالک :أي سقط من الواجب فيه بقدر ما هلک منه (ردالمحتار،ج٢ص٢٨٣، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

ذمہ میں واجب ہوجائے، تو وہ ساقط نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ سال گزرنے کے بیان میں گزرا۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۷...... اگر کسی نے زکاۃ کا مال نکال کر الگ کرلیا، مگر ابھی تک اس کو ادا نہیں کیا، اور اسی درمیان وہ مال ہلاک ہوگیا، تب بھی اس کی زکاۃ کا حکم گزشتہ مسئلہ کی طرح ہوگا، کیونکہ مال کو صرف الگ کرکے رکھ دینے سے نہ تو زکاۃ ادا ہوتی اور نہ ہی وہ مال ملکیت سے نکلتا۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۸...... اگر کسی مال کی زکاۃ فرض ہوگئی، اور اس نے اس مال کی زکاۃ نہیں دی، بلکہ اس نے وہ سارا مال زکاۃ کے مستحق کو ایک عام نفلی صدقہ کے طور پر دے دیا، تو دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکاۃ ادا ہونے کی نیت نہیں پائی گئی۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں اس کے ذمہ زکاۃ فرض نہیں رہے گی، اور صدقہ کے ضمن میں زکاۃ کا فریضہ بھی ساتھ ساتھ ادا ہوجائے گا۔ ۳؎

۱؎ قال الجمهور: إن هلك المال بعد وجوب الزكاة لم تسقط الزكاة، وإنما يضمنها، فيكون إمكان الأداء شرطاً في الضمان لا في الوجوب، لأن من تقرر عليه الواجب لا يبرأ عنه بالعجز عن الأداء كما في صدقة الفطر والحج وديون الناس، والزكاة حق متعين على رب المال، فإن تلف قبل وصوله إلى مستحقه لم يبرأ منه بذلك، كدين الآدمي .ولو عزل قدر الزكاة، فنوى أنه زكاة فتلف، فهو في ضمان رب المال، ولا تسقط الزكاة عنه بذلك، سواء قدر على أن يدفعها إليه أو لم يقدر.

واستثنى المالكية زكاة الماشية، لأن وجوبها عندهم إنما يتم بشرط خروج الساعي، مع الحول، فإن تلفت فلا تضمن زكاتها.

هذا وقد ذكر ابن رشد خمسة أقوال فيما إذا أخرج الزكاة فضاعت كأن تسرق أو تحترق :وهي قول :إنه لا يضمن بإطلاق، وقول :إنه يضمن بإطلاق، وقول:وما بعدها .إن فرط ضمن وإن لم يفرط لم يضمن، وهو مشهور مذهب مالك، وقول :إن فرط ضمن، وإن لم يفرط زكى ما بقي، وبه قال أبو ثور والشافعي.

والقول الخامس :يعد الذاهب من الجميع ويكون المساكين ورب المال شريكين في الباقي بقدر حظهما من حظ رب المال(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۱۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الرابع)

۲؎ لو عزل الزكاة ونوى أنها زكاة ماله فتلفت فالحكم كذلك عند كل من المالكية والحنابلة . وذكر المالكية صورة ما لو عزل الزكاة فتلف المال وبقيت الزكاة، فإنه يجب عليه إخراجها ولا تسقط بتلف المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ ،ص ۳۰۳،مادة "زكاة")

۳؎ البتہ اگر اس نے وہ پورا مال صدقہ نہیں کیا، بلکہ اس میں سے کچھ حصہ صدقہ کیا، اور اس صدقہ سے نفلی صدقہ کی نیت کی، تو پھر اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صدقہ کئے ہوئے مال کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اور امام محمد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی تفصیل زکاۃ کی نیت کے بیان میں گزر چکی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ کیے ہوئے مال کی زکاۃ تو ساقط ہوجائے گی، اور باقی کی زکاۃ ذمہ میں موجود رہے گی۔

پھر مندرجہ بالا حکم حنفیہ کے نزدیک اس وقت ہے، جبکہ اس نے یہ مال صدقہ کرتے وقت، کسی اور واجب صدقہ کی نیت نہ کی ہو، اور اگر کسی اور واجب صدقہ کی نیت کی، مثلاً اس نے کوئی نذر و منت مانی ہوئی تھی، یا اس پر کوئی کفارہ غیرہ لازم تھا، اور اس نذر یا کفارہ کی نیت سے اس نے یہ مال صدقہ کیا، تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاۃ ساقط نہیں ہوگی۔

ولو دفع الإنسان كل ماله إلى الفقراء تطوعا بعد ما وجبت فيه الزكاة، لم تسقط عنه الزكاة، بل تبقى في ذمته، وبهذا قال الشافعية والحنابلة لأنه لم ينو الفرض.

وقال الحنفية :تسقط عنه الزكاة في هذه الحال استحسانا لأنه لما أدى الكل زالت المزاحمة بين الجزء المؤدى وسائر الأجزاء، وبأداء الكل لله تعالى تحقق أداء الجزء الواجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۳، مادة "زكاة")

وفي البدائع :لو تصدق بجميع ماله على فقير، ولم ينو الزكاة أجزأه عن الزكاة استحسانا.

والقياس :أن لا يجوز؛ لأن الزكاة عبادة مقصودة، فلا بد لها من النية .ووجه الاستحسان أن النية وجدت دلالة، وعلى هذا إذا وهب جميع النصاب من الفقير، أو نوى تطوعا، ولو أدى مائة لا ينوى الزكاة، ونوى تطوعا، لا تسقط زكاة المائة وعليه أن يزكي الكل عند أبي يوسف .وعند محمد يسقط عنه زكاة ما تصدق، ولا يسقط عنه زكاة الباقي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۱۶۶، ۱۶۷، مادة "تطوع")

ولو تصدق الإنسان بجميع ماله تطوعاً، ولم ينو به الزكاة، لم يجزئه عند الجمهور غير الحنفية، لأنه لم ينو به الفرض، كما لو تصدق ببعضه، وكما لو صلى مئة ركعة، ولم ينو الفرض بها .وقال الحنفية :تسقط عنه الزكاة استحساناً خلافاً للقياس(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص۱۸۱۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانی)

ومن تصدق بجميع نصابه ولا ينوى الزكاة سقط فرضها وهذا استحسان كذا في الزاهدي، ولا فرق بين أن ينوي النفل أو لم تحضره النية(الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

وإنما سقطت عنه بلا نية فيما إذا تصدق بجميع النصاب؛ لأن الواجب جزء منه، وقد وصل إلى مستحقه، وإنما تشترط النية لدفع المزاحم فلما أدى الكل زالت المزاحمة (البحرالرائق، ج۲ص۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط اداء الزكاة)

ولو دفع جميع النصاب إلى الفقير ينوي به عن النذر أو واجب آخر يقع عما نوى ويضمن قدر الواجب(الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

(فصل نمبر۹)

زکاۃ کی مقدار کے احکام

زکاۃ کی مقدار سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... یہ بات پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ شریعت کی طرف سے زکاۃ کی جو مقدار مستحقین کے لئے مقرر کی گئی ہے، وہ اڑھائی فیصد (یعنی مال کا چالیسواں حصہ) ہے۔

چنانچہ چالیس روپے میں سے ایک روپیہ، اور سو روپے میں سے ڈھائی روپے، اور ہزار روپیہ میں سے پچیس روپے، اور چالیس ہزار میں سے ایک ہزار روپے، اور ایک لاکھ روپے میں سے ڈھائی ہزار روپے، اور چالیس لاکھ میں سے ایک لاکھ روپے، اور ایک کروڑ روپے میں سے ڈھائی لاکھ روپے، اور اسی طرح جتنا بھی مال ہو، اس کا ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاۃ میں واجب ہوا کرتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... جس مال کی زکاۃ واجب ہو، حنفیہ کے نزدیک اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) نکال کر مستحقین کو زکاۃ میں دیا جائے، جیسے تجارتی کپڑا، برتن وغیرہ۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی دوسری کارآمد چیز اتنی ہی مالیت کی زکاۃ کے طور پر دے دی جائے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ اتنی مالیت کی نقد قیمت زکاۃ کے طور پر دے دی جائے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک نقد قیمت دینا اس لئے زیادہ بہتر ہے کہ ضرورت مندوں کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں، اور نقدی کے ذریعہ سے ضرورت منداور غریب لوگ اپنی مختلف قسم کی ضروریات پوری

---

[1] مقدار الزكاة :المقدار الواجب فى النقدين (الذهب والفضة) ربع العشر(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلى، ج۳ص ۱۸۲۲، الباب الرابع، الفصل الاول،المبحث الخامس،المطلب الاول)

کر سکتے ہیں (معارف القرآن ج۴ص۴۱۲بتغیر)

اور حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل اور اختلاف ہے۔ [1]

---

[1] ذهب الحنفية إلى جواز التحول عن الواجب إلى البدل فى الزكاة، وإليه ذهب الأوزاعى والثورى، وروى ذلك عن عمر بن عبد العزيز والحسن البصرى .فيجوز للمالك أن يدفع العين أو القيمة من النقدين والعروض وغير ذلك، ولو مع وجود المنصوص عليه ، لقوله تعالى :(خذ من أموالهم صدقة)نص على أن المراد بالمأخوذ (صدقة) وكل جنس يأخذه فهو صدقة.

ولقول معاذ لأهل اليمن حين بعثه النبى صلى الله عليه وسلم إليهم :ائتونى بعرض ثياب خميص أو لبيس فى الصدقة مكان الشعير والذرة، أهون عليكم وخير لأصحاب النبى صلى الله عليه وسلم بالمدينة،وكان يأتى به رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ينكر عليه.

والفقه فيه :أن المقصود إيصال الرزق الموعود إلى الفقير، ودفع حاجة المسكين، وهو يحصل بالقيمة أيضا .قال عليه الصلاة والسلام :إن الله تعالى فرض على الأغنياء قوت الفقراء ، وسماه زكاة.

وفى اعتبار القيمة هل تدفع القيمة يوم الأداء أم يوم الوجوب؟ خلاف يرجع فيه إلى موطنه.

وأما عند المالكية والحنابلة :فيجوز التحول عن الواجب إلى البدل فى الدنانير والدراهم فقط، فيجوز للمزكى أن يخرج فى زكاة الدنانير دراهم بقيمتها، ويخرج عن الفضة ذهبا بقيمته، قلت القيمة أو كثرت، لأن ذلك معاوضة فى حقه، فكانت بالقيمة كسائر المعاوضات،وهما كجنس واحد.

ولم يجز ذلك الشافعية.

وأما فى المواشى :فعند الحنفية جائز، بناء على قاعدتهم بجواز القيمة فى كل شىء .وهو الصحيح عند الشافعية .ويكره عند المالكية التحول عن الواجب إلى البدل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰،ص۲۸۳، ۲۸۴،مادة "تحول")

الأصل فى زكاة التجارة أن يخرجها نقدا بنسبة ربع العشر من قيمتها، كما تقدم، لقول عمر رضى الله عنه لحماس :قومها ثم أد زكاتها.

فإن أخرج زكاة القيمة من أحد النقدين أجزأ اتفاقا.

وإن أخرج عروضا عن العروض فقد اختلف الفقهاء فى جواز ذلك.

فقال الحنابلة وهو ظاهر كلام المالكية وقول الشافعى فى الجديد وعليه الفتوى :لا يجزئه ذلك، واستدلوا بأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة من القيمة، كما إن البقر لما كان نصابها معتبرا بأعيانها، وجبت الزكاة من أعيانها، وكذا سائر الأموال غير التجارة.

وأما عند الحنفية وهو قول ثان للشافعية قديم :يتخير المالك بين الإخراج من العرض أو من القيمة فيجزء إخراج عرض بقيمة ما وجب عليه من زكاة العروض، قال الحنفية :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جو چیز زکاۃ میں دی جائے، اس میں یہ بات ضروری ہے کہ وہ مالِ متقوم یعنی کارآمد چیز ہو، اور اگر کوئی بالکل فضول اور بے کار چیز زکاۃ میں دے، جو غریب اور ضرورت مند کے کسی کام کی نہیں ہے، اور نہ تو وہ اس کو بعینہٖ اپنے کام میں لاسکتا ہے، اور نہ اس کے لئے اس کو بیچنا ممکن ہے، اور اگر بیچا بھی جائے، تو اس کی کوئی قیمت نہیں ملتی، تو ایسی صورت میں زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی مالِ تجارت کی زکاۃ اس مال کی جنس سے ادا کرے، مثلاً کپڑے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وكذلك زكاة غيرها من الأموال حتى النقدين والماشية ولو كانت للسوم لا للتجارة، ويأتي تفصيل ذلك إن شاء الله.

وفي قول ثالث للشافعية قديم :أن زكاة العروض تخرج منها لا من ثمنها، فلو أخرج من الثمن لم يجزء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۷۶، ۲۷۷، مادة "زكاة")

الزكاة إما أن تخرج من أعيان المال وهو الأصل في غير زكاة العروض التجارية وقد تقدم .وإما أن تخرج القيمة.

ذهب الجمهور إلى أن الواجب في زكاة عروض التجارة إخراج القيمة، ولا يجزء إخراج شيء من أعيان العروض عندهم، خلافا للحنفية القائلين بالجواز.

ويجزء إخراج الذهب عن الفضة بالقيمة وعكسه، وهو مذهب الحنفية والمالكية، ورواية عند الحنابلة رجحها ابن قدامة.

وذلك لأن المقصود من هذين الجنسين الثمنية، والتوسل بها إلى المقاصد، وذلك موجود في الجنسين جميعا، ومن هنا فرق من فرق بينهما وبين سائر الأجناس، فإن لكل جنس مقصودا مختصا به لا يحصل بالجنس الآخر .ولأن إخراج القيمة هنا قد يكون أرفق بالآخذ والمعطى .وقد يندرء به الضرر عنهما، فإنه لو تعين إخراج زكاة الدنانير منها شق على من يملك أقل من أربعين دينارا ذهبا إخراج جزء من دينار، لأنه يحتاج إلى قطعه أو بيعه أو مشاركة الفقير له فيه، وفي كل ذلك ضرر، قال ابن قدامة :وعلى هذا لا يجوز الإبدال في موضع يلحق فيه الفقير ضرر.

وأضاف المالكية على المشهور عندهم جواز إخراج الفلوس عن كل من الذهب والفضة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۹۸، مادة "زكاة")

[1] شرط المال المؤدى :يشترط أن يكون المؤدى مالاً متقوماً على الإطلاق، سواء أكان عند الحنفية منصوصاً عليه أم لا، من جنس المال الذي وجبت فيه الزكاة أم من غير جنسه، والأصل عندهم أو القاعدة :أن كل مال يجوز التصدق به تطوعاً، يجوز أداء الزكاة منه، ومالا فلا .وعليه :لو أعطى الفقير سلعة من السلع كقماش أوخبز أوسكر أو سمن أو حذاء ، ناوياً الزكاة صح .وعند غير الحنفية :يتعين أداء المنصوص عليه، وقد بحث الموضوع في إخراج القيمة في الزكاة(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۷۲، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

تاجراپنے کپڑے کے مالِ تجارت کی زکاۃ کپڑے سے ہی ادا کرے، تو زکاۃ میں اعلیٰ درجہ کا مال دینا افضل اور درمیانہ درجہ کا مال دینا جائز ہے، اور ادنیٰ درجہ کا مال دینے سے زکاۃ ادا ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اس لئے اس طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

تاہم اگر کوئی اس طرح زکاۃ ادا کردے، تو فریضہ ذمہ سے اترنے کی گنجائش ہے۔ [1]

بعض لوگ زکاۃ ادا کرتے وقت ایسی نکمّی چیز دیتے ہیں، جس سے نہ تو غریب مستحق پوری طرح فائدہ اٹھاپاتا، اور نہ ہی اس نکمّی چیز کی مالیت قابلِ زکاۃ مال کے ڈھائی فیصد کے برابر ہوتی۔

یہ طرزِ عمل درست نہیں، کیونکہ اولاً تو جب تک قابلِ زکاۃ مال کی، اسی مال سے زکاۃ دینے کے

---

[1] لا يجوز للمالك أن يخرج الرديء عن الجيد الذي وجبت فيه الزكاة، وكذلك لا يجوز للمتصدق أن يأخذ ذلك .

وذكر الفقهاء ضمن الصفات التي يجب مراعاتها فيما يخرجه المزكي ويأخذه الساعي أن يكون وسطا، فليس للساعي أن يأخذ الجيد ولا الرديء إلا من طريق التقديم برضا صاحب المال .فعن عروة أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلا على الصدقة وأمره أن يأخذ البكر والشارف وذا العيب وإياك وحزرات أنفسهم .

وورد أنه قال لمعاذ بن جبل :إياك وكرائم أموالهم .

وروى أبو داود بإسناده عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان :من عبد الله وحده وأنه لا إله إلا الله، وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام، ولا يعطى الهرمة ولا الدرنة، ولا المريضة ولا الشرط اللئيمة ، ولكن من وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولم يأمركم بشره .

ولأن مبنى الزكاة على مراعاة الجانبين وذلك بأخذ الوسط، والوسط هو أن يكون أدون من الأرفع، وأرفع من الأدون (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج٢٢ص ١٧١ ، ١٧٢ ، مادة "رداءة")

(ويأخذ المصدق وسط المال) لقوله عليه الصلاة والسلام ' :خذ من حواشي أموالهم 'أي الوسط ، ولأن أخذ الجيد إضرار برب المال ، وأخذ الرديء إضرار بالفقراء (الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ص ١٠٣، كتاب الزكاة)

ذهب الفقهاء إلى أنه ينبغي أن يكون المأخوذ في الزكاة من وسط مال الزكاة، وهذا يقتضي أمرين:
الأول :أن يتجنب الساعي طلب خيار المال، ما لم يخرجه المالك طيبة به نفسه.
الأمر الثاني :أن لا يكون المأخوذ من شرار المال ومنه المعيبة والهرمة والمريضة، لكن إن كانت كلها معيبة أو هرمة أو مريضة، فقد ذهب بعض الفقهاء إلى أنه يجوز إخراج الواجب منها، وقيل : يكلف شراء صحيحة، وقيل :يخرج صحيحة مع مراعاة القيمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦،ص ٣٧٢،مادة "مرض")

بجائے کسی اور مال یا نقدی سے زکاۃ دیتے وقت ڈھائی فیصد مالیت کے برابر ادائیگی نہ کی جائے، اس وقت تک پوری زکاۃ ادا نہیں ہوتی، اور جتنی کمی رہ جائے، اتنی زکاۃ کا فریضہ ذمہ میں باقی رہ جاتا ہے۔

دوسرے زکاۃ کا ایک مقصد غریبوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے، اور جس نکمّی چیز سے غریب اپنی ضرورت پوری نہ کرسکے، اس سے زکاۃ کا یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن معاویہ غاضری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ثَلاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيْضَةَ، وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيْمَةَ، وَلٰكِنْ مِنْ وَّسَطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں ہیں، جو شخص ان کو کرے گا تو وہ ایمان کا مزہ پائے گا، ایک اللہ کی عبادت کرے اور دوسرے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرے، اور تیسرے ہر سال اپنے مال کی زکاۃ خوشی سے ادا کرے، اور (سائمہ مخصوص جانوروں کی زکاۃ میں) بوڑھا خارشی، بیمار، اور گھٹیا جانور نہ دے بلکہ درمیانہ درجہ کا دے، کیونکہ اللہ تم سے نہ زیادہ عمدہ مال چاہتا ہے اور نہ ہی گھٹیا مال کا حکم کرتا ہے (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کو خوش دلی سے ادا کرنا اور گھٹیا مال کے بجائے درمیانہ مال

---

[1] رقم الحديث ۱۵۸۲، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن فيه انقطاع بين يحيى بن جابر وبين جُبير بن نفير .وقد جاء موصولاً من طرق عن عبد الله بن سالم -وهو الأشعري-، بذكر عبد الرحمن بن جبير بن نفير، وهو ثقة (حاشيه ابى داؤد)

زکاۃ میں دینا، ایمان کا ذائقہ چکھنے کی نعمت وفضیلت کا باعث ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۵...... مستحب اور افضل یہ ہے کہ زکاۃ میں عمدہ قسم کا مال دیا جائے، اگرچہ درمیانہ درجہ کا مال دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی نے اپنے ذمہ میں فرض زکاۃ کی پوری مقدار ادا نہیں کی، تو باقی کا ادا

۱؎ قوله" :طعم طعم الإيمان "طعم فعل معجمی بكسر العين بمعنى ذاق، ومنه قوله تعالى :(ومن لم يطعمه فإنه منی) والطعم بالفتح ما يؤديه الذوق.
قوله " :من عبد الله وحده "أی :أولى الخصال الثلاثة :من عبد الله وحده.
قوله " :وأنه لا إله إلا الله "عطف على قوله "وحده"، فيكون فی محل النصب، لأن "وحده "حال بمعنى ينفرد وحده كما قررناه مرة .قوله" :وأعطى زكاة ماله "هی الخصلة الثانية.
قوله" :طيبة بها نفسه "أی :حال كونه طيبة بالزكاة نفسه، وإنما أتت طيبة لاستنادها إلى النفس، يقال :طابت نفسه بالشیء ، إذا سمحت به من غير كراهة ولا غضب.
قوله " :رافدة عليه "أی :معينة، وأصل الرفد الإعانة، يقال :رفدته أرفده إذا أعنته، وانتصابها على أنها حال من "نفسه "، والضمير الذی فی "عليه "يرجع إلى الإعطاء ، الذی يدل عليه قوله" :وأعطى"، والمعنى معينة على إعطائها، أی :أداء الزكاة.
قوله " :ولم يعط الهرمة "هی الخصلة الثالثة، و "الهرمة "الكبيرة فی السن.
قوله" :ولا الدرنة "بفتح الدال المهملة، وكسر الراء ، وبعدها نون مفتوحة، وتاء تأنيث :أی :ولا يعطی الدرنة، وهی الجرباء ، وأصل الدرن الوسخ.
قوله" :ولا الشرط "بفتح الشين المعجمة والراء ، وبطاء مهملة .قال الخطابی : الشرط :رذالة المال، قال الشاعر :وفی شرط المعزی لهن مهور وقال ابن الأثير :وقيل: صغار المال وشراره.
قوله " :اللئيمة "نصب على أنها صفة "للشرط "ومعناها الدنيئة.
قوله " :من وسط أموالكم "بفتح السين.
قوله " :لم يسألكم خيره "أی :خير ما لكم، و "لم يأمركم بشره "أی :برذالته.
والحديث أخرجه أبو داود منقطعا كما ترى، وأخرجه الطبرانی والبزار وأبو القاسم البغوی فی "مسند الصحابة "مسندا (شرح ابی داؤد للعينی ج۶ ص۲۷۳، ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب فی زكاة السائمة)

۲؎ يستحب للمزكی إخراج الجيد من ماله، مع العلم بأن الواجب فی حقه الوسط، وذلك لقول الله تبارك وتعالى :(يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون)وقوله :(لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۰۱، مادة "زكاة")

کرنا اس کے ذمہ فرض رہے گا، اور جتنی مقدار ادا کی، اتنی مقدار ادا ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر سونے، چاندی سے تیار شدہ زیور وغیرہ کی مالیت اس زیور وغیرہ میں موجود سونے، چاندی کے وزن سے زیادہ ہو، مثلاً اس کی بازاری قیمت اتنی ہو کہ اس قیمت سے کم میں اتنی مقدار کا سونا یا چاندی آجاتا ہو، تو اس کی زکاۃ اسی زیور سے ادا کرنے اور کسی دوسری چیز مثلاً کرنسی سے ادا کرنے کی صورتوں میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، جس کی تفصیل مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی کے ذمہ زکاۃ کی ادائیگی کی مقدار تھوڑی بنتی تھی، اور اس نے غلطی سے زیادہ زکاۃ دے دی، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ اس زائد مقدار کو آئندہ سال کی زکاۃ میں شمار کر لے (امداد الاحکام ج۲ ص۱، کتاب الزکاۃ) [2]

اور اگر اس زائد مقدار کو نفلی صدقہ تصور کرے، اور آئندہ سال کی زکاۃ اپنے وقت پر الگ حساب لگا کر ادا کرے، تو بھی حرج نہیں، بلکہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

مسئلہ نمبر ۹...... ایک وقت میں کسی غریب کو کتنی مقدار زکاۃ دی جائے؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

---

[1] المقدار الواجب فی النقدین (الذهب والفضة) ربع العشر (الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلي، ج۳ص ۱۸۲۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الاول)

[2] ولو كان عند رجل أربعمائة درهم، فظن أن عنده خمسمائة درهم فأدى زكاة خمسمائة درهم ثم ظهر أن عنده أربعمائة، فله أن يحتسب الزيادة للسنة الثانية، لأنه أمكن أن يعجل الزيادة تعجلاً (المحيط البرهانی، ج۲ص ۲۹۳ ، كتاب الزكاة، الفصل التاسع فی المسائل المتعلقة بمعطی الزكاة)

رجل له أربعمائة درهم فظن أن عنده خمسمائة فأدى زكاة خمسمائة ثم علم فله أن يحسب الزيادة للسنة الثانية كذا فی محيط السرخسی (الفتاویٰ الهندية ، ج ۱ ص ۱۷۶ ، كتاب الزكاة، الباب الثانی، الفصل الاول)

رجل عنده أربعمائة درهم فظن أن عنده خمسمائة درهم فأدى زكاة خمسمائة فله أن يحتسب الزيادة للسنة الثانية؛ لأنه أمكن أن تجعل الزيادة تعجيلا اهـ (البحر الرائق، ج۲ص ۲۴۲، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک غریب کو زکاۃ کی اتنی مقدار دینا جائز ہے کہ جس سے اس غریب کی حاجت وضرورت پوری ہوجائے، خواہ وہ ضرورت کھانے پینے سے متعلق ہو، یا تجارت سے متعلق ہو، اور خواہ اس ضرورت میں تھوڑا مال خرچ ہوتا ہو، یا زیادہ مال خرچ ہوتا ہو۔ ۱

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ غریب کو زکاۃ اتنی مقدار میں دینی چاہئے کہ جس سے اس غریب اور اس کے اہل وعیال کی زیادہ سے زیادہ ایک سال کی ضرورت پوری ہوسکے۔ ۲

---

۱ خامساً۔ مقدار ما يعطى لمستحقي الزكاة :اختلف الفقهاء في مقدار ما يعطى للفقير والمسكين .

فقال الشافعية والحنابلة :يجوز أن يدفع إلى كل منهما ما تزول به حاجته أو كفايته من أداة يعمل بها إن كان فيه قوة، أو بضاعة يتجر فيها، حتى ولو احتاج إلى مال كثير للبضاعة التي تصلح له، ويحسن التجارة فيها، لأن الله أثبت الصدقات لهؤلاء الأصناف دفعاً لحاجتهم وتحصيلاً لمصلحتهم، فالمقصود من الزكاة سد الخلة ودفع الحاجة، فيعطى الفقير والمسكين ما يحقق حاجته وهو كفاية سنة .وقال صلّى الله عليه وسلم في حديث قبيصة عند مسلم :فحلت له المسألة حتى يصيب قواماً من عيش، أو سِداداً من عيش والسداد :الكفاية (الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۵۹، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

۲ ذهب المالكية والحنابلة في المذهب وهو قول عند الشافعية إلى أن الفقير يعطى من الزكاة الكفاية له ولمن يعوله عاما كاملا.

وذهب الشافعية في الأصح المنصوص والحنابلة في رواية إلى أن الفقير يعطى ما تحصل به الكفاية على الدوام.

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصابا زكويا يدفع إليه أقل من مائتي درهم أو تمامها، ويكره إعطاؤه أكثر من ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص ۲۰۱،مادة "فقير")

ذهب الجمهور (المالكية وهو قول عند الشافعية وهو المذهب عند الحنابلة) إلى أن الواحد من أهل الحاجة المستحق للزكاة بالفقر أو المسكنة يعطى من الزكاة الكفاية أو تمامها له ولمن يعوله عاما كاملا، ولا يزاد عليه، إنما حددوا العام لأن الزكاة تتكرر كل عام غالبا، ولأن النبي صلى الله عليه وسلم ادخر لأهله قوت سنة.وسواء كان ما يكفيه يساوي نصابا أو نصبا .وإن كان يملك أو يحصل له بعض الكفاية أعطي تمام الكفاية لعام.

وذهب الشافعية في قول منصوص والحنابلة في رواية إلى أن الفقير والمسكين يعطيان ما يخرجهما من الفاقة إلى الغنى وهو ما تحصل به الكفاية على الدوام، لحديث قبيصة مرفوعا إن المسألة لا تحل إلا لثلاثة :رجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال: سدادا من عيش . .الحديث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ایک مستحق کو زکاۃ اس کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اتنی مقدار میں دی جائے، جس سے اس دن اسے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔

اور بلا سخت ضرورت کے کسی کو یکمشت زکاۃ کا اتنا مال دے دینا مکروہ ہے، کہ وہ خود زکاۃ کے نصاب کا مالک بن جائے، البتہ اگر وہ اتنے مال کا مقروض ہے، تو حرج نہیں۔

اسی طرح اگر اس کے اہل وعیال زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ مال کا ضرورت مند ہے، اور وہ رقم اس کے اہل وعیال پر تقسیم کی جائے، تو ان میں سے کوئی صاحبِ نصاب نہ بن سکے، تو بھی حرج نہیں۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قالوا :فإن كان من عادته الاحتراف أعطى ما يشترى به أدوات حرفته قلت قيمتها أو كثرت بحيث يحصل له من ربحه ما يفي بكفايته غالبا تقريبا، وإن كان تاجرا أعطى بنسبة ذلك، وإن كان من أهل الضياع يشترى له ضيعة تكفيه غلتها على الدوام .قال بعضهم :يشتريها له الإمام ويلزمه بعدم إخراجها عن ملكه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۱۶،۳۱۷،مادة "زكاة")

[1] اور مالکیہ کے نزدیک کسی کو اس کے ایک سال کی ضرورت سے زیادہ مقدار میں زکاۃ دینا منع ہے، اور اس سے کم مقدار دینے میں ممانعت نہیں۔

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصابا زكويا كاملا يجوز أن يدفع إليه أقل من مائتى درهم أو تمامها .ويكره أكثر من ذلك، وقال زفر لا يجوز تمام المائتين أو أكثر.

وهذا عند الحنفية لمن لم يكن له عيال ولا دين عليه، فإن كان له عيال فلكل منهم مائتا درهم، والمدين يعطى لدينه ولو فوق المائتين كما يأتى فى الغارمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۳۱۷،مادة "زكاة")

وكره أبو حنيفة إعطاء إنسان نصاب الزكاة وهو قدر مئتى درهم، ويجزء إعطاء أى قدر.

وأجاز مالك إعطاء نصاب، ويرد الأمر إلى الاجتهاد، فإن الغرض إغناء الفقير حتى يصير غنياً .لكن لا يعطى عند المالكية أكثر من كفاية سنة.

ودليل أبى حنيفة ومالك أن الآية ليس فيها تحديد مقدار ما يعطى كل واحد من الأصناف.

وأما مقدار ما يعطى للعامل :فاتفق الفقهاء على أنه يدفع إليه الإمام بقدر عمله، أى ما يسعه أو يكفيه وأعوانه بالوسط، مدة ذهابهم وإيابهم، لكن قيد الحنفية ذلك بألا يزاد على نصف ما يقبضه.

وأما ما يعطى للغارم :فبقدر ما عليه من الدين إذا كان فى طاعة وفى غير سرف، بل فى أمر ضرورى.

وكذلك ابن السبيل :يعطى ما يوصله إلى بلده(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۶۰،الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

مسئلہ نمبر ۱۰...... بعض لوگ ویسے ہی تھوڑا بہت مال غریبوں کو دے کر زکاۃ کے فریضے سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جتنی مقدار اِن پر زکاۃ فرض ہے، اس کو حساب کر کے ادا نہیں کرتے۔

یہ سراسر غلط طرزِ عمل ہے، اور اس طرح کرنے سے اپنے آپ کو زکاۃ کے فریضے سے سبکدوش سمجھنا درست نہیں۔

زکاۃ کی مقدار شریعت کی طرف سے ڈھائی فیصد مقرر ہے، لہٰذا قابلِ زکاۃ مالوں کا حساب کر کے ڈھائی فیصد زکاۃ ادا کرنا چاہئے۔

بعض لوگ حساب تو کرتے ہیں، لیکن صحیح صحیح حساب نہیں کرتے، بلکہ اندازہ سے حساب کرتے ہیں۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ اموال کا پورا حساب کر کے زکاۃ ادا کی جائے۔

ہاں اگر حساب پورا پورا نہ ہوسکتا ہو، تو ایسی صورت میں اگر احتیاطی حساب کو ملحوظ رکھ کر زکاۃ ادا کی جائے کہ کسی مال کے حصہ کی زکاۃ باقی رہنے کا شبہ نہ رہے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔

بعض لوگ اموالِ زکاۃ کی وہ قیمت لگاتے ہیں، جس پر انہوں نے مال خریدا، یا جتنی رقم خرچ کرنے پر وہ مال تیار ہوا، یہ بھی درست نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ زکاۃ کا حساب کرتے ہوئے ان اموال کی موجودہ بازاری قیمتِ فروخت لگانی چاہیے۔

بعض لوگ تمام اموال کی زکاۃ ادا نہیں کرتے، بلکہ بعض اموال کی زکاۃ ادا کر دیتے ہیں، اور بعض کی نہیں کرتے۔

اس کوتاہی کا بڑا سبب لاعلمی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے کون کون سے اموال پر زکاۃ واجب ہے، اس کم علمی پر مبنی غلط فہمی کو بھی دور کرنا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر۱۰)

زکاۃ کے مصارف وادائیگی سے متعلق متفرق مسائل

اب زکاۃ کے مصارف اور زکاۃ کی ادائیگی سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... زکاۃ کو اس کے صحیح شرعی مصرف میں لگانا زکاۃ ادا کرنے والے فرد کی شرعی ذمہ داری ہے، اگر وہ اس سلسلہ میں غفلت وکوتاہی اختیار کرے گا، اور شرعی ہدایات کو نظرانداز کرے گا، جس کی وجہ سے زکاۃ کی ادائیگی صحیح طریقہ پر نہ ہوسکے گی، تو اس کا پورا پورا وبال زکاۃ ذمہ میں فرض ہونے والے کی گردن پر ہوگا۔

اس بارے میں آج کل بہت کوتاہی پائی جارہی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر۲...... جمہور فقہائے کرام (یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک زکاۃ دینے والے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ زکاۃ کے ان تمام آٹھ مصارف میں زکاۃ ادا کرے، جن کا ذکر قرآن مجید کی سورہ توبہ میں آیا ہے، اور جن کو ''قرآنی مصارف'' کہا جاتا ہے، بلکہ کسی ایک مصرف یا ایک سے زیادہ مصارف میں بھی زکاۃ کا ادا کرنا جائز ہے۔ [1]

---

[1] ذهب جمهور العلماء (الحنفية والمالكية وهو المذهب عند الحنابلة وهو قول الثورى وأبى عبيد) إلى أنه لا يجب تعميم الزكاة على الأصناف، سواء كان الذى يؤديها إليها رب المال أو الساعى أو الإمام، وسواء كان المال كثيرا أو قليلا، بل يجوز أن تعطى لصنف واحد أو أكثر، ويجوز أن تعطى لشخص واحد إن لم تزد عن كفايته، وهو مروى عن عمر وابن عباس، قال ابن عباس :فى أى صنف وضعته أجزأک.

واحتجوا بحديث :تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم قالوا :والفقراء صنف واحد من أصناف أهل الزكاة الثمانية، وبوقائع أعطى فيها النبى صلى الله عليه وسلم الزكاة لفرد واحد أو أفراد، منها: أنه أعطى سلمة بن صخر البياضى صدقة قومه .وقال لقبيصة :أقم يا قبيصة حتى تأتينا الصدقة فنأمر لک بها.قالوا :واللام فى آية الصدقات بمعنى "أو"، أو هى لبيان المصارف، أو هى للاختصاص، ومعنى الاختصاص عدم خروجها عنهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۲۹،مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض حضرات کے نزدیک زکاۃ کے آٹھوں قرآنی مصارف میں زکاۃ کا دینا مستحب ہے، بشرطیکہ اس پر آسانی عمل ممکن ہو۔ ۱؎

اور شافعیہ کے نزدیک جب تک ممکن ہو، زکاۃ کے آٹھوں قرآنی مصارف میں زکاۃ کا خرچ کرنا واجب ہے، اور کسی ایک مصرف میں یا آٹھ سے کم مصارف میں زکاۃ دینا جائز نہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومذهب الجمهور (الحنفية والمالكية والحنابلة): جواز صرف الزكاة إلى صنف واحد، وأجاز الحنفية والمالكية صرفها إلى شخص واحد من أحد الأصناف .وندب عند المالكية صرفها إلى المضطر أى أشدهم حاجة على غيره .ويستحب صرفها فى الأصناف الثمانية خروجاً من الخلاف وتحصيلاً للإجزاء يقيناً، ولا يجب الاستيعاب.

ودليلهم أن الآية تعنى عدم جواز صرفها لغير هذه الأصناف، وأما فيهم فهى تدل على التخيير، أى إنها لبيان الأصناف التى يجوز الدفع إليهم، لا لتعيين الدفع فيهم.

وأما دليل جواز الاقتصار على شخص واحد من أحد الأصناف فهو أن الجمع المعرف بأل الفقراء .. ينبغى حملها على المجاز، وهو جنس الفقير، الذى يتحقق بواحد، لتعذر حملها على الحقيقة :وهو الاستغراق، أى الشمول لجميع الفقراء ، إذ يصير المعنى أن كل صدقة لكل فقير، وهو غير معقول(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۵۱ ، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

۱؎ وصرح المالكية بأن التعميم لا يندب إلا أن يقصد الخروج من الخلاف، وكذا استحب الحنابلة التعميم للخروج من الخلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۹،مادة "زكاة")

۲؎ وذهب الشافعية، وهو رواية عن أحمد وقول عكرمة، إلى أنه يجب تعميم الأصناف، وإعطاء كل صنف منهم الثمن من الزكاة المجتمعة، واستدلوا بآية الصدقات، فإنه تعالى أضاف الزكاة إليهم فاللام للتمليك، وأشرك بينهم بواو التشريك، فدل على أنها مملوكة لهم مشتركة بينهم، فإنه لو قال رب المال :هذا المال لزيد وعمرو وبكر قسمت بينهم ووجبت التسوية، فكذا هذا، ولو أوصى لهم وجب التعميم والتسوية.

وتفصيل مذهب الشافعية فى ذلك أنه يجب استيعاب الأصناف الثمانية فى القسم إن قسم الإمام وهناك عامل، فإن لم يكن عامل بأن قسم المالك، أو حمل أصحاب الأموال زكاتهم إلى الإمام، فالقسمة على سبعة أصناف، فإن فقد بعضهم فعلى الموجودين منهم، ويستوعب الإمام من الزكوات المجتمعة عنده آحاد كل صنف وجوبا، إن كان المستحقون فى البلد، ووفى بهم المال .وإلا فيجب إعطاء ثلاثة من كل صنف، لأن الآية ذكرت الأصناف بصيغة الجمع.

قالوا :وينبغى للإمام أو الساعى أن يعتنى بضبط المستحقين، ومعرفة أعدادهم، وقدر حاجاتهم،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... زکاۃ دینے میں افضل یہ ہے کہ زکاۃ دینے میں ان لوگوں کو مقدم رکھا جائے، جو زیادہ ضرورت وحاجت مند ہوں۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واستحقاقهم، بحيث يقع الفراغ من جمع الزكوات بعد معرفة ذلك أو معه ليتعجل وصول حقهم إليهم.

قالوا :وتجب التسوية بين الأصناف، وإن كانت حاجة بعضهم أشد، ولا تجب التسوية بين أفراد كل صنف إن قسم المالك، بل يجوز تفضيل بعضهم على بعض، أما إن قسم الإمام فيحرم عليه التفضيل مع تساوى الحاجات، فإن فقد بعض الأصناف أعطى سهمه للأصناف الباقية، وكذا إن اكتفى بعض الأصناف وفضل شيء ، فإن اكتفى جميع أفراد الأصناف جميعا بالبلد، جاز النقل إلى أقرب البلاد إليه على الأظهر، على ما يأتي بيانه.

وقال النخعي :إن كانت الزكاة قليلة جاز صرفها إلى صنف واحد، وإلا وجب استيعاب الأصناف، وقالا أبو ثور وأبو عبيد :إن أخرجها الإمام وجب استيعاب الأصناف، وإن أخرجها المالك جاز أن يجعلها فى صنف واحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۲۹، ۳۳۰،مادة "زكاة")

قال الشافعية:يجب صرف جميع الصدقات الواجبة سواء الفطرة وزكاة الأموال إلى ثمانية أصناف، عملاً بالآية الكريمة (إنما الصدقات ..)أضافت الآية جميع الصدقات إلى هذه الأصناف بلام التمليك، وشركت بينهم بواو التشريك، فدلت على أن الصدقات كلها مملوكة لهم، مشتركة بينهم .فإن كان الذى يفرق الزكاة هو الإمام، قسمها على ثمانية أسهم، منها سهم العامل، وهو أول ما يبدأ به، لأنه يأخذه على وجه العوض، وأما غيره فيأخذه على وجه المواساة .وإن كان مفرق الزكاة هو المالك أو وكيله سقط نصيب العامل، وصرفت إلى الأصناف السبعة الباقية إن وجدوا، وإلا فللموجودين منهم، والمستحب أن يعم كل صنف إن أمكن، ولا يجوز أن يصرف لأقل من ثلاثة من كل صنف، لأن أقل الجمع ثلاثة، فإن دفع لاثنين ضمن نصيب الثالث إلا العامل، فإنه يجوز أن يكون واحداً إن حصلت به الكفاية.

والغالب وجوده الآن فى البلاد أربعة :الفقير والمسكين والغارم وابن السبيل .وأجاز جمع من الشافعية دفع زكاة الفطر لثلاثة فقراء أو مساكين، واختار الرُّويانى من الشافعية صرف الزكاة إلى ثلاثة من أهل السهمان، قال :وهو الاختيار من حيث الفتوى لتعذر العمل بمذهبنا (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص ۱۹۵۰، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

؎۱ إعطاء المستحقين الزكاة ليس بدرجة واحدة من الفضل، بل يتمايز.

فقد نص المالكية على أنه يندب للمزكى إيثار المضطر أى المحتاج، على غيره، بأن يزاد فى إعطائه منها دون عموم الأصناف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۰۲،مادة "زكاة")

صرح الشافعية والحنابلة بأن العامل على الزكاة يبدأ به قبل غيره فى الإعطاء من الزكاة، لأنه يأخذ على وجه العوض عن عمله، وغيره يأخذ على سبيل المواساة، قال الشافعية وهو قول عند الحنابلة :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی شخص زکاۃ کا مستحق تھا، اور اس کو اس حالت میں زکاۃ کا مال حاصل ہوا تھا، پھر اس کے زکاۃ کا مستحق ہونے کی حیثیت ختم ہوگئی، اور اس کے قبضہ میں زکاۃ کا مال موجود ہے، مثلاً کسی کو فقر وغربت کی حالت میں زکاۃ حاصل ہوئی تھی، اور پھر وہ مالدار ہوگیا، یا کوئی شخص مقروض ہونے کی وجہ سے فقیر وغریب تھا، اور اس وقت اس کو زکاۃ کا مال حاصل ہوا تھا، پھر اس کے قرض خواہ نے اس کا قرض معاف کردیا، یا کسی اور نے اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کردیا، تو حنفیہ کے نزدیک ان صورتوں میں اس کی ملکیت میں پہلے سے موجود زکاۃ کے مال کا استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کا بعض صورتوں میں اختلاف ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فإن كان سهم العاملين وهو ثمن الزكاة قدر حقه أخذه، وإن زاد عن حقه رد الفاضل على سائر السهام، وإن كان أقل من حقه تمم له من سهم المصالح، وقيل :من باقي السهام.

والمذهب عند الحنابلة أن العامل يقدم بأجرته على سائر الأصناف، أي من مجموع الزكاة.

أما ما بعد ذلك، فقال الشافعية :يقسم بين باقي الأصناف كما تقدم.

ونظر الحنفية والمالكية إلى الحاجة، فقال الحنفية :يقدم المدين على الفقير لأن حاجة المدين أشد، وراعى الحنفية أمورا أخرى تأتي في نقل الزكاة.

وقال المالكية :يندب إيثار المضطر على غيره بأن يزاد في إعطائه منها.

ونظر الحنابلة إلى الحاجة مع القرابة فقالوا :يقدم الأحوج فالأحوج استحبابا، فإن تساووا قدم الأقرب إليه، ثم من كان أقرب في الجوار وأكثر دينا، وكيف فرقها جاز، بعد أن يضعها في الأصناف الذين سماهم الله تعالى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣،ص ٣٣٠، ٣٣١،مادة "زكاة")

[1] حكم من أعطى من الزكاة لوصف فزال الوصف وهي في يده:

من أهل الزكاة من يأخذ أخذا مستقرا فلا يسترد منه شيء إن كان فيه سبب الاستحقاق بشروطه عند الأخذ، وهم أربعة أصناف :المسكين، والفقير، والعامل، والمؤلف قلبه.

ومنهم من يأخذ أخذا مراعى، فيسترد منه إن لم ينفقه في وجهه، أو تأدى الغرض من باب آخر، أو زال الوصف والزكاة في يده، وهم أيضا أربعة أصناف، على خلاف في بعضها:

المكاتب، فيسترد من المعطى ما أخذ على الأصح عند الشافعية، وفي رواية عند الحنابلة إن مات قبل أن يعتق، أو عجز عن الوفاء فلم يعتق، وقال الحنفية وهو رواية عند الحنابلة :يكون ما أخذه لسيده ويحل له، وفي رواية عن أحمد :لا يسترد، ولا يكون لسيده، بل ينفق في المكاتبين.

ولا ترد المسألة عند المالكية، لأنهم لا يرون صرف الزكاة للمكاتبين كما تقدم.

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ نمبر۵...... جو شخص زکاۃ کا اہل نہ ہو، اور اس کو معلوم ہو کہ جو مال اسے دیا جارہا ہے، وہ زکاۃ کا مال ہے، تو اس کو زکاۃ کا یہ مال لینا جائز نہیں، اور اگر اس نے اس کے باوجود زکاۃ کا مال لے لیا، تو اس کو اس مال کا استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس مال کو لوٹا دے، تا کہ مالک اسے صحیح مصرف میں خرچ کردے، اور اگر مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو، تو پھر خود ہی اس مالک کی طرف سے زکاۃ کے صحیح مصرف میں لگادے۔

ورنہ اس کا وبال لینے والے کے سر پر ہوگا، اگرچہ بعض صورتوں میں دینے والا بَری ہو جائے۔

اور زکاۃ دینے والے شخص کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ غور وفکر کر کے، زکاۃ ادا کرے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی شخص نے غور وفکر کیے بغیر، ویسے ہی کسی شخص کو زکاۃ کا مستحق سمجھتے ہوئے، زکاۃ ادا کردی، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو میں نے زکاۃ دی تھی، وہ زکاۃ کا مستحق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الغارم :فإن استغنى المدين الذى أخذ الزكاة قبل دفعها فى دينه تنزع منه، وكذا لو أبرء من الدين، أو قضاه من غير الزكاة، أو قضاه عنه غيره .وهذا عند المالكية، وعلى الأصح عند كل من الشافعية والحنابلة، ما لم يكن فقيرا .

الغازى فى سبيل الله :وقد صرح المالكية والشافعية والحنابلة بأنه إن أخذ الزكاة للغزو ثم جلس فلم يخرج أخذت منه، وقال الشافعية والحنابلة أيضا :لو خرج للغزو وعاد دون أن يقاتل مع قرب العدو تؤخذ منه كذلك.

وحيث وجب الرد تنزع منه إن كان باقيه فى يده، وإن أنفقها أتبع بها، أى طولب ببدلها إن كان غنيا، لأنها تكون دينا فى ذمته.

ابن السبيل :ويسترد منه ما أخذه إن لم يخرج، ما لم يكن فقيرا ببلده، وهذا عند المالكية والشافعية والحنابلة، ويعتبر له عند الشافعية ثلاثة أيام، وفى قول :تمام السنة .قالوا :ويرد ما أخذ لو سافر ثم عاد ولم يصرف ما أخذه، وقال المالكية :إنما تنزع منه إن كانت باقية، فإن كان أنفقها لم يطالب ببدلها.

وظاهر كلام الحنفية أنه لا يلزم بالرد، لأنهم قالوا :لا يلزمه التصدق بما فضل فى يده(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۳۲،۳۳۳، مادة "زكاة")

[۲] لا يحل لمن ليس من أهل الزكاة أخذها وهو يعلم أنها زكاة، إجماعا .فإن أخذها فلم تسترد منه فلا تطيب له، بل يردها أو يتصدق بها، لأنها عليه حرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۳۳ ،مادة "زكاة")

نہیں تھا، تو اس صورت میں اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ ۱؎

اور اگر کسی کے حالات میں غور وفکر کر کے، اور یہ سمجھ کر زکاۃ دی کہ وہ زکاۃ کا مستحق ہے، پھر بعد میں اسے معلوم ہوا کہ جس کو میں نے زکاۃ دی تھی، وہ زکاۃ کا مستحق نہیں تھا، تو اس صورت میں زکاۃ ادا ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ۲؎

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر غور وفکر کرنے کے بعد کسی کو مستحق سمجھ کر یہ گمان کرتے ہوئے زکاۃ دی کہ وہ زکاۃ کا مستحق ہے، پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ مالدار یا غیر مسلم تھا، یا اندھیرے میں زکاۃ دی، پھر معلوم ہوا کہ زکاۃ لینے والا اس کا والد یا بیٹا تھا، تو اس کی زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور اس کو دوبارہ زکاۃ دینا ضروری نہیں ہوگا۔ ۳؎

۱؎ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ کسی شخص کے زکاۃ کا مصرف ہونے میں، شک ہوتے ہوئے زکاۃ ادا کی ہو، اور بعد میں اس کا مصرف نہ ہونا ظاہر ہوا ہو۔

وعلى دافع الزكاة أن يجتهد فى تعرف مستحقى الزكاة، فإن دفعها بغير اجتهاده، أو كان اجتهاده أنه من غير أهلها وأعطاه لم تجزء عنه، إن تبين الآخذ من غير أهلها، والمراد بالاجتهاد النظر فى أمارات الاستحقاق، فلو شك فى كون الآخذ فقيرا فعليه الاجتهاد كذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۳۴، مادة "زكاة")

إذا دفع المزكى الزكاة وهو شاك فى أن من دفعت إليه مصرف من مصارفها ولم يتحر، أو تحرى ولم يظهر له أنه مصرف، فهو على الفساد إلا إذا تبين له أنه مصرف .بخلاف ما إذا دفعت باجتهاد وتحر لغير مستحق فى الواقع كالغني والكافر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶ ص۱۹۶، مادة "شك")

۲؎ أما إن اجتهد فدفع لمن غلب على ظنه أنه من أهل الزكاة فتبين عدم كونه من أهلها، فقد اختلف الفقهاء فى ذلك، فقال بعضهم :تجزئه، وقال آخرون :لا تجزئه، على تفصيل يختلف من مذهب إلى مذهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۳۴، مادة "زكاة")

۳؎ اور اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر زکاۃ دینے کے بعد کسی کا ذمی کے بجائے حربی کافر ہونا ظاہر ہوا، تو اس صورت میں ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر زکاۃ دینے کے بعد ظاہر ہوا کہ جس کو زکاۃ دی گئی، وہ زکاۃ دینے والے کا اپنا غلام تھا، تو بھی حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

فعند أبى حنيفة ومحمد :إن دفع الزكاة إلى من يظنه فقيرا ثم بان أنه غنى أو هاشمى أو كافر، أو دفع فى ظلمة، فبان أن الآخذ أبوه، أو ابنه فلا إعادة عليه، لحديث معن بن يزيد قال :كان أبى يزيد أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل فى المسجد، فجئت فأخذتها فأتيته بها، فقال :والله ما إياك أردت، فخاصمته إلى رسول الله ﷺ فقال :لك ما نويت يا يزيد، ولك ما أخذت يا معن.

ولأنا لو أمرناه بالإعادة أفضى إلى الحرج، لأنه ربما تكرر خطؤه، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، اوران کے نزدیک عموماً ایسی حالت میں زکاۃ ادانہیں ہوتی۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ واستثنوا من هذا أن يتبين الآخذ غير أهل للتمليك أصلا، نحو أن يتبين أن الآخذ عبده أو مكاتبه، فلا تجزء في هذا الحال. وقال أبو يوسف: لا تجزئه إن تبين أن الآخذ ليس من المصارف، لظهور خطئه بيقين مع إمكان معرفة ذلك، كما لو تحرى في ثياب فبان أنه صلى في ثوب نجس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۳۴، مادة "زكاة")

(دفع بتحر) لمن يظنه مصرفا (فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي ولو مستأمنا أعادها) لما مر (وإن بان غناه أو كونه ذميا أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا) يعيد لأنه أتى بما في وسعه، حتى لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ ص۳۵۳، باب مصرف الزكاة والعشر)

فإن دفع الزكاة إلى الغني فإن دفع إلى شخص ظن أنه فقير فظهر أنه كان غنياً يجوز في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ولو صرف إلى فقير ثم ظهر أنه صرف إلى أبيه أو ابنه جاز في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى في رواية الأصل ولا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر حربياً كان أو ذمياً فإن صرف إلى شخص ظن أنه مسلم فظهر أنه كافر جاز في رواية الأصل وروى أبو يوسف عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى أنه لا يجوز إذا دفع الزكاة إلى شخص وظن أنه فقير فإذا هو غني جاز في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى (فتاویٰ قاضیخان، ج۱ ص۱۸۴، كتاب الزكاة)

۱؎ وفصل المالكية بين حالين: الأولى: أن يكون الدافع الإمام أو مقدم القاضي أو الوصي، فيجب استردادها، لكن إن تعذر ردها، أجزأت، لأن اجتهاد الإمام حكم لا يتعقب.

والثانية: أن يكون الدافع رب المال فلا تجزئه، فإن استردها وأعطاها في وجهها، وإلا فعليه الإخراج مرة أخرى، وإنما يستحق استردادها إن فوتها الآخذ بفعله، بأن أكلها، أو باعها، أو وهبها، أو نحو ذلك. أما إن فاتت بغير فعله بأن تلفت بأمر سماوي، فإن كان غر الدافع بأن أظهر له الفقر، أو نحو ذلك فيجب عليه ردها أيضا، أما إن لم يكن غره فلا يجب عليه الرد.

وقال الشافعية: يجب الاسترداد، وعلى الآخذ الرد، سواء علم أنها زكاة أم لا، فإن استردت صرفت إلى المستحقين، وإن لم يمكن الاسترداد فإن كان الذي دفعها الإمام لم يضمن، وإن كان الذي دفعها المالك ضمن، وهذا هو المقدم عندهم، وفي بعض صور المسألة عندهم أقوال أخرى.

وقال الحنابلة: إن بان الآخذ عبدا أو كافرا أو هاشميا، أو قرابة للمعطي ممن لا يجوز الدفع إليه، فلا تجزء الزكاة عن دافعها رواية واحدة، لأنه ليس بمستحق، ولا تخفى حاله غالبا، فلم يجزه الدفع إليه، كديون الآدميين.

أما إن كان ظنه فقيرا فبان غنيا فكذلك على رواية، والأخرى يجزئه، لحديث معن بن يزيد المتقدم، وحديث أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال رجل: لأتصدقن بصدقة، فخرج بصدقته فوضعها في يد غني، فأصبحوا يتحدثون: تصدق على غني . . . . الحديث وفيه: فأتي فقيل له: أما صدقتك فقد قبلت، لعل الغني يعتبر فينفق مما آتاه الله. ولأن حاله تخفى غالبا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۳۳۵، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷...... اکثر فقہائے کرام یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکاۃ کا مال جس علاقہ یا جس جگہ میں ہو، عام حالات میں اس مال کی زکاۃ اس علاقہ یا اس جگہ میں رہنے والے فقراء و مستحقین کو ہی دینی چاہئے، اگرچہ اس مال کا مالک کسی اور علاقہ وجگہ میں کیوں نہ رہتا ہو، یعنی اس سلسلہ میں اعتبار زکاۃ کے مال والے علاقہ وجگہ کا ہوتا ہے، اس مال کے مالک کے علاقہ وجگہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر۸...... جس علاقہ وجگہ میں زکاۃ کا مال ہے، اگر اس علاقہ وجگہ میں زکاۃ کے مستحق لوگ نہ ہوں، تو ایسی صورت میں زکاۃ کو دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ میں منتقل کرنا نہ صرف یہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إذا ظهر كونه غنياً أو غير مستحق :إن دفعت إلى من ظاهره الفقر أو يظنه فقيراً، فبان غنياً، أو ظنه مسلماً، فبان كافراً، لم يجزه ذلك عن الفرض ويجب ردها منه، في رأى المالكية والشافعية وفي الراجح عند الحنابلة، لأنه دفع الواجب إلى غير مستحقه، فلم يخرج من عهدته، كما لو دفعها إلى كافر أو ذي قرابة، كديون الآدميين .ثم إن كان المال باقياً، استرجع منه، ودفع إلى فقير، وإن كان فائتاً، أخذ البدل، وصرف إلى فقير .فإن لم يكن للمدفوع إليه مال، لم يجب على رب المال ضمانه، لأنه إذا دفعه إلى الإمام، سقط الفرض عنه بذلك، ولا يضمنه الإمام، لأنه أمين غير مفرط .وإن كان الدافع هو رب المال نفسه، فإن لم يبين عند الدفع أنه زكاة واجبة، لم يكن له أن يرجع، لأنه قد يدفع عن زكاة واجبة وعن تطوع .وإن كان قد بين أنها زكاة، رجع فيها.

والخلاصة :إن الجمهور يقررون أنه لا تجزء الزكاة إذا دفعت لغير مستحق إلا الإمام، ومثله عند المالكية نائب القاضي والوصي، فإنها تجزء إن تعذر ردها، لأنهم يدفعونها بالاجتهاد .واستثنى الحنابلة حالة الدفع لغنى ظنه فقيراً، فإنها تجزئه (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۶۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

وإذا أخطأ المزكي كأن دفع الزكاة في ظلمة مثلاً، فأداها إلى أحد أصوله أو فروعه، من غير أن يعلم، فلا إعادة عليه عند أبي حنيفة ومحمد، وعليه الإعادة عند أبي يوسف والشافعي وأحمد (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص۱۹۶۸ الیٰ ص ۱۹۷۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[1] برخلاف صدقۂ فطر کے کہ اس میں اعتبار اس شخص کے علاقہ وجگہ کا ہوتا ہے، جس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

القاعدة العامة أن تفرّق صدقة كل قوم فيهم، لحديث معاذ المتقدم :خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم، والمعتبر عند الحنفية والشافعية والحنابلة في زكاة المال :المكان الذي فيه المال، والمعتبر في صدقة الفطر :المكان الذي فيه المتصدق اعتباراً بسبب الوجوب فيهما(الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۳ص ۱۹۷۶، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

کہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔

لیکن اگراس علاقہ وجگہ میں ضرورت مند، مستحق موجود ہوں، تو انہیں چھوڑ کر، دوسرے علاقہ یادوسری جگہ کےلوگوں کوزکاۃ دینے سے حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا تو ہوجاتی ہے، مگر یہ مکروہ و نامناسب طریقہ کہلاتا ہے۔

البتہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے دوسرے علاقہ یادوسری جگہ کےلوگوں کوزکاۃ دے، مثلاً جن کوزکاۃ دے، وہ لوگ اس کے رشتہ دار ہوں، یاوہ لوگ زیادہ ضرورت مند یا زیادہ نیک صالح ہوں، یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہو، تو دوسرے علاقہ وجگہ کے ان لوگوں کوزکاۃ بھیجنے اور دینے میں کوئی حرج وخرابی نہیں، اسی طرح اگرکوئی مسلمان غیر مسلم ملک میں رہتا ہے، اگر وہ زکاۃ کا مال اسلامی ملک میں بھیجے یا کوئی شخص دوسرے علاقہ وجگہ کے زیادہ ضرورت مند دینی مدارس کے طلبہ کے لئے بھیج دے، تو بھی بلا کراہت جائز ہے۔[1]

---

[1] إذا فاضت الزكاة فى بلد عن حاجة أهلها جاز نقلها اتفاقا، بل يجب، وأما مع الحاجة فيرى الحنفية أنه يكره تنزيها نقل الزكاة من بلد إلى بلد، وإنما تفرق صدقة كل أهل بلد فيهم، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم.ولأن فيه رعاية حق الجوار، والمعتبر بلد المال، لا بلد المزكى.

واستثنى الحنفية أن ينقلها المزكى إلى قرابته، لما فى إيصال الزكاة إليهم من صلة الرحم .قالوا: ويقدم الأقرب فالأقرب.

واستثنوا أيضا أن ينقلها إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، وكذا لأصلح، أو أورع، أو أنفع للمسلمين، أو من دار الحرب إلى دار الإسلام، أو إلى طالب علم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۳۱، ۳۳۲،مادة "زكاة")

وللفقهاء تفصيل فى نقل الزكاة من بلد إلى آخر .

قال الحنفية :يكره تنزيهاً نقل الزكاة من بلد إلى بلد آخر إلا أن ينقلها إلى قرابته المحاويج ليسد حاجتهم، أو إلى قوم هم أحوج إليها أوأصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين، أو من دار الحرب إلى دار الإسلام، أو إلى طالب علم، أو إلى الزهاد، أو كانت معجلة قبل تمام الحول، فلا يكره نقلها .ولو نقلها لغير هذه الأحوال جاز، لأن المصرف مطلق الفقراء (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۷۷، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

(و) كره (نقلها إلا إلى قرابة) بل فى الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم (أو أحوج)أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين (أو من دار الحرب إلى دار الإسلام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مخصوص صورتوں کے علاوہ عام حالات میں زکاۃ کوکسی دوسرے علاقہ یادوسری جگہ میں ادا کرنا یا بھیجنا جائز نہیں، بالخصوص جبکہ وہ جگہ شرعی مسافت سے زیادہ مقدار کے فاصلہ پر ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أو إلى طالب علم) وفى المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل (الدر المختار)
(قوله وكره نقلها) أى من بلد إلى بلد آخر، لأن فيه رعاية حق الجوار فكان أولى زيلعي والمتبادر منه أن الكراهة تنزيهية تأمل، فلو نقلها جاز، لأن المصرف مطلق الفقراء درر، ويعتبر فى الزكاة مكان المال فى الروايات كلها واختلف فى صدقة الفطر كما يأتى (قوله :بل فى الظهيرية إلخ) إضراب انتقالى عن عدم كراهة نقلها إلى القرابة إلى تعيين النقل إليهم، وهذا نقله فى مجمع الفوائد معزيا للأوسط عن أبى هريرة مرفوعا إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال يا أمة محمد والذى بعثني بالحق لا يقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلى صلته ويصرفها إلى غيرهم والذى نفسى بيده لا ينظر إليه الله يوم القيامة .اهـ .رحمتي والمراد بعدم القبول عدم الإثابة عليها وإن سقط بها الفرض، لأن المقصود منها سد خلة المحتاج وفى القريب جمع بين الصلة والصدقة .وفى القهستاني:والأفضل إخوته وأخواته ثم أولادهم ثم أعمامه وعماته ثم أخواله وخالاته ثم ذوو أرحامه ثم جيرانه ثم أهل سكته ثم أهل بلده كما فى النظم .اهـ.
قلت :ونظم ذلک المقدسى فى شرحه (قوله :أو من دار الحرب إلخ) ، لأن فقراء المسلمين الذين فى دار الإسلام أفضل من فقراء دار الحرب بحر .قلت :ينبغى استثناء أسارى المسلمين إذا كان فى دفعها إعانة على فک رقابهم من الأسر تأمل (قوله :وفى المعراج إلخ) تمام عبارته وكذا على المديون المحتاج (قوله :أفضل) أى من الجاهل الفقير قهستانى (قوله خلاصة) عبارتها كما فى البحر لا يكره أن ينقل زكاة ماله المعجلة قبل الحول لفقير غير أحوج ومديون(رد المحتار، ج۲،ص ۳۵۴، كتاب الزكاة)

[1] وذهب المالكية والشافعية فى الأظهر والحنابلة إلى أنه لا يجوز نقل الزكاة إلى ما يزيد عن مسافة القصر، لحديث معاذ المتقدم، ولما ورد أن عمر رضى الله عنه بعث معاذا إلى اليمن، فبعث إليه معاذ من الصدقة، فأنكر عليه عمر وقال :لم أبعثک جابيا ولا آخذ جزية، ولكن بعثتک لتأخذ من أغنياء الناس فترد على فقرائهم، فقال معاذ :ما بعثت إليک بشىء وأنا أجد من يأخذه منى.
وروى أن عمر بن عبد العزيز أتى بزكاة من خراسان إلى الشام فردها إلى خراسان.
قالوا :والمعتبر بلد المال، إلا أن المالكية قالوا :المعتبر فى الأموال الظاهرة البلد الذى فيه المال، وفى النقد وعروض التجارة البلد الذى فيه المالک.
واستثنى المالكية أن يوجد من هو أحوج ممن هو فى البلد، فيجب حينئذ النقل منها ولو نقل أكثرها.
ثم إن نقلت الزكاة حيث لا مسوغ لنقلها مما تقدم، فقد ذهب الحنفية والشافعية، والحنابلة على المذهب، إلى أنها تجزء عن صاحبها، لأنه لم يخرج عن الأصناف الثمانية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... بعض لوگ خود سے زکاۃ کے صحیح مستحق اور مصرَف تک زکاۃ پہنچانے کا اہتمام نہیں کرتے، اور اس کے بجائے کسی غیر ذمہ دار فرد یا تنظیم یا ادارہ کو اپنی زکاۃ کا مال حوالہ کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

اور زکاۃ وصول کرنے والے یہ لوگ غیر ذمہ دار و غیر دیندار ہونے کی وجہ سے نہ تو زکاۃ کو اس کے صحیح مصرف میں استعمال کرتے، اور دین کے علم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہ ہی ان کو اس کے صحیح مصرف کا علم ہوتا، بلکہ بعض ادارے تو صرف اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اس طرح کے کام کرتے ہیں۔

خاص کر جب کوئی زلزلہ یا سیلاب وغیرہ کا حادثہ پیش آ جائے، تو متأثرین کی مدد کے لئے بہت سے غیر ذمہ دار بلکہ دو کاندار لوگ زکاۃ و صدقات وصول کر کے قوم کی بڑی دولت کو اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال المالكية :إن نـقلها لمثل من فى بلده فى الحاجة فتجزئه مع الحرمة، وإن نقلها لأدون منهم فى الـحـاجة لم تجزئه على ما ذكره خليل والدردير، وقال الدسوقى :نقل المواق أن المذهب الإجزاء بكل حال.

وقال الحنابلة فى رواية :لا تجزئه بكل حال.

وحـيـث نـقـلـت الـزكـاة فأجرة النقل عند المالكية تكون من بيت المال لا من الزكاة نفسها .وقال الحنابلة :تكون على المزكى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۳۳۱، ۳۳۲،مادة "زكاة")

وقـال المالكية :لا يـجـوز نـقـل الـزكاة لبلد لمسافة القصر، فأكثر، إلا لمن هو أحوج إليها، ويجوز نـقـلـهـا لـمـن هـو دون مسـافة الـقـصر (۸۹ كم) لأنه فى حكم موضع الوجوب، ويتعين تفرقتها فوراً بـموضع الوجوب :وهـو فـى الحرث (الزرع والثمر) والماشية :الـمـوضع الذى جبيت منه، وفى الـنقود وعروض التجارة :مـوضـع الـمـالـک، حيـث كان، ما لم يسافر، ويوكل من يخرج عنه ببلد المال.

وقـال الشافعية :الأظهـر مـنـع نـقـل الـزكاة، ويجب صرفها إلى الأصناف فى البلد الذى فيه المال، لحديث معاذ المتقدم، فإن لم توجد الأصناف فى البلد الذى وجبت فيه الزكاة، أو لم يوجد بعضهم، أو فضل شىء عن بعض وجد منهم، نقلت إلى أقرب البلاد لبلد الوجوب.

وقـال الحنابلة :الـمـذهـب أنه لا يـجوز نقل الصدقة من بلد مال الزكاة إلى بلد مسافة القصر، أى يـحرم نقلها إلى مسافة القصر، ولكن تجزئه .ويـجوز نقلها لأقل من مسافة القصر من البلد الذى فيه الـمال .والـمستـحـب تـفـرقة الـصـدقة فـى بـلـدها، ثم الأقرب فالأقرب من القرى والبلدان(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳ص۱۹۷۷، ۱۹۷۸، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

کے صحیح مصارف سے محروم کردیتے ہیں۔

حالانکہ شریعت نے زکاۃ ادا کرنے والے کے ذمہ اس کی صحیح صحیح ادائیگی کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اس لئے غیر ذمہ دار فرد یا ادارہ وتنظیم یا انجمن کو زکاۃ کا مال حوالہ نہیں کرنا چاہئے۔

اگر کسی وقت ضرورت ومصلحت ہو تب بھی ذمہ دار اور امانت دار اور زکاۃ کے احکام سے واقف فرد اور ادارہ ہی کو، جو زکاۃ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرے، سپرد کرنا چاہئے۔

اہلِ حق کی زیرِ نگرانی وزیرِ انتظام دینی مدارس موجودہ دور میں زکاۃ وصدقات کے عمدہ اور اعلیٰ مصارف میں سے ہیں، کہ ان میں زکاۃ وصدقات سے تعاون کرنے والا دین کے احیاء اور بقاء کا ذریعہ اور صدقۂ جاریہ میں شرکت کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰...... جس عورت کو زکاۃ دی جائے اس کا غریب ہونا کافی ہے، بیوہ ہونا ضروری نہیں اور یہ بات ممکن ہے کہ ایک عورت بیوہ ہو اور وہ زکاۃ کی مستحق نہ ہو، بلکہ خود اسی پر اپنے مال کی زکاۃ ادا کرنا لازم ہو اور اس کے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت شادی شدہ ہو اور اس کا شوہر زندہ ہو اور کمائی بھی کرتا ہو، لیکن وہ عورت غریب اور زکاۃ کی مستحق ہو۔

لہٰذا زکاۃ کی مستحق ہونے کے لئے عورت کا بیوہ ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ عموماً غلط فہمی پائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... ہمارے معاشرے میں جہیز کی رسم ایک وبائی صورت اختیار کرگئی ہے، جو لوگ جہیز کی رسم پوری کرنے کی قدرت واستطاعت رکھتے ہیں وہ تو اس کو کوئی عیب ہی نہیں سمجھتے، اور جو لوگ خود قدرت نہیں رکھتے، وہ دوسرے لوگوں کے سامنے سوالی اور بھکاری بن کر اور زکاۃ وصدقات وغیرہ جمع کر کے اور بلکہ اس غرض کے لئے چوری ڈکیتی وغیرہ جیسے جرائم کا ارتکاب کر کے اس رسم کے پورا کرنے کا انتظام کرتے ہیں، اور خود دوسرے امیر لوگ بھی غریب لڑکیوں کو جہیز تیار کرانے میں مدد کرنے اور زکاۃ وصدقات اس مصرف میں لگانے کو بہت بڑی عبادت خیال کرتے ہیں، ان ملے جُلے افراد کی طرف سے مختلف نوعیّتوں سے

اس رسم کے ارتکاب اور تعاون کے طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ اب دولہا اور اس کے اہلِ خانہ جہیز کو اپنا حق سمجھنے لگے ہیں اور کُھلے بندوں اس کی فرمائش کرنے لگے، اور خود ہی اپنی مطلوبہ چیزوں کا مطالبہ اور ڈیمانڈ کرنے لگے ہیں، بلکہ ان کی تفصیلات کی فہرست بھی پیش کرنے لگے ہیں۔ جبکہ شرعی اعتبار سے نکاح ہونے کے بعد بیوی کے سارے نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ عائد ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ عورت کے لباس، اس کی رہائش، اس کی غذا وغیرہ سب ضروریات کا انتظام شوہر کے ذمہ ہوجاتا ہے، اگر نکاح کے بعد لڑکی کے والدین اپنا لباس اتروا کر شوہر کو اس بات کا پابند کریں کہ اب وہ اپنا لباس پہنائے اور خود لباس کا انتظام کرے، تو بھی درست ہوگا۔

ان حالات میں جہیز مہیا کرنے میں تعاون کرنے کے بجائے اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرنا زیادہ ضروری ہے، مگر بے شمار لوگ اس رسم کو ختم کرنے کے بجائے اس رسم میں تعاون کرتے ہیں اور انتہا یہ ہے کہ زکاۃ کی مد سے جہیز کی رسم پوری کرنے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔

افسوس کہ جس رسم کو ختم کرنے کی ضرورت تھی اس کو تو ختم کرنے میں تعاون نہ ہوسکا اور الٹا زکاۃ وغیرہ سے اس رسم کو فروغ دینا شروع کردیا گیا، حالانکہ امیر لوگوں کا اصل تعاون غریب لڑکیوں کے ساتھ یہ ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر ان سے نکاح کریں اور جہیز کی رسم کو ختم کریں، نہ یہ کہ خود تو اسے ختم نہ کرسکیں اور جن کے پاس اس رسم کے انجام دینے کا انتظام نہ ہو، ان کو بھی ختم نہ کرنے دیں اور اس رسم میں تعاون کریں، اور تعاون کے لیے زکاۃ جیسے فریضے کو ذریعہ بنائیں، اور اس کے لیے مختلف طرح کے حیلے بہانے تلاش کریں۔

اس کے علاوہ جہیز میں عموماً غیر ضروری اور قیمتی قیمتی چیزیں دی جاتی ہیں، ایک طرف تو غریبوں کی بالکل ابتدائی ضروریات کا انتظام نہیں ہوتا، دوسری طرف جہیز میں اعلیٰ اور نئی و قیمتی بڑی بڑی چیزوں کا زکاۃ سے انتظام کیا جاتا ہے، یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟

بعض اوقات اس طرح کی قیمتی چیزیں استعمال نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ

سامان کی شکل میں زکاۃ کے نصاب یا اس سے بھی زیادہ مالیت کی جمع ہو جاتی ہیں، جس سے زکاۃ کا استحقاق ہی ختم ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات کئی کئی افراد جہیز کی رسم پوری کرنے کے لئے زکاۃ سے تعاون کرتے ہیں اور ایک مرحلہ پر خود اس غریب کے پاس جہیز کی تیاری کے لئے رکھی ہوئی رقم نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہے، اس کے بعد دوسرے لوگ زکاۃ کی مد سے تعاون کرتے ہیں، اس صورت میں تو سرے سے زکاۃ ادا ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے جہیز کی رسم میں تعاون کرنے کی خاطر زکاۃ خرچ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس کے بجائے اس رسم ہی کو ختم کرنے کی کوششیں کرنی چاہئیں، جس کی اصل ذمہ داری امیروں اور غریبوں دونوں ہی قسم کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲...... بعض لوگ پیشہ ور بھکاریوں ہی کو زکاۃ وصدقہ کا اصل مستحق سمجھتے ہیں اور جو لوگ سوال نہیں کرتے ان کو مستحق نہیں سمجھتے۔

حالانکہ آج کل عام طور پر پیشہ ور سائلین مستحق نہیں ہوتے، بلکہ وہ امیر اور مالدار ہوتے ہیں، اور پیشہ ور سائلوں کو تو مانگنے پر پیسے بھی دینا جائز نہیں، خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پیشہ ور سائل سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا پیشہ مانگنا، کھانا ہی بنا رکھا ہو۔

اور آج کل مانگنے، کھانے کا پیشہ معاشرے میں بہت قبولیت اختیار کر گیا ہے، اور اس کو پیسہ کمانے کا ایک آسان ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے، بلکہ اس پیشہ کی خاطر قصداً وعمداً بچوں وغیرہ کو معذور بنا دینے کو بہت بڑا ہنر اور فن سمجھا جانے لگا ہے۔

مانگنے کے ایسے نئے رنگ وڈھنگ چل گئے ہیں کہ جن کی طرف لوگوں کی توجہ بھی نہیں جاتی۔

بے شمار پیشہ ور بھکاری آج کے معاشرے میں درحقیقت لکھ پتی اور کروڑ پتی ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو فقیر اور غریب ظاہر کرتے ہیں، اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان پیشہ ور سائلوں اور بھکاریوں کی مدد کرنے والا خود ان سے زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

ایسے پیشہ ور سائلوں کو زکاۃ وصدقات کے نام سے دینا دراصل اپنے قیمتی مال کو ضائع کرنا اور

ثواب کے بجائے ان پیسوں کے عوض گناہوں کو خریدنا ہے، کیونکہ مانگنے کو پیشہ بنانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے اور یہ پیشہ تعاون کرنے والوں کی بیساکھیوں پر ہی سہارا لے کر چلتا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ خود تحقیق کرنے اور اپنے اردگرد کے ماحول میں سفید پوش مستحق غریبوں کو تلاش کرنے کے بجائے اپنی زکاۃ وصدقات کو پیشہ ور بھکاریوں اور سائلوں کی بھینٹ چڑھا کر اس پیشہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور روزمرہ تھوڑا تھوڑا کر کے لاکھوں روپے اس غلط مصرف کی نظر کر کے اصل مستحقین کو محروم کر دیتے ہیں۔

لہٰذا زکاۃ ادا کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مستحقین کی جُستجو اور ان تک براہِ راست یا بالواسطہ زکاۃ وصدقہ کو پہنچانے کا اہتمام کریں۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۴۳...... زکاۃ کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ زکاۃ دینے کے بعد دوسرے پر اپنا احسان نہ جتلائے، ورنہ اس سے زکاۃ کا ثواب ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ [2]

---

[1] من سأل الزكاة وكان غير مستحق :هذه مسألة تشترك فيها الأصناف الثمانية كلها، وهي من سأل الزكاة وعلم الإمام أنه ليس مستحقاً، لم يجز له صرف الزكاة إليه .وإن علم استحقاقه، جاز الصرف إليه بلا خلاف.

وإن لم يعرف حاله فالصفات قسمان :خفية وجلية:

فالخفي :الفقر والمسكنة، فلا يطالب مدعيها ببينة لعسرها، فلو عرف له مال، وادعى هلاكه، لم يقبل إلا ببينة، ولو ادعى عيالاً فلا بد من البينة في الأصح.

والجلي :نوعان :أحدهما ـ يتعلق الاستحقاق فيه بمعنى في المستقبل، وذلك في الغازي وابن السبيل، فيعطيان بقولهما بلا بينة ولا يمين .ثم إن لم يحققا ما ادعيا، ولم يخرجا، استرد منهما ما أخذا، ويترصد للخروج بحسب المعتاد على وجه التقريب.

والثاني ـ يتعلق الاستحقاق فيه بمعنى في الحال، وهذا النوع يشترك فيه بقية الأصناف، فالعامل إذا ادعى العمل طولب بالبينة، وكذلك المكاتب والغارم .وأما المؤلف قلبه :فإن قال :نيتي ضعيفة في الإسلام، قبل قوله، لأن كلامه يصدقه، وإن قال :أنا شريف مطاع في قومي، طولب بالبينة .قال الرافعي من الشافعية :واشتهار الحال بين الناس قائم مقام البينة في كل من يطالب بها من الأصناف، لحصول العلم أو الظن بالاستفاضة(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج۳ص ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث السابع)

[2] المبحث الثامن ـ آداب الزكاة وممنوعاتها:

قال ابن جزي المالكي:ممنوعات الزكاة ثلاثة:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور زکاۃ ادا کرنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ خوشدلی کے ساتھ زکاۃ ادا کرے۔

اور زکاۃ ادا کرنے کا ایک ادب یہ ہے کہ زکاۃ میں حلال اور پاکیزہ و بہتر مال ادا کرے۔

اور زکاۃ کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اخلاص کا لحاظ کرے۔

اور زکاۃ ادا کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب زکاۃ فرض ہو جائے، تو اس کو جلد از جلد ادا کرے، اور بلا ضرورت تاخیر نہ کرے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۱ ۔أن تبطل بالمن والأذى، لأن المن بالصدقة يحبطها أى يمنع ثوابها لآية :(يأيها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى)كذلک لا يستعظم مقدارها، لأن ذلک محبط للأعمال.

۲ ۔وأن يشترى الرجل صدقته.

۳۔وأن يحشر المصدِّق (الساعى) الناس إليها، بل يزكيهم بمواضعهم.

ووافق الحنابلة المالكية فى الممنوع الثانى قائلين:ليس لمخرج الزكاة شراؤها ممن صارت إليه، لما روى عن عمر أنه قال :حَمَلتُ على فرس فى سبيل الله، فأضاعه الذى كان عنده، وظننت أنه باعه برخص، فأردت أن أشتريه فسألت رسول الله صلّى الله عليه وسلم، فقال :لا تبتعه، ولا تعد فى صدقتک ولو أعطاكه بدرهم، فإن العائد فى صدقته كالكلب يعود فى قيئه .

وقال الشافعى وغيره :يجوز استرداد الزكاة بالشراء وغيره، لقول النبى صلّى الله عليه وسلم السابق :لا تحل الصدقة لغنى إلا لخمسة :رجل ابتاعها بماله ... قال النووى عن حديث عمر :هذا نهى تنزيه لا تحريم، فيكره لمن تصدق بشىء أو أخرجه فى زكاة أو كفارة أو نذر أو نحو ذلک من القربات أن يشتريه ممن دفعه هو إليه أو يهبه أو يتملكه باختياره منه، فأما إذا ورثه منه، فلا كراهة فيه(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۳، ص۱۹۹۳، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثامن)

[1] وأضاف ابن جزى قائلاً :إن آداب الزكاة ستة:

۱ ۔أن يخرجها طيبة بها نفسه.

۱،۲،۳ ۔وأن تكون من أطيب كسبه ومن خياره، أى أحله وأجوده وأحبه إليه، لكن يأخذ الساعى ۔كما بينت ۔أوسط المال.

۴ ۔أن يسترها عن أعين الناس، وهذا رأى الحنفية أيضاً، فالإسرار بإخراجها أفضل، لكونه أبعد عن الرياء ، وعن إذلال الفقير، إلا إذا كان غنياً، ليقتدى به غيره من الأغنياء .

وقال الشافعية والحنابلة:الأفضل فى الزكاة :إظهار إخراجها، ليراه غيره، فيعمل عمله، ولئلا يساء الظن به وذلک بالنسبة للمالک فى غير الأموال الباطنة، وللإمام مطلقاً .أما صدقة التطوع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان ہدایات وآداب کا لحاظ کر کے اگر زکاۃ ادا کی جائے گی تو امید ہے کہ اس میں زیادہ قبولیت ونورانیت ہوگی، اوراس پر بیش بہا فضائل مرتب ہوں گے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فالأفضل الإسرار بها اتفاقاً، لحديث السبعة الذين يستظلون بظل العرش، والذى منهم :من أخفى صدقته حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه وأضاف الشافعية :إنْ أظهرها مقتدى به ليقتدى به، ولم يقصد رياء ولا سمعة ولا تأذى به الآخذ، كان الإظهار أفضل.

۵ ـ وأن يوكل فى إخراجها، خوف الثناء .

۶ ـ وأن يدعو المزكى عند دفعها، فيقول :اللهم اجعلها مغنماً، ولا تجعلها مغرماً ويقول الآخذ والعامل :آجَرَک الله فيما أعطيت، وبارک لک فيما أبقيت، وجعله لک طهوراً.

ويمكن إضافة آداب أخرى منها.

۷ ـ أن يختار لأداء الزكاة من اتصف بالتقوى والعلم وإخفاء الفقر والقرابة أو الرحم، لأن فى إعطاء المال عوناً على طاعة الله، وتحصيل العلم، وتحقيق التعفف، ولأن الصدقة على الأقارب فيها أجران لكونها صدقة وصلة.

۸ ـ المبادرة لإخراج الزكاة، امتثالاً لأمر الله، علماً بأنها تجب على الفور، فلو أخرها ليدفعها إلى من هو أحق بها من ذى قرابة أو ذى حاجة شديدة، قال الحنابلة :فإن كان شيئاً يسيراً، فلا بأس، وإن كان كثيراً، لم يجز .قال أحمد :لا يجزى على أقاربه من الزكاة فى كل شهر يعنى لا يؤخر إخراجها حتى يدفعها إليهم متفرقة فى كل شهر شيئاً .فإن عجلها فدفعها إليهم أو إلى غيرهم متفرقة أو مجموعة، جاز، لأنه لم يؤخرها عن وقتها.

۹ ـ يندب عند الحنفية الدفع إلى الفقير بما يغنيه عن سؤال جميع ما يحتاجه فى يومه لنفسه وعياله.

۱۰ ـ لا حاجة لإعلام الفقير بكون المدفوع له هو زكاة، كما ذكر سابقاً (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳، ص۱۹۹۴،ص۱۹۹۵، الباب الرابع، الفصل الاول ،المبحث الثامن)

(فصل نمبر ۱۱)

زکاۃ کے حساب کا آسان طریقہ

جب آپ کی زکاۃ کا سال پورا ہو رہا ہو، تو سب سے پہلے آپ یہ دیکھیں کہ:

(۱)...... آپ کی ملکیت میں کتنی مالیت کا سونا ہے؟......................................

(۲)......اور کتنی مالیت کی چاندی ہے؟..

(۳)......اور کتنی مالیت کا تجارت کا مال ہے؟......................................

(خواہ خام مال کی شکل میں ہو یا تیار مال کی شکل میں)

(۴)...... اور کتنی کرنسی اور نقد پذیر مالی دستاویز ہے؟ ....

............(خواہ کسی بھی ملک کی ہو)

(۵)...... اور ان مذکورہ مالوں میں سے کتنی مالیت کا مال قابلِ وصول ہے؟............(جس پر آپ کی مکمل ملکیت قائم ہے)

ان سب کی مالیت کو ایک ساتھ جمع کرلیں، اور اس کے بعد آپ کے ذمہ

جو دوسروں کا واجبُ الاداء قرض و دَین ہو، اس کو منہا (و منفی) کردیں............

اور اس کے بعد جو مالیت بچے............

اور وہ زکاۃ کے نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ ہو۔

تو اس کا ڈھائی فیصد زکاۃ میں ادا کریں۔

زکاۃ ادا کرنے کے لئے حساب نکالنے کے چند آسان طریقے ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱)...... آدمی کی ملکیت میں جتنی رقم ہو، اس کو (40) پر تقسیم کرے، جو جواب آئے گا، وہ مطلوبہ زکاۃ ہوگی، مثلاً کسی کی ملکیت میں چالیس ہزار (40000) روپے ہیں، ان کو اگر

چالیس (40) پر تقسیم کیا جائے، تو جواب ایک ہزار (1000) آئے گا، مطلب یہ ہوا کہ جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے، تو اس کو ایک ہزار روپے زکاۃ دینی ہوگی۔

(۲)...... آدمی کی ملکیت میں جتنی رقم ہو، اس کو (10) پر تقسیم کرے، جو جواب آئے، اس کو چار پر تقسیم کرے، مثلاً کسی کی ملکیت میں چالیس ہزار (40000) روپے ہیں، ان کو اگر دس (10) پر تقسیم کیا جائے، تو جواب آئے گا، چار ہزار (4000) اب اگر چار ہزار کو چار پر تقسیم کریں، تو جواب ایک ہزار (1000) آئے گا، مطلب یہ ہوا کہ جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے، تو اس کو ایک ہزار روپے زکاۃ دینی ہوگی۔

(۳)...... آدمی کی ملکیت میں جتنی رقم ہو، اس کو 2.5 سے ضرب دے، جو جواب آئے، اس کو سو (100) پر تقسیم کرے، مثلاً کسی کی ملکیت میں چالیس ہزار (40000) روپے ہیں، ان کو اگر 2.5 سے ضرب دی جائے، تو جواب آئے گا، ایک لاکھ (100000) اب اگر ایک لاکھ کو ایک سو (100) پر تقسیم کریں، تو جواب ایک ہزار (1000) آئے گا، مطلب یہ ہوا کہ جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے، تو اس کو ایک ہزار روپے زکاۃ دینی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] إخراج زكاة الأوراق النقدية كالذهب والفضة، وعروض التجارة، يجب فيها العشر، وإخراجها له عدة طرق:

١ ـــ إذا كان المال المملوك مثلا (40.000) ريال، يقسم على أربعين فيخرج ربع العشر (2.5%)، وهو مقدار الزكاة الواجبة هكذا:

40.000 ÷ 1000=40ريال.

٢ ـ أو يقسم المال على (10)، والناتج يقسم على (4) والناتج هو ربع العشر مقدار الزكاة الواجبة هكذا.

40000÷10=4000ريال، ثم نقسم 4000 ÷4=1000ريال.

٣ـ أو يضرب مجموع المال السابق فى (2.5)، ثم يقسم على (100) والناتج هو مقدار الزكاة الواجبة ربع العشر هكذا:

40000 x 2.5 = 100000ريال، ثم يقسم على :100

100.000 ÷ 100 = 1000ريال ...وهكذا(موسوعة الفقه الاسلامى، ج٣ص ٣١، كتاب الزكاة)

(حصہ دوم)

(باب نمبر۱)

مالِ نامی کی دوسری قسم کی زکاۃ کے احکام

(یعنی سائمہ جانوروں کی زکاۃ سے متعلق احکام)

شریعت میں جن چیزوں کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے ان میں ایک زکاۃ مخصوص جانوروں سے متعلق ہے، جن کو ''سائمہ جانور'' کہا جاتا ہے۔

ان سائمہ جانوروں کی زکاۃ ادا کرنا بھی فرض ہے۔

اور فقہائے کرام نے ان جانوروں کی زکاۃ کے تفصیلی احکام ذکر فرمائے ہیں۔

عربی لغت میں ''سائمہ'' دراصل چرنے والے جانور کو کہا جاتا ہے، زکاۃ واجب ہونے والے مخصوص جانوروں کو ''سائمہ'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود سے چل پھر کر عام چارہ کھاتے ہیں، اور اسی وجہ سے یہ زکاۃ ہر طرح کے جانوروں میں واجب نہیں، بلکہ ان میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے خود سے چارہ کھانے کے ساتھ کئی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آگے آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] السائمة فى اللغة :الراعية من الحيوانات، سميت بذلك لأنها ترعى العشب والكلأ المباح، يقال :سام تسوم سوما إذا رعت، وأسمتها :إذا رعيتها، ومنه قوله تعالى :(ومنه شجر فيه تسيمون أى ترعون فيه أنعامكم .

وفى اصطلاح الفقهاء :هى التى تكتفى بالرعى المباح فى أكثر العام.

وقيد الحنفية والحنابلة ذلك بأن يكون بقصد الدر والنسل والزيادة.

الألفاظ ذات الصلة:العلوفة:

العلوفة :هى ما يعلف من النوق أو الشياه ولا ترسل للرعى .ويطلق على ما تأكل الدابة، وعلى هذا فالعلاقة بين السائمة والعلوفة ضدية. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۱۶، مادة "سائمة")

(فصل نمبر۱)

سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کی شرائط

سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کی شرائط سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ واجب ہونے کے لئے اہم شرط یہ ہے کہ وہ جانور ایسی جنس سے تعلق رکھتے ہوں، جن کی قربانی جائز ہے، مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ، قطع نظر اس سے کہ وہ جانور صرف نر ہوں، یا صرف مادہ ہوں، یا نر و مادہ ملے جُلے ہوں۔

اوران اجناس کے علاوہ کسی اور جنس کے جانوروں پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں۔

چنانچہ ہرن، خچر اور گدھے وغیرہ میں سائمہ ہونے کی بنیاد پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر یہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوں، تو ان پر مالِ تجارت کی وجہ سے زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

اور مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام پہلے حصہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جاچکے ہیں۔ [1]

---

[1] أجمع الفقهاء على أن الإبل والبقر والغنم هى من الأصناف التى تجب فيها الزكاة، واستدلوا لذلك بأحاديث كثيرة، منها حديث أبى هريرة المتقدم فى مسألة الحكم التكليفى للزكاة، وفى الخيل خلاف، وأما البغال والحمير وغيرها من أصناف الحيوان فليس فيها زكاة ما لم تكن للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۰، مادة "زكاة")

ذهب عامة الفقهاء إلى أنه لا زكاة فى سائر الحيوان غير ما تقدم، ما لم تكن للتجارة، فليس فى البغال والحمير وغيرها زكاة واحتجوا لذلك بما فى الحديث أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الخيل فقال :هى لرجل أجر . . .الحديث المتقدم، ثم سئل عن الحمير، فقال :لم ينزل على فيها إلا هذه الآية الفاذة :(فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۶۲، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... سائمہ جانور میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے کیونکہ جانور کا اس جنس سے ہونا ضروری ہے جس کی قربانی درست ہوتی ہے، اور جن جانوروں کی قربانی درست ہوتی ہے، وہ بنیادی طور پر تین جنسیں ہیں، ایک اونٹ (بمع نرومادہ) دوسرے گائے (بمع نرومادہ اور بھینس نرومادہ سمیت اسی جنس میں داخل ہے) تیسرے بکری (بمع نرومادہ، اور دنبہ وبھیڑ بھی نرومادہ سمیت اسی جنس میں داخل ہے)

پس جو جانوران مذکورہ اجناس کے علاوہ ہو، مثلاً ہرن وغیرہ، ان پر یہ سائمہ جانور والی خاص زکاۃ فرض نہیں، البتہ اگر تجارت کی نیت سے کوئی سے بھی جانور خرید کر رکھے جائیں، تو ان پر مالِ تجارت ہونے کی حیثیت سے زکاۃ فرض ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر گھوڑوں میں دیگر شرائط پائی جائیں، تو وہ بھی سائمہ جانوروں میں داخل ہوجاتے ہیں، اوران کی زکاۃ بھی واجب ہوا کرتی ہے، مگر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجب الزكاة في الإبل والبقر والغنم، وأوجب أبو حنيفة خلافاً لصاحبيه الزكاة في الخيول، والفتوى على قولهما أنه لا زكاة في الخيل إلا إذا كانت للتجارة (الفقه الاسلامي و ادلته للزحيلي، ج٣، ص ١٩١٨ و ١٩١٩، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس، زكاة الحيوان أو الأنعام)

[1] (ويدخل في البقرة والجاموس؛ لأنه من جنسه) ش :كما في الزكاة فإنه يؤخذ من نصاب الجاموس ما يؤخذ من نصاب البقر، وقال في "خلاصة الفتاوى :"والجاموس يجوز في الهدايا والضحايا استحسانا (البناية شرح الهداية، ج١٢، ص٤٨، كتاب الاضحية، التضحية بالمولود بين الأهلي والوحشي)

زكاة الغنم:

تشمل الضأن والمعز، ذكوراً وإناثاً:

وهي أيضاً واجبة بالسنة والإجماع كما تقدم (الفقه الاسلامي و ادلته للزحيلي، ج٣، ص ١٩٢٦، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس۔ زكاة الحيوان أو الأنعام)

ولا خلاف في أن الضأن والمَعِز سواء في النصاب والوجوب وأداء الواجب (الفقه الاسلامي و ادلته للزحيلي، ج٣، ص ١٩٢٨، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس۔ زكاة الحيوان أو الأنعام)

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، اور دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک گھوڑے سائمہ جانوروں میں داخل نہیں کہلاتے، اور حنفیہ کا فتویٰ بھی اسی قول پر ہے، کیونکہ گھوڑا، ان اجناس میں داخل نہیں، جن کی قربانی جائز ہوتی ہے۔

البتہ اگر گھوڑے تجارت کی نیت سے خرید کر رکھے ہوں، اور ان کی مالیت تجارت کے مال کے نصاب کے بقدر ہو، یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر مالیت بن جاتی ہو، تو پھر تجارت کا مال ہونے کی حیثیت سے ان پر سب کے نزدیک زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر رہ کر گھاس کھاتے ہوں۔ [1]

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء وهو قول أبي يوسف ومحمد وعليه الفتوى عند الحنفية :إلى أنه لا زكاة فى الخيل إلا إذا كانت للتجارة، لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ليس على المسلم فى فرسه وغلامه صدقة .وعن على رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق . ولأنها ليست من بهيمة الأنعام فلم تجب زكاتها كالوحوش.

وقال أبو حنيفة :الخيل السائمة إذا كانت ذكورا وإناثا تجب فيها الزكاة، وإن كان الكل إناثا ففيه روايتان، وإن كان الكل ذكورا ففى ظاهر الرواية لا تجب، وفى مسائل النوادر أنها تجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٠، ص ١٩١ و ١٩٢، مادة "خيل")

ذهب جمهور الفقهاء ومنهم صاحبا أبى حنيفة إلى أن الخيل التى ليست للتجارة لا زكاة فيها ولو كانت سائمة واتخذت للنماء ، وسواء كانت عاملة أو غير عاملة، واستدلوا بقول النبى صلى الله عليه وسلم :ليس على المسلم فى فرسه وغلامه صدقة . وقوله :قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق

وذهب أبو حنيفة وزفر إلى أن الخيل إذا كانت سائمة ذكورا وإناثا ففيها الزكاة، وليس فى ذكورها منفردة زكاة، لأنها لا تتناسل، وكذلك فى الإناث منفردات، وفى رواية عن أبى حنيفة فى الإناث المنفردات زكاة لأنها تتناسل بالفحل المستعار، وروى عنه أيضا أنها تجب فى الذكور المنفردات أيضا.

واحتج له بقول النبى صلى الله عليه وسلم فى الخيل :هى لرجل أجر، ولرجل ستر، وعلى رجل وزر فساق الحديث إلى أن قال فى الذى هى له ستر :ولم ينس حق الله فى رقابها ولا فى ظهورها فحق ظهورها العارية، وحق رقابها الزكاة، وبما ورد عن يعلى بن أمية أن أخاه عبد الرحمن بن أمية اشترى من أهل اليمن فرسا أنثى بمائة قلوص، فندم البائع، فلحق بعمر، فقال :غصبنى يعلى وأخوه فرسا لى، فكتب عمر إلى يعلى أن الحق بى، فأتاه فأخبره الخبر، فقال :إن الخيل لتبلغ هذا عندكم؟ ، ما علمت أن فرسا يبلغ هذا .فنأخذ عن كل أربعين شاة شاة ولا نأخذ من الخيل شيئا؟ ، خذ من كل فرس دينارا .فقرر على الخيل دينارا دينارا .وعن الزهرى أن عثمان رضى الله عنه كان يصدق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ میں سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاۃ واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جانور پالتو اور گھریلو ہوں، اور اگر اس طرح کے جانور وحشی یعنی جنگلی ہوں، مثلاً کسی نے اس طرح کے وحشی اور جنگلی جانور جنگل سے پکڑ کر، رکھ رکھے ہوں، تو ان پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں ہوا کرتی۔ ۱

مسئلہ نمبر۵...... جو بچہ مختلف جنسوں کے جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہو، اور ان ملاپ کرنے والے جانوروں میں سے ایک جانور ایسا ہو، کہ اس پر سائمہ جانور ہونے کی بنیاد پر زکاۃ واجب ہوتی ہو، مثلاً پالتو گائے یا بکری، اور دوسرا جانور ایسا ہو کہ اس پر سائمہ جانور ہونے کی بنیاد پر زکاۃ واجب نہ ہوتی ہو، مثلاً جنگلی بیل یا ہرن وغیرہ، تو اس جانور کی زکاۃ واجب ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے ایک قول کے مطابق ایسے جانور کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، خواہ اس جانور کا باپ یا ماں کسی بھی جنس سے ہو۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الخيل، أى يأخذ زكاة منها، ثم قال أبو حنيفة :إن شاء المزكى أعطى عن كل فرس دينارا، وإن شاء قوم خيله وأعطى عن كل مائتى درهم خمسة دراهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۶۱، ۲۶۲، مادة "زكاة")

۱ البتہ حنابلہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق جنگلی اور وحشی اونٹ، گائے اور بکری میں دیگر شرائط پائے جانے پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ذهب جمهور العلماء ومنهم الحنابلة فى الأصح عندهم، إلى أنه لا زكاة فى الوحشى من الإبل والبقر والغنم، وذلك لأن اسم الإبل والبقر والغنم لا يتناولها عند الإطلاق، ولأنها لا تجزء فى الهدى والأضحية.

وفى رواية أخرى عن أحمد فيها الزكاة، لأن الاسم يشملها فتدخل فى الأخبار الواردة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۲، مادة "زكاة")

۲ اختلف الفقهاء فى وجوب الزكاة فى الولد المتولد بين الوحشى والأهلى.

فذهب الحنابلة والمالكية فى قول إلى وجوب الزكاة فيه، سواء أكان الوحشى هو الفحل أم الأم، لأن المتولد بين الوحشى والأهلى متولد بين الذى تجب فيه الزكاة وبين ما لا تجب فيه، فيرجح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کے نزدیک ایسا جانور اپنی ماں کے تابع ہوگا، اگراس کی ماں ایسے جانور کی جنس سے تعلق رکھتی ہے کہ جس پر سائمہ جانور ہونے کی وجہ سے زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، تو اس کی زکاۃ واجب ہوگی، ورنہ زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

چنانچہ اگر نر ہرن، کسی بکری کے ساتھ جفتی کرے، اوراس بکری سے بچہ پیدا ہو، تو وہ بچہ بکری کے حکم میں کہلائے گا۔ [1]

اورشافعیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق، اس طرح کے جانور میں سائمہ جانور کی حیثیت سے زکاۃ کسی حال میں واجب نہیں ہوا کرتی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جانب الوجوب، قياسا على المتولد بين السائمة والمعلوفة، فتجب فيه الزكاة، فكذلك الولد المتولد بين الوحشي والأهلي، وعلى هذا القول تضم إلى جنسها من الأهلي في وجوب الزكاة، ويكمل بها نصابها وتكون كأحد أنواعه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۲۱۴، مادة "ولد")

وقال الحنابلة وهو قول ثالث عند المالكية: تجب الزكاة في المتولد مطلقا، سواء كانت الوحشية الفحول أو الأمهات، كما إن المتولد بين السائمة والمعلوفة تجب فيه الزكاة إذا سام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۲، مادة "زكاة")

[1] وذهب أبو حنيفة وهو قول عند المالكية إلى أنه إن كانت الأمهات أهلية وجبت فيها الزكاة، وإلا فلا، لأن جانب الأم في الحيوان هو الراجح، لأن ولد البهيمة يتبع أمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۲۱۴، مادة "ولد")

وأما ما تولد بين الأهلي والوحشي فإن مذهب أبي حنيفة وهو قول مروي عن مالك أنه إن كانت الوحشية أمه فلا زكاة فيه، وإن كانت أمه أهلية والوحشي أباه ففيه الزكاة، لأن ولد البهيمة يتبع أمه في أحكامه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۲، مادة "زكاة")

وسواء كان متولدا من الأهلي أو من أهلي ووحشي بعد أن كان الأم أهليا كالمتولد من الشاة والظبي إذا كان أمه شاة والمتولد من البقر الأهلي والوحشي إذا كان أمه أهلية فتجب فيه الزكاة ويكمل به النصاب (بدائع الصنائع، ج۲ ص ۳۰، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب السائمة)

[2] وذهب الشافعية وهو المشهور عند المالكية إلى أنه لا زكاة فيه مطلقا، سواء أكانت الوحشية من قبل الفحل أم من قبل الأم لأن الأصل عدم الوجوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۲۱۴، مادة "ولد")

وقال الشافعي، وهو القول المشهور عند المالكية: لا زكاة في المتولد بين الأهلي والوحشي مطلقا، ومال إليه ابن قدامة من الحنابلة، لأنه ليس في أخذ الزكاة منها نص ولا إجماع ولا قياس صحيح، فلا تتناوله نصوص الشرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۲، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۶ ...... سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جانور شریعت کی طرف سے بیان کردہ، زکاۃ کے نصاب کے بقدر ہوں، نصاب سے کم ہونے کی صورت میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر۷...... سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے حولانِ حول یعنی سال کا پورا ہونا بھی شرط ہے، اور یہ زکاۃ سال میں ایک مرتبہ ہی واجب ہوتی ہے۔

اور دوسرے زکاۃ کے مالوں کی طرح اس مال پر بھی سال گزرنے کا اعتبار قمری، یعنی چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر۸...... جمہور فقہائے کرام، یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانوروں کی اس مخصوص زکاۃ میں ''سوم'' کی شرط کا پایا جانا ضروری ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور خود سے ایسی گھاس اور چارہ کھانے پر کفایت کریں، جو مباح ہو اور جانوروں کے مالک کو اس

---

۱ أن تكون الأنعام بالغة نصاباً شرعياً على النحو المبين فى السنة، كما سيوضح فى زكاة كل نوع (الفقه الاسلامى و ادلته للزحيلى، ج۳، ص۱۹۱۵، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس۔زكاة الحيوان أو الأنعام)

۲ يشترط فى الماشية لوجوب الزكاة فيها تمام الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۵۰، مادة "زكاة")

اتفق العلماء على أن الحول لا بد منه فى زكاة البقر كغيرها من الماشية، ومعنى الحول :أن تمضى سنة قمرية كاملة على ملكه للنصاب، لتجب عليه الزكاة فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ۱۶۱، مادة " بقر")

أن يحول عليها حول كامل فى ملك صاحبها :بأن يمضى على تملكها عام كامل من بدء الملكية، ويبقى الملك فيها جميع الحول، فلو لم يمض الحول فى ملكه، لم تجب عليه الزكاة، لحديث :لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول ولأنه لا يتكامل نماء المال قبل تمام الحول، وذلك إلا فى النتاج فإنه يتبع الأمهات فى الحول.

ولو زال الملك عن الماشية فى الحول عن النصاب أو بعضه، ببيع أو غيره، فعاد بشراء أوغيره، أو بادل بمثله مبادلة صحيحة لا للتجارة، كإبل بإبل، أو بجنس آخر كإبل ببقر، استأنف الحول أى بدأ حولاً جديداً لانقطاع الحول الأول بما فعله، فصار ملكاً جديداً، فلا بد من حول جديد للحديث المتقدم (الفقه الاسلامى و ادلته للزحيلى، ج۳، ص۱۹۱۶، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس۔زكاة الحيوان أو الأنعام)

چارہ کا عوض ومعاوضہ نہ دینا پڑتا ہو، اور نہ ہی چارہ لاکر کھلانا پڑتا ہو۔

اور اگر ان جانوروں کو قیمتاً چارہ فراہم کیا جاتا ہو، یا قیمتاً تو چارہ فراہم نہ کیا جاتا ہو، لیکن ان کو کسی جگہ رکھ کر چارہ وہاں لاکر فراہم کیا جاتا ہو، تو وہ جانور سائمہ نہیں کہلاتے، بلکہ علوفہ کہلاتے ہیں، اور ایسے جانوروں پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

پس اگر کسی نے مثلاً بہت زیادہ مقدار میں گائے، بھینسیں وغیرہ دودھ حاصل کرنے کے لئے پال رکھی ہیں، جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ باڑے بنا کر رکھتے ہیں، لیکن ان کو چارہ قیمتاً فراہم کیا جاتا ہے، یا کسی ایک جگہ مثلاً باڑہ میں رکھ کر ان کے لئے چارے کا انتظام کیا جاتا ہے، تو وہ سائمہ جانوروں میں داخل نہیں، البتہ ان کے دودھ سے جو رقم حاصل ہوگی، اس پر حسبِ قاعدہ زکاۃ کا حکم ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے بہت سے اونٹ یا گائے، بھینسیں یا بکریاں، بھیڑیں وغیرہ اس لئے پال رکھی ہیں، تاکہ ان کو موٹا تازہ کر کے وقت آنے پر زندہ فروخت کرے، یا ذبح کر کے ان کے گوشت کو فروخت کرے، اور ان کو چارہ قیمتاً فراہم کیا جاتا ہے، یا کسی ایک جگہ رکھ کر ان کے لئے چارے کا انتظام کیا جاتا ہے، تو وہ بھی سائمہ جانوروں میں داخل نہیں۔

لیکن اگر ان کو زندہ فروخت کرنے یا ذبح کر کے ان کا گوشت فروخت کرنے کی نیت سے خریدا تھا، تو پھر یہ جانور مالِ تجارت میں داخل ہوں گے، اور مالِ تجارت کے اصولوں کے مطابق ان کی زکاۃ فرض ہوگی۔ [1]

---

[1] اور شافعیہ کے نزدیک سائمہ جانور بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان جانوروں کا مالک، ان جانوروں کو خود سے عام اور مباح چارہ چرنے کے لئے چھوڑے، اور اگر مالک چارہ چرنے کے لئے نہ چھوڑے، بلکہ وہ خود سے چارہ چر کر کھائیں، تو ان کے نزدیک ایسے جانور زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے سائمہ نہیں کہلاتے۔

اشتراط السوم:

المراد بالسوم في زكاة الماشية :أن ترعى الماشية أكثر أيام السنة في كلأ مباح، سواء أكانت ترعى بنفسها أم براع يرعاها، هذا وقد ذهب جمهور العلماء من الحنفية والشافعية والحنابلة وغيرهم إلى أنه يشترط السوم في زكاة الماشية، ومن بين تلك الماشية البقر، فيشترط فيها السوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جمہور فقہائے کرام کے برعکس مالکیہ کے نزدیک سائمہ جانوروں کی زکاۃ واجب ہونے کے لئے مذکورہ شرط کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ ان کے نزدیک جن جانوروں کوخود سے چارہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أيضا، وأما البقر العوامل والمعلوفة فلا زكاة فيها؛ لانتفاء السوم.

وقال الإمام مالك :لا يشترط السوم في زكاة البقر، فالبقر العوامل والمعلوفة تجب فيها الزكاة عنده.

استدل الإمام مالك لما ذهب إليه بالإطلاق في الأحاديث الموجبة لزكاة البقر، وهو الذى استقر عليه عمل أهل المدينة، وعمل أهل المدينة أحد أصول المالكية .

واستدل القائلون باشتراط السوم في زكاة الماشية بما روى عن على رضى الله عنه، قال الراوى أحسبه عن النبى صلى الله عليه وسلم فى صدقة البقر قال :وليس فى العوامل شىء ، وأيضا بما روى عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ليس فى البقر العوامل شيء وقد حمل الجمهور النصوص المطلقة فى البقر على النصوص المقيدة بالسوم الواردة فى الإبل والغنم، كما استدلوا بقياس البقر على الإبل والغنم فى اشتراط السوم

وأيضا فإن صفة النماء معتبرة فى الزكاة، فلا توجد إلا فى السائمة، أما البقر العوامل فصفة النماء مفقودة فيها، ومثلها المعلوفة فلا نماء فيها أيضا؛ لأن علفها يستغرق نماء ها، إلا أن يعدها للتجارة، فيزكيها زكاة عروض التجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٨، ١٦٠، مادة " بقر")

السوم :ومعناه أن يكون غذاؤها على الرعى من نبات البر، فلو كانت معلوفة لم تجب فيها الزكاة عند الحنفية والشافعية والحنابلة، لأن فى المعلوفة تتراكم المئونة، فينعدم النماء من حيث المعنى، واستدلوا لذلك بما فى حديث بهز بن حكيم عن أبيه عن جده مرفوعا :فى كل سائمة إبل فى كل أربعين بنت لبون وحديث :فى كل خمس من الإبل السائمة شاة. فدل بمفهومه على أن المعلوفة لا زكاة فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٥٠، مادة "زكاة")

يشترط فى وجوب زكاة الماشية السوم عند جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة وأكثر أهل العلم، فتجب الزكاة فى السائمة من الإبل والبقر والغنم، وكذلك الخيل عند أبى حنيفة، لما جاء فى صحيح البخارى من حديث أبى بكر :فى صدقة الغنم فى سائمتها إذا كانت أربعين فيها شاة وروى أبو داود عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :فى كل سائمة إبل فى أربعين ابنة لبون.

وأما الأنعام المعلوفة فلا زكاة فيها لانتفاء السوم؛ لأن وصف الإبل بالسائمة يدل مفهومه على أن المعلوفة لا زكاة فيها، وأن ذكر السوم لا بد من فائدة يعتد بها صيانة لكلام الشارع عن اللغو (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤، ص١١٦ و ١١٧، مادة "سائمة")

والسوم عند الشافعية أن يرسل الأنعام صاحبها للرعى فى كلأ مباح فى جميع الحول، أو فى الغالبية العظمى منه، ولو سامت بنفسها أو بفعل غاصب أو المشترى شراء فاسدا لم تجب الزكاة فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کھلایا جاتا ہو، ان پر بھی سائمہ ہونے کی حیثیت سے زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۹...... حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سائمہ جانوروں کی زکاۃ واجب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پورے سال خود سے چر کر مباح چارہ کھاتے ہوں، بلکہ سال کے اکثر (یعنی آدھے سے زیادہ) حصہ میں، اس شرط کا پایا جانا کافی ہے۔ ؎۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأصح لعدم إسامة المالك، وإنما اعتبر قصده دون قصد الاعتلاف؛ لأن السوم يؤثر في وجوب الزكاة فاعتبر فيه قصده، والاعتلاف يؤثر في سقوطها، فلا يعتبر قصده؛ لأن الأصل عدم وجوبها، وبذلك يشترط عند الشافعية أن يكون كل السوم من المالك أو من يقوم مقامه، فلا زكاة فيما لو سامت بنفسها أو أسامها غير المالك، وإن اعتلفت السائمة بنفسها أو علفها الغاصب القدر المؤثر من العلف فيهما، لم تجب الزكاة في الأصح لعدم السوم، أو كانت عوامل في حرث ونضح ونحوه، لأنها لا تقتنى للنماء بل للاستعمال، كثياب البدن ومتاع الدار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۱۷ و ۱۱۸، مادة "سائمة")

فلو حمل الكلأ إليها في البيت لا تكون سائمة (البحر الرائق، ج۲ ص ۲۲۹، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم)

ثم السائمة هي الراعية التي تكتفي بالرعي عن العلف ويمونها ذلك ولا تحتاج إلى أن تعلف، فإن كانت تسام في بعض السنة وتعلف وتمان في البعض يعتبر فيه الغالب؛ لأن للأكثر حكم الكل.

ألا ترى أن أهل اللغة لا يمنعون من إطلاق اسم السائمة على ما تعلف زمانا قليلا من السنة؟ ولأن وجوب الزكاة فيها لحصول معنى النماء وقلة المؤنة؛ لأن عند ذلك يتيسر الأداء فيحصل الأداء عن طيب نفس وهذا المعنى يحصل إذا أسيمت في أكثر السنة (بدائع الصنائع، ج۲ ص ۳۰، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب السائمة)

؎۱ وعند المالكية: لا يشترط السوم في زكاة الأنعام، فأوجبوا الزكاة في المعلوفة من الإبل والبقر والغنم، كما أوجبوها في السائمة سواء بسواء، لعموم قوله عليه الصلاة والسلام: إذا بلغت خمسا من الإبل ففيها شاة.

وقالوا: إن التقييد بالسائمة في الحديث لأنه الغالب على مواشي العرب، فهو لبيان الواقع لا مفهوم له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۱۶ و ۱۱۷، مادة "سائمة")

؎۲ ثم اختلف القائلون بهذا، فذهب الحنفية والحنابلة إلى أن السائمة هي التي تكتفي بالرعي في أكثر الحول، فلو علفها صاحبها نصف الحول أو أكثر كانت معلوفة ولم تجب زكاتها لأن القليل تابع للكثير، ولأن أصحاب السوائم لا يجدون بدا من أن يعلفوا سوائمهم في بعض الأوقات كأيام البرد والثلج.

وذهب الشافعية على الأصح إلى أن التي تجب فيها الزكاة هي التي ترعى كل الحول، وكذا إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک، اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جانور کام کاج کے لئے نہ رکھے گئے ہوں، بلکہ دودھ حاصل کرنے یا موٹا تازہ کر کے قیمتی بنانے یا بچے پیدا کر کے نسل بڑھانے کے لئے رکھے گئے ہوں۔

پس جو جانور نہ تو دودھ حاصل کرنے کے لئے ہوں، اور نہ بچے حاصل کرنے کے لئے ہوں، اور نہ ہی موٹا تازہ کر کے قیمتی بنانے کے لئے ہوں، تو وہ سائمہ جانور نہیں کہلائیں گے۔

چنانچہ جو جانور مثلاً کھیتی باڑی کرنے (یعنی ہل چلانے یا زمین کو سیراب کرنے) یا گھر کے کام کاج لینے اور بار برداری (یعنی بوجھ اٹھانے) یا ذبح کرنے، یا سواری کرنے یا اون حاصل کرنے یا فروخت کرنے و بیچنے کی غرض سے رکھے گئے ہوں، ان پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر تجارت کی نیت سے خرید کر رکھے ہوں، تو پھر تجارت کا مال ہونے کی حیثیت سے ان کی زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام اس سے پہلے حصہ میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علفت قدرا قليلا تعيش بدونه بلا ضرر بين تجب فيها الزكاة، فإن علفت أكثر من ذلك فلا زكاة فيها .

وذهب المالكية إلى أن الزكاة تجب في الأنعام غير السائمة كوجوبها في السائمة حتى لو كانت معلوفة كل الحول .قالوا :والتقييد في الحديث بالسائمة لأن السوم هو الغالب على مواشي العرب، فهو قيد اتفاقي لبيان الواقع لا مفهوم له .نظيره قوله تعالى :(وربائبكم اللاتي في حجوركم. فإنها تحرم ولو لم تكن في الحجر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۵۰،مادة "زكاة")

[1] اور اگر ان جانوروں سے کوئی خاص مقصد نہیں ہے، اور کوئی متعین نیت نہیں ہے، اور پھر وہ جانور خود سے چارہ چر کر کھائیں، تو حنفیہ کے نزدیک ان پر زکاۃ واجب نہیں، اور حنابلہ کے اصح قول کے مطابق زکاۃ واجب ہے۔

الشرط الثاني :أن لا تكون عاملة، فالإبل المعدة للحمل والركوب، والنواضح، وبقر الحرث والسقي لا زكاة فيها ولو كانت سائمة.

هذا مذهب الحنفية، وهو قول الشافعية في الأصح ومذهب الحنابلة ، واستدلوا بحديث :ليس في العوامل والحوامل والبقر المثيرة شيء . والحوامل هي المعدة لحمل الأثقال، والبقر المثيرة هي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مالکیہ کے نزدیک سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے مذکورہ شرط نہیں۔ [1]

البتہ مالکیہ کے نزدیک ایک شرط یہ ہے کہ اگر اس علاقہ میں اسلامی حکومت کی طرف سے زکاۃ کی وصولی کے لئے باقاعدہ عامل (یعنی زکاۃ وصول کرنے کے لئے خصوصی نمائندہ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقر الحرث التی تثیر الأرض، ولحدیث :لیس فی البقر العوامل شیء (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳،ص ۲۵۱،مادة "زکاة")

القائلون بوجوب الزکاة فی الأنعام السائمة، یختلفون فی اعتبار السوم الذی تجب به الزکاة، فاشترط الحنفیة والحنابلة أن ترعی العشب المباح فی البراری فی أکثر العام بقصد الدر والنسل والتسمین، فإن أسامها للذبح أو الحمل أو الرکوب أو الحرث، فلا زکاة فیها لعدم النماء ، وإن أسامها للتجارة ففیها زکاة التجارة.

وإن أسامها بنفسها بدون أن یقصد مالکها ذلک فلا زکاة فیها عند الحنفیة.

وأما عند الحنابلة علی الأصح فلا یعتبر للمسوم والعلف نیة، فتجب الزکاة فی سائمة بنفسها أو سائمة بفعل غاصبها، کغصبه حبا وزرعه فی أرض مالکه ففیه العشر علی مالکه، کما لو نبت بلا زرع (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۴،ص۱۱۷ و ۱۱۸ ،مادة "سائمة")

والسائمة عندالحنفیة والحنابلة :هی التی ترعی العشب المباح فی البراری فی أکثر العام، بقصد الدر أو النسل أو التسمین، فإن أسامها (رعاها) للذبح أو الحمل أو الرکوب أو الحرث، فلا زکاة فیها .وإن أسامها للتجارة ففیها زکاة التجارة .ولا یضر العلف الیسیر؛ لأن للأکثر حکم الکل .ولو علفها نصف السنة أو أکثر من نصفها، فلا زکاة فیها أما إن سامت (رعت) بنفسها بدون أن یقصد مالکها ذلک، فلا زکاة فیها عند الحنفیة، وفیها الزکاة عند الحنابلة (الفقه الاسلامی و ادلته للزحیلی، ج۳، ص۱۹۱۶ الی ۱۹۱۸ ، کتاب الزکاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس ۔زکاة الحیوان أو الأنعام)

(قوله کما لو أسامها للحمل والرکوب)لأنها تصیر کثیاب البدنِ وعبید الخدمة (ردالمحتار ج۲ص۲۷۶، کتاب الزکاة، باب السائمة)

وأما صفة نصاب السائمة فله صفات منها أن یکون معدا للإسامة وهو أن یسیمها للدر والنسل لما ذکرنا أن مال الزکاة هو المال النامی وهو المعد للاستنماء ، والنماء فی الحیوان بالإسامة إذ بها یحصل النسل فیزداد المال فإن أسیمت للحمل أو الرکوب أو اللحم فلا زکاة فیها ولو أسیمت للبیع والتجارة ففیها زکاة مال التجارة لا زکاة السائمة(بدائع الصنائع،ج۲ص۳۰، کتاب الزکاة،فصل صفة نصاب السائمة)

[1] وذهب المالکیة وهو قول آخر للشافعیة :إلی أن العمل لا یمنع الزکاة فی الماشیة لعموم قول النبی صلی الله علیه وسلم :فی کل خمس ذود شاة ،ولأن استعمال السائمة زیادة رفق ومنفعة تحصل للمالک فلا یقتضی ذلک منع الزکاة، بل تأکید إیجابها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳،ص ۲۵۱،مادة "زکاة")

مقرر ہو، تو عامل کا زکاۃ وصول کرنے کے لئے وہاں پہنچنا شرط ہے، اور اگر وہاں عامل مقرر نہ ہو، تو پھر یہ شرط نہیں، بلکہ سال گزرنا کافی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی پر قرض ودَین ہو، تو وہ قرض ودَین حنفیہ کے نزدیک سائمہ جانوروں کی زکاۃ سے مانع نہیں ہوتا، اور اسی وجہ سے کسی کے ذمہ واجبُ الاداء دَین سائمہ جانوروں کی زکاۃ ادا کرتے وقت منہا نہیں کیا جاتا۔ [2]

---

[1] الشرط الثالث: بلوغ الساعي إن كان هناك ساع، فإن لم يكن هناك ساع فلا يشترط هذا الشرط بل يكتفى بمرور الحول.

وهذا الشرط للمالكية خاصة.

وبنوا عليه أنه إذا مات شيء من المواشي أو ضاع بغير تفريط من المالك بعد الحول وقبل مجيء الساعي فلا زكاة فيه، وإنما يزكي الباقي إن كان فيه الزكاة وإلا فلا. ولو مات رب الماشية قبل بلوغ الساعي فلا زكاة، ويستقبل الوارث حولا، ولا تجزء إن أخرجها قبل وصول الساعي.

قالوا: وإن سأل الساعي رب الماشية عن عددها فأخبره بعددها فغاب عنه ثم رجع إليه فوجدها قد زادت أو نقصت بموت شيء منها -أو بذبحه- فالمعتبر الموجود.

وإن تخلف الساعي عن الوصول مع إمكان وصوله وكان تخلفه لعذر أو لغير عذر فأخرج المالك الزكاة أجزأه وإن لم تجب عليه بمجرد مرور الحول، وإنما يصدق ببينته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۲، مادة "زكاة")

[2] البتہ اگر دَین ان ہی سائمہ جانوروں میں سے کسی متعین جانور کی شکل میں ہو، تو وہ زکاۃ سے مانع ہو جاتا ہے، مثلاً کسی شخص کی ملکیت میں چالیس بکریاں ہیں، اور اس نے کسی عورت سے نکاح کرلیا، اور مہر میں ایک متعین بکری طے ہوگئی، تو چونکہ اب یہ بکری اس کے ذمہ اس کی بیوی کے لئے دَین ہوگئی، اور اس بکری کے نکالنے کے بعد بکریوں کا نصاب باقی نہیں رہتا، اس لئے اس شخص پر ان بکریوں کی زکاۃ لازم نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ولو كان الحيوان دينا في الذمة لم يكن سائمة لانه لا يتصور اسامتها في الذمة (فتاوىٰ التتارخانية ج۲ ص ۲۱۹، كتاب الزكاة)

الأموال التي يمنع الدين زكاتها والتي لا يمنع:

أما الأموال الباطنة وهي النقود وعروض التجارة فإن الجمهور القائلين بأن الدين يمنع الزكاة ذهبوا إلى أن الدين يمنع الزكاة فيها، ولو كان من غير جنسها على ما صرح به المالكية.

وأما الأموال الظاهرة وهي السائمة والحبوب والثمار والمعادن فذهب الجمهور (المالكية والشافعية على قول والحنابلة في الرواية المعتمدة في المذهب) إلى أن الدين لا يمنع وجوب الزكاة فيها، روي عن أحمد أنه قال: لأن المصدق إذا جاء فوجد إبلا أو بقرا أو غنما لم يسأل: أي شيء على صاحبها من الدين، وليس المال -يعني الأثمان- هكذا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ کی باقی شرائط تقریباً وہی ہیں، جو سونے، چاندی اور مالِ تجارت کی زکاۃ کے بیان میں گزریں، مثلاً یہ کہ ان جانوروں کا مالک مسلمان ہو (غیر مسلم پر یہ زکاۃ فرض نہیں)

اور یہ کہ ان جانوروں کا مالک آزاد ہو (شرعی غلام اور باندی پر یہ زکاۃ فرض نہیں)

اور یہ کہ وہ سائمہ جانور کسی کی شخصی ملکیت میں ہوں (وقف جانوروں پر یہ زکاۃ فرض نہیں) [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... اہلِ علم حضرات نے سائمہ جانوروں اور تجارت کے جانوروں میں مندرجہ ذیل چیزوں کے اعتبار سے فرق بیان کیا ہے:

(۱)......سائمہ جانوروں کی جنس متعین ہے، اور وہ تین اجناس ہیں، یعنی اونٹ، گائے (وبھینس) بکری (ودنبہ، بھیڑ) خواہ نر ہوں یا مادہ۔

جبکہ تجارت کے جانور یہ اور اس کے علاوہ دوسرے ماکولُ اللحم (یعنی حلال جانور) اور غیر ماکولُ اللحم (یعنی حرام جانور) بھی ہوسکتے ہیں، مثلاً ہرن، کبوتر، مرغی، بطخ، تیتر، بٹیر، گھوڑا، گدھا، خچر، شکاری کتا، باز، شکرا وغیرہ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والفرق بين الأموال الظاهرة والباطنة أن تعلق الزكاة بالظاهرة آكد؛ لظهورها وتعلق قلوب الفقراء بها؛ ولأن الحاجة إلى حفظها أوفر، فتكون الزكاة فيها آكد.

واستثنى الحنابلة على الرواية المشهورة الدين الذى استدانه المزكى للإنفاق على الزرع والثمر، فإنه يسقطه لما روى عن ابن عمر :يخرج ما استدان أو أنفق على ثمرته وأهله يزكى ما بقى.

وذهب الحنفية إلى أن الدين يمنع الزكاة فى الأموال الباطنة وفى السوائم، أما ما وجب فى الخارج من الأرض فلا يمنعه الدين، كما لا يمنع الخراج، وذلك لأن العشر والخراج مؤنة الأرض، ولذا يجبان فى الأرض الموقوفة وأرض المكاتب وإن لم تجب فيهما الزكاة.

وذهب الحنابلة فى رواية إلى أن الدين يمنع الزكاة فى الأموال الظاهرة والباطنة، ونقله ابن قدامة عن الثورى وإسحاق والليث والنخعى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ٢٤٦، وص ٢٤٧، مادة، زكاة)

[1] وأما الشرائط التى ترجع إلى المال فمنها :الملك فلا تجب الزكاة فى سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا؛ لأن فى الزكاة تمليكا والتمليك فى غير الملك لا يتصور (بدائع الصنائع، ج٢ ص ٩، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب السائمة)

(۲)...... سائمہ جانوروں کا سال کے پورے یا اکثر حصہ میں بلا معاوضہ ومحنت خود چرنا شرط ہے، جبکہ تجارت کے جانوروں میں یہ شرط نہیں۔

(۳)...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ کا نصاب اور ان کی تعداد متعین ہے، جبکہ تجارت کے جانوروں میں تعداد ضروری نہیں، بلکہ زکاۃ کے نصاب کی مقدار کے برابر ہونا کافی ہے، خواہ خود اس جانور کی قیمت سے نصاب پورا ہو جائے یا سونا چاندی یا کرنسی یا دوسرے مالِ تجارت سے ملا کر زکاۃ کا نصاب پورا ہو جائے۔

(۴)...... سائمہ جانوروں کو باقی رکھتے ہوئے ان سے دودھ کا حاصل کرنا یا نسل بڑھانا یا جانوروں کو فربہ اور موٹا تازہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جبکہ تجارت میں خاص ان کو بیچنا ہی مقصود ہوتا ہے۔

(۵)...... سائمہ جانوروں کو خریدنا ضروری نہیں، بلکہ اپنے پاس موجود جانور کو بھی سائمہ بنایا جا سکتا ہے، جبکہ تجارت کے جانور کو فروخت کی نیت سے خریدنا ضروری ہے، اور اپنے پاس موجود جانور میں نیتِ تجارت مؤثر ومعتبر نہیں ہوتی۔

(۶)...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ میں جانوروں کی جنس ادا کی جاتی ہے، اور جانوروں کی مالیت کا کوئی خاص حصہ (مثلاً اڑھائی فیصد کے لحاظ سے) متعین نہیں، جبکہ تجارت کے جانوروں میں زکاۃ کی مقدار اڑھائی فیصد متعین ہے۔

(۷)...... سائمہ جانوروں کے نصاب میں سونا چاندی، مالِ تجارت اور کرنسی کی مالیت کو نہیں ملایا جاتا، جبکہ تجارت کے جانور میں ایسا کیا جاتا ہے (جیسا کہ نمبر ۳ میں گزرا) وغیرہ وغیرہ۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر۲)

سائمہ جانوروں کے نصاب کی تفصیل

جن سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہے ان کی تین جنسیں ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا، اب ان تینوں جنسوں کے جانوروں کے نصاب کی الگ الگ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)

سائمہ اونٹوں کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل

سائمہ جانوروں میں ایک جنس اونٹوں کی کہلاتی ہے۔

اونٹوں کی زکاۃ واجب ہے، جبکہ وہ سائمہ ہوں، اور نصاب کو بھی پہنچے ہوئے ہوں، نیز وجوبِ زکاۃ کی دیگر شرائط بھی پائی جاتی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ، فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلٰى عُمَّالِهٖ حَتّٰى قُبِضَ، فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهٖ، فَلَمَّا قُبِضَ عَمِلَ بِهٖ أَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى قُبِضَ، وَعُمَرُ حَتّٰى قُبِضَ، وَكَانَ فِيْهِ: فِيْ خَمْسٍ مِّنَ الْإِبِلِ شَاةٌ، وَفِيْ عَشْرٍ شَاتَانِ، وَفِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ، وَفِيْ عِشْرِيْنَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ، وَفِيْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيْهَا ابْنَةُ لَبُوْنٍ إِلٰى خَمْسٍ وَّأَرْبَعِيْنَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيْهَا حِقَّةٌ إِلٰى سِتِّيْنَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ إِلٰى خَمْسٍ

وَّسَبْعِيْنَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيْهَا ابْنَتَا لَبُوْنٍ إِلٰى تِسْعِيْنَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ إِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ، وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ ابْنَةُ لَبُوْنٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ (کے مسائل کی) کتاب لکھی، لیکن ابھی اپنے نمائندوں کو بھیج نہ پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی تلوار کے پاس رکھ دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا، پھر حضرت عمر نے اپنی وفات تک عمل کیا، اس میں یہ تھا کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے، دس (اونٹوں) میں دو بکریاں، پندرہ (اونٹوں) میں تین بکریاں، بیس (اونٹوں) میں چار، اور پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض (یعنی ایک سالہ ایک اونٹنی) پینتیس اونٹوں تک (یہی سلسلہ رہے گا) پھر جب (اونٹوں کی تعداد پینتیس سے) زیادہ ہوجائے، تو پینتالیس (اونٹوں) تک ایک بنتِ لبون (یعنی دوسالہ ایک اونٹنی) پھر جب (اونٹوں کی تعداد پینتالیس سے) زیادہ ہوجائے، تو ساٹھ (اونٹوں) تک ایک حقہ (یعنی تین سالہ ایک اونٹنی) پھر جب (اونٹوں کی تعداد ساٹھ سے) زیادہ ہوجائے، تو پچھتر (اونٹوں) تک ایک جذعہ (یعنی چارسالہ ایک اونٹنی) پھر جب (اونٹوں کی تعداد پچھتر سے) زیادہ ہوجائے، تو نوے (اونٹوں) تک دو بنتِ لبون (یعنی دوسالہ دو اونٹنیاں) پھر جب (اونٹوں

---

[1] رقم الحديث ٦٢١، ابواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الإبل والغنم.
قال الترمذي: وقال الزهري :إذا جاء المصدق قسم الشاء أثلاثا :ثلث خيار، وثلث أوساط، وثلث شرار، وأخذ المصدق من الوسط، ولم يذكر الزهري البقر، وفي الباب عن أبي بكر الصديق، وبهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده، وأبي ذر، وأنس :.حديث ابن عمر حديث حسن، والعمل على هذا الحديث عند عامة الفقهاء، وقد روى يونس بن يزيد، وغير واحد، عن الزهري، عن سالم هذا الحديث، ولم يرفعوه، وإنما رفعه سفيان بن حسين.

کی تعداد نوّے سے) زیادہ ہوجائے، تو ایک سوبیس (اونٹوں) تک دو حقّے (یعنی تین سالہ دو اونٹنیاں) پھر جب (اونٹوں کی تعداد ایک سوبیس سے) زیادہ ہوجائے، تو ہر پچاس پر ایک حقہ (یعنی تین سالہ ایک اونٹنی) اور چالیس پر ایک بنتِ لبون (یعنی دوسالہ ایک اونٹنی) (ترمذی)

اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے کہ اگر زکاۃ میں دیئے جانے والا جانور مادہ میسر نہ ہو، تو اسی عمر کا نر جانور بھی اس کے عوض میں زکاۃ میں دیا جاسکتا ہے۔ [1]

احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے سائمہ اونٹوں کے نصاب کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ آگے ذکر کی جاتی ہے۔

---

[1] عن سالم بن عبد الله، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال :أقرأني سالم كتابا كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصدقات قبل أن يتوفاه الله، فوجدت فيه :في خمس من الإبل شاة، وفي عشر شاتان، وفي خمس عشرة ثلاث شياه، وفي عشرين أربع شياه، وفي خمس وعشرين بنت مخاض إلى خمس وثلاثين، فإن لم توجد بنت مخاض فابن لبون ذكر، فإن زادت على خمس وثلاثين واحدة، ففيها بنت لبون إلى خمسة وأربعين، فإن زادت على خمس وأربعين واحدة، ففيها حقة إلى ستين، فإن زادت على ستين واحدة، ففيها جذعة إلى خمس وسبعين، فإن زادت على خمس وسبعين واحدة، ففيها ابنتا لبون إلى تسعين، فإن زادت على تسعين واحدة ففيها حقتان إلى عشرين ومائة، فإذا كثرت ففي كل خمسين حقة، وفي كل أربعين بنت لبون (سنن ابن ماجة، رقم الحديث ١٧٩٨ ،باب صدقة الابل)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية سنن ابن ماجة)

عن أبي سعيد الخدري، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس فيما دون خمس من الإبل صدقة، ولا في الأربع شيء ، فإذا بلغت خمسا ففيها شاة إلى أن تبلغ تسعا، فإذا بلغت عشرا ففيها شاتان إلى أن تبلغ أربع عشرة، فإذا بلغت خمس عشرة ففيها ثلاث شياه إلى أن تبلغ تسع عشرة، فإذا بلغت عشرين ففيها أربع شياه إلى أن تبلغ أربعا وعشرين، فإذا بلغت خمسا وعشرين ففيها بنت مخاض إلى خمس وثلاثين، فإذا لم تكن بنت مخاض فابن لبون ذكر، فإن زادت بعيرا ففيها بنت لبون إلى أن تبلغ خمسا وأربعين، فإن زادت بعيرا ففيها حقة إلى أن تبلغ ستين، فإن زادت بعيرا ففيها جذعة إلى أن تبلغ خمسا وسبعين، فإن زادت بعيرا ففيها بنتا لبون إلى أن تبلغ تسعين، فإن زادت بعيرا ففيها حقتان إلى أن تبلغ عشرين ومائة، ثم في كل خمسين حقة، وفي كل أربعين بنت لبون(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٧٩٩)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوي(حاشية ابن ماجه)

پانچ سے کم تعداد کے اونٹوں پر کوئی زکاۃ فرض نہیں، اور جب اونٹوں کی تعداد پانچ ہو جائے، اور ان میں زکاۃ فرض ہونے کی دیگر شرائط (مثلاً ان کا سائمہ ہونا وغیرہ) بھی پائی جائیں، تو ان پر زکاۃ ادا کرنا فرض ہوگا، اور یہ اونٹوں کے سائمہ نصاب کا ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد اونٹوں میں ایک خاص اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زکاۃ کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہوگی:

پانچ (5) سے نو (9) تک اونٹوں کی تعداد میں، ایک سالہ ایک بکری یا بکرا زکاۃ میں واجب ہے۔

اور دس (10) سے چودہ (14) تک کی تعداد میں، ایک سالہ دو بکریاں یا دو بکرے واجب ہیں۔

اور پندرہ (15) سے انیس (19) تک کی تعداد میں، ایک سالہ تین بکریاں یا بکرے واجب ہیں۔

اور بیس (20) سے چوبیس (24) تک کی تعداد میں، ایک سالہ چار بکریاں یا بکرے واجب ہیں۔

اور پچیس (25) سے پینتیس (35) تک کی تعداد میں، ایک سالہ اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں بنتِ مخاض کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور چھتیس (36) سے پینتالیس (45) تک کی تعداد میں، دو سالہ ایک اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں بنتِ لبون کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور چھیالیس (46) سے ساٹھ (60) تک کی تعداد میں، تین سالہ ایک اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں حقہ کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور اکسٹھ (61) سے پچھتر (75) تک کی تعداد میں، چار سالہ ایک اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں جذعہ کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور چھہتر (76) سے نوے (90) تک کی تعداد میں، دو سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو بنتِ لبون) واجب ہیں۔

اور اکیانوے سے ایک سو بیس تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) واجب ہیں۔

ملحوظ رہے کہ اونٹوں کی زکاۃ میں ایک سو بیس (120) تک زکاۃ کی شرح (یعنی مقدار) میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے، البتہ ایک سو بیس (120) کی تعداد کے بعد فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل ہے۔

اونٹوں کی ایک سو اکیس (121) سے ایک سو چوبیس (124) تک کی تعداد میں تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) واجب ہیں۔

پھر ایک سو پچیس (125) سے ایک سو انتیس (129) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور ایک بکری واجب ہیں۔

اور ایک سو تیس (130) سے ایک سو چونتیس (134) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور دو بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پینتیس (135) سے ایک سو انتالیس (139) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور تین بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو چالیس (140) سے ایک سو چوالیس (144) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور چار بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پینتالیس (145) سے ایک سو انچاس (149) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور ایک سالہ ایک اونٹنی (یعنی بنتِ مخاض) واجب ہیں۔

اور ایک سو پچاس (150) سے ایک سو چون (154) تک کی تعداد میں، تین سالہ

تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) واجب ہیں۔

اور ایک سو پچپن (155) سے ایک سو انسٹھ (159) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور ایک بکری واجب ہیں۔

اور ایک سو ساٹھ (160) سے ایک سو چونسٹھ (164) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور دو بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پینسٹھ (165) سے ایک سو انہتر (169) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور تین بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو ستر (170) سے ایک سو چوہتر (174) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور چار بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پچھتر (175) سے ایک سو پچاسی (185) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور یک سالہ ایک اونٹنی (یعنی بنتِ مخاض) واجب ہیں۔

اور ایک سو چھیاسی (186) سے ایک سو پچانوے (195) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور دو سالہ ایک اونٹنی (یعنی ایک بنتِ لبون) واجب ہیں۔

اور ایک سو چھیانوے (196) سے ایک سو ننانوے (199) تک کی تعداد میں، تین سالہ چار اونٹنیاں (یعنی چار حقے) واجب ہیں۔

پھر دو سو (200) سے دو سو چار (204) تک تین سالہ چار اونٹنیاں (یعنی چار حقے) یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں (یعنی پانچ بنتِ لبون) واجب ہیں۔ [1]

---

[1] ألا تری أن فی السوائم عند الکثرة وهی ما إذا بلغت مائتین الخیار إلی صاحب المال إن شاء أدی أربع حقاق وإن شاء خمس بنات لبون؟(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۲۱، کتاب الزکاة، فصل اموال التجارة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے زیادہ تعداد کی زکاۃ معلوم کرنے کے لئے دوسو(200) اونٹوں کی زکاۃ (یعنی تین سالہ چار اونٹنیوں یا دو سالہ پانچ اونٹنیوں) کے ساتھ اسی ترتیب سے اضافہ کیا جائے گا، جس ترتیب سے ایک سو پچاس(150) سے دوسو(200) تک اضافہ ذکر کیا گیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سو پچاس(150) کے بعد ہر پانچ(5) اونٹوں پر ایک بکری، پھر پچیس(25) سے پینتیس(35) تک ایک سالہ اونٹنی، پھر چھتیس(36) سے پینتالیس(45) تک دو سالہ اونٹنی، پھر چھیالیس(46) سے پچاس(50) تک تین سالہ اونٹنی کا اضافہ کیا جائے گا۔

اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ(5) پر ایک بکری، پچیس(25) پر ایک سالہ اونٹنی، چھتیس(36) پر دو سالہ اونٹنی، چھیالیس(46) سے پچاس(50) تک تین سالہ اونٹنی کا اضافہ کیا جائے گا، وھلمّ جرا۔ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن شاء أدى منها أربع حقاق من كل خمسين حقة، وإن شاء أدى خمس بنات لبون من كل أربعين بنت لبون(بدائع الصنائع، ج۲ ص۲۷، كتاب الزكاة، فصلنصاب البقر)

لے وذهب الحنفية إلى أن الفريضة تستأنف بعد ۱۲۰، ففى كل خمس مما زاد عليها بالإضافة إلى الحقتين، فإن بلغ الزائد ما فيه بنت مخاض أو بنت لبون وجبت إلى أن يبلغ الزائد ما فيه حقة فتجب، ويمثل ذلک الجدول التالى:

عدد الإبل:القدر الواجب:

۱۲۱ ـ ۱۲۴ : حقتان.	۱۲۵ ـ ۱۲۹ :حقتان وشاة.
۱۳۰ ـ ۱۳۴ : حقتان وشاتان.	۱۳۵ ـ ۱۳۹ : حقتان و ۳ شیاه.
۱۴۰ ـ ۱۴۴ : حقتان و ۴ شیاه.	۱۴۵ ـ ۱۴۹ : حقتان وبنت مخاض.
۱۵۰ ـ ۱۵۴ :۳حقاق.	۱۵۵ ـ ۱۵۹ : ۳حقاق وشاة.
۱۶۰ ـ ۱۶۴ : ۳حقاق وشاتان.	۱۶۵ ـ ۱۶۹ :۳ حقاق و۳ شیاه.
۱۷۰ ـ ۱۷۴ :۳ حقاق و۴ شیاه.	۱۷۵ ـ ۱۸۵ :۳ حقاق وبنت مخاض.
۱۸۶ ـ ۱۹۵ :۳ حقاق وبنت لبون.	۱۹۶ ـ ۱۹۹ :۴ حقاق.
۲۰۰ ـ ۲۰۴ :۴ حقاق أو۵ بنات لبون.	۲۰۵ ـ ۲۰۹ :۴ حقاق أو بنات لبون وشاة.وهكذا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورشافعیہ کے نزدیک ایک سوبیس (120) اونٹوں کی زکاۃ کی شرح وہی ہے، جو اوپر حنفیہ کے نزدیک ذکر ہوئی، یعنی ایک سوبیس (120) پردو حقے (یعنی تین سالہ اونٹنیاں) واجب ہوں گے۔

اورایک سوبیس (120) سے ایک اونٹ بھی زائد ہوجائے، تو شافعیہ کے نزدیک زکاۃ کی شرح بدل جاتی ہے، اوراس کے بعد مذکورہ بالا حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ان کے نزدیک ہرار بعین (یعنی چالیس) پرایک بنتِ لبون (یعنی دوسالہ اونٹنی) اور ہر خمسین (یعنی پچاس) پرایک حقہ (یعنی تین سالہ اونٹنی) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ شوافع کے نزدیک ایک سوا کیس (121) سے ایک سوانتیس (129) تک کی تعداد میں، تین بنتِ لبون (یعنی دوسالہ تین اونٹیاں) واجب ہیں۔

اورایک سوتیس (130) سے ایک سوانتالیس (139) تک کی تعداد میں ایک حقہ (یعنی تین سالہ اونٹنی) اوردو بنتِ لبون (یعنی دوسالہ اونٹنیاں) واجب ہیں۔

اورایک سوچالیس (140) سے ایک سوانچاس (149) تک کی تعداد میں دو حقے (یعنی دوسالہ اونٹنیاں) اورایک بنتِ لبون (یعنی دوسالہ اونٹنی) واجب ہیں۔

اورایک سو پچاس (150) سے ایک سوانسٹھ (159) تک کی تعداد میں تین حقے (یعنی تین سالہ اونٹنیاں) واجب ہیں۔

اورایک سوساٹھ (160) سے ایک سوانہتر (169) تک کی تعداد میں چار بنتِ لبون (یعنی دوسالہ اونٹیاں) واجب ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ واحتجوا بما فی حديث قيس بن سعد أنه قال :قلت لأبی بكر بن محمد بن عمرو بن حزم :أخرج لی كتاب الصدقات الذی كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فأخرج كتابا فی ورقة وفيه :فإذا زادت الإبل على مائة وعشرين استؤنفت الفريضة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۵۵، مادة "زكاة")

(ثم تستأنف أبدا كما بعد مائة وخمسين) كما ورد ذلك فی كتاب عمرو بن حزم (البحرالرائق، ج۲ص۲۳۱، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر)

(ثم يفعل فی كل خمسين) حتى تجب فی كل خمسين حقة (كما فعل فی الخمسين التی بعد المائة والخمسين)(مجمع الانهر، ج۱ص۱۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم)

پھر اسی طرح ہر چالیس (40) پر ایک بنتِ لبون (یعنی دو سالہ اونٹنی) اور ہر پچاس (50) پر ایک حقہ (یعنی تین سالہ اونٹنی) کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ ؎1

چند متعلّقہ مسائل

اب سائمہ اونٹوں کی زکاۃ سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... جہاں اونٹوں کی زکاۃ میں بکری واجب ہے، اس میں ایک سال کی عمر لازم ہے، اور مذکر و مؤنث (یعنی نَر و مادہ) میں اختیار ہے، چاہے بکری دے یا بکرا۔ ؎2

مسئلہ نمبر۲...... جہاں تین سالہ چار اونٹنیاں واجب ہیں، وہاں حنفیہ کے نزدیک اختیار ہے

؎1 وبناء على هذا الحديث، تؤخذ الزكاة من الإبل حسب الجدول التالي:

عدد الإبل: القدر الواجب:

من ۱ الیٰ ۴ : ليس فيها شيء. من ۵ ـ ۹ : فيها شاة واحدة.

من ۱۰ ـ ۱۴ : فيها شاتان. من ۱۵ ـ ۱۹ : فيها ۳ شياه.

من ۲۰ ـ ۲۴ : فيها۴ شياه.

من ۲۵ ـ ۳۵ : فيها بنت مخاض (فإن لم يوجد فيها بنت مخاض يجزء ابن لبون ذكر)

من ۳۶ ـ ۴۵ : بنت لبون. من ۴۶ ـ ۶۰ : حقة.

من ۶۱ ـ ۷۵ : فيها جذعة. من ۷۶ ـ ۹۰ : فيها بنتا لبون.

من ۹۱ ـ ۱۲۰ : فيها حقتان. من ۱۲۱ ـ ۱۲۹ : فيها ۳ بنات لبون.

من ۱۳۰ ـ ۱۳۹ : فيها حقة وبنتا لبون. من ۱۴۰ ـ ۱۴۹ : حقتان وبنت لبون.

من ۱۵۰ ـ ۱۵۹ : فيها ۳حقاق. من ۱۶۰ ۱۶۹ : فيها ۴ بنات لبون.

وهكذا في ما زاد، في كل ۴۰ بنت لبون، وفي كل ۵۰ حقة.

وهذا الجدول جار على مذهب الشافعية، ورواية في مذهب الحنابلة، وهو قول الأوزاعي وإسحاق، وأوله إلى ۱۲۰ مجمع عليه، لتناول حديث أنس له، وعدم الاختلاف في تفسيره.

واختلف فيما بين ۱۲۱ ـ ۱۲۹ فقال مالك يتخير الساعي بين حقتين وثلاث بنات لبون، وذهب أبو عبيد، وهو الرواية الأخرى عن أحمد إلى أن فيها حقتين، لأن الفرض لا يتغير إلا بمائة وثلاثين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۵۴، مادة "زكاة")

؎2 ب -أن الشاة التي تؤخذ في زكاة الإبل إن كانت أنثى (جذعة من الضأن، أو ثنية من المعز فما فوق ذلك) أجزأت بلا نزاع.

وأما الذكر، فيحتمل أن يجزء لصدق اسم الشاة عليه، وهو المعتمد عند المالكية، والأصح عند الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۵۶، مادة "زكاة")

کہ اُن کی بجائے دوسالہ پانچ اونٹنیاں دے دے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... اونٹوں کی زکاۃ میں مادہ اونٹنی ہی قبول کی جائے گی، نر اونٹ قبول نہیں کیا جائے گا، ہاں جس صورت میں بنتِ لبون (یعنی دوسالہ اونٹنی) دینا لازم ہو، اگر مالک کے پاس مادہ اونٹنی نہ ہو، تو نر اونٹ بھی قبول کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس سارے نر اونٹ ہی ہیں، مادہ کوئی نہیں، تو اس صورت میں بھی نر کا ادا کرنا کافی ہوگا، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مادہ اونٹنی ہی لازم ہوگی، اگرچہ اس کے پاس نر نہ ہو۔ [2]

مسئلہ نمبر۴...... اگر زکاۃ دینے والا چھوٹے یا کم عمر جانور کے بجائے تبرعاً زیادہ عمر والا جانور بطورِ زکاۃ کے ادا کرے، اسی طرح اونٹوں کی زکاۃ میں، جہاں تین بکریاں لازم ہیں، وہاں بکری کے بجائے اونٹنی دے دے، تو بھی جائز ہے۔

اسی طرح پچیس اونٹوں سے کم میں بکریوں کے بجائے بنتِ مخاض (یعنی ایک سالہ اونٹنی) دے دینا کافی ہے، اس لئے کہ جب پچیس اونٹوں کی طرف سے بنتِ مخاض (یعنی دوسالہ اونٹنی) کافی ہے، تو پچیس سے کم کی طرف سے بطریقِ اولیٰ کافی ہے۔

---

[1] ألا ترى أن في السوائم عند الكثرة وهي ما إذا بلغت مائتين الخيار إلى صاحب المال إن شاء أدى أربع حقاق وإن شاء خمس بنات لبون؟(بدائع الصنائع، ج۲ص ۲۱، كتاب الزكاة، فصل اموال التجارة)

فإن شاء أدى منها أربع حقاق من كل خمسين حقة، وإن شاء أدى خمس بنات لبون من كل أربعين بنت لبون(بدائع الصنائع، ج۲ ص۲۷، كتاب الزكاة، فصل نصاب البقر)

[2] وفي زكاة الإبل مسائل فرعية منها:

أ -أن الذي يؤخذ في زكاة الإبل الإناث دون الذكور، إلا ابن اللبون إن عدم بنت المخاض كما في الحديث المتقدم، بخلاف البقر فتؤخذ منها الذكور كما يأتي .

فإن كان المال كله ذكورا أجزأ الذكر على الأصح عند الشافعية وهو المقدم عند الحنابلة، وعند المالكية يلزم الوسط ولو انفرد الذكور، والظاهر أنه يريدون ناقة وسطا من السن المطلوب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۶،مادة "زكاة")

البتہ حنابلہ کے نزدیک اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۵...... حنفیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ واجب شدہ جانور (مثلاً بنتِ لبون) کے بجائے کم عمر جانور (مثلاً بنتِ مخاض) ادا کرے، اور کم عمری کی تلافی قیمت کے ساتھ کردے، جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ ۲؎

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

۱؎ ج -إن تطوع المزكى فأخرج عما وجب عليه سنا أعلى من السن الواجب جاز، مثل أن يخرج بدل بنت المخاض بنت لبون أو حقة أو جذعة، أو عن بنت اللبون حقة أو جذعة.
قال ابن قدامة :لا نعلم فى ذلك خلافا .
لما فى حديث أبى بن كعب أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لمن قدم ناقة عظيمة سمينة عن بنت مخاض :ذاك الذى عليك .فإن تطوعت بخير آجرك الله فيه، وقبلناه منك .
-د -إن أخرج بدل الشاة ناقة أجزأه، وكذا عما وجب من الشياه فيما دون خمس وعشرين، لأنه يجزء عن ۲۵، فإجزاؤه عما دونها أولى.
وهذا مذهب أبى حنيفة والشافعى، وهو الأصح عند المالكية، وذهب الحنابلة إلى أنه لا يجزء، لأنه أخرج عن المنصوص عليه غيره من غير جنسه فلم يجزئه، كما لو أخرج عن أربعين من الغنم بعيرا
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۵۶،مادة ”زكاة“)

۲؎ هـ -ذهب الشافعية والحنابلة والنخعى وابن المنذر إلى أن من وجب عليه فى إبله سن فلم يكن فى إبله ذلك السن فله أن يخرج من السن الذى فوقه مما يؤخذ فى زكاة الإبل، ويأخذ من الساعى شاتين أو عشرين درهما، أو أن يخرج من السن الذى تحته مما يجزء فى الزكاة ويعطى الساعى معها شاتين أو عشرين درهما.
واستدلوا بما فى حديث أنس المتقدم بيانه.
وذهب الحنفية إلى أن المزكى إذا لم يكن عنده السن الواجب، أو كان عنده فله أن يدفع قيمة ما وجب، أو يدفع السن الأدون وزيادة الدراهم بقدر النقص، كما لو أدى ثلاث شياه سمان عن أربع وسط، أو بعض بنت لبون عن بنت مخاض، وذلك على أصلهم فى جواز إخراج القيمة فى الزكاة
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۵۶،مادة ”زكاة“)

(۲)

سائمہ گائے، بھینس کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل

گائے، بھینس کی جنس والے جانور، اگر سائمہ ہوں، تو ان کی زکاۃ واجب ہونے پر بھی امت کا اتفاق ہے، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِلَی الْیَمَنِ، وَأَمَرَنِیْ أَنْ آخُذَ مِنَ الْبَقَرِ: مِنْ کُلِّ أَرْبَعِیْنَ، مُسِنَّةً، وَمِنْ کُلِّ ثَلَاثِیْنَ، تَبِیْعًا أَوْ تَبِیْعَةً

(سنن ابن ماجة، رقم الحديث ۱۸۰۳، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر)[2]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا، اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر چالیس گائے میں سے ایک مسنہ (یعنی دو سالہ گائے) لوں، اور اور ہر تیس گائے میں سے تبیع یا تبیعہ (یعنی ایک سالہ بیل یا گائے) وصول کروں (ابنِ ماجہ)

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

لَمْ یَأْمُرْنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَیْئًا

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۰۱۰)[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کے نصاب سے کم (یعنی تیس سے کم گائے ہونے) کی صورت میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا (مسند احمد)

---

[1] زكاة البقر واجبة بالسنة والإجماع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ۱۵۹، مادة "بقر")

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن فى المتابعات (حاشية ابنِ ماجه)

[3] فى حاشية مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبى كامل -وهو مظفر بن مدرك- فقد روى له أبو داود فى "التفرد" والنسائى، وهو ثقة، وطاووس لم يدرك معاذاً.

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيْ ثَلَاثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِ، تَبِيْعٌ أَوْ تَبِيْعَةٌ، وَفِيْ أَرْبَعِيْنَ، مُسِنَّةٌ(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۸۰۴) ؎۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیس گائے میں تبیع (یعنی ایک سالہ بیل یا گائے) ہے اور چالیس میں مسنہ (یعنی دو سالہ گائے) ہے (ابنِ ماجہ)

احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے سائمہ گائے، بھینس کے نصاب کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

گائے، بیل، بھینس، بھینسا (ان سب جانوروں) کا کم از کم نصاب تیس (30) ہے، لہٰذا جب تک یہ جانور تعداد میں تیس (30) سے کم ہوں، ان کی زکاۃ لازم نہیں ہے۔ ؎۲

جب یہ جانور تیس (30) ہو جائیں، تو ایک گائے یا بھینس کا نر یا مادہ ایسا بچہ زکاۃ میں واجب ہے، جو کم از کم ایک سال کا ہو کر دوسرے سال میں لگ گیا ہو۔

تیس (30) کے بعد انتالیس (39) کی تعداد تک اور کچھ واجب نہیں ہے۔

اور جب یہ جانور چالیس (40) پورے ہو جائیں، تو گائے یا بھینس کا نر یا مادہ ایسا بچہ زکاۃ میں واجب ہے، جو پورے دو برس کا ہو کر تیسرے میں لگ گیا ہو۔

اور اکتالیس (41) سے انسٹھ (59) کی تعداد تک اس کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں اور جب یہ جانور ساٹھ (60) کی تعداد کو پہنچ جائیں، تو گائے یا بھینس کے ایسے دو بچے نر یا مادہ واجب

؎۱ قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية ابنِ ماجه)

؎۲ البتہ حضرت سعید بن مسیّب اور امام زہری کے نزدیک پانچ (5) گایوں سے لے کر چوبیس گایوں تک ہر پانچ (5) پر ایک بکری لازم ہوگی، جیسا کہ اونٹوں کے نصاب میں ہوتی ہے۔

وفی ذلک خلاف فی بعض المواضع، منها:

أ -ذهب سعيد بن المسيب والزهری خلافا لسائر الفقهاء ، إلى أن فی البقر من(۵ ـ ۲۴) فی كل خمس شاة قياسا على زكاة الإبل، لأن البقرة تعدل ناقة فی الهدی والأضحية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۸، مادة ”زكاة“)

ہوں گے کہ جن کی عمر ایک سال کی ہو کر دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، کیونکہ ساٹھ (60) جانوروں میں تیس (30) تیس (30) کے دو نصاب ہیں۔

پھر ساٹھ (60) کے بعد چالیس (40) چالیس (40) اور تیس (30) تیس (30) کا حساب کیا جائے گا اور ہر چالیس (40) میں ایک گائے یا بھینس کا ایسا بچہ جو دو سال کا ہو کر، تیسرے سال میں لگ چکا ہو، واجب ہوگا، اور ہر تیس (30) کی تعداد میں گائے یا بھینس کا ایک ایسا بچہ جو ایک سال کا پورا ہو کر، دوسرے سال میں لگ چکا ہو، واجب ہوگا، یعنی ہر دس جانوروں کے بعد واجب بدلتا رہے گا۔

پس ستر (70) میں ایک جانور، دو سال سے زیادہ عمر کا، اور ایک جانور ایک سال سے زیادہ عمر کا واجب ہوگا، کیونکہ اس میں ایک نصاب چالیس (40) کا ہے اور ایک تیس (30) کا ہے۔

اور اسّی (80) میں چالیس (40) چالیس (40) کے دو نصاب ہیں، اس لئے دو سال سے زیادہ عمر کے دو جانور واجب ہوں گے۔

اسی اصول کے مطابق نوے (90) میں تین جانور، ایک سال سے زیادہ عمر والے، اور سو (100) میں ایک جانور، دو سال سے زیادہ عمر والے، اور دو جانور ایک سال سے زیادہ عمر والے واجب ہوں گے، کیونکہ نوے (90) میں تیس (30) تیس (30) کے تین نصاب ہیں اور سو (100) میں تیس (30) تیس (30) کے دو اور چالیس (40) کا ایک نصاب ہے۔

اور اگر ایسا ہو کہ ایک سال سے زیادہ عمر کے جانوروں سے بھی حساب ٹھیک رہتا ہو اور دو سال سے زیادہ عمر کے جانوروں سے بھی ٹھیک رہتا ہو، تو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جو بھی چاہے دے دے، مثلاً ایک سو بیس (120) گائے ہوں، تو چاہے تین جانور دو سال سے زیادہ عمر کے دے دے، یا چار جانور ایک سال سے زیادہ عمر کے دے دے، کیونکہ اس میں چالیس (40) چالیس (40) کے تین نصاب اور تیس (30) تیس (30) کے چار نصاب ہیں۔

اسی طرح دو سو چالیس (240) میں آٹھ جانور، ایک سال سے زیادہ عمر کے یا چھ جانور دو

سال سے زیادہ عمر کے دے دے۔ ۱

چند متعلّقہ مسائل

اب سائمہ گائے، بھینس کی زکاۃ سے متعلق چند متفرق مسائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱..... گائے، بھینسوں کے نصاب میں فقہاء کا اتفاق ہے، یعنی تیس (30) سے کم میں زکاۃ نہیں، اور تیس (30) جانوروں میں ایک ایسا جانور زکاۃ میں واجب ہے، جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو، البتہ حضرت سعید بن مسیّب اور امام زہری کے نزدیک کچھ فرق کے ساتھ گائے کے نصاب کی وہی شرح ہے، جو اونٹوں کی ہے۔ ۲

---

۱ وبناء على الحديثين المذكورين تؤخذ زكاة البقر حسب الجدول التالى:

عدد البقر القدر الواجب:

۱ ـ ۲۹ :لا شیء فيها.

۳۰ ـ ۳۹ :تبيع (أو تبيعة)

۴۰ ـ ۵۹ :مسنة.

۶۰ ـ ۶۹: تبيعان.

۷۰ ـ ۷۹ : تبيع ومسنة.

۸۰ ـ ۸۹ :تبيعان.

۹۰ ـ ۹۹ :۳ أتبعة.

۱۰۰ ـ ۱۰۹ :تبيعان ومسنة.

۱۱۰ ـ ۱۱۹ :تبيع ومسنتان.

۱۲۰ ـ ۱۲۹ :۴ أتبعة أو ۳ مسنات.

وهكذا فى كل ثلاثين تبيع أو تبيعة، وفى كل أربعين مسنة.وعلى هذا تجرى مذاهب جماهير العلماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۵۷ ،مادة "زكاة")

۲ اشتراط تمام النصاب:أما النصاب فقد اختلف الفقهاء فيه على أقوال، من أشهرها اتجاهان:
الاتجاه الأول :وهو قول علي بن أبي طالب ومعاذ بن جبل وأبي سعيد الخدري رضي الله عنهم وقال به الشعبي وشهر بن حوشب وطاووس وعمر بن عبد العزيز والحسن البصري، ونقله الزهري عن أهل الشام، وبه قال أبو حنيفة ومالك وأحمد بن حنبل والشافعي، قالوا :ليس فيما دون الثلاثين من البقر شيء ، فإذا بلغتها ففيها تبيع أو تبيعة، (والتبيع هو الذي له سنتان، أو الذي له سنة وطعن فى الثانية، وقيل :ستة أشهر، والتبيعة مثله، ثم لا شيء فيها حتى تبلغ أربعين، فإذا بلغتها ففيها بقرة مسنة.ثم لا شيء فيها حتى تبلغ ستين، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے نصاب اور زکاۃ کی شرح کے لحاظ سے گائے اور بھینس (نر و مادہ) دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اور اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملایا جائے گا، مثلاً بیس گائے ہوں اور دس بھینسیں تو دونوں کو ملا کر تیس کا نصاب پورا کیا جائے گا، مگر بعض فقہاء کے نزدیک زکاۃ میں وہی جانور دیا جائے گا، جس کی تعداد زیادہ ہو یعنی اگر تعداد میں گائے زیادہ ہوں تو زکاۃ میں گائے دی جائے گی اور بھینسیں زیادہ ہوں تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا بلغتها ففيها تبيعان أو تبيعتان .ثم لا شيء فيها حتى تبلغ عشرا زائدة، فإذا بلغتها ففي كل ثلاثين من ذلك العدد تبيع أو تبيعة وفي كل أربعين مسن أو مسنة ، ففي سبعين تبيع ومسنة، وفي ثمانين مسنتان، وفي تسعين ثلاثة أتبعة، وفي مائة مسنة وتبيعان، وفي مائة وعشر مسنتان وتبيع، وفي مائة وعشرين ثلاث مسنات أو أربعة أتبعة، فالمالك مخير بين إخراج الأتبعة أو المسنات، وإن كان الأولى النظر إلى حاجة الفقراء والأصلح لهم .ثم يتغير الواجب كلما زاد العدد عشرا.

واحتج أصحاب هذا القول بما روى عن معاذ رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بعثه إلى اليمن أمره أن يأخذ من كل حالم دينارا، ومن البقر من كل ثلاثين تبيعا أو تبيعة، ومن كل أربعين مسنة.وروى ابن أبي ليلى والحكم بن عتيبة عن معاذ أنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن الأوقاص :ما بين الثلاثين إلى الأربعين، وما بين الأربعين إلى الخمسين؟ قال :ليس فيها شيء .

واحتجوا أيضا بما جاء في كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم :فرائض البقر ليس فيما دون الثلاثين من البقر صدقة، فإذا بلغت ثلاثين ففيها عجل رائع جذع، إلى أن تبلغ أربعين، فإذا بلغت أربعين ففيها بقرة مسنة .إلى أن تبلغ سبعين، فإن فيها بقرة وعجلا جذعا، فإذا بلغت ثمانين ففيها مسنتان، ثم على هذا الحساب.هذا ، ولتفصيل أحكام ما بين الفريضتين في الزكاة -وهو المسمى بالوقص -ينظر مصطلح :(أوقاص)الاتجاه الثاني :قول سعيد بن المسيب والزهري وأبي قلابة وغيرهم :إن نصاب البقر هو نصاب الإبل، وإنه يؤخذ في زكاة البقر ما يؤخذ من الإبل، دون اعتبار للأسنان التي اشترطت في الإبل، من بنت مخاض وبنت لبون وحقة وجذعة، وروى هذا عن كتاب عمر بن الخطاب في الزكاة، وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهم، وشيوخ أدوا الصدقات على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وروى أبو عبيد :أن في كتاب عمر بن الخطاب (في الزكاة) أن البقر يؤخذ منها مثل ما يؤخذ من الإبل، قال :وقد سئل عنها غيرهم، فقالوا :فيها ما في الإبل .وقد ذكر ابن حزم بسنده عن الزهري وقتادة كلاهما عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله عنهما قال :في كل خمس من البقر شاة، وفي عشر شاتان، وفي خمس عشرة ثلاث شياه، وفي عشرين أربع شياه.قال الزهري :فرائض البقر مثل فرائض الإبل غير أسنان فيها :فإذا كانت البقر خمسا وعشرين ففيها بقرة إلى خمس وسبعين، فإذا زادت على خمس وسبعين ففيها بقرتان إلى مائة وعشرين، فإذا زادت على مائة وعشرين ففي كل أربعين بقرة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بھینس دی جائے گی، جیسا کہ مثالِ مذکور میں گائے زیادہ ہیں پس گائے دی جائے گی اور اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے، چاہے جس سے ادا کردے، لیکن اعلیٰ قسم میں جو جانور کم قیمت کا ہو یا ادنیٰ قسم میں جو جانور زیادہ قیمت کا ہو وہ دیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... گائے، بھینس میں کم سے کم عمر کا جانور جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے اور جس کا زکاۃ میں لیا جانا جائز ہے، یہ ہے کہ اس جانور کی ایک سال عمر پوری ہوچکی ہو، اور دوسرا سال شروع ہوچکا ہو، اس سے کم عمر کا بچہ زکاۃ میں نہیں دیا جائے گا۔ [2]

مسئلہ نمبر۴...... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تبیع وہ جانور کہلاتا ہے کہ جس کی عمر ایک سال کی ہوچکی ہو، اور وہ دوسرے سال میں لگ گیا ہو، اور مسن وہ جانور کہلاتا ہے کہ جس کی عمر دو سال کی ہوچکی ہو، اور وہ تیسرے سال میں لگ گیا ہو۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الزهری :وبلغنا أن قولهم :فی کل ثلاثین تبیع، وفی کل أربعین بقرة، أن ذلک کان تخفیفا لأهل الیمن، ثم کان بعد ذلک لا یروی.

وروی أیضا عن عکرمة بن خالد قال :استعملت -أی ولیت -علی صدقات (عک) فلقیت أشیاخا ممن صدق (أخذت منهم الصدقة) علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاختلفوا علی :فمنهم من قال اجعلها مثل صدقة الإبل، ومنهم من قال :فی ثلاثین تبیع، ومنهم من قال :فی أربعین بقرة مسنة .وذکر ابن حزم أیضا بسنده عن ابن المسیب وأبی قلابة وآخرین مثل ما نقل عن الزهری، ونقل عن عمر بن عبد الرحمن بن خلدة الأنصاری :أن صدقة البقر صدقة الإبل، غیر أنه لا أسنان فیها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۸، ۱۶۱ تا ۱۶۳، مادة "بقر")

[1] (قوله والجاموس) هو نوع من البقر کما فی المغرب، فهو مثل البقر فی الزکاة والأضحیة والربا، ویکمل به نصاب البقر، وتؤخذ الزکاة من أغلبها، وعند الاستواء یؤخذ أعلی الأدنی وأدنی الأعلی نهر (ردالمحتار، ج۲ص ۲۸۰، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم)

[2] (وفیها تبیع) لأنه یتبع أمه (ذو سنة) کاملة (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص ۲۸۰، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم)

[3] جبکہ مالکیہ کے نزدیک تبیع وہ جانور ہے کہ جس کے دو سال پورے ہوچکے ہوں، اور تیسرے سال میں لگ گیا ہو، اور مسن وہ ہے کہ جس کے تین سال پورے ہوچکے ہوں، اور چوتھے سال میں لگ چکا ہو۔

ج -ومنها فی الأسنان، فالتبیع عند الجمهور ما تم له سنة وطعن فی الثانیة، والمسنة ما تم لها سنتان وطعنت فی الثالثة، وعند المالکیة التبیع ما تم له سنتان ودخل فی الثالثة، والمسنة ما تم لها ثلاث سنین ودخلت فی الرابعة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زکاة")

مسئلہ نمبر۵...... گایوں کی زکاۃ میں اگر تبیع (یعنی ایک سال کی عمر سے زیادہ کا جانور) ادا کیا جائے، تو اس میں نر وصول کرنا بھی بالاتفاق درست ہے، اور مسن (یعنی دو سال پورا ہو کر تیسرے سال میں لگا ہوا جانور) ادا کیا جائے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک نر جانور لینا درست ہے۔

جبکہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک مسن (یعنی دو سال سے زیادہ عمر والے جانور) میں مادہ وصول کرنا ہی ضروری ہے، نر وصول کرنا درست نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۶...... جمہور فقہاء کے نزدیک اکتالیس (41) گایوں سے لے کر انسٹھ (59) گایوں تک ایک مسنہ (یعنی دو سال کی عمر پورا ہو کر تیسرے سال میں لگے ہوئے جانور) کے علاوہ کچھ واجب نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کی ظاہرُ الروایۃ یہ ہے کہ چالیس گایوں سے زیادہ گایوں میں اسی حساب سے زکاۃ ادا کرنی ہوگی، مثلاً چالیس پر ایک گائے زیادہ ہو جائے، تو مسنہ (یعنی دو سال کی عمر کے جانور) کے ساتھ اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ بھی دینا ہوگا، اور چالیس پر دو زیادہ ہو جائیں، تو مسنہ (یعنی دو سال کی عمر کے جانور) کے ساتھ اس کی قیمت کا بیسواں حصہ بھی دینا ہوگا۔ [2]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ب -ومنها :أخذ الذكر فى زكاة البقر :أما التبيع الذكر فيؤخذ اتفاقا، فهو بمنزلة التبيعة، للنص عليه فى حديث أنس، وأما المسن الذكر فمذهب الحنفية أنه يجوز أخذه.
ومذهب المالكية والشافعية والحنابلة لا يؤخذ إلا المسنة الأنثى لأن النص ورد فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٥٨، مادة "زكاة")

[2] د -ومنها أن الوقص الذى من (٤١ــ ٥٩)لا شيء فيه عند الجمهور، وهو رواية عن أبى حنيفة وقول الصاحبين، وهو المختار عند الحنفية لظاهر ما تقدم من الحديث.
وذهب أبو حنيفة فى ظاهر الرواية إلى أن ما زاد على الأربعين ليس عفوا، بل يجب فيه بحسابه، ففى الواحدة الزائدة عن الأربعين ربع عشر مسنة، وفى الثنتين نصف عشر مسنة، وهكذا، وإنما قال هذا فرارا من جعل الوقص وهو مخالف لجميع أوقاص زكاة البقر، فإن جميع أوقاصها تسعة تسعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٥٨، مادة "زكاة")

(۳)

سائمہ بکری و بھیڑ کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل

جن سائمہ جانوروں میں زکاۃ کا حکم ہے، ان میں ایک جانور بکری کہلاتا ہے، جس کے ضمن میں بھیڑ اور دنبہ بھی داخل ہے۔ ۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَفِی الشَّاءِ: فِی کُلِّ أَرْبَعِیْنَ شَاةً شَاةٌ إِلٰی عِشْرِیْنَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ فَشَاتَانِ إِلٰی مِائَتَیْنِ، فَإِذَا زَادَتْ فَثَلَاثُ شِیَاهٍ إِلٰی ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلٰی ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ فَفِیْ کُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ، ثُمَّ لَیْسَ فِیْهَا شَیْءٌ حَتّٰی تَبْلُغَ أَرْبَعَ مِائَةٍ، وَلَا یُجْمَعُ بَیْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ، مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا کَانَ مِنْ خَلِیْطَیْنِ فَإِنَّهُمَا یَتَرَاجَعَانِ بِالسَّوِیَّةِ، وَلَا یُؤْخَذُ فِی الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَیْبٍ (سنن الترمذی) ۲

---

۱ زكاة الغنم واجبة بالسنة والإجماع .أما السنة فما رواه أنس رضى الله عنه أن أبا بكر الصديق رضى الله عنه كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين :هذه فريضة الصدقة التى فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين، والتى أمر الله بها رسوله، فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها، ومن سئل فوقها فلا يعط . . .وفى صدقة الغنم فى سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة، فإذا زادت على عشرين ومائة إلى مائتين شاتان، فإذا زادت على مائتين إلى ثلاثمائة ففيها ثلاث، فإذا زادت على ثلاثمائة ففى كل مائة شاة، فإذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها .

وأجمع العلماء على وجوب الزكاة فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص ۲۹۹، مادة"غنم")

۲ رقم الحديث ۶۲۱، ابواب الزكاة، باب ما جاء فى زكاة الإبل والغنم.

قال الترمذى:وقال الزهرى :إذا جاء المصدق قسم الشاء أثلاثا :ثلث خيار، وثلث أوساط، وثلث شرار، وأخذ المصدق من الوسط، ولم يذكر الزهرى البقر، وفى الباب عن أبى بكر الصديق، وبهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده، وأبى ذر، وأنس :.حديث ابن عمر حديث حسن، والعمل على هذا الحديث عند عامة الفقهاء ، وقد روى يونس بن يزيد، وغير واحد، عن الزهرى، عن سالم هذا الحديث، ولم يرفعوه، وإنما رفعه سفيان بن حسين.

ترجمہ: اور بکریوں (کی زکاۃ) میں (زکاۃ کے نصاب ومقدار کی تفصیل یہ ہے کہ) چالیس (40) بکریوں میں ایک سوبیس (120) تک ایک بکری بطورِ زکاۃ واجب ہے، پھر جب (بکریوں کی) تعداد (ایک سوبیس 120 سے) زیادہ ہو جائے، تو (بکریوں کی تعداد) تین سو (300) ہونے تک تین بکریاں بطورِ زکاۃ واجب ہوں گی، پھر جب (بکریوں کی تعداد) تین سو (300 بکریوں) سے بڑھ جائے، تو ہر سو (100 بکریوں) میں ایک بکری بطورِ زکاۃ واجب ہوگی، پھر تعداد زیادہ ہونے پر) کوئی چیز بطورِ زکاۃ لازم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ (بکریوں کی) تعداد چار سو (400) ہو جائے، اور زکاۃ (واجب ہونے یا نہ ہونے یا زیادہ واجب ہونے یا کم واجب ہونے) کے ڈر سے الگ الگ (اشخاص کے) جانوروں کو ایک (شخص کے جانور) قرار نہیں دیا جائے گا، اور نہ ہی اکٹھے (یعنی ایک شخص کے مملوکہ) جانوروں کو الگ الگ (اشخاص کی ملکیت) قرار دیا جائے گا (ترمذی)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن سالم بن عبد الله، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :أقرأني سالم كتابا كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصدقات، قبل أن يتوفاه الله، فوجدت فيه :فى أربعين شاة شاة إلى عشرين ومائة، فإذا زادت واحدة، ففيها شاتان إلى مائتين، فإن زادت واحدة، ففيها ثلاث شياه إلى ثلاثمائة، فإذا كثرت، ففى كل مائة شاة، ووجدت فيه :لا يجمع بين متفرق، ولا يفرق بين مجتمع(سنن ابن ماجة، رقم الحديث ١٨٠٥، باب صدقة الغنم)

فى حاشيةِ سنن ابن ماجة: صحيح لغيره.

أن أنسا، حدثه :أن أبا بكر رضى الله عنه، كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين : بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التى فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين، والتى أمر الله بها رسوله، فمن سئلها من المسلمين على وجهها، فليعطها ومن سئل فوقها فلا يعط فى أربع وعشرين من الإبل، فما دونها من الغنم من كل خمس شاة إذا بلغت خمسا وعشرين إلى خمس وثلاثين، ففيها بنت مخاض أنثى، فإذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے سائمہ بکری، بھیڑ اور دنبہ کے نصاب کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

بکریوں، بھیڑوں اور دنبوں کا کم از کم نصاب چالیس (40) ہے، چالیس (40) سے کم تعداد میں زکاۃ واجب نہیں ہے۔

اور جب تعداد میں چالیس (40) ہو جائیں اور ان پر سال پورا ہو جائے تو ایک بکری یا دنبہ یا بھیڑ واجب ہوگی۔

ایک سو بیس (120) تک یہی حکم ہے کہ صرف ایک بکری یا دنبہ یا بھیڑ واجب ہوگی اور اس کے علاوہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

پھر جب ایک سو اکیس (121) بکریاں ہو جائیں تو دو بکریاں یا دو دنبے یا دو بھیڑیں واجب ہوں گی، اور دو سو (200) کی تعداد تک یہی حکم رہے گا۔

اور جب بکریوں کی تعداد دو سو ایک (201) ہو جائے، تو تین بکریاں یا تین دنبے یا تین بھیڑیں واجب ہوں گی۔

پھر تین سو ننانوے (399) کی تعداد تک یہی حکم رہے گا اور جب چار سو (400) بکریاں پوری ہو جائیں تو چار بکریاں یا چار دنبے یا چار بھیڑیں واجب ہوں گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بلغت ستا وثلاثين إلى خمس وأربعين ففيها بنت لبون أنثى، فإذا بلغت ستا وأربعين إلى ستين ففيها حقة طروقة الجمل، فإذا بلغت واحدة وستين إلى خمس وسبعين، ففيها جذعة فإذا بلغت يعني ستا وسبعين إلى تسعين، ففيها بنتا لبون فإذا بلغت إحدى وتسعين إلى عشرين ومائة، ففيها حقتان طروقتا الجمل، فإذا زادت على عشرين ومائة، ففي كل أربعين بنت لبون وفي كل خمسين حقة، ومن لم يكن معه إلا أربع من الإبل، فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها، فإذا بلغت خمسا من الإبل، ففيها شاة وفي صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة، فإذا زادت على عشرين ومائة إلى مائتين شاتان، فإذا زادت على مائتين إلى ثلاث مائة، ففيها ثلاث شياه، فإذا زادت على ثلاث مائة، ففي كل مائة شاة، فإذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة، فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها وفي الرقة ربع العشر، فإن لم تكن إلا تسعين ومائة، فليس فيها شيء إلا أن يشاء ربها(بخاری، رقم الحديث ۱۴۵۴، باب زكاة الغنم)

اس کے بعد ہر سینکڑہ (یعنی سو کے عدد) پر مزید ایک بکری یا یا دنبہ یا بھیڑ واجب ہوگی، خواہ کتنی ہی ہو جائیں یہی حساب رہے گا اور سو (100) سے نیچے کی زیادتی میں کچھ واجب نہیں ہوگا۔ [1]

چند متعلّقہ مسائل

اب بکری و بھیڑ وغیرہ کی زکاۃ سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بکریوں کی زکاۃ میں نَر بکرا دینا بھی درست ہے، اور مادہ بکری دینا بھی درست ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف مادہ بکریاں ہی ہوں، یا نر و مادہ ملی جلی ہوں، تو مادہ ہی زکاۃ کے طور پر دینا ضروری ہے، اور یہی مسلک حنابلہ کا بھی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲...... بکریوں کی زکاۃ میں جو جانور (بکری یا بکرا) وصول کرنا ضروری ہے، اس کی عمر کم از کم سال کی پوری ہونا ضروری ہے، پس سال بھر کی بکری یا بکرے سے زکاۃ بالاتفاق

---

[1] زكاة الغنم واجبة بالسنة والإجماع، فمما ورد فيها حديث أنس المتقدم ذكره في زكاة الإبل .
وبناء على الحديث المذكور تؤخذ زكاة الغنم طبقا للجدول التالي:
عدد الغنم،القدر الواجب:

۱ ـ ۳۹ : لا شيء فيها.	۴۰ ـ ۱۲۰ :شاة.
۱۲۱ ـ ۲۰۰ :شاتان.	۲۰۱ ـ ۳۹۹ : ۳ شياه.
۴۰۰ ـ ۴۹۹ : ۴ شياه.	۵۰۰ ـ ۵۹۹ :۵ شياه.

وهكذا ما زاد عن ذلك في كل مائة شاة شاة مهما كان قدر الزائد.
وعلى هذا تجري مذاهب جمهور الفقهاء ، وأول هذا الجدول وآخره مجمع عليه.
واختلف فيه فيما بين (۳۰۰ ـ ۳۹۹)فقد ذهب النخعي وأبو بكر من الحنابلة إلى أن فيه أربع شياه لا ثلاثة، ثم لا يتغير القدر الواجب إلى(۵۰۰)فيكون فيها خمس شياه كقول الجمهور، واستدل هؤلاء بأن النبي صلى الله عليه وسلم في حديث أنس المتقدم جعل الثلاثمائة حدا لما تجب فيه الشياه الثلاثة فوجب أن يتغير الفرض عندها فيجب أربعة(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۳، ص۲۵۸، مادة "زكاة")

[2] وفي زكاة الغنم مسائل خاصة بها.
أ -منها أن الشاة تصدق على الذكر والأنثى ومن هنا ذهب الحنفية والمالكية إلى جواز إخراج الذكر في زكاة الغنم، ولأن الشاة إذا أمر بها مطلقا أجزأ فيها الذكر كالأضحية والهدى.
وذهب الشافعية إلى أن الغنم إن كانت إناثا كلها أو كان فيها ذكور وإناث فيتعين إخراج الإناث.
وذهب الحنابلة كذلك إلى أنه لا يجوز إخراج الذكر في صدقة الغنم إذا كان في النصاب شيء من الإناث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص۲۵۸،مادة "زكاة")

ادا ہوجاتی ہے، اور اگر سال سے کم عمر کا جانور ادا کیا جائے، تو اس سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاۃ ادا نہیں ہوتی، خواہ وہ بکری ہو یا بھیڑ یا دنبہ۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جذعہ یعنی وہ جانور جس کی عمر چھ ماہ مکمل ہوچکی ہو، اگر بھیڑ یا دنبہ کی جنس سے ہے، تو اس کے دینے سے بھی بکریوں کی زکاۃ ادا ہوجائے گی۔

اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳...... نصاب پورا کرنے کے لئے بکریاں (نر و مادہ) اور بھیڑ و دنبہ (نر و مادہ) ان سب کا ایک ہی حکم ہے کہ ایک کو دوسرے میں ملا کر نصاب کو پورا کریں گے اور مجموعہ پر زکاۃ لی جائے گی، مثلاً کسی کے پاس چالیس بکریاں اور چالیس بھیڑیں یا دنبے ہیں، تو اس کو دو نصاب نہیں کہیں گے اور دو جانور واجب نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے مجموعہ یعنی اسّی (80) پر ایک بکری یا بھیڑ یا دنبہ واجب ہوگا، لیکن اگر بکری دے گا تو ادنیٰ درجہ کی دینا بھی جائز ہے اور بھیڑ یا دنبہ دے گا، تو اعلیٰ درجہ کی دے گا، اور اگر جانوروں میں صرف بکریاں (نر و مادہ)

---

[۱] اور مالکیہ کے نزدیک جذعہ کے دینے سے زکاۃ ادا ہوجائے گی، خواہ وہ بھیڑ، دنبہ کی جنس سے ہو یا بکری کی جنس سے، لیکن مالکیہ کے نزدیک جذعہ کی عمر میں اختلاف ہے، اور کئی اقوال ہیں، بعض کا قول یہ ہے کہ جذعہ کم از کم ایک سال کا ہوتا ہے، بعض کا قول ہے کہ دس ماہ کا ہوتا ہے، اور ایک قول آٹھ ماہ کا اور ایک قول چھ ماہ کا ہے۔

ب -الـذى يؤخذ فى صدقة الغنم هو الثنية، والثنى فى اصطلاح الفقهاء -خلافا لما عند أهل اللغة - مـا تـم لـه سـنة فـمـا زاد، فتجزء اتفاقا، فإن كانت أقل من ذلك لم تجزء سواء كانت من الضأن أو الـمـعـز، وهـذا قـول أبـى حـنيفة، واحتج له بأن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال للساعى :اعتد عليهم بالسخلة ولا تأخذها منهم.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الجذعة -وهى ما تم لها ستة أشهر -إن كانت من الضأن -لا من المعز -تجزء فى الزكاة، وقال الصاحبان :يجزء الجذع من الضأن سواء كان الجذع ذكرا أو أنثى، وهـو روايـة عـن أبـى حـنيـفة، واختلفوا فى سن الجذع نحوا من اختلاف أصحاب مالك فيه، وقال مالك :تـجـزء الـجـذعة سـواء أكـانـت من الضأن أو المعز، لكن اختلف أصحاب مالك فى سن الـجـذع، فـقـال بعضهم :أدنـاه سنة، وقيل :عشـرة أشهر، وقيل :ثـمانية، وقيل :ستة (الـمـوسـوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زكاة")

ہیں تو بکریوں سے زکاۃ لی جائے گی، بھیڑ یا دنبہ نہیں لیا جائے گا اور بھیڑیں اور دنبے (نرومادہ) ہیں، تو انہی میں سے زکاۃ لی جائے گی، بکری نہیں لی جائے گی۔

اوراگر بکریاں، دنبے اور بھیڑ وغیرہ مخلوط ہوں، تو جو تعداد میں زیادہ ہیں زکاۃ میں بھی وہی لی جائے گی اوراگر تعداد میں برابر ہوں تو اختیار ہے، چاہے جس میں سے زکاۃ ادا کردے، لیکن اعلیٰ قسم میں سے ادنیٰ قیمت کا اور ادنیٰ قسم میں سے اعلیٰ قیمت کا جانور دینے کا حکم ہوگا، جیسا کہ گائے کی زکاۃ میں مسئلہ نمبر۲ کے تحت ذکر کیا گیا۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ضم أنواع الأجناس إلى بعضها:
لا خلاف بين أهل العلم فى ضم أنواع الأجناس، بعضها إلى بعض فى إيجاب الزكاة ، فيضم المعز إلى الضأن، والجواميس إلى البقر، والبُخت من الإبل إلى العِرَاب.
ويخرج المزكى عند الجمهور الزكاة من أى الأنواع أحبَّ، سواء دعت الحاجة إلى ذلك :بأن يكون الواجب واحداً، أو لا يكون أحد النوعين موجباً لواحد، أو لم تدع الحاجة :بأن يكون كل واحد من النوعين يجب فيه فريضة كاملة؛ لأنهما نوعا جنس واحد، من الماشية، فجاز الإخراج من أيهما شاء. فإن كانت عشرين ضأناً، وعشرين معزاً، أخذ من أحدهما ما يكون قيمته نصف شاة ضأن ونصف معز.
وقال الشافعية :إن اتحد نوع الماشية أخذ الفرض منه، كأن كانت إبله كلها من صفة واحدة أو بقرة كلها جواميس، ويجوز فى الأصح أخذ ضأن عن معز أو عكسه بشرط رعاية القيمة .وإن اختلف النوع كضأن ومعز، فالأظهر أن يخرج المالک ما شاء من النوعين، مقسَّطاً عليهما بالقيمة، فإذا وجد ثلاثون عنزاً وعَشُر نَعَجات من الضأن، أخذ الساعى عنزاً، أو نعجة بقيمة ثلاثة أرباع عنز ورُبُع نعجة، وفى عنز بقيمة ثلاثة أرباع نعجة وربع عنز.
وبه يكون الشافعية فى الحقيقة كباقى المذاهب إلا فى مراعاة فرق القيمة بين المعز والضأن (الفقه الاسلامى و ادلته للزحيلى، ج۳، ص ۱۹۳۹ ، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس ـ زكاة الحيوان أو الأنعام)

(فصل نمبر۳)

سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے چند متفرق مسائل

اب سائمہ جانوروں کی زکاۃ سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... جو جانور ایک شخص کی ملکیت ہیں، اُن کی زکاۃ سے بچنے کی خاطر جدا جدا شمار نہیں کریں گے، مثلاً اگر کسی شخص کے پاس چالیس (40) بکریاں ہیں تو ان کا حساب جدا جدا نصاب بنا کر اس طرح نہیں کریں گے کہ اگر یہ دو آدمیوں کے پاس بیس بیس کی تعداد میں ہوتیں، تو کسی پر بھی زکاۃ واجب نہ ہوتی، لہٰذا وہ اپنے آپ کو زکاۃ واجب ہونے سے بچالے، کیونکہ جب چالیس کی چالیس کا مالک ایک ہے، تو چالیس (40) بکریوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... جو جانور الگ الگ مالکوں کی ملکیت ہوں، مگر ایک ساتھ چرتے اور رہتے ہوں، تو ان دونوں کے جانوروں کو جمع کر کے ایک نصاب نہیں بنائیں گے، مثلاً اگر چالیس بکریاں ایک شخص کی ملکیت ہوں، اور چالیس بکریاں دوسرے شخص کی ملکیت ہوں، تو یہ نہیں کہیں گے کہ اگر یہ جانور (مثلاً اسی بکریاں) ایک شخص کے پاس ہوتے، تو ایک جانور (مثلاً ایک بکری) واجب ہوتا، لہٰذا ان دونوں سے بھی ایک ہی جانور (یا بکری) لے لی جائے، بلکہ دونوں شخصوں کے الگ الگ نصاب پر ایک ایک جانور (یا بکری) واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر چالیس بکریاں دو آدمیوں کی ملکیت ہیں، تو کسی پر بھی زکاۃ واجب نہیں کی

---

[۱] ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز لأرباب الأموال من أهل الزكاة، أن يفرقوا أموالهم المختلطة، التي وجب فيها باجتماعها فرض الزكاة، ليسقط عنها الفرض، أو ليقل الواجب . كأن يكون لهما أربعون شاة مختلطة خلطة اشتراک، أو خلطة جوار فيفرقاها قبل نهاية الحول ليسقط عنها الفرض بالتفرقة، ولا يجوز لأرباب الأموال أن يجمعوا أموالهم المتفرقة ليقل الواجب و كذا الساعى لا يجوز له أن يجمع المتفرق خشية سقوط الصدقة أو قلتها لحديث لا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳ ص ۸۶، مادة "تفريق")

جائے گی، کیونکہ کسی ایک آدمی کی ملکیت میں چالیس بکریاں نہیں ہیں۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳...... اگر سائمہ جانور دو افراد کے درمیان مشترک ہوں، تو جب تک ہر شریک کا حصہ نصاب تک نہ پہنچ جائے، اس وقت تک کسی فرد پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی۔ ۲؎

۱؎ وذهب الحنفية إلى أن الخلطة لا أثر لها فى القدر الواجب، ولا فى النصاب فى الزكاة، فلو كانت سائمة مشتركة بين اثنين أو أكثر لا تجب الزكاة على واحد منهم إلا أن يبلغ نصيب كل شريك نصابا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٦ ص٨٦، مادة "جنس")

ومن ملك ثمانين شاة فليس للساعى أن يجعلها نصابين بأن يفرقها فى مكانين .قال " :فمعنى لا يفرق بين مجتمع "، أن لا يفرق الساعى بين الثمانين أو المائة والعشرين فيجعلها نصابين أو ثلاثة . ومعنى "ولا يجمع بين متفرق "لا يجمع الأربعين المتفرقة فى الملك بأن تكون مشتركة ليجعلها نصابا، والحال أن لكل منهما عشرين .قال " :وتراجعهما بالسوية "أن يرجع كل واحد من الشريكين على شريكه بحصة ما أخذ منه .

واحتجوا أيضا بقول النبى صلى الله عليه وسلم إذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة قال الكاسانى :نفى الحديث وجوب الزكاة فى أقل من أربعين مطلقا عن حال الشركة والانفراد .فدل أن كمال النصاب فى حق كل واحد منهما شرط الوجوب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩ ص٢٢٦،٢٢٧، مادة " خلطة ")

۲؎ الذى يكلف بالزكاة هو الشخص المسلم بالنسبة لماله، فإن كان ما يملكه نصابا وحال عليه الحول وتمت الشروط ففيه الزكاة، فإن كان المال شركة بينه وبين غيره، وكان المال نصابا فأكثر فلا زكاة على أحد من الشركاء عند الجمهور، وهو قول عند الشافعية حتى يكون نصيبه نصابا، ولا يستثنى من ذلك عند الحنفية شىء ، ويستثنى عند الجمهور -ومنهم الشافعية -السائمة المشتركة فإنها تعامل معاملة مال رجل واحد فى القدر الواجب وفى النصاب عند غير المالكية، وكذا السائمة المختلطة -أى التى يتميز حق كل من الخليطين فيها لكنها تشترك فى المرعى ونحوه من المرافق -وذهب الشافعية على الأظهر إلى أن المال المشترك والمال المختلط يعامل معاملة مال رجل واحد فى النصاب والقدر الواجب، وهو رواية أخرى عند الحنابلة رجح العمل بها بعضهم كابن عقيل والآجرى واحتجوا بعموم قول النبى صلى الله عليه وسلم :لا يفرق بين مجتمع ولا يجمع بين متفرق خشية الصدقة ولمعرفة تفصيل القول فى ذلك والخلاف فيه ينظر مصطلح (خلطة). هذا إذا كان المال فى بلد واحد، أما إن كان مال الرجل مفرقا بين بلدين أو أكثر، فإن كان من غير المواشى فلا أثر لتفرقه، بل يزكى زكاة مال واحد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٣٥، مادة "زكاة")

قال :(ولا فى السائمة المشتركة إلا أن يبلغ نصيب كل شريك نصابا) لقوله -عليه الصلاة والسلام :-إذا انتقص شياه الرجل من أربعين فلا شىء عليها ولأنه إنما تجب باعتبار الغنى ولا غنى إلا بالملك، فإنه لا يعد غنيا بملك شريكه، ويستوى فى ذلك شركة الأملاك والعقود، فلو كان بينه وبين آخر خمس من الإبل أو أربعون شاة فلا شىء على واحد منهما، ولو كان بينهما عشر من الإبل أو ثمانون شاة فعلى كل واحد منهما شاة(الاختيار لتعليل المختار، ج١ ص١٠٠، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم)

اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ دونوں افراد کی ملکیت میں نصاب کے بقدر جانور نہ ہوتے ہوں، اور اگر ان میں سے کسی ایک فرد کے مملوکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں، تو اس فرد پر زکاۃ واجب ہوگی، اور اگر دونوں افراد کے مملوکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں، تو دونوں پر زکاۃ واجب ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... جن سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہے اگر ان کے صرف بچے ہوں، مثلاً تمام جانور ایک سال سے کم عمر کے ہوں، اور اُن بچوں کے ساتھ بڑا جانور ایک بھی نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق ان بچوں میں زکاۃ واجب نہیں ہے۔ [2]

اور اگر ان بچوں کے ساتھ ایک جانور بھی پوری عمر کا ہوگا تو یہ سب بچے نصاب پورا ہونے میں اس کے تابع ہو جائیں گے اور ان سب کی تعداد ملا کر نصاب پورا ہونے پر زکاۃ واجب ہو جائے گی، مگر زکاۃ میں بچے نہیں دیئے جائیں گے، بلکہ پوری عمر کا جانور دیا جائے گا، مثلاً کسی کے پاس بکریوں کے انتالیس بچے ایک سال سے کم عمر کے ہیں، اور ایک بکری ایک سال یا اس سے اوپر کی ہے، تو ان میں زکاۃ واجب ہوگی، پس اگر وہ ایک سال سے زیادہ عمر کی بکری اوسط درجہ کی ہے، تو زکاۃ میں وہی لی جائے گی اور اگر اعلیٰ درجہ کی ہے، تو صاحبِ مال

---

[1] وإن كان من المواشي وكان بين البلدين مسافة قصر فأكثر فكذلك عند الجمهور، وهو رواية عن أحمد رجحها صاحب المغني .والمعتمد عند الحنابلة أن كل مال منها يزكى منفردا عما سواه، فإن كان كلا المالين نصابا زكاهما كنصابين، وإن كان أحدهما نصابا والآخر أقل من نصاب زكى ما تم نصابا دون الآخر .قال ابن المنذر :لا أعلم هذا القول عن غير أحمد .واحتج من ذهب إلى هذا بأنه لما أثر اجتماع مال الجماعة حال الخلطة في مرافق الملك ومقاصده على أتم الوجوه حتى جعله كمال واحد وجب تأثير الافتراق الفاحش في المال الواحد حتى يجعله كمالين .واحتج أحمد بقول النبي صلى الله عليه وسلم :ولا يجمع بين متفرق ولأن كل مال تخرج زكاته ببلده(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٢٣٥، مادة "زكاة")

هذا إذا كانت مشتركة بالنصف، فلو تفاوتت وبلغت حصة أحدهما نصابا وجبت عليه(مجمع الانهر، ج ١ ص ٢٠٢، كتاب الزكاة، فصل في زكاة الخيل)

[2] البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی زکاۃ واجب ہے، جو انہی بچوں میں سے ایک کے دینے سے ادا ہو جائے گی۔

اوسط درجہ کی بکری دے گا اور اگر وہ بکری اوسط درجہ سے کم کی ہو تو پھر یہی واجب ہوگی، اسی طرح اونٹوں اور گائے بیلوں میں بھی حکم ہوگا، اور اگر زکاۃ میں کئی جانور واجب ہوں، اور بڑوں سے زکاۃ پوری نہ ہوتی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک بڑے جانور جو موجود ہیں وہی واجب ہوں گے اور باقی ساقط ہو جائیں گے، چھوٹے جانور ملا کر تعداد پوری نہیں کی جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی نے جانوروں کو تجارت کے لئے خریدا، پھر اس نے ان کو سائمہ بنادیا، یعنی سائمہ ہونے کی نیت سے جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑ دیا، تو جس وقت سے اس نیت سے ان کو چرنے کے لئے چھوڑا ہے، اس وقت سے ہی سائمہ جانوروں کی زکاۃ واجب ہونے کا سال شروع ہوگا، اور سال پورا ہونے پر ان کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہوگی۔ [2]

مسئلہ نمبر ۶ ...... کیا شریعت کی طرف سے متعین کردہ جانور، یا جانوروں کو ہی زکاۃ میں دینا ضروری ہے، یا اتنی مالیت کی رقم، یا کوئی اور چیز بھی جانور کے بدلہ میں دینا جائز ہے؟

---

[1] (قوله وزكاة سائمة) ؛ لأنه لا شيء في الفصلان والعجاجيل والحملان، إلا إذا مات الكبار أثناء الحول وخلفت صغارا فيها كبير فبالأولى لا يجب في الحمل شيء (ردالمحتار، ج۳ص ۶۵۵، كتاب العتق، مطلب في ملك ذى الرحم المحرم)

(و) لا في (حمل) بفتحتين ولد الشاة (وفصيل) ولد الناقة (وعجول) بوزن سنور :ولد البقرة؛ وصورته أن يموت كل الكبار ويتم الحول على أولادها الصغار (إلا تبعا لكبير) ولو واحدا (الدرالمختار)

(قوله :وصورته إلخ) أى إذا كانت له سوائم كبار وهى نصاب فمضت ستة أشهر مثلا فولدت أولادا ثم ماتت وتم الحول على الصغار لا تجب الزكاة فيها عندهما وعند الثانى تجب واحدة منها، والمراد من النصاب خمس وعشرون إبلا وثلاثون بقرا وأربعون غنما، وأما ما دون خمس وعشرين إبلا فلا شيء فيه اتفاقا؛ لأن الثانى أوجب واحدة منها ولا يتصور فيما دون هذا المقدار، وتمامه فى الاختيار .وفى القهستانى عن التحفة :الصحيح قولهما (قوله :إلا تبعا لكبير) قال فى النهر: والخلاف، أى المذكور آنفا مقيد بما إذا لم يكن فيها كبار، فإن كان كما إذا كان له مع تسع وثلاثين حملا مسن، وكذلك فى الإبل والبقر كانت الصغار تبعا للكبير ووجب إجماعا كذا فى الدراية .اهـ (ردالمحتار، ج۲ص ۲۸۲، ۲۸۳، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

[2] (ويبطل حول زكاة التجارة بجعلها للسوم) لأن زكاة السوائم وزكاة التجارة مختلفان قدرا وسببا، فلا يبنى حول أحدهما على الآخر (فلو اشترى لها) أى للتجارة (ثم جعلها سائمة اعتبر) أول (الحول من وقت الجعل) للسوم(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص ۲۷۶، ۲۷۷، كتاب الزكاة، باب السائمة)

تو حنفیہ کے علاوہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک شریعت کی طرف سے متعین کردہ جانور یا جانوروں کو ہی زکاۃ میں دینا ضروری ہے، اور قیمت یا کسی اور چیز کا دینا جائز نہیں۔ ؎1

اور حنفیہ اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک جس طرح شریعت کی طرف سے متعین کردہ سائمہ جانور، یا جانوروں کو ان کی زکاۃ میں دینا جائز ہے، اسی طرح اتنی مالیت کی نقدی یا کوئی اور چیز بھی زکاۃ میں دینا جائز ہے۔ ؎2

؎1 وأما ما عدا ذلك كزكاة المواشي والزروع وإخراج زكاة الذهب أو الفضة عن غيرهما أو العكس، فقد اختلف الفقهاء في إخراج القيمة على مذاهب:

فذهب الجمهور (الشافعية، والمالكية على قول، والحنابلة في رواية وهي المذهب) إلى أنه لا يجوز إخراج القيم في الزكاة، واستثنى بعض أصحاب هذا القول نحو إخراج بنت لبون عن بنت مخاض. واحتجوا بحديث في أربعين شاة شاة، وفي مائتي درهم خمسة دراهم فتكون الشاة المذكورة والدراهم المذكورة هي المأمور بها، والأمر يقتضي الوجوب. واحتجوا أيضا بما في حديث كتاب أبي بكر هذه الصدقة التي فرضها رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين وأمر بها أن تؤدى، وكان فيه: في خمس وعشرين من الإبل بنت مخاض، فإن لم تكن فابن لبون ذكر وهذا يدل على أنه أراد عينها. وبحديث معاذ أن النبي صلى الله عليه وسلم بعثه إلى اليمن فقال خذ الحب من الحب، والشاة من الغنم، والبعير من الإبل، والبقرة من البقر.

قالوا: ولأن الزكاة فرضت دفعا لحاجة الفقير، وحاجاته متنوعة، فينبغي أن يتنوع الواجب ليتنوع ما يصل إليه، ووجبت شكرا لنعمة المال، ويحصل ذلك بالمواساة مما أنعم الله به عليه. ولأن الزكاة قربة لله تعالى وما كان كذلك فسبيله الاتباع، ولو جازت القيمة لبينها النبي صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۸ و ۲۹۹، مادة "زكاة")

؎2 وأما في المواشي: فعند الحنفية جائز، بناء على قاعدتهم بجواز القيمة في كل شيء. وهو الصحيح عند الشافعية. ويكره عند المالكية التحول عن الواجب إلى البدل، لما في ذلك من معنى الرجوع في الصدقة، ولئلا تكون القيمة أقل مما عليه، فيكون قد بخس الفقراء حقهم، إلا إذا أجبر الساعي المزكي على أن يأخذ منه دراهم فيما وجب عليه من صدقته، فيجزء عنه، إذا كان فيه وفاء بقيمة ما وجب عليه، وكان عند محلها.

وفي وجه عند الشافعية: لا يجزء إن نقصت قيمته عن قيمة الشاة. ووجه ثالث: أنه إن كانت الإبل مراضا، أو قليلة القيمة لعيب أجزأ البعير الناقص عن قيمة الشاة، وإن كانت صحاحا سليمة لم يجزء الناقص.

وفي الموضوع تفصيل يرجع إليه في (الزكاة).

وأما الحنابلة فلا يجوز عندهم التحول في الماشية من جنس إلى آخر ولا إلى القيمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰، ص۲۸۴ و ۲۸۵، مادة "تحول")

مسئلہ نمبر ۷...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ ادا کرتے وقت جو جانور زکاۃ میں دیا جاتا ہے، اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ درمیانی درجہ کا جانور ہو، نہ بہت زیادہ قیمتی ہو، اور نہ بہت زیادہ کمزور اور گھٹیا ہو۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۸...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ میں جو جانور، زکاۃ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، وہ جانور خاص انہی جانوروں میں سے ہونا ضروری نہیں ہے، جن میں زکاۃ واجب ہوئی ہے، بلکہ اسی جنس کا کوئی اور جانور دینا بھی جائز ہے۔

اور اگر کوئی شخص زکاۃ میں اس جنس کا ایسا جانور دے، جو اس علاقہ میں عموماً نہیں ہوتا، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کا دینا بھی جائز ہے۔ ۲؎

۱؎ ینبغی أن یکون المأخوذ فی الزکاۃ من الوسط، لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإیمان :من عبد اللہ وحدہ، وأنه لا إلہ إلا اللہ، وأعطی زکاۃ ماله طیبة بها نفسه رافدۃ علیه کل عام، لا یعطی الهرمة، ولا الدرنة، ولا المریضة، ولا الشرط اللئیمة، ولکن من وسط أموالکم، فإن اللہ لم یسألکم خیرہ، ولم یأمرکم بشرہ .الحدیث.

وهذا یقتضی أمرین:الأول :أن یتجنب الساعی طلب خیار المال، ما لم یخرجه المالک طیبة به نفسه، وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للساعی :إیاک وکرائم أموالهم .

قال عمر رضی اللہ عنه لساعیه :لا تأخذ الربی، ولا الماخض، ولا الأکولة، ولا فحل الغنم والربی هی القریبة العهد بالولادۃ، لأنها تربی ولدها .والماخض الحامل، والأکولة التی تأکل کثیرا، لأنها تکون أسمن، وفحل الغنم هو المعد للضراب .فإن کانت ماشیة الرجل کلها خیارا، فقد اختلف الفقهاء فقیل :یأخذ الساعی من أوسط الموجود، وقیل :یکلف شراء الوسط من ذلک الجنس.

الأمر الثانی :أن لا یکون المأخوذ من شرار المال، ومنه المعیبة، والهرمة، والمریضة، لکن إن کانت کلها معیبة أو هرمة أو مریضة، فقد ذهب بعض الفقهاء إلی أنه یجوز إخراج الواجب منها، وقیل : یکلف شراء صحیحة أخذا بظاهر النهی الوارد فی الحدیث، وقیل :یخرج صحیحة مع مراعاۃ القیمة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳،ص ۲۶۰، ۲۶۱،مادۃ "زکاۃ")

۲؎ اختلف الفقهاء فی الشاۃ الواجبة فیما دون الخمس والعشرین من الإبل هل تجب أن تکون من غالب غنم البلد أم أن المزکی مخیر بین الأغنام؟

فذهب الحنفیة والحنابلة وهو قول عند الشافعیة إلی أن المزکی بالخیار، فیجوز أن یخرج عن الإبل الخمس مثلا شاۃ من الضأن أو شاۃ من المعز، وأیهما أخرج أجزأہ لتناول اسم الشاۃ لهما، ولا یشترط کونهما من جنس غنمه ولا من جنس غنم بلدہ؛ لإطلاق الأخبار فی ذلک، ومنها قوله صلی اللہ علیہ وسلم :إذا بلغت خمسا من الإبل ففیها شاۃ .وذهب المالکیة وهو مقابل الأصح عند الشافعیة إلی أنه یتعین إخراج غالب أغنام ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... اونٹ دو قسم کے ہیں، عربی اونٹ جو ایک کوہان والے ہوتے ہیں، بختی اونٹ، جو دو کوہانوں والے ہوتے ہیں۔ ۱؎

اسی طرح گائے کی دو قسمیں ہیں، ایک عام گائے، اور دوسری بھینس۔ ۲؎

اور اسی طرح بکری بھی دو قسم کی ہیں، ایک اون والی جسے بھیڑ کہتے ہیں، اور دوسرے بالوں والی جسے بکری کہتے ہیں۔ ۳؎

اور اونٹوں، گایوں اور بکریوں کی زکاۃ کے نصاب اور شرح سے متعلق احکام کی جو تفصیل پہلے ذکر کی گئی ہے، اس میں تینوں طرح کے جانوروں کی دونوں قسمیں شامل ہیں۔ ۴؎

مسئلہ نمبر ۱۰...... اگر کسی کے پاس مذکورہ تینوں جانوروں میں سے کوئی ایک ہی قسم کے جانور ہیں، تو اسی قسم کا جانور بطورِ زکاۃ دینے سے زکاۃ بالاتفاق ادا ہو جائے گی۔

پھر اگر مثلاً عربی اونٹوں کی زکاۃ میں کسی شخص نے بختی اونٹ ادا کر دیا، جو قیمت میں عربی اونٹ کے برابر تھا، تو بہت سے فقہاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، اور اس سے بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بلده كما يتعين غالب قوت البلد فى الكفارة، والقول الأصح عند الشافعية: أنه مخير بين أغنام البلد، ولكن لا يجوز له الانتقال إلى غنم بلد آخر إلا أن تكون مثلها فى القيمة أو خيرا منها.

ولدى الشافعية قول رابع: أنه يتعين عليه إخراج غنم نفسه إذا كان له غنم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص ۱۲۷، مادة "غالب")

۱؎ أ - كل جنس من الإبل والبقر والغنم ينقسم إلى نوعين، فالإبل نوعان: العراب وهى الإبل العربية، وهى ذات سنام واحد، والبخاتى (جمع بختية) وهى إبل العجم والترك، وهى ذات سنامين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زكاة")

۲؎ والبقر نوعان: البقر المعتاد، والجواميس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زكاة")

۳؎ والغنم: إما ضأن، وهى ذوات الصوف، واحدتها ضأنة، وإما معز، وهى ذوات الشعر، واحدتها عنز، والذكر تيس، ويقال للذكر والأنثى من الضأن والمعز: شاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زكاة")

۴؎ والمقادير الواجبة فى الجداول السابقة تشمل من كل جنس نوعيه، ويضم أحدهما إلى الآخر فى تكميل النصاب إجماعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زكاة")

اور بعض فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی کے پاس دو قسم کے جانور ملا کر نصاب بنتا ہے، مثلاً بھیڑوں اور بکریوں کو ملا کر نصاب بنتا ہے، تو ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک جس قسم کے جانور زیادہ ہوں گے، اسی قسم کا جانور زکاۃ میں لیا جائے گا، اگر بکریاں زیادہ ہیں، تو بکری اور بھیڑیں زیادہ ہیں، تو بھیڑ۔

اور اگر دونوں قسم کے جانور برابر ہوں، تو ادا کرنے والے کو اختیار ہے، جس قسم کا جانور چاہے، زکاۃ میں دے دے، اور اعلیٰ قسم کے جانوروں میں سے ادنیٰ درجے کا اور ادنیٰ قسم کے جانوروں میں سے اعلیٰ درجے کا جانور زکاۃ میں دینا واجب ہوگا۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ [2]

---

[1] ب -فإن كان عنده أحد النوعين فزكاته منه تجزئه اتفاقا، أما إن أخرج عن الإبل العراب مثلا بختية بقيمة العربية فجائز أيضا، وهو مذهب الشافعية والحنابلة، وكذلك المعتمد عند المالكية، لكن لا يشترط عندهم رعاية القيمة .وقيل :لا يجوز، لأن فيه تفويت صفة مقصودة، وهو قول القاضي من الحنابلة.وقال الحنفية :الواجب إخراج الزكاة من النوع الذى عنده(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۵۹ ،مادة "زكاة")

[2] فقد قال الحنفية وإسحاق :إذا اختلف النوعان تجب الزكاة من أكثرهما، فإن استويا فعند الحنفية يجب الوسط أى أعلى الأدنى، أو أدنى الأعلى، وإذا علم الواجب فالقاعدة عندهم جواز شيء بقيمته سواء من النوع الآخر أو غيره .وقال الشافعية والحنابلة :يؤخذ من كل نوع ما يخصه، فلو كانت إبله كلها مهرية أو أرحبية أخذ الفرض من جنس ما عنده، وهذا هو الأصل، لأنها أنواع تجب فيها الزكاة، فتؤخذ زكاة كل نوع منه، كأنواع الثمرة والحبوب، قالوا :فلو أخذ عن الضأن معزا، أو عكسه جاز فى الأصح بشرط رعاية القيمة، وفى قول عند الشافعية :يؤخذ الضأن عن المعز دون العكس، وعراب البقر عن الجواميس دون العكس، لأن الضأن والعراب أشرف.وقال المالكية :إن وجبت واحدة فى نوعين فمن الأكثر، فإن تساويا خير الساعى، وإن وجب ثنتان أخذ من كل نوع واحدة إن تساويا، فإن لم يتساويا لم يأخذ من الأقل إلا بشرطين :كونه نصابا لو انفرد، وكونه غير وقص .وإذا زادت عن ذلك وأمكن أن يؤخذ من كل نوع بانفراده أخذ منه، وما لم يمكن يضم بعضه إلى بعض، فيأخذ من الأكثر، ويخير الساعى عند التساوى ففى ۳۴۰ من الضأن و ۱۶۰ من المعز يؤخذ ثلاث من الضأن عن ثلاثمائة ضأنة، وواحدة من المعز عن المائة، وتؤخذ عنز واحدة عن الأربعين ضأنة والستين من المعز، لأن المعز أكثر فإن كانت ۳۵۰ من الضأن و۱۵۰ من المعز خير الساعى فى المائة المجتمعة بين ضأنة وعنز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۲۶۰ ،مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کسی نے کافی مقدار میں اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ کو پالا ہوا ہے، تاکہ وقتاً فوقتاً ان کو فروخت کیا کرے، اور ساتھ ساتھ ان کے دودھ سے بھی فائدہ اٹھائے، اور ان کی نسل بھی بڑھائے، تو ایسی صورت میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ جانور مالِ تجارت کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور مالِ تجارت کے اعتبار سے ان کی زکاۃ واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاۃ سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی، جیسا کہ پہلے حصہ میں مالِ تجارت کے بیان میں گزر چکا ہے۔ [1]

اور اگر دودھ بیچنے کے لئے جانور نصاب سے کم پالے ہوئے ہوں، تو دودھ کی رقم پر حسبِ قاعدہ زکاۃ واجب ہوگی، جو اڑھائی فیصد کے حساب سے ہوگی (احسن الفتاویٰ ج۴ص۲۸۷) [2]

مسئلہ نمبر۱۳...... سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے مصارف وہی ہیں جو سونے چاندی اور مالِ تجارت و کرنسی کی زکاۃ کے مصارف ہیں، جن کو علیٰحدہ بیان کر دیا گیا ہے، اور سائمہ جانوروں کی زکاۃ کو حاصل کرنے کا اسلامی حکومت کو بھی استحقاق حاصل ہے، جیسا کہ پہلے حصہ میں عاملین کے بیان میں گزرا۔ **وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.**

---

[1] البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جانور سائمہ جانوروں کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور ان جانوروں کی زکاۃ سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاۃ مالِ تجارت کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی۔

فلو كان لديه سوائم للتجارة بلغت نصابا، فلا تجتمع زكاتان إجماعا، لحديث :لا ثنى فى الصدقة بل يكون فيها زكاة العين عند المالكية والشافعية فى الجديد، كأن كان عنده خمس من الإبل للتجارة ففيها شاة، ولا تعتبر القيمة، فإن كانت أقل من خمس فإنها تقوم فإن بلغت نصابا من الأثمان وجبت فيها زكاة القيمة.وإنما قدموا زكاة العين على زكاة التجارة لأن زكاة العين أقوى ثبوتا لانعقاد الإجماع عليها، واختصاص العين بها، فكانت أولى.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أنها تزكى زكاة التجارة لأنها أحظ للمساكين، لأنها تجب فيما زاد بالحساب، لكن قال الحنابلة :إن بلغت عنده نصاب سائمة ولم تبلغ قيمته نصابا من الأثمان فلا تسقط الزكاة، بل تجب زكاة السائمة، كمن عنده خمس من الإبل للتجارة لم تبلغ قيمتها مائتى درهم، ففيها شاة.ونظير هذا عند الفقهاء غلة مال التجارة، كأن يكون ثمرا مما تجب فيه الزكاة إن كان الشجر للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۲۶۹، مادة "زكاة")

[2] السائمة إذا كانت أقل من النصاب اشتراها بنية التجارة وتركها سائمة كما كانت للتجارة، تصح نية التجارة فيها، وتجب زكاة التجارة(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲، ص ۳۲۲، كتاب الزكاة، الفصل الرابع عشر)

(خاتمۃُ الکتاب)

چند علمی وتحقیقی مسائل ورسائل

(۱)

نصاب سے زائد مقدار پر وجوبِ زکاۃ کی تحقیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور فقہائے کرام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ چاندی کی زکاۃ کا نصاب دوسودرہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) اور سونے کی زکاۃ کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ) ہے، جس میں ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے متعین ہے۔

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ مذکورہ نصاب سے زائد ہونے کی صورت میں بھی حسبِ حساب کل مال کا ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاۃ میں واجب ہے، یا پھر نصاب سے زائد کوئی مقدار ایسی ہے کہ جو زکاۃ سے مستثنیٰ ہو، یا جس کی زکاۃ معاف ہو۔

جمہور فقہائے کرام بشمول صاحبین رحمہم اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک روایت کے مطابق نصاب سے زائد ہونے کی صورت میں علی الاطلاق حسبِ حساب زکاۃ کو واجب قرار دیتے ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایت کے مطابق نصاب سے زائد خُمسِ نصاب سے نیچے نیچے کی مقدار عفو ومعاف ہے، اور خُمسِ نصاب کی صورت میں زکاۃ واجب ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چاندی کے اندر (دوسو درہم پورے ہونے کے بعد) چالیس

درہم سے کم میں اور سونے کے اندر (بیس مثقال یا بیس دینار پورے ہونے کے بعد) چار مثقال یا چار دینار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور چالیس درہم اوراسی طرح چار مثقال یا چار دینار میں ایک درہم واجب ہے، اوراس کے بعد اگلے خُمس کے پورا ہونے تک صرف چھ درہم ہی واجب ہیں، اور دوسرا خُمس پورا ہونے پر (یعنی چاندی میں اسّی درہم اور سونے میں آٹھ مثقال یا آٹھ دینار ہونے پر) سات درہم واجب ہیں، وھلم جرّا۔

اوراس مسئلہ کوفقہائے کرام نے ''مسئلۂ کسور'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مثقال یا ایک دینار دس درہم کی قیمت کے برابر شمار ہوتا تھا، اس حیثیت سے چار دینار یا چار مثقال چالیس درہم کے قائم مقام ہوئے۔ [1]

---

[1] ثم إذا زاد الذهب أو الفضة على النصاب اختلفوا فيه .فقال مالك والليث والثوری والشافعی وابن أبی ليلى وأبو يوسف ومحمد وعامة أهل الحديث :إن فيما زاد من الذهب والفضة ربع العشر فی قليله وكثيره ولا وقص، وروى ذلك عن علی وابن عمر، رضی الله تعالى عنهم .وقال أبو حنيفة وبعض السلف :لا شیء فيما زاد على مائتی درهم حتى يبلغ أربعين درهما ولا فيما زاد على عشرين دينارا حتى يبلغ أربعة دنانير، فإذا زادت ففی كل أربعين درهما درهم، وفی كل أربعة دنانير درهم، فجعل لهما وقصا كالماشية(عمدة القاری، ج۸، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة، باب ما ادى زكاته فليس بكنز)

(وفی كل خمس) بضم الخاء (بحسابه) ففی كل أربعين درهما درهم، وفی كل أربعة مثاقيل قيراطان، وما بين الخمس إلى الخمس عفو.(الدر المختار)

وفی الهداية كل دينار عشرة دراهم فی الشرع .قال فی الفتح :أی يقوم فی الشرع بعشرة كذا كان فی الابتداء (قوله :وفی كل خمس بحسابه) أی ما زاد على النصاب عفو إلى أن يبلغ خمس نصاب، ثم كل ما زاد على الخمس عفو إلى أن يبلغ خمسا آخر (قوله :وقالا ما زاد بحسابه) يظهر أثر الخلاف فيما لو كان له مائتان وخمسة دراهم مضى عليها عامان.

قال الإمام :يلزمه عشرة .وقالا :خمسة؛ لأنه وجب عليه فی العام الأول خمسة وثمن فبقی السالم من الدين فی الثانی نصاب إلا ثمنا .وعنده لا زكاة فی الكسور فبقی النصاب فی الثانی كاملا؛ وفيما إذا كان له ألف حال عليها ثلاثة أحوال كان عليه فی الثانی أربعة وعشرون وفی الثالث ثلاثة وعشرون عنده.

وقالا :يجب مع الأربعة والعشرين ثلاثة أثمان درهم ومع الثلاثة والعشرين نصف وربع وثمن درهم، ولا خلاف أن يجب فی الأول خمسة وعشرون، كذا فی السراج نهر.

أقول :قوله وثمن درهم كذا وجدته أيضا فی السراج وصوابه وثمن ثمن درهم كما لا يخفى على الحاسب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ خُمسِ نصاب یا کسور کے مسئلہ کی طرح قرض و دیون کے وصول کرنے کا مسئلہ بھی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دَینِ قوی سے خُمسِ نصاب وصول کرنے کی صورت میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(تنبيه) يظهر أثر الخلاف أيضا فيما ذكره في البحر والنهر عن المحيط من أنه لا تضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى :أي الزيادة على نصاب الفضة لا تضم إلى الزيادة على نصاب الذهب ليتم أربعين أو أربعة مثاقيل عند الإمام؛ لأنه لا زكاة في الكسور عنده .وعندهما تضم لوجوبها في الكسور اهـ موضحا، لكن توقف الرحمتي في فائدة الضم عندهما بعد قولهما بوجوب الزكاة في الكسور وعن هذا والله أعلم.

نقل بعض محشي الكتاب عن شيخه محمد أمين ميرغني أن السروجي نقل عن المحيط الخلاف بالعكس وأن ما في البحر والنهر غلط .اهـ.

قلت :وقد راجعت المحيط فرأيته مثل ما نقله السروجي وصرح به في البدائع أيضا (قوله :وهي مسألة الكسور) أي التي يقال فيها لا زكاة في الكسور عنده ما لم تبلغ الخمس أخذا من حديث لا تأخذ من الكسور شيئا سميت كسورا باعتبار ما يجب فيها(ردالمحتار، ج۲ ص ۲۹۹، ۳۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(ثم في كل خمس زاد على النصاب بحسابه)اعلم أن الزكاة لا تجب في الكسور عندنا إلا إذا بلغ خمس النصاب، فإذا زاد على مئتي درهم أربعون درهما، زاد في الزكاة درهم، وإن زاد ثمانون درهما زاد درهمان، ولا شيء في الأقل(شرح الوقاية، ج۳ص ۱۹۵ ،كتاب الزكاة)

فصل في الذهب ليس فيما دون عشرين مثقالا من الذهب صدقة، فإذا كانت عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال، لما روينا، والمثقال ما يكون كل سبعة منها وزن عشرة دراهم وهو المعروف ثم في كل أربعة مثاقيل قيراطان، لأن الواجب ربع عشر وذلك فيما قلنا إذ كل مثقال عشرون قيراطا،وليس فيما دون أربعة مثاقيل صدقة عند أبي حنيفة -رحمه الله -وعندهما تجب بحساب ذلك وهي مسألة الكسور. وكل دينار عشرة دراهم في الشرع، فيكون أربعة مثاقيل في هذا كأربعين درهما (الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ۱ ص ۱۰۲، ۱۰۳، كتاب الزكاة، نصاب الزكاة في الذهب ومقدار الواجب)

(وليس فيما دون أربعة مثاقيل صدقة عند أبي حنيفة وعندهما تجب بحساب ذلك) ش :أي عن أبي يوسف ومحمد -رحمهما الله -تجب فيما دون أربعة مثاقيل بحساب ما زاد .وقال في "الجامع "وهي رواية عن أبي حنيفة -رضي الله عنه -م :(وهي مسألة الكسور) ش :أي هذه المسألة وهي وجوب الزكاة فيما دون أربعة مثاقيل عندهما، وعدم وجوبها فيه عند أبي حنيفة -رحمه الله -مسألة الكسر، يعني أن الكسور لا زكاة فيها عند أبي حنيفة -رحمه الله -، وعندهما تجب بحساب ذلك، وقد مر الكلام في فصل الفضة من الجانبين، والخلاف في الموضعين واحد (البناية شرح الهداية، ج۳، ص۳۷۷، كتاب الزكاة، نصاب الزكاة في الذهب ومقدار الواجب)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاۃ واجب ہے، اوراس سے کم مقدار میں وصول کرنے کی صورت میں کچھ واجب نہیں، جبکہ صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) ودیگر فقہائے کرام کے نزدیک قرض ودَین کی جتنی مقدار بھی وصول کی جائے، اُس کی علی الحساب زکاۃ واجب ہے۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والدينار كان مقوما بعشرة دراهم على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فذلك تنصيص على أنه لا شيء في الذهب حتى يبلغ عشرين مثقالا ففيه نصف مثقال ثم ليس في الزيادة شيء حتى تبلغ أربعة دنانير ففي قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى -فيها قيراطان، وهكذا في كل أربعة مثاقيل. وقال أبو يوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى -فيما زاد بحساب ذلك هذا والدراهم سواء كما بينا(المبسوط للسرخسي،ج٢،ص١٩٠، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وإن كان على كل واحد من النصابين زيادة فعند أبي يوسف ومحمد لا يجب ضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى؛ لأنهما يوجبان الزكاة في الكسور بحساب ذلك.

وأما عند أبي حنيفة فينظر إن بلغت الزيادة أربع مثاقيل وأربعين درهما فكذلك.

وإن كان أقل من أربعة مثاقيل وأقل من أربعين درهما يجب ضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى ليتم أربعين درهما أو أربعة مثاقيل؛ لأن الزكاة لا تجب في الكسور عنده والله أعلم(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،ج٢،ص٢٠،كتاب الزكاة، فصل مقدار الواجب في زكاة الذهب)

؎۱ (و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة :قوي، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أي من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك(الدر المختار)

(قوله :عند الإمام) وعندهما الديون كلها سواء تجب زكاتها، ويؤدي متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا إلا دين الكتابة والسعاية والدية في رواية بحر (قوله :إذا تم نصابا) الضمير في تم يعود للدين المفهوم من الديون، والمراد إذا بلغ نصابا بنفسه أو بما عنده مما يتم به النصاب (قوله :وحال الحول) أي ولو قبل قبضه في القوي والمتوسط وبعده الضعيف ط (قوله :عند قبض أربعين درهما) قال في المحيط؛ لأن الزكاة لا تجب في الكسور من النصاب الثاني عنده ما لم يبلغ أربعين للحرج فكذلك لا يجب الأداء ما لم يبلغ أربعين للحرج(رد المحتار، ج ٢ ص٣٠٥،كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

فأما حكم الزكاة في الدين فنقول الدين عند ابي حنيفة على ثلاث مراتب دين قوي ودين وسط ودين ضعيف.

فالدين القوي هو الذي ملكه بدلا عما هو مال الزكاة كالدراهم والدنانير وأموال التجارة وكذا غلة مال التجارة من العبيد والدور ونحوها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے دلائل

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل بیان کرتے ہوئے بعض حضرات نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں کسر سے زکاۃ نہ لئے جانے کا ذکر ہے، اور اس کو دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والحكم فيه أنه إذا كان نصابا وتم الحول تجب الزكاة لكن لا يخاطب بالأداء ما لم يقبض أربعين درهما فإذا قبض أربعين زكاها وذلك درهم.

وإن قبض أقل من ذلك لا يزكى وكذلك يؤدى من كل أربعين عند القبض درهما وأما الدين الوسط فهو الذى وجب بدل مال لو بقى عنده حولا لم تجب فيه الزكاة مثل عبيد الخدمة وثياب البذلة وغلة مال الخدمة.

والحكم فيه أن عند أبى حنيفة فيه روايتين ذكر فى الأصل وقال تجب فيه الزكاة ولا يخاطب بالأداء ما لم يقبض مائتى درهم فإذا قبض المائتين يزكى لما قبض.

وروى ابن سماعة عن أبى حنيفة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض ويحول عليه الحول بعد ذلك.

وهو الصحيح عنده.

وأما الدين الضعيف فهو ما وجب وملك لا بدلا عن شيء وهو دين إما بغير فعله كالميراث أو بفعله كالوصية أو وجب بدلا عما ليس بمال دينا كالدية على العاقلة والمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل الكناية.

والحكم فيه أنه لا يجب فيه الزكاة حتى يقبض المائتين ويحول عليها الحول عنده.

وقال أبو يوسف ومحمد الديون على ضربين ديون مطلقة وديون ناقصة، فالناقص هو بدل الكناية والدية على العاقلة وما سواهما فديون مطلقة، والحكم فيها أنه تجب الزكاة فى الدين المطلق ولا يجب الأداء ما لم يقبض فإذا قبض منها شيئا قل أو كثر يؤدى بقدر ما قبض.

وفى الدين الناقص لا تجب الزكاة ما لم يقبض النصاب ويحول عليه الحول وأما دين السعاية فلم يذكر فى كتاب الزكاة الاختلاف بينهما.

وذكر فى نوادر الزكاة الاختلاف فقال عند أبى حنيفة هو دين ضعيف وعندهما دين مطلق.

وعند الشافعى الديون كلها سواء وتجب الزكاة فيها والأداء وإن لم يقبض(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ١ ص ٢٩٣ تا ص ٢٩٥، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم)

[1] حدثنا أبو سعد الإصطخرى الحسن بن أحمد الفقيه ,ثنا محمد بن عبد الله بن نوفل ,ثنا أبى , ثنا يونس بن بكير ,ثنا ابن إسحاق ,عن المنهال بن الجراح ,عن حبيب بن نجيح ,عن عبادة بن نسى ,عن معاذ ,أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره حين وجهه إلى اليمن :أن لا تأخذ من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر محدثین نے اس روایت کو شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ ؎

لہٰذا اس حدیث سے استدلال مضبوط معلوم نہیں ہوتا۔

اور امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے بعض حضرات نے ایک دلیل میں حضرت عمرو بن حزم کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الکسر شیئا ,إذا کانت الورق مائتی درهم فخذ منها خمسة دراهم ,ولا تأخذ مما زاد شیئا حتی تبلغ أربعین درهما ,وإذا بلغ أربعین درهما فخذ منه درهما .المنهال بن الجراح متروک الحدیث ,وهو أبو العطوف واسمه الجراح بن المنهال ,وکان ابن إسحاق یقلب اسمه إذا روی عنه ,وعبادة بن نسی لم یسمع من معاذ(سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۱۹۰۳)

؎ قال علیه السلام فی حدیث معاذ " :لا تأخذ من الکسور شیئا "، قلت :روی الدارقطنی فی "سننه من طریق ابن إسحاق عن المنهال بن الجراح عن حبیب بن نجیح عن عبادة بن نسی عن معاذ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أمره حین وجهه إلی الیمن أن لا تأخذ من الکسور شیئا، إذا کانت الورق مائتی درهم، فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شیئا حتی تبلغ أربعین درهما، فإذا بلغت أربعین، فخذ منها درهما، انتهی .وهو حدیث ضعیف، قال الدارقطنی :المنهال بن الجراح هو أبو العطون متروک الحدیث، واسمه الجراح بن المنهال، وکان ابن إسحاق یقلب اسمه، إذا روی عنه، وعبادة بن نسی لم یسمع من معاذ، انتهی .وقال النسائی :المنهال بن الجراح متروک الحدیث، وقال ابن حبان :کان یکذب، وقال عبد الحق فی "أحکامه :"کذاب، وقال الشیخ فی "الإمام :"قال ابن أبی حاتم :سألت أبی عنه، فقال :متروک الحدیث، واهیه، لا یکتب حدیثه، انتهی .وقال البیهقی :إسناد هذا الحدیث ضعیف جدا(نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة، ج۲ص۳۶۷، کتاب الزکاة، فصل فی الفضة)

وقال النووی :واحتج الجمهور بقوله صلی الله علیه وسلم :(فی الرقة ربع العشر) ، والرقة الفضة، وهذا عام فی النصاب وما فوقه بالقیاس علی الحبوب، ولأبی حنیفة حدیث ضعیف لا یصح الاحتجاج به .قلت :أشار بهذا إلی ما روی الدارقطنی فی (سننه) من طریق ابن إسحاق عن المنهال بن جراح عن حبیب بن نجیح عن عبادة بن نسی عن معاذ، رضی الله تعالی عنه، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أمره حین وجهه إلی الیمن أن لا یأخذ من الکسر شیئا إذا کانت الورق مائتی درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شیئا حتی یبلغ أربعین درهما، فإذا بلغت أربعین درهما فخذ منها درهما، قال الدارقطنی :المنهال ابن جراح وهو أبو العطوف متروک الحدیث، وکان ابن إسحاق یقلب اسمه إذا روی عنه، وعبادة بن نسی لم یسمع من معاذ .انتهی .وقال النسائی: المنهال بن الجراح متروک الحدیث، وقال ابن حبان :کان یکذب، وقال عبد الحق فی أحکامه : کان مکذابا .وفی (الإمام) قال ابن أبی حاتم :سألت أبی عنه فقال :متروک الحدیث واهیه لا یکتب حدیثه .وقال البیهقی :إسناد هذا الحدیث ضعیف جدا .قلت :ذکر البیهقی هذا الحدیث فی :باب ذکر الخبر الذی روی فی وقص الورق، ثم اقتصر علیه لکون الباب مقصود البیان مذهب خصمه(عمدة القاری، ج۸، ص ۲۵۹، ۲۶۰، کتاب الزکاة، باب ما ادی زکاته فلیس بکنز)

حدیث ذکر کی ہے، جس کو امام بیہقی، ابنِ حبان اور امام دارمی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس میں یہ مذکور ہے کہ دوسو درہم سے جو زائد ہو، تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکاۃ ہے۔ [1]

امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے بعض حضرات نے ایک اور دلیل، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس درہموں میں سے ایک درہم زکاۃ میں ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ [2]

اور امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ

---

[1] عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن والديات وبعث به مع عمرو بن حزم وقرئت على أهل اليمن وهذه نسختها " :بسم الله الرحمن الرحيم من محمد النبي إلى شرحبيل بن عبد كلال ونعيم بن عبد كلال والحارث بن عبد كلال قيل ذي رعين ومعافر وهمدان أما بعد: ......وفي كل خمس أواق من الورق خمسة دراهم، وما زاد ففي كل أربعين درهما درهم وليس فيما دون خمس أواق شيء ، وفي كل أربعين دينارا دينار(السنن الكبرىٰ للبيهقي ،رقم الحديث ٧٢٥٥،كتاب الزكاة، باب كيف فرض الصدقة،واللفظ لهٗ،معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الحديث ١٦٠٨٠ ، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٦٥٥٩، كتاب التاريخ، باب كتب النبي صلى الله عليه وسلم،باب ذكر كتبة المصطفى صلى الله عليه وسلم كتابه إلى أهل اليمن،سنن الدارمي، رقم الحديث ١٦٦٨ ، كتاب الزكاة، باب في زكاة الورق)

قال البيهقي مجود الإسناد، ورواه جماعة من الحفاظ موصولا حسنا، وروى البيهقي عن أحمد ابن حنبل أنه قال :أرجو أن يكون صحيحا (عمدة القاري، ج٨، ص ٢٥٩، ٢٦٠، كتاب الزكاة،باب ما ادى زكاته فليس بكنز)

[2] عن علي، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق، فهاتوا صدقة الرقة :من كل أربعين درهما درهما، وليس في تسعين ومائة شيء ، فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم "، وفي الباب عن أبي بكر الصديق، وعمرو بن حزم :.روى هذا الحديث الأعمش، وأبو عوانة، وغيرهما، عن أبي إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، عن علي، وروى سفيان الثوري، وابن عيينة، وغير واحد، عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي .وسألت محمدا :عن هذا الحديث؟ فقال :كلاهما عندي صحيح عن أبي إسحاق، يحتمل أن يكون روى عنهما جميعا (ترمذي، رقم الحديث ٦٢٠، باب ما جاء في زكاة الذهب والورق،واللفظ لهٗ، ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٧٩٠ ، باب زكاة الورق والذهب)

عنہ کی ایک روایت کو ذکر کیا ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر فرمایا کہ دوسو درہم پر جو زائد ہو، تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکاۃ ہے۔ [1]

اس قسم کی اور بھی روایات ہیں، جن میں چالیس درہم میں ایک درہم زکاۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی عقلی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ خمسِ نصاب سے کم میں جس میں ایک درہم سے کم زکاۃ میں دینا واجب ہو، کسر کی وجہ سے حرج لازم آتا ہے۔

اور وہ اس طرح کہ مثلاً جب کسی کی ملکیت میں دوسوسات درہم ہوں، تو علی الحساب زکاۃ واجب ہونے کی صورت میں اس کو پانچ درہم اور ہر درہم کے چالیسویں حصہ کے طور پر سات اجزاء واجب ہوں گے، جس کو حساب کر کے ادا کرنا مشکل ہوگا۔ [2]

---

[1] عن الحسن ، قال : كتب عمر إلى أبي موسى : فما زاد على المئتين ، ففي كل أربعين درهما درهم (مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ٩٩٥٧، باب ما قالوا فيما زاد على المئتين ، ليس فيه شيء حتى يبلغ أربعين درهما)

عن أنس، قال : ولاني عمر بن الخطاب الصدقات، فأمرني أن آخذ من كل عشرين دينارا نصف دينار، وما زاد فبلغ أربعة دنانير، ففيه درهم، وأن آخذ من مائتي درهم خمسة دراهم، فما زاد فبلغ أربعين درهما، فيه درهم(كتاب الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ١١٦٧، كتاب الصدقة واحكامها وسننها،باب فروض زكاة الذهب والورق ، وما فيهما من السنن)

[2] قال في المحيط؛ لأن الزكاة لا تجب في الكسور من النصاب الثاني عنده ما لم يبلغ أربعين للحرج فكذلك لا يجب الأداء ما لم يبلغ أربعين للحرج(ردالمحتار، ج٢، ص٣٠٥، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

ولأن الحرج مدفوع في إيجاب الكسور ذلك لتعذر الوقوف (الهداية شرح البداية،ج ١ ص ١٠٢ ، فصل في الفضة)

وذلك أنه إذا ملك مائتي درهم وسبعة دراهم وجب عليه على قولهما خمسة وسبعة أجزاء من أربعين جزءا من درهم، فإذا لم يؤد حتى جاء ت السنة الثانية كان الواجب عليه زكاة مائتي درهم ودرهم وزكاة ثلاثة وثلاثين جزءا من درهم وذلك لا يعرف، ولأنه أوفق لقياس الزكوات لأنها تدور بعفو ونصاب(فتح القدير ،ج٢ ص ٢١١، فصل في الفضة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حضرت شعبی، حضرت حسن، حضرت مکحول اور حضرت عطاء رحمہم اللہ کے آثار واقوال بھی ہیں۔ [1]

جمہور کے دلائل

صاحبین (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد) اور جمہور فقہائے کرام نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، جس کو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جس کے آخر میں ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(ولأن الحرج مدفوع) وهو واضح (وفي إيجاب الكسور ذلک) أي الحرج (لتعسر الوقوف) لأنه إذا ملک مائتي درهم وسبعة دراهم يجب عليه عندهما خمسة دراهم وسبعة أجزاء من أربعين جزء ا من درهم فتعسر معرفة سبعة أجزاء من أربعين جزء ا من درهم فحينئذ لا يقدر على الأداء في السنة الأولى، فإذا جاء ت السنة الثانية وجب عليه زكاة ما بقي من المال بعد الزكاة لأن دينها مستحق وإن لم يؤد وذلک مائتا درهم ودرهم وثلاثة وثلاثون جزء ا من أربعين جزء ا من درهم واحد وزكاة درهم وثلاثة وثلاثين جزء ا من أربعين جزء ا من درهم يتعسر الوقوف عليه ألبتة(العناية شرح الهداية، ج۲ص ۲۱۰، ۲۱۱، فصل في الفضة)

[1] عن الشعبي، قال: كان لا يرى فيما زاد على المئتين شيء، حتى يبلغ أربعين(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۹۵۶، كتاب الزكاة، باب ما قالوا فيما زاد على المئتين، ليس فيه شيء حتى يبلغ أربعين درهما)

عن الحسن، قال: ليس فيما زاد على المئتين شيء، حتى يكون أربعين درهما(ايضاً، رقم الحديث ۹۹۵۸)

عن مكحول، قال: ليس فيما زاد على المئتين شيء، حتى يبلغ أربعين درهما (ايضاً، رقم الحديث ۹۹۵۹)

عن عطاء، قال: حتى يبلغ أربعين درهما نيفا على المئتين فهي حينئذ ستة دراهم، ثم لا شيء حتى تبلغ ثمانين ومئتي درهم، فهي سبعة دراهم، ثم كذلک(ايضاً، رقم الحديث ۹۹۶۰)

عن ابن جريج، قال: قال عطاء: لا يكون في مال صدقة حتى يبلغ عشرين دينارا، فإذا بلغت عشرين دينارا ففيها نصف دينار، وفي كل أربعة دنانير يزيدها المال درهم، حتى تبلغ أربعين دينارا، وفي كل أربعين دينارا دينار، وفي كل أربعة وعشرين دينارا نصف دينار ودرهم (مصنف ابنِ ابي شيبة، رقم الحديث ۹۹۷۷، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الدنانير: مايؤخذ منها في الزكاة؟)

"وَفِي الرِّقَّةِ رُبُعُ العُشْرِ"

کہ "چاندی (کی زکاۃ) میں ربعِ عُشر (یعنی چالیسواں حصہ) واجب ہے" [1]

اس حدیث میں مطلقاً چالیسویں حصہ کا حکم مذکور ہے، بغیر کسی مقدار کے استثناء کے، لہٰذا اس حدیث سے نصاب یا اس سے زائد مال ہونے کی صورت میں کل مال کا علی الحساب چالیسواں حصہ زکاۃ میں واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ [2]

جمہور کی دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع وموقوف وہ حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"فَمَا زَادَ فَعَلٰی حِسَابِ ذٰلِکَ"

---

[1] أن أنسا، حدثه :أن أبا بكر رضي الله عنه، كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين :بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين، والتي أمر الله بها رسوله، فمن سئلها من المسلمين على وجهها، فليعطها ومن سئل فوقها فلا يعط في أربع وعشرين من الإبل، فما دونها من الغنم من كل خمس شاة إذا بلغت خمسا وعشرين إلى خمس وثلاثين، ففيها بنت مخاض أنثى، فإذا بلغت ستا وثلاثين إلى خمس وأربعين ففيها بنت لبون أنثى، فإذا بلغت ستا وأربعين إلى ستين ففيها حقة طروقة الجمل، فإذا بلغت واحدة وستين إلى خمس وسبعين، ففيها جذعة فإذا بلغت يعني ستا وسبعين إلى تسعين، ففيها بنتا لبون فإذا بلغت إحدى وتسعين إلى عشرين ومائة، ففيها حقتان طروقتا الجمل، فإذا زادت على عشرين ومائة، ففي كل أربعين بنت لبون وفي كل خمسين حقة، ومن لم يكن معه إلا أربع من الإبل، فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها، فإذا بلغت خمسا من الإبل، ففيها شاة وفي صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة، فإذا زادت على عشرين ومائة إلى مائتين شاتان، فإذا زادت على مائتين إلى ثلاث مائة، ففيها ثلاث شياه، فإذا زادت على ثلاث مائة، ففي كل مائة شاة، فإذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة، فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها وفي الرقة ربع العشر، فإن لم تكن إلا تسعين ومائة، فليس فيها شيء إلا أن يشاء ربها(بخاری، رقم الحديث ۱۴۵۴، باب زكاة الغنم)

[2] واحتج الجمهور بقوله صلى الله عليه وسلم في صحيح البخاري في الرقة ربع العشر والرقة الفضة وهذا عام في النصاب وما فوقه بالقياس على الحبوب(شرح النووی على مسلم، ج۷ص۵۰، كتاب الزكاة)

”جو (دوسو درہم سے) زائد ہو تو اسی (ربعِ عشر یا چالیسویں حصے کے) حساب سے زکاۃ واجب ہے“ [1]

اور اسی طرح کی روایت بعض دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] عن أبي إسحاق ,عن الحارث ,عن علي ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :هاتوا ربع العشور من كل أربعين درهما درهما ,وليس فيما دون المائتين شيء فإذا كانت مائتين ففيها خمسة دراهم ,فما زاد فعلى حساب ذلك(سنن الدارقطني، رقم الحديث ۱۸۹۸)

عن أبي إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، عن علي قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :هاتوا ربع العشور من كل أربعين درهما، وليس فيما دون المائتين شيء ، فإذا كانت مائتي درهم، ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلى ذلك الحساب(صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۲۲۹۷)

حدثنا أبو إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، وعن الحارث الأعور، عن علي رضي الله عنه، -قال زهير أحسبه عن النبي صلى الله عليه وسلم -أنه قال :هاتوا ربع العشور، من كل أربعين درهما درهم، وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم، فإذا كانت مائتي درهم، ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلى حساب ذلك(ابو داؤد، رقم الحديث ۱۵۷۲)

عن عاصم بن ضمرة ، عن علي ، قال :ليس في أقل من مئتي درهم شيء ، فما زاد فبالحساب (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ۹۹۶۱، باب من قال فيما زاد على المئتين فبالحساب)

عن عاصم بن ضمرة ، عن علي ، قال :ليس في أقل من عشرين دينارا شيء ، وفي عشرين دينارا نصف دينار ، وفي أربعين دينارا دينار ، فما زاد فبالحسابِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، رقم الحديث ۹۹۶۲، كتاب الزكاة،باب ما قالوا في الدنانير :ما يؤخذ منها في الزكاة ؟)

[2] واختلف أهل العلم فيمن ملك من الورق أكثر من خمس أواق فقال قائلون منهم :ما زاد على ذلك من شيء ففيه من الزكاة بحساب ذلك، وممن قال ذلك منهم :مالك، وأبو يوسف، ومحمد، والشافعي، ورووا ذلك عن علي بن أبي طالب، وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما.

حدثنا إبراهيم بن مرزوق، قال حدثنا أبو عاصم، عن سفيان، عن أبي إسحاق، عن عاصم بن صبرة، عن علي رضي الله عنه، قال " :في كل مائتين خمسة، فما زاد فبالحساب "

حدثنا يحيى بن عثمان، قال :حدثنا نعيم بن حماد، قال :حدثنا ابن المبارك، قال :أخبرنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن عاصم، عن علي، قال " :إذا كان عندك مال استفدته فليس عليك فيه شيء حتى يحول عليه الحول، فإن بلغ مائتين ففيه خمسة، وإن نقص فليس فيه شيء ، فما زاد على المائتين فبالحساب "

حدثنا أبو بكرة، قال :حدثنا وهب بن جرير، قال :حدثنا هشام، وهو ابن حسان، عن محمد، عن جابر الحذاء ، قال :قلت لابن عمر " :أعلى العبد زكاة، قال :مسلم؟ قلت :نعم قال :فإن كل مسلم عليه في كل مائتين خمسة دراهم، فما زاد فبالحساب "

حدثنا أبو بكرة، قال :حدثنا حجاج بن منهال، قال حدثنا يزيد بن إبراهيم التستري، قال :حدثني محمد، قال :أخبرني جابر الحذاء ، قال :سألت عمر، ثم ذكر مثله(أحكام القرآن للطحاوي،ج ۱ ص ۲۶۵،كتاب الزكاة)

جمہور کی ایک تیسری دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے، جس میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ربعِ عشر کے لینے کا حکم مذکور ہے۔ ؎١

جمہور کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ شریعت نے دوسو درہم یا بیس مثقال سے کم کو تو زکاۃ سے مستثنیٰ کیا ہے، اور دوسو درہم کی مقدار پر زکاۃ کو واجب ٹھہرایا ہے، لہٰذا مذکورہ مقدار سے کم تو اصولی طور پر زکاۃ سے معاف و مستثنیٰ ہوگی، اور اس سے زیادہ مقدار معاف و مستثنیٰ نہیں ہوگی۔ ؎٢

؎١ عن أنس بن سيرين، عن أنس بن مالك قال :أمرني عمر بن الخطاب أن آخذ من المسلمين ربع العشر، ومن أهل الذمة نصف العشر، وممن لا ذمة له العشر (معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الحديث ١٨٥٩٢)

؎٢ وأما دليل الخطاب المعارض له، فقوله -عليه الصلاة والسلام :-ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة .ومفهومه أن فيما زاد على ذلك الصدقة قل أو كثر (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج ٢، ص ١٨، كتاب الزكاة، الجملة الثالثة في معرفة نصاب الزكاة،الفصل الأول في نصاب الذهب والفضة)

مسألة :قال الشافعي رضي الله عنه " :وما زاد ولو قيراطا فبحسابه ."

قال الماوردي :وهذا كما قال الوقص في الورق معتبر في ابتدائه غير معتبر في انتهائه فما زاد على المائتين ففيه الزكاة بحسابه، قليلا كان أو كثيرا وهو قول علي وابن عمر رضي الله عنهما وجمهور الفقهاء .

وقال أبو حنيفة :لا شيء فيما زاد على المائتين حتى يبلغ أربعين درهما فيجب فيها درهم، ولا شيء فيما دون الأربعين، وخالفه صاحباه ووافقه الحسن البصري وابن شهاب الزهري تعلقا برواية الحارث الأعور عن علي عليه السلام أن النبي -صلى الله عليه وسلم - قال :هاتوا ربع العشر من الورق من كل أربعين درهما درهما "وبرواية حبيب بن نجيح عن عبادة بن نسي عن معاذ بن جبل أن النبي -صلى الله عليه وسلم - لما بعثه إلي اليمن قال " :لا تأخذ من الكسر شيئا ولا من الورق حتى تبلغ مائتي درهم ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ أربعين فإذا بلغتها ففيها درهم "قال ولأنه جنس مال في ابتدائه وقص فوجب أن يكون في أثنائه وقص كالمواشي.

ودليلنا :عموم قوله -صلى الله عليه وسلم - في "الرقة ربع العشر "فكان ما استثنى منه خارجا، وما سوى الاستثناء على حكم العموم باقيا، وروى عاصم بن ضمرة عن علي عليه السلام أن النبي -صلى الله عليه وسلم - قال " :هاتوا ربع العشر من الورق من كل أربعين درهما ولا شيء فيها حتى تبلغ مائتين فإذا بلغتها ففيها خمسة دراهم وما زاد فعلى حساب ذلك "وهذا نص وروى عبد الله بن عمرو عن النبي -صلى الله عليه وسلم - أنه قال في مائتين خمسة وما زاد فبحساب ذلك، ولأنه مال مستفاد من الأرض فوجب أن لا يكون له وقص بعد وجوب زكاته كالزروع، ولأنها زيادة على نصاب في جنس مال لا ضرر في تبعيضه فوجب أن تجب فيه الزكاة كالأربعين، أو كالذهب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جمہور کے قول کے مطابق حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ابنِ سیرین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کے اقوال مروی ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأن الوقص في الزكاة وقصان :وقص في ابتداء المال ليبلغ حدا يحتمل المواساة، وهذا موجود في الورق، فاعتبر فيه وقص في أثناء المال، لأن لا يجب كسر يستضر بإيجابه فيه، وهذا معدوم في الورق فلم يعتبر فيه، فثبت أخذ الوقصين لوجود معناه، وسقط الوقص الثاني لفقد معناه.

فأما الجواب عن حديث علي عليه السلام فهو أن يقال :نحن نعمل بموجبه وهو أن في كل أربعين درهما درهما، وليس فيه أن لا شيء فيما دون الأربعين، فإن قيل المحدود عندكم يجب أن يكون حكمه مخالفا لحكم ما خرج عنه وما نقص عن الأربعين فأرج عما أخذ بالأربعين ووجب أن يكون حكمه مخالفا له قبل ذلك قيل كذلك نقول إلا أنا نوجب في الأربعين درهما كاملا، ولا نوجب فيما دونها درهما، وإنما نوجب بعض درهم، وبهذا يجاب عن حديث معاذ في قوله ولا شيء في زيادتها حتى تبلغ أربعين، أي :لا شيء فيها كامل هذا إن صح الحديث من قدح فيه وهو غير صحيح من وجهين:

أحدهما :أنه رواية محمد بن إسحاق عن المنهال بن الجراح عن حبيب بن عبادة، والمنهال بن الجراح هو أبو العطوف الجراح بن المنهال، وإنما قلت محمد بن إسحاق باسمه لضعفه واشتهاره بوضع الحديث.

والثاني :أن عبادة لم يلق معاذا فكان الحديث منقطعا، وأما قياسهم على المواشي فالمعنى فيها أن في تبعيضها ضررا، فلذلك ثبت في انتهائها وقص، والورق ليس في تبعيضها ضرر فلذلك لم يثبت في أثنائها وقص والله أعلم(الحاوي في فقه الشافعي للماوردي، ج٣ص ٢٦٤،٢٦٥، كتاب الزكاة، باب تفسير الاوقية)

۱؎ عن ابن عمر ، قال :ما زاد على المئتين ، فبالحساب(مصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ٩٩٦٢،كتاب الزكاة،بابمن قال فيما زاد على المئتين فبالحساب)

عن إبراهيم ، قال :ما زاد على المئتين فبحساب(ايضاً،رقم الحديث ٩٩٦٣)

عن ابن سيرين ، قال :ما زاد فبالحساب(ايضاً ،رقم الحديث ٩٩٦٤)

عن عمر بن عبد العزيز ، قال :ما زاد فبالحساب(ايضاً،رقم الحديث ٩٩٦٥)

عن رزيق مولى بني فزارة ؛ أن عمر بن عبد العزيز كتب إليه حين استخلف :خذ ممن مر بك من تجار المسلمين فيما يديرون من أموالهم ، من كل أربعين دينارا دينارا ، فما نقص فبحساب ما نقص حتى يبلغ عشرين ، فإذا نقصت ثلث دينار فدعها ، لا تأخذ منها شيئا ، واكتب لهم براء ة بما تأخذ منهم إلى مثلها من الحول ، وخذ ممن مر بك من تجار أهل الذمة ، فيما يظهرون من أموالهم ويديرون من التجارات ، من كل عشرين دينارا دينارا ، فما نقص فبحساب ما نقص حتى يبلغ عشرة دنانير ، فإذا نقصت ثلث دينار فدعها ، لا تأخذ منها شيئا ، واكتب لهم براء ة إلى مثلها من الحول بما تأخذ منهم (مصنف ابنِ ابي شيبة، رقم الحديث ٩٩٧١، كتاب الزكاة،باب ما قالوا في الدنانير :ما يؤخذ منها في الزكاة ؟)

جمہور کے دلائل کے جواب میں امام صاحب کی طرف سے بعض احناف نے فرمایا کہ جو دوسو درہم پر مطلقاً زیادتی کی صورت میں چالیسویں حصے کی زکاۃ کی احادیث وروایات ہیں، وہ کسر پر محمول نہیں ہیں، بلکہ خمسِ نصاب یا اس سے زائد پر محمول ہیں۔ ۱؎

۱؎ فان قلت: التطبيق يمكن بأن يحمل حديث المتن على التمثيل فى الْأَرْبَعِينَات، وحديث الحاشية على الحقيقة.

قلت: ليس بأولى ممافعلناه، فان الموضع موضع البيان، ولايجوز تأخير البيان عن وقته على أن فيه حرجا نبه عليه صاحب الهداية بقوله "ولأن الحرج مدفوع، وفى ايجاب الكسور ذلك لتعذر الوقوف (۱: ۱۷۴) وبين فى الحاشية عن العينى وجه التعذر فعليك أن تطالعه (اعلاء السنن، ج۹، ص ۵۶، باب ماجاء فى كسور الذهب والفضة)

فقوله من كل أربعين درهما درهم خرج تفسيرا لقوله هاتوا ربع العشور فيفيد هاتوا ربع العشور على هذا الوجه لأن هذه الجملة فى موضع الحال من المفعول فتكون قيدا فى عامله الذى هو الأمر بالإعطاء فيكون الوجوب على هذا الوجه.

بقى أن يقال :قصاراه أنه لم يتعرض للنفى عما دونها إلا بمفهوم الصفة، ولا يعتبر عندنا أو بالإضافة إلى العدم الأصلى، وحديث على متعرض لإيجابه، ولو اعتبر المفهوم كان المنطوق مقدما عند المعارضة، خصوصا وفيه الاحتياط .فالأولى حينئذ إثبات المعارضة بين حديث على وحديث عمرو بن حزم وأثر عمر فإنهما يفيدان أن تمام حكم ما زاد أن يجب فى كل أربعين درهم فلا يكون من حكم ما زاد خلاف ذلك وإلا لم يكن بيانا لحكم ما زاد بل لبعضه فإن قيل :يحمل على إرادة ما زاد من الأربعينات دفعا للمعارضة.

قلنا ليس بأولى من اعتبار مثله فى حديث على بأن يحمل ما زاد فبحسابه :أى ما زاد من الأربعينات فبحساب الخمسة فى المائتين وهو أن يكون فيها درهم .فإن قيل :بل الحمل فى معارض حديث على أولى منه فيه لأنه موجب وذلك مسقط فيكون فيه الاحتياط، وظن أن حديث معاذ نهى فيقدم غلط بأدنى تأمل؛ لأنه إنما نهى المصدق، وكلامنا فيما يرجع إلى رب المال وهو ليس بمنهى أن يعطى بل الواقع فى حقه تعارض السقوط والوجوب.

قلنا :ذلك لو لم يكن ملزوما للحرج العظيم والتعذر فى بعضها فى كثير من الصور وهو ما أشار إليه المصنف بقوله لتعذر الوقوف، وذلك أنه إذا ملك مائتى درهم وسبعة دراهم وجب عليه على قولهما خمسة وسبعة أجزاء من أربعين جزء ا من درهم، فإذا لم يؤد حتى جاء ت السنة الثانية كان الواجب عليه زكاة مائتى درهم ودرهم وزكاة ثلاثة وثلاثين جزء ا من درهم وذلك لا يعرف، ولأنه أوفق لقياس الزكوات لأنها تدور بعفو ونصاب (قوله والمعتبر فى الدرهم إلخ) هذا الاعتبار فى الزكاة ونصاب الصدقة والمهر وتقدير الديات، وإذ قد أخذ المثقال فى تعريف الدرهم فلا بد من النظر فيه، وظاهر كلام المصنف فى صدقة الذهب أنه معروف (فتح القدير، ج۲ ص ۲۱۰، ۲۱۱، كتاب الزكاة، فصل فى الفضة)

جبکہ دیگر فقہائے کرام نے فرمایا کہ چالیس درہم میں ایک درہم کا جن روایات میں ذکر ہے، وہ تمثیل پر محمول ہیں، اور مقصود ان کا چالیسویں حصہ کی توضیح ہے۔ [1]

دفعِ حرج کی بناء پر بعض مشائخِ حنفیہ نے امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ [2]

---

[1] (صدقة الرقة) هى الدراهم المضروبة والهاء فيها عوض عن الواو المحذوفة (من كل أربعين درهما درهم) أى من كان له مال فليزك على هذا النسق (وليس فى تسعين ومئة شىء فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم فما زاد فعلى حساب ذلك) وفيه حجة للشافعى فى أنه لا وقص فى زكاة الورق بل ما زاد على النصاب فبحسابه ورد على أبى حنيفة فى ذهابه إلى إثبات الوقص هنا فإذا قيل المراد حساب أربعين أى فى كل أربعين درهما درهم رد بالمنع لأنه علم صريحا من قوله إذا بلغت مائتين(فيض القدير شرح الجامع الصغير،تحت رقم الحديث ۴۰۱۶،حرف القاف)

[2] فأما إذا زاد على نصاب الذهب أو الفضة فلا يجب فى الزيادة شىء عند أبى حنيفة حتى تبلغ أربعة مثاقيل فى الذهب فيجب فيها قيراطان وأربعين من الدراهم فيجب فيها درهم ولا تجب فى أقل من ذلك،وقال أبو يوسف ومحمدالشافعى تجب الزكاة فى الكسور بحساب ذلك،والصحيح قول أبى حنيفة لأن فى اعتبار الكسور حرجا بالناس والحرج موضوع (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۲۶۶، كتاب الزكاة)

(ونصاب الفضة) أى الحجر الأبيض الرزين ولو غير مضروب وإنما سمى بها لإزالة الكربة عن مالكها من الفض وهو التفريق (مائتا درهم وفيهما ربع العشر) وهو نصف مثقال فى نصاب الذهب وخمسة دراهم فى الفضة هكذا روى عن النبى -عليه الصلاة والسلام -(ثم فى كل أربعة مثاقيل وأربعين درهما بحسابه) ففى أربعين درهما زادت على المائتين درهم وفى أربعة مثاقيل زادت على العشرين حصتها ولا شىء فيما دون ذلك عن الإمام وهو الصحيح كما فى التحفة لقوله -عليه الصلاة والسلام -ليس فيما دون الأربعين صدقة (وقالا ما زاد بحسابه وإن) وصلية (قل) وهو قول الشافعى فلو زاد دينار وجب جزء واحد من عشرين جزءا من نصف دينار ولو زاد درهم وجب جزء من أربعين جزءا من درهم وهكذا لقوله -عليه الصلاة والسلام -وما زاد على المائتين فبحسابه لكن يمكن أن يحمل زائد على المائتين فى هذا على الأربعينيات توفيقا (مجمع الانهر، ج ا ص ۲۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، نصاب الفضة)

مگر درسِ ترمذی کے حاشیہ میں مولانا رشید اشرف سیفی صاحب زیدہ مجدہٗ نے صاحبین رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، دیکھئے ''معارف السنن'' ج۵ص۱۷۰، و۱۷۱ (درسِ ترمذی، ج۲ص۴۰۶، باب ماجاء فی زکاۃ الذہب والورق)

مگر معارف السنن میں مراجعت کے بعد ہمیں ایسی کوئی عبارت نہیں ملی، جس سے مذکورہ موقف کا ثبوت ہوتا ہو، بلکہ اس میں صرف کسورِ سوائم میں صاحبین کے قول پر فتویٰ کی تصریح ہے۔ چنانچہ معارف السنن کی عبارت یہ ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کا تقاضا یہ ہے کہ حنفیہ کا فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہو۔

مگر متاخرین اور بالخصوص معاصرین کی کتب میں علی الاطلاق بغیر کسی مقدار کے استثناء کے ڈھائی فیصد یا چالیسویں حصے کی زکاۃ میں وجوب کا تذکرہ ملتا ہے، اور عوام میں بھی اسی کے مطابق عمل اور شہرت پائی جاتی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ آیا کہ تسامح ہے یا کچھ اور؟ اس سلسلہ میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔

مگر ہمارے نزدیک موجودہ حالات میں صاحبین (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد) اور جمہور کے قول کے مطابق ہی حکم بیان کرنا اور فتویٰ دینا راجح ہے۔

کیونکہ دلائل کے راجح مرجوح ہونے سے قطع نظر اوّلاً تو اس سلسلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کا قول دفعِ حرج پر مبنی ہے، اور یہ حرج عرف پر مبنی ہے۔

وَالنَّصُ مَعْلُوْلٌ بِالْعُرُفِ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واذا زاد علی المائتین فلا شیئ فیه حتی یبلغ الی اربعین درهما، ففیه درهم عند ابی حنیفة وعند صاحبیه، ففی الکسور بحسابها وان لم تبلغ الی اربعین ، واما کسور السوائم فالخلاف فیه بالعکس، وخلافیة کسور السوائم من "الهدایة" من زکاة البقر، وکسور النقدین فی زکاة المال منها، وافتی ارباب الفتویٰ علی قولهما،ای فی کسور السوائم فقط، فلاتجب فی الکسور ، وعلیه الفتویٰ کما فی "الینابیع" وتصحیح "القدوری" و"الاسبیجابی" و"المحیط" و"البحر" و"النهر"وغیرها، کما فی "ردالمحتار"(معارف السنن ج۵ص ۱۷۰، ۱۷۱ ،باب ماجاء فی زکاة الذهب والورق)

البتہ "العرف الشذی" میں علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی عبارت سے مطلقاً (یعنی زکاۃِ ذہب وفضہ اور زکاۃِ سوائم میں) صاحبین کے قول پر فتویٰ کا ایہام ہوتا ہے۔ چنانچہ "العرف الشذی" میں ہے کہ:

قوله :(من کل أربعین درهماً درهماً إلخ) اتفقوا علی أن أربعین درهماً لا شیء فیها حتی تبلغ مائتین، وأما أربعون فلذکر الحساب، وأما الزائد علی مائتین، فلا شیء فی الکسور عند أبی حنیفة، وتجب فی کسور السوائم خلاف صاحبیه فی المسألتین، وأفتی أرباب الفتوی علی قولهما(العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج۲ص ۹۹، کتاب الزکاة،باب ما جاء فی زکاة الذهب والورق)

مگر یہ عبارت بھی مذکور موقف پر صریح نہیں اور ہمیں حنفیہ کی کتبِ فقہ میں زکاۃِ ذہب وفضہ کے مذکورہ باب میں صاحبین کے قول پر فتوے کی تصریح نہیں ملی۔ محمد رضوان۔

اور جس طریقہ سے گزشتہ زمانہ میں جبکہ دراہم ودنانیر رائج تھے، اور خاص کر جبکہ ایک مثقال یا ایک دینار کی قیمت چالیس دراہم کے مساوی تھی، اور اس وجہ سے خمسِ نصاب سے کم میں ایک درہم سے کم مقدارِ زکاۃ میں واجب ہونے کی صورت میں حرج لازم آتا تھا، موجودہ دور میں یہ صورتِ حال نہیں ہے، بلکہ جتنا بھی مال ہو، اس کے ڈھائی فیصد یا چالیسویں حصہ کی تعیین وتخریج اور کسی بھی مال سے اس کی ادائیگی کوئی مشکل کام نہیں، اور اس کے برعکس خمسِ نصاب کے استثناء اور اس کی تخریج وتعیین میں مشکلات ہیں۔

مثلاً جب نصاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ہر پانچویں حصے پر ڈھائی فیصد کو واجب کیا جائے گا، اور اس کے درمیان کی مقدار کو معاف قرار دیا جائے گا، تو اس میں ایک نصاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے اور اس کے چالیسویں حصے کا تناسب نکالنے میں عوام کے لئے مشکلات ہوں گی۔ [1]

دوسرے موجودہ حالات میں مخصوص مقدار کے عوام میں استثناء کی تشہیر وتبلیغ کرنے سے ایک درجہ میں تشویش کا بھی اندیشہ ہے۔

تیسرے صاحبین وجمہور کے قول پر عمل کرنے کی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اس مقدار کی زکاۃ زیادہ سے زیادہ تطوع یا نفلی صدقہ میں داخل ہوجائے گی، جو کہ خود باعثِ اجر ہے، اور عبادات کے

---

[1] (قوله ورجحه الكمال) حيث قال عقب ما ذكرنا :ولا يخفى أن هذا لا يلزم أبا يوسف لأن قصاراه أنه كنصه على ذلك وهو يقول :يصار إلى العرف الطارء بعد النص بناء على أن تغير العادة يستلزم تغير النص، حتى لو كان -صلى الله عليه وسلم -حيا نص عليه .اهـ .وتمامه فيه.

وحاصله توجيه قول أبی يوسف أن المعتبر العرف الطارء بأنه لا يخالف النص بل يوافقه، لأن النص على كيلية الأربعة، ووزنية الذهب والفضة مبنی على ما كان فی زمنه -صلى الله عليه وسلم -من كون العرف كذلك حتى لو كان العرف إذ ذاك بالعكس لورود النص موافقا له ولو تغير العرف فی حياته -صلى الله عليه وسلم -لنص على تغير الحكم، وملخصه :أن النص معلول بالعرف فيكون المعتبر هو العرف فی أی زمن كان ولا يخفى أن هذا فيه تقوية لقول أبی يوسف فافهم (ردالمحتار، ج۵ص۱۷۷، كتاب البيوع، باب الربا)

باب میں جبکہ کوئی عمل وجوب اورعدمِ وجوب کے درمیان دائر ہو، تو اس میں احتیاط کے پیشِ نظر حنفیہ کے قواعد کے مطابق وجوب کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ [۱]

چوتھے صاحبین اور جمہور کے قول پرعمل کرنے کی صورت میں فقراء کا نفع ہے، جو امام صاحب رحمہ اللہ کے اصل موقف کے مطابق ہے (اور یہاں امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کی مخالفت دفعِ حرج کے لئے فرمائی تھی، اور یہ علت موجودہ دور میں عموماً مفقود ہے) [۲]

پانچویں صاحبین رحمہما اللہ کے اس قسم کے اقوال اجتہاد فی المذہب کے دائرے تک محدود ہیں، جن پر بوقتِ ضرورت عمل کرنے میں مذہب سے خروج لازم نہیں آتا۔ [۳]

---

[۱] ومن المقرر طلب الاحتياط فى صحة العبادة لتبرأ ذمة المكلف بها(رد المحتار على الدر المختار، ج ١ ص٧٠٦، كتاب الصلاة،باب الاستخلاف)

الاحتياط فى الخروج عن عهدة ما عليه يتعين(البناية شرح الهداية، ج٤ص١٣٧، كتاب الصوم،باب الاعتكاف)

وإنما يؤخذ فى العبادة بالاحتياط.وطريق العبادة الاحتياط فى البناء على المتيقن به دون المحتمل (شرح السير الكبير، ج ١، ص ٢٤١، باب صلاة القوم الذين يخرجون إلى العسكر ويريدون العدو)

[۲] (و) تجب الزكاة أيضا (فى عروض تجارة بلغت قيمتها نصابا من أحدهما) أى الذهب والفضة (تقوم) أى عروض التجارة (بما هو أنفع للفقراء) أيهما كان لقوله -عليه الصلاة والسلام - يقومها فيؤدى من كل مائتى درهم خمسة دراهم وهذا عند الإمام يعنى نقوم بما يبلغ نصابا إن كان يبلغ بأحدهما دون الآخر احتياطا فى حق الفقراء كما فى التبيين ويحتمل أن يراد أنها تقوم بالأنفع إن كانت تبلغ بهما فإن كان التقويم بالدراهم أنفع قومت بها، وإن بالدنانير قومت بها (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١ ص٢٠٧، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض)

[۳] الثانية :طبقة المجتهدين فى المذهب كأبى يوسف ومحمد وسائر أصحاب أبى حنيفة، القادرين على استخراج الأحكام من الأدلة على مقتضى القواعد التى قررها أستاذهم أبو حنيفة فى الأحكام وإن خالفوه فى بعض أحكام الفروع، لكن يقلدونه فى قواعد الأصول، وبه يمتازون عن المعارضين فى المذهب كالشافعى وغيره المخالفين له فى الأحكام غير مقلدين له فى الأصول(رد المحتار على الدر المختار،مقدمة)

وأما إذا حكم الحنفى بما ذهب إليه أبو يوسف أو محمد أو نحوهما من أصحاب الإمام فليس حكما بخلاف رأيه .اهـ .فقد أفاد أن أقوال أصحاب الإمام غير خارجة عن مذهبه، فقد نقلوا عنهم أنهم ما قالوا قولا إلا هو مروى عن الإمام كما أوضحت ذلك فى شرح منظومتى فى رسم المفتى(رد المحتار على الدر المختار، ج٤، ص ٣٦٢، كتاب الوقف)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ علمی حد تک امام صاحب اور صاحبین و جمہور کے اقوال کی وضاحت میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کی وضاحت اہلِ علم حضرات کی ذمہ داری میں داخل ہے، اور اسی لئے ہم نے مذکورہ تحقیق و تفصیل ذکر کردی ہے۔

اور اگر کوئی حنفی مقلد امام صاحب کے قول پر عمل کرے، تب بھی وہ موجبِ ملامت نہیں، کیونکہ یہ بھی مشائخِ حنفیہ کا تصحیح کردہ قول ہے، کما مرّ۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۱۲/ربیع الآخر/۱۴۳۳ھ 06/مارچ/2012ء بروز منگل

نظرِ ثانی

۱۱/رجب المرجب/۱۴۳۵ھ 11/مئی/2014ء بروز اتوار

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كـان أبـو حنيفة من جانب وأبو يوسف ومحمد رحمهما الله من جانب، فإن كان القاضى من أهل الاجتهـاد يـجتهـد، وإن لـم يكن من أهل الاجتهاد يستفتى غيره، ويأخذ بقول المفتى بمنزلة العامى، وإن كـان أبـو حـنيفة رحمه الله أعلى رتبة، لأنه قد يرزق الرجل الصواب، وإن كان غيره أعلى رتبة، فـإن أدراك الـصواب فضيلة يرزقه الله تعالى من عباده من يشاء وإن لم يكن من أهل الاجتهاد يأخذ بـقـول أبـى حـنيفة، ولا يترك مذهبه، لأنه أفقه عنده من غيره، فلا يترك متابعته(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج٨،ص ١١، كتاب القضاء ،الفصل الثالث :فى ترتيب الدلائل للعمل بها)

(۲)

سونے اور چاندی کا نصاب مستقل ہونے کی تحقیق

موجودہ دور میں سونے اور چاندی کے زکاۃ والے نصابوں کی مالیت میں باہم غیر معمولی کمی، زیادتی کا فرق پایا جاتا ہے، چنانچہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت سے بہت زیادہ کم ہے، ایسے حالات میں بعض لوگوں کو طرح طرح کے شبہات پیش آیا کرتے ہیں، اور بعض لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو دوسرے کے تابع کر کے قیمت برابر کر دی جائے، اور اس غیر معمولی تفاوت اور فرق کو ختم کر دیا جائے، اس سلسلہ میں بندہ محمد رضوان نے درجِ ذیل مضمون تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سونے اور چاندی کے نصاب کی مقدار

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سونے کے نصاب کی مقدار بیس دینار یا بیس مثقال ہے، اور چاندی کے نصاب کی مقدار دوسو درہم ہے۔

اور اہلِ علم حضرات نے وزن کے اعتبار سے بیس دینار یا بیس مثقال سونے کی مقدار ساڑھے سات تولہ، اور دوسو درہم چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولہ قرار دی ہے۔

سونے اور چاندی دونوں کا نصاب مستقل ہے

ائمہ اربعہ اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک زکاۃ کے معاملہ میں مذکورہ دونوں نصابوں کی حیثیت مستقل ہے، اور ان میں سے کوئی نصاب دوسرے نصاب کے تابع نہیں ہے۔

اوراسی وجہ سے اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سے کم مقدار میں صرف سونا ہو، اور اس کی ملکیت میں سونے کے علاوہ کوئی دوسرا قابلِ زکاۃ مال، مثلاً چاندی، تجارت کا مال، اور نقدی نہ ہو، تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، خواہ اس سونے کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر، یا اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، احادیث وآثار سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

سونے کا نصاب چاندی کے نصاب کے تابع ہونے کا قول

ائمہ اربعہ وجمہور اہلِ علم کے مقابلہ میں، حضرت طاوس وغیرہ کا یہ قول مروی ہے کہ سونے کا نصاب، چاندی کے نصاب کے تابع ہے، لہٰذا ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں ساڑھے سات تولہ سونے سے کم مقدار پر بھی اس صورت میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ اس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے بقدر یا اس سے زیادہ ہو۔

لیکن اس سلسلہ میں جمہور فقہائے کرام کا قول دلائل کے لحاظ سے راجح ہے۔

آگے اس مسئلہ کی قدرے تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلسُّنَّةُ الَّتِيُ لَا اِخْتِلَافَ فِيُهَا عِنُدَنَا أَنَّ الزَّكَاةَ تَجِبُ فِيُ عِشُرِيُنَ دِيُنَارًا عَيُنًا كَمَا تَجِبُ فِيُ مِائَتَيُ دِرُهَمٍ (مؤطا امام مالک) [1]

ترجمہ: وہ سنت کہ جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ زکاۃ بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ) کے عین میں واجب ہے، جیسا کہ دوسو درہم میں واجب ہے (موطا)

اورامام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَقَالَ كَثِيُرٌ مِّنُهُمُ لَا زَكَاةَ فِيُمَا دُوُنَ عِشُرِيُنَ وَإِنُ بَلَغَتُ مِائَتَيُ دِرُهَمٍ

---

[1] كتاب الزكاة، باب الزكاة فى العين من الذهب والورق.

وَتَجِبُ فِيْ عِشْرِيْنَ وَإِنْ لَّمْ تَبْلُغْهَا مِمَّنْ قَالَ بِهٖ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَعُرْوَةُ وَالنَّخَعِيُّ وَالْحَكَمُ وَمَالِكٌ وَالثَّوْرِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَاللَّيْثُ وَالشَّافِعِيُّ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَأَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ وَأَبُوْ ثَوْرٍ وَأَبُو عُبَيْدٍ.

وَقَالَ طَاوُوْسٌ وَعَطَاءٌ وَالزُّهْرِيُّ وَأَيُّوْبُ وَسُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَجِبُ رُبُعُ الْعُشْرِ فِي الذَّهَبِ إِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهٗ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَإِنْ كَانَ دُوْنَ عِشْرِيْنَ مِثْقَالًا (المجموع شرح المهذب) [1]

ترجمہ: پس اکثر حضرات کے نزدیک بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) سونے سے کم میں زکاۃ واجب نہیں، اگرچہ وہ دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی کی مالیت کے برابر ہو، اور بیس مثقال سونے میں زکاۃ واجب ہے، اگرچہ وہ دوسودرہم چاندی کی مالیت کے برابر نہ ہو، یہی قول علی بن ابی طالب اور عمر بن عبدالعزیز اور ابنِ سیرین اور عروہ اور نخعی اور حکم اور ثوری اور اوزاعی اور لیث اور امام مالک، اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد اور امام احمد اور اسحاق اور ابوثور اور ابوعبید کا ہے۔

اور طاوس اور عطاء اور زہری اور ایوب اور سلیمان بن حرب کا قول یہ ہے کہ سونے میں چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) زکاۃ واجب ہے، جبکہ اس کی قیمت دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی کے برابر ہوجائے، اگرچہ وہ سونا بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) سے کم کیوں نہ ہو (المجموع)

اور الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے کہ:

نِصَابُ الذَّهَبِ عِنْدَ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَاءِ عِشْرُوْنَ مِثْقَالًا، فَلَا تَجِبُ

---

[1] ج۶، ص۱۶، ۱۷، کتاب الزکاة، باب زکاة الذهب و الفضة.

الزَّكَاةُ فِيْ أَقَلِّ مِنْهَا، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ لِمَالِكِهَا فِضَّةٌ أَوْ عُرُوْضُ تِجَارَةٍ يَكْمُلُ بِهِمَا النِّصَابُ عِنْدَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ عَلٰى مَا سَيَأْتِيْ بَيَانُهُ، وَلَمْ يُنْقَلْ خِلَافٌ فِيْ ذٰلِكَ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ النِّصَابَ أَرْبَعُوْنَ مِثْقَالًا .

وَمَا رُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ، وَطَاوُوْسٍ، وَالزُّهْرِيِّ وَسُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ، وَأَيُّوْبَ السِّخْتِيَانِيِّ أَنَّ نِصَابَ الذَّهَبِ مُعْتَبَرٌ بِالْفِضَّةِ، فَمَا كَانَ مِنَ الذَّهَبِ قِيْمَتُهُ ٢٠٠ دِرْهَمٍ فَفِيْهِ الزَّكَاةُ، سَوَاءٌ كَانَ أَقَلَّ مِنْ(٢٠) مِثْقَالًا أَوْ مُسَاوِيَةً لَهَا أَوْ أَكْثَرَ مِنْهَا،قَالُوْا:لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْدِيْرٌ فِيْ نِصَابِ الذَّهَبِ، فَيُحْمَلُ نِصَابُهُ عَلٰى نِصَابِ الْفِضَّةِ.

وَاحْتَجَّ الْجُمْهُوْرُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَيْسَ فِيْ أَقَلِّ مِنْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالًا مِّنَ الذَّهَبِ، وَلَا فِيْ أَقَلِّ مِنْ مِّائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ.

وَفِيْ حَدِيْثِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا فَصَاعِدًا نِصْفَ دِيْنَارٍ، وَمِنَ الْأَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا (الموسوعة الفقهية الكويتية) ؎[1]

ترجمہ: جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، پس بیس مثقال سے کم سونے میں زکاۃ واجب نہیں، مگر یہ کہ اس کے مالک کے پاس چاندی، یا تجارت کا سامان ہو، جن کی وجہ سے نصاب مکمل ہوجاتا ہو، ان حضرات کے نزدیک، جو اس کے قائل ہیں (کہ سونے کے ساتھ، چاندی یا تجارت کے مال کو جمع کیا جائے گا) جس کا بیان آگے آتا ہے، اور اس سلسلہ میں کوئی اختلاف

؎[1] ج۲۳، ص۲۶۳، ۲۶۴، مادۃ ”زکاۃ“

منقول نہیں، سوائے حسن کی اس روایت کے کہ نصاب چالیس مثقال ہے۔

اور حضرت عطاء، طاوس، زہری اور سلیمان بن حرب، اور ایوب سختیانی سے یہ مروی ہے کہ سونے کے نصاب کا چاندی کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا، پس جس کے پاس اتنی مقدار میں سونا ہو کہ اس کی قیمت دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی کے برابر بن جاتی ہو، تو اس میں زکاۃ واجب ہوگی، خواہ وہ سونا بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) سے کم ہو، یا بیس مثقال کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کے نصاب کے متعلق کوئی مقدار ثابت نہیں، لہٰذا سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب پر محمول کیا جائے گا۔

اور جمہور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ نہ تو بیس مثقال سے کم سونے میں زکاۃ ہے، اور نہ ہی دوسو درہم سے کم چاندی میں زکاۃ ہے۔

اور جمہور نے حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے، جس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار، یا اس سے کچھ زائد میں سے، آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار، بطورِ زکاۃ وصول کیا کرتے تھے (موسوعہ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب الگ اور چاندی کا نصاب الگ ہونے پر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اتفاق ہے، صرف بعض حضرات کا اس میں اختلاف منقول ہے۔

اور علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''فقہ الزکاۃ'' میں اس مسئلہ پر مفصل ومدلل بحث کی ہے، جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب میں، چاندی اور دراہم کا استعمال زیادہ تھا، اس لئے اکثر اور مشہور احادیث میں دراہم کے ساتھ، چاندی کے

نصاب کا ذکر آیا ہے، اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) سونے کے دنانیر کا استعمال بہت کم تھا، اس لئے چاندی کے نصاب کی طرح کی قوی اور مشہور احادیث میں، سونے کے نصاب کا ذکر نہیں ملتا، اور اسی وجہ سے سونے کے نصاب پر (امت کا) اس درجہ کا اتفاق نہیں ہے کہ جس درجہ کا اتفاق چاندی کے نصاب پر ہے، تاہم جمہور اکابر فقہائے کرام، سونے کے نصاب کے بیس دینار ہونے پر متفق ہیں، اور حضرت حسن سے سونے کا نصاب، چالیس دینار منقول ہے، اور ان سے ایک روایت اکثر (وجمہور) حضرات کے مطابق (بیس دینار کی) بھی ہے۔

اور سونے کا نصاب اپنی ذات میں معتبر ہے، جس میں طاوس کا اختلاف ہے، کہ انہوں نے سونے کے نصاب میں چاندی کی قیمت کا اعتبار کیا ہے کہ سونا جب اتنی مقدار میں ہو کہ جس کی قیمت دوسو درہم کے برابر ہو جائے، تو زکاۃ واجب ہوگی، اوراسی طرح سے عطاء اور زہری، اور سلیمان بن حرب، اور ایوب سختیانی سے بھی منقول ہے“ [1]

---

[1] ويبدو أن النقود الفضية كانت هى الشائعة والكثيرة الاستعمال عند العرب فى عصر النبوة (ولهذا قال عطاء :إنما كان إذ ذاک الورق ولم يكن الذهب انظر مصنف ابن أبى شيبة :۲۲۲/۳ -طبع حيدر آباد -الهند) لهذا نصت عليها الأحاديث المشهورة التى بينت مقادير الصدقات المفروضة وأنصبتها، فصرحت بنصاب الدراهم، كما صرحت بمقدار الواجب فيها، وعلم منها أن نصاب الفضة مائتا درهم، وهذا مما لم يخالف فيه أحد من علماء الإسلام (المغنى : ۳/۱)
وأما النقود الذهبية (الدنانير) فلم يجىء فى نصابها أحاديث فى قوة أحاديث الفضة وشهرتها، ولذا لم يظفر نصاب الذهب بالإجماع كالفضة، غير أن الجمهور الأكبر من الفقهاء ذهبوا إلى نصابه عشرون دينارًا.
وروى عن الحسن البصرى :أن نصابه أربعون دينارًا، وروى عنه مثل قول الأكثرين (نيل الأوطار : ۱۳۹/۴)
ونصاب الذهب معتبر فى نفسه، وخالف فى ذلک طاوس فاعتبر فى نصابه التقويم بالفضة، فما بلغ منه ما يقوم بمائتى درهم وجبت فيه الزكاة (المرجع السابق) وحكى مثله عن عطاء والزهرى وسليمان بن حرب وأيوب والسختيانى (المغنى ۳/۴) (فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱،ص ۲۴۷،المبحث الاول زكاة النقود)

''اس کے بعد علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے جمہور کے قول کی تائید میں چند مرفوع احادیث ذکر کی ہیں، اور بعض صحابۂ کرام کے موقوف آثار بھی ذکر کئے ہیں، اور فرمایا کہ اگرچہ ان احادیث کی سندوں میں محدثین کو کچھ کلام ہے، لیکن یہ احادیث ایک دوسرے کی تائید وتقویت کرتی ہیں'' [1]

---

[1] ومما يؤيد قول الجمهور:
ما جاء من الأحاديث المرفوعة مما لم يسلم من مقال فى سنده، ولكنها يقوى بعضها بعضًا.
(أ) فمنها :ما رواه ابن ماجه والدارقطني (ص ١٩٩) من حديث ابن عمر وعائشة" :أن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يأخذ من كل عشرين دينارًا نصف دينار "(فى إسناده :إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع، قال فيه ابن معين :لا شىء ، وقال أبو حاتم :يكتب حديثه ولا يحتج به فإنه كثير الوهم، وذكر الحديث ابن حزم فى المحلى٦/٦٩ وضعفه فى ص ٧٢ بعبد الله بن واقد قال فيه :مجهول وقال العلامة الشيخ أحمد شاكر :كيف يكون مجهولاً وهو عبد الله بن واقد بن عبد الله بن عمر؟ وهو ثقة روى عن جده عبد الله مات سنة ١١٩ هـ وقد وهم ابن حزم لجعل حديثه عن ابن عمر عن عائشة، وهو عند ابن ماجه والدارقطني من حديثهما معًا.
(ب) ومنها :ما رواه الدارقطني (ص ١٩٩) من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال" :ليس فى أقل من عشرين مثقالاً من الذهب، ولا فى أقل من مائتى درهم -صدقة "(وذكره أيضًا أبو عبيد فى "الأموال "ص ٤٠٩، وابن حزم فى المحلى :٦/٦٩ وضعفه فى ص ٧١ بأنه صحيفة مرسلة وفيه ابن أبى ليلى وهو سىء الحفظ وقال الحافظ فى التلخيص ص ١٨٢ :إسناده ضعيف، ورواه ابن زنجويه أيضًا فى "الأموال "من طريق العرزمى وهو متروك انظر :نصب الراية٢/٣٦٩، والدراية صفحة ١٦١ وانظر المراعاة على المشكاة : ٣/٤٣)
(ج) ومنها :ما رواه أبو عبيد بسنده عن محمد بن عبد الرحمن الأنصارى -وهو تابعى :-أن فى كتاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، وفى كتاب عمر فى الصدقة" :أن الذهب لا يؤخذ منه شىء ، حتى يبلغ عشرين دينارًا، فإذا بلغ عشرين دينارًا ففيه نصف دينار "(وذكره ابن حزم فى المحلى :٦/٦٩، وقال فى ص ٧٢ :هو مرسل وعن مجهول أيضًا، وقال فى ص ٣١ :محمد بن عبد الرحمن مجهول وتعقبه الشيخ شاكر فقال :بل هو معروف، وهو أبو الرجال محمد بن عبد الرحمن الأنصارى وهو تابعىٌّ ثقة)
(د) ومنها :ما رواه أبو داود من حديث على بن أبى طالب مرفوعًا" :إذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شىء -يعنى فى الذهب -حتى يكون لك عشرون دينارًا، فإذا كان لك عشرون دينارًا وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار."
وقد حسنه بعض الحفاظ، وصوبه الدارقطني وقفه على على رضى الله عنه (الحديث ضعفه ابن حزم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’پھر اس کے بعد امام سرخسی حنفی کے اصول سے یہ بات نقل کی ہے کہ ہمارے متقدمین اور متاخرین اصحاب میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی صحابی کا قول ایسے معاملہ میں حجت (بلکہ مرفوع حدیث) شمار ہوتا ہے، جس میں قیاس کو دخل نہیں ہوتا۔

پھر علامہ یوسف قرضاوی نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ سونے کا نصاب بیس دینار منقول ہے، جس کو حنفیہ کے نزدیک مرفوع حدیث کا درجہ حاصل ہے۔

پھر اس کے بعد علامہ یوسف قرضاوی نے سونے کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار ہونے سے متعلق چند آثار وروایات اور سلف کے اقوال نقل کیے ہیں‘‘ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی المحلی جـ ٦ زكـاة الـذهـب، ثـم رجـع فصححه، وحسنه الحافظ فی بلوغ المرام، وأعله فی التلخيص ص ١٨٢، وقال الدارقطنی :الـصواب وقفه على وهذا هو الذی يطمئن له القلب وسيأتی مـزيـد لذلک فی فصل زكاة "كسـب العمل "وانظر :نيل الأوطار، ۴/۱۳۷ -۱۳۸) (فقه الزكاة للقرضاوی، ج ا ،ص ۲۴۷ الیٰ ۲۴۹ ،المبحث الاول زكاة النقود)

[1] ومن قال :إن الـمـقادير لا مجال للرأی فيها -كـمـا هـو مذهب الحنفية (يقول السرخسی فی أصوله" :لا خـلاف بين أصحابنا المتقدمين والمتأخرين :أن قول الواحد من الصحابة حجة فيما لا مـدخـل لـلقياس فی معرفة الحكم فيه، وذلک نحو المقادير، التی لا تعرف بالرأی "وعدد لذلک أمثلة أخـذ بهـا الحنفية (أصول السرخسی ص ١١٠) قال :إذا صـح عـن عـلی أن نصاب الذهب عشرون دينارًا، كان ذلک فی حكم المرفوع إلى النبی -صلى الله عليه وسلم.-

ومـمـا يـعضد ذلک ما هو مقرر تاريخيًا :أن الـديـنـار كـان يصرف فی ذلک العصر بعشرة دراهم (انظر :الأموال ص ۴۱۹) وانظر :سـنـن أبـی داود، بـاب الدية كم هی، ففيه من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال :كـانت قيمة الدية على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -٨٠٠ دينار، أو ٨٠٠٠ درهم)

يقوى ذلک كله عمل الأمة من الصحابة فمن بعدهم، حتى استقر الإجماع على ذلک، وانعقد بعد عصر الحسن -رحمه الله -على خلاف قوله وقد روى عنه نفسه ما يوافق الجمهور.

فمما جاء عن الصحابة ما رواه أنس بن مالک قال :ولأنی عمر على الصدقات، فأمرنی أن آخذ من كل عشرين دينارًا نصف دينار، فما زاد فبلغ أربعة دنانير، ففيه نصف درهم (المحلى :٦/٦٩)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''اوراس کے بعد علامہ یوسف قرضاوی نے فرمایا کہ اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ جس حدیث کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہوجائے، اگرچہ اس کی سند میں کلام ہو، تو بھی وہ مقبول درجہ تک پہنچ جاتی ہے، بشرطیکہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، اور بیس دینار کی حدیث میں یہ شرط موجود ہے، اوراس کے معارض کوئی قوی دلیل موجود نہیں، اس لئے بیس دینار سونے کا نصاب بھی اپنی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن علي :ليس في أقل من عشرين دينارًا شيء ، وفي عشرين دينارًا نصف دينار، وفي أربعين دينارًا دينار (المرجع السابق :٢/٦٩) وهو الحديث الذي رواه عنه بعضهم مرفوعًا.

وعن إبراهيم النخعي قال :كان لامرأة ابن مسعود طوق فيه عشرون مثقالاً، فأمرها أن تخرج عنه خمسة دراهم (المرجع السابق :٦٩/٢)

وجاء ذلك عن أئمة التابعين :الشعبي، وابن سيرين وإبراهيم والحسن نفسه، والحكم بن عتيبة وعمر بن عبد العزيز :أن في عشرين دينارًا نصف دينار (المرجع نفسه ص ٦٩ و ٧٠)

روى أبو عبيد وابن حزم عن زريق بن حيان قال :كتب إلي عمر بن عبد العزيز :انظر من مر بك من المسلمين، فخذ مما ظهر من أموالهم، مما يديرون في التجارات من كل أربعين دينارًا دينار، وما نقص فبحساب ذلك، حتى تبلغ عشرين دينارًا، فإن نقصت ثلث دينار فدعها (المرجع نفسه ص ٦٢)

وعلى هذا التقدير استقر الأمر، واستمر العمل، بعد الخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز، ولم يحك بعد ذلك خلاف يذكر حتى حكى الأئمة الإجماع العملي على هذا التقدير.

وإلى عمل الأمة -وبخاصة أهل المدينة -استند الإمام مالك في إثبات هذا الحكم، فقال في "الموطأ" :"السنة التي لا اختلاف فيها عندنا :أن الزكاة تجب في عشرين دينارًا عينًا (يعني :ذهبًا) كما في مائتي درهم "(الموطأ :كتاب الزكاة باب الزكاة في العين من الذهب والورق: ١/١٢٦) طبع الحلبي، وقال الشافعي في "الأم :"لا أعلم اختلافًا في أن ليس في الذهب صدقة، حتى تبلغ عشرين فإذا بلغت عشرين مثقالاً، ففيها الزكاة (الأم٢/٣٤)

وذكر أبو عبيد في "الأموال "حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال :إن نصاب الذهب ٢٠ مثقالاً، ثم قال :فهذا لا اختلاف فيه بين المسلمين، إذا كان الرجل قد ملك في أول السنة من المال ما تجب في مثله الصدقة، وذلك مائتا درهم أو عشرون دينارًا، أو خمس من الإبل أو ثلاثون من البقر أو أربعون من الغنم، فإذا ملك واحدة من هذه الأصناف من أول الحول إلى آخره، فالصدقة واجبة عليه في قول الناس جميعًا (الأموال :ص ٤٠٩

وقال عياض :المعول في نصاب الذهب على الإجماع، وقد حكى فيه خلاف شاذ (انظر المراعاة على المشكاة٣/٤٣) (فقه الزكاة للقرضاوى، ج١،ص ٢٤٩ الىٰ ٢٥١،المبحث الاول زكاة النقود)

جگہ برحق ہے‘‘ (علامہ یوسف قرضاوی کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا) [۱]

اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہٗ نے بھی اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، اور اس سلسلہ میں پیش کردہ اعتراضات کا ازالہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

’’چاندی کا نصاب تو صریح احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے، اور پوری امت کا اس پر اجماع چلا آرہا ہے، برخلاف سونے کے کہ اس پر زکاۃ فرض ہونے کی صراحت تو قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے، لیکن جہاں تک اس کے نصاب کا تعلق ہے، جن احادیثِ نبویہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے، وہ اس درجہ قوت وشہرت کو نہ پہنچ سکی تھیں، وجہ وہی ہے کہ عہدِ رسالت میں سونے کا رواج چاندی کے مقابلہ میں بہت کم تھا، لہٰذا سونے کی زکاۃ دینے اور لینے کے مواقع کم ہی پیش آتے تھے، اس لئے نصابِ زکاۃ کی احادیث میں سونے کے نصاب کا ذکر نسبتاً کم آیا ہے، تاہم کئی احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ میں اس کی صراحت موجود ہے، اور صحابۂ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا‘‘ (نوادر الفقہ ج۱ صفحہ نمبر ۳۴۹ و ۳۵۰، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی 2003ء)

---

[۱] ولقد قرر كثير من الأئمة :أن تلقى الأمة بالقبول لحديث ما -وإن كان فى إسناده بعض كلام- يرفعه إلى درجة القبول، كما فى حديث " :لا وصية لوارث "وغيره وجاء ذلک عن الإمام الشافعى والحافظ ابن عبد البر، والمحقق ابن الهمام، والحافظ ابن حجر، والمحقق ابن القيم، وغيرهم من الأئمة والحفاظ ولهذا نجد الإمام الترمذى يروى حديثًا يستغربه أو يضعفه ويقول :والعمل على هذا عند أهل العلم ورأينا ابن عبد البر يقول :الحديث عندى صحيح؛ لأن العلماء تلقوه بالقبول أو يقول :وفى قول جماعة العلماء وإجماع الناس على معناه غنى عن الإسناد فيه (انظر :الأجوبة الفاصلة للعلامة اللكنوى ص ۵۱، ۵۲، وبحث الشيخ حسين الأنصارى عن العمل بالحديث الضعيف إذا تلقاه الناس بالقبول ص ۲۲۸، وتعليقات صديقنا الأستاذ عبد الفتاح أبى غدة عليه)
وهذا الكلام لا يؤخذ على إطلاقه، فمحله -فيما أرى -إذا كان ضعف الحديث محتملاً، وكان العمل هو عمل الصحابة والسلف لا عمل المتأخرين، ولم يقم فى وجه الحديث معارض شرعى معتبر وهذه القيود الثلاثة موجودة معًا فى الأحاديث التى أوجبت الزكاة فى عشرين دينارًا فإن أسانيدها قريبة من القبول، وعليها عمل السلف، ولم يقم ما يعارضها بل وجد ما يوافقها، وهو مساواة العشرين دينارًا للمائتين من الدراهم(فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱، ص ۲۵۱، ۲۵۲، المبحث الاول زكاة النقود)

پھر اس کے بعد سونے کے نصاب سے متعلق چند احادیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

''غرض سونے کے نصاب کی صراحت بھی اگر چہ احادیثِ نبویہ میں کر دی گئی تھی، اور صحابۂ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، لیکن سونے کے رواج کی قلت کے باعث یہ احادیث درجۂ شہرت کو نہ پہنچ سکیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ کا جو نصاب مقرر فرمایا، اور جس کا بار بار اعلان فرماتے رہے وہ دراصل چاندی ہی کا نصاب تھا، بعد میں اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا نصاب بھی الگ مقرر فرمایا، لیکن صورتِ حال یہ ہرگز نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً سونے کا نصاب مقرر فرمایا ہو، اور بعد میں اس کی مساوی قیمت کی چاندی کو اس کے تابع کر کے اس کا نصاب الگ مقرر فرمایا ہو، بلکہ ابتداءً جو نصاب مقرر ہوا اور جس پر آپ نے صحابۂ کرام سے عمل کرایا، وہ چاندی ہی کا نصاب تھا، جسے مقرر کرتے وقت یہ بات ہرگز پیشِ نظر نہیں رہی کہ اتنی چاندی کتنے سونے کے مساوی ہوتی ہے؟ لہٰذا اب ہمارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ ہم سونے کے نصاب کو اصل قرار دے کر اس کے مساوی اتنی چاندی کو نصاب قرار دے دیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمائے ہوئے چاندی کے نصاب سے زائد ہو، بلکہ احادیث وآثار کی روشنی میں یہ بات تو بعض فقہاء کے نزدیک قابلِ غور رہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو اصل قرار دے کر اس کے مساوی سونے کو سونے کا نصاب قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے برعکس کا احادیث کی روشنی میں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو سونے یا چاندی کے نصاب میں اجتہاد کے ذریعہ ردوبدل کا کسی کو اختیار نہیں رہتا'' (ایضاً صفحہ نمبر ۳۵۳ و ۳۵۴)

اور مزید آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

''پھر سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجود تفاوت اور بڑھتے ہوئے معیارِ زندگی کے پسِ منظر میں جو اشکال سوالنامے میں کیا گیا ہے اگر وہ واقعی اشکال ہے تو یہ پچھلے زمانوں میں بھی پیش آ چکا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کو ہم سے بہت زیادہ پیش آیا ہوگا، کیونکہ اس وقت دنیا کی فاتح قوم مسلمان تھے، قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں اور خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو چکے تھے، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مفتوحہ ممالک کا مالِ غنیمت اور فیٔ ان میں تقسیم ہو رہا تھا، وہ کروڑوں غیر مسلموں کا جزیہ وخراج وصول کر رہے تھے، بین الاقوامی تجارت میں ان کو برتری حاصل تھی، ان کا ترقی یافتہ تہذیب وتمدن دوسری قوموں کے لئے قابلِ رشک بنا ہوا تھا، مال ودولت کی فراوانی کے باعث مستحقینِ زکاۃ آسانی سے نہ ملتے تھے، برخلاف ہمارے، جو اس وقت دنیا کی پس ماندہ قوم بن کر جی رہے ہیں، ہمارا معیارِ زندگی دوسری اقوام کے مقابلے میں اتنا بلند نہیں ہوسکتا، جتنا ہمارے اسلاف کا اپنی معاصر اقوام کے مقابلہ میں تھا، اس کے باوجود انہوں نے نصاب کی سطح بلند کرنے کی کوشش کی نہ ایک نصاب کو دوسرے کے قیمت کے تابع کرنا منظور کیا، حالانکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں جو نسبت عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ میں تھی، بعد کی صدیوں میں وہ نسبت باقی نہ رہی تھی، عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، لیکن دورِ بنوامیہ کے نصف آخر میں اس کی قیمت بارہ درہم ہوگئی، بنوعباس کے دور میں یہ قیمت بڑھ کر پندرہ درہم سے بھی تجاوز کر گئی اور فاطمین کے زمانہ میں حاکم کے دورِ حکومت میں تو یہ قیمت ۳۴ درہم تک جا پہنچی اور بعض اوقات ۳۵ درہم تک ایک دینار کی قیمت ہوگئی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اس تفاوت سے جس طرح ہم کو واسطہ پیش آ رہا ہے، ہمارے اسلاف کو بھی اپنے دورِ عروج میں پیش آ چکا ہے، مگر انہوں نے پھر بھی ایک کے نصاب کو دوسرے کی قیمت کے تابع نہیں کیا، چاندی کا نصاب الگ رکھا، سونے کا الگ، جس کی وجہ وہی ہے کہ یہ نصاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر فرمودہ ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے" (ایضاً صفحہ نمبر ۳۵۵ تا ۳۵۷)

اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ:

وَلَا يُقَالُ الدِّيْنَارُ كَانَ مُقَوَّمًا بِعَشَرَةٍ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ لِأَنَّ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَوْقَاتِ وَالْأَمْكِنَةِ فِيْ قِلَّةِ الْوُجُوْدِ وَكَثْرَةِ الْوُجُوْدِ وَلَيْسَ هٰذَا الْحُكْمُ شَرْعِيًّا لِيُصَارَ فِيْ مَعْرِفَتِهٖ إِلٰى مَا كَانَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(المبسوط للسرخسی) [1]

ترجمہ: اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کے ساتھ لگائی جاتی تھی (اس لئے ہر زمانہ میں یہی تناسب مقرر ہونا چاہئے) کیونکہ یہ ایسی چیز ہے، جو اوقات اور مقامات کے اختلاف سے کم وبیش ہونے سے مختلف ہوتی رہتی ہے (یعنی چیزوں کی پیداوار اور وجود کی وجہ سے قیمتوں میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے) اور یہ کوئی شرعی حکم بھی نہیں ہے کہ اس کی معرفت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تناسب کو حجت قرار دیا جائے (مبسوط)

معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب اور چاندی کا نصاب، دونوں اپنی جگہ مستقل ہیں۔

---

[1] ج۹ ص ۱۷۹، کتاب السرقة، السارق دين على المسروق منه.

اور ہم اس کتاب کے شروع میں سونے کے بیس مثقال، یا بیس دینار نصاب ہونے سے متعلق متعدد ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں کہ جن کو محدثین نے حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔

اس لئے بیس دینار، یا بیس مثقال سونے کا نصاب احادیثِ معتبرہ سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ امت کی اکثریت سے بھی تائید شدہ ہے، اور سونے کا یہ نصاب اپنی جگہ برحق ہے، جس طرح سے کہ چاندی کا نصاب اپنی جگہ برحق ہے، اور یہ دونوں نصاب اپنی ذات میں مستقل ہیں، اس لئے آج کل جو بعض لوگ سونے یا چاندی کے نصاب کو ایک دوسرے کے تابع سمجھتے ہیں، اور اسی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سے کم سونا ہو، جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، اور اس کی ملکیت میں اس کے علاوہ کوئی اور زکاۃ کا مال (چاندی، مالِ تجارت اور کرنسی) بالکل نہ ہو، تو بھی اس پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے، یہ بات راجح نہیں ہے۔

اور جمہور فقہائے کرام کے اصولوں کے مطابق سونے اور چاندی کے دونوں نصابوں کی مالیت کے ایک دوسرے سے متفاوت ومختلف ہونے سے اس مسئلے پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اور دونوں کی مستقل حیثیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

قابلِ فروخت زیور کی زکاۃ کا طریقہ

اگر کسی کے پاس تجارت کا مال سونے کے زیور کی شکل میں ہو، تو آیا اس صورت میں زکاۃ واجب ہونے کا تعلق اس کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا، یا وزن کے اعتبار سے ہوگا؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات اس کے تجارت کا مال ہونے کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے قیمت کے لحاظ سے زکاۃ کو واجب قرار دیتے ہیں، کہ جب اس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت کو پہنچ جائے، تو زکاۃ واجب ہو جاتی ہے، خواہ اس کا وزن ساڑھے سات تولہ کی مقدار سے کم ہی کیوں نہ ہو، جبکہ بعض حضرات اس صورت میں اس کے

سونے کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے وزن کے لحاظ سے زکاۃ کو واجب قرار دیتے ہیں کہ جب اس کا وزن ساڑھے سات تولہ کے برابر ہو جائے، تو بھی زکاۃ واجب ہوگی، اوراس سے کم ہونے کی صورت میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ اس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر یا زیادہ ہی کیوں نہ ہو (جس کی تفصیل مالِ تجارت کی زکاۃ کے بیان میں گزر چکی ہے)

فطرانہ کے نصاب میں بھی سونے، چاندی کا نصاب مستقل ہے

اور راجح یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہونے اور زکاۃ کا مصرف ہونے کے اعتبار سے بھی سونے اور چاندی کے یہ دونوں نصاب اپنی ذات میں مستقل ہیں، اوران میں سے کوئی نصاب دوسرے کے تابع نہیں۔

پس اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولے سے کم صرف سونا ہو، جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، اوراس کے علاوہ کوئی اور مال بالکل نہ ہو (یعنی نہ چاندی ہو، نہ مالِ تجارت، نہ کرنسی اور نہ ہی حاجتِ اصلیہ سے زائد کوئی سامان) تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا، اوراس کو زکاۃ لینا جائز ہوگا۔

چنانچہ المحیط البرہانی میں ہے کہ:

وَفِيُهِ قَالَ هِشَامٌ: سَأَلُتُ مُحَمَّدًا عَنُ رَجُلٍ لَهُ تِسُعَةَ عَشَرَ دِيُنَارًا تُسَاوِيُ ثَلٰثَمِائَةَ دِرُهَمٍ، هَلُ يَسَعُهُ أَنُ يَّأُخُذَ الزَّكَاةَ؟ قَالَ: نَعَمُ، وَلَا يَجِبُ عَلَيُهِ صَدَقَةُ رَأُسِهٖ.

أَشَارَ إِلٰى أَنَّ الُغِنٰى إِنَّمَا يَثُبُتُ بِمَا فِيُ يَدِهٖ، وَالُمَالِيَّةُ لَيُسَتُ فِيُ يَدِهٖ، وَإِنَّمَا فِيُ يَدِهِ الُعَيُنُ، وَبِالُعَيُنِ لَا يَثُبُتُ الُغِنٰى شَرُعًا (المحیط البرھانی فی الفقه النعمانی، جزء٣ صفحه ٢٩٣ کتاب الزکاة، الفصل الثامن: من یوضع فیه الزکاة)

ترجمہ: اوراسی (منتقیٰ) میں ہے کہ ہشام نے فرمایا کہ میں نے امام محمد سے اس

شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جس کے پاس انیس دینار ہوں، جو تین سو درہم کی مالیت کے برابر ہوں، تو کیا اس کو زکاۃ لینا جائز ہے؟ امام محمد نے فرمایا کہ جی ہاں! اوراس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہیں۔

امام محمد نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ غناء (ومالداری) اپنے ہاتھ میں جو چیز ہو، اس سے ثابت ہوتی ہے، اوراس کے ہاتھ میں (مالِ تجارت یا کرنسی وغیرہ کی شکل میں) مالیت نہیں ہے، بلکہ اس کے ہاتھ میں تو عین (سونا) ہے، اور عین کے ساتھ شرعاً غناء ثابت نہیں ہوتا (تا آنکہ وہ عین وزن کے اعتبار سے نصاب کے بقدر نہ ہو) (محیط)

اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں بھی محیط کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ [1]

صاحبِ محیطِ برہانی نے امام محمد رحمہ اللہ کی اس روایت کو ''المنتقیٰ'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی ذکر کردی ہے۔

اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جس کے پاس مثلاً انیس دینار ہوں (یعنی سونا ساڑھے سات تولہ کی مقدار سے کم ہو) لیکن اس کی مالیت تین سو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی سے بھی زیادہ) ہو، تو اس کو زکاۃ لینا جائز ہے، اوراس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہیں۔

ساتھ ہی اس کی دلیل بھی معلوم ہوئی کہ غناء ہاتھ میں جو مال ہے، اس کا نصاب پورا ہونے سے متحقق ہوتا ہے، اوراس کے ہاتھ میں تین سو درہم کی مالیت موجود نہیں، بلکہ اس کے ہاتھ میں تو عین یعنی انیس دینار ہیں (جو کہ اپنے نصاب سے کم ہیں) لہٰذا اس سے شرعاً غناء

---

[1] چنانچہ فتاویٰ التتارخانیہ کی عبارت یہ ہے کہ:

وفيه قال هشام :سألت محمداً عن رجل له تسعة عشر ديناراً تساوى ثلثمائة درهم، هل يسعه أن يأخذ الزكاة؟ قال :نعم، ولا يجب عليه صدقة رأسه أشار إلى أن الغنى إنما يثبت بما فى يده، والمالية ليست فى يده، إنما فى يده العين، وبالعين لا يثبت الغنى شرعاً (الفتاوىٰ التاتار خانية،جلد۲ صفحه ۲۸۱، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، فى المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة)

ومالداری کا ثبوت نہیں ہوگا، کیونکہ جب صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تو وہ اپنے وزن پر محمول ہوتا ہے، نہ کہ مالیت وقیمت پر۔

ملحوظ رہے کہ صاحبِ بحر نے اس سلسلہ میں امام محمد رحمہ اللہ سے دوروایات کا منقول ہونا ذکر فرمایا ہے، اور ایک روایت کی نسبت محیط کی طرف اور دوسری روایت کی نسبت ظہیریہ کی طرف فرمائی ہے۔

چنانچہ صاحبِ بحر فرماتے ہیں کہ:

وَقُيِّدَ بِمِلْكِ النِّصَابِ ؛ لِأَنَّ مَنْ مَلَكَ مَا دُونَهُ يَحِلُّ لَهُ أَخْذُهَا إذَا كَانَ قِيمَتُهُ لَا تَبْلُغُ نِصَابًا ، وَلَوْ كَانَ صَحِيحًا مُكْتَسِبًا قَيَّدْنَا بِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ تِسْعَةَ عَشَرَ دِينَارًا تُسَاوِي ثَلَاثَمِائَةِ دِرْهَمٍ لَا تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ كَذَا فِي الْمُحِيطِ عَنْ مُحَمَّدٍ ، وَفِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ خِلَافُهُ قَالَ: وَقَالَ هِشَامٌ :سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ رَجُلٍ لَهُ تِسْعَةَ عَشَرَ دِينَارًا تُسَاوِي ثَلَاثَمِائَةِ دِرْهَمٍ هَلْ يَسَعُهُ أَنْ يَأْخُذَ قَالَ نَعَمْ ، وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص۲۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ترجمہ: اور نصاب کے مالک ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو، تو اسے زکاۃ کا لینا حلال ہے، جبکہ اس کی قیمت نصاب کو نہ پہنچتی ہو، اگر چہ وہ تندرست اور کمانے کے لائق ہو، ہم نے یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر کسی کے پاس انیس دینار ہوں، جو کہ تین سو درہم کی مالیت کے برابر ہوں، تو اس کو زکاۃ حلال نہیں، محیط میں امام محمد سے اسی طرح مروی ہے، اور فتاویٰ ظہیریہ میں اس کے خلاف ہے، جس میں یہ قول ہے کہ حضرت ہشام نے کہا کہ میں نے امام محمد سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جس کے پاس انیس دینار ہوں، جو تین

سو درہم کی مالیت کے برابر ہوں، تو کیا اس کو زکاۃ لینا جائز ہے؟ امام محمد نے فرمایا کہ جی ہاں! اور اس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہیں (بحر)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ایک محیط تو ''المحیط البرہانی'' کے نام سے معروف ہے، جو امام علامہ برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن صدر الشہید برہان الائمۃ عبدالعزیز بن عمر بن مازۃ بخاری حنفی کی ہے، جس کی تلخیص واختصار خود صاحبِ کتاب نے ''ذخیرہ'' کے نام سے کی ہے، اور المحیطُ البرہانی اس وقت مطبوع شکل میں موجود ہے۔

اور ایک محیط سرخسی یا رضوی ہے، جو باوجود تلاش کے اس وقت دستیاب نہیں ہو سکی، اور بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب بعض مقامات پر مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔ [۱]

---

[۱] چنانچہ صاحبِ کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:

المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی :
للشیخ الإمام العلامة برهان الدین :محمود بن تاج الدین :أحمد بن الصدر الشهید برهان الأئمة : عبد العزیز بن عمر بن مازه البخاری الحنفی ، المتوفی :سنة ٦١٦.
وهو :ابن أخی الصدر الشهید :حسام الدین ، فی مجلدات ، ثم اختصره ، وسماه :(الذخیرة) وکثیرا ما یغلط فیه الطلبة فیظنون أن صاحب (المحیط البرهانی الکبیر) أیضا رضی الدین : محمد بن محمد السرخسی ولیس کذلک.
أوله :(الحمد لله خالق الأشباح بقدرته وفالق الإصباح برحمته . . .الخ)
قال ابن الحنائی :تتبعت ترجمته فی کتب (الطبقات) فلم أظفر وأصحابنا یفرقون بین المحیطین فی التلقیب فیقولون للکبیر :(المحیط البرهانی) وللصغیر :(المحیط السرخسی)
قال :وقد وقع فی رأیی أن أتشبه بهم بتألیف أصل جلیل یجمع جل الحوادث الحکمیة والنوازل الشرعیة لیکون عونا لی فی حال حیاتی فجمعت مسائل :(المبسوط) و (الجامعین) و (السیر) و (الزیادات) و ألحقت بها مسائل :(النوادر) و (الفتاوی) و (الواقعات) و ضممت إلیها من :الفوائد التی استفدتها من والدی ومن مشایخ زمانی وأثبت أکثر المسائل بدلائل یعول علیها لکن وهم (٢/١٦٢٠) الإتقانی حیث قال فی :(المأذون من غایة البیان)
قال برهان الدین الصدر الکبیر صاحب (المحیط) : عبد العزیز بن عمر بن أبی سهل المعروف : بمازه فی طرقیة الخلاف . . .الخ) . انتهی .
فظن أن المحیط له وإنما وقع فی الغلط لاشتراکهما فی اللقب ومن الدلیل الظاهر علی أن (المحیط) و (الذخیرة) لبرهان الدین الصغیر أن فیهما نقولا لتلمیذه من الصدر الشهید فکیف یکونان لوالده.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صاحبِ بحر نے محیط کی طرف جس روایت کی نسبت فرمائی ہے، اگر اس سے محیطِ برہانی مراد ہے تو اس میں ہمیں وہ روایت بسیار تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہوسکی، بلکہ محیطِ برہانی میں امام محمد رحمہ اللہ کا وہی قول مذکور ہے، جس کی نسبت صاحبِ بحر نے ظہیریہ کی طرف فرمائی ہے، اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی مذکور ہے، جیسا کہ ہم اس عبارت کو پہلے ذکر کرچکے ہیں۔

اور اگر صاحبِ بحر کی مراد محیطِ سرخسی یا رضوی ہو تو اس کتاب کا اصل نسخہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں، کہ اس میں مراجعت کی جاسکے، اور ہمیں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ بحر کی محیط سے مراد محیطِ سرخسی یا رضوی ہے۔ لے

اگر یہ بات درست مان لی جائے کہ صاحبِ بحر کی محیط سے مراد محیطِ رضوی ہے، اور اس میں یہ جزئیہ موجود ہے، تب بھی اصول کا تقاضا یہ ہے کہ محیطِ برہانی اور صاحبِ بحر کے بقول ظہیریہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحيط الرضوى أربع مجلدات .
له أيضا المحيط الرضوى .
مجلدان فيه أيضا لرضى الدين ابن العلا الصدر الحميد تاج الدين :محمد بن محمد بن محمد السرخسى الحنفى المتوفى :سنة ٦٧١، إحدى وسبعين وستمائة (٥٤٤)
و (محيطه) : ثلاثة محيطات ، الأول :عشر مجلدات ، والثانى :أربع مجلدات ، والثالث : مجلدان ، وهذه الثلاثة :موجودة بمصر والشام والروم ، وقال ابن الحنائى فى :(حاشيته على الدرر) : على قوله فى أوائل الكتاب واختاره فى (المحيط) ما نصه أراد (محيط) الإمام رضى الدين :محمد بن محمد السرخسى، وهو :ثلاث نسخ ، الأولى :كبرى وهى :المشهورة والمرادة :(بالمحيط) حيث أطلق غالبا ، والثانية :وسطى ، والثالثة :صغرى (كشف الظنون ج٢ص ١٦١٩، ١٦٢٠،باب الميم)

لے واليتيمة والمحيط الرضوى قيل لم يقف المصنف على المحيط البرهانى ولا على الذخيرة البرهانية التى هى مختصر المحيط وهما لمصنف واحد وهو الإمام برهان الدين محمود بن تاج الدين بن ماذة وهو ابن أخ الصدر الشهيد عمرو بن برهان الدين عبد العزيز بن عمر بن ماذه وأبوه أيضا إمام كبير يعرف بتاج السعيد إلا أنه لم يعرف له مؤلف مشهور و كثيرا ما يغلط الطلبة فيظنون أنه صاحب المحيط الكبير أعنى برهان الدين محمد بن محمد السرخسى وليس كذلك (انتهى) أقول سيأتى فى كلام المصنف النقل عن المحيط البرهانى فإن صح ما ذكره هذا القائل يكون نقل المصنف عنه بالواسطة (غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر المعروف بشرح الحموى ج ا ص ٥٠،مقدمة الكتاب)

کی روایت کو ترجیح ہو۔ ۱؎

۱؎ ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے محیط برہانی کو غیر موثوق اور لا یجوز الافتاء منہا فرمایا ہے، لیکن اس کی وجہ ان کے زمانے میں اس کتاب کا مفقود اور اس کے نسخے کا نادر ہونا تھی، ورنہ اس کتاب اور اس کے مؤلف کے معتبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ اسی شبہ کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولااريد ان اسهب فى الكلام عن "المحيط البرهانى "فانه قد اغنانى عن ذلك محقق الكتاب، ولكنى اريد ان انوّه بانّ ماذكره ابن عابدين رحمه الله فى "شرح عقود رسم المفتى" من كون "المحيط البرهانى"من الكتب غير الموثوق بها، وممالايجوز الافتاء منها، انما كان مبنيا على كونه مفقودا، وكون نسخه نادرة ، وليس على اساس كونه لايوثق بمؤلفه، او لكونه جامعا للرطب واليابس، قد نبه على ذالک الامام عبداللحيي اللكنوى رحمه الله تعالىٰ فى "النافع الكبير" مقدمة "الجامع الصغير" فلاينبغى ان يغترّ الطالب بما اشتهر عن العلامة ابن عابدين وغيره من كونه لايوثق به .والحق ان هذا الكتاب من المصادر الموثوقة فى الفقه الحنفى، جمع فيه المؤلف مسائل الاصول والنوادر والفتاوىٰ بترتيب جيد، وحيث قد وجدت عدة نسخ له من بلاد مختلفة ونسخها المحقق بعد المقارنة بينها، فلامانع اليوم من الاستفادة منه والاعتماد عليه فى الفتوىٰ والدراسات بمراعاة القواعد المعروفة (تقديم :المحيط البرهانى ج ا ص٧،٨ ، مطبوعة، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية،كراتشى ،طبع اول ١٤٢٤ هـ)

اور علامہ عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ نے پہلے تو الجامع الصغیر کے مقدمہ میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

ومن هذا القسم :المحيط البرهانى فإن مؤلفه وإن كان فقيها جليلا معدودا فى طبقة المجتهدين فى المسائل (كما مر وستأتى ترجمته فى الفصل الرابع) لكنهم نصوا على أنه لا يجوز الإفتاء منه لكونه مجموعا للرطب واليابس قال زين العابدين بن نجيم المصرى فى رسالته المصنفة فى بعض صور الوقف ردا على بعض معاصريه نقله عن المحيط البرهانى :كذب لأن المحيط البرهانى مفقود كما صرح به ابن أمير الحاج الحلبى فى شرح منية المصلى وعلى تقدير أنه ظفر به دون أهل عصره لم يجز الإفتاء منه ولا النقل منه كما صرح فى فتح القدير من كتاب القضاء انتهى (مقدمة:الجامع الصغير،الفصل الاول ص٢٨مطبوعة، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية،كراتشى ،سنِ طباعت ١٤١١هـ)

لیکن پھر بعد میں اس کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ:

فقد وفقنى الله بعد كتابة هذه الرسالة بمطالعة "المحيط البرهانى"فرأيته ليس جامعا للرطب واليابس بل فيه مسائل منقحة ، وتفاريع مرصعة ،ثم تأملت فى عبارت فتح القدير وعبارة ابنِ نجيم فعلمت ان المنع من الافتاء منه ليس لكونه جامعا للغث والسمين ،بل لكونه مفقودا نادرالوجود فى ذلک العصر، وهذا امر يختلف بحسب اختلاف الزمان فليحفظ هذا (ايضاً حواله بالا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ ائمۂ حنفیہ سے ظاہر الروایۃ میں تکمیلِ نصاب کے سلسلہ میں جو ضابطہ دلائل کے ساتھ منقول ہے، اس کو ایک غیر مدلل وخلافِ اصول روایت کے مقابلہ میں ترجیح دینا درست معلوم نہیں ہوتا، جس کی رُو سے سونے کے نصاب کا چاندی کے نصاب کے تابع ہونا لازم آتا ہے، اور یہ موقف جمہور فقہائے کرام کے خلاف ہے۔

اب اصل مسئلہ یہ ہوا کہ جس کے پاس بحالتِ انفراد بیس دینار (یعنی صرف ساڑھے سات تولہ) سے کم سونا ہو (چاندی، اور مالِ تجارت، اور حاجت وضرورت سے زائد وفارغ کسی قسم کا بھی تھوڑا سا مال اور سامان نہ ہو) تو اس شخص میں حنفیہ کے نزدیک غناء ومالداری کا وہ درجہ متحقق نہیں ہوگا، جس پر قربانی وصدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، اور اس کو زکاۃ اور صدقاتِ واجبہ لینا ممنوع ہوتا ہے، جیسا کہ وجوبِ زکاۃ والے غناء ومالداری کا درجہ بھی اس کے حق میں متحقق نہیں ہوتا، کما مر تفصیلاً۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان

۲/ شعبان المعظم/ ۱۴۳۵ھ، 01/ جون/ 2014ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

آج المحیط البرہانی مطبوع شکل میں موجود ہے، لیکن محیطِ سرخسی مطبوع شکل میں دستیاب نہیں، یہ بھی اختلافِ زمان کی دلیل ہے، بہر حال المحیط البرہانی فقہ حنفی کے مراجع کی معتمد کتاب ہے۔ محمد رضوان۔

(۳)

الحلة الرابعة فی ضوء الحاجة الاصلية

کیا لباس کا چوتھا جوڑا خارج از حاجت ہے؟

حنفیہ کی بعض عربی واردو فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر کیا گیا ہے کہ پہننے کے تین عدد جوڑوں سے زائد لباس حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اور اسی وجہ سے کسی کے پاس پہننے کے تین عدد جوڑوں سے زائد جوڑوں کی قیمت نصاب کے برابر ہو، یا دوسرے زائد از ضرورت سامان کے ساتھ مل کر اس کی قیمت نصاب کے برابر ہو جائے، تو ایسے شخص کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی بھی واجب ہے، اور آج کل بہت سے بلکہ اکثر لوگوں کے پاس پہننے کے تین سے زائد جوڑے ہوتے ہیں، اور اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کی ضرورت آج کل پہننے کے تین جوڑوں سے پوری نہیں ہوتی، اس لئے انہیں اپنے پہننے کے لئے تین سے زائد جوڑے رکھنے پڑتے ہیں، خواہ کام کاج اور محنت ومزدوری کی وجہ سے، یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے، حالانکہ وہ اپنی تمدنی ومعاشرتی زندگی میں غریب اور تنگ دست ہوتے ہیں، اور ان کے حق میں تین سے زائد پہننے کے جوڑوں کو خارج از ضرورت وحاجت قرار دینے، اور اس کی وجہ سے انہیں زکاۃ کے مصرف اور غریب کی فہرست سے خارج کر کے زکاۃ وصدقات سے محروم قرار دینے اور مزید براں ان پر صدقۂ فطر وقربانی واجب ہونے کا حکم لگانے میں سخت مشکل پیش آتی ہے، جبکہ بہت سے فقہائے کرام نے سردی وگرمی وغیرہ سے بچاؤ والے کپڑے اور عام پہننے کے لباس کو حاجتِ اصلیہ میں مشغول قرار دیا ہے، ایسی صورت میں اس تعارض وٹکراؤ اور مشکل کا کیا حل نکالا جائے؟ اس سلسلہ میں عوام کے علاوہ بعض اہلِ علم حضرات کو بھی شبہ پیش آیا کرتا ہے، اسی سلسلہ میں بندہ محمد رضوان نے کچھ عرصہ

پہلے ایک مضمون تحریر کیا تھا، جس کی اشاعت کی نوبت نہیں آسکی تھی، اب بندہ نے اس مضمون کو نظرِ ثانی کے بعد، زکاۃ سے متعلق کتاب ہٰذا کا حصہ بنا کر شائع کرنا مناسب سمجھا، وہ مضمون ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید میں لباس کے دو اہم فوائد

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (سورة الاعراف ،رقم الآية ٢٦)

ترجمہ: اے بنی آدم! تحقیق نازل کیا ہم نے تمہارے لئے لباس کو جو چھپاتا ہے، تمہاری شرمگاہ کو اور زینت بھی ہے (سورہ اعراف)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو لباس کا نعمت ہونا اور لباس کے دو فائدے بتائے ہیں، ایک یہ کہ وہ شرم والے اعضاء کو چھپاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس میں انسان کی زینت ہے، یعنی لباس پہن کر انسان کا جسم مزین وخوبصورت محسوس ہوتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ لباس فی نفسہ اللہ تعالیٰ کی اہم نعمت ہے، اور اس کا استعمال عبادت ہے، جب تک کہ اس میں کوئی گناہ شامل نہ ہو۔ [1]

---

[1] (يا بنى آدم قد أنزلنا عليكم لباسا) أى خلقناه لكم (يوارى) يستر (سوآتكم وريشا) وهو ما يتجمل به من الثياب (تفسير الجلالين، تحت رقم الآية ٢٦ من سورة الاعراف)

يمتن تعالى على عباده بما جعل لهم من اللباس والريش، فاللباس ستر العورات وهى السوآت، والرياش والريش ما يتجمل به ظاهرا، فالأول من الضروريات والريش من التكملات والزيادات (تفسير ابنِ كثير، تحت رقم الآية ٢٦ من سورة الاعراف)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

احادیث میں تکبر اور اسراف کے بغیر لباس پہننے کا حکم

حضرت عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ قَـالَ: كُلُوْا، وَاشْرَبُوْا، وَتَصَدَّقُوْا، وَالْبَسُوْا، فِيْ غَيْرِ مَخِيْلَةٍ وَلَا سَرَفٍ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُرٰى نِعْمَتُهُ عَلٰى عَبْدِهٖ (مسند احمد، رقم الحدیث ٦٧٠٨) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھاؤ اور پیو، اور صدقہ کرو، اور پہنو، تکبر اور فضول خرچی کے بغیر، بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت اس کے بندے پر دکھائی دے (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيْهِ نَارًا (ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، تو اس کو اللہ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس ذلت کے لباس میں آگ بھڑکائے گا (ابنِ ماجہ، مسند احمد، ابوداؤد)

آیت مذکورہ اور ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ستر چھپانے اور بدن کی زینت حاصل کرنے اور اللہ کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے مزین لباس پہننا اچھی بات ہے، لیکن اس

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٣٦٠٧، كتاب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، واللفظ لهٗ، سنن ابى داؤد، رقم الحديث ٤٠٢٩، باب فى لبس الشهرة، مسند احمد، رقم الحديث ٥٦٦٤.

قال المنذرى: رواه ابن ماجه بإسناد حسن (الترغيب والترهيب ج٣ص٨٣، كتاب اللباس والزينة)
و قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

میں اسراف، فضول خرچی اور تکبر و شہرت کو اختیار کرنا جائز نہیں۔ [1]

لباس کی مختلف صورتوں کا اجمالی حکم

اور فقہائے کرام نے فرمایا کہ ستر کو چھپانے کے لئے لباس پہننا اور اسی طریقہ سے سردی اور گرمی سے حفاظت کے لئے لباس کا استعمال کرنا فرض و واجب درجہ کا عمل ہے۔ [2]

اور زینت اور اظہارِ نعمت کے طور پر لباس کا استعمال کرنا مستحب ہے، بطورِ خاص جمعہ اور عیدین اور لوگوں کے مجامع میں مزین لباس کا استعمال مندوب ہے۔ [3]

---

[1] (كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا فى غير إسراف) أى مجاوزة حد (ولا مخيلة) كعظيمة بمعنى الخيلاء وهو التكبر وقيل بوزن مفعلة من اختال إذا تكبر أى بلا عجب ولا كبر (والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا) ولفظ رواية النسائى وابن ماجه "كلوا واشربوا وتصدقوا ما لم يخف إسراف ولا مخيلة "وهذا الخبر جامع لفضائل تدبير المرء نفسه والإسراف يضر بالجسد والمعيشة والخيلاء تضر بالنفس حيث تكسبها العجب وبالدنيا حيث تكسب المقت من الناس وبالآخرة حيث تكسب الإثم(حم ن هـ ك عن ابن عمرو) بن العاص وقال الحاكم :صحيح وهو عندهم من رواية عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال المنذرى :ورواته إلى عمرو ثقات محتج بهم فى الصحيح(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٦٤٠٢)

(من لبس ثوب شهرة) : أى ثوب تكبر وتفاخر وتجبر، أو ما يتخذه المتزهد ليشهر نفسه بالزهد، أو ما يشعر به المتسيد من علامة السيادة كالثوب الأخضر، أو ما يلبسه المتفقهة من لبس الفقهاء ، والحال أنه من جملة السفهاء .(فى الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة) : ضد المعزة (يوم القيامة) : أى جزاء وفاقا ;فإن المعالجة بالأضداد، ومفهومه أن من اختار ثوب مذلة وتواضع لله فى الدنيا ألبسه الله ثوب معزة فى العقبى، قال القاضى :الشهرة ظهور الشىء فى شيئه بحيث يشهر به صاحبه، والمراد بثوب شهرة ما لا يحل لبسه، وإلا لما رتب الوعيد عليه، أو ما يقصد بلبسه التفاخر والتكبر على الفقراء والإذلال بهم وكسر قلوبهم، أو ما يتخذه المساخر ليجعل به نفسه ضحكة بين الناس، أو ما يرائى به من الأعمال، فكنى بالثوب عن العمل وهو شائع قال الطيبى :والوجه الثانى أظهر لقوله :ألبسه الله ثوب مذلة وفى النهاية :أى أشمله بالذل كما يشمل الثوب البدن(مرقاة المفاتيح، ج٧ص ٢٧٨٢، كتاب اللباس)

[2] استعمال اللباس تعتريه الأحكام الخمسة :فالفرض منه :ما يستر العورة ويدفع الحر والبرد، قال تعالى :(يا بنى آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد) أى ما يستر عورتكم عند الصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص ١٣٠ ،مادة "ألبسة")

[3] والمندوب إليه أو المستحب :هو ما يحصل به أصل الزينة وإظهار النعمة، قال تعالى :(وأما بنعمة ربك فحدث) وعن أبى الأحوص عن أبيه قال:دخلت على النبى صلى الله عليه وسلم فرآنى سىء الهيئة فقال :ألك شىء ؟ قلت :نعم، من كل المال قد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جس لباس میں تکبر اور بڑائی کا مظنہ وخطرہ ہو،اس کا پہننا مکروہ ہے۔ ۱

اور کبر و بڑائی اور فخر وتفاخر اور شہرت کی غرض ونیت سے لباس کا پہننا حرام ہے،اور مرد حضرات کو ریشم کا لباس پہننا بھی حرام ہے،وغیرہ وغیرہ۔ ۲

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی اور سردی وگرمی سے حفاظت کی خاطر استعمال ہونے والے لباس کا پہننا،انسان پر لازم ہے،اور جو چیز استعمال کرنا انسان پر لازم ہو،اس کو انسان کی ضرورت وحاجت سے خارج کرنا خلافِ عقل ہے،لہٰذا ستر پوشی اور سردی گرمی سے حفاظت کا لباس انسان کی ضرورت میں داخل ہوگا،اور زینت والا لباس اس درجہ کی ضرورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ آتاني الله تعالى، فقال :إذا كان لك مال فلير عليك.

وعن ابن عمرو رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده .ومن المندوب :اللبس للتزين، ولا سيما في الجمع والأعياد ومجامع الناس، لحديث عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :ما على أحدكم إن وجد سعة أن يتخذ ثوبين ليوم الجمعة غير ثوبي مهنته ومحله إذا لم يكن للتكبر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦،ص ١٣٠ ،مادة "ألبسة")

۱ والمكروه :هو اللباس الذي يكون مظنة للتكبر والخيلاء ، لحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :وكلوا واشربوا والبسوا من غير إسراف ولا مخيلة .

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال :كل ما شئت، والبس ما شئت، ما أخطأتك اثنتان :سرف ومخيلة والمخيلة هي الكبر .وقال عبد الله بن عمرو :قلت :يا رسول الله :أمن الكبر أن يكون لي الحلة فألبسها؟ قال :لا .قلت :أمن الكبر أن تكون لي راحلة فأركبها؟ قال :لا .قلت :أمن الكبر أن أصنع طعاما فأدعو أصحابي؟ قال :لا .الكبر أن تسفه الحق وتغمص الناس وسفه الحق :جهله. وغمص الناس :احتقارهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦،ص ١٣٠ ،مادة "ألبسة")

۲ والحرام :هو اللبس بقصد الكبر والخيلاء ، لما ورد في الأحاديث السابقة.

ومن الحرام لبس الحرير والذهب مثلا بالنسبة للرجال، ولو بحائل بينه وبين بدنه، ما لم يدع إلى لبسه ضرورة، أو مرض كحكة به، فيلبس الحرير لذلك، لما روى عن علي رضي الله عنه قال : أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم حريرا فجعله في يمينه، وذهبا فجعله في شماله .فقال :إن هذين حرام على ذكور أمتي.

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي، وأحل لإناثهم.

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال " :إنما نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الثوب المصمت من الحرير أي الخالص الذي لا يخالطه شيء ، وهذا ما عليه عامة الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦،ص ١٣٠ ،مادة "ألبسة")

وحاجت نہیں ہوگا، اگرچہ جائز ومستحب وہ بھی ہے، لیکن کبر وبڑائی اور فخر وتفاخر اور شہرت والا لباس نہ تو حاجت میں داخل ہو کر فرض یا واجب ہے، اور نہ ہی زینت میں داخل ہو کر مستحب ومندوب ہے، بلکہ مکروہ وممنوع ہے۔

تین جوڑوں سے زائد لباس کی وجہ سے غنی ہونے کا حکم

اس کے بعد عرض ہے کہ حنفی فقہ کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین جوڑوں سے زائد لباس حاجت وضرورت میں داخل نہیں، اور اسی وجہ سے تین جوڑوں سے زائد لباس کو غنی ہونے میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن فقہ حنفی کی کئی عبارات ایسی بھی ہیں کہ ان میں لباس کی تعداد کو بیان کئے بغیر گرمی اور سردی سے حفاظت کی خاطر عام پہنے جانے والے لباس کو حاجت میں شمار کیا گیا ہے، جبکہ حنفیہ کے یہاں زینت وتجمل کی خاطر استعمال ہونے والے لباس کو حاجت میں شمار نہیں کیا گیا۔

آگے اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(ا)...... فتاویٰ ہندیہ کی کتاب الاضحیہ میں خلاصۃ الفتاویٰ سے نقل کرتے ہوئے مذکور ہے کہ:

وَصَاحِبُ الثِّيَابِ لَيْسَ بِغَنِيٍّ بِثَلَاثِ دَسْتَجَاتٍ إِحْدَاهَا لِلْبِذْلَةِ وَالْأُخْرٰى لِلْمِهْنَةِ وَالثَّالِثَةُ لِلْأَعْيَادِ وَهُوَ غَنِيٌّ بِالرَّابِعَةِ (الفتاوى الهندية، ج۵. ص۲۹۳، كتاب الأضحية، الباب الأول)

ترجمہ: اور کپڑوں والا شخص تین جوڑوں کی وجہ سے غنی ومالدار شمار نہیں ہوتا، ان میں سے ایک جوڑا تو عام استعمال کے لئے ہوتا ہے، اور دوسرا جوڑا کام کاج کے لئے ہوتا ہے، اور تیسرا جوڑا عید وغیرہ کے لئے ہوتا ہے، اور وہ چوتھے جوڑے کی وجہ سے غنی (ومالدار) شمار ہوتا ہے (ہندیہ)

(۲)...... اور ردُّ المحتار کی کتابُ الاضحیہ میں ہے کہ:

وَصَاحِبُ الثِّيَابِ الْأَرْبَعَةِ لَوْ سَاوَى الرَّابِعُ نِصَابًا غَنِيٌّ وَثَلَاثَةٌ فَلَا، لِأَنَّ أَحَدَهَا لِلْبِذْلَةِ وَالْآخَرَ لِلْمِهْنَةِ وَالثَّالِثَ لِلْجَمْعِ وَالْوَفْدِ وَالْأَعْيَادِ

(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶، ص۳۱۲، کتاب الأضحية)

ترجمہ: اور چار جوڑوں والا شخص، اگر اس کا چوتھا جوڑا نصاب کی مالیت کے برابر ہے، تو وہ غنی ومالدار شمار ہوتا ہے (اور اس چوتھے جوڑے کو قربانی واجب ہونے میں محسوب وشمار کیا جاتا ہے) اور تین جوڑوں کی وجہ سے کوئی غنی ومالدار شمار نہیں ہوتا، کیونکہ ان تین جوڑوں میں سے ایک تو عام استعمال کے لئے ہوتا ہے، اور دوسرا کام کاج کے لئے ہوتا ہے، اور تیسرا جمعہ، عیدین اور وفد (یعنی مہمان داری وغیرہ) کے لئے ہوتا ہے (ردالمحتار)

فتاویٰ قاضی خان کے صدقۂ فطر کے بیان میں بھی تین جوڑوں سے زائد لباس کو حاجت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ [1]

بعض حضرات نے عربی زبان میں ''ثیابِ بذلہ'' اور ''ثیابِ مہنہ'' کے ایک ہی معنیٰ کئے ہیں، لیکن بعض اہلِ لغت نے ''ثیابِ بذلہ'' عام معمول وعادت کے مطابق گھر میں پہنے جانے والے لباس کو، اور ''ثیابِ مہنہ'' کام کاج کے دوران پہنے جانے والے لباس کو قرار دیا ہے، اور کیونکہ اوپر کی عبارات میں ''بذلہ'' اور ''مہنہ'' کے الفاظ، ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوئے ہیں، اس لئے یہاں دونوں الفاظ سے الگ الگ قسم کے لباس مراد لینا

---

[1] والغنى الذى هو شرط لوجوب صدقة الفطر أن يملك نصاباً أو مالاً قيمته قيمة نصاب فاضلاً عن مسكنه وثياب بدنه وأثاثه وفرسه وسلاحه ولا يعتبر فيه وصف النماء وما زاد على الواحدة و الدستجات الثلاثة من الثياب يعتبر فى الغنى وكذا الزيادة على فرسين والزيادة على الواحدة من الدواب لغير الغازى من فرس أو حمار للدهقان وغيره وكذا الخادم وكتب الفقه لأهله ما زاد نسخته من رواية واحدة وفى التفسير والأحاديث ما زاد على الاثنين ومن المصاحف لمن يحسن القراءة ما زاد على الواحد وقيل كل من ذلك معتبر (فتاوى قاضى خان، ج۱، ص۱۶۴، كتاب الصوم، فصل فى صدقة الفطر)

مناسب ہے، اور اسی کے مطابق مندرجہ بالا عبارات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ [1]

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حنفیہ کے نزدیک پہننے کے تین جوڑے تو حاجت میں داخل سمجھے جاتے ہیں، اور تین سے زائد جوڑے، حاجت سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔

سردی، گرمی سے حفاظت والا لباس حاجت میں داخل ہے

اور حنفیہ کی بعض کتابوں میں سردی یا گرمی سے حفاظت کے لئے استعمال ہونے والے لباس کو کسی خاص تعداد کی قید لگائے بغیر حاجت میں داخل مانا گیا ہے۔

(۳)...... چنانچہ ردُّ المحتار کی کتابُ الزکاۃ میں ابنِ ملک سے نقل کیا گیا ہے کہ جو لباس سردی یا گرمی سے حفاظت کی غرض سے ہو، وہ حاجت میں داخل ہے۔

ردُّ المحتار کی عبارت اس طرح ہے کہ:

(قَوْلُهُ وَفَسَّرَهُ ابْنُ مَلِكٍ)أَيْ فَسَّرَ الْمَشْغُولَ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَالْأَوْلٰى فَسَّرَهَا، وَذٰلِكَ حَيْثُ قَالَ:وَهِيَ مَا يَدْفَعُ الْهَلَاكَ عَنِ الْإِنْسَانِ تَحْقِيقًا كَالنَّفَقَةِ وَدُوْرِ السُّكْنٰى وَآلَاتِ الْحَرْبِ وَالثِّيَابِ الْمُحْتَاجِ إِلَيْهَا لِدَفْعِ الْحَرِّ أَوِ الْبَرْدِ أَوْ تَقْدِيرًا كَالدَّيْنِ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۲۶۲، کتاب الزکاۃ)

---

[1] ثوب البذلة :ما يلبس فی البيت عادة.

ثوب عصب :نوع من برود اليمن يصبغ غزله.

ثوب المهنة :ما يلبس أثناء العمل(معجم لغة الفقهاء، ج ۱ ص ۱۵۵، حرف الثاء)

(م ه ن) : وثوب المهنة ثوب الخدمة وثوب البذلة ما يتبذل به كل وقت وقال الأصمعی الصحيح المهنة بفتح الميم وبالكسر باطل والامتهان الابتذال(طلبة الطلبة فی الاصطلاحات الفقهية، ج ۱ ص ۱۸، کتاب الزکاۃ)

ثياب البذلة، بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة :وهی المهنة وزنا ومعنی(عمدة القاری للعينی، ج ۱۱ ص ۸۰، کتاب الصوم، باب من أقسم علی أخيه ليفطر فی التطوع ولم ير عليه قضاء إذا كان أوفق له)

ترجمہ: اور ابنِ ملک نے حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو انسان سے حقیقت میں ہلاکت کو دور کرے، جیسا کہ نان، نفقہ (یعنی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے کی ضرورت اور سامان) اور رہنے کے گھر اور لڑائی کے آلات (اسلحہ وغیرہ) اور وہ کپڑے جن کی گرمی یا سردی دور کرنے کے لئے ضرورت ہو، یا تقدیری طور پر ہلاکت کو دور کرے، جیسا کہ دَین (وقرض) (ردالمحتار)

(۴)......اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ:

وَكَذَا لَوْ كَانَ لَهُ كِسْوَةُ الشِّتَاءِ تُسَاوِیْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ وَهُوَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا فِی الصَّيْفِ يَجُوْزُ لَهُ أَخْذُ الزَّكَاةِ (فتاوی قاضی خان، ج۱،ص ۱۸۴، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: اور اسی طریقہ سے اگر اس کے پاس سردیوں کے کپڑے ہیں، جو دوسودرہم (چاندی کی مالیت) کے برابر ہیں، اور وہ ان کپڑوں کا گرمیوں میں محتاج نہیں ہوتا، تو اس کو زکاۃ لینا جائز ہے (قاضی خان)

اور بھی کئی کتبِ فقہ میں اسی طرح سے گرمی اور سردی سے حفاظت کے لئے استعمال ہونے والے لباس کو تعداد کی قید لگائے بغیر حاجت میں مشغول وداخل ہونے کا حکم مذکور ہے۔ [۱]

---

[۱] وقال نصير :فيمن كان له كسوة الشتاء ، وهو لا يحتاج إليها فی الصيف، أنه يحل له أخذ الزكاة، وإن بلغ قيمتها مائتی درهم وزيادة(المحيط البرهانی،ج۲،ص۲۸۷،كتاب الزكاة،الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه)

وحلت لمن له كسوة الشتاء لا يحتاج إليها فی الصيف(البحر الرائق،ج۲،ص ۲۶۲،كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

ولو كان له كسوة الشتاء ولا يحتاج إليها فی الصيف جاز الصرف(حاشية الشلبی،علٰی تبيين الحقائق،ج۱،ص ۳۰۲،كتاب الزكاة،باب المصرف)

ولو كان له كسوة الشتاء لا يحتاج إليها فی الصيف جاز الصرف(فتح القدير،ج۲،ص۲۷۸،كتاب الزكاة،باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس کے حاجت میں مشغول ہونے کے متعلق حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی بنیاد گرمی اور سردی وغیرہ سے حفاظت پر ہے، اور جس لباس کی صرف سردی میں ضرورت پیش آئے یا صرف گرمی میں ضرورت پیش آئے، وہ بھی حاجت میں داخل ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر گرمی وسردی سے حفاظت کا مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی کو تین جوڑوں سے زائد کی حاجت ہو، تو وہ بھی حاجت میں مشغول سمجھے جائیں گے۔

چنانچہ اگر کسی علاقہ میں مخصوص موسم کی وجہ سے برسات وغیرہ کے موسم میں تیسری قسم کے جوڑے کی ضرورت وحاجت ہو، تو ان کو بھی حاجت میں مشغول سمجھا جانا چاہئے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ سردی ہو یا گرمی، پورے موسم میں ایک ہی لباس پہنے رکھنا ممکن نہیں ہوتا، بلکہ لباس کے میلا یا ناپاک وغیرہ ہونے کی صورت میں اسے تبدیل کر کے دوسرا لباس پہننے کی ضرورت بھی کثرت سے پیش آیا کرتی ہے، اور میلا وناپاک ہونے کے بعد فوری طور پر اس کو دھونے میں بھی بعض اوقات مشکلات پیش آتی ہیں۔

اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سردی وگرمی وغیرہ سے حفاظت کی خاطر استعمال ہونے والے تین جوڑوں سے زائد لباس کو بھی حاجت میں داخل وشامل کیا جائے، خصوصاً جبکہ فقہائے کرام نے ستر پوشی اور گرمی وسردی سے حفاظت کی خاطر لباس کے استعمال کو فرض وواجب قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

استعمالی اور پہنے جانے والا لباس حاجت میں داخل ہے

اور حنفیہ ہی کی کئی کتابوں میں ایک تیسرا قول بھی ہے، جس میں استعمال ہونے اور پہنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان له كسوة الشتاء يساوى نصاباً ولا يحتاج إليه فى الصيف يجوز له أخذ الزكاة (الفتاوى البزازية، ج ۱، ص ۴۰، كتاب الزكاة)

ولو له قوت سنة يساوى نصابا أو كسوة شتوية لا يحتاج إليها فى الصيف، فالصحيح حل الأخذ (الاشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر، ج ۲ ص ۶۲، كتاب الزكاة)

جانے والے لباس کو بغیر کسی خاص تعداد کی قید وشرط کے حاجت میں داخل قرار دیا گیا ہے۔

(۵)...... چنانچہ ردُّ المحتار ہی میں کتابُ الزکاۃ کے ''بابُ مصرفِ الزکاۃ'' میں استعمال کے کپڑوں کو تعداد کی قید کے بغیر حاجت میں مشغول قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے کہ:

(قَوْلُهُ: مُسْتَغْرِقٌ فِي الْحَاجَةِ) كَدَارِ السُّكْنٰى وَعَبِيْدِ الْخِدْمَةِ وَثِيَابِ الْبِذْلَةِ (رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۳۳۹،کتاب الزکاۃ،باب مصرف الزکاۃ والعشر)

ترجمہ: حاجت میں مشغول چیز، جیسا کہ رہنے کا گھر، اور خدمت گزار غلام، اور استعمالی کپڑے (ردالمحتار)

اس عبارت میں استعمالی کپڑوں کو کسی تعداد کی قید کے بغیر حاجت میں مشغول قرار دیا گیا ہے۔

(۶)......اور ابوبکر جصاص نے ''احکامُ القرآن'' میں فرمایا کہ:

مَنْ لَّهُ ثِيَابُ الْكِسْوَةِ ذَاتُ قِيْمَةٍ كَثِيْرَةٍ لَا تَمْنَعُهُ إِعْطَاءَ الزَّكَاةِ (احکام القرآن للجصاص ، ج ۱ ص ۵۶۰، سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: جس کے پاس پہننے کے کپڑے پیش بہا قیمتی ہوں، تو وہ اس کو زکاۃ دینے کے لئے مانع نہیں ہوتے (احکام القرآن)

اس عبارت میں بھی پہننے کے کپڑوں کو بغیر تعداد کے حاجت میں داخل قرار دیا گیا ہے۔

(۷)......اور فتاویٰ قاضی خان کی کتابُ الحج میں ہے کہ:

وَمَنْ لَّهُ دَارٌ لَا يَسْكُنُهَا أَوْ ثِيَابٌ لَا يَلْبِسُهَا كَانَ عَلَيْهِ أَنْ يَّبِيْعَ وَيَحُجَّ بِثَمَنِهَا إِنْ كَانَ بِثَمَنِهَا وَفَاءٌ بِالْحَجِّ لِأَنَّهُ فَاضِلٌ عَنْ حَاجَتِهٖ (فتاوی قاضی خان، ج ۱ ،ص ۱۹۳ ،کتاب الحج)

ترجمہ: اور جس کے پاس ایسا گھر ہو، جس میں وہ رہتا نہ ہو، یا ایسے کپڑے ہوں،

جن کو وہ پہنتا نہ ہو، تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کو فروخت کر کے، اس کی قیمت سے حج کرے، اگر ان کی قیمت سے حج ہوسکتا ہو، کیونکہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے زائد ہیں (قاضی خان)

اس عبارت میں نہ پہنے جانے والے کپڑوں کو حاجت سے خارج قرار دیا گیا ہے، جس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ جو لباس پہنا جاتا ہو، وہ حاجت میں داخل و مشغول ہونا چاہئے۔

(۸)...... اور ہدایہ کی شرح بنایہ میں ہے کہ:

(وَثِيَابُهُ) ش: أَىُ الثِّيَابُ الَّتِىُ يَلْبِسُهَا هُوَ م: (لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ مَشْغُوْلَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ) ش: وَالْمَشْغُوْلُ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ فِىُ حُكْمِ الْعَدَمِ (البناية شرح الهداية، ج۴ص ۱۴۶، كتاب الحج، ما تتحقق به الاستطاعة فى الحج)

ترجمہ: اور اس کے وہ کپڑے، جن کو وہ پہنتا ہے، یہ تمام اشیاء، حاجتِ اصلیہ میں مشغول کہلاتی ہیں، اور حاجتِ اصلیہ میں مشغول چیز معدوم (و ناموجود) کے حکم میں ہوتی ہے (بنایہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جس لباس کو پہنا جائے، وہ حاجت میں مشغول کہلاتا ہے۔

اور بھی کئی کتابوں میں بغیر کسی قید کے استعمال ہونے والے یا پہنے جانے والے کپڑوں کو حاجت میں شمار کیا گیا ہے۔ [1]

(۹)...... بہشتی زیور میں ہے کہ:

---

[1] والثانى الغنى الذى يتعلق به حرمان الصدقة ويتعلق به وجوب صدقة الفطر والأضحية دون وجوب الزكاة وهو أن يملك من الأموال الفاضلة عن حوائجه ما تبلغ قيمته مائتى درهم بأن كان له ثياب وفرش ودور وحوانيت ودواب زيادة على ما يحتاج إليه للابتذال لا للتجارة والأسامة.
ثم مقدار ما يحتاج إليه ما ذكر أبو الحسن فى كتابه فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وخدم وما يتأثث به فى منزله وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله ما لم يكن له فضل عن ذلك مائتا درهم (تحفة الفقهاء ،للسمرقندى، ج ۱ ،ص ۳۰۲، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

''رہنے کا گھر اور پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کی گھرستی جو اکثر کام میں رہتی ہے، یہ سب ضروری اسباب میں داخل ہیں، اس کے ہونے سے مالدار نہیں ہوگی، چاہے جتنی قیمت کی ہو، اس لئے اس کو زکاۃ کا پیسہ دینا درست ہے، اسی طرح پڑھے ہوئے آدمی کے پاس اس کی سمجھ اور برتاؤ کی کتابیں بھی ضروری اسباب میں داخل ہیں'' (بہشتی زیور، حصہ سوم، صفحہ ۳۱)

''کسی کے پاس رہنے کا بڑا بھاری گھر ہے کہ اگر بیچا جائے تو ہزار پانچ سو (اور اس دور میں لاکھوں) کا بکے اور پہننے کے بڑے قیمتی قیمتی کپڑے ہیں، مگر ان میں گوٹہ لچکا نہیں اور خدمت کے لئے دو چار خدمت گار ہیں، گھر میں ہزار پانچ سو (اور اس دور میں لاکھوں) کا ضروری اسباب بھی ہے، مگر زیور نہیں اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے، یا کچھ اسباب ضرورت سے زیادہ بھی ہے اور کچھ گوٹہ لچکا اور زیور بھی ہے، لیکن وہ اتنا نہیں جتنے پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، تو ایسے پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے'' (ایضاً صفحہ ۳۴)

مذکورہ عبارات میں بھی پہننے کے کپڑوں کو کسی تعداد کے بغیر حاجت میں مشغول قرار دیا گیا ہے، اور ان کی وجہ سے غنی و مالدار شمار نہ ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ہر استعمال ہونے والے لباس کو ایک مقام و درجہ حاصل نہیں، کیونکہ کسی لباس کا استعمال ستر پوشی یا سردی و گرمی سے حفاظت کی خاطر ہوتا ہے، اور کسی کا استعمال زینت کی خاطر ہوتا ہے، اور کسی کا استعمال کبر اور فخر و تفاخر اور شہرت کے طور پر ہوتا ہے۔

زینت والا لباس حاجت سے خارج ہے

اسی وجہ سے حنفیہ کی بعض عبارات میں بدن پر پہنے جانے والے اور سردی و گرمی کے لباس کو حاجت میں مشغول قرار دے کر، اس سے ایسے سامان کو خارج قرار دیا گیا ہے کہ جو زینت کی

غرض سے ہو۔

(۱۰)...... چنانچہ ردُّ المحتار کی ''بابُ مصرفِ الزکاۃ'' کی گزشتہ عبارت کے چند صفحات کے بعد ردالمحتار ہی میں مذکور ہے کہ:

قَالَ فِي الْبَدَائِعِ: قَدْرُ الْحَاجَةِ هُوَ مَا ذَكَرَهُ الْكَرْخِيُّ فِيْ مُخْتَصَرِهٖ فَقَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يُّعْطٰى مِنَ الزَّكَاةِ مَنْ لَّهٗ مَسْكَنٌ، وَمَا يَتَأَثَّثُ بِهٖ فِيْ مَنْزِلِهٖ وَخَادِمٌ وَفَرَسٌ وَسِلَاحٌ وَثِيَابُ الْبَدَنِ وَكُتُبُ الْعِلْمِ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِهٖ، فَإِنْ كَانَ لَهٗ فَضْلٌ عَنْ ذٰلِكَ تَبْلُغُ قِيْمَتُهٗ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ حَرُمَ عَلَيْهِ أَخْذُ الصَّدَقَةِ...... وَلَوْ لَهٗ كِسْوَةُ الشِّتَاءِ وَهُوَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا فِي الصَّيْفِ يَحِلُّ، ذُكِرَ هٰذِهِ الْجُمْلَةُ فِي الْفَتَاوٰى. اهـ......مَا كَانَ مِنْ أَثَاثِ الْمَنْزِلِ وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَوَانِي الْإِسْتِعْمَالِ مِمَّا لَا بُدَّ لِأَمْثَالِهَا مِنْهُ فَهُوَ مِنَ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الْحُلِيِّ وَالْأَوَانِي وَالْأَمْتِعَةِ الَّتِيْ يُقْصَدُ بِهَا الزِّيْنَةُ إِذَا بَلَغَ نِصَابًا تَصِيْرُ بِهٖ غَنِيَّةً (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲،ص ۳۴۷،۳۴۸، ملخصاً، کتاب الزکاۃ،باب مصرف الزکاۃ والعشر)

ترجمہ: بدائع میں فرمایا کہ حاجت کی مقدار وہ ہے، جس کو کرخی نے اپنی مختصر میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس شخص کو زکاۃ دی جائے، جس کا گھر ہو، اور اس کے گھر میں استعمال ہونے والی چیزیں ہوں، اور خادم ہوں اور گھوڑا ہو اور اسلحہ ہو اور بدن کے کپڑے ہوں، اور علمی کتابیں ہوں، اگر وہ ان کتابوں کا اہل ہے، پس اگر ان سے زائد چیزیں ہوں، جن کی قیمت دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کو پہنچ جائے، تو اسے صدقہ لینا حرام ہے (......اور چند سطور کے بعد ہے کہ......) اور اگر اس کے پاس سردیوں کے کپڑے ہوں، جن کی اسے گرمیوں میں ضرورت پیش نہ آتی ہو، تب بھی اسے زکاۃ لینا حلال ہے، یہ تمام مسائل فتاویٰ میں مذکور ہیں (......اور چند سطور کے بعد ہے کہ

......)(عورت کے پاس جہیز وغیرہ کی شکل میں) جو گھر کا سامان ہوتا ہے، اور بدن کے جو کپڑے ہوتے ہیں اور استعمال کے جو برتن ہوتے ہیں، یا ان کے مثل دوسری چیزیں، جو ضروری ہوں، تو یہ چیزیں حاجتِ اصلیہ میں شمار ہوتی ہیں، اور جو چیز اس (ضرورت وحاجت) سے زیادہ ہوگی، جیسا کہ زیور اور برتن اور وہ سامان جس کا مقصد زینت حاصل کرنا ہوتا ہے، جب وہ نصاب کی مالیت کے برابر ہو جائے، تو وہ عورت مالدار شمار ہوتی ہے (ردالمحتار)

اس عبارت میں بدن کے لباس کو حاجت میں شمار کیا گیا ہے، البتہ جس سامان کا مقصود زینت حاصل کرنا ہو، اس کو حاجت سے خارج قرار دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جو لباس زیب وزینت کی غرض سے ہو، وہ حاجت میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ حاجت سے زائد سمجھا جائے گا، اور ابتداء میں لباس کی مختلف صورتوں کا جو حکم بیان کیا گیا، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ زینت کا درجہ ستر پوشی اور سردی وگرمی کی حفاظت سے کم ہے۔ [1]

---

[1] علامہ شامی نے بدائع کی جس عبارت کا اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حوالہ دیا ہے، بدائع کی وہ مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے کہ:
ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصري أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.
وقوله :كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهذا؛ لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء .
وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور الغلة لكن غلتها لا تكفيه ولعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد وزفر، وعند أبي يوسف لا يحل وعلى هذا إذا كان له أرض وكرم لكن غلته لا تكفيه ولعياله، ولو كان عنده طعام للقوت يساوي مائتي درهم فإن كان كفاية شهر تحل له الصدقة وإن كان كفاية سنة، قال بعضهم :لا تحل، وقال بعضهم :تحل؛ لأن ذلك مستحق الصرف إلى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم. وقد روى أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ادخر لنسائه قوت سنة .
ولو كان له كسوة شتاء وهو لا يحتاج إليها في الصيف يحل له أخذ الصدقة ذكر هذه الجملة في الفتاوى، وهذا قول أصحابنا (بدائع الصنائع، ج۲، ص۴۸، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه)

(۱۱)......اور بدائع الصنائع میں ہے کہ:

اَلْاِعْدَادُ لِلتَّجَمُّلِ وَالتَّزَيُّنِ دَلِيْلُ الْفَضْلِ عَنِ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ (بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۷، فصل صفة نصاب الزكاة فى الفضة)

ترجمہ: تجمل اور زینت حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز رکھنا، حاجتِ اصلیہ سے فاضل ہونے کی دلیل ہے (بدائع)

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لباس صرف زینت و تجمل کے لئے ہو، جیسا کہ شادی بیاہ کے موقع پر، دولہا اور دولہن کے لئے زیب و زینت کی غرض سے قیمتی اور مہنگا ترین لباس تیار و مہیا کیا جاتا ہے، یا اسی طرح لباس کے اوپر بعض مہنگی ترین اور قیمتی اشیاء صرف زیب و زینت کی غرض سے پہنی جاتی ہیں، جیسا کہ کوئی شخص صرف زیب و زینت کی خاطر لباس کے اوپر قیمتی جبہ یا کوٹ یا واسکٹ وغیرہ استعمال کرتا ہے، تو ایسی چیز یا ایسا لباس حنفیہ کے نزدیک حاجت سے زائد سمجھا جاتا ہے۔

البتہ اگر کوئی لباس بنیادی طور پر ستر چھپانے، یا گرمی و سردی وغیرہ کی حفاظت کے لئے تیار کیا گیا ہو، اور اس کے ضمن میں تجمل اور زینت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہو، جس کی وجہ سے اس لباس کی قیمت میں اضافہ ہو گیا ہو، تو وہ حاجت سے زائد نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ فقہائے کرام نے رہائشی مکان کے بارے میں بھی یہی حکم بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں راجح قول

اور مذکورہ اقوال میں سے ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ جو لباس صرف زیب و زینت کی غرض سے ہو، وہ تو حنفیہ کے نزدیک حاجت میں داخل نہیں، اور جو زینت کے بجائے ستر پوشی کی غرض سے یا سردی و گرمی وغیرہ سے حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہو، وہ حاجت میں داخل ہے، خواہ وہ چوتھا جوڑا ہو، یا پانچواں، یا اس سے بھی زیادہ۔

مگر مذکورہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، اور شوافع وغیرہ کے نزدیک جو لباس زینت کے لئے ہو، اس کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا، اور اس کو زکاۃ لینا جائز ہوتا ہے۔

اور یہ بات پہلے شروع ہی میں ذکر کی جاچکی ہے کہ کبر، فخر وتفاخر اور شہرت والا لباس مکروہ وممنوع ہے، لہٰذا اگر کوئی لباس زینت کے بجائے کبر، فخر وتفاخر اور شہرت کی غرض سے پہنا جائے، خواہ وہ دولہا یا دولہن کا ہی شادی کے موقع کا لباس ہو، تو وہ حنفیہ کے ساتھ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بھی حاجت سے زائد سمجھا جائے گا۔ ۱؎

حاجت میں عرف وزمانہ کا دخل

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوگیا کہ بہت سے حنفی فقہائے کرام نے عام طور پر ضرورت کی چیزیں ذکر کرتے ہوئے کپڑوں کی معین تعداد کو ذکر نہیں کیا، بلکہ کپڑوں سے متعلق مختلف قسم

۱؎ ولا یمنع الفقر :مسکن الفقیر وثیابه وإن كانت للتجمل، وخادمه الذى يحتاج إليه، وماله الغائب فى مرحلتين، وكسب لا يليق به، وكتب العلم إن كان من أهله، لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التى لا بد للإنسان منها.

وطالب العلم الذى يمنعه الكسب عن طلب العلم فقير، فتعطى له الزكاة، ويترك الكسب لتعدى نفعه وعمومه، بخلاف من تفرغ للعبادة والنوافل، فلا تعطى له الزكاة

لقصور نفعها عليه، فيجب عليه الاكتساب وتركها .وتفصيل ذلک فى مصطلح :(طالب علم ف ۴، زكاة ف ۱۶۲)

ولا يشترط فى الفقير ليعطى الزكاة :الزمانة، ولا التعفف عن المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص ۲۰۱،مادة "فقير")

ولا يمنع الفقر مسكنه وثيابه ولو للتجمل ورقيقه المحتاج له لخدمته وماله الغائب فى مرحلتين (غاية البيان شرح زبد ابن رسلان للرملى، ج ۱ ص۱۴۸، كتاب الزكاة)

ولا يمنع الفقر مسكنه وثيابه وإن كانت للتجمل، وماله الغائب فى مرحلتين(الغرر البهية فى شرح البهجة الوردية، ج۴ص ۷۰، كتاب الزكاة، باب قسم الصدقات)

قوله :(وثيابه) وحلى المرأة كالثياب .قوله :(ولو للتجمل) أى ولو مرة فى العام أى مع كونها لائقة به كالحلى، وكذا يقال فى المسكن نعم إن استغنى بسكنى نحو المدارس قال شيخنا أو بنحو الأجرة منع مسكنه فقره(حاشيتا قليوبى وعميرة، ج۳،ص ۱۹۶، كتاب قسم الصدقات)

کے الفاظ ذکر کئے ہیں مثلاً:

ثیابِ بذلة (یعنی جولباس انسان عام اوقات ومعمول اور عادت کے مطابق پہنتا ہے)ثیابِ مھنة (یعنی وہ لباس جو انسان کام وکاج کے وقت پہنتا ہو)ثیابِ جمعة واعیادو الوفد (یعنی جولباس انسان خاص خاص مواقع مثلاً جمعہ،عیداور آمدورفت وغیرہ کے لئے استعمال کرتا ہو)ثیابِ مستعملة (یعنی جولباس انسان کے عام استعمال کا ہو)ثیابِ ملبوس (یعنی جولباس انسان پہنتا ہو)ثیابِ بدن (یعنی جولباس انسان کے بدن پر استعمال میں آتا ہو)الثیاب المحتاج الیھا لدفع الحرو البرد (یعنی جس لباس کوانسان گرمی اور سردی سے حفاظت کے لئے استعمال کرنے کا محتاج ہو)وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا حاجت میں مشغول واستعمال ہونے نہ ہونے کے لئے ان صفات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا، خواہ تعداد کتنی بھی ہو، کیونکہ اصل علت حاجت ہے،اور حاجت کا تعلق دراصل انسان کی شخصی اور انفرادی ضروریات سے ہے جس میں زمان اور مکان،عرف اور ماحول کے لحاظ سے تبدیلی ہونا عین فطرت کا تقاضا ہے،شخصیات، افراد، حالات اور زمانے کے تغیر وتبدیلی سے انسان کی بنیادی حاجتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔

اور بعض فقہائے کرام نے جو تین جوڑوں سے زائد لباس کو مطلقاً حاجت سے زائد یا خارج قرار دیا ہے، ممکن ہے کہ ان فقہاء کے دور یا ان کی نظر میں بعض لوگوں کے حق میں چوتھا جوڑا حاجت سے زائد سمجھا جاتا ہو،اور وہ مذکورہ اغراض میں سے کسی غرض کے لئے استعمال نہ ہوتا ہو یا وہ صرف زیب وزینت کی غرض سے استعمال ہوتا ہو۔واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں تین جوڑوں سے ہر موسم کے جوڑے مراد لے کر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر موسم میں اس موسم کے مطابق تین جوڑے حاجت میں داخل ہیں، اس اعتبار سے سردی وگرمی وغیرہ جیسے موسموں کا لحاظ کرتے ہوئے سالانہ جوڑوں کی تعداد حاجت کے اعتبار سے کم از کم

چھ بن جاتی ہے، اور بعض اوقات یا علاقوں کے اعتبار سے تعداد اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ مختلف علاقوں میں سالانہ موسموں کی تبدیلی بھی مختلف طرح سے ہوتی ہے، اور وہاں کے باشندوں کو اسی طرح کے لباس کی احتیاج ہوتی ہے۔

اور فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کے ذیل میں رہائشی مکانات، سردی اور گرمی سے تحفظ دینے والے لباس، پیشہ وارانہ آلات اور آلاتِ حرب وغیرہ کو شمار کیا ہے، جن کا تعلق انسان کی شخصی ضروریات وحاجات سے ہے، اوران میں زمان و مکان اور حالات کے تغیر کے اعتبار سے تبدیلی ممکن ہے، اس لئے سب لوگوں کے حق میں یکساں طور پر حاجتِ اصلیہ کی حدود کی تعیین نہیں کی جاسکتی، بلکہ حالات وزمانہ اوراورعرف وماحول کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی ہوتی رہے گی، اورلباس وغیرہ کا معیار زمانہ اور ماحول سے تبدیل ہوتا رہے گا، سواری میں فرق آئے گا، کھانے پینے کی اشیاء میں تبدیلی ہوگی، رہائشی مکانات اور سامان میں فرق ہوگا۔

جیسا کہ حج کی فرضیت کے باب میں فقہائے کرام نے زاد وراحلہ (سواری اور سفری ضروریات واخراجات) کا اعتبار ہر زمانے اور شخصیات وافراد کے اعتبار سے ہونا بیان کیا ہے، ظاہر ہے کہ کسی زمانے میں دور دراز کے لوگوں کے حق میں بھی اونٹ گھوڑا وغیرہ کا مہیا ہونا خواہ اجرت کی شکل میں ہو، حج کے راحلہ یا سواری میں داخل تھا اورآج کے زمانے میں یہ دور دراز کے لوگوں کے حق میں حج کے راحلہ یا سواری میں داخل نہیں، اورآج کل جہاز وغیرہ کے اخراجات پہلے زمانے کی سواری سے کہیں زیادہ ہیں، جبکہ آج کے دور میں گھوڑے، اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے حج کا سفر ممکن ضرور ہے، مگرآج کل کی طبائع کے لحاظ سے اس میں مشقت بہت زیادہ ہے، جو شریعت میں ساقط ہے، اس لئے موجودہ دور میں دوسرے ممالک اور دور دراز کے علاقہ والوں کے لئے جہاز کے اخراجات بھی حج کے

زادوراحلہ اورحاجت میں داخل ہیں، جوکہ پہلے زمانہ میں داخل نہیں تھے۔ [۱]

یہی وجہ ہے کہ بعض مسائل کے ضمن میں فقہائے کرام نے ثیابِ بذلہ اورمہنہ ان کوقرار دیا ہے جولوگوں کے تعامل وتعارف میں رات اور دن میں استعمال ہوتے ہوں، اور زینت والے مواقع پر پہنے جانے والے لباس کواس سے خارج قرار دیا ہے۔ [۲]

اورعورت کے نفقہ کے مسئلہ کے ذیل میں سردی اور گرمی کے لباس میں فقہائے کرام نے زمان ومکان کے عرف وحالات کوموثر مانا ہے،اور ہرموسم کے کپڑوں کوتعداد کے بغیر حاجت میں شمار کیا ہے۔ [۳]

---

۱ وفي كتاب الفقه على المذاهب الاربعة الحنفية:قالو،الاستطا عةهى القدرة على الزاد والراحلة الخ ويعتبر فى الراحلة ما يليق با لشخص عادة وعرفا ،ويختلف ذلك باختلاف احوال الناس.(كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ا ص ۶۳۳ ،بحواله جديد فقهى مباحث ج۶ ص ۳۵۳)

واعتبروا فى الحج الزادوالراحلة المناسبتين للشخص حتى قال فى "فتح القدير"يعتبر فى حق كل انسان مايصح معه بدنه (غمزعيون البصائر مع شرحه الحموى ج ۱ ص ۲۴۶ تحت القاعدة الرابعة المشقة تجلب التيسير الفائدة الاولىٰ)

وينبغي أن يكون قول المصنف شق محمل أو رأس زاملة على التوزيع ليكون الوجوب يتعلق بمن قدر على رأس زاملة بالنسبة إلى بعض الناس، وبالنسبة إلى بعض آخرين لا يتعلق إلا بمن قدر على شق محمل هذا، لأن حال الناس مختلف ضعفا وقوة وجلدا ورفاهية، فالمرفه لا يجب عليه إذا قدر على رأس زاملة وهو الذى يقال له فى عرفنا راكب مقتب، لأنه لا يستطيع السفر كذلك بل قد يهلك بهذا الركوب فلا يجب فى حق هذا لا إذا قدر على شق محمل، ومثل هذا يتأتى فى الزاد فليس كل من قدر على ما يكفيه من خبز وجبن دون لحم وطبيخ قادرا على الزاد، بل ربما يهلك مرضا بمداومته ثلاثة أيام إذا كان مترفها معتاد اللحم والأغذية المرتفعة، بل لا يجب على مثل هذا إلا إذا قدر على ما يصلح معه بدنه (فتح القدير،ج۲ص۴۱۷ كتاب الحج)

۲ والقياس أن لا تدخل ثياب بدنه كما لا يدخل اللجام والسرج والعذار فى بيع الدابة؛ لما قلنا لكنهم استحسنوا فى ثياب البذلة والمهنة وهى التى يلبسها فى اليوم والليلة لتعامل الناس وتعارفهم وأما الثياب النفيسة التى لا يلبسها إلا وقت العرض للبيع فلا تدخل فى البيع لانعدام التعارف فى ذلك فبقى على أصل القياس وهذا مما يختلف باختلاف عرف الناس وعاداتهم فى كل بلد فبنى الأمر فيه على ذلك(بدائع الصنائع ،ج۵ص۱۶۷ ،كتاب البيوع ،فصل فى شرائط الصحة فى البيوع)

۳ وكذلك يفرض لها من الكسوة ما يصلح لها للشتاء والصيف فإن بقاء النفس بهما وكما لا تبقى النفس بدون المأكول عادة لا تبقى بدون الملبوس عادة والحاجة إلى ذلك تختلف باختلاف الأوقات والأمكنة فيعتبر المعروف فى ذلك(المبسوط للسرخسى،ج۵ص ۱۸۱ ،باب النفقة،كتاب النكاح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے علی الاطلاق سب کے حق میں تین جوڑوں سے زائد لباس کو حاجت سے خارج قرار دینا، ہمارے نزدیک راجح نہیں ہے، خصوصاً جبکہ خود فقہائے کرام ہی کے حاجتِ اصلیہ سے متعلق بیان کردہ ضابطوں کی رُو سے ہر شخص کے حق میں اور ہر دور میں تین جوڑوں سے زائد کو حاجتِ اصلیہ سے زائد قرار دینا درست نہ ہو، تو پھر بہر صورت تین جوڑوں سے زائد کو حاجت سے خارج قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ مباح طریقے پر عام استعمال میں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ویجب علیہ من الکسوۃ فی کل سنۃ مرتین صیفیۃ وشتویۃ؛ لأنہا کما تحتاج إلی الطعام والشراب تحتاج إلی اللباس لستر العورۃ ولدفع الحر والبرد ویختلف ذلک بالیسار والإعسار والشتاء والصیف علی ما نذکر إن شاء اللہ تعالی......وإنما کانت النفقۃ والکسوۃ بالمعروف؛ لأن دفع الضرر عن الزوجین واجب وذلک فی إیجاب الوسط من الکفایۃ وھو تفسیر المعروف فیکفیہا من الکسوۃ فی الصیف قمیص وخمار وملحفۃ وسراویل -أیضا فی عرف دیارنا -علی قدر حالہ من الخشن واللین والوسط، والخشن إذا کان من الفقراء واللین إذا کان من الأغنیاء والوسط إذا کان من الأوساط وذلک کلہ من القطن أو الکتان علی حسب عادات البلدان إلا الخمار فإنہ یفرض علی الغنی خمار حریر فی الشتاء یزاد علی ذلک حشویا وفروۃ بحسب اختلاف البلاد فی الحر والبرد(بدائع الصنائع، ج۴ص ۲۴،۲۵،کتاب النفقۃ ،فصل فی بیان مقدار الواجب من النفقۃ ، ملخصاً)

الکسوۃ واجبۃ علیہ بالمعروف بقدر ما یصلح لہا عادۃ صیفا وشتاء کذا فی التتارخانیۃ ناقلا عن الینابیع(الفتاوی الھندیۃ، ج ا ص ۵۵۵ ،الباب السابع عشر ،الفصل الاول ،کتاب الطلاق)

قال مشایخنا -رحمہم اللہ تعالی -ما ذکر محمد -رحمہ اللہ تعالی -فی الکتاب من بیان الخادم وکسوتہا فہو بناء علی عاداتہم، وذلک یختلف باختلاف الأمکنۃ فی شدۃ الحر والبرد وباختلاف العادات فی کل وقت فعلی القاضی اعتبار الکفایۃ فی نفقۃ الخادم فیما یفرض فی کل وقت ومکان إلا أنہ لا یبلغ کسوۃ الخادم کسوۃ المرأۃ کذا فی المحیط(الفتاوی الھندیۃ، ج ا ص ۵۵۶ ،الباب السابع عشر ،الفصل الاول ،کتاب الطلاق)

واعلم أن تقدیر الکسوۃ مما یختلف باختلاف الأماکن والعادات فیجب علی القاضی اعتبار الکفایۃ بالمعروف فی کل وقت ومکان(ردالمحتار، ج۳ص ۵۸۰، کتاب الطلاق ،باب النفقۃ)

آنے والے کپڑے بغیر تعداد کے حاجت میں داخل ہیں اور ہر شخص کے استعمال کی ضرورت وحاجت مختلف ہوسکتی ہے، لہٰذا جن کپڑوں کے استعمال کی انسان کو اپنی نوعیت کے اعتبار سے حاجت ہو، وہ حاجت میں شامل ہیں، البتہ جو کپڑے سال بھر استعمال میں نہ آئیں اور ویسے ہی رکھے رہیں، جیسا کہ عموماً شادی بیاہ کے موقع پر تیار کئے گئے دلہا دلہن کے قیمتی قیمتی جوڑے ویسے ہی رکھے رہتے ہیں، یا جس لباس کا مقصد صرف زیب وزینت ہو، تو وہ حنفیہ کے نزدیک حاجت میں داخل نہیں۔

اوراسی طرح جو لباس کبر وتکبر، فخر وتفاخر اور شہرت والا ہو، وہ بھی حنفیہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک حاجت میں داخل نہیں، بلکہ اس کا استعمال جائز بھی نہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان

۱۰/ رجب المرجب/ ۱۴۳۵ھ، 10/ مئی/ 2014ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(۴)

سائمہ جانوروں کے نصاب سے مستحقِ زکاۃ ہونے کا حکم

اگر کوئی شخص سونے، چاندی، مالِ تجارت، کرنسی اور اضافی سامان کے اعتبار سے تو صاحبِ نصاب یا غنی ومالدار نہ ہو، لیکن سائمہ جانوروں کے اعتبار سے وہ نصاب کا مالک اور غنی ہو، خواہ سائمہ جانوروں کی مالیت دوسو درہم کے برابر ہو یا نہ ہو، تو کیا ایسا شخص زکاۃ کا مصرف و مستحق ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں حنفیہ کے اصحابِ مذہب سے کوئی صریح فیصلہ منقول نہیں، اور مشائخِ حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

اگر اس جہت سے دیکھا جائے کہ سائمہ جانوروں کا نصاب بھی شریعت کی نظر میں نہ صرف یہ کہ غناء ومالداری میں داخل ہے، بلکہ اعلیٰ درجہ کا غناء ہے، جس طریقے سے سونے وچاندی کا نصاب غناء ومالداری ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ مذکورہ شخص زکاۃ کا مستحق نہ ہو۔

اور اسی وجہ سے بعض مشائخِ حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ جس شخص کی ملکیت میں کسی بھی قسم کے سائمہ جانور، نصاب کے برابر ہوں، خواہ ان کی مالیت دوسو درہم کے برابر ہو، یا اس سے کم ہو، تو وہ زکاۃ کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ متعدد مشائخِ حنفیہ نے سائمہ جانوروں کو مالِ نامی اور فارغ عن الحاجۃ الاصلیۃ قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ نجیم فرماتے ہیں کہ:

وَدَخَلَ تَحْتَ النِّصَابِ النَّامِي الْمَذْكُوْرِ أَوَّلًا اَلْخُمُسُ مِنَ الْإِبِلِ السَّائِمَةِ فَإِنْ مَلَكَهَا أَوْ نِصَابًا مِنَ السَّوَائِمِ مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ لَا يَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ لَهُ سَوَاءٌ كَانَ يُسَاوِيْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ أَوْ لَا (البحرالرائق) [1]

[1] ج۲ص۲۴۵، ۲۴۶، کتاب الزكاة، باب المصرف.

ترجمہ: اور مذکورہ نصابِ نامی کے تحت میں اولاً سائمہ پانچ اونٹ بھی داخل ہیں، پس اگر کوئی سائمہ پانچ اونٹوں کا مالک ہوگیا، یا دوسرے سائمہ جانوروں کے نصاب کا مالک ہوگیا، جونسے بھی سائمہ جانور ہوں (مثلاً کم از کم تیس گائے، بھینس، یا کم از کم چالیس بکریاں وغیرہ) تو اس کو زکاۃ دینا جائز نہیں، چاہے وہ (مالیت کے اعتبار سے) دوسو درہم کے برابر ہوں یا نہ ہوں (بحر)

اس کی تائید کئی دیگر مشائخِ حنفیہ کی عبارات سے ہوتی ہے۔ [1]

جن کے پیشِ نظر یہ کہا جائے گا کہ سائمہ جانوروں کے نصاب کو بھی مستقل طور پر سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے تابع ہوئے بغیر غناء ومالداری کے وجود میں دخل ہے۔ [2]

---

[1] فقال الحنفية :الفقير من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب، فإذا ملك نصابا من أى مال زكوى فهو غنى لا يستحق شيئا من الزكاة، فإن ملك أقل من نصاب فهو غير مستحق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص۳۱۳،مادة "زكاة")

وقال الحنفية :هو الغنى الموجب للزكاة، فمن تجب عليه الزكاة لا يحل له أن يأخذ الزكاة، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :إن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم .

ومن ملك نصابا من أى مال زكوى كان فهو غنى، فلا يجوز أن تدفع إليه الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص۳۱۴، مادة "زكاة")

"ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أى مال كان "لأن الغنى الشرعى مقدر (الهداية شرح البداية المبتدى، ج۱ص۱۱۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

(ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أى مال كان) ش :يعنى سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم(البناية شرح الهداية، ج۳ص۴۷۶، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

قال :(ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا) سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض وهو فاضل عن حوائجه الأصلية كالدين فى النقود والاحتياج إلى الاستعمال فى أمر المعاش فى غيرهما لا يجوز دفع الزكاة إليه (العناية شرح الهداية، ج۲ص۲۷۷، ۲۷۸، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

[2] اوران حضرات کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں نصابِ فضہ کے ساتھ سائمہ جانوروں کے نصاب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :ليس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ اس کے برعکس بعض مشائخِ احناف نے فرمایا کہ اگر کوئی سائمہ جانوروں کے نصاب کا مالک ہو، لیکن ان کی مالیت چاندی یا سونے کے نصاب کی مالیت سے کم ہو، تو اس کو زکاۃ لینا جائز ہے۔

بلکہ صاحبِ شرنبلالیہ نے سائمہ جانوروں کے نصاب کے موجود ہونے کی صورت میں جبکہ وہ دو سو درہم کی مالیت سے کم ہو، زکاۃ کے حرام ہونے کے قول کو صاحبِ بحر کا وہم قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، وليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة(بخاری ،رقم الحديث ۱۴۵۹)

اگرچہ یہ حدیث غناء کے پہلے درجے یعنی وجوبِ زکاۃ سے متعلق ہے، لیکن اس سے سائمہ جانوروں کے نصاب کے مالک کا غنی ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ اس قسم کی اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں۔

[1] چنانچہ شرنبلالیہ میں ہے کہ:

(قوله :وغنى) أقول أى يملك نصاب فضة أو ذهب فاضلا عن حوائجه الأصلية أو يملك ما يساوى قيمة نصاب فضة أو ذهب من أى مال كان بلا شرط النماء حتى لو ملك نصاب سائمة كخمس من الإبل لا تساوى مائتى درهم جاز دفع الزكاة إليه وما وقع فى البحر خلاف هذا فهو وهم حيث قال ودخل تحت النصاب الخمس من الإبل السائمة، فإن ملكها أو نصابا من السوائم من أى مال كان لا يجوز دفع الزكاة له سواء كانت تساوى مائتى درهم أو لا وقد صرح به شراح الهداية عند قوله من أى مال كان.اهـ.

فليتنبه له وقد ذكر خلافه فى الأشباه والنظائر فى فن المعاياة فقد ناقض نفسه ولم أر أحدا من شراح الهداية صرح بما ادعاه ممن اطلعت عليه بل عبارتهم مفيدة جواز الدفع لمن ملك نصاب سائمة لا تبلغ قيمتها نصابا غير أنه قال فى العناية ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العرض .اهـ.

فأوهم ما ذكره فى البحر وهو مدفوع؛ لأن قول العناية سواء كان . . .إلخ مقيد تقدير النصاب بالقيمة سواء كان من العرض أو السوائم لما أن العروض ليس نصابها إلا ما يبلغ قيمته مائتى درهم وقد صرح بأن المعتبر مقدار النصاب فى التبيين وغيره واستدل له فى الكافى بقول النبى -صلى الله عليه وسلم -من سأل وله ما يغنيه فقد سأل الناس إلحافا قيل وما الذى يغنيه قال مائتا درهم أو عدلها .اهـ.

فقد شمل الحديث اعتبار السائمة بالقيمة لإطلاقه وقال فى المحيط الغنى الذى يحرم الصدقة ويوجب صدقة الفطر والأضحية هو أن يملك ما يبلغ قيمته مائتى درهم من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر صاحبِ درِمختار نے صاحبِ بحر کی تائید اور شرنبلالیہ کی تضعیف کی ہے۔ ۱

اور علامہ شامی نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں شرنبلالیہ اور صاحبِ بحر کی عبارات پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ نقدین (یعنی سونے اور چاندی) میں تو وزن کا اعتبار ہونا چاہئے، اور نقدین کے علاوہ میں (خواہ وہ سائمہ جانور ہوں) نقدین (یعنی سونے وچاندی) کی مالیت کا اعتبار ہونا چاہئے، جس کے پیشِ نظر اگر کوئی سائمہ جانوروں کے نصاب کا مالک ہو، مگر ان کی مالیت دوسو درہم سے کم ہو، تو اس پر باوجودیکہ سائمہ جانوروں کی زکاۃ واجب ہے، مگر اس کو زکاۃ کا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأموال الفاضلة عن حاجته لقوله -عليه السلام -لا تحل الصدقة لغنى قيل وما الغنى يا رسول الله قال من له مائتا درهم .اهـ.

وقد نص على اعتبار قيمة السوائم فى عدة كتب من غير (وإن) ذكر خلاف فى الأشباه والنظائر كما ذكرنا وفى السراج الوهاج ونظم ابن وهبان وشرحه له وفى شرحه لابن الشحنة.وفى الذخائر الأشرفية.

وفى الجوهرة قال المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتى درهم تحل له الزكاة وتجب عليه وبهذا ظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا أى من جنسه أو لم يبلغ .اهـ .ما نقله عن المرغينانى.

(تنبيه) : قيدنا بكون النصاب فاضلا عن الحاجة تبعا للكمال وغيره حيث قال والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة ثم قال أما إذا كان له نصاب ليس ناميا وهو مستغرق بحوائجه الأصلية فيجوز الدفع إليه كما قدمنا فيمن يملك كتبا تساوى نصبا وهو عالم يحتاج إليها أو هو جاهل لا حاجة له بها .اهـ .قلت إلا أن فى قوله أو هو جاهل لا حاجة له بها نظرا؛ لأنه عطفه على من يجوز دفع الزكاة إليه وأنه لا يجوز له لكنه لما أحال على ما تقدم وهو مفيد أن الجاهل لا يكون مصرفا بملكه كتبا علم حكمه به، وإن كان فى هذا تسامح (حاشية الشرنبلالية على درر الحكام شرح غرر الأحكام ج ا ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

۱ (و)لا إلى (غنى) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلية من أى مال كان، كمن له نصاب سائمة لا تساوى مائتى درهم كما جزم به فى البحر والنهر .وأقره المصنف قائلا :وبه يظهر ضعف ما فى الوهبانية وشرحها من أنه تحل له الزكاة وتلزمه الزكاة اه.لكن اعتمد فى الشرنبلالية ما فى الوهبانية وحرر وجزم بأن ما فى البحر وهم(الدرالمختار، ج ا ص ۱۴۱، كتاب الزكاة،باب المصرف)

علامہ حصکفی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہبانیہ اور اس کی شرح میں مذکور قول ضعیف ہے، اور شرنبلالیہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

لینا جائز ہے۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ زیرِ بحث مسئلہ میں مشائخِ حنفیہ کے دونوں قول ہیں، اور احتیاط پہلے قول میں ہے، لیکن اگر کوئی دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے زکاۃ لے، تو اس کی بھی

---

[1] (قوله :كما جزم به في البحر) حيث قال :ودخل تحت النصاب النامي الخمس من الإبل فإن ملكها أو نصابا من السوائم من أى مال كان لا يجوز دفع الزكاة له سواء كان يساوى مائتى درهم أو لا، وقد صرح به شراح الهداية عند قوله من أى مال كان .اهـ

(قوله :ما في الوهبانية) أى في آخرها عند ذكر الألغاز (قوله :لكن اعتمد في الشرنبلالية إلخ) حيث قال :وما وقع في البحر خلاف هذا فهو وهم فليتنبه له، وقد ذكر خلافه في ألغاز الأشباه والنظائر فقد ناقض نفسه، ولم أر أحدا من شراح الهداية صرح بما ادعاه بل عبارتهم تفيد خلافه حيث إنه قال في العناية :ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض اهـ فأوهم ما في البحر وهو مدفوع؛ لأن قول العناية سواء كان إلخ مفيد تقدير النصاب بالقيمة سواء كان من العروض أو السوائم لما أن العروض ليس نصابها إلا ما يبلغ قيمته مائتى درهم، وقد صرح بأن المعتبر مقدار النصاب في التبيين وغيره، واستدل له ما في الكافي بقوله -صلى الله عليه وسلم -من سأل وله ما يغنيه فقد سأل الناس إلحافا، قيل :وما الذى يغنيه؟ قال :مائتا درهم أو عدلها .اهـ

فقد شمل الحديث اعتبار السائمة بالقيمة لإطلاقه، وقد نص على اعتبار قيمة السوائم في عدة كتب من غير لمعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا من جنسه أو لم يبلغ ا هـ ما نقله عن المرغيناني اهـ ما في الشرنبلالية ملخصا .ووفق ط بأنه روى عن محمد روايتان في النصاب المحرم للزكاة هل المعتبر فيه القيمة أو الوزن؟ ففي المحيط عنه الأول، وفي الظهيرية عنه الثاني.

وتظهر الثمرة فيمن له تسعة عشر دينارا قيمتها ثلثمائة درهم مثلا فيحرم أخذ الزكاة على الأول لا على الثاني .والظاهر أن اعتبار الوزن في الموزون لتأتيه فيه، أما المعدود كالسائمة فيعتبر فيها العدد على الرواية الثانية وعليها يحمل ما في البحر، وعلى رواية المحيط من اعتبار القيمة يحمل ما في الشرنبلالية وغيرها، وبه يندفع التنافي بين كلامهم اهـ

أقول :وفيه نظر فإن قوله :أما المعدود كالسائمة فيعتبر فيها العدد هو مسلم في حق وجوب الزكاة أما في حق حرمة أخذها فهو محل النزاع .فقد يقال إذا كان اختلاف الرواية في الموزون يكون المعدود معتبرا بالقيمة بلا اختلاف كما تعتبر القيمة اتفاقا في العروض، وقد علمت أن ما ذكره في البحر لم يصرح به شراح الهداية وإنما صرحوا بما مر عن العناية، وقد علمت تأويله مع تصريح المرغيناني بما يزيل الشبهة من أصلها فلم يحصل التنافي بين كلامهم حتى يقتحم التوفيق البعيد وإنما حصل التنافي بين ما فهمه في البحر وبين ما صرح به غيره، والواجب الرجوع إلى ما صرحوا به حتى يرى تصريح آخر منهم، بخلافه يحصل به التنافي فحينئذ يطلب منه التوفيق فافهم(رد المحتار، ج٢ص٣٤٨، ٣٤٩، كتاب الزكاة، باب المصرف أى مصرف الزكاة والعشر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گنجائش معلوم ہوتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ ضرورت مند ہو۔ فقط۔

هٰذَا مَا عِنْدِیْ. وَلَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا.

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

محمد رضوان

۲/ شعبان المعظم/ ۱۴۳۵ھ 01 / جون 2014ء، بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله :قيدنا به) أى بقوله إذا كان قيمته أى قيمة ما دون النصاب لا تساوى نصابا (قوله :سواء كان يساوى مائتى درهم أو لا) تبعه على هذه أخوه وتلميذه فى المنح وجزم فى الشرنبلالية بأنه وهم، قال :وقد ذكر خلافه فى الأشباه والنظائر فى فن المعاياة فقد ناقض نفسه، ولم أر أحدا من شراح الهداية صرح بما ادعاه بل عبارتهم مفيدة خلافه غير أنه قال فى العناية :ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض اهـ.

فأوهم ما ذكره، وهو مدفوع؛ لأن قول العناية سواء كان إلخ مفيد تفسير النصاب بالقيمة مطلقا لما أن العروض ليس نصابها إلا ما يبلغ قيمته مائتى درهم، وقد صرح بأن المعتبر مقدار النصاب فى التبيين وغيره، واستدل له فى الكافى بقوله -عليه السلام -من سأل، وله ما يغنيه فقد سأل الناس إلحافا قيل :وما الذى يغنيه قال :مائتا درهم، أو عدلها اهـ.

ونحوه فى المحيط فقد شمل الحديث اعتبار السائمة بالقيمة لإطلاقها وقد نص على اعتبار قيمة السوائم فى عدة كتب من غير خلاف فى الأشباه والسراج والوهبانية وشرحها للمصنف ولابن الشحنة والذخائر الأشرفية، وفى الجوهرة قال المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتى درهم تحل له الزكاة وتجب عليه، وبهذا أظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا أى من جنسه أو لم يبلغ اهـ.

ما نقله عن المرغينانى اهـ ما فى الشرنبلالية.

ووفق بعض محشى الدر المختار بحمل ما مر عن المحيط والظهيرية على اختلاف الرواية عن محمد فى أن المعتبر فى النصاب المحرم الوزن أو القيمة فما فى المحيط الثانى، وما فى الظهيرية الأول والظاهر أن اعتبار الوزن خاص بالموزون لتأتيه فيه أما المعدود كالسائمة فيعتبر فيه العدد بدل الوزن فما فى البحر والنهر والمنح مرور على ما فى الظهيرية وما فى الشرنبلالية على ما فى المحيط، وبهذا يندفع التنافى بين كلام القوم اهـ ملخصا قلت :هذا ممكن، ولكن لو ورد فى كلامهم ما هو صريح فيما قاله المؤلف لحصل التنافى أما مع عدمه على ما ادعاه الشرنبلالى فلا حاجة إليه لعدم التنافى تأمل(منحة الخالق عَلَى البحر الرائق، ج۲ص۲۶۳،۲۶۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

(۵)

غریب کو حاصل شدہ مالِ زکاۃ کا امیر کو استعمال کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر کسی امیر و مالدار شخص نے زکاۃ کی مَد سے کوئی دینی کتاب یا کوئی اور چیز غریب اور ضرورت مند طالبِ علم کو مالک بنا کر دے دی، تو کیا کسی امیر و مالدار شخص کو اس طالبِ علم کی اجازت سے اس کتاب یا اس چیز سے استفادہ کرنا جائز ہوگا کہ نہیں؟

ہم نے بعض علماء سے سنا ہے اور بعض کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ غریب کو زکاۃ میں جو چیز حاصل ہو، اس کا غریب کی اجازت ہونے کے باوجود بھی امیر و مالدار کو استعمال کرنا جائز نہیں، تا آنکہ غریب وہ چیز امیر و مالدار کو باقاعدہ مالک بنا کر نہ دے دے۔

اگر مسئلہ اسی طرح ہو، تو پھر اس میں بڑی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی گنجائش پائی جاتی ہو، تو ازراہِ کرام مدلل انداز میں اس کی رہنمائی فراہم کردی جائے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

جو چیز کسی غریب کو مالکانہ طریقہ پر زکاۃ میں حاصل ہوئی، وہ اگر زکاۃ میں حاصل شدہ بعینہٖ یہ چیز کسی مالدار یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے (یعنی ہاشمی) کو مالک بنا کر دے دے، مثلاً اس مالدار یا ہاشمی کو وہ زکاۃ میں حاصل شدہ چیز ہبہ یا عطیہ کردے، یا زکاۃ کا مال

امیر کوفروخت کردے، یازکاۃ کے مال کے عوض میں امیر ومالدار سے کوئی چیز خرید لے، توان صورتوں میں امیر کے لئے اس مال کا استعمال تملیک پائے جانے یا مالک بنائے جانے کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔

اور جب زکاۃ کی مَد میں حاصل شدہ چیز میں غریب کوئی تصرف کرلے، مثلاً زکاۃ کی مد میں حاصل شدہ گندم کا آٹا بنواکر روٹی تیار کرلے، تواس کے بعداس چیز کا غریب کی اجازت سے مالک بنے بغیر بھی امیر ومالداراور ہاشمی کواستعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں مشائخِ حنفیہ کے دوقول اوران کے نتائج

لیکن اگرغریب شخص نے زکاۃ کی مَد میں حاصل شدہ چیز میں کوئی تصرف نہیں کیا، اوروہ اسی طرح سے اس کے پاس موجود ہے، اوروہ یہ چیزکسی امیر ومالدار یاہاشمی کومباح کرے، یعنی مالک بنائے بغیردے، مثلاً اگرکوئی کھانے کی چیز ہو، اوروہ مالدار یاہاشمی کو مالک بنائے بغیر کھانے کے لئے دے، یاعاریت کے طور پراستعمال کرنے کے لئے دے، تو کیامالدار یا ہاشمی کے لئے اس کا استعمال جائز ہوتا ہے یانہیں؟

تواس بارے میں مشائخِ حنفیہ کااختلاف ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

اَلْغَنِيُّ إِذَا أَكَلَ مِمَّا تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى الْفَقِيْرِ إِنْ أَبَاحَ الْفَقِيْرُ فَفِيْ حِلِّ التَّنَاوُلِ اِخْتِلَافٌ بَيْنَ الْمَشَايِخِ، وَإِنْ مَلَّكَهُ الْفَقِيْرُ الْغَنِيَّ لَا بَأْسَ بِهِ

(الفتاوى الهندية) [1]

ترجمہ: مالدارشخص جب اس چیز میں سے کھائے، جوغریب کوصدقہ کی گئی ہے، اگر غریب (اس مالدار کے لئے) مباح کرے (مالک نہ بنائے) تواس کے استعمال

---

[1] ج۵، ص ۳۴۰، کتاب الكراهية، الباب الحادی عشر فی الكراهة فی الأكل وما يتصل به.

کرنے (اور کھانے) کے حلال ہونے میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے، اور اگر اس چیز کا غریب، مالدار کو مالک بنادے، تو (پھر استعمال کرنے اور کھانے میں) کوئی حرج نہیں (ہندیہ)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر زکاۃ وصدقہ کی مَد میں غریب کو حاصل شدہ مال کا وہ غریب کسی امیر ومالدار یا ہاشمی کو مالک نہ بنائے، بلکہ اس کے لئے مباح کرے، تو اس کے جواز وعدمِ جواز میں مشائخ کے مابین اختلاف ہے، بعض مشائخ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور بعض جائز قرار دیتے ہیں۔

ناجائز قرار دینے والے مشائخ حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہدیہ کے طور پر استعمال کے جواز اور اس کی علت کا ذکر ملتا ہے، اور ہدیہ میں مالک بننا پایا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ امیر ومالدار یا ہاشمی کے لئے غریب کو زکاۃ میں حاصل شدہ مال کا مالک بن کر تو استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں ملکیت تبدیل ہونے سے عین تبدیل ہوجاتی ہے، اور اس کے زکاۃ وصدقہ کا مال ہونے کی حیثیت زائل وختم ہوجاتی ہے، اور مالک بنے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں ملکیت تبدیل نہ ہونے سے عین تبدیل نہیں ہوتی، اور اس کے زکاۃ وصدقہ کا مال ہونے کی حیثیت زائل وختم نہیں ہوتی۔

پس اس قول کی رُو سے تو صورتِ مسئولہ میں غریب طالب علم کو زکاۃ کی مَد میں حاصل شدہ کتاب کا اس طالب علم کی اجازت سے امیر ومالدار بلکہ ہاشمی وسید کو بھی مطالعہ کرنا جائز نہیں۔

جبکہ بعض مشائخِ حنفیہ مالک بنانے کے ساتھ ساتھ مباح کرنے کی صورت میں بھی اس چیز کے مالدار اور ہاشمی کے لئے استعمال کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جائز قرار دینے والے مشائخ حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ بعض روایات میں مالک بنے بغیر بھی اباحت کے طور پر امیر ومالدار یا ہاشمی کے لئے استعمال کے جائز ہونے کا ذکر ملتا ہے، اور

جب زکاۃ کا مال غریب کو دیا جائے، تو وہ معطی (یعنی دینے والے) کی مِلک سے نکل جاتا ہے، اور اسی وجہ سے معطی (یعنی دینے والے) کو وہ مال غریب سے خوش دلی کے بغیر جبراً واپس لینا یا اس میں کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا، جو کہ ملکیت تبدیل ہونے کی دلیل ہے، اور معطیٰ لہٗ (یعنی جس کو دیا گیا، اس) کی ملکیت میں کوئی خُبث وخرابی نہیں پائی جاتی، لہٰذا غریب وہ زکاۃ کا مال جس کو مباح کرے، اس کے لئے بھی کوئی خُبث وخرابی نہیں ہوگی۔

پس اس قول کی رُو سے صورتِ مسئولہ میں غریب طالب علم کو زکاۃ کی مَد میں حاصل شدہ کتاب کا اس طالب علم کی اجازت سے امیر ومالدار بلکہ ہاشمی وسید کو بھی مطالعہ کرنا جائز ہے۔

اور اگرچہ پہلے قول میں زیادہ احتیاط ملحوظ ہے، اور بعض مشائخِ حنفیہ نے اس قول کو راجح بھی قرار دیا ہے، اور کئی اردو کتابوں میں اسی قول کے مطابق حکم بیان کیا گیا ہے، اس لئے اگر کوئی اس قول پر عمل کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس میں زیادہ احتیاط پائی جاتی ہے۔ [1]

اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ:

اَلْفَقِيْرُ اِذَا اَبَاحَ لِلْغَنِيِّ عَيْنَ مَا اَخَذَ مِنَ الزَّكَاةِ مِنَ الطَّعَامِ هَلْ يَحِلُّ لَهٗ التَّنَاوُلُ، قَالَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ يَحِلُّ، وَاِلَيْهِ مَالَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ ، اَلْفَقِيْرُ اِذَا اَيْسَرَ وَالصَّدَقَاتُ الَّتِيْ اَخَذَهَا قَائِمَةٌ فِيْ يَدِهٖ،لَابَأْسَ بِاَنْ يَّتَنَاوَلَ مِنْهَا (الفتاویٰ التاتارخانية) [2]

---

[1] وللغنى أن يشترى الصدقة الواجبة من الفقير ويأكلها، وكذا لو وهبها له علم أن تبدل الملك كتبدل العين فلو أباحها له، ولم يملكها منه ذكر أبو المعين النسفى أنه لا يحل تناوله للغنى وقال خواهر زاده يحل كذا فى الفوائد التاجية والذى يظهر ترجيح الأول، لأن الإباحة لو كانت كافية لما قال -عليه الصلاة والسلام -فى واقعة بريرة هو لها صدقة ولنا هدية كما لا يخفى إلا أن يقال بالفرق بين الهاشمى والغنى. وإن قيل به فصحيح لما تقدم أن الشبهة فى حق الهاشمى كالحقيقة بدليل منع الهاشمى من العمالة بخلاف الغنى (البحرالرائق، ج۲، ص ۲۶۴، كتاب الزكاة، باب المصرف)

[2] ج۲ص۲۶۷،۲۶۸، كتاب الزكاة،الفصل الثامن فى المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، للعلامة عالم بن العلاء الانصارى الاندريتى، مطبوعة:ادارة القرآن، كراتشى.

ترجمہ: فقیر (وغریب) جب مالدار کو عین وہ چیز مباح کردے، جو اس نے زکاۃ میں لی ہے، یعنی کھانا وغیرہ، تو کیا اس کے لئے تناول (واستعمال) کرنا حلال ہے؟ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حلال ہے، اور اسی کی طرف شیخ الاسلام کا میلان ہے۔

فقیر (وغریب) جب مال دار ہوجائے، اور جو صدقات اس نے (غربت کی حالت میں) لئے تھے، وہ اس کے پاس موجود ہوں، تو اس کو ان کے تناول (واستعمال) کرنے میں حرج نہیں (فتاویٰ تاتارخانیہ)

جس سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ کا میلان دوسرے قول یعنی اس کے جائز ہونے کی طرف ہے، اور چونکہ دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول بھی بہت وزنی ہے، اور اس دوسرے قول پر عمل کرنے میں کئی قسم کی معاشرتی مشکلات اور پیچیدگیوں سے نجات حاصل ہوجاتی ہے، اور اس کے برعکس پہلے قول میں کئی قسم کی مشکلات اور پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں، اس لئے ہمارے نزدیک دوسرے قول پر عمل کرلینے کی بھی گنجائش ہے۔

ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل کچھ دلائل کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق احادیث وروایات

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلٰى أُمِّيْ بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ، قَالَ: وَجَبَ أَجْرُكِ، وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ (سنن الترمذی) [1]

---

[1] رقم الحدیث ٦٦٧، ابواب الزکاۃ،باب ما جاء فی المتصدق یرث صدقته.

قال الترمذی:هذا حديث حسن صحيح، لا يعرف هذا من حديث بريدة إلا من هذا الوجه، وعبد الله بن عطاء ثقة عند أهل الحديث، "والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم :أن الرجل إذا تصدق بصدقة ثم ورثها حلت له "وقال بعضهم :إنما الصدقة شيء جعلها لله، فإذا ورثها، فيجب أن يصرفها في مثله "وروى سفيان الثوری، وزهير هذا الحديث عن عبد الله بن عطاء .

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی اوراس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی والدہ کو ایک باندی صدقہ کی تھی، اور میری والدہ فوت ہوچکی ہیں (جس کے نتیجہ میں وہ باندی میراث کے طور پر لوٹ کر پھر میری طرف آ گئی ہے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کو ثواب مل چکا، اوراس کو آپ کی طرف میراث نے لوٹایا ہے (ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ جب وہ صدقہ یا عطیہ کی ہوئی باندی بطور میراث کے آپ کی طرف آئی ہے، تو یہ ایک جدید اورالگ ملکیت ہے، جس کا پہلی ملکیت سے تعلق نہیں، لہٰذا آپ کا پہلا اجروثواب بھی ضائع نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز دوسرے کو صدقہ یا ہبہ وعطیہ کردی جائے یا زکاۃ میں دے دی جائے، اور پھر وہی چیز کسی دوسرے جائز طریقہ پر صدقہ کرنے یا زکاۃ دینے والے شخص کی ملکیت میں پہنچے، تو وہ چیز اس شخص کے لئے حلال ہوتی ہے، اوراس کے لئے اس چیز کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (وعن بريدة قال :كنت جالسا عند النبى -صلى الله عليه وسلم -إذ أتته امرأة) أى جارية (قالت :يا رسول الله إنى تصدقت) أى قبل ذلك (على أمى بجارية) أى بتمليكها لها هبة أو صدقة (وإنها) أى أمى (ماتت) فهل آخذها وتعود فى ملكى أم لا؟ "قال :وجب أجرك "أى بالصلة "وردها "أى الجارية "عليك الميراث "النسبة مجازية، أى ردها الله عليك بالميراث، وصارت الجارية ملكا لك بالإرث وعادت إليك بالوجه الحلال(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۵۹ ، كتاب الزكاة، باب من لا يعود فى الصدقة)

قلت الصدقة فى الوليدة معناها التمليك وإذا ملكتها فى حياتها بالاقباض ثم ماتت كان سبيلها سائر أملاكها .والوليدة الجاريه الحديثة السن والولائد الوصائف(معالم السنن للخطابى، ج۲ص۷۳، باب حقوق المال)

قال الشيخ :الوليدة الجارية المملوكة ومعنى الصدقة ههنا العطية وإنما جرى عليها اسم الصدقة لأنها بر وصلة فيها أجر فحلت محل الصدقة.

وفيه دليل على أن من تصدق على فقير بشىء فاشتراه منه بعد أن قبضه إياه فإن البيع جائز وإن كان يستحب له أن لا يرجعه إلى ملكه بعد أن أخرجه بمعنى الصدقة(معالم السنن للخطابى، ج۴ص۸۸، باب الصدقة عن الميت)

نیز کئی احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے زکاۃ وصدقات کو نہیں لیتے تھے، اور آپ نے اس کو لوگوں کا میل کچیل قرار دے کر اپنے اور اپنی آل کے لئے ناجائز فرمایا تھا۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِ سَأَلَ عَنْهُ، فَإِنْ قِيلَ: هَدِيَّةٌ، أَكَلَ، وَإِنْ قِيلَ: صَدَقَةٌ، قَالَ: كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ

(مسند احمد، رقم الحديث ۸۰۱۴) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے کھانا آتا تھا، تو اس کے بارے میں معلوم فرماتے تھے، اگر آپ کو کہا جاتا تھا کہ یہ ہدیہ ہے، تو آپ کھا لیا کرتے تھے، اور اگر کہا جاتا تھا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ فرماتے تھے کہ کھالو اور آپ اس کو (خود) نہیں کھایا کرتے تھے (مسند احمد)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام کا کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زکاۃ اور واجب صدقات کا استعمال جائز نہیں تھا، جس طرح سے کہ مالدار کو زکاۃ وغیرہ کا استعمال جائز نہیں۔

البتہ جب ملکیت تبدیل ہو جائے، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت مروی ہے۔

---

[1] عن عبد الله بن الحارث بن نوفل الهاشمي، أن عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب، أخبره أن أباه ربيعة بن الحارث قال: لعبد المطلب بن ربيعة بن الحارث، والفضل بن العباس بن عبد المطلب، ائتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقولا له: استعملنا يا رسول الله على الصدقات، فأتى على بن أبي طالب، ونحن على تلك الحال، فقال لهما: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا يستعمل منكم أحدا على الصدقة، قال عبد المطلب: فانطلقت أنا والفضل، حتى أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لنا: إن هذه الصدقة، إنما هي أوساخ الناس، وإنها لا تحل، لمحمد ولا لآل محمد صلى الله عليه وسلم (سنن النسائي، رقم الحديث ۲۶۰۹)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ، فَقَالَ: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا، جو حضرت بریرہ کو صدقہ کیا گیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حضرت بریرہ کے لئے صدقہ ہے، اور ہمارے لئے ہدیہ ہے (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اس مال کے صدقہ ہونے کا حکم اس وقت تھا، جب وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا تھا، اور ان کے مالک بننے کے بعد اب ہمارے لئے وہ صدقہ نہ ہوگا، بلکہ ہدیہ ہوگا، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدْمٌ مِّنْ أُدْمِ الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَمْ أَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ؟ فَقَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ، وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور اس وقت ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں ہانڈی

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۹۵، کتاب الزکاۃ، باب إذا تحولت الصدقة.

[2] رقم الحدیث ۳۴۴۷، کتاب الطلاق، باب خیار الامة، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۵۴۵۲. قال شعیب الارنؤوط: اسناده صحیح علی شرط الشیخین (حاشیة مسند احمد)

میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟ (تم وہ گوشت مجھے کیوں نہیں پیش کرتے) تو اہلِ خانہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بات تو ٹھیک ہے، مگر یہ گوشت حضرت بریرہ کو صدقہ کیا گیا ہے، اور آپ صدقہ تناول نہیں فرماتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے (صدقہ نہیں، لہٰذا یہ میرے لئے حلال وجائز ہے) (نسائی)

علامہ عینی، بخاری کی شرح میں، بخاری کے متعلقہ باب اور مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

(بَابٌ إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ)أَیُ هٰذَا بَابٌ يُذْكَرُ فِيْهِ إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ يَعْنِیُ :إِذَا خَرَجَتْ مِنْ كَوْنِهَا صَدَقَةً بِأَنْ دَخَلَتْ فِیُ مِلْكِ الْمُتَصَدَّقِ بِهٖ عَلَيْهِ، وَفِیُ رِوَايَةِ أَبِیُ ذَرٍّ:إِذَا حُوِّلَتِ الصَّدَقَةُ، عَلٰى بِنَاءِ الْمَجْهُوْلِ، وَجَوَابُ:إِذَا، مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ:إِذَا حُوِّلَتِ الصَّدَقَةُ يَجُوْزُ لِلْهَاشِمِيِّ تَنَاوُلُهَا ......قَوْلُهٗ:(هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ) قَدْ لَفْظُ (عَلَيْهَا) لِيُفِيْدُ الْحَصْرَ أَیُ:عَلَيْهَا صَدَقَةٌ لا عَلَيْنَا، وَحَاصِلُهٗ أَنَّهَا إِذَا قَبَضَهَا الْمُتَصَدَّقُ زَالَ عَنْهَا وَصْفُ الصَّدَقَةِ وَحُكْمُهَا، فَيَجُوْزُ لِلْغَنِيِّ شِرَاهَا لِلْفَقِيْرِ، وَلِلْهَاشِمِيِّ أَكْلُهٗ مِنْهَا(عمدة القاری للعینی) [1]

ترجمہ: یہ باب ہے صدقہ کے بدل جانے کا، جس میں یہ بات ذکر کی جارہی ہے کہ جب صدقہ بدل جائے، یعنی وہ صدقہ ہونے کے حکم سے نکل جائے، اس طرح پر کہ اس شخص کی ملکیت میں داخل ہوجائے، جس شخص پر کہ صدقہ کیا گیا ہے، اور ابوذر کی روایت میں ہے کہ جب صدقہ بدل دیا جائے مجہول کے صیغہ کے ساتھ، اور ''اذا'' کا جواب محذوف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب صدقہ بدل

[1] ج۹،ص ۱۹و۹۲، کتاب الزکاۃ،باب إذا تحولت الصدقة،ملخصاً.

جائے، تو ہاشمی کے لئے اس کا تناول (واستعمال) کرنا جائز ہے...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ وہ بریرہ پر صدقہ ہے، اس لفظ سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ وہ بریرہ پر صدقہ ہے، نہ کہ ہمارے پر صدقہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب صدقہ حاصل کرنے والا اس مال پر (مالکانہ) قبضہ کرلے، تو اس (مالکانہ قبضہ کرنے) سے صدقہ کا وصف اور اس کا حکم زائل ہو جاتا ہے، پھر امیر و مالدار کے لئے غریب سے اس کو خریدنا جائز ہوتا ہے، اور ہاشمی کو (غریب کی اجازت سے) اس کا کھانا جائز ہوتا ہے (عمدۃ القاری)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب زکاۃ یا صدقہ کے مال پر غریب کا مالکانہ قبضہ جائز طریقے سے ہو جائے، تو اس مال کے زکاۃ یا صدقہ ہونے کا حکم اور وصف زائل و ختم ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اس مال کا ہاشمی اور مالدار کو کھانا جائز ہو جاتا ہے، خواہ وہ مالک بن کر کھائے یا غریب کی اجازت سے مالک بنے بغیر کھائے۔

اور علامہ ابنِ بطال، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَحْمِ بَرِيْرَةَ أَنَّهُ إِذَا كَانَتِ الْجِهَةُ الَّتِيْ يَأْخُذُ بِهَا الْإِنْسَانُ غَيْرَ جِهَةِ الصَّدَقَةِ جَازَ ذٰلِكَ، وَمَنْ مَلَكَهَا بِمَالِهِ لَمْ يَأْخُذْهَا مِنْ جِهَةِ الصَّدَقَةِ (شرح صحیح البخاری لابن بطال) [1]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کے گوشت کے متعلق یہ بات بتلادی کہ جب اس (زکاۃ وصدقہ) کو کوئی (مالدار یا ہاشمی) انسان، صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حاصل کرے، تو اس کے لئے جائز ہے، اور جو اس کا اپنے مال کے عوض میں (خرید وفروخت کے طور پر) مالک ہو، تو وہ صدقہ کے طور پر

[1] ج۳ص۵۳۸، کتاب الزکاۃ، باب ھل یشتری الرجل صدقتہ؟

لینے والا شمار نہیں ہوتا (ابنِ بطال)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جب غریب کی طرف سے ہاشمی یا مالدار کو کوئی چیز زکاۃ یا صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حاصل ہو، تو اس کے لئے لینا جائز ہے، خواہ مالکانہ طریقہ پر حاصل ہو، یا اباحت کے طور پر، کیونکہ مالدار اور ہاشمی کو ممانعت زکاۃ وصدقہ کی ہے، قطع نظر اس سے کہ غریب کے پاس وہ مال زکاۃ وصدقہ لینے کے سبب سے آیا ہو یا کسی اور سبب سے۔

اور علامہ قسطلانی، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

بَابٌ إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ هٰذَا (بَابٌ) بِالتَّنْوِيْنِ (إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ) أَيْ عَنْ كَوْنِهَا صَدَقَةً بِأَنْ دَخَلَتْ فِيْ مِلْكِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ يَجُوْزُ تَنَاوُلُ الْهَاشَمِيِّ لَهَا (إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری للقسطلانی، ج۳، ص۷۷، كتاب الزكاة، باب اذا تحولت الصدقة)

ترجمہ: یہ باب ہے صدقہ کے بدل جانے کا، جب صدقہ بدل جائے، یعنی جب صدقہ ہونے سے نکل جائے، اس طور پر کہ جس کو صدقہ کیا گیا ہے، اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے، تو ہاشمی کو اس کا تناول کرنا جائز ہو جاتا ہے (ارشادُالساری)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جب زکاۃ وصدقہ کا مال غریب کی ملکیت میں داخل ہو جائے، تو وہ زکاۃ وصدقہ کے حکم سے نکل جاتا ہے، اور پھر غریب کی رضا واجازت سے اس کا مالدار یا ہاشمی کو مالک بننا یا مالک بنے بغیر تناول واستعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً أَهْدَتْ لَهَا رِجْلَ شَاةٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهَا بِهَا، فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَقْبَلَهَا (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۶۶۲۸) [1]

ترجمہ: ایک عورت نے حضرت امِ سلمہ کو بکری کی ران ہدیہ کی، جو اس عورت کو

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

صدقہ میں حاصل ہوئی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ (یعنی حضرت اُمِّ سلمہ) اس کو قبول کرلیں (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غریب کو کوئی چیز زکاۃ یا صدقہ میں حاصل ہو، اور پھر وہ غریب یہ چیز کسی مالدار وغیرہ کو ہدیہ کرے، تو مالدار کو اس کا لینا اور استعمال کرنا سب جائز ہے۔

حضرت اُمِّ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟

فَقَالَتْ: لَا إِلَّا شَيْءٌ بَعَثَتْ بِهِ إِلَيْنَا نُسَيْبَةُ مِنَ الشَّاةِ الَّتِيْ بَعَثْتَ بِهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: إِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ کوئی چیز (ہمارے پاس کھانے کی) نہیں، سوائے بکری کے اس گوشت کے، جو نسیبہ نے اس بکری میں سے بھیجا ہے جو انہیں صدقہ میں دی گئی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صدقہ کا گوشت اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ: هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟

قَالَتْ: لَا، وَاللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا عِنْدَنَا طَعَامٌ إِلَّا عَظْمٌ مِّنْ

---

[1] رقم الحديث ۱۴۹۴، كتاب الزكاة، باب إذا تحولت الصدقة، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۵۱۱۹.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية ابن حبان)

شَـاةٍ أُعْـطِيَتْـهُ مَـوْلَاتِـيْ مِـنَ الـصَّـدَقَةِ، فَـقَـالَ: قَرِّبِيْـهِ، فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پھر فرمایا کہ کوئی کھانا ہے؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نہیں ہے، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس بکری کے گوشت کی اس ہڈی کے سوا کوئی کھانا نہیں، جو میری آزاد کردہ باندی کو صدقہ میں ملی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے (مسلم)

امام قرطبی، مسلم کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَـوْلُـهُ (قَـرِّبِيْـهَـا فَـقَـدْ بَـلَـغَـتْ مَحِلَّهَا) يَعْنِيْ: أَنَّ الْمُتَصَدَّقَ عَلَيْهَا قَدْ مَـلَكَتْ تِلْكَ الصَّدَقَةَ بِوَجْهٍ صَحِيْحٍ جَائِزٍ، فَقَدْ صَارَتْ كَسَائِرِ مَا تَـمْـلِكُهُ بِغَيْرِ جِهَةِ الصَّدَقَةِ، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ، فَمَنْ تَنَاوَلَ ذٰلِكَ الشَّـيْءَ الْـمُتَـصَـدَّقِ بِـهٖ مِنْ يَـدِ الْـمُتَصَدَّقِ عَلَيْـهِ بِجِهَةٍ جَائِزٍ غَيْرِ الـصَّـدَقَةِ، جَـازَ لَـهُ ذٰلِكَ، وَخَرَجَ ذٰلِكَ الشَّيْءُ عَنْ كَوْنِهٖ صَدَقَةً بِـالـنِّسْبَةِ إِلَـى الْآخِذِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ فِي الْأَصْلِ (الـمفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، للقرطبي، من باب الصدقة إذا بلغت محلها)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ "اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص کہ جس کو صدقہ دیا گیا ہے، اس صدقہ کا صحیح وجائز طریقہ پر مالک ہوگیا، تو وہ صدقہ کا مال ان تمام

---

[1] رقم الحديث ١٠٧٣ "١٦٩" كتاب الزكاة، باب إباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم ولبني هاشم وبني المطلب، وإن كان المهدي ملكها بطريق الصدقة، وبيان أن الصدقة، إذا قبضها المتصدق عليه زال عنها وصف الصدقة وحلت لكل أحد ممن كانت الصدقة محرمة عليه.

چیزوں کی طرح ہوگیا، جن کا انسان صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مالک بنا کرتا ہے، اور جب اس طریقہ سے ہوگیا، تو جو شخص اس صدقہ دی ہوئی چیز میں سے صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے صدقہ کے علاوہ کسی جائز طریقہ پر لے گا، تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا، اور یہ چیز صدقہ ہونے کے حکم سے نکل جائے گی، صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے لینے کی نسبت سے، اگرچہ وہ لینے والا شخص ان لوگوں میں سے ہو، جن کو اصل میں صدقہ حلال نہیں تھا (مثلاً مالدار اور ہاشمی) (المفہم)

اس سے معلوم ہوا کہ جب زکاۃ وصدقہ کے مال کا غریب جائز طریقہ پر مالک بن جائے، تو وہ مال زکاۃ وصدقہ کے حکم سے نکل کر عام مال کی طرح ہوجاتا ہے، جیسا کہ غریب نے وہ مال جائز طریقہ پر مثلاً محنت وتجارت وغیرہ کر کے کمایا ہو، یا اسے ہدیہ، میراث وغیرہ میں حاصل ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ، اس لئے جب وہ غریب یہ مال کسی مالدار شخص کو دے گا، خواہ ہدیہ کے طور پر یا اباحت وعاریت وغیرہ کے طور پر، تو اس کے لئے اس کا استعمال جائز ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِغَارِمٍ، أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ، فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ (سنن ابی داؤد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مالدار کے لئے حلال نہیں، مگر پانچ افراد کے لئے، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے لئے، یا زکاۃ

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۳۶، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز له أخذ الصدقة وهو غنی، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۱۸۴۱، باب من تحل له الصدقة.

قال شعیب الارنؤوط: اسناده صحیح (حاشیة ابی داؤد)

کے عامل کے لئے (یعنی جو شخص حکومتِ مسلمہ کی طرف سے زکاۃ جمع کرنے کے لئے مقرر ہو) یا مقروض کے لئے (یعنی جس پر قرض ہو) یا اس آدمی کے لئے جس نے اس کو اپنے مال کے عوض میں خرید لیا، یا اس آدمی کے لئے جس کا پڑوسی مسکین ہو، پھر مسکین کو صدقہ کیا جائے، تو وہ مسکین اس صدقہ کا غنی (ومالدار) کو ہدیہ کردے (ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاۃ وصدقہ کا مال اگر کوئی امیر ومالدار خرید لے، یا کسی امیر ومالدار کو وہ مال ہدیہ میں حاصل ہو، تو اس امیر ومالدار کے لئے اس مال کا استعمال کرنا جائز ہوتا ہے، اور اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ غریب کی ملکیت ہونے سے وہ زکاۃ وصدقہ کا مال اپنے مقام پر پہنچ چکا، اور پڑوسی کا ذکر بطور مثال کے ہے، ورنہ غیر پڑوسی کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ، أَوْ جَارٍ فَقِيْرٍ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، فَيُهْدِيْ لَكَ أَوْ يَدْعُوْكَ (سنن ابی داؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ امیر ومالدار کے لئے حلال نہیں، مگر اللہ کے راستہ میں (جو شخص ہو، اس کے لئے حلال ہے) یا مسافر ہو (اس

---

[1] فأهداها المسكين للغني وهذا في معنى قصة بريرة (الاستذكار لابن عبدالبر، ج۳ص ۲۵۸، كتاب الصدقة، باب اشتراء الصدقة والعود فيها)

[2] رقم الحديث ۱۶۳۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غنى، مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۳۵۸، شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۳۰۱۸، فوائد ابى محمد الفاكهى، رقم الحديث ۱۵۰.

قال أبو داود: ورواه فراسٌ وابن أبي ليلى عن عطية، مثله.

وقال العينى: أى: روى الحديث المذكور فراس بن يحيى الهمدانى الكوفى المكتب، ومحمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى الكوفى، عن عطية بن سعد، مثل ما ذكر من الحديث (شرح ابى داؤد، للعينى، ج۶ ص ۳۸۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غنى)

کے لئے بھی حلال ہے) یا غریب پڑوسی ہو، جس کو کوئی چیز صدقہ میں دی گئی، پھر وہ آپ کو ہدیہ کردے، یا آپ کو (اس چیز کے کھانے پر) مدعو کرے (ابوداؤد، مسند احمد)

اس حدیث کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

مگر بعض حضرات نے ایک حد تک اس حدیث کو معتبر قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر غریب زکاۃ میں حاصل شدہ مال کا امیر ومالدار کو مالک نہ بنائے، بلکہ اس کے لئے دعوت کرکے مباح کرے، تو بھی جائز ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ، ابوداؤد کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

فَيُهْدِیْ لَکَ اَوْ يَدْعُوْکَ اَیْ يُضِيْفُکَ وَيُطْعِمُکَ وَاَنْتَ غَنِیٌّ ، وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْفَقِيْرَ اِذَا تُصُدِّقَ عَلَيْهِ فَيُهْدِیْ لِلْغَنِیِّ وَيُمْلِکُهٗ اَوْ يُضِيْفُ الْغَنِیَّ وَيُطْعِمُهٗ عَلٰی سَبِيْلِ الْاِبَاحَةِ يَحِلُّ لِلْغَنِیِّ عَلَی الْحَالَيْنِ، قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ رَوَاهُ فِرَاسٌ وَابْنُ اَبِیْ لَيْلٰی مُحَمَّدٌ عَنْ عَطِيَّةَ مِثْلَهٗ، اَثْبَتَ اَبُوْدَاوٗدَ بِهٰذَا التَّعْلِيْقِ اَنَّ عِمْرَانَ الْبَارِقِیَّ عَنْ عَطِيَّةَ لَيْسَ بِمُتَفَرِّدٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ، بَلْ رَوَاهُ فِرَاسٌ وَابْنُ اَبِیْ لَيْلٰی اَيْضًا كَمَا رَوَاهُ عِمْرَانُ الْبَارِقِیُّ.

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف، لضعف عطية -وهو ابن سعد بن جنادة -، وجهالة عمران البارقی .الفريابی :هو محمد بن يوسف الضبی، وسفيان :هو ابن سعيد الثوری .وأخرجه ابن خزيمة (۲۳۶۸)والطحاوی فی "شرح معانی الآثار۲/۱۹" والبيهقی ۷/۲۲من طريق سفيان الثوری، بهذا الإسناد.

وأخرجه أبو داود الطيالسی فی "مسنده(۲۱۹۴)"مختصراً، وأبو يعلی المرصلی فی "مسنده" (۱۳۳۳)والبيهقی فی "السنن الكبری۷/۲۲"من طريق فراس بن يحيی الهمدانی أبو يحيی المُكتب، وابن أبی شيبة ۳/۲۱۰، وعبد بن حميد فی "المنتخب(۸۹۵) "وأبو يعلی فی "مسنده" (۱۲۰۲)والطحاوی فی "شرح معانی الآثار۲/۱۹ "، والبيهقی ۷/۲۳من طريق محمد بن عبد الرحمن بن أبی ليلی، كلاهما عن عطية العوفی، به .وهو فی "مسند أحمد(۱۱۲۶۸)(حاشية ابی داؤد)

فَلَفُظُ اِبْنِ السَّبِيْلِ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ صَحِيْحٌ (بذل المجهود شرح ابی داؤد، ج۳ص ۴۵، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز له اخذ الصدقة وهو غنی)

ترجمہ: (حدیث میں یہ الفاظ کہ) وہ (غریب وفقیر شخص زکاۃ کے مال سے) آپ کو ہدیہ کرے، یا آپ کی دعوت کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غریب آپ کی ضیافت کرے اور (وہ زکاۃ وصدقہ کا مال) آپ کو کھلائے، اور آپ مالدار ہوں، اور خلاصہ یہ ہے کہ غریب کو جب صدقہ میں کوئی چیز حاصل ہو، پھر وہ امیر ومالدار کو ہدیہ کردے، اور اس کو مالک بنادے، یا امیر ومالدار کی ضیافت کرے، اور اس کو (مالک بنائے بغیر) اباحت کے طور پر کھلائے، تو امیر (ومالدار) کو دونوں صورتوں میں (یہ مال استعمال کرنا) حلال ہوتا ہے۔

ابوداؤد نے فرمایا کہ اس حدیث کو فراس اور ابنِ ابی لیلیٰ محمد نے عطیہ سے اس کے مثل روایت کیا ہے، ابوداؤد نے اس تعلیق کو ثابت رکھا ہے کہ عمران بارقی، عطیہ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں تنہا نہیں، بلکہ اس کو فراس اور ابنِ ابی لیلیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، جس طرح عمران بارقی نے روایت کیا ہے، تو ’’ابنِ سبیل‘‘ کا لفظ اس حدیث میں صحیح ہے (بذل المجهود)

اور جب ابنِ سبیل کا لفظ صحیح ہے، تو دعوت کا لفظ بھی صحیح ہونا چاہئے، کیونکہ وہ بھی اسی حدیث میں مذکور ہے، واللہ اعلم۔

اور عونُ المعبود میں ہے کہ:

(فَأَهْدَاهَا) الصَّدَقَةَ (لِلْغَنِيِّ) فَتَحِلُّ لَهٗ لِأَنَّ الصَّدَقَةَ قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا فِيْهِ وَقَوْلُهٗ وَلَهٗ جَارٌ خَرَجَ عَلٰى جِهَةِ التَّمْثِيْلِ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ فَالْمَدَارُ عَلٰى إِهْدَاءِ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ مَلَّكَهَا الْمِسْكِيْنُ لِجَارٍ أَوْ لِغَيْرِهٖ وَفِيْ حَدِيْثِ إِهْدَاءِ بَرِيْرَةَ كَمَا تُصُدِّقَ بِهٖ عَلَيْهَا إِلٰى عَائِشَةَ قَوْلُهٗ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ عَلَیْھَا صَدَقَۃٌ وَھُوَ مِنْھَا لَنَا ھَدِیَّۃٌ کَمَا عِنْدَ الشَّیْخَیْنِ وَغَیْرِھِمَا وَکَذٰلِکَ الْإِھْدَاءُ لَیْسَ بِقَیْدٍ فَفِیْ رِوَایَۃٍ لِأَحْمَدَ وَأَبِیْ دَاوٗدَ کَمَا سَیَأْتِیْ أَوْ جَارٌ فَقِیْرٌ یُتَصَدَّقُ عَلَیْھَا فَیُھْدِیْ لَکَ أَوْ یَدْعُوْکَ (عون المعبود، ج۵ص ۳۱، کتاب الزکاۃ،باب من یجوز لہ أخذ الصدقۃ وھو غنی)

ترجمہ: پس اس صدقہ کو ہدیہ کردے غنی کے لئے ،تو اس کے لئے حلال ہے،اس لئے کہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے،اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ) اس کا پڑوسی ہو،اس کا ذکر بطور مثال کے ہے، جو پڑوسی کے ساتھ خاص نہیں، پس دارومدار صدقہ کے ہدیہ کرنے پر ہے،جس کا مسکین مالک بن گیا ہو، پڑوسی ہو یا غیر پڑوسی ،اور حضرت بریرہ کے حضرت عائشہ کو ہدیہ کرنے کی حدیث میں جیسا کہ ان (حضرت بریرہ) کو صدقہ کیا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ ان پر صدقہ ہے،اور وہ ہمارے لئے ہدیہ ہے، جیسا کہ شیخین وغیرہ کے نزدیک ہے،اوراسی طریقہ سے یہ حکم ہدیہ کرنے کے ساتھ مقید نہیں ہے، پس احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے، جیسا کہ آتا ہے کہ ’’یا غریب پڑوسی کو صدقہ کیا جائے ،تو وہ آپ کو ہدیہ کردے، یا آپ کی دعوت کردے‘‘ (عونُ المعبود)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح غریب کو زکاۃ وصدقہ میں مالکانہ طریقہ پر حاصل شدہ مال کا امیر ومالدار کو بطور ہدیہ کے لینا جائز ہے، اسی طرح بطور اباحت کے استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

اور عبدالمحسن بن احمد، ابوداؤد کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

(فَیُھْدِیْ لَکَ، أَوْ یَدْعُوْکَ)وَھٰذَا مِثْلُ الْأَوَّلِ، وَمَعْنٰی ذٰلِکَ أَنْ یَّصْنَعَ وَلِیْمَۃً فَیَدْعُوْکَ لِتَأْکُلَ مِنْھَا، فَھِیَ صَدَقَۃٌ عَلَیْہِ، وَبَعْدَ أَنْ

مَلَكَهَا فَإِنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِيهَا بِالْإِهْدَاءِ أَوْ بِالْإِطْعَامِ، فَلَا حَرَجَ عَلَى الْغِنٰى بِأَنْ يَّتَنَاوَلَ شَيْئًا مِنْ طَعَامِ الْفَقِيرِ الَّذِىْ تُصَدِّقَ بِهٖ عَلَيْهِ، أَوْ يَقْبَلُ هَدِيَّةً مِّنْهُ، وَيَشْبَهُ ذٰلِكَ مَا جَاءَ فِىْ قِصَّةِ بَرِيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهُ تُصُدِّقَ عَلَيْهَا وَأَنَّهُمْ أَكَلُوْا مِمَّا تُصُدِّقَ بِهٖ عَلَيْهَا، فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ" يَعْنِىْ: مِنْهَا، فَدَلَّ هٰذَا عَلٰى أَنَّ الْفَقِيْرَ إِذَا مَلَكَ شَيْئًا فَإِنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ كَيْفَ يَشَآءُ إِمَّا بِالْإِهْدَاءِ، أَوْ بِالْإِطْعَامِ، وَأَنَّهُ لَا حَرَجَ عَلَى الْغَنِىِّ إِذَا أَكَلَ أَوْ طَعِمَ مِنْ طَعَامِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ، أَوْ أَخَذَ هَدِيَّةً مِّنَ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ، وَهُوَ مِثْلُ الَّذِىْ قَبْلَهُ إِلَّا أَنَّ فِيْهِ زِيَادَةُ ابْنِ السَّبِيْلِ (شرح سنن ابی داوٗد للعباد، ج۹ص۱۵۱، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز لہ أخذ الصدقۃ وھو غنی)

ترجمہ: وہ غریب آپ کو ہدیہ کرے، یا آپ کی دعوت کرے، اور یہ حدیث بھی پہلے کی طرح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غریب (مثلاً) ولیمہ کرے، پھر آپ کو اس کے کھانے کے لئے بلائے، تو وہ (کھانا) اس غریب پر تو صدقہ تھا، اور اس غریب کے مالک بننے کے بعد وہ اس میں ہدیہ کرکے یا کھلا کر تصرف کرتا ہے، تو امیر و مالدار کو غریب کے اس کھانے کو تناول کرنے میں کوئی حرج نہیں، جو اس کو صدقہ دیا گیا تھا، یا اس کا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اسی کے مثل حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بھی ذکر آیا ہے کہ ان کو صدقہ کیا گیا، اور دوسروں نے اس صدقہ کے مال کو کھالیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے، اور ہمارے لئے ہدیہ ہے، یعنی بریرہ کی طرف سے (نہ کہ صدقہ کرنے والے کی طرف سے) ہمارے لئے ہدیہ ہے، پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ غریب جب کسی چیز کا مالک ہوگیا، تو اس میں وہ حسبِ منشاء

تصرف کرسکتا ہے، ہدیہ دے کر بھی ، دوسرے کو(مالک بنائے بغیر اباحت کی صورت میں) کھلا کر بھی اور امیر (ومالدار) کے لئے بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ صدقہ دیئے ہوئے شخص کا کھانا (بطور اباحت) کھائے، یا صدقہ دیئے ہوئے شخص سے ہدیہ لے،اور یہ حدیث،پہلی حدیث کی طرح ہے،مگراس میں مسافر کا ذکر زیادہ ہے(شرح ابی داؤد)

احادیث وروایات کا حاصل

مذکورہ احادیث وروایات اور عبارات کا حاصل یہ ہے کہ غریب کو جو چیز مالکانہ طریقہ پر زکاۃ یا صدقہ میں حاصل ہو، وہ اس کا پوری طرح مالک ہوجاتا ہے، اور اب اس کو اس میں تمام تصرفات جائز ہوجاتے ہیں،اوراسی بنیاد پر اگر وہ کسی امیر ومالدار یا ہاشمی کو اپنی خوشی سے ہدیہ کرے،یا اباحت کے طور پر استعمال کرائے یا کھلائے تو بھی جائز ہوتا ہے۔

جہاں تک بعض احادیث وروایات میں ہدیہ کے الفاظ کا تعلق ہے،تو اس بارے میں گمان ہوتا ہے کہ اولاً تو ان احادیث میں ہدیہ کا لفظ خاص تملیک کی قید لگانے اور اباحت کو خارج کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ مخصوص فقہی اصطلاحات ہیں، جو احادیث میں مقصود نہیں ہوا کرتیں۔

دوسرے اس قسم کے مواقع پر توسعاً ہدیہ کا لفظ بول کر بعض اوقات ہدیہ بشمول اباحت اور بعض اوقات صدقہ کا مفہومِ مخالف بھی مراد لے لیا جایا کرتا ہے،جیسا کہ فقہائے کرام نے حرام مال والے کے ہدیہ کے الفاظ سے دعوت واباحت کا حکم بھی مراد لیا ہے،اور مقصود یہ ہے کہ جب غریب کی طرف سے امیر ومالدار یا ہاشمی کو وہ مال حاصل ہوگا،تو وہ صدقہ کے بجائے ہدیہ کا حکم رکھے گا۔

جس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں ہدیہ کے ساتھ دعوت کے جواز کا

بھی ذکر آیا ہے، اور بعض احادیث وروایات میں ہدیہ کے بجائے اس کی تعبیر اپنے محل ومقام پر پہنچنے سے کی گئی ہے، اور یہ تعلیل جس طرح ہدیہ وتملیک کی صورت کو شامل ہے، اسی طرح اباحت کی صورت کو بھی شامل ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں جواز کی علت وہی غریب کے مِلک ہوجانے سے زکاۃ وصدقہ کا اپنے محل پر پہنچ جانا اور اس کا حکم بدل جانا ہے، اور محدثین نے بھی اس تعلیل کو ہی بنیاد بنایا ہے، جیسا کہ گزرا۔ [1]

غریب کے مالک بننے پر تبدلِ مِلک

بعض مشائخِ حنفیہ نے غریب کے زکاۃ وصدقہ کا مالک بننے کے بعد غریب کی اجازت سے اس مال کے اباحت کے طور پر جائز ہونے کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ جب زکاۃ وصدقہ دیا جاتا ہے، تو وہ پہلے اللہ کی ملکیت بنتا ہے، اور اس کے بعد پھر اللہ کی طرف سے غریب کی ملکیت بنتا ہے، اس لئے غریب کے مالک بننے پر اس مال کا تبدلِ مِلک یا تبدلِ عین ہوجاتا ہے۔

چنانچہ المحیطُ البرہانی میں ہے کہ:

وَبَعْضُهُمْ قَالُوْا: إِنَّ الصَّدَقَةَ حِيْنَ وَقَعَتْ لَاقَتْ كَفَّ فَقِيْرٍ وَصَحَّتْ،

---

[1] حكم الأكل من الصدقة :إذا وصلت الصدقة إلى مستحقها ملكها، إن شاء باعها، وإن شاء صرفها على نفسه، أو أكرم بها غيره.

عن أنس رضى الله عنه أن النبى -صلى الله عليه وسلم -أتى بلحم، تصدق به على بريرة، فقال :هو عليها صدقة، وهو لنا هدية .متفق عليه .

وعن أم عطية رضى الله عنها قالت :بعث إلى نسيبة الأنصارية بشاة، فأرسلت إلى عائشة رضى الله عنها منها، فقال :النبى -صلى الله عليه وسلم :-عندكم شىء .فقلت :لا، إلا ما أرسلت به نسيبة من تلك الشاة، فقال :هات فقد بلغت محلها .متفق عليه(موسوعة الفقه الإسلامى، ج٣ص ١١٠، كتاب الزكاة، صدقة التطوع،لمحمد بن إبراهيم بن عبد الله التويجرى)

إِذا تحوّلت الصدقة يجوز الأكل من الصدّقة إذا أُهديت من فقير أو قُدّمت فى ضيافة ونحوها.

عن أنس -رضى الله عنه" -أنَّ النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أُتى بلحمٍ تُصدّق به على بريرة فقال: هو عليها صدقة، وهو لنا هديّة(الموسوعة الفقهية الميسرة فى فقه الكتاب والسنة المطهرة، ج٣ص ١٥١، كتاب الزكاة، من تحرم عليهم الزكاة،لحسين بن عودة العوايشة)

فَصَارَتْ لِلّٰهِ تَعَالٰى، لِأَنَّ الصَّدَقَةَ إِخْرَاجُ الْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ ثُمَّ صَارَتْ مِلْكًا لِلْفَقِيْرِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى قَضَاءً لِحَقِّهٖ فِي الْمِلْكِ الْمَوْعُوْدِ، وَإِذَا صَارَتْ مِلْكًا لِلْفَقِيْرِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِرِزْقِهٖ تَجَدَّدَ لِلْفَقِيْرِ بِسَبَبِ الْمِلْكِ بَعْدَ مَا صَارَتْ صَدَقَةً، وَصَارَتْ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَأَوْجَبَ ذٰلِكَ تَبَدُّلَ الْعَيْنِ حُكْمًا، فَعَلٰى قَوْلِ هٰذَا التَّعْلِيْلِ: اَلْفَقِيْرُ إِذَا أَبَاحَ لِلْغَنِيِّ عَيْنَ مَا أَخَذَ مِنْ مَالِ الزَّكَاةِ مِنَ الطَّعَامِ يَحِلُّ لَهٗ، لِأَنَّهٗ تَبَدُّلَ الْعَيْنِ حُكْمًا، وَإِلَيْهِ مَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْأَجَلُّ اَلْمَعْرُوْفُ بِخَوَاهِرْ زَادَهْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى (المحيط البرهاني ج٦ص٢٧، كتاب المكاتب، الفصل الثامن العشر المتفرقات)

ترجمہ: اور بعض حضراتِ مشائخ نے فرمایا کہ جب صدقہ کیا جاتا ہے، تو وہ فقیر (وغریب) کے ہاتھ میں پڑتا ہے، اور صحیح (یعنی اداء) ہوجاتا ہے، اور وہ اللہ کے لئے ہوجاتا ہے، کیونکہ صدقہ کی حقیقت مال کو اللہ تعالیٰ کے لئے نکالنا ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر معلوم (اور مشہور) ہے، پھر اس کے بعد وہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقیر (وغریب) کی مِلک بنتا ہے، مِلکِ موعود میں اس کے حق کو پورا کرنے کے لئے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقیر (وغریب) کی مِلک ہوگیا، اس فقیر (وغریب) کے رزق کے طور پر، تو مِلک کے سبب سے صدقہ بننے کے بعد اس کا تجدد ہوگیا، اور یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگیا، تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حکماً تبدلِ عین ہوگیا، پس اس تعلیل کی بناء پر فقیر (وغریب) جب مالدار کو عین وہ چیز مباح کرے، جو اس غریب کو کھانے کی شکل میں زکاۃ کے مال سے حاصل ہوئی تھی، تو وہ اس کے لئے حلال ہوگی، اس لئے کہ حکماً تبدلِ عین ہوچکا ہے، اور اسی کی طرف شیخ امام خواہرزادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان ہے (محیط)

اور اسی کتاب میں آگے ہے کہ:

اَلصَّدَقَةُ صَارَتْ لِلْفَقِيْرِ بَعْدَمَا صَارَتْ لِلّٰهِ تَعَالٰی بِجِهَةِ الرِّزْقِ فَيَتَجَدَّدُ لِلْفَقِيْرِ بِسَبَبِ الْمِلْكِ عَلٰی مَامَرَّ، وَنَزَلَ ذٰلِكَ مَنْزِلَةَ تَبَدُّلِ الْعَيْنِ فَيَحِلُّ لَهُ التَّنَاوُلُ بَقِيَ غَنِيًّا وَيَحِلُّ لِغَيْرِهِ التَّنَاوُلُ، وَثَبَتَ لِلْفَقِيْرِ فِيْهَا مِلْكٌ بِسَبَبٍ جَدِيْدٍ بِأَنْ اِشْتَرَاهَا أَوْ وَهَبَ لَهُ أَوْ لَمْ يَثْبُتْ لَهُ بِأَنْ وَرِثَهُ أَوْ أَبَاحَ لَهُ هٰذَا الْفَقِيْرُ (المحيط البرهانی ج٦ ص٢٨، كتاب المكاتب، الفصل الثامن العشر المتفرقات)

ترجمہ: صدقہ فقیر (وغریب) کے لئے بطور رزق، اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے، پس فقیر وغریب کے لئے مِلک کے سبب سے اس کا تجدد ہوجاتا ہے، جیسا کہ گزرا، اور یہ تبدلِ عین کے درجہ میں ہوجاتا ہے، پس (اسی وجہ سے) اس کو مالدار ہونے کے بعد بھی کھانا جائز ہوتا ہے، اور دوسرے کو بھی کھانا جائز ہوتا ہے، اور فقیر (وغریب) کے لئے سببِ جدید کے ساتھ مِلک ثابت ہوتی ہے، اس طور پر کہ اس نے خریدا ہو، یا اسے ہبہ ملا ہو، یا اس کے لئے مِلک ثابت نہ ہوئی ہو، بایں طور کہ وہ اس کا وارث بنا ہو، یا اس کو اس فقیر (وغریب) نے مباح کیا ہو (محیط)

مذکورہ مشائخ کے قول کی تائید قرآن مجید اور احادیث سے ہوتی ہے۔

چنانچہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (سورة التوبة، رقم الآية ١٠٤)

ترجمہ: کیا نہیں جانتے یہ لوگ کہ بلاشبہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ، اور صدقات کو لیتا ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے

(سورہ توبہ)

اور سورہ بقرہ وسورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ (سورة التوبة، رقم الآية ۲۴۵، سورة الحديد، رقم الآية ۱۱)

ترجمہ: کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو (سورہ بقرہ، سورہ حدید)

اس آیت میں اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، جس میں زکاۃ وصدقات بھی داخل ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ وصدقہ میں بندہ درحقیقت اپنا مال اللہ کو دیتا ہے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَتْ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، وَ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا، قَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَائِطِیْ الَّذِیْ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا، وَاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْتُ أَنْ أُسِرَّهَا لَمْ أُعْلِنْهَا، فَقَالَ: اِجْعَلْهُ فِیْ فُقَرَاءِ أَهْلِكَ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: جب (سورہ آلِ عمران کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ:

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ“

---

[1] (من ذا الذی یقرض الله) بإنفاق ماله فی سبیل الله(تفسیر الجلالین،سورة الحدید، رقم الآیة ۱۱)

من ذا الذی یقرض الله ای یقرض عباد الله بحذف المضاف او المعنی ینفق ماله فی سبیل الله رجاء ان یعوضه فصار کمن یقرضه فاستعیر لفظ القرض لیدل علی التزام الجزاء (التفسیر المظهری، سورة الحدید، رقم الآیة ۱۱)

[2] رقم الحدیث ۱۲۱۴۴، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۹۹۷.

قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح وقد رواه مالک بن انس، عن اسحاق بن عبدالله بن ابی طلحة، عن انس بن مالک.

وقال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین(حاشیة مسند احمد)

’’کہ تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک کہ خرچ کرو اس مال میں سے جو تم پسند کرتے ہو‘‘

اور سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

’’مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا‘‘

’’کہ کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو، اچھا قرض‘‘

تو حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا وہ باغ جو فلاں جگہ ہے، صدقہ ہے، اللہ کی قسم! اگر میں اس کی استطاعت رکھتا کہ اسے چھپاؤں، تو میں اس کو ظاہر نہ کرتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے گھر والوں (یعنی رشتہ داروں) میں سے غریب لوگوں کو دے دو (مسند احمد، ترمذی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ، وَلاَ يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ- إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِيْنِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی حلال و پاکیزہ مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تو حلال اور پاکیزہ صدقہ ہی قبول فرماتا ہے، تو رحمٰن اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے (مسلم، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا: يَا ابْنَ آدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ، قَالَ: فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ وَكَيْفَ

---

[1] رقم الحديث ٦٣ ”١٠١٤“، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، واللفظ له، نسائى، رقم الحديث ٢٥٢٥، ترمذى، رقم الحديث ٦٦١، مسند أحمد، رقم الحديث ١٠٩٤٥.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

اِسْتَطْعَمْتَنِيْ وَلَمْ أُكْرِمْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا اِسْتَطْعَمَكَ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل وعلا (بروزِ قیامت) فرمائے گا کہ اے ابنِ آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، پس تو نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا، تو بندہ کہے گا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ سے کیسے کھانا طلب کیا تھا، اور میں نے آپ کا اکرام نہیں کیا، حالانکہ آپ ربُّ العالمین ہیں؟ اللہ عزوجل فرمائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، تو تُو نے اس کو کھانا نہیں دیا تھا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ تُو اگر اسے کھانا دیتا، تو تُو اس کو میرے پاس پاتا (ابنِ حبان، مسلم)

اس قسم کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ وصدقہ جو کسی غریب کو دیا جاتا ہے، دراصل اللہ کی مِلک ہوکر پھر اللہ کی طرف سے غریب کی مِلک ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے بعض مشائخ کے نزدیک غریب کے مالک ہونے سے حکماً اس کا تبدلِ عین ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ غریب کو زکاۃ وصدقہ میں مالکانہ طریقہ پر جو مال حاصل ہوا، وہ اگر کسی مالدار یا ہاشمی کو مالک بنا کردے، مثلاً ہدیہ کرے، یا اباحت کرے، مثلاً کھلائے پلائے، تو بہت سے فقہاء ومشائخ کے نزدیک جائز ہے، اور ہمارے نزدیک اس کے جائز ہونے کے دلائل انتہائی مضبوط اور راجح ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] رقم الحديث ۷۳٦٦، كتاب التاريخ، باب إخباره صلى الله عليه وسلم عن البعث وأحوال الناس فى ذلك اليوم، مسلم ، رقم الحديث ۲۵٦۹ "۴۳"
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد بن سلمة، فمن رجال مسلم (حاشية ابنِ حبان)

جواز کے قول کے مؤیدات

مذکورہ صورت کے جواز کے مضبوط دلائل کے علاوہ مزید چند فقہی مؤیدات بھی موجود ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)......فقہائے حنفیہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر مکاتب غلام کو کسی کی طرف سے زکاۃ وصدقات میں کچھ مال حاصل ہوا، اور پھر وہ مکاتب اپنے آقا کو بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گیا، تو اس کے مالک کے لئے وہ مال استعمال کرنا جائز ہے، جو اس غلام کو زکاۃ یا صدقہ کی مَد میں حاصل ہوا ہو، خواہ اس مکاتب نے عاجز ہونے سے پہلے آقا کو مال دیا ہو یا ابھی تک مکاتب کے ہاتھ میں ہو، اور وہ عاجز آ گیا ہو۔

اور اس مسئلہ میں فقہائے کرام نے تبدلِ مِلک کا حکم لگایا ہے۔ [۱]

---

[۱] المكاتب، فيسترد من المعطى ما أخذ على الأصح عند الشافعية، وفي رواية عند الحنابلة إن مات قبل أن يعتق، أو عجز عن الوفاء فلم يعتق، وقال الحنفية وهو رواية عند الحنابلة :يكون ما أخذه لسيده ويحل له، وفي رواية عن أحمد :لا يسترد، ولا يكون لسيده، بل ينفق في المكاتبين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۳۲، مادة "زكاة")

قال -رحمه الله -(وما أدى المكاتب من الصدقات وعجز طاب لسيده)، لأن الملك قد تبدل وتبدل الملك كتبدل العين فصار كعين آخر وإليه أشار النبي -صلى الله عليه وسلم -بقوله في حديث بريرة هو لها صدقة ولنا هدية قال ذلك حين أهدت إليه وكانت مكاتبة وصار كالفقير يموت عن صدقة أخذها يطيب ذلك لوارثه الغني لما ذكرنا (تبيين الحقائق، ج۵، ص ۱۷۴، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولى)

وما أدى المكاتب من الصدقات إلى مولاه، وعجز طاب لسيده، ولو عجز المكاتب قبل الأداء إلى المولى يطيب للمولى عند محمد -رحمه الله تعالى -وعند أبي يوسف -رحمه الله تعالى -لا يطيب، والصحيح أنه يطيب بالإجماع كذا في التبيين (الفتاوى الهندية، ج۵، ص ۱۸، كتاب المكاتب ،الباب الثامن في عجز المكاتب وموته)

(وطاب لسيده ما أدى إليه من صدقة فعجز :(أي (إذا) لم يكن المولى مصرفا للزكاة، فأخذ المكاتب الزكاة؛ لكونه من المصارف، ثم أداه إلى المولى عن بدل الكتابة، ثم عجز فظهر أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... اگر غریب کو کسی نے زکاۃ یا صدقہ کا مال دیا، پھر وہ غریب بعد میں مالدار ہوگیا، تو فقہائے حنفیہ کی تصریح کے مطابق اس کے لئے غربت کی حالت میں لئے ہوئے زکاۃ یا صدقہ کے مال کا امیر و مالدار ہونے کے بعد استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

حالانکہ اب وہ زکاۃ وصدقہ کا مستحق نہیں رہا، اور حقیقت میں ملکیت بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ [1]

(۳)...... اگر ضرورت مند مسافر کو زکاۃ یا صدقہ کا مال حاصل ہوا، پھر اس کے بعد وہ اپنے مال کے پاس پہنچ گیا، اور کچھ زکاۃ یا صدقہ کا مال اس کے پاس اب بھی موجود ہے، تو فقہائے حنفیہ کی تصریح کے مطابق اس کو اس مال کا استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

حالانکہ اب وہ زکاۃ وصدقہ کا مستحق نہیں رہا، اور حقیقت میں ملکیت بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ المولی أخذ الزكاة، وهو غنی، ومع (ذلک يطيب) له، لأنه أخذه عوضا) عن العتق زمان الأخذ، والعبد قد أخذه صدقة، وقد قال النبی -صلى الله عليه وسلم: (لهاصدقة، ولنا هدية) (شرح الوقاية، كتاب المكاتب)

[1] وكذا إذا استغنى الفقير يطيب له ما أخذه من الزكاة حالة فقره (تبيين الحقائق، ج۵، ص ۱۷۴، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولى)

وكذلك الفقير إذا تصدق عليه، ثم استغنى والصدقة قائمة لا بأس بأن يتناول تلك الصدقة (الفتاوى الهندية، ج۵، ص ۳۴۰، كتاب الكراهية، الباب الحادى عشر فی الكراهة فی الأكل وما يتصل به)

[2] وكذا ابن السبيل إذا أخذ الصدقة ثم وصل إلى ماله وفی يده الصدقة تحل له، لأن المحرم على الغنی ابتداء الأخذ لما فيه من الذل فلا يرخص له من غير ضرورة فإذا أخذه فی حالة الفقر فبعد ذلک ليس فيه إلا الاستدامة فيطيب له (تبيين الحقائق، ج۵، ص ۱۷۴، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولى)

ابن السبيل إذا تصدق عليه، ثم وصل إلى ماله والصدقة قائمة لا بأس بأن يتناول من تلك الصدقة (الفتاوى الهندية، ج۵، ص ۳۴۰، كتاب الكراهية، الباب الحادى عشر فی الكراهة فی الأكل وما يتصل به)

پس مذکورہ مسائل کا تقاضا یہ ہے کہ مبحوث فیہ مسئلہ میں بھی زکاۃ وصدقہ کے مال کا غریب کی مِلک میں آجانے کے بعد حکماً تبدلِ ملک ہونے کی وجہ سے مالدار اور ہاشمی کو بطور اباحت کے اس مال کا استعمال کرنا جائز ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذکورہ مسئلہ کی ایک فقہی نظیر پر کلام

جن مشائخ نے زکاۃ وصدقہ کی مَد میں غریب کو حاصل شدہ مال کا کسی امیر ومالدار یا ہاشمی کو مالک بنائے بغیر استعمال اور مباح کرنے کے ناجائز ہونے کا قول لیا ہے، انہوں نے اس کی نظیر، شراءِ فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز کو قرار دیا ہے کہ اگر کسی نے شراءِ فاسد کے طور پر کوئی چیز خریدی ہو، اور پھر وہ یہ چیز کسی کو مباح کرے، تو اس کے لئے اس چیز کا استعمال حلال نہیں ہوتا، اور اگر وہ اس چیز کا کسی کو مالک بنادے، تو پھر اس کے لئے اس چیز کا استعمال حلال ہوجاتا ہے، تو جس طرح اس مسئلہ میں تملیک واباحت میں فرق ہے، اسی طرح مذکورہ مبحوث فیہ مسئلہ میں بھی تملیک واباحت کا فرق ہے۔ [1]

لیکن ہمارے نزدیک شراءِ فاسد کے مسئلہ کو مبحوث فیہ مسئلہ کی نظیر قرار دینا محلِ نظر اور بعید معلوم ہوتا ہے۔

کیونکہ شراءِ فاسد میں اباحت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں فسادِ عقد پایا جاتا ہے، اور اس بیع کو رَد کرنے کا حکم ہوتا ہے، اور جو شخص پہلے خریدار سے جائز طریقہ پر اس چیز

---

[1] بخلاف فقير أباح لغنى أو هاشمى عين زكاة أخذها لا يحل لأن الملك لم يتبدل(الدر المختار)

(قوله :لأن الملك لم يتبدل) لأن المباح له يتناوله على ملك المبيح .ونظيره المشترى شراء فاسدا إذا أباح لغيره لا يطيب له،ولو ملكه يطيب هداية(ردالمحتار، ج٦ ص١١٦، ١١٧، كتاب المكاتب،باب موت المكاتب وعجزه وموت المولىٰ)

ولو أباح الفقير للغنى أو الهاشمى عين ما أخذ من الزكاة لا يحل، لأن الملك لم يتبدل ونظيره المشترى إذا اشترى شراء فاسدا لا يطيب بالإباحة(تبيين الحقائق، ج٥، ص١٧٤، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولى)

کوخریدے، تواس کے لئے جواز کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا عقداور معاملہ صحیح ہوتا ہے، اوراس کو رَدکرنے کا حکم نہیں ہوتا، اور پہلے خریدار کے بیع وغیرہ کا تصرف کرنے سے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے۔

جبکہ ہمارے مبحوث فیہ یا زیرِ بحث مسئلہ میں سرے سے عقدِ فاسد ہے ہی نہیں، چنانچہ پہلے مالدار کا غریب کوزکاۃ وصدقہ میں مال دینا بھی درست ہے، اوراس غریب کا اس مال کا مالک بن کراس میں تملیک واباحت کے طور پر تصرف کرنا اور دوسرے مالدار یا ہاشمی کا اس مال کا مالک بننا یا استعمال میں لانا مالک کی رضا ورغبت پائے جانے کی وجہ سے سب کچھ صحیح ودرست ہے، اوران میں کوئی بھی تصرف وعقدفاسد نہیں۔ [۱]

---

[۱] ثم اعلم أن المشترى فاسدا لا يطيب للمشترى، ويطيب لمن انتقل الملك منه إليه لكون الثانى ملكه بعقد صحيح بخلاف المشترى الأول فإنه يحل له التصرف فيه، ولا يطيب له لأنه ملكه بعقد فاسد(البحر الرائق،ج۶،ص۱۰۳،کتاب البيع، باب البيع الفاسد،فصل فى احكام البيع الفاسد)

وجملة القول فيه ما قاله فى شرح الطحاوى بقوله ولو تصرف فيه المشترى ببيع أو صدقة أو هبة أو أخرجه المشترى من ملكه بوجه من الوجوه صح تصرفه إذا كان تصرفه بعدما قبضه بإذن البائع وليس للبائع إبطاله وعلى المشترى القيمة أو المثل إن كان مثليا ويطيب ذلك الملك الثانى، لأنه ملك بعقد صحيح بخلاف المشترى الأول، لأنه لا يحل له ولا يطيب، لأنه ملكه بعقد فاسد، بخلاف ما إذا دخل دار الحرب بأمان فأخذ مال حربى بغير طيب نفسه فأخرجه إلى دار الإسلام ملكه ولكن لا يطيب له ويفتى بالرد ولا يقضى به.

ولو باعه صح بيعه ولا يطيب أيضا للمشترى كما لا يطيب للأول بخلاف البيع الفاسد(حاشية الشلبى على التبيين ،ج۴،ص۶۴، كتاب البيوع،باب البيع الفاسد)

فلو دخل بأمان وأخذ مال حربى بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه، لكن لا يطيب له ولا للمشترى منه، بخلاف البيع الفاسد فإنه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشترى منه لصحة عقده .وفى حظر الأشباه :الحرمة تتعدد مع العلم بها إلا فى حق الوارث، وقيده فى الظهيرية بأن لا يعلم أرباب الأموال، وسنحققه ثمة(الدر المختار مع ردالمحتار،ج۵،ص۹۸،۹۹،باب البيع الفاسد)

بخلاف المشترى شراء فاسدا إذا باعه من غيره بيعا صحيحا فإن الثانى لا يؤمر بالرد، وإن كان البائع مأمورا به لأن الموجب للرد قد زال ببيعه، لأن وجوب الرد بفساد البيع حكمه مقصود على ملك المشترى وقد زال ملكه بالبيع من غيره، كذا فى شرح السير الكبير للسرخسى من الباب الخامس بعد المائة. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رہا بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ امیر ومالدار یا ہاشمی کو فقیر کے ہاتھ سے لینے میں اذلال پائے جانے کی وجہ سے خبث کا سبب اسی طرح متحقق ہوتا ہے، جس طرح سے معطی کے ہاتھ سے لینے میں متحقق ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مطلب البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشترى منه (قوله ويطيب للمشترى منه لصحة عقده) فيه أن عقد المشترى فى المسألة الأولى صحيح أيضا، وقد ذكر هذا الحكم فى البحر معزيا للإسبيجابى بدون هذا التعليل، فكان المناسب إسقاطه .ثم اعلم أنه ذكر فى شرح السير الكبير فى الباب الثانى والستين بعد المائة أنه إن لم يرده يكره للمسلمين شراؤه منه، لأنه ملك خبيث بمنزلة المشترى فاسدا إذا أراد بيع المشترى بعد القبض يكره شراؤه منه وإن نفذ فيه بيعه وعتقه، لأنه ملك حصل له بسبب حرام شرعا .اهـ فهذا مخالف لقوله ويطيب للمشترى وقد يجاب بأن ما أخرجه من دار الحرب لما وجب على المشترى رده على الحربى لبقاء المعنى الموجب على البائع رده تمكن الخبث فيه فلم يطب للمشترى أيضا كالبائع، بخلاف البيع الفاسد فإن رده واجب على البائع قبل البيع لا على المشترى لعدم بقاء المعنى الموجب للرد كما قدمنا فلم يتمكن الخبث فيه فلذا طاب للمشترى، وهذا لا ينافى أن نفس الشراء مكروه لحصوله للبائع بسبب حرام، ولأن فيه إعراضا عن الفسخ الواجب، هذا ما ظهر لى(رد المحتار على الدر المختار، ج۵، ص۹۸، باب البيع الفاسد)

(وأما) صفة الملك الثابت للغاصب فى المضمون :فلا خلاف بين أصحابنا فى أن الملك الثابت له يظهر فى حق نفاذ التصرفات، حتى لو باعه، أو وهبه، أو تصدق به قبل أداء الضمان ينفذ، كما تنفذ هذه التصرفات فى المشترى شراء فاسدا، واختلفوا فى أنه هل يباح له الانتفاع به بأن يأكله بنفسه، أو يطعمه غيره قبل أداء الضمان، فإذا حصل فيه فضل هل يتصدق بالفضل؟ قال أبو حنيفة - رضى الله عنه -ومحمد -رحمه الله :-لا يحل له الانتفاع، حتى يرضى صاحبه، وإن كان فيه فضل يتصدق بالفضل، وقال أبو يوسف -رحمه الله :-يحل له الانتفاع ولا يلزمه التصدق بالفضل إن كان فيه فضل، وهو قول الحسن وزفر رحمهما الله وهو القياس، وقول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله استحسان(بدائع الصنائع، ج۷، ص۱۵۳، كتاب الغصب، فصل فى حكم الغصب)

[1] ولو أباح الفقير للغنى أو الهاشمى عين ما أخذ من الزكاة لم يحل له، لأن الملك لم يتبدل ولك أن تقول المحرم ابتداء الأخذ إلى آخره فعلى هذا لو أباح الفقير للغنى أو الهاشمى ينبغى أن يطيب له، لأنه لم يوجد منهما ابتداء الفعل المحرم المقترن بالإذلال قلنا إن لم يوجد منهما الأخذ من يد المتصدق وجد منهما الأخذ من يد الفقير فقد تحقق فى حقهما سبب الخبث ولك أن تقول ليس المحرم نفس الأخذ فقط، بل نفس الأخذ المقرون بالإذلال فينبغى أن لا يكون خبيثا،ونظيره المشترى شراء فاسدا لا يطيب بالإباحة، ولو ملكه يطيب(تكملة البحر الرائق لمحمد بن حسين بن على الطورى، ج۸، ص۷۲، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولىٰ)

تو یہ بات راجح معلوم نہ ہوسکی، کیونکہ فقیر کے ہاتھ سے لینے کی وہ حیثیت نہیں، جو مالک یا معطیِ اول کے ہاتھ سے لینے کی تھی، چنانچہ زکاۃ وصدقہ کے مال کے غریب کی مِلکیت ہونے سے اس کا حکم منتہی ومکمل ہوچکا، جب زکاۃ وصدقہ کی تملیک کی صورت میں ادائیگی ہوگئی، تو پہلے مالک یا معطی کی ملکیت ختم ہوگئی، پہلے وہ مال معطی اور مصدِّق کی ملکیت تھا، اوراب معطیٰ لہٗ کی ملکیت ہوگیا، اوراسی وجہ سے وہ مال اگر ضائع یا ہلاک ہوجائے، تو زکاۃ یا صدقہ دینے والے کو زکاۃ وصدقہ کے اعادہ کا حکم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ جب معطی کی مِلک سے وہ مال نکل گیا، اور معطیٰ لہٗ کی مِلک میں آ گیا، تو ملکیت تبدیل ہوگئی، اور معطیٰ لہٗ کی ملکیت میں خبث نہیں پایا جاتا، تو مباح لہٗ کے لئے خبث کہاں سے آئے گا؟

برخلاف شراءِ فاسد والے مسئلہ کے کہ وہاں عقدِ فاسد ہونے کی وجہ سے ملکیت میں خبث پایا جاتا ہے، جس کے زائل ہوئے بغیر اباحت کی صورت میں وہ خبث دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ فافترقا۔

مذکورہ مسئلہ میں عدمِ جواز کے قول پر پیش آمدہ مشکلات

اگر مذکورہ مسئلہ میں عدمِ جواز کے قول کو ترجیح دی جائے، جس کی رُو سے زکاۃ وصدقہ کی مَد میں غریب کو حاصل شدہ مال کا امیر ومالدار یا ہاشمی کو اس غریب کی اجازت سے غیر مالکانہ طریقہ پر اباحت یا عاریت وغیرہ کے طور پر استعمال ناجائز ہوتا ہے، تو اس میں مندرجہ ذیل اوراس جیسی دوسری مشکلات وپیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱)......تمام غرباء وفقراء زکاۃ یا صدقہ میں حاصل شدہ سارے مال کو خود استعمال نہیں کرتے، بلکہ کثرت کے ساتھ دوسروں کو بھی مالک بنائے بغیر اباحت کے طور پر استعمال وتناول کراتے ہیں، بالخصوص جبکہ کسی غریب وفقیر کے ذمہ ایسے لوگوں کا

نان نفقہ بھی واجب ہو کہ جو زکاۃ کے مستحق نہیں، مثلاً اس کی بیوی مالدار یا ہاشمی ہو۔

چنانچہ غریبوں کو زکاۃ وصدقہ میں جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ اپنی بیوی اور دیگر اہلِ خانہ کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اوران کو مالک نہیں بناتے، مثلاً کسی غریب کو غیر معمولی مقدار میں زکاۃ یا صدقہ کی مَد میں کھانا حاصل ہوا، جس کو وہ خود اور اپنے اہلِ خانہ کو کھلاتا پلاتا ہے، جس میں بعض افراد زکاۃ وصدقہ کے مستحق نہیں ہوتے، مثلاً بیوی مالدار یا ہاشمی ہوتی ہے۔

اب اگر مذکورہ صورت میں عدمِ جواز کا حکم لگایا جائے، تو لازم آتا ہے کہ غریب کو ہر طرح کے تصرفات کا حق حاصل ہونے کے لئے ایک اور مرتبہ اس مال کی تملیک کا مکلّف کیا جائے، جبکہ اس مال کی تملیک کا حکم پہلے ہی اس غریب کی ملکیت میں داخل ہونے سے پورا ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ غریب کو زکاۃ وصدقہ میں حاصل ہونے والی بہت سی اشیاء ایسی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات غریب ان کو اپنی حالت پر اور اپنی ملکیت میں باقی رکھ کر ایک طویل وقت تک استفادہ کرتا ہے، اور بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی استفادہ کی اجازت دیتا ہے، جن میں بعض لوگ غنی اور ہاشمی بھی ہوتے ہیں۔

مثلاً کسی غریب کو زکاۃ یا صدقہ کی مَد میں کوئی کتاب، چارپائی یا اور کوئی فرنیچر کی چیز یا اور کوئی دوسری چیز حاصل ہوئی، جس کو اس نے اپنے گھر میں ضرورت پوری کرنے کے لئے رکھ لیا، اور اس سے اس کے اہلِ خانہ اور مہمان اور آمد ورفت کرنے والے استفادہ کرتے ہیں، جن میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں، جو کہ زکاۃ وصدقہ کے مستحق نہیں ہوتے۔

اب اگر تملیک کے بغیر دوسرے غنی وہاشمی وغیرہ کے لئے استعمال واستفادہ جائز نہ ہو، تو ایسی صورت میں غریب کے اختیار پر پابندی عائد ہوتی ہے، جبکہ زکاۃ وغیرہ

کے لئے تملیک کے شرط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غریب کو اس مال میں تمام تصرفات واختیارات حاصل ہوجائیں، اور یہاں اس کو بعض تصرفات کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، جو کہ تملیک کے مقصود وحکمت کے خلاف ہے۔

(۲)...... زکاۃ کی ادائیگی کے لئے غریب کو مالک بنانا شرط ہے، اور جب زکاۃ ادا کرنے والے نے غریب کو عین مال کا مالک بنا کر زکاۃ دے دی، تو یہ شرط پوری ہوگئی، پھر یہ قرار دینا کہ جب تک وہ غریب اس میں تصرف نہ کرے، اس وقت تک ملکیت تبدیل نہیں ہوتی، اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ زکاۃ وغیرہ بھی اس وقت تک ادا نہ ہو، جب تک غریب اس حاصل شدہ مالِ زکاۃ میں تصرف نہ کرلے، جس کا ظاہر ہے کہ کوئی بھی قائل نہیں۔

(۳)...... فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ غریب کو زکاۃ یا صدقہ کا مال دیتے وقت یہ بتلانا یا تصریح کرنا ضروری نہیں کہ وہ زکاۃ یا صدقہ کا مال ہے، بلکہ ہبہ یا قرض وغیرہ کے عنوان سے زکاۃ وصدقہ دینا بھی جائز ہوتا ہے۔ [1]

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر غریب کو زکاۃ کے عنوان سے لیتے ہوئے عار محسوس ہوتی ہو، تو اس کو زکاۃ کی خبر دینا مناسب بھی نہیں۔ [2]

---

[1] ولا يشترط علم آخذ الزكاة أنها زكاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۲۹۳، مادة "زكاة")

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الانهر، ج۱ ص۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

ومن أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه، وهو الأصح هكذا في البحر الرائق ناقلا عن المبتغي والقنية (الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

[2] د -أن لا يخبر المزكي الفقير أنها زكاة:

قيل لأحمد :يدفع الرجل زكاته إلى الرجل، فيقول :هذا من الزكاة، أو يسكت؟ قال :ولم يبكته بهذا القول؟ يعطيه ويسكت، ما حاجته إلى أن يقرعه؟ وهذا يقتضي الكراهة وبه صرح اللقاني من المالكية ، قال :لما فيه من كسر قلب الفقير. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب اگر عدمِ جواز کے قول کو اختیار کیا جائے، تو اگر مذکورہ طریقہ پر غریب کو زکاۃ یا صدقہ کی مَد میں کوئی چیز حاصل ہوئی، اور زکاۃ وصدقہ کی ادائیگی کا حکم بھی پورا ہوگیا، مگر اس چیز کے زکاۃ یا صدقہ ہونے کا اس غریب کو علم بھی نہیں، چہ جائیکہ آگے کسی اور شخص کو اس کا علم ہو، ان حالات میں اس غریب اور کسی اور امیر ومالدار یا ہاشمی کو اس چیز کا مکلّف کرنا کہ امیر ومالدار یا ہاشمی مالک بنے بغیر اس چیز کو استعمال نہیں کرسکتا، یہ ایک طرح سے تکلیف مالا یطاق کی قبیل سے ہے، جس کا شریعت نے مکلّف نہیں کیا۔

(۴)...... فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق بعض کفارات وغیرہ کے لئے تملیک شرط نہیں، بلکہ اباحت بھی کافی ہے، مثلاً قسم کا کفارہ۔ [۱]

اب اگر کسی غریب کو زکاۃ وصدقہ میں کوئی کھانے پینے کی چیز حاصل ہوئی، اور یہ اس چیز کو دوسرے غریب کو اباحت کرکے اور کھلا کر اپنی قسم وغیرہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو مبحوث فیہ مسئلہ میں ان حضرات کی بیان کردہ تعلیل وتفصیل کا تقاضا یہ ہوگا کہ شخصِ مذکور کا کفارہ اُس کھانے سے ادا نہ ہو، کیونکہ اگلے غریب کا اس کھانے کو کھانا ملکیت کی تبدیلی کے بغیر کہلائے گا، اور جب تک غریب اس مال میں تصرف نہ کرلے، اس وقت تک اس سے دوسرا وظیفہ اباحت کے طور پر ادا کرنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن أبی هریرة من الشافعیة :لا بد أن یقول بلسانه شیئا، کالهبة، قال النووی :هذا لیس بشیء .قال :والصحیح المشهور أنه إذا دفعها إلی المستحق ولم یقل هی زکاة، ولا تکلم بشیء أصلا فإنها تجزئه وتقع زکاة .لکن قال الشافعیة :إن أعطاه ولم یبین له أنها زکاة فبان الآخذ غنیا لم یرجع علیه بشیء(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص۳۰۲، مادة "زکاة")

[۱] (قوله :کما جاز لو أطعم) یشمل التملیک والإباحة، وعبر فی الکنز بأعطی المختص بالتملیک .والحق أنه لا فرق علی المذهب، وتمامه فی البحر .وفیه :والکسوة فی کفارة الیمین کالإطعام(ردالمحتار، ج۳ص۴۷۹، باب کفارة الظهار)

والضابط أن ما شرع بلفظ الإطعام والطعام یجوز فیه التملیک والإباحة وما شرع بلفظ الإیتاء أو الأداء یشترط فیه التملیک(مجمع الانهر، ج۱ص۴۵۳، باب الظهار)

درست نہ ہوگا۔

ان جیسی مشکلات اور پیچیدگیوں اور مزید براں مذکورہ قوی دلائل کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ جب زکاۃ یا صدقہ دینے والے نے اس زکاۃ یا صدقہ کے مال کا غریب کو مالک بنادیا، تو اس غریب کی خوشدلی سے اس مال کو غنی ومالدار کے لئے مباح کرنے سے اس کے لئے استعمال جائز ہوجائے گا۔

اور اسی وجہ سے اگر کسی نے غریب کو زکاۃ یا صدقہ میں کتابیں یا چارپائی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز دی، یا کھانے پینے کی کوئی چیز دی، یا مثلاً عطر وخوشبو وغیرہ دی، اور پھر وہ غریب مالک بننے کے بعد اپنی خوش دلی سے کسی مالدار یا ہاشمی کو یہ چیز مالک بنائے بغیر استعمال کرنے کے لئے پیش کرے، یا کسی کو ضیافت کے طور پر ایسی چیز کھلائے پلائے، تو اس کے لئے اس چیز کا استعمال کرنا جائز ہے، جس طرح سے مالدار یا ہاشمی کے لئے جائز طریقہ پر مالک بن کر ان چیزوں کا استعمال جائز ہے، اور اس کی تفصیل ابوداؤد کی شرح بذل المجہود اور دیگر کئی کتب کے حوالے سے اور دیگر دلائل کی روشنی میں ذکر کی جاچکی ہے۔ فقط۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان ۲۰/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۵ھ 21/ اپریل/ 2014ء بروز پیر

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنو ہاشم اور سید کو زکاۃ کا حکم

تمہید

مدتِ دراز سے بہت سے اہلِ علم اور عوام کی طرف سے اس طرح کی باتیں سننے میں آتی رہیں کہ ان کے علاقوں یا ان کی نظروں میں بنو ہاشم نسب کے متعدد افراد اور ہاشمی، سید، عباسی، علوی وغیرہ کے نسب سے مشہور ومعروف بے شمار خواتین وحضرات ایسے ہیں کہ جو بہت غریب اور پس ماندہ بلکہ خستہ حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، اور نسب کے سلسلہ میں فقہائے کرام نے شہرت کو کافی قرار دیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو بنو ہاشم یا ہاشمی قرار دیا جائے، اور جب زکاۃ یا واجب صدقات سے ایسے خستہ حال اور پس ماندہ خواتین وحضرات کی اعانت ومدد کا سوال پیش آتا ہے، تو اہلِ علم حضرات ان کو زکاۃ اور واجب صدقات دینے سے منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات کا دینا جائز نہیں، اور جب اس کے بجائے لوگوں کو نفلی صدقات یا عطیات وغیرہ کے ذریعہ ایسے حضرات کی ضیافت یا اعانت کی تلقین کی جاتی ہے، تو عوام اس کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ایسے حالات میں ہاشمی نسب رکھنے والے یہ حضرات انتہائی کسمپرسی کے عالَم میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور طرح طرح سے کوفت وتکلیف اٹھاتے ہیں، تو اس قسم کے ناگفتہ بہ مخصوص حالات میں اہلِ علم حضرات کو اس مسئلہ میں گنجائش یعنی بنو ہاشم یا ہاشمی حضرات کے لئے زکاۃ وصدقات کے جائز ہونے کا راستہ نکالنا چاہئے۔

اسی ضرورت کے لئے بندہ نے بنو ہاشم اور سید کو زکاۃ دینے کے جواز وعدمِ جواز سے متعلق زیرِ نظر قدرے مفصل مضمون مرتب کیا ہے، اس لئے اہلِ علم حضرات کو موجودہ حالات کے اسی تناظر میں اس مضمون کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

جہاں تک سابقہ یا موجودہ دور کے اکثر ودیگر ایسے اہلِ علم حضرات کے موقف ودلائل کا تعلق ہے، جو عدمِ جواز کے قائل ہیں، تو اس مضمون سے ہمارا مقصود ان حضرات سے معارضہ یا ان کی تردید کرنا نہیں ہے۔

اور اسی وجہ سے ہم نے اپنے اس مضمون میں عدمِ جواز سے متعلق سابق موقف کے قائلین حضرات کے دلائل کی تردید سے تعرض نہیں کیا، البتہ اپنے موقف کے اظہار یا اثبات کے لئے جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی، شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، اور اسی طرح بعض اہلِ علم حضرات کی عبارات کے ضمن میں بھی بعض چیزوں کا ذکر آ گیا ہے۔

اور ہمارا یہ مضمون اس تمہید کے ساتھ ایک مستقل اور اہم موضوع ہونے کی وجہ سے ایک مقدمہ، تین فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

اگر کسی صاحبِ علم کو ہمارے مضمون میں مذکور دلائل سے قلبی وذہنی اطمینان نہ ہو، اور اس کو جمہور کے سابق موقف پر ہی اطمینان یا رجحان ہو، تو اسے اپنے موقف پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے۔ مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اگر اپنے اطمینان ورجحان پر قائم رہنے کو حق سمجھتا ہے، تو اسے دوسرے کے اطمینان ورجحان کو بھی برداشت کرنا چاہئے، شرعی وفقہی مجتہَد فیہ مسائل میں یہی طرز اختیار کرنا اعتدال کہلاتا ہے، اور اس کے بجائے یکطرفہ طور پر دوسرے موقف کی تردید کے درپے ہونا غیر معتدل طریقہ شمار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال پر قائم رہنے اور حق کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان ۳/ رجب المرجب/ ۱۴۳۵ھ 03/ مئی/ 2014ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(مقدمہ)

بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقہ سے متعلق فقہاء کے اقوال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قرابت دار یعنی بنو ہاشم جن کو ہاشمی بھی کہا جاتا ہے، ان کو عام حالات میں اکثر فقہائے کرام حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے اصل مذہب کے مطابق زکاۃ دینا جائز نہیں۔

البتہ بعض حضرات مخصوص صورتوں میں اجازت کے قائل ہیں۔

بنو ہاشم یا ہاشمی وہ حضرات کہلاتے ہیں کہ جو یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، جن کو علوی بھی کہا جاتا ہے (اور ان میں سید ذات کے افراد بھی داخل ہیں، یعنی جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے مشترک نسب سے تعلق رکھتے ہوں) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، جن کو عباسی بھی کہا جاتا ہے، یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں۔ [۱]

---

[۱] اور فقہائے کرام کے نزدیک ابولہب کا نسب اس میں داخل نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابولہب کی قرابت کو شریعت نے باطل قرار دے دیا ہے۔

ولا يجوز أن يعطى من الزكاة فقراء بنى هاشم، ولا مواليهم، قال عليه السلام الصدقة محرمة على بنى هاشم ومولى القوم من أنفسهم، وقال عليه السلام :يا بنى هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس، وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنيمة .

قال :وبنو هاشم الذى تحرم عليهم الصدقة آل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل على، وولد الحارث بن عبد المطلب؛ لأن الله تعالى إنما حرم الصدقة على من عوضه عنه خمس الخمس من الغنيمة، وهو خمس ذوى القربى، ومنهم ذوى القربى يختص هؤلاء ، فكذا تحرم الصدقة، وإنما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اورحنابلہ کی ایک روایت کے مطابق بنومطلب کوزکاۃ دینا جائز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والبذور والكفارات، فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس؛ لأن في الواجب المؤدى نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى بمنزلة من استعمل الماء في الوضوء، وهو معنى قوله يا بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس(المحيط البرهاني، ج۲ص ۲۸۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن)

قال :(ولا إلى هاشمي) لقوله -صلى الله عليه وسلم :-يا بني هاشم إن الله حرم عليكم أوساخ الناس وعوضكم عنها بخمس الخمس وهم :آل عباس، وآل علي، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبد المطلب، لأنهم ينتسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ولأن هؤلاء هم المستحقون لخمس الخمس، وهو سهم ذوي القربى دون غيرهم من الأقارب، فالله تعالى حرم الصدقة على فقرائهم وعوضهم بخمس الخمس، فيختص تحريم الصدقة بهم، ويبقى من سواهم من الأقارب كالأجانب فتحل لهم الصدقة(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(ولا) تدفع (إلى هاشمي من آل علي أو عباس أو جعفر أو عقيل) بفتح العين (أو الحارث بن عبد المطلب، ولو كان عاملا عليها) أي على الزكاة لقوله -عليه الصلاة والسلام -إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا آل محمد والعباس والحارث ابنا عبد المطلب وعلي وجعفر وعقيل أولاد أبي طالب -رضي الله تعالى عنهم - ، وفائدة التخصيص بهؤلاء أنه يجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم كذرية أبي لهب كما في الجوهرة وهو ظاهر الرواية(مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۴، كتاب الزكاة، باب في بيان احكام المصرف)

ولا يدفع إلى بني هاشم، وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب كذا في الهداية ويجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم كذرية أبي لهب؛ لأنهم لم يناصروا النبي -صلى الله عليه وسلم -كذا في السراج الوهاج .هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم كذا في الكافي، وكذا لا يدفع إلى مواليهم كذا في العيني شرح الكنز .ويجوز صرف خمس الركاز والمعدن إلى فقراء بني هاشم كذا في الجوهرة النيرة(الفتاوى الهندية، ج ۱ ،ص ۸۹، كتاب الزكاة ،الباب السابع)

حكم أخذ آل البيت من الصدقة المفروضة:

إن آل محمد صلى الله عليه وسلم المذكورين لا يجوز دفع الزكاة المفروضة إليهم باتفاق فقهاء المذاهب الأربعة، لقوله عليه الصلاة والسلام :يا بني هاشم إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم، وعوضكم عنها بخمس الخمس.

والذين ذكروا ينسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ونسبة القبيلة إليه.

وخرج أبو لهب -وإن كان من الآل -فيجوز الدفع إلى بنيه، لأن النص أبطل قرابته، وهو قوله صلى الله عليه وسلم لا قرابة بيني وبين أبي لهب، فإنه آثر علينا الأفجرين ولأن حرمة الصدقة على بني

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہے، جبکہ بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک بنوہاشم کی طرح بنومطلب کو بھی زکاۃ دینا جائز نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ هاشم كرامة من الله لهم ولذريتهم، حيث نصروه صلى الله عليه وسلم في جاهليتهم وفي إسلامهم .وأبو لهب كان حريصا على أذى النبي صلى الله عليه وسلم، فلم يستحقها بنوه .وهذا هو المذهب عند كل من الحنفية والحنابلة .وفي قول آخر في كلا المذهبين: يحرم إعطاء من أسلم من آل أبي لهب، لأن مناط الحكم كونهم من بني هاشم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ١٠٠، الیٰ ص ١٠٢، مادة "آل")

[1] ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے درجہ کے دادا کا نام عبدمناف تھا، جن کے چار بیٹے تھے، ایک کا نام ہاشم، دوسرے کا نام مطلب، تیسرے کا نام نوفل اور چوتھے کا نام عبدشمس تھا، تو حنفیہ کے نزدیک ہاشم کی اولاد کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور اسی نسبت سے ایسے حضرات کو بنوہاشم یا ہاشمی کہا جاتا ہے، اور ہاشم کے باقی بھائیوں کی اولاد کو زکاۃ دینا جائز ہے۔

جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بنوہاشم کی طرح مطلب کی اولاد کو بھی زکاۃ دینا ناجائز ہے، جن کو بنومطلب یا مطلبی کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(و) لا إلى (بني هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب، فتحل لمن أسلم منهم كما تحل لبني المطلب(الدرالمختار)

(قوله :وبني هاشم إلخ) اعلم أن عبد مناف وهو الأب الرابع للنبي -صلى الله عليه وسلم -أعقب أربعة وهم :هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة انقطع نسل الكل إلا عبد المطلب فإنه أعقب اثني عشر تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء إلا أولاد عباس وحارث وأولاد أبي طالب من علي وجعفر وعقيل قهستاني، وبه علم أن إطلاق بني هاشم مما لا ينبغي إذ لا تحرم عليهم كلهم بل على بعضهم ولهذا قال في الحواشي السعدية :إن آل أبي لهب ينسبون أيضا إلى هاشم وتحل لهم الصدقة .اهـ(ردالمحتار، ج٢ ص ٣٥٠، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

المطلبي هو من ينسب إلى المطلب بن عبد مناف، وهو أخو هاشم بن عبد مناف، الجد الثاني لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

الأحكام المتعلقة بالمطلبي :وردت الأحكام المتعلقة ببني المطلب في مواضع من كتب الفقهاء منها:

أ -دفع الزكاة إليهم:

اختلف الفقهاء في جواز دفع الزكاة لبني المطلب بن عبد مناف.

فذهب الجمهور -وهم الحنفية والمالكية والحنابلة في رواية -إلى أنه يجوز دفع الزكاة إلى بني المطلب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨ص ١١٢، مادة " مطلبي")

ذهب الحنفية والمالكية إلى أنه يجوز دفع الزكاة لبني المطلب، وعليه فيجوز كونه عاملا وآخذ الأجرة من الزكاة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ، مالکیہ اورشافعیہ کے نزدیک، بنو ہاشم کو زکاۃ کے علاوہ واجب صدقات مثلاً قسم، ظہار اورقتل کا کفارہ وغیرہ بھی دینا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف أصحاب الشافعي -وهم الذين حرموا على بنى المطلب الزكاة -فى ذلك على وجهين مشهورين.

أحدهما - :وهو الأصح عند جمهور الأصحاب -لا يجوز لحديث عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث رضى الله عنه أنه والفضل بن عباس رضى الله عنهما أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألاه أن يؤمرهما على بعض الصدقات، فيؤديانه إليه كما يؤدى الناس، ويصيبا كما يصيبون فسكت طويلا ثم قال :إن الصدقة لا تنبغى لآل محمد، إنما هى أوساخ الناس، وفى رواية :إن هذه الصدقات إنما هى أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد.

والثانى :يجوز للمطلبى أن يكون عاملا فى الزكاة لأن ما يأخذه على وجه العوض، فلو استعمله الإمام مثلا فى الحفظ أو النقل جاز، وله أجرته، قال النووى رحمه الله :قال أصحابنا الخراسانيون : هذان الوجهان مبنيان على أن ما يأخذه العامل هل هو أجرة أو صدقة؟ وفيه وجهان فإن قلنا :هو أجرة جاز وإلا فلا، وهو يشبه الإجارة من حيث التقدر بأجرة المثل، ويشبه الصدقة من حيث أنه لا يشترط عقد إجارة، ولا مدة معلومة ولا عمل معلوم.

والخلاف فيمن طلب على عمله سهما من الزكاة، فأما إذا تبرع بعمله بلا عوض، أو دفع الإمام إليه أجرته من بيت المال فإنه يجوز كونه هاشميا، أو مطلبيا بلا خلاف، قال الماوردى :يجوز كونه هاشميا، ومطلبيا إذا أعطاه الإمام من سهم المصالح .

وعند الحنابلة لا يجوز أن يكون المطلبى عاملا على الزكاة إذا أخذ أجرته منها، أما إذا دفعت له أجرته من غير الزكاة فإنه يجوز أن يكون عاملا عليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸، ص۱۱۳ ،مطلبى، مادة "آل")

واختلف فى بنى المطلب أخى هاشم هل تدفع الزكاة إليهم؟

فمذهب الحنفية، والمشهور عند المالكية، وإحدى روايتين عند الحنابلة، أنهم يأخذون من الزكاة، لأنهم دخلوا فى عموم قوله تعالى (إنما الصدقات للفقراء والمساكين) لكن خرج بنو هاشم لقول النبى صلى الله عليه وسلم إن الصدقة لا تنبغى لآل محمد فيجب أن يختص المنع بهم.

ولا يصح قياس بنى المطلب على بنى هاشم، لأن بنى هاشم أقرب إلى النبى صلى الله عليه وسلم وأشرف، وهم آل النبى صلى الله عليه وسلم ومشاركة بنى المطلب لهم فى خمس الخمس لم يستحقوه بمجرد القرابة، بدليل أن بنى عبد شمس وبنى نوفل يساوونهم فى القرابة ولم يعطوا شيئا، وإنما شاركوهم بالنصرة، أو بهما جميعا، والنصرة لا تقتضى منع الزكاة.

ومذهب الشافعية والقول غير المشهور عند المالكية وإحدى الروايتين عن الحنابلة، أنه ليس لبنى المطلب الأخذ من الزكاة، لقول النبى صلى الله عليه وسلم إنا وبنو المطلب لم نفترق فى جاهلية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ حنابلہ کے نزدیک بعض واجب صدقات (نذر و منت کے مال) کا دینا جائز ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا إسلام .إنما نحن وهم شيء واحد وفي رواية إنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد .وشبك بين أصابعه ولأنهم يستحقون من خمس الخمس، فلم يكن لهم الأخذ، كبني هاشم .وقد أكد ذلك ما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم علل منعهم الصدقة باستغنائهم عنها بخمس الخمس، فقال صلى الله عليه وسلم :أليس في خمس الخمس ما يغنيكم؟

هذا وقد روى أبو عصمة عن أبي حنيفة أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه.

والمشهور عند المالكية أن محل عدم إعطاء بني هاشم من الزكاة إذا أعطوا ما يستحقونه من بيت المال، فإن لم يعطوا، وأضر بهم الفقر أعطوا منها .وإعطاؤهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم.

وقيده الباجي بما إذا وصلوا إلى حالة يباح لهم فيها أكل الميتة، لا مجرد ضرر .والظاهر خلافه وأنهم يعطون عند الاحتياج ولو لم يصلوا إلى حالة إباحة أكل الميتة، إذ إعطاؤهم أفضل من خدمتهم لذمي أو ظالم.

وقال الشافعية :إنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الزكاة، وإن حبس عنهم الخمس، إذ ليس منعهم منه يحل لهم ما حرم عليهم من الصدقة، خلافا لأبي سعيد الإصطخري الذي قال :إن منعوا حقهم من الخمس جاز الدفع إليهم، لأنهم إنما حرموا الزكاة لحقهم في الخمس، فإذا منعوا منه وجب أن يدفع إليهم .

والظاهر من إطلاق المنع عند الحنابلة أنه تحرم على الآل الصدقة وإن منعوا حقهم في الخمس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، الیٰ ص ۱۰۲، مادة "آل")

[1] وكذلك الحكم فيما سوى الزكاة من الصدقات الواجبات كصدقة الفطر والكفارات والعشور والنذور وغير ذلك، لأنها في معنى الزكاة، فإنه يطهر نفسه بأداء الواجب وإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، بخلاف صدقة التطوع حيث تحل للهاشمي لأنها لا تدنس كالوضوء للتبرد (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

أخذ الآل من الكفارات والنذور وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف:

ذهب الحنفية والمالكية والشافعية إلى أنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الأخذ من كفارة اليمين والظهار والقتل وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف .وهو رواية عند الحنابلة في الكفارات، لأنها أشبهت الزكاة .وعن أبي يوسف من الحنفية أنه يجوز لهم أخذ غلة الوقف إذا كان الوقف عليهم، لأن الوقف عليهم حينئذ بمنزلة الوقف على الأغنياء .

فإن كان على الفقراء ، ولم يسم بني هاشم، لا يجوز.

وصرح في "الكافي "بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف، فقال : وأما التطوع والوقف، فيجوز الصرف إليهم، لأن المؤدى في الواجب يطهر نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المال المؤدى، كالماء المستعمل، وفي النفل يتبرع بما ليس عليه، فلا يتدنس به المؤدى . اهـ

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور بنو ہاشم کو اکثر حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک نفلی صدقات کا دینا جائز ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک نفلی صدقات کا دینا بھی ناجائز یا مکروہ ہے۔ [1]

حنفیہ کی ظاہر الروایہ کے مطابق بھی بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات (مثلاً صدقۂ فطر، قسم کا کفارہ، روزہ کا فدیہ وغیرہ) کا دینا جائز نہیں، اور اسی کے مطابق اب تک اکثر حنفی حضرات ومشائخ فتویٰ دیتے آئے ہیں، لیکن حنفیہ کی ایک روایت اور باقی تینوں فقہ کے سلسلہ کے کئی جلیل القدر اہلِ علم حضرات کے قول کے مطابق موجودہ دور میں جبکہ بنو ہاشم کے لئے مالِ غنیمت کے خُمس وغیرہ کی شکل میں زکاۃ وصدقات کا متبادل موجود نہیں، تو ایسی حالت میں بنو ہاشم کو زکاۃ کی نہ صرف یہ کہ گنجائش ہے، بلکہ ایسی حالت میں بعض حضرات کے نزدیک بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقات کا دینا دوسرے عام غریب مسلمان لوگوں کو دینے کے مقابلہ میں افضل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال صاحب فتح القدير :والحق الذى يقتضيه النظر إجراء صدقة الوقف مجرى النافلة، فإن ثبت فى النافلة جواز الدفع، يجب دفع الوقف، وإلا فلا، إذ لا شك فى أن الواقف متبرع بتصدقه بالوقف، إذ لا إيقاف واجب.

وذهب الحنابلة إلى جواز أخذ الآل من الوصايا لأنها تطوع، وكذا النذور، لأنها فى الأصل تطوع، فأشبه ما لو وصى لهم .وعلى ذلك يجوز لهم الأخذ منهما.

وفى الكفارة عندهم وجه آخر بالجواز، لأنها ليست بزكاة ولا هى أوساخ الناس، فأشبهت صدقة التطوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ١٠٢، وص ١٠٣، مادة "آل")

[1] حكم أخذ الآل من صدقة التطوع:

للفقهاء فى هذه المسألة ثلاثة اتجاهات:

الأول :الجواز مطلقا، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد، لأنها ليست من أوساخ الناس، تشبيها لها بالوضوء على الوضوء .

الثانى :المنع مطلقا، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد أيضا، وهى الأظهر عند الحنابلة، لأن النصوص الواردة فى النهى عن أخذ آل البيت من الصدقة عامة، فتشمل المفروضة والنافلة.

الثالث :الجواز مع الكراهة، وهو مذهب المالكية، جمعا بين الأدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ١٠٣، مادة "آل")

اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کو اپنی زکاۃ وصدقہ کا دوسرے بنو ہاشم کو دینا جائز ہے، اور کئی اہلِ علم حضرات نے ان اقوال یا روایات پر فتویٰ دیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی موجودہ دور میں بوقتِ ضرورت، ضرورت مند فقیر ومسکین بنو ہاشم کو زکاۃ اور دیگر تمام صدقات دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

آگے الگ الگ فصلوں میں اس مسئلہ کے متعلقہ پہلوؤں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(فصل نمبر ۱)

زکاۃ، صدقات اور مالِ غنیمت وفیئ کا مصرَف

فقراء ومساکین، زکاۃ وصدقات کا مصرف

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے جو زکاۃ وصدقات کے چند مصارف بیان فرمائے ہیں، ان میں پہلے دو مصارِف فقراء اور مساکین ہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (سورة التوبة، رقم الآية ٦٠)

ترجمہ: بس صدقات ہیں فقیروں کے لئے، اور مسکینوں کے لیے (سورہ توبہ)

اور فقیروں ومسکینوں سے مراد ایسے غریب اور تنگ دست لوگ ہیں کہ جن کے پاس بالکل مال نہ ہو، یا اتنا مال نہ ہو کہ جس پر زکاۃ فرض ہوتی یا قربانی وغیرہ کا حکم ہوتا ہے۔ [۱]

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں فقراء اور مساکین کے الفاظ عام ہیں، جس کی وجہ سے یہ الفاظ کسی خاندان یا قبیلہ کی تخصیص کے بغیر فی نفسہٖ ہر طرح کے غریب اور تنگ دست لوگوں کو شامل تھے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت دار اور بنو ہاشم بھی داخل تھے، کیونکہ زکاۃ وصدقات کا اہم مقصد غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر کے

---

[۱] والمراد من الصدقات الزكوات فيخرج غيرها من التطوع، والفقير على ما روى عن الإمام أبى حنيفة رضى الله تعالى عنه من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق فى الحاجة، والمسكين من لا شيء له فيحتاج للمسألة لقوته وما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الأول حيث لا تحل له المسألة فإنها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد ستر بدنه، وعند بعضهم لا تحل لمن كان كسوبا أو يملك خمسين درهما (روح المعانى للآلوسى، ج۵ص۳۱۰، سورة التوبة، رقم الآية ٦٠)

اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔

لہٰذا مذکورہ آیت کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے مسلمانوں کے خاندانوں اور قبیلوں کے فقراء ومساکین کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلم قرابت داروں اور بنو ہاشم کو بھی زکاۃ دینا جائز ہوتا، جبکہ وہ غریب اور تنگ دست ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے زکاۃ وغیرہ کی ممانعت

لیکن احادیث وروایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت، آل اور بنو ہاشم وغیرہ الفاظ کے ساتھ مخصوص قرابت داروں کے لئے زکاۃ وصدقات کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ وہ احادیث وروایات آگے آتی ہیں، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت داروں کو اکثر فقہائے امت نے عام حالات میں زکاۃ کے اعتبار سے فقیر ومسکین کا مصرف ہونے سے خارج کیا ہے، اوران کے لئے زکاۃ کو روا نہیں رکھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے مالِ غنیمت وفیئ کا حصہ

اسی کے ساتھ زکاۃ کے عوض اور بدلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت دار اور بنو ہاشم کی حاجت وضرورت پوری کرنے کے لئے زکاۃ کے بجائے مالِ غنیمت اور مالِ فیئ میں سے مستقل حصہ رکھ دیا گیا تھا، بلکہ بہت سے اہلِ علم حضرات کے بقول بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات کے ناجائز اور ممنوع ہونے کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے لئے زکاۃ وصدقہ کے بدلہ میں مالِ غنیمت اور مالِ فیئ وغیرہ سے حصہ مقرر تھا۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورۃ الانفال، رقم الآیۃ ۴۱)

ترجمہ: اور جان لو کہ بس جو کچھ تمہیں غنیمت کے طور پر ملے، جو بھی چیز ہو، تو بے

شک اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ، اور رسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافر کے لیے (سورہ انفال)

اس آیت میں مالِ غنیمت کا مصرَف بیان کیا گیا ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور قرابت والوں کا ہے، جس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، جن کو بنو ہاشم وغیرہ کہا جاتا ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا بھی ہے۔ [1]

اور قرآن مجید کی سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (سورة الحشر، رقم الآية ۷)

ترجمہ: جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا، تو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے ہے اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے (سورہ حشر)

اس آیت میں دیہات والوں سے مفت میں حاصل ہونے والے مال سے مراد مالِ فیئ ہے، اور اس مال کا مصرَف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور قرابت والوں کا ہے، جس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، جن کو بنو ہاشم وغیرہ کہا جاتا ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا بھی ہے۔ [2]

---

[1] ولذی القربی یعنی أقرباء رسول الله -صلی الله علیه وسلم -وهم بنو هاشم وبنو المطلب لحدیث جبیر بن مطعم (التفسیر المظهری، سورة الحشر، تحت رقم الآیة ۷)

[2] (ما أفاء الله علی رسوله من أهل القری) کالصفراء ووادی القری وینبع (فلله) یأمر فیه بما یشاء (وللرسول ولذی) صاحب (القربی) قرابة النبی من بنی هاشم وبنی المطلب (والیتامی) أطفال المسلمین الذین هلکت آباؤهم وهم فقراء (والمساکین) ذوی الحاجة من المسلمین (وابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص قرابت داروں کا تعاون مالِ غنیمت اور مالِ فیئ سے کیا جاتا ہے، اور قرآن مجید کی تصریح اور وضاحت کے مطابق مالِ غنیمت اور مالِ فیئ میں سے ان شخصیات وحضراتِ گرامی کے لئے مستقل حصہ مقرر ہے۔

حضرت عبدُ المطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ رَبِيْعَةَ بْنَ الْحَارِثِ، وَعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَا لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ: اِئْتِيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُوْلَا لَهُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَدْ بَلَغْنَا مِنَ السِّنِّ مَا تَرٰى، وَأَحْبَبْنَا أَنْ نَتَزَوَّجَ وَأَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَبَرُّ النَّاسِ، وَأَوْصَلُهُمْ، وَلَيْسَ عِنْدَ أَبَوَيْنَا مَا يُصْدِقَانِ عَنَّا، فَاسْتَعْمِلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى الصَّدَقَاتِ، فَلْنُؤَدِّ إِلَيْكَ مَا يُؤَدِّي الْعُمَّالُ، وَلْنُصِبْ مَا كَانَ فِيْهَا مِنْ مَرْفَقٍ، قَالَ: فَأَتٰى عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وَنَحْنُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ، فَقَالَ لَنَا: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا، وَاللّٰهِ لَا نَسْتَعْمِلُ مِنْكُمْ أَحَدًا عَلَى الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لَهُ رَبِيْعَةُ، هٰذَا مِنْ أَمْرِكَ قَدْ نِلْتَ صِهْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَحْسُدْكَ عَلَيْهِ، فَأَلْقٰى عَلِيٌّ رِدَاءَهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَنَا أَبُوْ حَسَنٍ الْقَرْمُ، وَاللّٰهِ لَا أَرِيْمُ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْكُمَا ابْنَايَ بِجَوَابِ مَا بَعَثْتُمَا بِهِ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السبيل) المنقطع في سفره من المسلمين أي يستحقه النبي صلى الله عليه وسلم والأصناف الأربعة على ما كان يقسمه من أن لكل من الأربعة خمس الخمس وله الباقي (كي لا) كي بمعنى اللام وأن مقدرة بعدها (يكون) الفيء علة لقسمه كذلك (دولة) متداولا (بين الأغنياء منكم وما آتاكم أعطاكم (الرسول) من الفيء وغيره (فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب) (تفسير الجلالين،سورة الحشر، تحت رقم الآية ٧)

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: فَانْطَلَقْتُ أَنَا، وَالْفَضْلُ إِلٰى بَابِ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى نُوَافِقَ صَلَاةَ الظُّهْرِ قَدْ قَامَتْ فَصَلَّيْنَا مَعَ النَّاسِ، ثُمَّ أَسْرَعْتُ أَنَا، وَالْفَضْلُ إِلَى بَابِ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُمْنَا بِالْبَابِ حَتّٰى أَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ بِأُذُنِيْ وَأُذُنِ الْفَضْلِ، ثُمَّ قَالَ: أَخْرِجَا مَا تُصَرِّرَانِ، ثُمَّ دَخَلَ فَأَذِنَ لِيْ وَلِلْفَضْلِ، فَدَخَلْنَا فَتَوَاكَلْنَا الْكَلَامَ قَلِيْلًا، ثُمَّ كَلَّمْتُهُ، أَوْ كَلَّمَهُ الْفَضْلُ، قَدْ شَكَّ فِيْ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: كَلَّمَهُ بِالْأَمْرِ الَّذِيْ أَمَرَنَا بِهٖ أَبَوَانَا، فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً، وَرَفَعَ بَصَرَهٗ قِبَلَ سَقْفِ الْبَيْتِ، حَتّٰى طَالَ عَلَيْنَا أَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ إِلَيْنَا شَيْئًا، حَتّٰى رَأَيْنَا زَيْنَبَ تَلْمَعُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ بِيَدِهَا، تُرِيْدُ أَنْ لَّا تَعْجَلَا، وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَمْرِنَا، ثُمَّ خَفَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهٗ، فَقَالَ لَنَا: إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ، وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ، اُدْعُوْا لِيْ نَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ، فَدُعِيَ لَهٗ نَوْفَلُ بْنُ الْحَارِثِ، فَقَالَ: يَا نَوْفَلُ، أَنْكِحْ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ، فَأَنْكَحَنِيْ نَوْفَلٌ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُدْعُوْا لِيْ مَحْمِئَةَ بْنَ جَزْءٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ زُبَيْدٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَهٗ عَلَى الْأَخْمَاسِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَحْمِئَةَ: أَنْكِحِ الْفَضْلَ فَأَنْكَحَهٗ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُمْ فَأَصْدِقْ عَنْهُمَا مِنَ الْخُمُسِ كَذَا وَكَذَا لَمْ يُسَمِّهٖ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ

الْحَارِثِ(سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: ان کے والد ربیعہ بن حارث اور عباس بن عبدالمطلب نے عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس سے کہا کہ تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ اے اللہ کے رسول! اب ہماری جو عمر ہوگئی ہے، اس سے آپ واقف ہی ہیں (یعنی ہم بالغ ہوگئے ہیں اور شادی کے لائق ہیں) ہم چاہتے ہیں کہ نکاح کرلیں اور اے اللہ کے رسول! آپ سب لوگوں سے بڑھ کر بھلائی پہنچانے والے اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، ہمارے والدین کے پاس (ہمارے نکاح میں) مہر دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، پس آپ ہمیں صدقات کی وصولی پر (عامل بنا کر) مامور ومقرر فرما دیجئے، ہم آپ کو وہی دیں گے جو دوسرے عامل لا کر دیا کرتے ہیں (اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لیں گے) اور اس سے جو فائدہ حاصل ہوگا، وہ ہم پائیں گے (یعنی ہمیں اس پر زکاۃ وصدقات سے محنت کا معاوضہ حاصل ہوگا) عبدالمطلب کہتے ہیں کہ ابھی ہم یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے اور بولے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کو بھی صدقات کی وصولی پر مامور ومقرر نہیں کریں گے، ربیعہ نے کہا کہ تم یہ سب حسد کی بنا پر کہہ رہے ہو، تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بن گئے اور ہم نے تم پر حسد نہیں کیا، یہ سن کر حضرت علی نے اپنی چادر بچھائی اور اس پر لیٹ گئے اور کہا کہ میں ابوالحسن ہوں عقل اور تجربہ میں تم سے زیادہ ہوں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا، جب تک تمہارے بیٹے اس کام سے ناامید ہوکر نہیں آجاتے، جس مقصد کے

---

[1] رقم الحدیث ۲۹۸۵، کتاب الخراج والامارة والفیئ، باب فی بیان مواضع قسم الخمس، وسهم ذی القربی.
قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیة ابی داؤد)

لئے تم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج رہے ہو، عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل بن عباس دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُجرے کے دروازے کے پاس گئے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، اور اقامت ہوئی اور ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں اور فضل جلدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے دروازے کی طرف چلے، آپ اس دن حضرت زینب بنتِ جحش کے پاس تھے، ہم دروازے پر کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ نے (ازراہِ شفقت) میرا اور فضل کا کان پکڑا، اس کے بعد فرمایا کہ جو تمہارے دل میں ہے کہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور ہم دونوں کو اندر آنے کی اجازت دی، ہم اندر چلے گئے، تھوڑی دیر تک ہم ایک دوسرے کو گفتگو شروع کرنے کے لیے کہتے رہے، آخر کار میں نے یا فضل نے اس میں عبداللہ (راوی) کو شک ہے، وہی کہہ دیا جو ہمارے والدین نے ہم سے کہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے، پھر کافی دیر تک نگاہ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھتے رہے، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ ہمیں کچھ جواب نہ دیں گے، مگر پھر ہم نے حضرت زینب کو دیکھا کہ وہ پردے کی اوٹ سے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہہ رہی تھیں کہ جلدی نہ کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہی معاملہ پر غور فرمارہے ہیں، پھر آپ نے اپنا سر جھکایا اور فرمایا کہ یہ صدقہ (وزکاۃ) ہے اور یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے، اور یہ محمد اور آلِ محمد کے لیے حلال نہیں ہے، نوفل بن حارث کو بلاؤ، ان کو بلایا گیا، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا عبدالمطلب سے نکاح کردو، تو نوفل نے اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کردیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمیہ بن جزء کو بلاؤ، اور وہ بنی زبید کا ایک شخص تھا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے مالِ غنیمت کا خُمس وصول کرنے پر مامور ومقرر کر رکھا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح فضل سے کردو، تو اس نے اپنی بیٹی کا فضل سے نکاح کردیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھو! اور ان دونوں کی طرف سے خُمس کے مال میں سے اتنا اور اتنا مہر ادا کردو (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت مند ہونے کے باوجود ان حضراتِ گرامی کو اپنے قرابت دار ہونے کی وجہ سے زکاۃ دینا گوارا نہیں فرمایا، البتہ اس کے بجائے خُمس میں سے ان کی ضرورت وحاجت کو پورا فرمایا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ جَاءَ هُوَ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، يُكَلِّمَانِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا قَسَمَ مِنَ الْخُمُسِ بَيْنَ بَنِيْ هَاشِمٍ، وَبَنِي الْمُطَّلِبِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَسَمْتَ لِإِخْوَانِنَا بَنِي الْمُطَّلِبِ، وَلَمْ تُعْطِنَا شَيْئًا وَقَرَابَتُنَا وَقَرَابَتُهُمْ مِنْكَ وَاحِدَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ، وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ ،قَالَ جُبَيْرٌ: وَلَمْ يَقْسِمْ لِبَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ، وَلَا لِبَنِيْ نَوْفَلٍ، مِنْ ذٰلِكَ الْخُمُسِ كَمَا قَسَمَ لِبَنِيْ هَاشِمٍ، وَبَنِي الْمُطَّلِبِ (سنن أبی داوٗد) [1]

ترجمہ: وہ (یعنی حضرت جبیر بن مطعم) اور حضرت عثمان بن عفان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لئے آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم کیا تھا، تو

---

[1] رقم الحدیث ۲۹۷۸، کتاب الخراج والامارة والفیئ، باب فی بیان مواضع قسم الخمس، وسهم ذی القربی، بخاری، رقم الحدیث ۴۲۲۹.
قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح، وأخرجه البخاری (۳۱۴۰) و(۳۵۰۲) و(۴۲۲۹) وابن ماجه (۲۸۸۱) والنسائی (۴۱۳۶) من طریق ابن شهاب الزهری، به .وروایتهم مختصرة إلی قوله -صلّی الله علیه وسلم " :-إنما بنو هاشم وبنو المطلب شیء واحد ."وهو فی "مسند أحمد" (۱۶۷۴۱) (حاشیة ابی داوٗد)

میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے ہمارے بھائی بنومطلب کو تو دے دیا ہے، اور ہمیں آپ نے کچھ نہیں دیا، اور ہماری قرابت ورشتہ داری اور بنو مطلب کی قرابت ورشتہ داری آپ کے ساتھ ایک جیسی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس بنوہاشم اور بنومطلب ایک ہی چیز ہیں، حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کے خمس میں سے بنوعبدِ شمس اور بنونوفل کو کچھ نہیں دیا (ابوداؤد، بخاری)

فائدہ: بنوعبدشمس اور بنونوفل کا تعلق بنوہاشم سے نہ تھا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوعبدِ شمس سے تھا، اور جبیر بن مطعم کا تعلق بنی نوفل سے تھا، لہٰذا وہ ہاشمی نہ تھے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ [1]

رہا بنومطلب کو خمس میں سے دینا، تو امام شافعی رحمہ اللہ تو اس سے استدلال کرتے ہوئے، بنو ہاشم کی طرح بنومطلب کو بھی زکاۃ کی ممانعت اور ان کو مالِ غنیمت کا مستحق قرار دیتے ہیں، جبکہ حنفیہ و دیگر فقہائے کرام کا فرمانا یہ ہے کہ بنومطلب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نُصرت وحمایت وغیرہ کی وجہ سے دیا تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کو زکاۃ کی ممانعت ہے، واللہ اعلم۔ [2]

---

[1] وإنما اختص جبير وعثمان بذلك لأن عثمان من بني عبد شمس وجبير بن مطعم من بني نوفل وعبد شمس ونوفل (فتح الباری لابنِ حجر، ج٦ ص٢٤٥، قوله باب ومن الدليل على أن الخمس للإمام)

قوله :(بمنزلة واحدة) لأن عثمان ابن عفان بن أبى العاص بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف، وجبير هو ابن مطعم بن عدى بن نوفل بن عبد مناف، فهما وبنو المطلب كلهم أولاد عم جده صلى الله عليه وسلم(عمدة القارى للعينى، ج١٥ ص٦٤،باب ومن الدليل على أن الخمس للإمام)

(وإنما قرابتنا) أى :بنو نوفل، ومنهم جبير، وبنو عبد شمس، ومنهم عثمان (وقرابتهم) : يعنى بنى المطلب (واحدة) أى :متحدة ;لأن أباهم أخو هاشم وآباؤنا كذلک، (فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إنما بنو هاشم وبنو المطلب شىء واحد هكذا(مرقاة المفاتيح ، ج٦ ص٢٥٩٧، كتاب الجهاد،باب قسمة الغنائم و الغلول فيها)

[2] ومشاركة بنى المطلب لهم فى خمس الخمس ما استحقوه بمجرد القرابة، بدليل أن بنى عبد شمس وبنى نوفل يساوونهم فى القرابة، ولم يعطوا شيئا، وإنما شاركوهم بالنصرة، أو بهما جميعا، والنصرة لا تقتضى منع الزكاة (المغنى لابن قدامة، ج٢، ص٤٩٠، فصل بنو المطلب هل لهم الأخذ من الزكاة)

بہر حال مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے اپنے قرابت داروں اور بنوہاشم کو حصہ دیا ہے، لہٰذا بنیادی طور پر بنوہاشم کی ضروریات کا انتظام مالِ غنیمت وغیرہ کے خمس سے کرنا ثابت ہے۔

اسی وجہ سے متعدد فقہائے کرام نے بھی مالِ غنیمت وغیرہ کے خمس کو بنوہاشم کے لئے زکاۃ کا عوض اور بدل قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مالِ غنیمت ومالِ فیئ کی حقیقت اور مصارف

اب مالِ غنیمت ومالِ فیئ کی حقیقت اور ان کے مصارف سے متعلق چند اہم احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں، تاکہ مسئلہ کی حقیقت سمجھنے میں آسانی رہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... مالِ غنیمت، اُس مال کو کہا جاتا ہے کہ جو کفار سے جہاد وقتال کے نتیجہ میں فتح پا کر حاصل ہوتا ہے، اور مالِ فیئ اس مال کو کہا جاتا ہے کہ جو کفار سے مصالحت اور جزیہ وغیرہ کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲...... مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے ہیں، جن میں سے چار حصے تو فاتحین ومجاہدین کو دیئے جاتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک باقی ماندہ پانچویں حصہ میں یتیموں اور بے سروسامان مسافروں اور غریبوں، مسکینوں اور بنوہاشم وبنومطلب کا حق ہوتا ہے، اور نبی صلی

---

[1] کتاب وجوه الفيء وخمس الغنائم قال الله عز وجل (ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل).
وقال الله عز وجل (واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل).
قال أبو جعفر :فكان ما ذكر الله عز وجل فى الآية الأولى ، هو فيما صالح عليه المسلمون أهل الشرك من الأموال ، وفيما أخذوه منهم فى جزية رقابهم ، وما أشبه ذلك .
وكان ما ذكره فى الآية الثانية ، هو خمس ما غلبوا عليه بأسيافهم ، وما أشبهه ، من الركاز الذى جعل الله فيه على لسان رسوله صلى الله عليه وسلم ، الخمس ، وتواترت بذلك الآثار عنه صلى الله عليه وسلم (شرح معانی الآثار، ج۴، ص۳۲۳، کتاب وجوه الفيء وخمس الغنائم)

اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس سے آپ کا بھی حق وابستہ ہوتا تھا۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳...... مالِ فیئ کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کے پہلے قول کے مطابق مالِ فیئ کے پانچ حصے نہیں کئے

۱؎ لا خلاف بين فقهاء المذاهب الأربعة فى أن الغنيمة تقسم خمسة أخماس :أربعة منها للغانمين.

والخامس لمن ذكروا فى قوله تعالى :(واعلموا أنما غنمتم من شىء فأن لله خمسه) الآية .لكنهم اختلفوا فى مصرف الخمس بعد وفاة الرسول عليه الصلاة والسلام، فقال الشافعية، وهو رواية عن الإمام أحمد :إن خمس الغنيمة الخامس يقسم خمسة أسهم.

الأول :سهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم للآية، ولا يسقط بوفاته، بل يصرف بعده لمصالح المسلمين وعمارة الثغور والمساجد.

والثانى :سهم لذوى القربى، وهم بنو هاشم وبنو المطلب، دون بنى عبد شمس وبنى نوفل، لاقتصاره صلى الله عليه وسلم على بنى الأولين مع سؤال بنى الآخرين، ولأنهم لم يفارقوه لا فى جاهلية ولا إسلام.

ويشترك فيه الغنى والفقير، والرجال والنساء .ويفضل الذكر على الأنثى، كالإرث .وحكى الإمام الشافعى فيه إجماع الصحابة.

والأسهم الثلاثة الباقية لليتامى والمساكين وابن السبيل .

والرواية الأخرى عن الإمام أحمد أن سهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يختص بأهل الديوان؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم استحقه بحصول النصرة، فيكون لمن يقوم مقامه فى النصرة .وعنه أنه يصرف فى السلاح والكراع.

والفىء عند الشافعية، وفى رواية عن الإمام أحمد، يخمس، ومصرف الخمس منه كمصرف خمس الغنيمة.

والظاهر عند الحنابلة أنه لا يخمس، ويكون لجميع المسلمين، يصرف فى مصالحهم .

وقال الحنفية :إن الخمس الذى لله ولرسوله إلخ، يقسم على ثلاثة أسهم :سهم لليتامى، وسهم للمساكين، وسهم لأبناء السبيل .ويدخل فقراء ذوى القربى فيهم، يعطون كفايتهم، ولا يدفع إلى أغنيائهم شىء .

وذوو القربى الذين يدفع إلى فقرائهم هم بنو هاشم وبنو المطلب والفىء لا يخمس عندهم .

وقال المالكية :إن خمس الغنيمة كلها والركاز والفىء والجزية وخراج الأرض المفتوحة عنوة أو صلحا وعشور أهل الذمة، محله بيت مال المسلمين، يصرفه الإمام فى مصارفه باجتهاده، فيبدأ من ذلك بآل النبى عليه الصلاة والسلام استحبابا، ثم يصرف للمصالح العائد نفعها على المسلمين، كبناء المساجد .والفىء لا يخمس عندهم .والآل الذين يبدأ بهم هم بنو هاشم فقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص١٠٥، وص١٠٦، مادة "آل"، حق آل البيت فى الغنيمة والفىء)

جاتے، بلکہ وہ سارا مال ان لوگوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، جن کا ذکر سورہ حشر کی میں کیا گیا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار، یتیم، مسکین، مسافر اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کی طرح ''خمس'' یعنی پانچویں حصہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ [1]

اور امام شافعی کے بعد کے قول کے مطابق اور حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق مالِ فیئ کے بھی مالِ غنیمت کی طرح پانچ حصے کئے جاتے ہیں۔ [2]

جن میں سے ایک حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنوہاشم کے لئے

---

[1] تخميس الفيء :ذهب الحنفية والمالكية والشافعي في القديم وأحمد في رواية إلى أن الفيء لا يخمس، وإنما كله لرسول الله صلى الله عليه وسلم ومن ذكروا معه في قوله تعالى :(ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل) إلى قوله تعالى (والذين جاء و من بعدهم)فقد جعله الله لهم ولم يذكر خمسا ولأن الخمس إنما يجب في الغنائم، والغنيمة اسم للمال المأخوذ عنوة وقهرا بإيجاف الخيل والركاب، ولم يوجد هذا في الفيء لحصوله في أيديهم بغير قتال، فكان مباحا ملك لا على سبيل القهر والغلبة، فلا يجب فيه الخمس كسائر المباحات، وقال ابن المنذر :ولا نحفظ من أحد قبل الشافعي في الفيء الخمس كخمس الغنيمة .كما لو صولحوا على الضيافة فإنه لا حق لأهل الخمس في مال الضيافة بل يختص به الطارقون (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲،ص ۲۳۱ ،مادة "فيء ")

[2] وذهب الشافعي في الجديد والرواية الصحيحة عند محمد من الحنفية ورواية عن أحمد إلى أن الفيء يخمس لقوله تعالى :(ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم)فظاهر هذا أن جميع الفيء لهؤلاء ، وهم أهل الخمس.

ولما قرأ عمر رضي الله عنه الآية قال :استوعبت هذه الآية الناس فلم يبق أحد من المسلمين إلا له في هذا المال حق، وجاء ت الأخبار عن عمر رضي الله عنه دالة على اشتراك جميع المسلمين فيه، فوجب الجمع بينهما، كي لا تتناقض الآية والأخبار وتتعارض، وفي إيجاب الخمس فيه جمع بين النصوص وتوفيق بينها، فإن خمسه للذي سمي في الآية وسائره ينصرف إلى من في الخبر.

كالغنيمة، ولأنه مال مشترك مظهور عليه فوجب أن يخمس كالغنيمة والركاز، ولأن الملك عند محمد من الحنفية يثبت بأخذه، وإنما أخذ على سبيل القهر والغلبة، فكان في حكم الغنائم .

وروى البراء بن عازب رضي الله عنه قال :لقيت عمي ومعه راية، فقلت له :أين تريد؟ قال :بعثني رسول الله إلى رجل نكح امرأة أبيه، فأمرني أن أضرب عنقه وآخذ ماله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲،ص ۲۳۱ ،مادة "فيء ")

ہوتا ہے۔ ؎

مسئلہ نمبر ۴ ...... مالِ غنیمت یا مالِ فیئ میں سے جو حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال اور وفات کے بعد اس کا مصرف اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بیتُ المال شمار ہوتا ہے، جس میں سے مسلمانوں کے عام مصالح وضروریات میں خرچ کیا جاتا ہے، یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم اور یتیموں اور

؎ د -تقسيم خمس الفيء عند من يقول بتخميسه:

يقسم مال الفيء على خمسة أسهم عند من يقول بتخميسه:

السهم الأول المضاف إلى الله عز جل وإلى رسوله صلى الله عليه وسلم، وكان صلى الله عليه وسلم ينفق منه على نفسه وأهله، وما فضل جعله فى السلاح عدة فى سبيل الله تعالى وفى سائر المصالح.

وأما سهم الله الذى أضافه إليه -فهو لافتتاح الكلام باسمه تبركا به، لا لإفراده بسهم، فإن لله تعالى الدنيا والآخرة .

وقد روى عن ابن عباس رضى الله عنهما قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا بعث سرية فغنموا خمس الغنيمة فضرب ذلك الخمس فى خمسه.

السهم الثانى :لذوى القربى، وهم بنو هاشم وبنو المطلب دون بنى عبد شمس وبنى نوفل -لأن بنى هاشم وبنى المطلب لم يفارقوا الرسول صلى الله عليه وسلم فى جاهلية ولا إسلام، كما قال صلى الله عليه وسلم وشبك بين أصابعه ، ويشترك فيه غنيهم وفقيرهم وكبيرهم وصغيرهم، ولا يفضل أحد منهم على أحد إلا بالذكورة، فللذكر سهمان وللأنثى سهم.

وقال المزنى :يسوى بينهما، وقال القاضى حسين :المدلى بجهتين يفضل على المدلى بجهة.

السهم الثالث :لليتامى، واليتيم الصغير الذى لا أب له وقيل :ولا جد له قبل الحلم، فإن النبى صلى الله عليه وسلم قال :لا يتم بعد احتلام ويشترط فيه الفقر.

السهم الرابع :المساكين، والمسكين هو الذى يملك ما يقع موقعا من كفايته ولا يكفيه، ويدخل فيه الفقير.

السهم الخامس :ابن السبيل وهو كل من أنشأ سفرا من بلده أو بلد كان مقيما به ولم يكن معه ما يحتاج إليه فى سفره، فيعطى من لا مال له أصلا، وكذا من له مال فى غير البلد المنتقل إليه منه.

وإذا فقد بعض الأصناف وزع نصيبه على الباقين كالزكاة.

وأما أربعة أخماس الفىء فهى للرسول صلى الله عليه وسلم فى حياته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۳۲، مادة "فىء")

مسکینوں اور مسافروں کی مدد کی جاتی ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۵...... ذوی القربیٰ یا بنوہاشم کے لئے جو مالِ غنیمت وغیرہ کے خمس میں سے حصہ ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کے بعد حنفیہ کے نزدیک یہ فقراء کے ساتھ خاص ہے، اور دیگر فقہائے کرام، اس کو اغنیاء کے لئے بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ ۲؎

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

۱؎ مصرف الفيء وما يخص الرسول بعد وفاته:

ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أن الفيء وما يخص الرسول صلى الله عليه وسلم من الخمس، سواء أكان خمس الفيء عند من قال به، أم خمس الغنيمة لسقوطه بعد وفاته عليه الصلاة والسلام، يوضع في بيت مال المسلمين ويصرف في مصالحهم العامة وذكر أحمد الفيء فقال :فيه حق لكل المسلمين الغني والفقير، وقال عمر رضي الله عنه " :فلم يبق أحد من المسلمين إلا له في هذا المال حق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲،ص ۲۳۲،مادة "فيء ")

وقال الحنفية :إن الخمس الذي لله ولرسوله إلخ، يقسم على ثلاثة أسهم :سهم لليتامى، وسهم للمساكين، وسهم لأبناء السبيل .ويدخل فقراء ذوي القربى فيهم، يعطون كفايتهم، ولا يدفع إلى أغنيائهم شيء (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ۱ ،ص۱۰۵ ،مادة "آل ")

۲؎ واختلف أهل العلم في سهم ذوي القربى هل هو ثابت اليوم أم لا فذهب أكثرهم إلى أنه ثابت فيعطى فقراؤهم وأغنياؤهم من خمس الخمس للذكر مثل حظ الأنثيين وهو قول مالك والشافعي وذهب أبو حنيفة وأصحاب الرأي إلى أنه غير ثابت قالوا سهم النبي صلى الله عليه وسلم وسهم ذوي القربى مردود في الخمس فيقسم خمس الغنيمة على ثلاثة أصناف اليتامى والمساكين وابن السبيل فيصرف إلى فقراء ذوي القربى مع هذه الأصناف دون أغنيائهم(تفسير الخازن، ج۲ص۳۱۳، سورة الانفال، رقم الآية ۴۱)

وكذا سقط سهم ذوي القربى وإنما يعطون بالفقر وتقدم فقراؤهم على فقراء غيرهم ولا حق لأغنيائهم لأن الخلفاء الأربعة الراشدين قسموه كذلك وكفى بهم قدوة، وروي عن أبي بكر رضي الله تعالى عنه أنه منع بني هاشم الخمس وقال :إنما لكم أن يعطى فقيركم ويزوج أيمكم ويخدم ما لا خادم له منكم فأما الغني منكم فهو بمنزلة ابن السبيل غني لا يعطى من الصدقة شيئا ولا يتيم موسر .وعن زيد بن علي كذلك قال :ليس لنا أن نبني منه القصور ولا أن نركب منه البراذين، ولأن النبي صلى الله عليه وسلم إنما أعطاهم للنصرة لا للقرابة كما يشير إليه جوابه لعثمان وجبير رضي الله تعالى عنهما وهو يدل على أن المراد بالقربى في النص قرب النصرة لا قرب القرابة، وحيث انتهت النصرة انتهى الإعطاء (تفسير روح المعاني، ج۵ص ۲۰۱، سورة الانفال، رقم الآية ۴۱)

(فصل نمبر۲)

بنوہاشم کو زکاۃ وصدقہ کی ممانعت وکراہت کی احادیث

کئی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زکاۃ وصدقات کو اپنے لئے نہیں لیتے تھے اور تناول نہیں فرماتے تھے، اور اپنے مخصوص اعزہ واقرباء کو بھی زکاۃ وصدقہ کے لینے اور تناول کرنے سے منع فرماتے تھے۔

البتہ اگر زکاۃ وصدقہ کا کوئی دوسرا مستحق مالک بن کر آپ کو وہ مال خوش دِلی سے صدقہ کے بغیر مثلاً ہدیہ کے طور پر پیش کرتا، تو آپ اس کو لے لیا کرتے اور تناول فرمالیا کرتے تھے۔

اور بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ وصدقات کو لوگوں کا میل کچیل قرار دے کر اپنے مخصوص قرابت داروں کو اس کے لینے سے منع فرمایا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کے بدلہ میں تمہارے لئے مالِ غنیمت کا خمس مقرر کر دیا گیا ہے، جو تمہارے غنی ہونے اور کفایت کرنے کے لئے کافی ہے۔

نبی ﷺ کے ہدیہ قبول اور صدقہ قبول نہ کرنے کی حدیث

اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات مع ضروری فوائد کے ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَلَا يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۸۷۱۴)[۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرمالیا کرتے تھے، اور صدقہ کو قبول نہیں

[۱] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

فرمایا کرتے تھے (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن بسر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ قبول کرنے اور صدقہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو صدقہ کا مستحق نہ سمجھتے تھے، یا اپنے لئے صدقہ کو گوارا و پسند نہ فرماتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ کو تناول کرنا اور صدقہ کو تناول نہ کرنا

(۲)......حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ وَأَنَا مَمْلُوكٌ فَقُلْتُ: هٰذِهِ صَدَقَةٌ، فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوا وَلَمْ يَأْكُلْ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِطَعَامٍ فَقُلْتُ: هٰذِهِ هَدِيَّةٌ أَهْدَيْتُهَا لَكَ أُكْرِمُكَ بِهَا فَإِنِّي رَأَيْتُكَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوا وَأَكَلَ مَعَهُمْ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لے کر آیا، اور میں اس وقت غلام تھا، اور میں نے کہا کہ یہ صدقہ ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم فرمایا

---

[1] حدثني عبد الله بن بسر، قال " :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل الهدية، ولا يقبل الصدقة "(مسند احمد، رقم الحديث ١٧٦٨٨)
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)
عن سلمان، قال " :كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبل الهدية، ولا يقبل الصدقة "
قال عبد الله :وحدثناه علي بن حكيم، أخبرنا شريك، عن عبيد المكتب بإسناده نحوه (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٧٠٤)
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٢٣٧٢٢، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٦٠٧٠.
قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٤٨٩، باب الصدقة لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولآله ولمواليهم)
وقال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)

کہ وہ کھالیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھایا، پھر میں دوبارہ کھانا لے کر حاضر ہوا، اور میں نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے، جو میں نے آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا ہے، تاکہ آپ کا اس کے ذریعہ سے اکرام کروں، پس میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو کھانے کا حکم کیا، اور خود بھی ان کے ساتھ کھایا (مسند احمد)

(۳)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِ سَأَلَ عَنْهُ، فَإِنْ قِيلَ: هَدِيَّةٌ، أَكَلَ، وَإِنْ قِيلَ: صَدَقَةٌ، قَالَ: كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ

(مسند احمد، رقم الحديث ۸۰۱۴) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علی وسلم کے پاس جب اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے کھانا آتا تھا، تو اس کے بارے میں معلوم فرماتے تھے، اگر آپ کو کہا جاتا تھا کہ یہ ہدیہ ہے، تو آپ کھالیا کرتے تھے، اور اگر کہا جاتا تھا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ (حاضرین سے) فرماتے تھے کہ کھالو اور آپ اس کو (خود) نہیں کھایا کرتے تھے (مسند احمد)

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو تو آپ کی عادت کا علم تھا، اور آپ کے گھر سے عموماً صدقہ وغیرہ کی مد سے کھانا نہیں آتا تھا، لیکن باہر سے جو کھانا آتا تھا، وہ اگر صدقہ کے طور پر ہوتا تھا، تو آپ اس کو نہیں کھاتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کو اپنے لئے روا نہیں سمجھتے تھے۔

صدقہ کا غریب کو مالک بننے کے بعد تناول کرنے کی حدیث

(۴)...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ: هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟ قَالَتْ: لَا، وَاللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا عِنْدَنَا طَعَامٌ إِلَّا عَظْمٌ مِّنْ شَاةٍ أُعْطِيَتْهُ مَوْلَاتِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: قَرِّبِيْهِ، فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا (مسلم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پھر فرمایا کہ کوئی کھانا ہے؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نہیں ہے، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس اس بکری کے گوشت کی ہڈی کے سوا کوئی کھانا نہیں جو میری آزاد کردہ باندی کو صدقہ میں ملی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے (مسلم)

فائدہ: امام قرطبی، مسلم کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَوْلُهُ (قَرِّبِيْهَا فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا) يَعْنِيْ: أَنَّ الْمُتَصَدَّقَ عَلَيْهَا قَدْ مَلَكَتْ تِلْكَ الصَّدَقَةَ بِوَجْهٍ صَحِيْحٍ جَائِزٍ، فَقَدْ صَارَتْ كَسَائِرِ مَا تَمْلِكُهُ بِغَيْرِ جِهَةِ الصَّدَقَةِ، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ، فَمَنْ تَنَاوَلَ ذٰلِكَ الشَّيْءَ الْمُتَصَدَّقَ بِهِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ بِجِهَةٍ جَائِزٍ غَيْرِ الصَّدَقَةِ، جَازَ لَهُ ذٰلِكَ، وَخَرَجَ ذٰلِكَ الشَّيْءُ عَنْ كَوْنِهِ صَدَقَةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْآخِذِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ فِي الْأَصْلِ (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، للقرطبی، كتاب الزكاة، من باب الصدقة إذا بلغت محلها)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ "اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ

---

[1] رقم الحديث ١٠٧٣ "١٦٩" كتاب الزكاة، باب إباحة الهدية للنبی صلى الله عليه وسلم ولبنی هاشم وبنی المطلب، وإن كان المهدی ملكها بطريق الصدقة، وبيان أن الصدقة، إذا قبضها المتصدق عليه زال عنها وصف الصدقة وحلت لكل أحد ممن كانت الصدقة محرمة عليه.

اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص کہ جس کو صدقہ دیا گیا ہے، اس صدقہ کا صحیح وجائز طریقہ پر مالک ہوگیا، تو وہ صدقہ کا مال ان تمام چیزوں کی طرح ہوگیا، جن کا انسان صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مالک بنا کرتا ہے، اور جب اس طریقہ سے ہوگیا، تو جو شخص اس صدقہ دی ہوئی چیز میں سے صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے صدقہ کے علاوہ کسی جائز طریقہ پر لے گا، تو اس کے لئے وہ چیز جائز ہوگی، اور یہ چیز صدقہ ہونے کے حکم سے نکل جائے گی، صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے لینے کی نسبت سے، اگرچہ وہ لینے والا شخص ان لوگوں میں سے ہو، جس کو اصل میں صدقہ حلال نہیں تھا (مثلاً مالدار اور ہاشمی) (المفہم)

اس سے معلوم ہوا کہ جب زکاۃ وصدقہ کے مال کا غریب جائز طریقہ پر مالک بن جائے، تو وہ مال زکاۃ وصدقہ کے حکم سے نکل کر ایسے عام مال کی طرح ہوجاتا ہے، جیسا کہ غریب نے وہ مال جائز طریقہ پر مثلاً محنت وتجارت وغیرہ کرکے کمایا ہو، یا اسے ہدیہ، میراث وغیرہ میں حاصل ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ، اس لئے جب وہ غریب یہ مال کسی ہاشمی یا مالدار شخص کو دے، تو اس ہاشمی یا مالدار کے لئے اس کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ [1]

آلِ محمد کے لئے زکاۃ وصدقہ حلال نہ ہونے کی حدیث

(۵)......حضرت ابوالحوراء سے روایت ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، فَسُئِلَ مَا عَقَلْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِيْ مَعَهُ، فَمَرَّ عَلٰى جَرِيْنٍ مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَأَخَذْتُ تَمْرَةً، فَأَلْقَيْتُهَا فِيْ فِيَّ ، فَأَخَذَهَا بِلُعَابِيْ، فَقَالَ: بَعْضُ الْقَوْمِ وَمَا عَلَيْكَ لَوْ

---

[1] اور ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے الگ مضمون میں بیان کردی ہے، جو اس کتاب کا حصہ ہوکر بھی شائع ہورہا ہے۔ محمد رضوان۔

تَـرَكْتَهَـا؟ قَـالَ: إِنَّـا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ، قَالَ: وَعَقَلْتُ مِنْهُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ (مسند احمد، رقم الحديث ١٧٢٥) [1]

ترجمہ: ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں (بچپن کی دیکھی یا سنی ہوئی) یاد ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، تو ہمارا گزر صدقہ کی کھجوروں پر ہوا، میں نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے تھوک سمیت اسے باہر نکال لیا، ایک آدمی کہنے لگا کہ اگر یہ ایک کھجور کھا لیتے تو کیا ہو جاتا؟ آپ انہیں کھا لینے دیتے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم آلِ محمد کے لئے صدقہ (وزکاۃ) حلال نہیں ہے، اور میں (یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ نمازیں یاد رکھی ہیں (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

فائدہ: اس حدیث میں آلِ محمد کے لئے صدقہ (وزکاۃ) حلال نہ ہونے کا ذکر ہے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، أخبرني محمد بن زياد، أنه سمع أبا هريرة، يقول: كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقسم تمرا من تمر الصدقة، والحسن بن علي في حجره، فلما فرغ حمله النبي صلى الله عليه وسلم على عاتقه، فسال لعابه على النبي صلى الله عليه وسلم، فرفع النبي صلى الله عليه وسلم رأسه، فإذا تمرة في فيه، فأدخل النبي صلى الله عليه وسلم يده فانتزعها منه، ثم قال: "أما علمت أن الصدقة لا تحل لآل محمد" (مسند احمد، رقم الحديث ٧٧٥٨)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

عن أبي عمير، قال: كنا جلوسا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما، فجاء رجل بطبق عليه تمر، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما هذا، أصدقة؟ أم هدية؟" قال: صدقة، قال: "فقدمه إلى القوم" وحسن يتعفر بين يديه، فأخذ الصبي تمرة فجعلها في فيه، فأدخل النبي صلى الله عليه وسلم أصبعه في في الصبي، فنزع التمرة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اہلِ بیت کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کی حدیث

(۲)......حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَدْخَلَنِيْ غُرْفَةَ الصَّدَقَةِ، فَأَخَذْتُ مِنْهَا تَمْرَةً، فَأَلْقَيْتُهَا فِيْ فَمِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلْقِهَا، فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۲۴، صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۲۳۴۹) [1]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ (کے مال) والے کمرے میں داخل کیا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پھینک دو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت میں سے کسی کے لئے حلال نہیں ہے (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کے لئے صدقہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فقذف بها، ثم قال " :إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة (مسند احمد، رقم الحديث ۱٦۰۰۲)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

عن بهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده قال :سمعت نبي الله صلى الله عليه وسلم يقول : "في كل إبل سائمة .في كل أربعين ابنة لبون .لا تفرق إبل عن حسابها .من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فإنا آخذوها منه وشطر إبله عزمة من عزمات ربنا لا يحل لآل محمد منها شيء "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۰۱٦)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن، بهز بن حكيم وأبوه صدوقان (حاشية مسند احمد)

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] عن شهر بن حوشب، قال :أخبرني من سمع النبي صلى الله عليه وسلم وعن ابن أبي ليلى، أنه سمع عمرو بن خارجة، قال ليث في حديثه :خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على ناقته، فقال " :ألا إن الصدقة لا تحل لي، ولا لأهل بيتي (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷٦٦۳)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

(وزکاۃ) حلال نہ ہونے کا ذکر ہے۔

(۷)......حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَأَهْلُ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَقَالَ لَهُ حُصَيْنٌ: وَمَنْ أَهْلُ بَيْتِهِ؟ يَا زَيْدُ أَلَيْسَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ؟ قَالَ: نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَلٰكِنْ أَهْلُ بَيْتِهِ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهُ، قَالَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَقِيْلٍ، وَآلُ جَعْفَرٍ، وَآلُ عَبَّاسٍ قَالَ: كُلُّ هٰؤُلَاءِ حُرِمَ الصَّدَقَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ (مسلم)[1]

ترجمہ: میں تم لوگوں کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ (کا خوف) یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تم لوگوں کو اللہ (کا خوف) یاد دلاتا ہوں، میں تم لوگوں کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ (کا خوف) یاد دلاتا ہوں، حضرت حصین نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے زید! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی ازواجِ مطہرات آپ کے اہلِ بیت میں سے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اہلِ بیت ہیں کہ جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے، حضرت حصین نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آلِ علی اور آلِ عقیل اور آلِ جعفر اور آلِ عباس، حضرت حصین نے عرض کیا کہ ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے

---

[1] رقم الحدیث ۲۴۰۸ "۳۶" کتاب فضائل الصحابة رضی الله عنهم، باب من فضائل علی بن أبی طالب رضی الله عنه، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۹۲۶۵.
قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط مسلم (حاشیة مسند احمد)

فرمایا کہ جی ہاں! ان سب پر صدقہ حرام ہے (مسلم، مسند احمد)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہلِ بیت، جن پر صدقہ (وزکاۃ) حلال نہیں، آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس ہیں، اور اس روایت میں حارث کی اولاد کا ذکر نہیں، مگر فقہاء نے حارث کی اولاد کو بھی بنو ہاشم میں شمار کر کے، ان کے لئے صدقہ (وزکاۃ) لینا ممنوع قرار دیا ہے، کما مر۔

اہلِ بیت کے آزاد کردہ غلاموں کو صدقہ ممنوع ہونے کی حدیث

(۸)...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام میمون یا مہران سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مَيْمُونُ، أَوْ يَا مِهْرَانُ إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ نُهِينَا عَنِ الصَّدَقَةِ، وَإِنَّ مَوَالِيَنَا مِنْ أَنْفُسِنَا فَلَا تَأْكُلِ الصَّدَقَةَ (مصنف عبدالرزاق) [۱]

ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے میمون یا اے مہران! ہم اہلِ بیت ہیں، جنہیں صدقہ سے منع کر دیا گیا ہے، اور ہمارے آزاد کردہ غلام ہم سے تعلق رکھتے ہیں، تو آپ صدقہ نہ کھائیں (عبدالرزاق، مسند احمد، طبرانی)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ۶۹۴۲، كتاب الزكاة، باب لا تحل الصدقة لآل محمد صلى الله عليه و سلم، مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۳۹۹، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۸۳۶، و۸۳۷.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[۲] عن عطاء بن السائب قال: أتيت أم كلثوم ابنة علي بشيء من الصدقة فردتها وقالت: حدثني مولى النبي صلى الله عليه وسلم، يقال له: مهران، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال "إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة" ومولى القوم منهم (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۷۰۸، حديث مهران مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فائدہ: اس جیسی احادیث کے پیشِ نظر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکاۃ دینا جائز نہیں، خواہ ان غلاموں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا آپ کی حیات میں دیگر بنو ہاشم نے آزاد کیا ہو، یا پھر کسی بھی دور میں کوئی ہاشمی آزاد کرے، اور جب بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، تو بنو ہاشم کے مملوکہ غلاموں اور باندیوں کو بدرجۂ اولیٰ زکاۃ دینا جائز نہیں، البتہ مالکیہ وغیرہ کے نزدیک بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکاۃ وصدقہ کا دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بشواهده، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

عن أبي رافع، أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلا من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: اصحبني كيما تصيب منها، فقال: لا، حتى آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله، فانطلق إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فسأله فقال: إن الصدقة لا تحل لنا، وإن موالي القوم من أنفسهم (سنن الترمذي، رقم الحديث ٦٥٧، سنن ابي داؤد، رقم الحديث ١٦٥٠)

قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح.

وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابي داؤد)

[1] قال الحنفية والحنابلة، وهو الأصح عند الشافعية وقول عند المالكية: إن موالي آل النبي صلى الله عليه وسلم وهم من أعتقهم هاشمي أو مطلبي، حسب الخلاف السابق، لا يعطون من الزكاة، مستدلين بما روى أبو رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث رجلا من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: اصحبني كيما تصيب منها. فقال: لا، حتى آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله، فانطلق إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله، فقال: إنا لا تحل لنا الصدقة، وإن مولى القوم منهم ولأنهم ممن يرثهم بنو هاشم بالتعصيب، فلم يجز دفع الصدقة إليهم كبني هاشم وهم بمنزلة القرابة، بدليل قوله صلى الله عليه وسلم الولاء لحمة كلحمة النسب وثبت لهم حكم القرابة من الإرث والعقل والنفقة، فلا يمتنع تحريم الصدقة عليهم. وإذا حرمت الصدقة على موالي الآل، فأرقاؤهم ومكاتبوهم أولى بالمنع، لأن تمليك الرقيق يقع لمولاه، بخلاف العتيق.

والمعتمد عند المالكية جواز دفع الصدقة لموالي آل البيت، لأنهم ليسوا بقرابة النبي صلى الله عليه وسلم فلم يمنعوا الصدقة، كسائر الناس، ولأنهم لم يعوضوا عنها بخمس الخمس، فإنهم لا يعطون منه، فلم يجز أن يحرموها، كسائر الناس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ١٠٣، وص ١٠٤، مادة "آل")

آلِ محمد وازواجِ مطہرات کو صدقہ کے حلال نہ ہونے کی روایت

(۹)......حضرت ابنِ ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ خَالِدَ بْنَ سَعِيدٍ بَعَثَ إِلٰى عَائِشَةَ بِبَقَرَةٍ مِّنَ الصَّدَقَةِ فَرَدَّتْهَا وَقَالَتْ إِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [۱]

ترجمہ: حضرت خالد بن سعید نے، حضرت عائشہ کی طرف صدقہ کی ایک گائے بھیجی، جس کو انہوں نے رَد کردیا، اور فرمایا کہ ہم آلِ محمد ہیں، ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

فائدہ: محدثین نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ اکثر فقہائے کرام نے ازواجِ مطہرات کے لئے زکاۃ وصدقات کو جائز قرار دیا ہے۔ [۲]

اور فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی ذاتی رائے تھی کہ وہ دوسری احادیث میں مذکور آلِ محمد یا اہلِ بیت کے مفہوم میں اپنے آپ کو بھی داخل سمجھتی تھیں۔ واللہ اعلم۔ [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۱۰۸۱۱، كتاب الزكاة، باب من قال لا تحل الصدقة على بنى هاشم.

[۲] وقد نقل بن بطال أنهن أى الأزواج لا يدخلن فى ذلک باتفاق الفقهاء وفيه نظر فقد ذكر بن قدامة أن الخلال أخرج من طريق بن أبى مليكة عن عائشة قالت إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة قال وهذا يدل على تحريمها قلت وإسناده إلى عائشة حسن وأخرجه بن أبى شيبة أيضا وهذا لا يقدح فيما نقله بن بطال وروى أصحاب السنن وصححه الترمذى وبن حبان وغيره عن أبى رافع مرفوعا إنا لا تحل لنا الصدقة وأن موالى القوم من أنفسهم وبه قال أحمد وأبو حنيفة وبعض المالكية كابن الماجشون وهو الصحيح عند الشافعية وقال الجمهور يجوز لهم لأنهم ليسوا منهم حقيقة ولذلک لم يعوضوا بخمس الخمس (فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص ۳۵۶، قوله باب الصدقة على موالى أزواج النبى صلى الله عليه وسلم)

[۳] فهذا السند محتج به، ولا تظهر ثمرة هذا الحكم بعد وفات ازواجه عليه الصلاة والسلام، اما تحقيق المسئلة فى نفسها فالذى يجمع به بين نقل اتفاق الفقهاء، وحديث عائشة ان يقال يحل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میل کچیل کی بناء پر صدقہ کے محمد وآلِ محمد کو مناسب نہ ہونے کی حدیث

(۱۰)...... حضرت عبدُ المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِجْتَمَعَ رَبِيْعَةُ بْنُ الْحَارِثِ، وَالْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَا: وَاللّٰهِ، لَوْ بَعَثْنَا هٰذَيْنِ الْغُلَامَيْنِ، قَالَا لِيْ وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَاهُ، فَأَمَّرَهُمَا عَلٰى هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ، فَأَدَّيَا مَا يُؤَدِّي النَّاسُ، وَأَصَابَا مِمَّا يُصِيْبُ النَّاسُ، قَالَ فَبَيْنَمَا هُمَا فِيْ ذٰلِكَ جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمَا، فَذَكَرَا لَهٗ ذٰلِكَ، فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ: لَا تَفْعَلَا، فَوَاللّٰهِ، مَا هُوَ بِفَاعِلٍ، فَانْتَحَاهُ رَبِيْعَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَالَ: وَاللّٰهِ، مَا تَصْنَعُ هٰذَا إِلَّا نَفَاسَةً مِنْكَ عَلَيْنَا، فَوَاللّٰهِ، لَقَدْ نِلْتَ صِهْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا نَفِسْنَاهُ عَلَيْكَ، قَالَ عَلِيٌّ: أَرْسِلُوْهُمَا، فَانْطَلَقَا، وَاضْطَجَعَ عَلِيٌّ، قَالَ: فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ سَبَقْنَاهُ إِلَى الْحُجْرَةِ، فَقُمْنَا عِنْدَهَا، حَتّٰى جَاءَ فَأَخَذَ بِآذَانِنَا، ثُمَّ قَالَ: أَخْرِجَا مَا تُصَرِّرَانِ ثُمَّ دَخَلَ وَدَخَلْنَا عَلَيْهِ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، قَالَ: فَتَوَاكَلْنَا الْكَلَامَ، ثُمَّ تَكَلَّمَ أَحَدُنَا فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَنْتَ أَبَرُّ النَّاسِ وَأَوْصَلُ النَّاسِ، وَقَدْ بَلَغْنَا النِّكَاحَ، فَجِئْنَا لِتُؤَمِّرَنَا عَلٰى بَعْضِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصدقة لهن ، كما قال الفقهاء ويكون الحرمة اجتهادا من عائشة مستندة الیٰ قوله عليه السلام: ولا لآل محمد. رواه مسلم وعممت معنى الآل الشامل للازواج، ولعل مستند اتفاق الفقهاء الاحاديث التى ورد بلفظ " بنى هاشم" ففهموا انه تفسير للآل وايضا اكله صلى الله عليه وسلم لحما تصدق به على بريرة مولاة عائشة من غير تفتيش منه انها واجبة ام غير واجبة ، يدل ظاهرا على حل مطلق الصدقة للازواج، فان مولاة الازواج كالازواج، واللّٰه اعلم(اعلاء السنن، ج۹ ص ۹۵، كتاب الزكاة، من يجوز دفع الصدقات اليه ومن لا يجوز)

هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ، فَنُؤَدِّیَ إِلَیْکَ کَمَا یُؤَدِّی النَّاسُ، وَنُصِیبَ کَمَا یُصِیبُونَ، قَالَ: فَسَکَتَ طَوِیلًا حَتّٰی أَرَدْنَا أَنْ نُکَلِّمَهُ، قَالَ: وَجَعَلَتْ زَیْنَبُ تُلْمِعُ عَلَیْنَا مِنْ وَّرَاءِ الْحِجَابِ أَنْ لَّا تُکَلِّمَاهُ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِی لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِیَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، اُدْعُوَا لِیْ مَحْمِیَةَ، وَکَانَ عَلَی الْخُمُسِ، وَنَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: فَجَاءَاهُ، فَقَالَ لِمَحْمِیَةَ: أَنْکِحْ هٰذَا الْغُلَامَ ابْنَتَکَ لِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ فَأَنْکَحَهُ، وَقَالَ لِنَوْفَلِ بْنِ الْحَارِثِ: أَنْکِحْ هٰذَا الْغُلَامَ ابْنَتَکَ لِیْ فَأَنْکَحَنِیْ وَقَالَ لِمَحْمِیَةَ: أَصْدِقْ عَنْهُمَا مِنَ الْخُمُسِ کَذَا، وَکَذَا (مسلم) [1]

ترجمہ: ربیعہ بن حارث اور عباس بن عبدالمطلب جمع ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر ہم اِن دونوں یعنی عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجیں اور یہ دونوں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کریں کہ آپ انہیں صدقات (وزکاۃ وصول کرنے) کا عامل بنا دیں اور دونوں اسی طرح وصول کر کے (امانت داری کے ساتھ) ادا کریں، جس طرح دوسرے لوگ ادا کرتے ہیں، تو انہیں بھی (محنت کے معاوضہ میں) وہی (نفع) مل جائے جو اور لوگوں کو ملتا ہے، یہ بات ان دونوں کے درمیان جاری تھی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، پھر وہ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے، تو انہوں نے اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے نہیں ہیں، ربیعہ بن حارث نے ان کی بات سے اعراض کرتے

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۷۲ "۱۶۷" کتاب الزکاۃ، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقۃ.

ہوئے کہا کہ تم ہم پر بڑائی جتلاتے ہوئے کہہ رہے ہو اور اللہ کی قسم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل ہوا تو ہم نے اس پر آپ سے حسد نہیں کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ان دونوں کو بھیجو، پس ہم دونوں چلے گئے اور علی رضی اللہ عنہ لیٹ گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حجرہ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور (شفقت کے طور پر) ہمارے کانوں کو پکڑا، پھر فرمایا کہ تمہارے دلوں میں جو بات ہے ظاہر کر دو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور ہم بھی (آپ کی اجازت سے آپ کے گھر میں) داخل ہوئے اور آپ اس دن حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ہم نے ایک دوسرے سے گفتگو کی، پھر ہم میں سے ایک نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ سب سے زیادہ صلہ رحمی اور سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں، اب ہم جوان ہو چکے ہیں، ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تا کہ آپ ہمیں زکاۃ وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرما دیں، ہم بھی (لوگوں سے زکاۃ وصول کر کے) اسی طرح ادا کریں گے، جیسے اور لوگ آپ کے پاس آ کر ادا کرتے ہیں اور ہم کو بھی (اس محنت کے عوض میں) کچھ مل جائے گا، جیسے اور لوگوں کو ملتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم دوبارہ گفتگو کریں اور حضرت زینب پردہ کے پیچھے سے مزید گفتگو نہ کرنے کا اشارہ فرما رہی تھیں، پھر آپ نے فرمایا کہ صدقہ آلِ محمد کے لیے مناسب نہیں، کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے، میرے پاس محمیہ اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلاؤ اور وہ خمس (کی نگرانی اور تقسیم کی خدمت) پر مقرر و مامور تھے جب وہ حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محمیہ

سے کہا کہ اس نوجوان فضل بن عباس سے اپنی بیٹی کا نکاح کردو، تو اس نے نکاح کردیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن حارث سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح اس نوجوان سے کردو تو انہوں نے مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا اور محمیہ سے کہا کہ خمس سے ان دونوں کا اتنا اتنا مہر ادا کردو (مسلم)

فائدہ: ''صدقہ آلِ محمد کے لئے مناسب نہیں'' کے الفاظ سے اگرچہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ آلِ محمد کے لئے صدقہ مکروہ یا مستحب کے خلاف ہے، لیکن علمائے کرام نے دوسری احادیث میں حلال نہ ہونے کے الفاظ کے پیشِ نظر اس کو مکروہِ تحریمی کے معنیٰ میں مراد لیا ہے۔ [1]

اور اس جیسی احادیث کے پیشِ نظر اگر حکومت کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے ہاشمی کو عامل ونمائندہ مقرر کیا جائے، تو حنفیہ کے اصح قول اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عامل ہونے کی صورت میں بھی زکاۃ دینا جائز نہیں، البتہ اکثر حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔ [2]

---

[1] (إن الصدقة) عرفها باللام العهدية لتفيد أن المراد الصدقة المعهودة وهى الفرض (لا تنبغى) أى لا تستقيم ولا تحسن ولفظ ينبغى فى استعمالهم صالحة للندب وللوجوب ولا ينبغى للكراهة والتحريم فتارة يريدون به هذا وأخرى هذا والقرينة محكمة وهو هنا للتحريم (لآل محمد) أى محمد وآله وهم مؤمنو بنى هاشم والمطلب وإطلاق الآل على الإنسان وآله شائع سائغ ونبه على أن علة التحريم الكرامة بقوله (إنما هى أوساخ الناس) أى أدناسهم وأقذارهم لأنها تطهر أدرانهم وتزكى أموالهم ونفوسهم (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها) فهى كغسالة الأوساخ فهى محرمة عليهم بعمل أو غيره حتى من بعضهم لبعض ومن زعم استثناء ه فقد أبعد ومستنده خبر مرسل ضعيف وقد سأل بعض الآل عمر أو غيره جملا من الصدقة فقال أتحب أن رجلا بادنا فى يوم حار غسل ما تحت رفغيه فشربته فغضب وقال أتقول لى هذا قال إنما هى أوساخ الناس يغسلونها قال الطيبى :وقد اجتمع فى هذا التركيب مبالغات شتى حيث جعل المشبه به أوساخ الناس للتهجين والتقبيح بتغير أو استقذار وجل حضرة الرسالة ومنبع الطهارة أن ينسب إلى ذلك ولذلك جرد عن نفسه الطاهرة من يسمى محمدا كأنه غيره وهو هو فإن الطيبات للطيبين ولا يقال كيف أباحها لبعض أمته ومن كمال إيمان المرء أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه لأنا نقول ما أباحها لهم عزيمة بل اضطرارا وكم أحاديث نراها ناهية عن السؤال فعلى الحازم أن يراها كالميت (فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه)(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۲۰۴۸)

[2] قال الحنفية فى الأصح عندهم، والمالكية والشافعية وبعض الحنابلة، وهو ظاهر قول الخرقى :إنه لا يحل للهاشمى أن يكون عاملا على الصدقات بأجر منها، تنزيها لقرابة النبى صلى الله عليه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بنو ہاشم عامل کو اس کی اجرت ومعاوضہ میں زکاۃ دینا جائز مگر مکروہ ہے، اور حنفیہ میں سے امام طحاوی کا رجحان اس کے جائز ہونے کی طرف ہے۔ [1]

میل کچیل کی بناء پر صدقہ کے محمد وآلِ محمد کو حلال نہ ہونے کی حدیث

(۱۱)......حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ رَبِيْعَةَ بْنَ الْحَارِثِ قَالَ: لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، وَالْفَضْلِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، اِئْتِيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُوْلَا لَهُ: اِسْتَعْمِلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى الصَّدَقَاتِ، فَأَتٰى

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن شبهة الوسخ، ولما روى عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه اجتمع ربيعة والعباس بن عبد المطلب، فقالا :لو بعثنا هذين الغلامين لى وللفضل بن العباس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرهما على الصدقة، فأصابا منها كما يصيب الناس .فقال على :لا ترسلوهما .فانطلقنا حتى دخلنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يومئذ عند زينب بنت جحش، فقلنا :يا رسول الله، قد بلغنا النكاح وأنت أبر الناس وأوصل الناس، وجئناک لتؤمرنا على هذه الصدقات، فنؤدى إليک كما يؤدى الناس، ونصيب كما يصيبون .قال :فسکت طويلا، ثم قال :إن الصدقة لا تنبغى لآل محمد، إنما هى أوساخ الناس.

وفى قول للحنفية :إن أخذ الهاشمى العامل على الصدقات مكروه تحريما لا حرام.

وجوز الشافعية أن يكون الحمال والكيال والوزان والحافظ هاشميا أو مطلبيا.

وأكثر الحنابلة على أنه يباح للآل الأخذ من الزكاة عمالة، لأن ما يأخذونه أجر، فجاز لهم أخذه، كالحمال وصاحب المخزن إذا آجرهم مخزنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۴، وص ۱۰۵، مادة "آل")

[1] وخالف أبا يوسف رحمه الله فى ذلک آخرون ,فقالوا :لا بأس أن يجتعل منها الهاشمى , لأنه إنما يجتعل على عمله ,وذلک قد يحل للأغنياء .فلما كان هذا لا يحرم على الأغنياء الذين يحرم عليهم غناهم الصدقة ,كان كذلک أيضا فى النظر ,لا يحرم ذلک على بنى هاشم الذين يحرم عليهم نسبهم أخذ الصدقة.وقد روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما تصدق به على بريرة أنه أكل منه وقال :هو عليها صدقة، ولنا هدية......فلما كان ما تصدق به على بريرة جائزا للنبى صلى الله عليه وسلم أكله لأنه إنما ملكه بالهدية ,جاز أيضا للهاشمى أن يجتعل من الصدقة ,لأنه إنما يملكه بعمله ,لا بالصدقة .فهذا هو النظر ,وهو أصح مما ذهب إليه أبو يوسف رحمه الله فى ذلک(شرح معانى الآثار، ج ۲ ص ۱۱ الیٰ ۱۳، کتاب الزكاة، باب الصدقة على بنى هاشم)

عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وَنَحْنُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ، فَقَالَ لَهُمَا: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَسْتَعْمِلُ مِنْكُمْ أَحَدًا عَلَى الصَّدَقَةِ، قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَالْفَضْلُ، حَتّٰى أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَنَا: إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ، لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(سنن النسائی) [1]

ترجمہ: ان کے والد ربیعہ بن حارث نے یہ خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبد المطلب بن ربیعہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ ہم کو صدقہ (وزکاۃ) کی وصولی کے لئے مقرر کردیجئے (تاکہ ہمیں اس خدمت پر معاوضہ ملے) اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے، اور ہم ابھی اسی حال میں تھے، پھر انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم دونوں میں سے کسی کو صدقات کی وصولی پر مقرر نہیں فرمائیں گے، حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ پھر میں اور حضرت فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اپنی حاضری کا مقصد عرض کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے جو کہ محمد اور آلِ محمد کے لئے حلال نہیں (نسائی، مسلم)

فائدہ: مذکورہ حدیث میں جو زکاۃ وصدقہ کو لوگوں کا میل کچیل فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مال کا میل کچیل دور ہوجاتا ہے، پس یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ پانی سے میل کچیل دھویا گیا ہو، تو جس طرح سے وہ استعمال شدہ پانی میل کچیل کی وجہ سے صاف پانی کے

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۰۹، کتاب الزکاۃ، باب استعمال آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصدقۃ، مسلم، رقم الحدیث ۱۰۷۲ "۱۶۷"

درجہ سے کمزور ہوجاتا ہے، اسی طرح زکاۃ وصدقہ کے مال کی حالت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے حضرات قابلِ اکرام واعزاز ہیں، لہٰذا ان کو اس طرح کا مال پیش کرنے کے بجائے مالِ غنیمت کی شکل میں ان کی ضروریات کا انتظام کرنا چاہئے، تاکہ ایک طرف تو یہ حضراتِ گرامی میل کچیل سے محفوظ رہیں، اوران کا اعزاز واکرام برقرار رہے، اور دوسری طرف کسی انسان کو بھی عطیہ وہبہ کی شکل میں ان کے تعاون کے بوجھ کا مکلّف نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ بعض احادیث وروایات میں صدقہ کو میل کچیل بتلا کر مالِ غنیمت کے خمس کو اس کے متبادل کے طور پر مقرر کرنے کی علت کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] وقد ذكرنا الحكمة في تحريمها عليهم أنها مطهرة للملاك ولأموالهم، قال تعالى :(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم)فهي كغسالة الأوساخ، وأن آل محمد منزهون عن أوساخ الناس وغسالاتهم، وثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم :(الصدقة أوساخ الناس) ، كما رواه مسلم، وأما إن أخذها مذلة، واليد السفلى، ولا يليق بهم الذل والافتقار إلى غير الله تعالى، ولهم اليد العليا وأما أنها لو أخذوها لطال لسان الأعداء بأن محمدا يدعونا إلى ما يدعونا إليه ليأخذ أموالنا ويعطيها لأهل بيته .قال تعالى :(قل، لا أسألكم عليه أجرا)ولهذا أمر أن تصرف إلى فقرائهم في بلدهم .قوله :(إنا لا نأكل الصدقة) ، وفي رواية مسلم :(إنا لا تحل لنا الصدقة) وفي رواية معمر :(إن الصدقة لا تحل لآل محمد) ، وفي رواية الطحاوي :(إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة)(عمدة القاری للعینی، ج۹ص ۸۹، کتاب الزکاۃ، باب ما یذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وقال ابن بطال :إنما لا يأكل الصدقة لأنها أوساخ الناس، ولأن أخذ الصدقة منزلة دنية، لقوله صلى الله عليه وسلم :(اليد العليا خير من اليد السفلى، وأيضا لا تحل الصدقة للأغنياء ، وقال تعالى : (ووجدک عائلا فأغنى)(عمدة القاری للعینی، ج۱۳ص ۱۳۵، کتاب الهبة ، باب قبول الهدية)

إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد وآل محمد منزهون عن أوساخ الناس وصيانة لمنصبه الشريف لأنها تنبء عن ذل الآخذ وعز المأخوذ منه لقوله عليه الصلاة والسلام" :اليد العليا خير من اليد السفلى "وأبدل بها الفيء الذي يؤخذ على سبيل القهر والغلبة المنبء عن عز الآخذ وذل المأخوذ منه .وتعقب ابن المنير التعليل بأنها مذلة بأن مقتضاه تحريم الهبة عليهم ولا قائل به ولأن الواهب أيضًا له اليد العليا(إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج۳،ص ۷۵، کتاب الزکاۃ، باب ما یذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(أوساخ الناس) للتهجين والتقبيح، تنفيرًا واستقذارًا .وجل حضرة الرسالة ومنبع الطهارة أن ينسب إلى ذلك، ولذلك جرد عن نفسه الطاهرة من يسمى محمدًا، كأنه غيره، وهو هو، فإن الطيبات للطيبين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بنو ہاشم کو غسالۃُ الناس سے بچنے کی حدیث

(۱۱)......حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِلْعَبَّاسِ وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ: اُذْكُرَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ يَّأْمُرَ لَكُمَا مِنَ الصَّدَقَاتِ، وَإِنِّيْ سَأُحْضِرُ لَكُمَا، فَذَكَرَ ذٰلِكَ الْفَضْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِصْبِرُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ يَا بَنِيْ هَاشِمٍ فَإِنَّمَا الصَّدَقَاتُ غُسَالَاتُ النَّاسِ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۲۹۸۰، ج ۱۲ ص ۲۳۵)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور فضل بن عباس سے فرمایا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرو کہ وہ تم دونوں کے لئے صدقات دینے کا حکم فرمائیں، اور تمہاری اس بات کے وقت میں حاضری دوں گا، تو یہ بات فضل بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنو ہاشم! تم اپنے اوپر صبر کرو، پس صدقات لوگوں کا دھووَن ہیں (طبرانی)

فائدہ: محدثین کے قواعد کے مطابق اس حدیث کی سند پر کلام ہے، اور اسی وجہ سے اس حدیث کو بعض اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن قلت: فكيف أباحها لبعض أمته، فإن من كمال إيمان المرء أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه؟ قلت: ما أباحها لهم عزيمة، بل اضطرارًا (شرح المشكاة للطيبى، ج۵ ص ۱۵۰۳، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقة)

[1] قال الالبانى: (اصبروا على أنفسكم يا بنى هاشم! فإنما الصدقات غسالات الناس). ضعيف. أخرجه الطبرانى فى "المعجم الكبير (۱۲۹۸۰/۲۳۵/۱۱)" من طريق ابن لهيعة: حدثنى الحارث بن يزيد عن أبى حمزة الخولانى عن ابن عباس: أن عمر بن الخطاب قال للعباس وللفضل بن عباس:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خمس کو صدقہ کا عوض بنانے کی حدیث اور متعلقہ بحث

(۱۴۳)......حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِبْتُ لَكُمْ عَنْ غُسَالَةِ الْأَيْدِىْ، لِأَنَّ لَكُمْ فِىْ خُمْسِ الْخُمُسِ مَا يُغْنِيكُمْ أَوْ يَكْفِيْكُمْ (تفسیر ابنِ ابی حاتم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل (یعنی زکاۃ وصدقہ کا مال) دور کر دیا ہے، کیونکہ تمہیں غنی کرنے اور تمہاری کفایت کے لئے مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس موجود ہے (تفسیر ابنِ ابی حاتم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

فَقَالَ لَهُمَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لَكُمَا أَهْلَ الْبَيْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَيْءٌ، وَلَا غُسَالَةُ الْأَيْدِىْ إِنَّ لَكُمْ فِىْ خُمُسِ الْخُمُسِ لَمَا يُغْنِيْكُمْ أَوْ يَكْفِيْكُمْ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۱۵۴۳)

ترجمہ: تو اُن دونوں (یعنی نوفل بن حارث کے بیٹوں) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے اے اہلِ بیت! صدقات حلال نہیں ہیں، اور نہ ہاتھوں کا دھووَن (یعنی زکاۃ وصدقہ) پس بے شک تمہیں غنی کرنے اور تمہاری کفایت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اذكرا للنبى صلى الله عليه وسلم أن يأمر لكما من الصدقات، وإنى سأحضر لكما .فذكر ذلک الفضل لرسول الله صلى الله عليه وسلم؛ فقال ... :فذكوه.

قلت :وهذأ إسناد ضعيف؛ لحال ابن لهيعة المعروف فى الضعف.و (أبو حمزة الخولانى) : أورده الذهبى فى "الكنى (۲۰۳/۱۸۰۶) "وقال":عن جابربن عبد الله "، ولم يزد (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۷۰۱۶)

[1] رقم الحديث ۹۰۹۳،ج۵ص۱۷۰۵، سورة الانفال،احكام القرآن جصاص، ج۴ص۳۳۷، سورة التوبة، باب ذوى القربى الذين تحرم عليهم الصدقة.

کے لئے مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس موجود ہے(طبرانی)

فائدہ: مذکورہ حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے،بعض نے ضعیف یا غیر معمولی ضعیف قرار دیا ہے۔ ل

لیکن اس کے برعکس بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

چنانچہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ حُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ اَلْمُلَقَّبُ بِحَنَشٍ، وَفِيهِ كَلَامٌ كَثِيرٌ، وَقَدْ وَثَّقَهُ أَبُو مِحْصَنٍ(مجمع الزوائد) ۲

ترجمہ: اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے،اور اس حدیث میں حسین بن قیس ہیں،جن کا لقب حنش ہے،اور ان کے متعلق بہت کلام ہے،اور ان کو

ل اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی حسین بن قیس رحبی ہیں،جن کا لقب حنش ہے،اور ان پر محدثین نے جرح کی ہے۔

(ت ق) الحسين بن قيس الرحبي، أبو علي الواسطي :ولقبه "حنش"، قال أبو عبد الله البخاري في "تاريخه الكبير :"حسين بن قيس أبو علي الرحبي، ويقال :حنش، عن عكرمة، ترك أحمد حديثه.وكذا قاله في كتاب "الضعفاء "لم يغادر حرفا، وقال أبو بكر البزار :لين الحديث، روى عنه سليمان التيمي ، وقال :عنده أحاديث صالحة عن عكرمة عن ابن عباس انتهى.

لم أر من نسبه واسطيا غير المزي، إنما ينسبونه إلى رحبة مالك بن طوق -بلدة على الفرات، ساكنة الحاء ، ومنهم من زعم أنه سكن البصرة، والله أعلم، فينظر .ولما ذكره أبو محمد بن الجارود في جملة "الضعفاء "قال :قال محمد بن يحيى :هو منكر الحديث، وقال ابن المديني -فيما حكاه ابنه :-ليس هو عندي بالقوي، وقال الساجي :ضعيف الحديث متروك، يحدث بأحاديث بواطيل، وذكره أبو القاسم البلخي وأبو العرب في جملة "الضعفاء "، وقال مسلمة في كتاب "الصلة :"مجهول، وقال مسعود :سألت أبا عبد الله -يعني الحاكم -عنه، فقال :بصري ثقة ، وخرج حديثه في "صحيحه"، وقال أبو أحمد الحاكم :ليس هو بالقوي عندهم، وفي "كتاب ابن الجوزي "رحمه الله تعالى :قال الدارقطني :متروك الحديث ، وقال الجوزجاني :أحاديثه منكرة جدافلا تكتب، وقال أبو حاتم البستي :كان يقلب الأخبار، ويلزق رواية الضعفاء بالثقات، كذبه أحمد بن حنبل، وتركه يحيى بن معين ، وقال مسلم في "الكنى :"منكر الحديث(التراجم الساقطة من كتاب إكمال تهذيب الكمَال لمُغْلَطَاي، ا ص ۱۶۴ ، تحت ترجمة حسين بن قيس رحبي)

۲ تحت رقم الحديث ۴۴۹۴،كتاب الزكاة، باب الصدقة لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولآله ولمواليهم.

ابومحصن (بن نمیر) نے ثقہ قرار دیا ہے (مجمع الزوائد)

اورعلامہ ابنِ کثیر شافعی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنُ الْإِسْنَادِ(تفسیر ابنِ کثیر) ۱؎

ترجمہ: یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے (ابنِ کثیر)

اورملاعلی قاری حنفی رحمہ اللہ، اس حدیث کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَهُوَ إِسْنَادٌ حَسَنٌ(مرقاة المفاتيح) ۲؎

ترجمہ: اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے (مرقاۃ)

اورعلامہ ابنِ ہمام حنفی رحمہ اللہ، اس حدیث کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَهُوَ إِسْنَادٌ حَسَنٌ(فتح القدير) ۳؎

ترجمہ: اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے (فتح القدیر)

اورامام زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ حَاتِمٍ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ فِيْ سُوْرَةِ الْأَنْفَالِ: حَدَّثَنَا أَبِيْ ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَهْدِيِّ الْمِصِّيْصِيِّ ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ بِهٖ، بِلَفْظِ: رَغِبْتُ لَكُمْ عَنْ غُسَالَةِ أَيْدِي النَّاسِ، إِنَّ لَكُمْ مِّنْ خُمُسِ الْخُمُسِ لَمَا يُغْنِيْكُمْ، اِنْتَهٰى،وَهٰذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ، وَإِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَهْدِيٍّ وَثَّقَهُ أَبُوْ حَاتِمٍ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ مُعِيْنٍ: يَأْتِيْ بِمَنَاكِيْرَ، وَرَوَى الطَّبْرِيُّ فِيْ "تَفْسِيْرِهٖ "حَدَّثَنَا ابْنُ وَكِيْعٍ ثَنَا أَبِيْ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: كَانَ آلُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَحِلُّ لَهُمُ الصَّدَقَةُ، فَجَعَلَ لَهُمْ خُمُسَ الْخُمُسِ، وَفِيْ لَفْظٍ: قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

۱؎ ج۴ص۵۷، سورة الانفال، رقم الآية ۴۱.

۲؎ ج۶،ص۲۵۷۸، كتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم والغلول فيها.

۳؎ ج۵ص۵۰۵، كتاب السير، فصل فى كيفية القسمة.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَهْلُ بَيْتِهِ لَا يَأْكُلُوْنَ الصَّدَقَةَ، فَجَعَلَ لَهُمْ خُمُسَ الْخُمُسِ (نصب الراية فی تخريج احاديث الهداية) [1]

ترجمہ: اور ابنِ ابی حاتم نے اپنی تفسیر کی سورہ انفال میں روایت کیا ہے کہ ہم سے ہمارے والد نے حدیث بیان کی، ان سے ابراہیم بن مہدی مصیصی نے حدیث بیان کی، ان سے معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، ان الفاظ میں کہ ''میں نے تم سے لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل (یعنی زکاۃ وصدقہ کا مال) دور کردیا ہے، کیونکہ تمہیں غنی کرنے کے لئے مالِ غنیمت کا خمس موجود ہے'' انتہیٰ، اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے، اور ابراہیم بن مہدی کو ابو حاتم نے ثقہ قرار دیا ہے، اور یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ منکر باتوں کو روایت کرتا ہے، اور طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہم سے ابنِ وکیع نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ہمارے والد نے شریک کی سند سے، انہوں نے خصیف سے، انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے صدقہ حلال نہیں تھا، تو ان کے لئے مالِ غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کردیا گیا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت صدقہ نہیں کھاتے تھے، تو ان کے لئے مالِ غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کردیا گیا (نصب الرایہ)

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کو بہت سے اہلِ علم حضرات نے ضعیف کے بجائے حسن اور معتبر قرار دیا ہے۔

ممکن ہے کہ ان حضرات کی مراد مذکورہ حدیث سے حسن لعینہٖ ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ حسن لغیرہٖ ہو۔ [2]

---

[1] ج۳ص ۴۲۵، کتاب السير ،فصل فی كيفية القسمة.

[2] بعض حضرات کے نزدیک ''حسن لذاتہٖ'' وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جس میں کوئی راوی ایسا ہو کہ اس کے ثقہ یا کمزور ہونے کے کسی پہلو پر بھی محدثین کا اتفاق نہ ہو، بلکہ اختلاف ہو، کچھ ثقہ اور کچھ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ امام حاکم نے حنش کی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم، حنش کو ثقہ ومعتبر راوی قرار دیتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک بھی یہ حدیث معتبر ومستند ہوگی۔ [1]

خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث بعض حضرات کے نزدیک حسن ومعتبر ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک ضعیف ہے، مگر زیادہ ضعیف نہیں ہے، اور ان کے نزدیک کسی دوسری حدیث کی تائید کے ہوتے ہوئے یہ حدیث حسن ومعتبر ہوسکتی ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ ضعیف وغیرہ کہتے ہوں، اور ''حسن لغیرہ'' وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جو حدیث کسی راوی کی وجہ سے تو ضعیف ہو، لیکن اس راوی کا کوئی متابع موجود ہو، یا اس کی تائید کسی دوسری حدیث سے ہوتی ہو، خواہ وہ دوسری حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا يمنع من كونه حسنا كون في إسناده مؤمل بن إسماعيل؛ لأن الاختلاف فيه لا يخرج حديثه عن حد الحسن إذا انضم إليه من الشواهد ما يقويه كما هو شأن الحسن لغيره(نيل الاوطار للشوكاني، ج٦ص ١٦٤، كتاب النكاح، باب ما جاء في نكاح المتعة وبيان نسخه،والتفصيل فى مقدمة اعلاء السنن ص ٣٣ و ص ٣٤، وظفر الامانى ص ١٤٤، الفصل الثانى من الباب الاول)

[1] **عن حنش بن قيس الرحبي، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا يغبطن جامع المال من غير حله، -أو قال :من غير حقه، -فإنه إن تصدق لم يقبل منه، وما بقي كان زاده إلى النار هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه(مستدرك حاكم ،رقم الحديث ٢١٣٧)**

عن حسين بن قيس، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحاب الكيل والوزن :إنكم قد وليتم أمرا فيه هلكة الأمة السالفة هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٢٢٣٢)

حنش بن قيس الرحبي يقال له :أبو علي من أهل اليمن سكن الكوفة ثقة وقد احتج البخاري بعكرمة، وهذا الحديث قاعدة في الزجر عن الجمع بلا عذر، ولم يخرجاه (مستدرك حاكم ،تحت رقم الحديث ١٠٢٠)

عن حسين بن قيس الرحبي، عن عكرمة، عن ابن عباس، رضي الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من استعمل رجلا من عصابة وفي تلك العصابة من هو أرضى لله منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين ، هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه (مستدرك حاكم ،رقم الحديث ٧٠٢٣)

[2] چنانچہ امام ترمذی نے حنش کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد ان کو حدیث میں حفظ کی جہت سے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام بوصیری، امام منذری اور ناصر الدین البانی صاحب نے متابعات وشواہد کے موجود ہوتے ہوئے حنش کی حدیث کے قبول ہونے کا حکم لگایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ راوی زیادہ شدید درجہ کے

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

گزشتہ حدیث کی دیگر تائیدات

اور جیسا کہ امام زیلعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزرا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی تائید جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد کی روایت سے ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ضعیف نہیں ہیں، اور مؤید یا متابع کی وجہ سے ان کی حدیث حسن درجہ میں داخل ہوسکتی ہے، اور آگے حضرت مجاہد کی حدیث اس مذکورہ حدیث کی تائید کرتی ہے، جس کے پیشِ نظر مذکورہ حدیث کو حسن قرار دیا جائے گا۔

حدثنا حميد بن مسعدة قال :حدثنا حصين بن نمير أبو محصن قال :حدثنا حسين بن قيس الرحبي قال :حدثنا عطاء بن أبي رباح، عن ابن عمر، عن ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :لا تزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس، عن عمره فيم أفناه، وعن شبابه فيم أبلاه، وماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وماذا عمل فيما علم :هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من حديث الحسين بن قيس، وحسين بن قيس يضعف في الحديث من قبل حفظه وفي الباب عن أبي برزة، وأبي سعيد (سنن الترمذي، تحت رقم الحديث ۲۴۱۶، باب في القيامة)

قال البوصيري:رواه الطبراني من طريق حسين بن قيس المعروف بحنش، وهو مختلف فيه، ضعفه جماعة، ووثقه ابن نمير، وحسن له الترمذي غيرما حديث، وصحح له الحاكم، ولا يضر في المتابعات، ومع ذلك لم ينفرد به حسين بن قيس عن عكرمة، فقد تابعه عليه يزيد بن أبي حبيب.

كما رواه الحاكم أبو عبد الله الحافظ :ثنا أبو جعفر محمد بن محمد بن عبد الله البغدادي، ثنا يحيى بن عثمان بن صالح، ثنا أبي، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حدث قال" :من استعمل عاملا من المسلمين وهو يعلم أن منهم من هو أولى بذلك منه، وأعلم بكتاب الله ولمشة نبيه؟ فقد خان الله ورسوله وجميع المسلمين."ورواه البيهقي في سننه عن الحاكم به.

وله شاهد من حديث أبي بكر الصديق رواه الحاكم من طريق بكر بن خنيس وصححه، وأحمد في مسنده وفي إسناده رجل لم يسم (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۴۸۹۴باب ترهيب من ولي شيئًا من أمور المسلمين أن يولي عليهم رجلا وفي رعيته خير منه)

وقال المنذري:وعن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يزول قدما ابن آدم يوم القيامة حتى يسأل عن خمس عن عمره فيم أفناه وعن شبابه فيم أبلاه وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه وما عمل فيما علم.

رواه الترمذي أيضا والبيهقي وقال الترمذي حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود عن النبي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)...... چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

اَلْخُمُسُ الَّذِیْ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ کَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَابَتِهٖ، لَا یَأْکُلُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ شَیْئًا، فَکَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُمُسُ الْخُمُسِ، وَلِذِیْ قَرَابَتِهٖ خُمُسُ الْخُمُسِ، وَلِلْیَتَامٰی مِثْلُ ذٰلِکَ، وَلِلْمَسَاکِیْنِ مِثْلُ ذٰلِکَ، وَلِابْنِ السَّبِیْلِ مِثْلُ ذٰلِکَ (سنن النسائی، رقم الحدیث ۴۱۴۷، کتاب قسم الفیئ)

ترجمہ: وہ خمس جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے تھا، تو وہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کے لئے تھا، جو کہ صدقہ میں سے کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مالِ غنیمت کے خمس کا خمس تھا، اور آپ کے قرابت داروں کے لئے بھی مالِ غنیمت کے خمس کا خمس تھا، اور یتیموں کے لئے بھی اسی طرح تھا، اور مسکینوں کے لئے بھی اسی طرح تھا، اور مسافروں کے لئے بھی اسی طرح تھا (نسائی)

اور حضرت مجاہد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُ بَیْتِهٖ لَا یَأْکُلُوْنَ الصَّدَقَةَ، فَجَعَلَ لَهُمْ خُمُسَ الْخُمُسِ (جامع البیان فی تأویل القرآن للطبری) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

صلی اللہ علیہ وسلم إلا من حدیث حسین بن قیس، قال الحافظ: حسین هذا هو حنش وقد وثقه حصین بن نمیر وضعفه غیره وهذا الحدیث حسن فی المتابعات إذا أضیف إلی ما قبله واللہ أعلم (الترغیب والترهیب للمنذری، تحت رقم الحدیث ۲۱۱)

وقال الالبانی: وقال الترمذی ": حدیث غریب لا نعرفه من حدیث ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیه وسلم إلا من حدیث الحسین بن قیس، وهو یضعف فی الحدیث من قبل حفظه ."

قلت: لکن له شواهد تدل علی أنه قد حفظه من حدیث أبی برزة الأسلمی ومعاذ بن جبل (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۹۴۶)

[1] رقم الحدیث ۱۶۱۱۱، ج۱۳ ص ۵۵۳، سورۃ الانفال، مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۱۰۸۱۶.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت صدقہ کا مال نہیں کھاتے تھے، تو ان کے لئے مالِ غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کیا گیا تھا (طبری، ابنِ ابی شیبہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

قَدْ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّ فِيْ بَنِيْ هَاشِمٍ اَلْفُقَرَاءُ ، فَجَعَلَ لَهُمُ الْخُمُسَ مَكَانَ الصَّدَقَةِ (جامع البیان فی تأویل القرآن للطبری) [1]

ترجمہ: اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ بنو ہاشم میں بھی فقراء ہوں گے، تو اللہ نے ان کے لئے صدقہ (وزکاۃ) کی جگہ خمس مقرر فرما دیا (طبرای)

یہ روایت اگرچہ فی نفسہٖ مرسل ہے، اور بعض حضرات کے بقول کسی قدر ضعیف ہے۔ مگر اولاً تو اس کی تائید اس سے گزشتہ حدیث سے ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۱۱۲، ج۱۳ ص ۵۵۴، سورۃ الانفال.

[2] چنانچہ اس حدیث کو بعض حضرات نے خصیف اور شریک کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

مگر اولاً تو ان کے ضعف پر اتفاق نہیں، دوسرے ان کا ضعف شدید نہیں۔

وقال النووی الحدیث الضعیف عندتعددالطرق یرتقی عن الضعف الی الحسن، ویصیرمقبولامعمولابه قال الحافظ السخاوی :ولایقتضی ذالک الاحتجاج بالضعیف فان الاحتجاج انما هو بالهیئة المجموعة کالمرسل حیث اعتضد بمرسل آخر ولو ضعیفا کماقاله الشافعی والجمهور اهـ(۱۵۹۲ مع النیل)(اعلاء السنن ج۳ص۲۶)

خصیف بن عبد الرحمن الخضرمی :الإمام، الفقیه، أبو عون الخضرمی -بکسر الخاء المعجمة - الأموی مولاهم، الجزری، الحرانی.رأی :أنس بن مالک.

وسمع :مجاهدا، وسعید بن جبیر، وعکرمة، وطبقتهم.روی عنه :السفیانان، وشریک، ومحمد بن فضیل، وعتاب بن بشیر، ومروان بن شجاع، ومحمد بن سلمة، ومعمر بن سلیمان، وآخرون.

وثقه :یحیی بن معین.وقال النسائی :صالح.وقال أحمد بن حنبل :لیس بحجة.وقال أبو حاتم :سیء الحفظ.قال خصیف :قال لی مجاهد :یا أبا عون !أنا أحبک فی الله.وقال أبو زرعة :هو ثقة.وقال ابن حراش :لا بأس به .قال أبو فروة :ولی خصیف بیت المال.وعن جریر، قال :کان متمکنا من الإرجاء .وقال ابن أبی نجیح :کان من صالحی الناس قال النفیلی :توفی سنة ست وثلاثین ومائة.

وقال محمد بن المثنی :توفی سنة اثنتین وثلاثین.وقال عتاب بن بشیر، والبخاری :سنة سبع.

وقال أبو عبید، وشباب :سنة ثمان وثلاثین.وقال أحمد أیضا :لیس بقوی، تکلم فی الإرجاء .

وقال یحیی القطان :کنا نجتنب خصیفا.وقال عثمان بن عبد الرحمن الطرائفی :رأیت علی خصیف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اس کی زبردست تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کے لئے خمس مقرر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور تیسرے مرسل حدیث متعدد فقہائے کرام کے نزدیک حجت ہوتی ہے، بطورِ خاص حضرت مجاہد جیسے تابعی کی مرسل احادیث کو متعدد محدثین نے بھی حجت مانا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ثيابا سودا، وكان على بيت المال.قلت :حديثه يرتقي إلى الحسن(سير اعلام النبلاء للذهبي، ج٦ص ١٤٥، ١٤٦)

شريك بن عبدالله بن ابى شريك الحارث بن اوس، القاضى ابوعبدالله النخعى الكوفى الفقيه، احد الاعلام، مولده سنة خمس وتسعين، وتوفى فيما قيل سنة سبع وسبعين ومائة، قال ابوداؤد:شريك ثقة يخطئ على الاعمش، وقال معاوية بن صالح:سألت ابن حنبل عنه فقال:كان عاقلاصدوقا محدثا عندى وكان شديدا على اهل الريب والبدع، وقال النسائى:ليس به بأس،قال لشيخ شمس الدين : استشهدبه البخارى، وخرج له مسلم متابعة، واحتج به النسائى وغيره، وروى له الاربعة(الوافى بالوفيات للصفدى، ج٥ص ٢٠٤)

وقال أحمد بن عبدالله العجلى: كوفى ثقة وكان حسن الحديث...... وقال على بن حكيم الاودى: سمعت وكيعا يقول: لم يكن أحد أروى عن الكوفيين من شريك وقال ابوتوبة الربيع بن نافع: سمعت عيسى بن يونس يقول: مارأيت أحدا قط أورع فى علمه من شريك ...... وقال سعيد بن سليمان: سمعت ابن المبارك عند خديج بن معاوية يقول: شريك أعلم بحديث الكوفيين من سفيان الثورى (تهذيب الكمال، جزء ١٢ صفحه ٤٧٠، ٤٧١،ملخصاً)

[۱] المشهور عن مالك وأحمد وأبى حنيفة رحمهم الله الاحتجاج بالمرسل (تفسير اضواء البيان، لمحمد الأمين الشنقيطى، تحت سورة النساء، جزء ١ صفحه ٢٩٦)

وأما الشافعى :فقد قدمنا عن النووى :أنه يعمل بمرسل التابعى الكبير إن قال به بعض الصحابة أو أكثر أهل العلم (ايضاً، تحت سورة الحج، جزء٤ صفحه ٤٨٦)

مرسل التابعى الكبير يحتج به عندنا إذا اعتضد بقول الصحابة .أو قول أكثر العلماء ، أو غير ذلك مما سبق . وقد اعتضد هذا الحديث، فقال به من الصحابة رضى الله عنهم، من سنذكره فى فرع مذاهب العلماء اهـ، كلام النووى، فظهرت صحة الاحتجاج بالحديث المذكور على كل التقديرات (ايضاً، تحت سورة المائدة، ج ١ ص ٤٣٢)

مشهور مذهب مالك، وأبى حنيفة وأحمد -رحمهم الله تعالى -صحة الاحتجاج بالمرسل، ولا سيما إذا اعتضد بغيره كما هنا، وقد علمت من كلام النووى موافقة الشافعية.واحتج من قال بأن المرسل حجة بأن العدل لا يحذف الواسطة مع الجزم بنسبة الحديث لمن فوقها، إلا وهو جازم بالعدالة والثقة (ايضاً، تحت سورة المائدة، جزء ١ صفحه ٤٣٣)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے یہ حدیث مذکورہ تائیدات کی وجہ سے حسن درجہ میں داخل ہوجاتی ہے۔

چوتھے کئی فقہائے کرام ومشائخِ عظام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

پانچویں فقہائے کرام نے بھی خمس کو زکاۃ کا عوض قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور فقہائے کرام کا استدلال بھی ایک درجہ میں حجت ہوا کرتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض فقہاء نے ایک حدیث ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ:

يَا بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ، وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ مِنَ الْغَنِيْمَةِ(المحيط البرهاني) [1]

ترجمہ: اے بنو ہاشم! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہاتھوں کی دھووَن اور ان کے میل کچیل کو مکروہ کردیا ہے، اور تمہارے لئے اس کے بدلہ میں مالِ غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کردیا ہے (محیط)

مگر ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث معروف اور کسی قابلِ ذکر حدیث کی کتاب میں دستیاب نہیں ہے۔ [2]

البتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی جو احادیث اوپر گزریں، ان کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أما على مذهب من يحتج بالمرسل كمالك وأبي حنيفة وأحمد فلا إشكال، وأما على مذهب من لا يحتج بالمرسل فمرسل سعيد بن المسيب حجة عند كثير ممن لا يحتج بالمرسل، ولا سيما أنه اذا اعتضد .... فأقل درجاته أنه مرسل صحيح، اعتضد بمرسل صحيح .ومثل هذا يحتج به من يحتج بالمرسل ومن لا يحتج به، وقد قدمنا في "سورة المائدة (ايضاً، تحت سورة النحل، جزء۲ صفحه ۳۴۸)

وقال يحيى القطان مرسلات مجاهد أحب إلي من مرسلات عطاء (عمدة القاري، ج۲ ص۵۳، باب الفهم في العلم)

حدثنا صالح بن أحمد بن حنبل حدثنا علي بن المديني قال مرسلات مجاهد أحب إلي من مرسلات عطاء (المراسيل لابن ابي حاتم، جزء ۱ صفحة ۴، رقم الحديث ۴)

[1] ج۲ ص۲۸۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن.

[2] وأما قول صاحب الهداية :لقوله عليه الصلاة والسلام :يا بني هاشم، إن الله حرم عليكم غسالة أيدي الناس، وأوساخهم، وعوضكم منها بخمس الخمس .فغير معروف بهذا اللفظ(شرح النقاية ، ج۲ص۱۶۰ ، كتاب الزكاة)

مطلب بھی اس جیسا ہی ہے، اس لئے کتبِ فقہ میں مذکور اس حدیث کو بعض حضرات نے روایت بالمعنیٰ قرار دیا ہے، یعنی اس عبارت میں اُس حدیث کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کردیا گیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

اور متعدد فقہائے کرام نے بھی مالِ غنیمت کے خمس کو زکاۃ کا عوض اور زکاۃ کو اس کا معوّض قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهٰذَا كُلُّهُ إِذَا كَانُوا مِنْ غَيْرِ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْنَ جَعَلَ لَهُمُ الْخُمُسَ عِوَضًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَلَا يُعْطَوْنَ مِنَ الصَّدَقَاتِ الْمَفْرُوْضَاتِ شَيْئًا (معرفة السنن والآثار، للبيهقي) [2]

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا، اور یہ سب حکم اس وقت ہے، جبکہ وہ مستحقین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے علاوہ ہوں، پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ آل جن کے لئے خمس کو صدقہ کا عوض مقرر کردیا گیا ہے، تو ان کو فرض صدقات میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا (بیہقی)

اور ہدایہ کی شرح بنایہ میں ہے کہ:

---

[1] حديث يابني هاشم إن الله حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس هو مذكور بالمعنى من حديث عبد المطلب بن ربيعة مرفوعا إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد لا لآل محمد وقال فيه أصدق عنهما من الخمس أخرجه مسلم وأخرجه الطبراني من طريق حنش عن عكرمة عن ابن عباس وفي آخره إنه لا يحل لكم أهل البيت من الصدقات شيء إنا هي غسالة الأيدي وإن لكم في خمس الخمس لما يغنيكم وروى ابن أبي شيبة والطبراني عن مجاهد قال كان آل محمد لا تحل لهم الصدقة فجعل لهم خمس الخمس (الدراية في تخريج أحاديث الهداية، لابن حجر العسقلاني، ج ١، ص ٢٦٨، رقم الحديث ٣٤٦، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه)

[2] تحت رقم الحديث ١٣٣٨٤، كتاب الصدقات، بيان اهل الصدقات.

(وَالْعِوَضُ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِيْ حَقِّ مَنْ يَّثْبُتُ فِيْ حَقِّهِ الْمُعَوَّضُ)ش: أَرَادَ بِالْعِوَضِ خُمُسَ الْخُمُسِ، وَبِالْمُعَوَّضِ عَلٰى صِيْغَةِ اِسْمِ الْمَفْعُوْلِ مِنَ التَّعْوِيْضِ اَلزَّكَاةَ،تَقْرِيْرُهُ أَنَّ الْعِوَضَ وَهُوَ الزَّكَاةُ لَا يَجُوْزُ دَفْعُهَا إِلَى الْأَغْنِيَاءِ ، فَكَذٰلِكَ يَجِبُ أَنْ يَّكُوْنَ عِوَضَ الزَّكَاةِ وَهُوَ خُمُسُ الْغَنَائِمِ لَا يُدْفَعُ إِلَيْهِمْ، لِأَنَّ الْعِوَضَ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِيْ حَقِّ مَنْ فَاتَ عَنْهُ الْمُعَوَّضُ وَإِلَّا لَا يَكُوْنُ عِوَضًا لِذٰلِكَ الْمُعَوَّضِ(البناية شرح الهداية، ج۷ص ۱۷۳ ،كتاب السير ،باب الغنائم وقسمتها،فصل فى كيفية القسمة)

ترجمہ: اور عوض صرف ان لوگوں کے حق میں ثابت ہوتا ہے، جن کے حق میں معوَّض ثابت ہو، عوض سے مراد مالِ غنیمت کے خمس کا خمس ہے، اور معوَّض سے مراد جو اسم مفعول کے صیغہ کے ساتھ تعویض سے بنا ہے، زکاۃ ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ عوض جو کہ زکاۃ ہے، اس کا اغنیاء کو دینا جائز نہیں، پس اسی طریقہ سے واجب ہے کہ زکاۃ کا عوض جو کہ غنائم کا خمس ہے، وہ بھی اغنیاء کو نہ دیا جائے، کیونکہ عوض بس ان لوگوں کے حق میں ثابت ہوتا ہے کہ جن سے معوَّض فوت ہوجائے، ورنہ تو یہ اس معوَّض کے لئے عوض نہیں بنتا (بنایہ)

حنفیہ کی اور کئی کتب میں بھی اسی طرح سے خمس کو زکاۃ کا عوض ہونا بیان کیا گیا ہے۔ [۱]

---

[۱] وقال عليه الصلاة والسلام "يا معشر بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس "والعوض إنما يثبت في حق من يثبت في حقه المعوض وهم الفقراء (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج۲ص ۳۹۰، كتاب السير، فصل فى كيفية القسمة)

فيستحقون بعد وفاته -صلى الله عليه وسلم -بالفقر، حيث قال صلى الله عليه وسلم: وعوضكم منها بخمس الخمس، ولما كان عوضا عن الزكاة يستحقه من يستحق الزكاة(شرح الوقاية، ج٦ص ۱۳۵ ،باب المغنم وقسمته)

وقال -عليه السلام -يا معشر بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس والعوض إنما يثبت فى حق من يثبت فى حقه المعوض وهم الفقراء (البحر الرائق، ج۵ص۹۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد فقہائے کرام کے نزدیک مالِ غنیمت کا خمس زکاۃ کا عوض ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والعوض إنما يثبت في حق من يثبت في حقه المعوض وهم الفقراء) يعني أن المعوض وهو الزكاة لا يجوز دفعها إلى الأغنياء ، فكذلك يجب أن يكون عوض الزكاة وهو خمس الغنائم لا يدفع إليهم لأن العوض إنما يثبت في حق من فات عنه المعوض وإلا لا يكون عوضا لذلك المعوض (العناية شرح الهداية، ج۵،ص ۵۰۴،۵۰۵،كتاب السير،باب الغنائم وقسمتها،فصل في كيفية القسمة)

[1] مگر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے کتبِ فقہ میں مذکور غیر معروف حدیث کو ذکر کرکے فرمایا کہ اگر یہ حدیث قابلِ احتجاج سند سے ثابت بھی ہوجائے، تو اس میں خمس کے عوضِ زکاۃ ہونے کی دلیل نہیں پائی جاتی، کیونکہ سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام بنو ہاشم کی تسلی کے لئے لایا گیا ہے، تاکہ وہ زکاۃ وغیرہ کے منافع فوت ہونے پر غمگین نہ ہوں۔
پھر فرمایا کہ اگر تنزلی کرکے اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ خمس زکاۃ کا عوض ہے، تو یہ حکمت کے درجہ میں ہوگا، علت کے درجہ میں نہیں، اور علت زکاۃ کا اوساخ الناس ہونا ہی ہے، اور اگر اس کے عوض ہونے کو علت بھی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی اس سے مطلوب حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ شریعت کے اس حکم کے جاری ہونے کی ابتداءً علت ہوگی، نہ کہ اس حکم کے باقی رہنے کی، اور بقاء کے لئے اس کی شرط نہیں ہوگی، جیسا کہ رمل میں، تو عوض کا زائل ہونا معوَّض کے لوٹنے کو مستلزم نہیں ہوگا۔
چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

فان ثبت باسناد محتج به فلا دليل فيه على ان الخمس عوض الزكاة، فان السياق يدل على ان الكلام سيق على سبيل التسلية لهم لئلا يحزنوا على فوت تلك المنافع ، وما اشتهر في بعض احاديث الحرمه من زيادة"وعوضكم منها بخمس الخمس" فلم يثبت هذه الزياده كما في فتح القدير، لكن هذا اللفظ غريب الخ(۲:۲۱۲)
وان سلمنا على التنزيل حمل الكلام على ان ذلك حكمة لا علة ، فان العلة هي كون الزكاة من اوساخ الناس وان سلمنا على التنزيل كونه علة ايضا لايثبت المطلوب فانها علة لاصل التشريع لالبقاء ه اى شرع هذا الحكم اولا لهذه العلة، وان لم يشترط بقاء ه بها كما في الرمل فزوال العوض لا يستلزم عود المعوض لا سيما وقد اجمعت الاحاديث على ذلك ولم يرد حديث في خلافه ، فافهم وحقق(اعلاء السنن، ج۹ص ۹۵، ۹۶، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لايجوز)

لیکن حدیث کی سند پر کلام تو پہلے گزر چکا ہے، اور خمس کے زکاۃ کا عوض ہونے کی تصریح بھی فقہائے کرام کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے، اور جہاں تک حکمت یا علت کا تعلق ہے، تو بعض فقہائے کرام نے عوض کے ہی علت ہونے کو اختیار کیا ہے، اور اوساخ الناس کو حکمت کے درجہ میں رکھا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے مختلف اہلِ علم حضرات کی عبارات کے ذیل میں آتی ہے۔
النبي -صلى الله عليه وسلم -علل منعهم الصدقة باستغنائهم عنها بخمس الخمس، فقال :أليس في خمس الخمس ما يغنيكم؟(المغني لابن قدامة، ج۲،ص ۴۹۰،كتاب الزكاة،فصل بنو المطلب هل لهم الأخذ من الزكاة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص قرابت داروں کے لئے زکاۃ وصدقہ کے بدلہ میں مالِ غنیمت کے خمس کو مقرر کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے کئی اہلِ علم حضرات

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فخمس الخمس علة لاستغنائهم وشرط لمنعهم، فإذا زال الشرط انتفى المانع (حاشية الشروانى على تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج۷ص ۱۶۰، ۱۶۱، كتاب قسم الصدقات)

وقد ذكرنا الحكمة فى تحريمها عليهم أنها مطهرة للملاك ولأموالهم، قال تعالى :(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم)فهى كغسالة الأوساخ، وأن آل محمد منزهون عن أوساخ الناس وغسالاتهم(عمدة القارى للعينى، ج۹ص ۸۹، كتاب الزكاة، باب ما يذكر فى الصدقة للنبى صلى الله عليه وسلم)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگرخمس کے زکاۃ کا عوض ہونے کوعلت بھی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی اس کو حکم کے مشروع ہونے کی علت تو کہا جائے گا، لیکن اس کے باقی رہنے کی علت نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ رَمل میں، اور اس وجہ سے عوض یعنی خمس کا زوال معوض یعنی زکاۃ کے عود کرنے کو مستلزم نہیں ہوگا۔

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خمس کو زکاۃ کے مشروع ہونے کی علت قرار دے کر باقی رہنے کی علت کی نفی کرنے کی کوئی مستند دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ بہت سے فقہاء ومشائخ نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔

علاوہ ازیں متعدد احادیث میں صدقہ کو بھی اوساخ الناس کہا گیا ہے، اور اکثر احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں پر صدقہ کے ہی حلال وغیرہ نہ ہونے کا ذکر آیا ہے، اور اسی وجہ سے بعض حضرات صدقۂ نافلہ کے بھی حلال نہ ہونے کے قائل ہیں، مگر اکثر فقہاء نفلی صدقہ کو حلال قرار دیتے ہیں، جس سے اوساخ الناس کے علت نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

اور جہاں تک علتِ رَمل کی نظیر کا تعلق ہے، تو علامہ ابنِ نجیم نے البحر الرائق میں رَمَل کی علت پر بحث کرتے ہوئے رَمل کی علت کے زائل ہونے اور حکم کے باقی رہنے کے قول کو یہ فرما کر رَد کردیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بھی رَمل کیا ہے، اور اس کی علت خوف کے بعد امن کی نعمت کو یاد کرنا ہے، تاکہ اس پر شکر کیا جائے، اور یہ بات ممکن ہے کہ کوئی حکم متبادل علتوں کی وجہ سے ثابت ہو، پس مشرکین کے غلبہ کے وقت رَمل کی علت اور تھی، اور اس علت کے زائل ہونے کے بعد علت دوسری تھی، انتہیٰ، جبکہ ہمارے مبحوث فیہ مسئلہ میں ایسا نہیں، واللہ اعلم۔

واعلم أن الأصل زوال الحكم عند زوال العلة؛ لأن الحكم ملزوم لوجود العلة، ووجود الملزوم بدون اللازم محال، وقول من قال إن علة الرمل فى الطواف زالت وبقى الحكم ممنوع فإن النبى - صلى الله عليه وسلم -رمل فى حجة الوداع تذكيرا لنعمة الأمن بعد الخوف ليشكر عليها فقد أمر الله بذكر نعمه فى مواضع من كتابه وما أمرنا بذكرها إلا لنشكرها، ويجوز أن يثبت الحكم بعلل متبادلة فحين غلبة المشركين كانت علة الرمل إيهام المشركين قوة المؤمنين،وعند زوال ذلك تكون علته تذكير نعمة الأمن كما أن علة الرق فى الأصل استنكاف الكافر عن عبادة ربه، ثم صار علته حكم الشرع برقه وإن أسلم (البحر الرائق، ج۲ص ۳۵۴، كتاب الحج، باب الاحرام)

نے فرمایا کہ بنوہاشم کو زکاۃ دینا اس وقت ناجائز ہے، جبکہ مالِ غنیمت سے ان کے غنی ہونے اور کفایت وضرورت پوری ہونے کا انتظام ہو، اور اگر ایسا نہ ہو، تو پھر ان کو زکاۃ دینا اور لینا جائز ہے، جیسا کہ آگے متعدد فقہائے کرام کی عبارات کے ضمن میں آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ تناول نہ کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت داروں کے لئے صدقہ کے مناسب یا حلال نہ ہونے کا متعدد احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں تمام احادیث وروایات کے الفاظ یکساں نہیں ہیں، بلکہ بعض روایات میں ''آلِ محمد'' کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر۵ اور اس کے ضمن میں مذکور روایات میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ''اہلِ بیت'' کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر۶ اور ۷ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ''اہلِ بیت کے آزاد کردہ غلاموں'' کے لئے صدقہ ممنوع ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر۸ اور اس کے ضمن میں مذکور روایات میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ''آلِ محمد وازواج'' کے لئے صدقہ حلال ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر۹ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ''محمد وآلِ محمد کے لئے صدقہ کے میل کچیل کی بناء پر'' مناسب یا حلال نہ ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر۱۰ اور ۱۱ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ''بنوہاشم کو غسالۃُ الناس'' سے بچنے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ حدیث نمبر۱۲ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں خمس کے صدقہ کا عوض ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ حدیث نمبر۱۳ اور ۱۴ میں مذکور ہے)

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر۳)

بنو ہاشم کو زکاۃ کے جواز سے متعلق اہلِ علم کے اقوال

دیگر فقہائے کرام کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق بھی عام حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص رشتہ داروں یعنی بنو ہاشم کو زکاۃ دینا جائز نہیں، جن کو کہ ہاشمی کہا جاتا ہے، اور فقہ حنفی وشافعی وغیرہ کی بہت سی کتب میں اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے مطابق حکم بیان کیا جاتا رہا ہے۔

البتہ اگر زکاۃ کا مال کسی غیر ہاشمی غریب کو مالک بنا کر دے دیا جائے، اور پھر وہ مالک بننے کے بعد اپنی خوشدلی سے وہ مال کسی ہاشمی کو فروخت یا ہبہ کرے، یا اس کو کھلائے پلائے، تو جائز ہے۔ [۱]

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ موجودہ زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غریب اور تنگ دست بنو ہاشم کی ضرورت کے لئے مالِ غنیمت اور مالِ فیئ میں سے مستقل حصہ دیا جاتا تھا، اور اب مالِ غنیمت وغیرہ سے ان کے لئے عملی طور پر اس کا انتظام نہیں، اس لئے اب ان کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور بعض حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور بعض حضرات کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو زکاۃ دینا جائز ہے۔ [۲]

---

[۱] اور اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنے الگ مضمون میں ذکر کردی ہے، جو اسی کتاب میں پیچھے گزر چکا ہے۔

[۲] ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

حدثنا ابن ناجية قال :ثنا زيد بن علي بن الحسين بن زيد بن علي بن حسين أبو الحسين قال :حدثني علي بن جعفر بن محمد، عن حسين بن زيد، عن علي بن حسين، أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہی قول بعض شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور علامہ ابنِ تیمیہ وغیرہ کا بھی ہے، اور ان کے متبعین میں سے کئی جلیل القدر مشائخ اہلِ علم حضرات کا فتویٰ بھی آج کے دور میں جبکہ بنو ہاشم کے لئے خمس کا انتظام نہیں، اسی کے مطابق ہے۔

اور ہمارا اپنا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

العباس قال :يا رسول الله، إنك قد حرمت علينا صدقات الناس فهل تحل لنا صدقات بعضنا على بعض؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم .وسقطت كلمة، قال حسين بن زيد :فرأيت مشيخة أهل بيتي يشربون الماء في المسجد إذا كان لبني هاشم ويكرهونه إذا لم يكن لبني هاشم (الفوائد الشهير بالغيلانيات لابي بكر الشافعي، رقم الحديث ٨٧٤)

في حاشية الايماء:في الإسناد زيد بن علي وعلي بن جعفر، قال الحافظ في كل منهما: مقبول(الإيماء إلى زوائد الأمالي والأجزاء ، تحت رقم الحديث ٧١٤١،لنبيل سعد الدين سَليم جَرَّار)

حدثنا أبو محمد الحسن بن محمد بن يحيى بن الحسن بن جعفر بن عبيد الله بن الحسين بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ، ابن أخي طاهر العقيقي ، قال : حدثنا أبو محمد إسماعيل بن محمد بن إسحاق بن جعفر بن محمد قال :حدثني علي بن جعفر بن محمد ، عن الحسين بن زيد ، عن عمه عمر بن علي بن الحسين ، عن أبيه ، أن العباس بن عبد المطلب ، قال :يا رسول الله إنك حرمت علينا صدقات الناس ، فهل تحل صدقة بعضنا لبعض ؟ قال : نعم قال :حسين فرأيت مشيخة أهل بيتي يشربون من الماء في المسجد ، إذا كان لبعض بني هاشم ، ويكرهون ما لم يكن لبني هاشم قال أبو عبد الله :رواة هذا الحديث كلهم هاشميون(معرفة علوم الحديث للحاكم،رقم الحديث ٣٥٩)

ملحوظ رہے کہ امام حاکم کی سند لمبی ہے، جس کے بعض راویوں پر شدید کلام ہے، مگر وہ راوی ابوبکر شافعی کی اس سے پہلے ذکر شدہ سند میں موجود نہیں، اور صاحبِ نیل الاوطار نے اس حدیث کے رواۃ کا صاحبِ میزان سے متہم ہونا ذکر کیا ہے، مگر ہمیں صاحبِ میزان سے اس کی تصریح نہیں ملی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وأما ما استدل به القائلون بحلها للهاشمي من الهاشمي من حديث العباس الذي أخرجه الحاكم في النوع السابع والثلاثين من علوم الحديث بإسناد كله من بني هاشم أن العباس بن عبد المطلب قال: قلت :يا رسول الله إنك حرمت علينا صدقات الناس، هل تحل لنا صدقات بعضنا لبعض؟ قال : نعم فهذا الحديث قد أتهم به بعض رواته، وقد أطال صاحب الميزان الكلام على ذلك فليس بصالح لتخصيص تلك العمومات الصحيحة(نيل الاوطار للشوكاني، ج۴ص ۲۰۵، كتاب الزكاة، باب تحريم الصدقة على بني هاشم ومواليهم دون موالي أزواجهم)

آگے چاروں فقہائے کرام کے سلسلہ کی کتابوں سے ایسے اقوال وعبارات کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ موجودہ دور میں ضرورت وحاجت کے وقت چاروں فقہ کے اہلِ علم حضرات کی ایک بڑی جماعت جواز کی قائل رہی ہے، اوراب بھی ہے، اور یہ قول بے بنیاد اور بلا دلیل نہیں، اور پھر ان اقوال کی روشنی میں ضرورت وحاجت کے وقت گنجائش کے قول پر غور وفکر اور عمل کیا جاسکے۔

(۱)......امام طحاوی کی عبارت

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شرح معانی الآثار'' میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی جواز کی ایک روایت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ: تِلْکَ الصَّدَقَةُ، إِنَّمَا هِیَ الزَّکَاةُ خَاصَّةً، فَأَمَّا مَا سِوٰی ذٰلِکَ مِنْ سَائِرِ الصَّدَقَاتِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ، قِيلَ لَهٗ: فِیْ هٰذِهِ الْآثَارِ مَا قَدْ دَفَعَ مَا ذَهَبْتَ إِلَيْهِ، وَذٰلِکَ مَا فِیْ حَدِيْثِ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أُتِیَ بِالشَّیْءِ سَأَلَ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟ فَإِنْ قَالُوْا صَدَقَةٌ، قَالَ لِأَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَاسْتَغْنٰى بِقَوْلِ الْمَسْئُوْلِ إِنَّهٗ صَدَقَةٌ عَنْ أَنْ يَّسْأَلَهٗ صَدَقَةٌ مِنْ زَكَاةٍ، أَمْ غَيْرِ ذٰلِکَ؟ فَدَلَّ ذٰلِکَ عَلٰى أَنَّ حُكْمَ سَائِرِ الصَّدَقَاتِ فِیْ ذٰلِکَ سَوَاءٌ، وَفِیْ حَدِيْثِ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: فَجِئْتُ فَقَالَ: أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ، فَقُلْتُ: بَلْ صَدَقَةٌ، لِأَنَّهٗ بَلَغَنِیْ أَنَّكُمْ قَوْمٌ فُقَرَاءُ، فَامْتَنَعَ مِنْ أَكْلِهَا لِذٰلِکَ، وَإِنَّمَا كَانَ سَلْمَانُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ عَبْدًا، مِمَّنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ زَكَاةٌ، فَدَلَّ ذٰلِکَ عَلٰى أَنَّ كُلَّ الصَّدَقَاتِ مِنَ التَّطَوُّعِ وَغَيْرِهٖ قَدْ كَانَ

مُحَرَّمًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلٰى سَائِرِ بَنِيْ هَاشِمٍ.

وَالنَّظَرُ أَيْضًا يَدُلُّ عَلٰى اِسْتِوَاءِ حُكْمِ الْفَرَائِضِ وَالتَّطَوُّعِ فِيْ ذٰلِكَ، وَذٰلِكَ أَنَّا رَأَيْنَا غَيْرَ بَنِيْ هَاشِمٍ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ وَالْفُقَرَاءِ، فِي الصَّدَقَاتِ الْمَفْرُوْضَاتِ وَالتَّطَوُّعِ، سَوَاءً مَنْ حَرُمَ عَلَيْهِ أَخْذُ صَدَقَةٍ مَفْرُوْضَةٍ، حَرُمَ عَلَيْهِ أَخْذُ صَدَقَةٍ غَيْرِ مَفْرُوْضَةٍ، فَلَمَّا حَرُمَ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ أَخْذُ الصَّدَقَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ، حَرُمَ عَلَيْهِمْ أَخْذُ الصَّدَقَاتِ غَيْرِ الْمَفْرُوْضَاتِ، فَهٰذَا هُوَ النَّظَرُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَأَبِيْ يُوْسُفَ، وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

وَقَدِ اخْتُلِفَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ، فَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ، وَذَهَبَ فِيْ ذٰلِكَ عِنْدَنَا إِلٰى أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ مِنْ سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبٰى، فَلَمَّا انْقَطَعَ ذٰلِكَ عَنْهُمْ وَرَجَعَ إِلٰى غَيْرِهِمْ، بِمَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَلَّ لَهُمْ بِذٰلِكَ مَا قَدْ كَانَ مُحَرَّمًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا قَدْ كَانَ أُحِلَّ لَهُمْ.

وَقَدْ حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ، عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ، مِثْلَ قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، فَبِهٰذَا نَأْخُذُ (شرح معانی الآثار)[1]

ترجمہ: پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ یہ صدقہ تو زکاۃ کے ساتھ خاص ہے، تو جو اس زکاۃ کے علاوہ دوسرے تمام صدقات ہیں، تو ان کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

---

[1] ج ۲ ص ۱۰، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم.

کے مخصوص قرابت داروں پر) خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے؟ تو اسے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ آثار (وروایات) اس بات کو رَد کرتی ہیں، جو آپ کہتے ہیں، جیسا کہ حضرت بہز بن حکیم کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی چیز آتی تھی، تو آپ یہ سوال کرتے تھے کہ کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے؟ پس اگر لوگ کہتے کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ اپنے صحابہ سے فرماتے کہ تم کھالو، اور آپ اس جواب کو کافی سمجھتے تھے کہ یہ صدقہ ہے، یہ سوال نہیں فرماتے تھے کہ زکاۃ والا صدقہ ہے یا غیرِ زکاۃ والا، تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس سلسلہ میں تمام صدقات کا حکم برابر ہے (یعنی زکاۃ اور واجب ونفلی ہر قسم کے صدقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص قرابت داروں پر حرام ہیں) اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ صدقہ ہے، کیونکہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ فقیر (وغریب) قوم ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا، اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس وقت ایسے شخص کے غلام تھے کہ جس پر زکاۃ واجب نہیں تھی (لہٰذا یہ مال بھی زکاۃ کے علاوہ سے ہوگا) تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمام صدقات خواہ نفلی ہوں یا غیر نفلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھے، اور تمام بنوہاشم پر بھی حرام تھے، اور عقل بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرائض اور نفل (صدقات) کا حکم اس بارے میں برابر ہونا چاہئے، اور وہ اس طرح سے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنوہاشم کے علاوہ مالدار اور فقیر (یعنی غریب) لوگ فرض اور نفل صدقات میں برابر ہیں، جس کو فرض صدقہ (یعنی زکاۃ) لینا حرام ہے، اس کو غیر فرض (یعنی واجب اور نفل) صدقہ لینا بھی حرام ہے، پس جب بنوہاشم پر فرض

صدقات حرام ہوگئے، تو ان پر غیر فرض صدقات بھی حرام ہوگئے، پس اس باب میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے، اور یہی ابوحنیفہ اور ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اور (بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقات دینے کے مسئلہ میں) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مختلف روایات مروی ہیں، امام ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ بنو ہاشم کو تمام صدقات (بشمول زکاۃ) کے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ قول ہمارے نزدیک اس لئے اختیار کیا ہے کہ بنوہاشم کو صدقات دینا اس لئے حرام تھا کہ ان کے لئے ذوی القربیٰ (یعنی بنوہاشم وغیرہ) کے حصہ کا خمس مقرر کیا گیا تھا، پھر جب ان کا یہ حق منقطع (وختم) ہوگیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کی وجہ سے دوسروں کی طرف لوٹ گیا، تو بنوہاشم کے لئے وہ صدقات (بشمول زکاۃ کے) حلال ہوگئے، جو ان پر اس وجہ سے حرام کئے گئے تھے کہ ان کے لئے خمس حلال کیا گیا تھا۔

اور ہم سے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب نے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے محمد سے، انہوں نے ابو یوسف سے، انہوں نے ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے اس بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی طرح، تو ہم اسی کو لیتے ہیں

(شرح معانی الآ ثار للطحاوی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ بنوہاشم کو تمام صدقات اور زکاۃ دینا جائز ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک ان کو مالِ غنیمت کے خمس سے حصہ ملا کرتا تھا، اس وقت تک ان کو زکاۃ دینا منع تھا، کیونکہ بنوہاشم کی ضرورت متبادل ذریعہ سے پوری ہورہی تھی، اور ایسی حالت میں زکاۃ ان کو دینے میں دوسرے لوگوں کی حق تلفی تھی، اور بنوہاشم کے اعزاز واکرام کے بھی خلاف تھا، پھر جب ان کو مالِ غنیمت کا

خمس ملنا بند ہوگیا، توان پر زکاۃ ناجائز نہیں رہی۔

ملحوظ رہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کے موقف کے متعلق بعض اہلِ علم حضرات نے یہ قرار دیا ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا اپنا رجحان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جواز والی روایت کی طرف ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مگر بعض اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ امام طحاوی کی مذکورہ عبارت سے ان کا یہ رجحان ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس عبارت میں ان کا اپنا رجحان اس طرف ہے کہ بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقہ کچھ بھی جائز نہیں، البتہ انہوں نے کسی اور کتاب یا عبارت میں اپنے اس رجحان کا ذکر کیا ہو، تو الگ بات ہے، اور اس کا فیصلہ ان کی وہ عبارت سامنے آنے پر ہی ہوسکتا ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار کی مذکورہ عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَهٰذَا صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّ الطَّحَاوِيَّ مَا اخْتَارَ رِوَايَةَ الْحِلِّ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بَلْ اَخَذَ بِالرِّوَايَةِ الَّتِيْ وَافَقَتْ قَوْلَ اَبِيْ يُوْسُفَ ، وَهِيَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا اَوَّلاً مِنْ اِسْتِوَاءِ حُكْمِ التَّحْرِيْمِ فِي الْفَرِيْضَةِ وَالتَّطَوُّعِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ(فتح الملهم بشرح صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: اور یہ (امام طحاوی کی عبارت) صریح ہے، اس بارے میں کہ امام طحاوی

---

[1] ج۳ص۱۰۰، کتاب الزکاۃ، باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ ﷺ وھم بنوھاشم وبنو المطلب دون غیرھم، مطبوعۃ: مکتبۃ الرشیدیۃ، کراتشی، باکستان.

ملحوظ رہے کہ فتح الملہم کا جو نسخہ کویت دار الضیاء سے الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۶ھ۔2006ء میں شائع ہوا ہے، اس میں مذکورہ بالا پوری اور مزید براں غیر معمولی عبارت کتابت سے رہ گئی ہے، جبکہ اصل نسخہ میں یہ عبارت موجود ہے، اور ہم نے جس نسخہ سے یہ عبارت لی ہے، وہ نسخہ قدیمی نسخہ ہے، اور اسی طرح یہ عبارت ادارۃ المعارف، دار العلوم کراچی کے مکتبہ سے شائع ہونے والے نسخہ میں بھی موجود ہے (ملاحظہ ہو: فتح الملہم، ج۵ص۱۷۳، ادارۃ المعارف، کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۳۰ھ) اس لئے دار الضیاء کے طابعین وناشرین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حذف شدہ عبارت کو آئندہ کتابت میں شامل کریں۔

محمد رضوان۔

نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حلت والی روایت کو اختیار نہیں کیا، بلکہ اس روایت کو اختیار کیا ہے، جو امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہے، اور وہی ظاہر الروایۃ ہے، جس کو انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے، یعنی حرمت کا حکم برابر ہے، فرض اور نفل صدقات میں، واللہ اعلم (فتح الملہم)

جہاں تک امام طحاوی رحمہ اللہ کی اس بات کا تعلق ہے کہ ان کے نزدیک فرض اور غیر فرض یعنی زکاۃ اور نفلی ہر طرح کے صدقات بنو ہاشم پر حرام ہونا راجح ہے، تو اگرچہ بعض حنفیہ اسی کے قائل ہیں۔ [1]

---

[1] کیونکہ احادیث میں مطلق صدقہ یا صدقات کے الفاظ کے ساتھ یہ حکم بیان کیا گیا ہے، اور کسی خاص قسم کے صدقہ کی قید نہیں لگائی گئی، اور احسان کا پہلو زکاۃ اور واجب صدقہ کے علاوہ نفلی صدقہ میں بھی پایا جاتا ہے، حنفیہ میں سے علامہ ابنِ ہمام کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

ثم لا يخفى أن هذه العمومات تنتظم الصدقة النافلة والواجبة فجروا على موجب ذلك في الواجب، فقالوا :لا يجوز صرف كفارة اليمين والظهار والقتل وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف إليهم .وعن أبي يوسف :يجوز في غلة الوقف إذا كان الوقف عليهم لأنهم حينئذ بمنزلة الوقف على الأغنياء فإن كان على الفقراء ولم يسم بني هاشم لا يجوز، ومنهم من أطلق في منع صدقة الأوقاف لهم، وعلى الأول إذا وقف على الأغنياء يجوز الصرف إليهم، وأما الصدقة النافلة في النهاية :ويجوز النفل بالإجماع وكذا يجوز النفل للغني، كذا في فتاوى العتابي انتهى.

وصرح في الكافي بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف، فقال :وأما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم لأن المؤدي في الواجب يطهر نفسه بإسقاط الفرض فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، وفي النفل يتبرع بما ليس عليه فلا يتدنس بها المؤدي كمن تبرد بالماء اهـ والحق الذي يقتضيه النظر إجراء صدقة الوقف مجرى النافلة، فإن ثبت في النافلة جواز الدفع يجب دفع الوقف وإلا فلا إذ لا شك في أن الواقف متبرع بتصدقه بالوقف إذ لا إيقاف واجب، وكأن منشأ الغلط وجوب دفعها على الناظر وبذلك لم تصر واجبة على المالك بل غاية الأمر أنه وجوب اتباع شرط الواقف على الناظر .فوجوب الأداء هو نفس هذا الوجوب فلنتكلم في النافلة، ثم يعطى مثله للوقف ففي شرح الكنز لا فرق بين الصدقة الواجبة والتطوع.

ثم قال :وقال بعض :يحل لهم التطوع اهـ .فقد أثبت الخلاف على وجه يشعر بترجيح حرمة النافلة وهو الموافق للعمومات فوجب اعتباره فلا يدفع إليهم النافلة إلا على وجه الهبة مع الأدب وخفض الجناح تكرمة لأهل بيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

وأقرب الأشياء إليك حديث لحم بريرة الذي تصدق به عليها لم يأكله حتى اعتبره هدية منها،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اکثر مشائخِ حنفیہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا، اوران کے نزدیک راجح یہی ہے کہ عام حالات میں بنوہاشم کونفلی صدقات کا دینا جائز ہے، اوراسی طرح نفلی صدقہ غنی ومالدار کے لئے بھی جائز ہے، اورعام کتابوں میں اسی پرفتویٰ اوراسی کے مطابق حکم مذکور ہے، لہٰذا امام طحاوی کا مالدار کے لئے نفلی صدقہ کوحرام قرار دینا ان کی رائے ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال هو عليها صدقة ولنا منها هدية والظاهر أنها كانت صدقة نافلة .وأيضا لا تخصيص للعمومات إلا بدليل .والقياس الذى ذكره المصنف لا يخص به ابتداء بل بعد إخراج شيء بسمعي سلمناه، لكن لا يتم فى القياس المقصود وغير المقصود .وأما الثانى لم يتم له أصل صحيح، وقوله المال هنا كالماء يتدنس بإسقاط الفرض ظاهره أن الماء أصل، وليس بصحيح إذ حكم الأصل لا بد من كونه منصوصا عليه أو مجمعا، وليس ثبوت هذا الحكم للماء كذلك بل المال هو المنصوص على حكمه هذا من التدنس فهو أصل للماء فى ذلك .فإثبات مثله شرعا للماء إنما هو بالقياس على المال، إذ لا نص فى الماء، ونفس المصنف مشى على الصواب فى ذلك فى بحث الماء المستعمل حيث قال فى وجه الرواية المختارة للفتوى إلا أنه يعنى الماء أقيمت به قربة فتغيرت صفته كمال الصدقة فجعل مال الصدقة أصلا فكيف يجعل هنا الماء أصلا لمال الصدقة.

وأما القياس المقصود هنا فى قوله التطوع بالصدقة بمنزلة التبرد بالماء غير صحيح، فإنه إلحاق قربة بغير قربة، والصواب فى الإلحاق أن يقال بمنزلة الوضوء على الوضوء ليكون إلحاق قربة نافلة بقربة نافلة، وبعد هذا إن ادعى أن حكم الأصل عدم تدنس ما أقيم به هذه القربة منعنا حكم الأصل فإن التدنس للآلة بواسطة خروج الأثام وإزالة الظلمة، والقربة النافلة تفيد ذلك أيضا بقدره .وقد قالوا فى قوله -عليه الصلاة والسلام -الوضوء على الوضوء نور على نور أنه يفيد إزالة الظلمة بقدر إفادة زيادة ذلك النور، ولهذا كان المذهب أن الوضوء النفل إذا كان منويا يصير الماء به مستعملا على ما عرف فى قوله المستعمل :هو ما أزيل به حدث أو استعمل فى البدن على وجه القربة، والله أعلم(فتح القدير ،ج۲ص۲۷۳، ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

۱ وقال المصنف فى الكافي :وهذا فى الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة أما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم؛ لأن المؤدى فى الواجب يطهر نفسه بإسقاط الفرض فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، وفى النفل تبرع بما ليس عليه فلا يتدنس به المؤدى كمن تبرد بالماء اهـ.

وإنما لم تلحق صدقة التطوع لهم بالوضوء على الوضوء فيتدنس به المؤدى؛ لأن الأصل يقتضى عدمه، وإنما قلنا به فى الماء للنص الوارد :الوضوء على الوضوء نور على نور إذ ازدياد النور يقتضى زوال الظلمة بقدره لا محالة كذا فى النهاية مختصرا، وفيها عن العتابى أن النفل جائز لهم بالإجماع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......عمدۃ القاری کی عبارت

علامہ عینی رحمہ اللہ، بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ:

وَرَوٰی أَبُوْ عِصْمَةَ عَنْ أَبِیْ حَنِیْفَةَ جَوَازَ دَفْعِهَا إِلَی الْهَاشِمِیِّ فِیْ زَمَانِهٖ، قَالَ الطَّحَاوِیُّ: هٰذِهِ الرِّوَایَةُ عَنْ أَبِیْ حَنِیْفَةَ لَیْسَتْ بِالْمَشْهُوْرَةِ (عمدة القاری) [1]

ترجمہ: ابو عصمہ نے امام ابوحنیفہ سے اس زمانہ میں زکاۃ کا ہاشمی کو دینے کا جائز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کالنفل للغنی وتبعه صاحب المعراج واختاره فی المحیط مقتصرا علیه، وعزاه إلی النوادر ومشی علیه الأقطع فی شرح القدوری واختاره فی غایة البیان، ولم ینقل غیره شارح المجمع فکان هو المذهب

وأثبت الشارح الزیلعی الخلاف فی التطوع علی وجه یشعر بترجیح الحرمة وقواه المحقق فی فتح القدیر من جهة الدلیل لإطلاقه وقد سوی المصنف فی الکافی بین التطوع والوقف کما سمعت وهکذا فی المحیط(البحر الرائق، ج۲ص ۲۶۵، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة)

وأما الصدقة النافلة فقال فی النهایة ویجوز النفل بالإجماع وکذا یجوز النفل للغنی کذا فی فتاوی العتابی اهـ وصرح فی الکافی بدفع صدقة الوقف إلیهم علی أنه بیان المذهب من غیر نقل خلاف فقال وأما التطوع والوقف فیجوز الصرف إلیهم لأن المؤدی فی الواجب یطهر نفسه بإسقاط الفرض فیتدنس المؤدی کالماء المستعمل وفی النفل متبرع بما لیس علیه فلا یتدنس به المؤدی کمن تبرد بالماء اهـ(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، ج۱ص۳۰۴، کتاب الزکاة، باب المصرف)

وکما لا یجوز صرف الزکاة إلی الغنی لا یجوز صرف جمیع الصدقات المفروضة والواجبة إلیه کالعشور والکفارات والنذور وصدقة الفطر لعموم قوله تعالی (إنما الصدقات للفقراء وقول النبی - صلی الله علیه وسلم - لا تحل الصدقة لغنی ولأن الصدقة مال تمکن فیه الخبث لکونه غسالة الناس لحصول الطهارة لهم به من الذنوب، ولا یجوز الانتفاع بالخبیث إلا عند الحاجة والحاجة للفقیر لا للغنی.

وأما صدقة التطوع فیجوز صرفها إلی الغنی؛ لأنها تجری مجری الهبة(بدائع الصنائع،ج۲،ص۴۷،کتاب الزکاة،فصل الذی یرجع إلی المؤدی إلیه)

[1] ج۹ص۸۰، ۸۱،کتاب الزکاة،باب اخذ صدقة التمر عند صرام النخل وهل یترک الصبی فیمس تمر الصدقة.

ہونا روایت کیا ہے، اور امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے مروی یہ روایت مشہور نہیں ہے (عمدۃ القاری)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنوہاشم کو موجودہ زمانہ میں زکاۃ کا دینا جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہ کی یہ روایت مشہور نہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو امام ابوحنیفہ کی اس روایت کا علم نہیں۔

(۳)......بنایہ شرح ہدایہ کی عبارت

علامہ عینی رحمہ اللہ، ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں کہ:

وَلَا تُدْفَعُ الزَّكَاةُ إِلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ ،وَفِيْ "الْإِيْضَاحِ" اَلصَّدَقَاتُ الْوَاجِبَاتُ كُلُّهَا عَلَيْهِمْ لَا تَجُوْزُ لِإِجْمَاعِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَرَوٰى أَبُوْ عِصْمَةَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى الْهَاشِمِيِّ، وَإِنَّمَا كَانَ لَا يَجُوْزُ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ لِسُقُوْطِ خُمُسِ الْخُمُسِ، وَيَجُوْزُ النَّفْلُ بِالْإِجْمَاعِ.

وَرَوٰى اِبْنُ سَمَاعَةَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهُ قَالَ:لَا بَأْسَ بِصَدَقَةِ بَنِيْ هَاشِمٍ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا أَرَى الصَّدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلٰى مَوَالِيْهِمْ مِنْ غَيْرِهِمْ.

وَفِيْ "شَرْحِ الْآثَارِ ":عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَالْحُرْمَةُ لِلْعِوَضِ، وَهُوَ خُمُسُ الْخُمُسِ، فَلَمَّا سَقَطَ ذٰلِكَ بِمَوْتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَّتْ لَهُمُ الصَّدَقَةُ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ:وَبِهٖ نَأْخُذُ (البناية شرح الهداية) [1]

---

[1] ج۳ص ۴۷۱، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز،حكم إعطاء الزكاة والصدقة لبنى هاشم ومواليهم.

ترجمہ: اور بنوہاشم کو زکاۃ نہیں دی جائے گی، اور ایضاح میں ہے کہ تمام واجب صدقات بنوہاشم پر جائز نہیں ہیں، چاروں ائمہ کے اجماع کی وجہ سے، اور ابوعصمہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ہاشمی کو زکاۃ (وصدقاتِ واجبہ) کا دینا جائز ہے، اور پہلے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) زمانہ میں اس لئے جائز نہیں تھا کہ مالِ غنیمت کا خمس حاصل ہونے کی وجہ سے زکاۃ میں سے ان کا حق ساقط ہوگیا تھا، اور (بنوہاشم کو) نفل صدقات بالاجماع جائز ہیں۔

اور ابنِ سماعہ نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ بنوہاشم کا ایک دوسرے کو صدقہ (وزکاۃ) دینے میں کوئی حرج نہیں، اور میں بنوہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں پر کسی دوسرے کے صدقہ کو جائز نہیں سمجھتا۔

اور شرحُ الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے کہ بنوہاشم کو تمام صدقات (بشمول زکاۃ) کے دینے میں کوئی حرج نہیں، اور حرمت عوض (یعنی بدل) کی وجہ سے تھی، جو کہ مالِ غنیمت کا خمس ہے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال سے ان کا یہ حق ساقط ہوگیا، تو ان کے لئے صدقہ (بشمول زکاۃ کے) حلال ہوگیا، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں (بنایہ)

فائدہ: اس عبارت کی وضاحت آگے آتی ہے۔

(۴)......شرح ابی داؤد کی عبارت

علامہ عینی نے اسی طرح کی عبارت ابوداؤد کی شرح میں بھی ذکر کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وَفِيْ "شَرْحِ الْآثَارِ "لِلطَّحَاوِيِّ، عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ، وَالْحُرْمَةُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِلْعِوَضِ، وَهُوَ خُمُسَ الْخُمُسِ ، فَسَقَطَ ذٰلِکَ بِمَوْتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَلَّتْ لَهُمُ

الصَّدَقَةُ،قَالَ الطَّحَاوِيُّ :وَبِالْجَوَازِ نَأْخُذُ(شرح ابی داؤد للعینی) [1]

ترجمہ: امام طحاوی کی شرح الآثار میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ تمام صدقات (بشمول زکاۃ) کے بنو ہاشم کو دینے میں کوئی حرج نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حرمت، عوض کی وجہ سے تھی، اور وہ مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس ہے، پھر وہ عوض نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال سے ساقط ہوگیا، تو بنو ہاشم کے لئے صدقہ حلال ہوگیا، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم جواز ہی کو لیتے ہیں (شرح ابوداؤد للعینی)

فائدہ: مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ بنو ہاشم کو زکاۃ اور ہر قسم کا صدقہ دینا جائز ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقہ کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو زکاۃ وصدقہ کی جگہ مالِ غنیمت میں سے خمس ملا کرتا تھا، اور جب ان کا یہ حق ساقط ہوگیا، تو ان کے لئے زکاۃ وصدقہ حلال ہوگیا، اور بقول علامہ عینی کے امام طحاوی نے اسی روایت کو اختیار کیا، اور ترجیح دی ہے۔

(۵)......تنقیح فتاویٰ حامدیہ کی عبارت

علامہ شامی رحمہ اللہ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ ذُكِرَ فِيْ شَرْحِ الْآثَارِ أَنَّهُ يَجُوْزُ فِيْ زَمَانِنَا إِعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِيْ هَاشِمٍ ا لْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُصُوْلِ خُمُسِ الْخُمُسِ إِلَيْهِمْ بِسَبَبِ إِهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَاجِبَ عَلَيْهِم فَإِذَا لَمْ يَحْصُلِ الْمُعَوَّضُ عَادُوْا إِلَى الْعِوَضِ وَبِهٖ أَخَذَ مِنَ الْآثَارِ حَاوِيُ الْإِمَامِ الْجَلِيْلِ الطَّحَاوِيُّ

(تنقیح الفتاوی الحامدیة، ج ۱، ص ۶۳، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ والعشر)

ترجمہ: اور شرح الآثار میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ہمارے زمانہ میں بنو ہاشم کو

---

[1] ج ۳ ص ۴۷۳، کتاب الصلاۃ، باب قدر القراءۃ فی صلاۃ الظہر والعصر.

زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس ان کی طرف نہیں پہنچتا، لوگوں کے مالِ غنیمت کے معاملہ اور اپنی ذمہ داری کو مہمل (وضائع) کر دینے کے سبب سے، پس جب زکاۃ کا متبادل (یعنی خمس) ان کو حاصل نہیں ہوگا، تو وہ عوض (یعنی زکاۃ) کی طرف لوٹیں گے، اور آثار میں اسی کو جلیل القدر امام، طحاوی نے لیا ہے (تنقیح فتاویٰ حامدیہ)

فائدہ: ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ، اس وقت جبکہ بنو ہاشم کو خمس حاصل نہ ہو، زکاۃ کے جواز کی روایت کو اختیار کرتے ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۶)......طحطاوی علی الدر کی عبارت

سید احمد طحطاوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَجَوَّزَ اَبُوْيُوْسُفَ دَفْعَ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ ،وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنِ الْإِمَامِ ، نَهر، وَرَوٰى أَبُوْ عِصْمَةَ عَنِ الْإِمَامِ أَنَّهُ يَجُوْزُ الدَّفْعُ إِلٰى بَنِىْ هَاشِمٍ فِىْ زَمَانِهٖ؛ لِأَنَّ عِوَضَهَا وَهُوَ خُمُسُ الْخُمُسِ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ لِإِهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَإِيْصَالِهَا إِلٰى غَيْرِ مُسْتَحِقِّيْهَا،وَإِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمُ الْعِوَضُ عَادُوْا إِلَى الْمُعَوَّضِ وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِىُّ ، وَاَقَرَّهُ الْقَهَسْتَانِىُّ، كَذَا فِىْ شَرْحِ الْمُنْتَقٰى (قَوْلُهٗ وَالْهَاشِمِىُّ يَجُوْزُ لَهٗ دَفْعُ زَكَاتِهٖ لِمِثْلِهٖ)تَمَامُ الْعِبَارَةِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ خِلَافًا لِاَبِىْ يُوْسُفَ ، كَذَا فِى النَّهْرِ، وَحِيْنَئِذٍ فَلَا يَصِحُّ حَمْلُهَا عَلٰى قَوْلِ اَبِىْ يُوْسُفَ (حاشية الطحطاوى على الدر المختار) [۱]

---

[۱] ج ۱ ص ۴۲۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، لسيد احمد الطحطاوى الحنفى.

ترجمہ: اور امام ابو یوسف نے بنو ہاشم کے آپس میں ایک دوسرے کو (زکاۃ وصدقہ کے) دینے کو جائز قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، نہر میں اسی طرح ہے، اور ابو عصمہ نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ اس زمانہ میں بنو ہاشم کو (زکاۃ) دینا جائز ہے، کیونکہ زکاۃ کا بدل جو کہ مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس تھا، ان کی طرف نہیں پہنچتا، اس لئے کہ لوگوں نے مالِ غنیمت کے معاملات کو مہمل (ومعطل) کردیا ہے، اور اس کو غیر مستحقین تک پہنچانا شروع کردیا ہے، اور جب بنو ہاشم کو زکاۃ کا بدل نہ ملے، تو حکم، مبدل (یعنی زکاۃ وصدقہ کے دینے کے جائز ہونے) کی طرف لوٹ آئے گا، اور اس روایت کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، اور قہستانی نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے، شرح المنتہیٰ میں اسی طرح ہے، اور (درِمختار) کا یہ قول کہ ہاشمی کو اپنی زکاۃ اپنے مثل (یعنی ہاشمی) کو دینا جائز ہے، پوری عبارت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، برخلاف امام ابو یوسف کے، نہر میں اسی طرح سے ہے، اور اس طرح سے اس روایت کو امام ابو یوسف کے قول پر محمول کرنا صحیح نہیں (طحطاوی علی الدر)

فائدہ: مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کو زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو مالِ غنیمت وغیرہ کی شکل میں ان کے لئے زکاۃ کے متبادل کا انتظام تھا، مگر بعد میں جب مالِ غنیمت کے معاملات معطل ہوگئے، اور بنو ہاشم کے لئے زکاۃ وصدقہ کا متبادل نہ رہا، تو پھر بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کا حکم لوٹ آیا۔

(۷)......اَلاختیار کی عبارت

فقہ حنفی کی کتاب ''الاختیار'' میں ہے کہ:

وَذَكَرَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: يَجُوْزُ لِلْهَاشِمِيِّ أَنْ يَّدْفَعَ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَى الْهَاشِمِيِّ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، خِلَافًا لِأَبِيْ يُوْسُفَ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ أَوْسَاخُ النَّاسِ غَيْرُهُمْ هُوَ الْمَفْهُوْمُ مِنْ مِثْلِهِ، فَيَقْتَضِيْ حُرْمَةَ زَكَاةِ غَيْرِهِمْ عَلَيْهِمْ لَا غَيْرَ، وَذُكِرَ فِي الْمُنْتَقٰى عَنْ أَبِيْ عِصْمَةَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّ الصَّدَقَةَ تَحِلُّ لِبَنِيْ هَاشِمٍ، وَفَقِيْرُهُمْ فِيْهَا كَفَقِيْرِ غَيْرِهِمْ، وَوَجْهُهُ أَنْ عِوَضَهَا وَهُوَ خُمُسُ الْخُمُسِ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ لِإِهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتَهَا وَإِيصَالَهَا إِلٰى مُسْتَحِقِّهَا، وَإِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمُ الْعِوَضُ عَادُوْا إِلَى الْمُعَوَّضِ، عَمَلًا بِمُطْلَقِ الْآيَةِ سَالِمًا عَنْ مُعَارَضَةِ أَخْذِ الْعِوَضِ، وَكَمَا فِي سَائِرِ الْمُعَاوَضَاتِ، وَلِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا هَلَكُوْا جُوْعًا، فَيَجُوْزُ لَهُمْ ذٰلِكَ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُمْ (الاختيار لتعليل المختار)[1]

ترجمہ: اور ہمارے بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ ہاشمی کے لئے اپنے مال کی زکاۃ ہاشمی کو دینا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، برخلاف امام ابو یوسف کے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مراد کہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے، اس سے بنوہاشم کے علاوہ دوسرے لوگ مراد ہیں (یعنی بنوہاشم کے علاوہ دوسرے لوگوں کا میل کچیل ان پر منع ہے، نہ کہ خود ان کے مال کی زکاۃ منع ہے) اس جیسے قول میں یہی سمجھا جاتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں کی زکاۃ تو بنوہاشم پر حرام ہے، اور دوسروں کے علاوہ (یعنی خود بنوہاشم) کی زکاۃ (ایک دوسرے پر) حرام نہیں، اور منتقیٰ میں ابوعصمہ کی سند سے امام ابوحنیفہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ بنوہاشم کے لئے صدقہ (وزکاۃ) حلال ہے، اور بنوہاشم کے فقیر

[1] ج ۱ ص ۱۲۱، کتاب الزکاۃ، باب مصارف الزکاۃ.

(وغریب) اس سلسلہ میں بنو ہاشم کے علاوہ دوسرے فقیر (وغریب) کی طرح ہیں، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ (زکاۃ وصدقہ کا) عوض (وبدل) جو کہ مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس تھا، وہ ان تک نہیں پہنچتا، کیونکہ لوگوں نے مالِ غنیمت کے معاملات اوراس کی تقسیم اوراس کے مستحقین تک پہنچانے کے معاملات کو مہمل (ومعطل اور ضائع) کردیا ہے، اور جب بنو ہاشم کی طرف (زکاۃ وصدقہ کا) عوض نہیں پہنچا، تو حکم مبدل (یعنی زکاۃ وصدقہ) کی طرف لوٹ آیا، آیت میں (فقیر ومسکین کے الفاظ کے کسی قید کے بغیر) مطلق حکم پر عمل کرتے ہوئے، اور عوض (وبدل) لینے کے ٹکراؤ سے، سلامت رہتے ہوئے، اور اسی طریقہ سے تمام معاوضات میں ہوا کرتا ہے، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر بنو ہاشم کو ان دونوں چیزوں (یعنی زکاۃ وصدقہ اور مالِ غنیمت کے خمس) میں سے کوئی چیز بھی نہیں پہنچے گی، تو وہ بھوکے مرجائیں گے، پس ان کے لئے یہ (زکاۃ وصدقہ) جائز ہے، ان سے ضرر (وتکلیف اور غربت) کو دور کرنے کے لئے (الاختیار)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں زکاۃ وصدقہ کا مصرف فقراء ومساکین کو قرار دیا گیا ہے، جو کہ عام ہے، اوراس آیت کے مطلق مفہوم میں ہاشمی فقیر ومسکین بھی داخل ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاشمی، غریب وتنگ دست حضرات کو زکاۃ وصدقہ کے عوض میں مالِ غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے ان کو زکاۃ وصدقہ دینے سے منع کردیا گیا تھا، اوراب جبکہ مالِ غنیمت کا نظم برقرار وموجود نہیں، اور بنو ہاشم کے لئے زکاۃ وصدقہ کے بدلہ میں ضرورت پوری کرنے کا انتظام نہیں، تو حکم اصل کی طرف لوٹ آئے گا، اور اصل یہی تھا کہ قرآن کی آیت کی رُو سے ہر مسلمان فقیر ومسکین کو زکاۃ وصدقہ دینا جائز ہے، اوراب ان احادیث سے اس کا ٹکراؤ نہیں رہے گا، جن میں بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقہ دینے سے منع کیا گیا تھا۔

اس عبارت سے اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ مخصوص مجبوری میں بھی بنوہاشم کوزکاۃ وصدقہ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس سے احادیث کی مطلق مخالفت لازم آتی ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلق مخالفت اس وقت لازم آتی، جبکہ زکاۃ کا عوض خمس کی شکل میں ان کومل رہا ہوتا، اور خمس نہ ملنے کی صورت میں لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸)......فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ:

رَوٰی اَبُوْعِصِمَةَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّـهٗ یَجُوْزُ دَفْعُ الزَّکَاةِ اِلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ وَاِنَّـمَـا کَانَ لَایَجُوْزُ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ،وَیَجُوْزُ النَّفْلُ بِالْاِجْمَاعِ...... وَرَوَی ابْنُ سَمَاعَةَ عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ اِنَّـهٗ قَالَ لَابَاْسَ بِصَدَقَةِ بَنِیْ هَاشِمٍ بَعْضِهِمْ عَلَی الْبَعْضِ ، وَلَا اَرَی الصَّدَقَةَ عَلَیْهِمْ وَلَا عَلٰی مَوَالِیْهِمْ مِنْ غَیْرِهِمْ (الفتاویٰ التاتارخانیة) [1]

ترجمہ: ابوعصمہ نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ بنوہاشم کوزکاۃ دینا جائز ہے، اوراس وقت (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ) میں جائز نہیں تھا، اورنفل (صدقہ) بالاجماع جائز ہے......اورابنِ سماعہ نے امام ابویوسف سے روایت کیا ہے کہ بنوہاشم کا صدقہ آپس میں ایک دوسرے کودینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن میں ان پراوران کے آزادکردہ غلاموں پر دوسروں کے صدقہ کودرست نہیں سمجھتا (فتاویٰ تاتارخانیہ)

فائدہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ موجودہ دور میں بنوہاشم کوزکاۃ وصدقہ دینا جائز ہے، اورممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

---

[1] ج۲ص ۲۷۴، ۲۷۵، ملخصاً، کتاب الزکاة،الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع فیه الزکاة، للعلامة عالم بن العلاء الانصاری الاندریتی، مطبوعة:ادارة القرآن، کراتشی.

میں تھی (جبکہ ان کو خمس ملا کرتا تھا) اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کو اپنا صدقہ ایک دوسرے کو دینا جائز ہے، لیکن کسی اور کا صدقہ بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۹)...... بریقۂ محمودیہ کی عبارت

بریقۂ محمودیہ میں ہے کہ:

وَفِيهِ أَيْضًا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْجَوَازُ بَعْدَهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ جَوَازُ صَدَقَةِ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ آخَرَ مِنْهُمْ لٰكِنْ فِي النَّهْرِ صَوَابُهُ عَدَمُ الْجَوَازِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ الْجَوَازُ مُطْلَقًا.

وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَبِهِ نَأْخُذُ وَظَاهِرُ الْإِخْتِيَارِ عَنِ الْمُنْتَقٰى تَرْجِيحُهُ أَيْضًا فِي زَمَانِنَا لِعَدَمِ عَطِيَّتِهِمْ مِنَ الْخُمُسِ وَلِضَرُوْرَةِ الْحَاجَةِ كَمَا حَرَّرْنَا فِي حَوَاشِي الدُّرَرِ (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية)[1]

ترجمہ: اور اسی (فتاویٰ تاتارخانیہ) میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد (بنو ہاشم کو زکاۃ وصدقات دینے کا) جائز ہونا مروی ہے، اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بنو ہاشم کا آپس میں ایک دوسرے کو (زکاۃ وصدقہ) دینا جائز ہے، لیکن نہر میں یہ ہے کہ درست بات یہ ہے کہ (امام ابو یوسف کے نزدیک) ناجائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً (یعنی بہر حال) جائز ہے، اور شرح مجمع میں ہے کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، اور اختیار کی عبارت کا ظاہر بھی منتقیٰ سے ہی (جائز ہونے کا) راجح ہونا ہے ہمارے زمانہ میں، کیونکہ بنو ہاشم کو خمس حاصل نہیں ہوتا، اور حاجت وضرورت بھی پائی جاتی

[1] ج۴ص ۱۷، الباب الثانی، الفصل الثالث، النوع الثالث، الصنف الخامس.

ہے (کہ اس زمانہ میں بنو ہاشم کی غربت کے ازالہ کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہوتا)

جیسا کہ ہم نے درر کے حواشی میں تحریر کیا ہے (بریقہ محمودیہ)

فائدہ: اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بعض مشائخِ حنفیہ، موجودہ دور میں جبکہ بنو ہاشم کو خمس حاصل نہیں ہوتا، ان کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کے قائل اور اس کی طرف مائل ہیں۔

پھر موجودہ دور میں بنو ہاشم کے لئے زکاۃ وصدقہ کے جواز کی رائے میں امام ابوحنیفہ، اور امام ابو یوسف کی روایت اور بعض مشائخِ حنفیہ واہلِ علم حضرات کا رجحان تنہا نہیں ہے، بلکہ باقی فقہائے کرام کے متبعین میں بھی کئی جلیلُ القدر وعظیمُ المرتبت اہلِ علم حضرات بلکہ ایک بڑی جماعت کا یہی قول ہے۔ آگے اس طرح کی چند عبارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱۰)......امام نووی شافعی کی عبارت

امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ الْاَصْطَخْرِيُّ إِنْ مُنِعُوْا حَقَّهُمْ مِنَ الْخُمُسِ جَازَ الدَّفْعُ إِلَيْهِمْ لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا حُرِمُوْا الزَّكَاةَ لِحَقِّهِمْ فِيْ خُمُسِ الْخُمُسِ فَإِذَا مُنِعُوْا الْخُمُسَ وَجَبَ أَنْ يُّدْفَعَ إِلَيْهِمْ وَالْمَذْهَبُ اَلْاَوَّلُ (المجموع شرح المهذب، ج٦ص٢٢٧، كتاب الزكاة، باب قسم الصدقات)

ترجمہ: اور ابوسعید اصطخری نے فرمایا کہ اگر ان (بنو ہاشم) کو مالِ غنیمت کے خمس کا حق نہ حاصل ہو، تو ان کو زکاۃ وصدقہ دینا جائز ہے، کیونکہ ان کو زکاۃ سے اس لئے محروم کیا گیا تھا کہ مالِ غنیمت کے خُمس کے خمس میں ان کا حق تھا، پس جب وہ خمس سے محروم ہوگئے، تو ان کے لئے زکاۃ وصدقہ واجب وثابت ہوگیا، لیکن شوافع کا مذہب پہلا ہی ہے (یعنی ان کو بہرحال زکاۃ وصدقہ دینا جائز نہیں) (المجموع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ شوافع کا اصل مذہب اگرچہ عدمِ جواز کا ہے، مگر بعض شوافع کے نزدیک بنو ہاشم کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور اس کی وجہ بھی وہی مالِ غنیمت کے خُمس کا حاصل نہ ہونا ہے، جیسا کہ تفصیلاً حنفیہ کی عبارات کے ذیل میں گزرا۔

(۱۱)......سعید بن رباطی وابوبکر دمیاطی شافعی کی عبارت

سعید بن محمد رباطی شافعی فرماتے ہیں کہ:

وَالْأَظْهَرُ: أَنَّهُمْ لَا يُعْطُوْنَ وَإِنْ مُنِعُوْا حَقَّهُمْ مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ؛ لِكَوْنِهَا أَوْسَاخًا كَمَا فِي الْحَدِيْثِ، لٰكِنْ ذَهَبَ جَمٌّ غَفِيْرٌ إِلٰى جَوَازِهَا لَهُمْ إِذَا مُنِعُوْا مِمَّا مَرَّ، وَأَنَّ عِلَّةَ الْمَنْعِ مُرَكَّبَةٌ مِّنْ كَوْنِهَا أَوْسَاخًا، وَمِنْ اِسْتِغْنَائِهِمْ بِمَالِهِمْ مِنْ خُمُسَ الْخُمُسِ، كَمَا فِيْ حَدِيْثِ الطِّبْرَانِيِّ وَغَيْرِهٖ، حَيْثُ عَلَّلَ فِيْهِ بِقَوْلِهٖ: إِنَّ لَكُمْ فِيْ خُمُسِ الْخُمُسِ مَا يُغْنِيْكُمْ، وَقَدْ مُنِعُوْا مِمَّا لَهُمْ مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ، فَلَمْ يَبْقَ لِلْمَنْعِ إِلَّا جُزْءُ عِلَّةٍ، وَهُوَ لَا يَقْتَضِيْ التَّحْرِيْمَ.

لٰكِنْ يَنْبَغِيْ لِلدَّافِعِ إِلَيْهِمُ الزَّكَاةَ أَنْ يُّبَيِّنَ لَهُمْ أَنَّهَا زَكَاةٌ، فَلِرُبَمَا يَتَوَرَّعُ مَنْ دَفَعَتْ إِلَيْهِ مِنْهُمْ مِنْهَا (شرح المقدمة الحضرمية) [1]

ترجمہ: اور اظہر یہ ہے کہ ان (یعنی بنو ہاشم) کو زکاۃ نہیں دی جائے گی، اگرچہ مالِ غنیمت میں سے ان کا حق خُمس کا خُمس نہ ملے، کیونکہ یہ میل کچیل ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، لیکن (اہلِ علم کی) ایک بڑی جماعت بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کی طرف گئی ہے، جبکہ مالِ غنیمت سے ان کا حق نہ ملے، جیسا کہ گزرا، اور ممانعت کی علت مرکب ہے، جس میں زکاۃ کا میل کچیل ہونا بھی شامل

---

[1] ج ۱ ص ۵۲۹، ۵۳۰، باب الزکاۃ، فصل فی صرف الزکاۃ الیٰ مستحقیھا.

ہے، اور مالِ غنیمت کے خمس کے خمس کی وجہ سے ان کا مالِ غنیمت سے مستغنی ہونا بھی شامل ہے، جیسا کہ طبرانی وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے علت بیان کی ہے کہ تمہارے لئے مالِ غنیمت کے خمس کے خُمس سے وہ چیز موجود ہے، جو تمہیں غنی کردے گی، اور اب مالِ غنیمت کے خمس کے خُمس کے مال سے وہ محروم ہوگئے ہیں، اس لئے اب ممانعت کی علت کا صرف ایک جزو باقی رہ گیا، جو حرام ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن مناسب یہ ہے کہ ان کو زکاۃ دینے والا یہ بات واضح کردے کہ یہ زکاۃ ہے، کیونکہ بعض اوقات زکاۃ لینے والا، زکاۃ لینے سے بچنے کو ترجیح دیتا ہے (شرح المقدمۃ الحضرمیہ)

فائدہ: شوافع کی کتاب ''اعانۃ الطالبین'' میں بھی اسی طرح سے ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے ممنوع ہونے کی اہم علت، ان کے لئے خمس کا مقرر ہونا ہے، اور خمس نہ ملنے کی صورت میں یہ علت مرتفع ہوجاتی ہے، البتہ زکاۃ کے میل کچیل ہونے کی علت باقی رہتی ہے، مگر یہ حرمت کی مقتضی نہیں، کیونکہ اولاً تو وہ خود خمس ملنے کے ساتھ معلل ہوسکتی ہے، دوسرے میل کچیل صرف شرافت وکرامت کے خلاف ہے، نجاست وناپاکی کی طرح حرام نہیں، حدیث میں اس کو میل کچیل فرمایا گیا، نجس وناپاک نہیں فرمایا گیا، اور عام صدقہ کو بھی میل کچیل فرمایا گیا ہے، جو کہ زکاۃ کے ساتھ خاص نہیں، ورنہ

---

[1] (قوله :وإن انقطع عنهم خمس الخمس) قال فی بشری الكريم :لكن ذهب جم غفير إلى جوازها لهم إذا منعوا مما مر، وأن علة المنع مركبة من كونها أو ساخا، ومن استغنائهم -بما لهم من خمس الخمس -كما فی حديث الطبرانی وغيره، حيث علل فيه بقوله :إن لكم فی خمس الخمس ما يغنيكم .وقد منعوا مما لهم من خمس الخمس، فلم يبق للمنع إلا جزء علة، وهو لا يقتضی التحريم.لكن ينبغی للدافع إليهم أن يبين لهم أنها زكاة، فلربما يتورع من دفعت إليهم اه.
وهذا القول هو مذهب المالكية، كما نقله فی حاشية الجمل عنهم، ونصها :وعبارة الشيخ عبد الباقی الزرقانی على الشيخ خليل(اعانة الطالبين علىٰ حل الفاظ فتح المعين، ج۲ص۲۲۵، باب الزكاة، لابكر الدمياطی الشافعی)

دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی زکاۃ حلال نہ ہوتی، اور بنو ہاشم کے لئے تمام صدقات حرام ہوتے، جس سے خمس کے عوض کی اہم علت ہونے اور اوساخ الناس کے غیر اہم علت یا حکمت ہونے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اور اس طرح کی علت یا حکمت سے حرمت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲)......عبدُ الحمید شروانی شافعی کی عبارت

عبدالحمید شروانی شافعی فرماتے ہیں کہ:

وَجَوَّزَ الْإِصْطَخْرِيُّ إِعْطَاءَ هُمْ وَاخْتَارَهُ الْهَرَوِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وَأَفْتٰى بِهٖ شَرَفُ الدِّيْنِ الْبَارِزِيُّ وَلَا بَأْسَ بِهٖ، بَلْ فِيْ حَدِيْثٍ لِلطَّبَرَانِيِّ مَا يَشْهَدُ لَهٗ أَيْ: بِقَوْلِهٖ أَلَيْسَ فِيْ خُمُسِ الْخُمُسِ مَا يَكْفِيْكُمْ أَيْ يُغْنِيْكُمْ أَيْ: أَنْتُمْ مُسْتَغْنُوْنَ بِخُمُسِ الْخُمُسِ فَإِذَا عُدِمَ خُمُسُ الْخُمُسِ زَالَ الْغِنٰى، فَخُمُسُ الْخُمُسِ عِلَّةٌ لِاسْتِغْنَائِهِمْ وَشَرْطٌ لِمَنْعِهِمْ، فَإِذَا زَالَ الشَّرْطُ انْتَفَى الْمَانِعُ وَيُشْبِهُ أَنْ يَّكُوْنَ هٰذَا هُوَ الْمُخْتَارُ فِيْ هٰذَا الزَّمَنِ لِمَنْ كَانَ مِنْهُمْ فِي الْيَمَنِ لِبُعْدِهِمْ عَنْ مَحَلِّ الْغَنَائِمِ وَقِلَّةِ شَفَقَةِ الْمُلُوْكِ وَأَهْلِ الثَّرْوَةِ وَشِدَّةِ حَاجَتِهِمُ الَّتِيْ شَاهَدْنَا وَلِلّٰهِ أَحْكَامٌ تَحْدُثُ بِحُدُوْثِ مَا لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .اهـ.

عِبَارَةُ شَيْخِنَا قَوْلُهٗ: سَوَاءٌ مُنِعُوْا إِلَخْ وَنُقِلَ عَنِ الْإِصْطَخْرِيِّ الْقَوْلُ بِجَوَازِ صَرْفِ الزَّكَاةِ إِلَيْهِمْ عِنْدَ مَنْعِهِمْ مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ أَخْذًا مِنْ قَوْلِهٖ فِي الْحَدِيثِ إِنَّ لَكُمْ فِيْ خُمُسِ الْخُمُسِ مَا يَكْفِيْكُمْ، أَوْ يُغْنِيْكُمْ فَإِنَّهٗ يُؤْخَذُ مِنْهُ أَنَّ مَحَلَّ عَدَمِ إِعْطَائِهِمْ مِنَ الزَّكَاةِ عِنْدَ

أَخْذِهِمْ حَقَّهُمْ مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ، لٰكِنَّ الْجُمْهُوْرَ طَرَدُوْا الْقَوْلَ بِالتَّحْرِيْمِ، وَلَا بَأْسَ بِتَقْلِيْدِ الْإِصْطَخْرِيِّ فِيْ قَوْلِهٖ: اَلْآنَ لِاِحْتِيَاجِهِمْ وَكَانَ شَيْخُنَا رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَمِيْلُ إِلٰى ذٰلِكَ مَحَبَّةً فِيْهِمْ نَفَعَنَا اللّٰهُ بِهِمْ اهـ (حاشية الشرواني على تحفة المحتاج في شرح المنهاج) [1]

ترجمہ: اور اصطخری نے بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کو جائز قرار دیا ہے، اور اس کو ہروی اور محمد بن یحییٰ نے اختیار کیا ہے، اور اس پر شرف الدین بارزی نے فتویٰ دیا ہے، اور اس (بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کے قول کے اختیار کرنے یا لینے) میں کوئی حرج نہیں، بلکہ طبرانی کی حدیث میں اس کی دلیل بھی موجود ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ مالِ غنیمت کے خمس کے خمس میں تمہارے لئے کفایت یعنی تمہارے غنی ہونے کا سامان ہے، یعنی تم مالِ غنیمت کے خمس کے خمس کی وجہ سے زکاۃ سے مستغنی ہو، اور جب مالِ غنیمت کے خمس کا خمس موجود نہ ہو، تو یہ (یعنی بنو ہاشم کا زکاۃ سے) مستغنی ہونا زائل ہو جائے گا، پس مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس بنو ہاشم کے غنی ہونے کی علت ہے (نہ کہ حکمت) اور ان کے لئے زکاۃ کے منع ہونے کی شرط ہے، پس جب شرط زائل ہو جائے، تو مانع بھی منتفی ہو جائے گا، اور قریب ہے کہ اس زمانہ میں یہی قول مختار ہو، ان بنو ہاشم کے لئے جو یمن (یا ایسے علاقہ) میں ہوں، جو مالِ غنیمت کے مقام سے دور ہیں (اور آج کل یہ حالت سب ہی جگہ ہے، خواہ ہندوستان ہو یا پاکستان یا سعودی عرب) اور بادشاہوں اور مالداروں کی شفقت بھی نایاب ہے، اور ان (یعنی بنو ہاشم) کو شدید حاجت بھی ہے (کہ وہ شدید فقر وغربت کی حالت میں ہوتے ہیں) جس کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے، اور اللہ کے بعض احکام وہ ہوتے ہیں، جو ایسے حالات پیدا ہونے سے بدل

---

[1] ج۷ص ۱۶۰، ۱۶۱، كتاب قسم الصدقات.

جاتے ہیں، جو حالات کہ پہلے زمانہ میں نہیں تھے، واللہ اعلم۔

ہمارے شیخ کی عبارت کا یہ قول کہ خواہ ان کو مالِ غنیمت حاصل نہ ہو، آخر تک (یعنی شیخ کا یہ قول کہ بنو ہاشم کو زکاۃ جائز نہیں، خواہ ان کو مالِ غنیمت حاصل نہ ہو) اور اصطخری سے بنو ہاشم کے لئے زکاۃ لینے کے جائز ہونے کا قول منقول ہے، اس وقت جبکہ ان کو مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس حاصل نہ ہو، انہوں نے اپنے قول کو اس حدیث سے اخذ کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "إِنَّ لَكُمْ فِي خُمُسِ الْخُمُسِ مَا يَكْفِيكُمْ، أَوْ يُغْنِيكُمْ" "یعنی تمہارے لئے مالِ غنیمت کے خمس میں تمہاری کفایت اور غنی ہونے کا سامان موجود ہے" پس اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کو زکاۃ نہ دینے (میں اوساخُ الناس کو مؤثر مان کر حکم لگانے) کا مقام اس وقت ہے، جبکہ مالِ غنیمت کے خمس میں سے وہ اپنا حق لے رہے ہوں، لیکن جمہور نے حرام ہونے کے قول کو رد کر دیا ہے، اور اصطخری (کے بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کے قول) کی تقلید کرنے (اور اس قول کو اختیار کرنے) میں کوئی حرج نہیں، ان کے اس قول میں کہ آج کے دور میں بنو ہاشم ضرورت مند ہیں، اور ہمارے شیخ کا میلان اس طرف ہونے کی وجہ بنو ہاشم سے محبت ہے، اللہ ہمیں ان کی برکت سے نفع پہنچائے (حاشیۃ الشروانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض شوافع کے نزدیک بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے ممنوع ہونے کی اصل علت بنو ہاشم کے لئے مالِ غنیمت کے خمس کا حصول ہے، اور جب ان کو مالِ غنیمت حاصل نہ ہو، جیسا کہ آج کل یہی صورتِ حال ہے، تو پھر ان کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، بعض شوافع اس دور میں اسی قول کو اختیار کرتے اور راجح قرار دیتے ہیں، بلکہ اس پر فتویٰ کے قائل ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حالات اور عرف ورواج کے بدلنے یا علت کے مرتفع ہونے سے احکام میں تبدیلی آجایا کرتی ہے، لہٰذا یہ نہ سمجھا جائے کہ اس قول میں احادیث کا انکار یا تردید

لازم آتی ہے، جیسا کہ بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ جب بنو ہاشم کو زکاۃ حرام ہے، تو جس طرح موجودہ دور میں مجبوری کی حالت میں کوئی چوری، ڈاکہ، مردار وغیرہ کی شکل میں ان کو حرام کھانے کی اجازت نہیں دے سکتا، اسی طرح احادیث کی رُو سے ان کو زکاۃ لینا بھی حرام ہے، لہٰذا اس کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

مگر ان حضرات کی یہ بات ہمیں قابلِ اطمینان معلوم نہیں ہوسکی، کیونکہ بنو ہاشم کو زکاۃ کی حرمت یا ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ وہ مال (غصب، چوری وڈاکہ کی طرح) بذاتِ خود حرام ہو، ورنہ تو غیر بنو ہاشم کے لئے بھی حلال نہ ہوتا، اور چوری وغیرہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ وہ بنو ہاشم اور غیر بنو ہاشم سب کے لئے حرام ہے، دوسرے جب کوئی حکم کسی علت یا عرف کے ساتھ منسلک ہو، تو علت وعرف کے مرتفع ہونے یا بدلنے پر وہ حکم بھی مرتفع ہوجاتا یا بدل جاتا ہے، پھر حرمت کا حکم کہاں باقی رہا؟ [1]

---

[1] اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جب زکاۃ کا مال بذاتِ خود حرام نہیں، اور اسی وجہ سے غریب کو لینا حلال ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کی علت خواہ کوئی بھی ہو، لیکن بنو ہاشم کو زکاۃ کی ممانعت منہی لعینہٖ کے بجائے منہی لغیرہٖ کے طور پر ہے، اور بعض اہلِ علم حضرات ایسے منہی لغیرہٖ کو حاجت کے وقت جائز قرار دیتے ہیں۔

ان المحرم لذاته لايباح الاللضرورة وذالک لان سبب تحريمه ذاتى فهو يمس ضروريا فلايزيل تحريمه الا ضرورى مثله فاذا كان التحريم بسبب الاعتداء على العقل كشرب الخمر فانها لاتباح الخمر الااذا خيف الموت عطشا لان الضرورات هى التى تزيل المحظورات التى حرمت لانها مست ضروريا، امـاالمحرم لغيره فانه يباح للحاجة لاللضرورة وذالک لانه لايمس ضروريا ولذا ابيحت رؤية عورة المرأة عندالعلاج اذا كانت الرؤية لازمة للعلاج (اصول الفقه ص ۴۰، لابى زهرة)

وقد اتفق الفقهاء على أن ما يباح دفعا للضرر يباح دفعا للحاجة، أى أن هذه تثبت حكما مثل الأولى إلا أن حكم الحاجة مستمر وخاصة إذا كانت عامة وحكم الضرورة موقوت بمدة قيامها إذ " الضرورة تقدر بقدرها "كما وقع الاتفاق بينهم على أن المحرمات نوعان :محرمات لذاتها، ومحرمات لغيرها، فالأولى لا يرخص فيها عادة إلا من أجل المحافظة على مصلحة ضرورية، والثانية يرخص فيها حتى من أجل المحافظة على مصلحة حاجية.على أنه لا مانع من أن تعامل هذه معاملة الأولى ولو فى بعض الحالات، وعلى هذا الأساس وما قبله جاء ت القاعدة الفقهية :الحاجة تنزل منزلة الضرورة وقد خرج الفقهاء اعتمادا عليها جزئيات متفرقة يمكن أن تكون أصولا يلحق بها ما يماثلها من نظائرها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۳)...... منصور بن یونس بہوتی حنبلی کی عبارت

منصور بن یونس بہوتی حنبلی فرماتے ہیں کہ:

وَسَوَاءٌ أُعْطُوْا مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ أَوْ لَمْ يُعْطَوْا لِعُمُوْمِ النُّصُوْصِ؛ وَلِأَنَّ مَنْعَهُمْ مِّنَ الزَّكَاةِ لِشَرَفِهِمْ، وَشَرَفُهُمْ بَاقٍ فَيَبْقَى الْمَنْعُ (مَا لَمْ يَكُوْنُوْا) أَيْ بَنُوْ هَاشِمٍ (غُزَاةً أَوْ مُؤَلَّفَةً أَوْ غَارِمِيْنَ لِذَاتِ الْبَيْنِ) فَلَهُمُ الْأَخْذُ لِذٰلِكَ، لِجَوَازِ الْأَخْذِ لِذٰلِكَ مَعَ الْغِنٰى وَعَدَمِ الْمِنَّةِ فِيْهِ (وَاخْتَارَ الشَّيْخُ وَجَمْعٌ) مِنْهُمُ الْقَاضِيُ يَعْقُوْبُ وَغَيْرُهٗ مِنْ أَصْحَابِنَا، وَقَالَهٗ أَبُوْ يُوْسُفَ الْإِصْطَخْرِيُّ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ (جَوَازَ أَخْذِهِمْ إِنْ مُنِعُوْا الْخُمْسَ) لِأَنَّهٗ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَّضَرُوْرَةٍ، قَالَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّيْنِ أَيْضًا: وَيَجُوْزُ لِبَنِيْ هَاشِمٍ الْأَخْذُ مِنْ زَكَاةِ الْهَاشِمِيِّيْنَ ذَكَرَهٗ فِي الْإِخْتِيَارَاتِ (كشاف القناع عن متن الاقناع)[1]

ترجمہ: اور (زکاۃ اور واجب صدقات بنوہاشم کو دینا جائز نہیں) خواہ ان کو مالِ غنیمت کے خمس کے خمس سے دیا جائے یا نہ دیا جائے، کیونکہ نصوص عام ہیں، اور ان کو زکاۃ کا منع ہونا ان کے شرف کی وجہ سے ہے، اور ان کا شرف باقی ہے، تو ممانعت بھی باقی ہے، لیکن یہ اس وقت ہے، جبکہ وہ بنوہاشم مجاہد یا مؤلفۃ قلوب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهناك رخص سببها السفر أو المرض أو النسيان أو الجهل أو الخطأ أو النقص أو الوسوسة أو الترغيب في الدخول في الإسلام وحداثة الدخول فيه أو العسر وعموم البلوى (الموسوعة الفقهية الكويتية جلد ۲۲، ص ۱۶۲، ۱۶۳، مادة" رخصة")

اس حیثیت سے بھی بنوہاشم کو ضرورت وحاجت کے وقت زکاۃ کے جواز کے پہلو کی گنجائش نکلتی ہے، بالخصوص ان حضرات کے نزدیک جو مذکورہ اصول کے قائل ہیں، جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے رسالہ "ضرورت وحاجت اور استقراض بالربح کی تحقیق" میں کردی ہے، واللہ اعلم۔

[1] ج ۲ ص ۲۹۱، كتاب الزكاة، فصل دفع الزكاة إلى كافر، لمنصور بن يونس البهوتي.

یا کسی کے مقروض نہ ہوں، ورنہ ایسی حالت میں ان بنو ہاشم کو (زکاۃ اور واجب صدقات کا) لینا جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں تو غنی ہونے کے باوجود بھی (زکاۃ وصدقات کا لینا) جائز ہے، اور اس میں کوئی احسان نہیں پایا جاتا، اور شیخ اور ایک جماعت، جس میں ہمارے اصحاب میں سے قاضی یعقوب وغیرہ ہیں، اور یہی قول ابو یوسف اصطخری شافعی کا ہے، ان حضرات نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اگر بنو ہاشم کو خمس حاصل نہ ہو، تو ان کو (زکاۃ اور واجب صدقات کا) لینا جائز ہے، کیونکہ یہ حاجت وضرورت کا موقع ہے، شیخ تقی الدین کا بھی یہی قول ہے، اور بنو ہاشم کے لئے دوسرے بنو ہاشم کی زکاۃ لینا بھی جائز ہے، اختیارات میں اس کو ذکر کیا ہے (کشاف القناع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر حنابلہ کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات کا دینا جائز نہیں، لیکن اگر بنو ہاشم مقروض وغیرہ ہوں، تو پھر ان کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور بعض حنابلہ کے نزدیک موجودہ دور میں جب ان کو خمس حاصل نہ ہو، تو مقروض ہونے کی شرط کے بغیر صرف فقیر یا مسکین ہونے کی حالت میں بھی بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات کا دینا جائز ہے۔

(۱۴)......علامہ مرداوی حنبلی کی عبارت

علامہ مرداوی حنبلی فرماتے ہیں کہ:

(وَلَا بَنِيْ هَاشِمٍ) هٰذَا الْمَذْهَبُ مُطْلَقٌ ، نَصَّ عَلَيْهِ ، وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْأَصْحَابِ ، وَكَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْمَاعًا .

وَقِيْلَ: يَجُوْزُ إِنْ مُنِعُوْا الْخُمُسَ ؛ لِأَنَّهُ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضَرُوْرَةٍ ، اِخْتَارَهُ الْآجُرِّيُّ .

قَالَ فِي الْفَائِقِ:وَقَالَ الْقَاضِيُ يَعْقُوبُ ، وَأَبُو الْبَقَاءِ ، وَأَبُو صَالِحٍ:إنْ مُنِعُوا الْخُمُسَ جَازَ .ذَكَرَهُ الصَّيْرَفِيُّ .انْتَهٰى .

وَقَالَ فِي الْفُرُوعِ:وَمَالَ شَيْخُنَا إلٰى أَنَّهُمْ إنْ مُنِعُوا الْخُمُسَ أَخَذُوا الزَّكَاةَ ، وَرُبَّمَا مَالَ إلَيْهِ أَبُو الْبَقَاءِ ، وَقَالَ:إنَّهُ قَوْلُ الْقَاضِي يَعْقُوبَ مِنْ أَصْحَابِنَا ،ذَكَرَهُ ابْنُ الصَّيْرَفِيّ فِيُ مُنْتَخَبِ الْفُنُونِ ، وَاخْتَارَهُ الْآجُرِّيُّ فِيُ كِتَابِ النَّصِيحَةِ،انْتَهٰى،وَزَادَ ابْنُ رَجَبٍ عَلٰى مَنْ سَمَّاهُمْ فِي الْفَائِقِ:نَصْرَ بْنُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ الْجِيلِيَّ .

قُلْتُ:وَاخْتَارَهُ فِي الْحَاوِيَيْنِ ، وَقَالَ جَامِعُ الِاخْتِيَارَاتِ:وَبَنُو هَاشِمٍ إذَا مُنِعُوا مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ جَازَ لَهُمْ الْأَخْذُ مِنَ الزَّكَاةِ ، وَيَجُوْزُ لَهُمُ الْأَخْذُ مِنْ زَكَاةِ الْهَاشِمِيِّيْنَ ،انْتَهٰى .

فَتَلَخَّصَ جَوَازُ الْأَخْذِ لِبَنِيُ هَاشِمٍ إذَا مُنِعُوا مِنْ (خُمُسِ)الْخُمُسِ عِنْدَ الْقَاضِي يَعْقُوبَ ، وَأَبِي الْبَقَاءِ ، وَأَبِيُ صَالِحٍ ، وَنَصْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَأَبِيُ طَالِبٍ الْبَصْرِيِّ ، وَهُوَ صَاحِبُ الْحَاوِيَيْنِ،وَالشَّيْخِ تَقِيِّ الدِّيْنِ (الانصاف للمرداوی) [1]

ترجمہ: اور (زکاۃ) بنوہاشم کو دینا ناجائز ہے، بغیر کسی قید کے، مذہب یہی ہے، جس کی (امام احمد نے) تصریح کی ہے، اوراکثر اصحاب کا یہی قول ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بالاجماع یہی تصریح منقول ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ (بنوہاشم کو زکاۃ دینا) جائز ہے، اگر ان کو خمس نہ دیا جائے، کیونکہ یہ ضرورت وحاجت کا محل ومقام ہے، امام آجری نے اسی کو اختیار کیا (اورراجح سمجھا) ہے۔

---

[1] ج۳ص ۲۵۴، ۲۵۵، کتاب الزکاۃ، باب ذکر اھل الزکاۃ.

فائق میں ہے کہ: اور قاضی یعقوب اور ابوالبقاء اور ابوصالح نے کہا کہ اگر ان (بنو ہاشم) کو خمس نہ دیا جائے، تو (ان کو زکاۃ دینا) جائز ہے، صیرفی نے اس کو ذکر کیا ہے، بات پوری ہوگئی۔

فروع میں ہے کہ: ہمارے شیخ کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر ان کو خمس نہ دیا جائے، تو وہ زکاۃ لے سکتے ہیں، بسا اوقات ابوالبقاء کا میلان اسی طرف ہوا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں قاضی یعقوب کا یہی قول ہے، ابنِ صیرفی نے منتخب الفنون میں اس کو ذکر کیا ہے، اور آجری نے کتابُ النصیحہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، فروع کی عبارت مکمل ہوئی، اور ابنِ رجب نے فائق میں ذکر کردہ حضرات میں نصر بن عبدالرزاق جیلی کو بھی زیادہ کر کے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حاوی (نام کی دونوں کتابوں) میں اسی (جواز کے قول) کو اختیار کیا ہے، اور جامعُ الاختیارات میں ہے کہ بنو ہاشم کو جب مالِ غنیمت کے خمس میں سے خمس نہ دیا جائے، تو ان کو زکاۃ لینا جائز ہے، اور اسی طرح بنو ہاشم کو ہاشمیوں سے زکاۃ لینا بھی جائز ہے، بات پوری ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ قاضی یعقوب، ابوالبقاء، ابوصالح، نصر بن عبدالرزاق، ابوطالب بصری جو حاویین کے مصنف ہیں اور شیخ تقی الدین کے نزدیک بنو ہاشم کو جب مالِ غنیمت کے خمس کا خمس نہ دیا جائے، تو ان کو زکاۃ لینا جائز ہے (الانصاف)

فائدہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حنابلہ کے مذہب میں اگرچہ اکثر حضرات نے مطلقاً بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کے ممنوع ہونے کا حکم لگایا ہے، لیکن ایک بڑی جماعت جواز کی بھی قائل ہے، جبکہ بنو ہاشم کو مالِ غنیمت کا خمس حاصل نہ ہو، اور ان کے نزدیک ناجائز ہونے کا قول اس حالت پر محمول ہے، جبکہ ان کو مالِ غنیمت کا خمس حاصل ہو، علامہ ابنِ تیمیہ وغیرہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

(۱۵)......علامہ ابنِ تیمیہ حنبلی کی عبارت

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَبَنُوْ هَاشِمٍ إِذَا مُنِعُوْا مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ جَازَ لَهُمُ الْأَخْذُ مِنَ الزَّكَاةِ وَهُوَ قَوْلُ الْقَاضِي يَعْقُوْبَ وَغَيْرِهٖ مِنْ أَصْحَابِنَا وَقَالَهٗ أَبُوْ يُوْسُفَ وَالْإِصْطَخْرِيُّ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضَرُوْرَةٍ وَيَجُوْزُ لِبَنِيْ هَاشِمٍ الْأَخْذُ مِنْ زَكَاةِ الْهَاشِمِيِّيْنَ وَهُوَ مَحْكِيٌّ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ (الاختيارات الفقهية ، ج ۱ ص ۴۵۶، كتاب الزكاة)

ترجمہ: اور بنو ہاشم کو جب مالِ غنیمت کے خُمس کا خمس نہ دیا جائے، تو ان کو زکاۃ کا لینا جائز ہے، اور یہی ہمارے اصحاب میں سے قاضی یعقوب وغیرہ کا قول ہے، اور یہی قول ابو یوسف اور اصطخری کا شافعیہ میں سے ہے، ضرورت اور حاجت کی وجہ سے، اور بنو ہاشم کو دوسرے ہاشمیوں سے زکاۃ لینا جائز ہے، اور یہی قول اہلِ بیت کی ایک جماعت سے مروی ہے (اختیارات الفقہیۃ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ اور بعض دوسرے حضرات ضرورت وحاجت کی وجہ سے بنو ہاشم کو اس دور میں زکاۃ لینا جائز قرار دیتے ہیں، اور بنو ہاشم کی اپنی زکاۃ بنو ہاشم کو دینے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اس طرح کی روایت حنفیہ کے مذہب میں بھی ہے، اور اس کی وجہ کا تفصیلاً پہلے ذکر گزرا۔

(۱۶)......ابنِ مفلح حنبلی کی عبارت

ابنِ مفلح حنبلی فرماتے ہیں کہ:

وَقِيْلَ: يَجُوْزُ إِنْ مُنِعُوا الْخُمُسَ، اِخْتَارَهُ الْقَاضِيْ يَعْقُوْبُ، وَالْآجُرِيُّ، وَالشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّيْنِ؛ لِأَنَّهٗ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَّضَرُوْرَةٍ (المبدع فی شرح

المقنع) [1]

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ بنوہاشم کو زکاۃ جائز ہے، اگر ان کو خمس نہ ملے، جس کو قاضی یعقوب اور آجری اور شیخ تقی الدین نے اختیار کیا ہے، کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا موقع ہے (المبدع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب بنوہاشم کو خمس نہ ملے، جیسا کہ اس دور میں حالت ہے، تو بعض حنابلہ ان کے لئے زکاۃ وصدقہ کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

(۱۷)......محمد عرفہ دسوقی مالکی کی عبارت

محمد عرفہ دسوقی مالکی فرماتے ہیں کہ:

وَاعْلَمْ أَنَّ مَحَلَّ عَدَمِ إِعْطَاءِ بَنِیْ هَاشِمٍ مِنْهَا إِذَا أُعْطُوْا مَا يَسْتَحِقُّوْنَهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا وَأَضَرَّ بِهِمُ الْفَقْرُ أُعْطُوْا مِنْهَا وَإِعْطَاؤُهُمْ حِيْنَئِذٍ أَفْضَلُ مِنْ إِعْطَاءِ غَيْرِهِمْ وَقَيَّدَهُ الْبَاجِیُ بِمَا إِذَا وَصَلُوْا لِحَالَةٍ يُبَاحُ لَهُمْ فِيْهَا أَكْلُ الْمَيِّتَةِ لَا مُجَرَّدُ ضَرَرٍ وَالظَّاهِرُ خِلَافُهُ وَأَنَّهُمْ يُعْطَوْنَ عِنْدَ الْاِحْتِيَاجِ وَلَوْ لَمْ يَصِلُوْا لِحَالَةِ إِبَاحَةِ أَكْلِ الْمَيْتَةِ إِذْ عَطَاؤُهُمْ أَفْضَلُ مِنْ خِدْمَتِهِمْ لِذِمِّیٍّ أَوْ ظَالِمٍ ا هـ ،تَقْرِيْرُ شَيْخِنَا عَدَوِیٍّ وَهٰذَا كُلُّهُ فِی الصَّدَقَةِ الْوَاجِبَةِ كَمَا هُوَ الْمَوْضُوْعُ ، وَأَمَّا صَدَقَةُ التَّطَوُّعِ فَيَجُوْزُ لَهُمْ أَخْذُهَا مَعَ الْكَرَاهَةِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ وَمَا يَأْتِیْ فِی الْخَصَائِصِ مِنْ حُرْمَتِهَا عَلَيْهِمْ أَيْضًا فَهُوَ ضَعِيْفٌ وَإِنْ شَهَّرَهُ ابْنُ عَبْدِ السَّلَامِ (حاشية الدسوقی علی الشرح الكبير للشيخ الدردير) [2]

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ بنوہاشم کو زکاۃ نہ دینے کا مقام اس وقت

---

[1] ج۲ص ۴۲۱، کتاب الزکاۃ، باب ذکر اهل الزکاۃ، الاصناف التی لاتأخذ من الزکاۃ.

[2] ج ۱ ص ۴۹۳، ۴۹۴، باب الزکاۃ، فصل من تصرف له الزکاۃ ومایتعلق بذلک.

ہے، جبکہ ان کو بیتُ المال سے ان کا حق (مالِ غنیمت وغیرہ کی شکل میں) حاصل ہو، اور اگر بیتُ المال سے ان کا حق حاصل نہ ہو، اور ان کو فقر وفاقہ سے ضرر لاحق ہو، تو ان کو زکاۃ دی جائے گی، اور ایسے وقت میں ان کو زکاۃ دینا افضل ہے، بنسبت دوسروں کو زکاۃ دینے کے، اور علامہ باجی نے یہ قید لگائی ہے کہ جب کہ وہ ایسی حالت کو پہنچ جائیں، جس میں مردار کا کھانا جائز ہوجاتا ہے، صرف ضرر کا لاحق ہونا کافی نہیں، اور راجح اس کے برخلاف ہے کہ ان کو ضرورت کے وقت زکاۃ دی جائے گی، اگرچہ وہ مردار کے کھانے کے جائز ہونے کی حالت تک نہ پہنچیں، کیونکہ ان کو زکاۃ کا دینا افضل ہے، ان کے کسی ذمی یا ظالم کی خدمت (کر کے اجرت حاصل) کرنے سے، یہ ہمارے شیخ عدوی کی تقریر ہے، اور یہ سب حکم صدقہ واجبہ میں ہے، جیسا کہ صدقہ واجبہ کا یہی موضوع ہے، اور جہاں تک نفلی صدقہ کا معاملہ ہے، تو نفلی صدقہ کا ان کو لینا معتمد قول کے مطابق کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور خصائص میں جو نفلی صدقہ کے بھی بنو ہاشم پر حرام ہونے کا ذکر آیا ہے، تو وہ ضعیف ہے، اگرچہ ابنِ عبدالسلام نے اس کی تشہیر کی ہے (حاشیہ دسوقی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک بھی جب بنو ہاشم کو بیتُ المال سے ان کا حق حاصل نہ ہو، اور وہ حاجت مند ہوں، تو زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کا ان کو دینا ولینا جائز ہے، اور اس جائز ہونے کے لئے ان کا اضطراری حالت کو پہنچنا ضروری نہیں، یہی راجح ہے۔

(۱۸)......شیخ دردیر مالکی کی عبارت

شیخ دردیر مالکی فرماتے ہیں کہ:

قَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا حُرِمُوْا حَقَّهُمْ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَصَارُوْا فُقَرَاءَ جَازَ أَخْذُهُمْ وَإِعْطَاؤُهُمْ مِنْهَا كَمَا هُوَ الْآنَ (الشرح الصغير للشيخ الدردير لكتابه

أقرب المسالک، ج ۱ ص ۶۶۰،باب الزکاۃ، فصل فی بیان مصرف الزکاۃ)

ترجمہ: بعض (مالکی حضرات) نے فرمایا کہ جب بنو ہاشم اپنے بیتُ المال کے حق سے محروم ہوجائیں، اور وہ فقیر وتنگ دست ہوں، تو ان کوزکاۃ کا لینا اور دینا جائز ہے، جیسا کہ آج کل حالت ہے (شرح الصغیر)

مالکیہ کی اور کتابوں میں بھی اس قول کا ذکر پایا جاتا ہے۔ [۱]

فائدہ: اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنوہاشم کو جب ضرورت وحاجت لاحق ہو، تو ان کو بعض مالکیہ کے نزدیک زکاۃ اور واجب صدقات کا لینا دینا جائز ہے، جیسا کہ آج کل ضرورت وحاجت والی یہی حالت ہے۔

(۱۹)......علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کی عبارت وفتویٰ

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَنَقَلَ الطَّحَاوِيُّ عَنْ أَمَالِي أَبِيْ يُوْسُفَ: أَنَّهٗ جَازَ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلٰى آلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ فُقْدَانِ الْخُمُسِ، فَإِنَّ فِي الْخُمُسِ حَقَّهُمْ، فَإِذَا لَمْ يُوْجَدْ، صَحَّ صَرْفُهَا إِلَيْهِمْ،وَفِي الْبَحْرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شُجَاعٍ الثَّلْجِيِّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَيْضًا جَوَازُهٗ،وَفِي عِقْدِ الْجِيْدِ أَنَّ الرَّازِيَ أَيْضًا أَفْتٰى بِجَوَازِهٖ،قُلْتُ:وَأَخْذُ الزَّكَاةِ عِنْدِيْ أَسْهَلُ مِنَ السُّؤَالِ، فَأَفْتٰى بِهٖ أَيْضًا(فیض الباری للکشمیری) [۲]

ترجمہ: اور امام طحاوی نے، امام ابو یوسف کے امالی سے نقل کیا ہے کہ خمس نہ پائے

---

[۱] وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد " ويعطون ما يحتاجون إليه من بيت مال المسلمين، فإن لم يُعطوا وأضرَّ بهم الفقر أُعطوا من الزكاة، وإعطائهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم .أما صدقة التطوع فتصح لبني هاشم وغيرهم(فقه العبادات على المذهب المالكي، ج ۱ ص ۲۹۴، الباب الثالث مصارف الزكاة،للحاجّة كوكب عبيد)

[۲] ج۳ص۱۵۷، کتاب الزکاۃ، باب ما یذکر فی الصدقۃ للنبی -صلی اللہ علیہ وسلم .

جانے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ خمس میں ان کا حق تھا، پس جب وہ نہیں پایا گیا، تو زکاۃ کو ان کی طرف خرچ کرنا صحیح ہوگیا، اور بحر میں محمد بن شجاع ثلجی سے امام ابوحنیفہ کی روایت بھی جواز کی ہے، اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی نے بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک زکاۃ کو لینا زیادہ ہلکا ہے، بنسبت سوال کرنے (اور بھیک مانگنے) کے، تو میں بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں (فیض الباری)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب بنو ہاشم کے لئے مالِ غنیمت اور مالِ فیئ کی شکل میں اعانت کا انتظام نہ ہو، تو ضرورت وتنگ دستی دور کرنے کے لئے بنو ہاشم کو زکاۃ کے جائز ہونے پر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی فتویٰ دیا کرتے تھے، اور وہ تنگ دست بنو ہاشم کے سوال کرنے اور کسی کے سامنے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کو زیادہ سخت چیز سمجھتے تھے، بنسبت اس کے کہ ان کو زکاۃ دی جائے۔ [1]

---

[1] علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول پر بعض حضرات نے چار قسم کے اعتراضات یا شبہات کئے ہیں۔

ایک یہ کہ ان کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے، دوسرے صحیح احادیث کے خلاف ہے، تیسرے یہ قیاس ہے نص کے مقابلہ میں، چوتھے یہ کہ بعض صورتوں میں سوال جائز ہے، اور یہ صدقات کی حرمت بنو ہاشم پر بوجہ اوساخ الناس ہونے کے کسی صورت میں بھی جائز نہیں، اور اس کی علت مؤبدہ ہے، لہٰذا ان کا یہ فتویٰ درست نہیں۔

مگر ہمیں ان توجیہات یا شبہات سے اتفاق نہ ہوسکا۔

جہاں تک پہلے شبہ کا تعلق ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ کشمیری تنہا نہیں ہیں، بلکہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سلسلہ کے متعدد مشائخ اور جلیل القدر اہلِ علم حضرات بھی اس کے قائل ہیں، پھر کسی قول کا جمہور کے صرف خلاف ہونا اس کے غیر مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں، ورنہ حنفیہ کے ہاں بہت سے مسائل جمہور کے خلاف بھی معمول بہا ہیں، علاوہ ازیں اگر کوئی مسئلہ علت سے یا عرف ورواج کی تبدیلی کی وجہ سے حکم کے بدلنے کا متقاضی ہو، تو اس میں جمہور کی مخالفت کا حکم لگنا، زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوا کرتا۔

اور جہاں تک اس موقف کے صحیح احادیث کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں صاحب ''الاختیار'' وغیرہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ احادیث کا یہ حکم اس وقت لاگو ہوتا ہے، جبکہ زکاۃ کے عوض میں مالِ غنیمت سے بنو ہاشم کو حصہ حاصل ہوتا ہو، ورنہ کوئی تعارض ومعارضہ نہیں، اور ایسی حالت میں آیت اپنے اطلاق پر جاری رہے گی، جبکہ بعض حضرات نے دوسرے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲۰)......فتاویٰ محمودیہ کی عبارت

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لئے ان کو زکاۃ وصدقاتِ واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخُ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں، کہ گزارے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی اور شافعیہ میں سے امام رازی نے زکاۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکاۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے، اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکاۃ دے دی جائے، تو یہ اَھون ہے، اگرچہ یہ ظاہر الروایہ نہیں ہے، اور عامۃً اس کو فتویٰ کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری اور العرفُ الشذی میں منقول ہے (فتاویٰ محمودیہ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جوابات بھی دیئے ہیں، جن کا ذکر ہماری اس بحث میں رواں عبارت کے ذیل میں موجود ہے۔

اور جہاں تک نص کے مقابلہ میں قیاس کا تعلق ہے تو یہ بھی تسلیم نہیں، کیونکہ نصوص سے ہی مالِ غنیمت کے عوض کی تعلیل ثابت ہے، اور جب کوئی نص کسی علت کے ساتھ معلل ہو، تو علت کے ارتفاع سے حکم کا ارتفاع ہو جاتا ہے۔ کما مر۔

اور جہاں تک چوتھی وآخری بات کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر بنو ہاشم کو زکاۃ اخذ کرنے میں ان کی ذلت سے بچانے کی حکمت مضمر ہو، تو سوال کرنے میں یہ حکمت زیادہ شدت کے ساتھ متاثر ہوتی ہے، جس میں شک نہیں، اور اوساخُ الناس کی علت کو مؤبدہ قرار دینے سے بھی اتفاق نہیں، اور اس علت پر کلام پیچھے احادیث کے ضمن میں جہاں اوساخ الناس والی حدیث ذکر کی گئی ہے، گزر چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر جلیل القدر فقہاء ومشائخ بلکہ صاحبِ فتاویٰ محمودیہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

[1] جلد ۹ ص ۵۶۰، کتاب الزکاۃ، باب مصارف الزکاۃ، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ 2005ء۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب سادات سخت ضرورت مند ہوں، تو ان کو سوال وغیرہ کی ذلت سے بچانے کے مقابلہ میں زکاۃ دینا اہون اور ہلکا ہے، اور بعض اکابر اس کے قائل ہیں۔

(۲۱)...... مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ فرماتے ہیں کہ:

امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک ہاشمی عامل کی اجرت، زکاۃ سے دی جاسکتی ہے، بلکہ ابوعصمہ نے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت اس کی نقل کی ہے کہ بیت المال کا خمس ختم ہونے کے بعد بنو ہاشم کے لئے زکاۃ لینا جائز ہے، امام طحاوی نے بھی ''عن محمد عن ابی یوسف'' کے طریق سے ایک روایت یہی نقل کی ہے، بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی امالی ابی یوسف سے یہی قول نقل کرکے اسی کو اختیار کیا ہے، شافعیہ سے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

ایک غور طلب امر: ہمارے زمانہ کے فقہاء کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا اس دور میں بنو ہاشم میں فقر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (درسِ ترمذی) [1]

فائدہ: معلوم ہوا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی موجودہ دور میں بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جواز پر فتوے کے لئے غور کرنے کے قائل ہیں، اور موجودہ دور کے کئی اہلِ علم وفقہ حضرات کا غور وفکر کے نتیجہ میں اس کی طرف رجحان وفتویٰ موجود ہے۔

---

[1] جلد ۲ صفحہ ۴۷۹، ۴۸۰، ابواب الزکاۃ، باب ماجاء فی کراھیة الصدقة للنبی صلی اللہ علیه وسلم واھل بیته وموالیه، مطبوعه: مکتبه دارالعلوم کراچی، طبع نهم.

(۲۲)......مولانا قاضی مجاہدُ الاسلام قاسمی صاحب کا فتویٰ

مولانا قاضی مجاہدُ الاسلام قاسمی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

موجودہ دور میں کسی ہاشمی کو جو فقیر ہو، زکاۃ دینا میرے نزدیک جائز ہے، اس بارے میں اصل مسلک تمام ہی علماء کا یہی ہے کہ زکاۃ ہاشمی کو نہیں دی جاسکتی ہے، لیکن ظاہرُ الروایۃ اور مشہور مسلک سے الگ ہوکر ایک قول امام ابو یوسف کا یہ منقول ہے کہ ہاشمی کی زکاۃ ہاشمی کو دی جاسکتی ہے، امام ابو حنیفہ سے ابو عصمہ کی روایت یہ ہے کہ امام صاحب سادات کے لئے علی الاطلاق جواز کے قائل ہیں، خواہ زکاۃ ہاشمی کے مال کی ہو یا غیر ہاشمی کے مال کی، امام صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خمس الخمس جو اہلِ قرابتِ رسولُ اللہ کے لئے تھا، اب وہ انہیں نہیں ملتا، زکاۃ ان پر حرام قرار دی گئی، لیکن اس کا بدل خمسُ الخمس مقرر کیا گیا تھا، اب جبکہ وہ بدل ختم ہوگیا، تو اصل یعنی زکاۃ ان کے لئے حلال ہوگی، امام طحاوی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، شوافع میں امام اصطخری اور بعض حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے، متاخرین علمائے ہند میں حضرت انور شاہ کشمیری کے بارے میں فیضُ الباری میں نقل کیا گیا ہے کہ سادات کو مجبور ہوکر بھیک مانگنے کے مقابلہ میں زکاۃ کھانا آسان تر ہے، لہٰذا میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، کفایتُ المفتی میں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا فتویٰ جواز ہی کا نقل کیا گیا ہے، اگرچہ مفتی کفایتُ اللہ صاحب کو اس سے اتفاق نہیں۔

بہر حال قولِ امام مختلف ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اختلاف دلیل وبراہین کا نہیں، بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ کا ہے، اس لئے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے اس روایتِ غیر مشہورہ پر

فتویٰ دیا جاسکتا ہے، موجودہ حالات یہی ہیں کہ خمسِ الخمس سادات کو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عطایا وہدایا کے ذریعہ سادات کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، لہٰذا میں پوری طمانیتِ قلب کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ضرورت مند سادات کو زکاۃ شرعاً دی جاسکتی ہے (مجلّہ ''بحث ونظر'') [1]

فائدہ: مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور کے مشہور صاحبِ علم وصاحبِ فقہ مولانا قاضی مجاہدُ الاسلام قاسمی صاحب بھی بنوہاشم کو زکاۃ کے جواز کی طرف نہ صرف یہ کہ مائل ہیں، بلکہ مکمل اطمینانِ قلب کے ساتھ ضرورت مند بنوہاشم کو زکاہ کے جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲۳)......شیخ بن صالح عثیمین صاحب کی رائے

عرب کے مشہور عالم شیخ عبداللہ بن صالح بن محمد عثیمین فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَجُوْزُ أَنْ يُّعْطُوْا مِنَ الزَّكَاةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ خُمُسٌ أَوْ وُجِدَ وَمُنِعُوْا مِنْهُ ......فَإِذَا مُنِعُوْا أَوْ لَمْ يُوْجَدْ خُمُسٌ، كَمَا هُوَ الشَّأْنُ فِيْ وَقْتِنَا هٰذَا فَإِنَّهُمْ يُعْطُوْنَ مِنَ الزَّكَاةِ دَفْعًا لِضَرُوْرَتِهِمْ إِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ، وَلَيْسَ عِنْدَهُمْ عَمَلٌ، وَهٰذَا اِخْتِيَارُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ اِبْنِ تَيْمِيَّةَ، وَهُوَ الصَّحِيْحُ (الشرح الممتع علىٰ زاد المستقنع) [2]

ترجمہ: اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ بنوہاشم کو زکاۃ دینا جائز ہے، جب خمس موجود نہ ہو، یا موجود تو ہو، لیکن ان کو وہ خمس حاصل نہ ہو...... پس جب ان کو خمس حاصل نہ ہو یا خمس موجود نہ ہو، جیسا کہ ہمارے اس وقت کی حالت ہے، تو

---

[1] بعنوان ''سادات کو زکاۃ دینا'' ص ۱۰۰، ۱۹۹۰ء پٹنہ، بھارت، ماخوز، از ''فتاویٰ دارالعلوم زکریا'' جلد سوم، صفحہ ۲۴۵، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی، تاریخ اشاعت: نومبر 2009ء، وسہ ماہی مجلّہ ''المباحث الاسلامیہ'' جلد ۴، شمارہ ۳، ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۲۰، مضمون ''سادات خاندان کو زکاۃ دینے کی شرعی حیثیت'' از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی۔

[2] ج ۶ ص ۸۸، کتاب الزکاۃ، باب اھل الزکاۃ.

پھر بے شک ان کو زکاۃ دی جائے گی، ان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، جبکہ وہ فقیر (وغریب) ہوں، اور ان کے پاس کمائی کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اور یہی شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ کا اختیار کردہ قول ہے، اور یہی صحیح ہے (شرح الممتع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں جبکہ تنگ دست ونادار بنو ہاشم کو خمس وغیرہ حاصل نہیں ہوتا، عرب کے مشہور عالم شیخ محمد عثیمین بھی جواز کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲۴)......علامہ یوسف قرضاوی صاحب کی رائے

علامہ یوسف قرضاوی صاحب اپنی کتاب فقہ الزکاۃ میں فرماتے ہیں کہ:

وَالَّذِیْ أُرَاهُ أَنَّ الْقَوْلَ بِإِعْطَاءِ الزَّكَاةِ لِأَقَارِبِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ زَمَانِنَا أَرْجَحُ وَأَقْوٰى؛ لِحِرْمَانِهِمْ مِنْ خُمُسِ الْغَنَائِمِ وَالْفَیْءِ ، الَّذِیْ كَانَ يُعْطٰى مِنْهُ لِذَوِى الْقُرْبٰى فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْوِيْضًا مِّنَ اللّٰهِ لَهُمْ عَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهِمْ مِّنَ الصَّدَقَةِ.

وَسَهْمُ ذَوِى الْقُرْبٰى هُوَ الْمَذْكُوْرُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الأنفال: ۴۱) **وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ)** (الحشر: ۷)

وَالْقَوْلُ بِأَنَّ الزَّكَاةَ حُرِمَتْ عَلَيْهِمْ لِشَرْفِهِمْ لَيْسَ بِقَوِیٍّ، وَالْأَوْلٰى أَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ لِدَفْعِهِمْ عَنْهُ وَنُصْرَتِهِمْ لَهٗ، حَتّٰى اِشْتَرَكَ فِیْ ذٰلِكَ مُسْلِمُهُمْ وَكَافِرُهُمْ، وَهٰذَا يَعْضِدُ قَوْلَ الشَّافِعِیِّ فِیْ ضَمِّ بَنِیْ

الْـمَـطَّـلِـبِ إِلٰى بَـنِـىْ هَـاشِمٍ، فَإِنَّهُمْ جَمِيْعًا صَبَرُوْا مَعَهُ عَلَى الْأَذٰى وَالْـجُـوْعِ، وَدَخَـلُـوْا الشِّـعْـبَ وَوَقَـفُوْا فِيْ وَجْهِ قُرَيْشٍ وَمُقَاطَعَتِهِمُ الـظَّالِمَة ،وَإِذَا سَـقَـطَ الْـعِـوَضُ ،وَهُـوَ سَهْـمُ ذِى الْقُرْبٰى ،لِسَبَبٍ مِّنَ الْأَسْبَـابِ، كَـخُلُوِّ بَيْتِ الْمَالِ، أَوْ لِإِسْتِبْدَادِ الْحُكَّامِ بِمَا فِيْهِ، وَجَبَ أَلَّا يُـحْـرَمُوْا مِنَ الزَّكَاةِ، وَإِلَّا اِنْقَلَبَتِ الْمَزِيَّةُ الَّتِيْ لَهُمْ ضَرَرًا عَلَيْهِمْ وَإِذَا كَـانَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ قَدْ ذَهَبُوْا إِلٰى سُقُوْطِ سَهْمِ ذَوِى الْقُرْبٰى بَـعْـدَ مَوْتِ الرَّسُوْلِ، وَصَيْرُوْرَتِهٖ لِقَرَابَةِ الْخَلِيْفَةِ بَعْدَهٗ، أَوْ صَرَفِهٖ فِي السَّلَاحِ وَالْـجِـهَـادِ ،رَوَى أَبُـوْ عُبَيْـدَ وَأَبُـوْ يُوْسُفَ فِي الْخِرَاجِ وَابْنُ جَـرِيْـرٍ فِيْ تَفْسِيْرِ آيَةِ الْأَنْفَالِ (وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ)عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ وَقَدْ سُئِلَ عَنْ سَهْمِ الرَّسُوْلِ وَسَهْمِ ذِى الْقُرْبٰى ، فَـقَالَ:اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ هٰذَيْنِ السَّهْمَيْنِ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى الـلّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ ،فَقَالَ قَائِلُوْنَ:سَهْمُ الْقَرَابَةِ لِقَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ قَائِلُوْنَ:لِقَرَابَةِ الْخَلِيْفَةِ،وَقَالَ قَائِلُوْنَ:سَهْمُ النَّبِيِّ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ لِلْخَلِيْفَةِ بَعْدَهٗ،قَالَ:فَأَجْمَعَ رَأْيُهُمْ عَلٰى أَنْ يَّـجْعَلُوْا هٰذَيْنِ السَّهْمَيْنِ فِى الْخَيْلِ وَالْعِدَّةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ:فَكَانَا عَلٰى ذٰلِكَ خِلَافَةُ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (انظر الأموال ص ۳۳۲،وانظر أيضًا :بداية المجتهد ۱/ ۳۹۰ـ ۳۹۱،طبع الحلبی)

بَـلْ إِنَّ عَـلِـيَّ بْـنَ أَبِيْ طَالِبٍ لَمَّا اسْتُخْلِفَ سَلَكَ بِهٖ سَبِيْلَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ(الأموال -المرجع نفسه)

فَيَـنْبَـغِيْ أَنْ يَّكُوْنَ قَوْلُهُمْ بِإِبَاحَةِ الْمُعَوَّضِ، وَهُوَ الزَّكَاةُ،وَمِمَّا يُقَوِّيْ هٰـذَا الـرَّأْىَ أَنَّ جُـمْـلَةَ الْأَحَـادِيْثِ الَّتِيْ اِسْتَدَلَّ بِهَا جَمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ

عَلٰى تَحْرِيْمِ الزَّكَاةِ عَلٰى بَنِىْ هَاشِمٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَأَضَافَ بَعْضُهُمْ إِلَيْهِمْ بَنِى الْمُطَّلِبِ،بَلْ جَعَلُوْا مَوَالِيَهِمْ وَعُتَقَاءَ هُمْ بِمَنْزِلَتِهِمْ فِى الْحُكْمِ، لَيْسَتْ صَرِيْحَةَ الدَّلَالَةِ عَلٰى هٰذَا الْحُكْمِ.

وَالْحَقُّ أَنَّ الَّذِىْ يُنْظَرُ فِىْ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ نَظْرَةً مُجَرَّدَةً مِنَ الْعَصَبِيَّةِ وَالتَّقْلِيْدِ وَالتَّأَثُّرِ بِشُهْرَةِ الْحُكْمِ وَجَلَالَةِ الْقَائِلِيْنَ بِهٖ، يَتَبَيَّنُ لَهٗ غَيْرُ مَا ذَهَبُوْا إِلَيْهِ.

(أ)فَأَمَّا حَدِيْثُ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ:فَإِنَّ فَتَيَيْنِ مِنْ بَنِىْ هَاشِمٍ أَرَادَا أَنْ يُوَلِّيَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّدَقَاتِ، فَيُصِيْبَا مِنْهَا كَمَا يُصِيْبُ النَّاسُ مِنَ الْمَنْفَعَةِ، فَأَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسُدَّ عَلَيْهِمَا هٰذَا الْبَابَ، وَأَنْ يَجْعَلَ مِنْ آلِ بَيْتِهٖ وَأَقَارِبِهٖ قُدْوَةً لِلنَّاسِ فِى الْبَذْلِ وَالتَّضْحِيَّةِ لَا فِى الْغَنَمِ وَالْاِنْتِفَاعِ،وَقَدْ قَالَ لَهُمْ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَقَدْ طَلَبُوْا مِنَ السِّدَانَةِ وَالسِّقَايَةِ، فَأَعْطَاهُمُ السِّقَايَةَ لِمَا فِيْهَا مِنْ غُرْمٍ وَكُلْفَةٍ، وَقَالَ:إِنَّمَا أُوْلِيْكُمْ مَا تَرْزَءُ وْنَ لَا مَا تُرْزَؤُوْنَ

(سيرة ابن هشام: ۳۲/۴ بتحقيق محمد محيى الدين عبد الحميد)

وَلَفْظُ الْبُخَارِىِّ:إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِىْ لِآلِ مُحَمَّدٍ،وَهٰذَا إِنَّمَا يَدُلُّ عَلٰى كَرَاهَةِ التَّنْزِيْهِ وَالتَّنْفِيْرِ مِنْ مُقَارَبَةِ هٰذَا الْعَمَلِ الَّذِىْ هُوَ مَظِنَّةٌ لِأَخْذِ مَا لَا يَحِلُّ كَمَا فَعَلَ اِبْنُ اللُّتْبِيَّةِ ،وَلِهٰذَا أَبٰى عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ وَغَيْرُهٗ أَنْ يَقْبَلُوا الْوِلَايَةَ عَلَى الصَّدَقَاتِ لِمَا فِيْهَا مِنْ خَطَرِ التَّعَرُّضِ لِمَا لَا يَجُوْزُ.

وَهٰذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنَاهَا عَلَى التَّشْدِيْدِ؛ لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِمَالٍ عَامٍ هُوَ مَالِكٌ لِلْجَمَاعَةِ، وَحَقٌّ لِلْمُحْتَاجِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ مَنْ يَّحْتَاجُ إِلَيْهِ

الْـمُسْـلِـمُـوْنَ، فَأَیُّ زِیَادَةٍ یَأْخُذُهَا الْعَامِلُ عَمَّا یَسْتَحِقُّ تُعَدُّ مُزَاحَمَةً لِلْفُقَرَاءِ وَالْمُحْتَاجِیْنَ فِیْ خَالِصِ حَقِّهِمْ، وَأَكْلًا لِمَالِ الْجَمَاعَةِ بِالْبَاطِلِ.

وَمَعَ وُرُوْدِ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَإِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْعُلَمَاءِ فِی الْمَذَاهِبِ الْمَتْبُوْعَةِ أَجَازُوْا أَنْ یَّكُوْنَ الْعَامِلُ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ كَمَا ذَكَرْنَا ذٰلِکَ فِیْ سَهْمِ "الْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا "وَحَدِیْثُ أَبِیْ رَافِعٍ یُؤَكِّدُ هٰذَا الْمَعْنٰی، وَیُبَیِّنَ أَنَّ إِبْعَادَ آلِ بَیْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَقَارِبِهٖ عَنْ شُئُوْنِ الصَّدَقَةِ لَیْسَ لِشَرْفِ النَّسْبِ، وَلٰكِنْ لِدَفْعِ التُّهْمَةِ، وَقَطْعِ أَلْسِنَةِ الْمُفْتَرِیْنَ، وَوَضْعِ الْأُسْوَةِ الْحَسَنَةِ، وَتَرْبِیَّةِ الْآلِ وَمَوَالِیْهِمْ أَنْ یُّوْطِنُوْا أَنْفُسَهُمْ عَلٰی تَحَمُّلِ الْمَغَارِمِ، لَا الطَّمْعِ فِی الْمَغَانِمِ ،وَلَوْ كَانَ الْمَنْعُ لِلشَّرْفِ مَا دَخَلَ الْمَوَالِیُّ فِی الْمَنْعِ.

(ب)وَأَمَّا حَدِیْثُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَقَوْلِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ(أَمَا شَعِرْتَ إِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ) وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ (لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ) فَالَّذِیْ یَبْدُوْ لِیْ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَهٗ بِوَصْفِهٖ إِمَامَ الْجَمَاعَةِ وَرَئِیْسِ الدَّوْلَةِ ،فَإِنَّ اِجْتِمَاعَ الصَّدَقَاتِ عِنْدَهٗ لَا حَلَّهَا لَهٗ وَلَا لِأَهْلِ بَیْتِهٖ، لِأَنَّهَا مِلْکُ الْمُسْلِمِیْنَ جَمِیْعًا ،وَمِنْ هُنَا رُوِیَ أَنْ عُمَرَ شَرِبَ مِنْ لَبَنِ الصَّدَقَةِ خَطَأً فَتَقَیَّأَهٗ (رواہ مالک فی الموطأ فی کتاب الزکاۃ)

وَلِهٰذَا قَالَ فِیْ "الْبَحْرِ "وَلَا تَحِلُّ لِلْإِمَامِ، كَالرَّسُوْلِ، وَلِتَقَیُّؤِ عُمَرَ لَبَنَ الصَّدَقَةِ (البحر الزخار: ۲/۱۸۴)

(ج)وَإِذَا غَضَضْنَا الطَّرْفَ عَنْ هٰذِهِ الْأَسْبَابِ وَالْمُلَابِسَاتِ الَّتِیْ

وَرَدَتْ فِيهَا هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ وَنَظَرْنَا إِلٰى مُجَرَّدِ أَلْفَاظِهَا، فَمَاذَا تَدُلُّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ "آلُ مُحَمَّدٍ"؟ هَلْ تَدُلُّ حَتْمًا عَلٰى ذُرِّيَّةِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَحْدِهِمْ أَوْ مَعَ بَنِي الْمَطَّلَبِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟

لَيْسَ هُنَاكَ دَلِيْلٌ حَاسِمٌ عَلٰى ذٰلِكَ؛ فَآلُ مُحَمَّدٍ هُنَا كَآلِ إِبْرَاهِيْمَ، وَآلِ عِمْرَانَ فِي الْآيَةِ الْكَرِيْمَةِ (إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوْحًا وَّآلَ إِبْرَاهِيْمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ)(آل عمران:۳۳) فَآلُ عِمْرَانَ هُنَا:مَرْيَمُ وَابْنُهَا عِيْسٰى، وَآلُ إِبْرَاهِيْمَ:إِسْمَاعِيْلُ وَإِسْحَاقُ وَيَعْقُوْبُ وَالْأَسْبَاطُ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ ذُرِّيَّتَهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَدْ قَالَ تَعَالٰى فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحَاقَ (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِيْنٌ)(الصافات:۱۱۳)وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيْمَ مُخْرِبَةُ الْعَالَمِ مِنَ الْيَهُوْدِ.

وَمِثْلُ هٰذَا قَوْلُهُ تَعَالٰى (فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ)(القصص:۸)(وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ)(البقرة:۵۰)(وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ)(غافر:۴۵)

فَهَلْ يُفْهَمُ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهُ أَوْ مَعَ أَهْلِ بَيْتِهِ وَأَلْصَقِ النَّاسِ بِهِ وَأَخَصِّهِمْ؟ وَهُنَا "آلُ مُحَمَّدٍ "يَنْبَغِيْ أَنْ يُّقْصَرَ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ مِنْ أَزْوَاجِهِ وَأَوْلَادِهِ وَأَسْبَاطِهِ وَأَقْرَبِ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَهٰذَا حُكْمٌ خَاصٌّ بِهِمْ حَالَ حَيَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَمَا جَاءَ ذٰلِكَ عَنِ الْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ:وَأَخَذَ بِهِ صَاحِبُهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ.

وَكَمَا ذَكَرَ صَاحِبُ "الْبَحْرِ الزَّخَّارِ "أَنَّهُ أَحَدُ أَقْوَالِ مَالِكٍ:وَوَجْهُهُ أَنَّهَا حُرِّمَتْ لِدَفْعِ التُّهْمَةِ وَقَدْ زَالَتْ بِوَفَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (البحر:۲/۱۸۴)

وَبِهٰذَا يَسْقُطُ مَا اِسْتَدَلَّ بِهِ الشَّوْكَانِيُّ مِنْ مِثْلِ قَوْلِهِ (قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

عَلَيۡهِ مِنۡ أَجۡرٍ) (الفرقان:۵۷)وَلَوۡ أَحَلَّهَا لَهُمۡ لَأَوۡشَكَ أَنۡ يُّطۡعَنُوۡا فِيۡهِ: فَإِنَّ هٰذَا إِنَّمَا يَكُوۡنُ فِيۡ حَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَأَمَّا بَعۡدَ وَفَاتِهٖ، فَهُمۡ كَغَيۡرِهِمۡ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ، تُؤۡخَذُ الزَّكَاةُ مِنۡ أَغۡنِيَائِهِمۡ، وَتَرُدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمۡ.

وَإِنَّمَا قُلۡنَا هٰذَا لِأَمۡرَيۡنِ:

اَلۡأَوَّلُ: أَنَّ الشَّرۡعَ الۡإِسۡلَامِيَّ فِيۡ جُمۡلَةِ أَحۡكَامِهٖ لَمۡ يُمَيِّزۡ أَقَارِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَلٰى غَيۡرِهِمۡ مِنَ النَّاسِ، بَلۡ أَعۡلَنَ أَنَّ النَّاسَ سَوَاسِيَّةٌ كَأَسۡنَانِ الۡمَشۡطِ؛ هُمۡ كَذٰلِكَ فِي الۡحُقُوۡقِ وَالۡوَاجِبَاتِ، وَالۡمَغَارِمِ وَالۡعُقُوۡبَاتِ،وَقَدۡ قَالَ عَلَيۡهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَأَيۡمُ اللّٰهِ لَوۡ سَرِقَتۡ فَاطِمَةُ بِنۡتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعۡتُ يَدَهَا) (متفق علیہ)وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ(مَنۡ بَطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمۡ يُسۡرِعۡ بِهٖ نَسَبُهٗ)(متفق علیہ)

اَلثَّانِيُّ: وَهُوَ الۡأَهَمُّ أَنَّ الزَّكَاةَ فِي الۡإِسۡلَامِ فَرِيۡضَةٌ لَازِمَةٌ، وَحَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ، وَضَرِيۡبَةٌ مُقَرَّرَةٌ، يَتَوَلَّى الۡإِمَامُ أَخۡذَهَا وَصَرۡفَهَا لِمَنۡ يَّسۡتَحِقُّهَا، فَلَا مَنَّةَ فِيۡهَا لِأَحَدٍ عَلٰى أَحَدٍ ،وَمَا دَامَ الۡآخِذُ يَأۡخُذُهَا بِحَقِّهَا، فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ.

وَالۡعَجِيۡبُ أَنَّ بَعۡضَ الۡفُقَهَاءِ بَلۡ أَكۡثَرَهُمۡ حَرَّمَ الزَّكَاةَ الۡمَفۡرُوۡضَةَ عَلَى الۡهَاشِمِيِّيۡنَ وَأَبَاحَ لَهُمۡ صَدَقَاتُ التَّطَوُّعِ مَعَ أَنَّ الۡمَنَّةَ فِيۡهَا أَظۡهَرُ.

وَلَوۡ صَحَّ تَحۡرِيۡمُ الصَّدَقَةِ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ إِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ ،لَكَانَتۡ صَدَقَةُ النَّفۡلِ ،وَهٰذَا مَا نَقَلَهُ الۡحَافِظُ عَنۡ بَعۡضِ الۡفُقَهَاءِ وَاسۡتَدَلُّوۡا لَهٗ بِأَنَّ الۡوَاجِبَ لَا يَلۡحَقُ آخِذَهٗ ذِلَّةٌ ،بِخِلَافِ

التَّطَوُّعِ.

وَقَدْ تَبَيَّنَ لَنَا مِمَّا سَبَقَ أَنْ لَّا إِجْمَاعَ فِي الْمَسْأَلَةِ، حَتّٰى لَا يُتَّهَمَ مَنْ أَجَازَ لَهُمُ الزَّكَاةَ بِخَرْقِ هٰذَا السُّوْرِ الْمَنِيْعِ.

وَقَدْ رَأَيْنَا أَنَّ الْجَوَازَ مَنْقُوْلٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَاخْتِيَارُ صَاحِبِهِ مُحَمَّدٍ، وَهُوَ وَجْهٌ لِبَعْضِ الشَّافِعِيَّةِ وَقَوْلٌ عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ.

عَلٰى أَنَّ فِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ الْمَنْقُوْلَةِ مَا يُسَاعِدُ الْقَائِلِيْنَ بِالْجَوَازِ الْمُطْلَقِ، مِنْ ذٰلِكَ مَا ذَكَرَهُ فِي "الْبَحْرِ" أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقَ عَلٰى أَرَامِلَ بَنِي الْمُطَّلِبِ، وَرَدَّهُ صَاحِبُ الْبَحْرِ بِأَنَّهُ صَدَقَةُ نَفْلٍ (البحر: ۲/۱۸۴)

كَمَا أَنَّ أَبَا دَاوُدَ رَوٰى فِيْ سُنَنِهِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بَعَثَنِيْ أَبِيْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ إِبِلٍ أَعْطَاهَا إِيَّاهُ مِنَ الصَّدَقَةِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ "أَتٰى بِبَدَلِهَا" رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ فِيْ بَابِ الصَّدَقَةِ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ، وَسَكَتَ عَنْهُ هُوَ وَالْمُنْذِرِيُّ، وَأَخْرَجَهُ النِّسَائِيُّ (انظر مختصر السنن: ۲/۲۴۶) وَقَدْ أَجَابَ النَّوَوِيُّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ مِنْ وَجْهَيْنِ:

أَحَدُهُمَا: أَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ تَحْرِيْمِ الصَّدَقَةِ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ ثُمَّ صَارَ مَنْسُوْخًا بِمَا ذَكَرْنَاهُ.

اَلثَّانِيْ: أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اِقْتَرَضَ مِنَ الْعَبَّاسِ لِلْفُقَرَاءِ إِبِلًا، ثُمَّ أَوْفَاهُ إِيَّاهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، وَقَدْ جَاءَ فِيْ رِوَايَةٍ أُخْرٰى مَا يَدُلُّ عَلٰى هٰذَا، وَبِهٰذَا الثَّانِي أَجَابَ الْخِطَابِيُّ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ (المجموع: ۶/۲۲۷)

وَلَا شَكَّ أَنَّ الْأَوْلٰى اَلْأَخْذُ بِظَاهِرِ الْحَدِيْثِ دُوْنَ اِرْتِكَابِ التَّأْوِيْلَاتِ أَوِ الْقَوْلِ بِالنَّسْخِ.

وَيَلُوحُ لِي أَنَّ الْإِمَامَ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَهُ هٰذَا الْحُكْمُ حَدِيثٌ صَحِيحُ السَّنَدِ، صَرِيحُ الدَّلَالَةِ، وَلِهٰذَا عَنْوَنَ لَهُ بِقَوْلِهِ "بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ" فَعِبَارَةُ: "مَا يُذْكَرُ" تَدُلُّ عَلَى التَّضْعِيفِ وَالشَّكِّ.

وَهٰذَا مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ، فَإِذَا نَظَرْنَا إِلٰى حِكْمَةِ التَّشْرِيعِ وَجَدْنَاهَا ظَاهِرَةً فِي تَحْرِيمِهَا عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ فِي حَيَاتِهِ، فَإِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يُنَزِّهَ نَفْسَهُ وَآلَهُ عَنْ أَخْذِ الصَّدَقَاتِ، لِيَضْرِبَ لِلْمُسْلِمِينَ مَثَلاً عَالِيًا فِي التَّعَوُّدِ عَلَى التَّعَفُّفِ، لَا عَلَى الْأَخْذِ، وَيَكُونَ ذٰلِكَ تَطْبِيقًا لِلْمَبْدَإِ الرَّفِيعِ الَّذِي أَعْلَنَهُ (اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى) (رواه البخاری فی باب الاستغناء عن المسألة من کتاب الزکاة من حديث حكيم بن حزام) فَإِنَّ إِعْطَاءَ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ مَبَادَلَةِ عَيْنٍ أَوْ نَفْعٍ فِيهِ نَوْعٌ مِّنَ الْمِنَّةِ وَالْفَضْلِ لِلْمُعْطِي عَلَى الْآخِذِ، وَقَدْ لَا تَظْهَرُ هٰذِهِ الْمِنَّةُ بِالنَّظَرِ لِعَامَّةِ النَّاسِ الَّذِينَ يَتَوَلَّى الْإِمَامُ الْقَبْضَ عَنْهُمْ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ، ثُمَّ الصَّرْفَ لَهُمْ، أَمَّا الْإِمَامُ نَفْسُهُ الَّذِي يُبَاشِرُ الْقَبْضَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِلصَّدَقَاتِ، فَأَوْلٰى بِهِ أَلَّا يُحَمِّلَ عُنُقَهُ هٰذِهِ الْمِنَّةَ؛ وَأَهْلُ بَيْتِهِ بِمَنْزِلَتِهِ فِي ذٰلِكَ.

وَفِي هٰذَا الْحُكْمِ سِرٌّ آخَرُ نَبَّهَ عَلَيْهِ عَلَّامَةُ الْهِنْدِ اَلدَّهْلَوِيُّ، وَهُوَ: أَنَّهُ إِنْ أَخَذَهَا لِنَفْسِهِ وَجَوَّزَ أَخْذَهَا لِخَاصَّتِهِ، وَالَّذِينَ يَكُونُ نَفْعُهُمْ بِمَنْزِلَةِ نَفْعِهِ، كَانَ مَظِنَّةً أَنْ يَظُنَّ الظَّانُّونَ وَيَقُولُ الْقَائِلُونَ فِي حَقِّهِ مَا لَيْسَ بِحَقٍّ، فَأَرَادَ أَنْ يَسُدَّ هٰذَا الْبَابَ بِالْكُلِّيَّةِ، وَيَجْهَرَ بِأَنَّ مَنَافِعَهَا رَاجِعَةٌ إِلَيْهِمْ، وَإِنَّمَا تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، رَحْمَةً

بِهِمْ، وَتَقْرِيْبًا لَهُمْ مِنَ الْخَيْرِ، وَإِنْقَاذًا لَهُمْ مِنَ الشَّرِّ (حجة الله البالغة: ۲/ ۲۱۵) أَمَّا تَحْرِيْمُ الزَّكَاةِ عَلَى الْآلِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلا يَظْهَرُ فِيْهِ مَا ذَكَرْنَا مِنَ السِّرِّ وَالْحِكْمَةِ.

وَالْعَجَبُ مِمَّنْ حَرَّمُوا الزَّكَاةَ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَالْمُطَّلِبِ وَلَمْ يُجَوِّزُوْا لَهُمْ أَخْذَهَا، وَلَوْ مُنِعُوْا خُمُسَ الْخُمُسِ؛ فِي بَيْتِ الْمَالِ؛ لِعَدَمِ هٰذَا الْخُمُسِ، كَمَا فِيْ هٰذَا الزَّمَنِ، أَوْ لِاِسْتِبْدَادِ الْوُلَاةِ بِهٖ، كَمَا فِيْ أَزْمِنَةٍ مَضَتْ ، كَيْفَ يَصْنَعُ الْفُقَرَاءُ وَالْمُحْتَاجُوْنَ مِنْ هٰؤُلَاءِ ، إِذَا لَمْ يُعْطَوْا مِنَ الزَّكَاةِ حَتّٰى لِهٰذِهِ الضَّرُوْرَةِ؟ وَهَلْ مِنْ إِكْرَامِ آلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّتْرَكُوْا حَتّٰى يَهْلُكُوْا جُوْعًا، وَلَا يُعْطَوْا مِنْ مَالِ الزَّكَاةِ الَّذِيْ هُوَ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ؟

وَلِهٰذَا أَفْتٰى جَمَاعَةٌ مِّنْ عُلَمَاءِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ وَغَيْرِهَا بِجَوَازِ أَخْذِهِمْ مِنَ الزَّكَاةِ إِنْ مُنِعُوا الْخُمُسَ؛ لِأَنَّهٗ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَّضَرُوْرَةٍ (انظر :شرح غاية المنتهى: ۲/ ۱۵۷) بَلْ قَالَ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ: إِنَّ إِعْطَاءَ هُمْ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِعْطَاءِ غَيْرِهِمْ (حاشية الصاوى على الشرح الصغير: ۱/ ۶۶۰، طبع دار المعارف) وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (فقه الزكاة للقرضاوى) [1]

ترجمہ: اور میں جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب (وبنوہاشم) کو ہمارے زمانہ میں زکاۃ دینا زیادہ راجح اور زیادہ قوی ہے، ان کے ان غنیمتوں اور فیئ کے مال سے محروم ہونے کی وجہ سے، جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرابت دار ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس صدقہ کے

[1] ج ۳ ص ۷۳۲ الیٰ ۷۳۹، المبحث الخامس آل محمد -صلى الله عليه وسلم، مطبوعة: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية: ۱۳۹۳ هجرى ،1973عيسوى.

عوض ومعاوضہ میں دیا جاتا تھا، جوصدقہ ان پر حرام کردیا گیا تھااور قرابت دار ہونے کے حصہ کااللہ تعالیٰ کے اس قول میں ذکر ہے کہ:

وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورۃ الانفال، رقم الآیۃ ۴۱)

یعنی ’’اور جان لو کہ بس جو کچھ تمہیں غنیمت کے طور پر ملے، جو بھی چیز ہو، تو بے شک اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ، اوررسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافر کے لیے‘‘

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی ذکر ہے کہ:

مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ(سورۃ الحشر، رقم الآیۃ ۷)

یعنی ’’جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا سو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے ہے، اور قرابت والوں کے لئے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے‘‘ اور یہ کہنا کہ زکاۃ ان حضراتِ گرامی کی شرافت وکرامت کی وجہ سے حرام کی گئی تھی، قوی نہیں ہے، اور زیادہ راجح یہ ہے کہ یہ اس وجہ سے تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور آپ کی نصرت کیا کرتے تھے، جس میں ان کے مسلم اور کافر رشتہ دار سب شریک تھے، اور اس سے امام شافعی کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے بنو مطلب کو بنو ہاشم کے ساتھ ملایا ہے، کیونکہ ان سب نے نبی صلی اللہ علیہ سلم کے ساتھ تکلیف اور بھوک میں صبر کیا ہے، اور گھاٹی میں داخل ہوئے، اور قریش اور ان کے ظالمانہ مقاطعہ (وبائیکاٹ) کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے، اور

جب عوض (یعنی مالِ غنیمت کا خمس) ساقط ہوگیا، جو کہ قرابت داروں کا حصہ تھا، خواہ اس کا سبب کوئی بھی ہوا ہو، مثلاً بیتُ المال کا خالی ہونا یا حکام کا بیتُ المال میں موجود اشیاء میں ظلم کرنا، تو یہ ضروری ہوگیا کہ ان کو زکاۃ سے محروم نہ رکھا جائے ورنہ بنو ہاشم کی فضیلت ان کے لئے ضرر کا باعث ہوجائے گی، اور جب کہ بہت سے علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قرابت داروں کا حصہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد ساقط ہوگیا ہے، اور وہ آپ کے بعد حکمران کی قرابت کے لئے ہوگیا ہے، یا اس کا مصرف اسلحہ اور جہاد ہوگیا ہے، ابوعبید اور ابو یوسف نے خراج میں روایت کیا ہے، اور ابن جریر نے سورہ انفال کی آیت ''وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ'' کی تفسیر میں حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرابت داروں کے حصے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا، پس کہنے والوں نے یہ کہا کہ قرابت کا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے ہے، اور بعض کہنے والوں نے یہ کہا کہ حکمران کے قرابت داروں کے لئے ہے، اور بعض کہنے والوں نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے بعد خلیفہ کے لئے ہے، تو ان کی رائے اس بات پر جمع ہوگئی کہ ان دونوں حصوں کو، اللہ کے راستے میں تیاری اور گھوڑوں کے لئے رکھا جائے، پس ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت میں اسی پر عمل رہا (دیکھئے الاموال، صفحہ ۳۳۲، اور بدایۃ المجتہد، جلد ۱، ص ۳۹۰ و ۳۹۱، طبع حلبی) بلکہ حضرت علی بن ابو طالب جب خلیفہ ہوئے، تو وہ بھی ابوبکر وعمر کے راستے پر چلے (اسی حوالہ میں یہ بات بھی مذکور ہے)

پس فقہائے کرام کا (بنو ہاشم کے لئے) معوض یعنی زکاۃ مباح ہونے کا قول

مناسب ہے، اور اس رائے کے قوی ہونے کی تائیدات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام احادیث، جن سے جمہور علماء بنو ہاشم کے لئے تا قیامت زکاۃ حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اور بعض حضرات بنو ہاشم کے ساتھ بنو مطلب کو بھی شامل کرتے ہیں، بلکہ ان کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی حکم میں ان ہی کا درجہ دیتے ہیں، وہ اس حکم پر صریح دلالت نہیں کرتیں۔

اور حق بات یہ ہے کہ ان احادیث میں عصبیت اور تقلید سے اور مشہور حکم کے تاثر سے اور اس قول کے اختیار کرنے والوں کی جلالتِ شان سے قطع نظر کرکے، جب غور کیا جاتا ہے، تو ان حضرات کے قول کے برخلاف ظاہر ہوتا ہے (جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے)

(الف) جہاں تک مطلب بن ربیعہ کی حدیث ہے، تو جب بنو ہاشم کے دو جوانوں نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کرنے کا ذمہ دار بنادیں، تو وہ اس کام سے وہی فائدہ حاصل کریں، جو اور لوگ حاصل کرتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس دروازہ کو بند کرنا چاہا، اور یہ چاہا کہ اپنے اہلِ بیت اور اقارب کو لوگوں کے لئے خرچ کرنے اور قربانی دینے میں رہبر بنائیں، نہ کہ مال حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے میں، اور فتح مکہ کے دن بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو، جب انہوں نے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کو پانی پلانے کا مطالبہ کیا، تو ان کو پانی پلانے کی خدمت ذمہ لگائی، کیونکہ اس میں خرچ کرنا اور تکلیف اٹھانا پایا جاتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بس میں تمہیں اس چیز کی ذمہ داری لگارہا ہوں، جس میں تم بوجھ برداشت کروگے، نہ کہ تم بوجھ بنوگے (سیرت ابن ہشام، ج۴، ص۳۲، محمد محی الدین عبدالحمید کی تحقیق شدہ)

اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ صدقہ آلِ محمد کے لئے مناسب نہیں، اور یہ الفاظ

کراہتِ تنزیہی اوراس عمل کے قریب جانے کی نفرت پر دلالت کرتے ہیں، جس میں غیرحلال مال کے لینے کی بدگمانی پائی جاتی ہے، جیسا کہ ابنِ قتیبہ نے کیا، اور اسی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ نے صدقات کی ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا، کیونکہ اس میں ایسی چیز کے پیش آنے کا خطرہ تھا، جو کہ جائز نہیں۔

اور یہ ذمہ داری بڑی سخت ہے، کیونکہ اس کا تعلق عام لوگوں کے مال سے ہے، جس کی مالک ایک جماعت ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے محتاج لوگوں کا حق ہوتا ہے، یا ان لوگوں کا حق ہوتا ہے کہ جن کے مسلمان محتاج ہوتے ہیں، پس جو عامل بھی اپنے استحقاق سے زیادہ لے گا، تو وہ فقراء اور محتاج لوگوں کے خالص حق کا مقابلہ کرنے والا، اور باطل طریقہ پر جماعت کا مال کھانے والا شمار ہوگا، اور اس حدیث کے ورود کے باوجود بہت سے، اتباع کئے جانے والے مذاہب کے علماء نے عامل کے بنوہاشم میں سے ہونے کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم نے ''عاملین علیہا'' کے حصہ میں ذکر کیا ہے، اور ابورافع کی حدیث اس معنیٰ کی تائید کرتی ہے، اور یہ بات واضح کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آلِ بیت اور آپ کے اقارب کا صدقہ کے معاملات سے دور رہنا، نسب کی شرافت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ تہمت سے بچنے اور بہتان باندھنے والوں کی زبانوں کو بند کرنے، اور اچھا نمونہ قائم کرنے اور اولاد اور غلاموں کی تربیت کے لئے ہے، تاکہ وہ اپنے آپ کو مشقتیں اٹھانے کا عادی بنائیں، اور لوگوں کے مال میں حرص نہ کریں، اور اگر ممانعت شرف کی وجہ سے ہوتی، تو اس ممانعت میں آزاد کردہ غلام شامل نہ ہوتے۔

(ب) اور جہاں تک حسن بن علی کی حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

قول کا تعلق ہے کہ ’’کیا آپ کو اس بات کی خبر نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے‘‘، اور مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ ’’ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں‘‘، پس مجھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بات اس لئے فرمائی کہ وہ (یعنی حضرت حسن) لوگوں کے امام اور علاقہ کے رئیس ہونے کا مقام رکھتے تھے، پس صدقات کا ان کے پاس جمع ہونا، ان کے لئے اور ان کے اہلِ بیت کے لئے حلال نہیں تھا، کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ملکیت تھا، اور اسی وجہ سے یہ بات مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلطی سے صدقہ کا دودھ پی لیا، تو آپ نے اس کی قے کر دی، جس کو امام مالک نے موطا کی کتابُ الزکاۃ میں روایت کیا ہے۔

اور اسی وجہ سے بحر میں فرمایا کہ امام کے لئے حلال نہیں، جیسا کہ رسول کے لئے حلال نہیں، اور اس وجہ سے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی قے کر دی (البحرالزخار، ج۲، ص۱۸۴)

(ج) اور جب ہم ان اسباب اور تعلقات سے نظر پھیرتے ہیں، جن میں یہ احادیث وارد ہوئی ہیں، اور ہم ان کے صرف الفاظ پر غور کرتے ہیں، کہ ’’آلِ محمد‘‘ کے کلمے کی دلالت کس پر ہوتی ہے؟ کیا اس کی دلالت حتمی ویقینی طور پر بنی ہاشم کی تنہا ذریت پر یا بنی مطلب کے ساتھ قیامت تک ہوتی ہے؟

تو یہاں پر اس کی واضح دلیل نہیں کہ جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو، پس آلِ محمد یہاں آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کی طرح ہے، جس کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر ہے کہ:

’’إِنَّ اللّٰـهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوحًا وَّآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ‘‘ (آل عمران، آیت نمبر ۳۳)

تو آلِ عمران یہاں پر حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ ہیں، اور آلِ

ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (یعقوب کی) اولاد ہیں، اوران کی قیامت تک آنے والی ذریت مراد نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اوراسحاق کے بارے میں یہ فرمایا کہ:

”وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ“ (الصافات، آیت نمبر ۱۱۳)

اورابراہیم کی ذریت میں دنیامیں تخریب کاری کرنے والے یہود بھی ہیں۔

اوراسی کے مثل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

”فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ“ (القصص، آیت نمبر ۸)

اوراللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

”وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ“ (البقرة: آیت نمبر ۵۰)

اوراللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

”وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ“ (غافر، آیت نمبر ۴۵)

تو کیا آلِ فرعون سے تنہا وہ سمجھا جاتا ہے یا اس کے گھر والوں کے ساتھ اور جو اس کے خاص متعلقین ہیں، وہ سمجھے جاتے ہیں، اور یہاں آلِ محمد کو مناسب یہ ہے کہ آپ کے اہلِ بیت بشمول ازواج واولاد اور خاندان اور آپ کے اقرباء کے ساتھ خاص رکھا جائے، اور یہ حکم ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خاص سمجھا جائے، جیسا کہ یہ بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے، اوراسی کو ان کے شاگرد ”محمد بن حسن“ نے اختیار کیا ہے۔

اور جیسا کہ صاحبِ بحرِ زخار نے ذکر کیا ہے کہ یہ امام مالک کے اقوال میں سے ایک ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ کو تہمت سے بچانے کے لئے حرام کیا گیا تھا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے زائل ہوگئی (البحر ج۲، ص۱۸۴)

اوراس سے امام شوکانی کا وہ استدلال بھی ساقط ہوجاتا ہے، جوانہوں نے اللہ

تعالیٰ کے اس طرح کے قول سے کیا ہے کہ:

" قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ " (الفرقان، آیت نمبر ۵۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس کو حلال کر دیتے، تو قریب تھا کہ لوگ اس میں زبان درازی کرتے، پس یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ (یعنی بنو ہاشم) دوسرے مسلمانوں کی طرح ہیں، جن کے مال داروں سے زکاۃ لی جائے گی، اور ان کے غریبوں پر لوٹائی جائے گی۔

اور یہ بات ہم نے دو وجہوں سے کہی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ شریعتِ اسلامی نے تمام احکام میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں کیا، بلکہ یہ بات واضح کر دی کہ لوگ برابر ہیں، کنگھی کے دندانوں کی طرح، وہ حقوق اور واجبات اور ذمہ داریوں اور سزاؤں میں برابر ہیں، اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ "اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا" (متفق علیہ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کا عمل سست ہوا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا" (متفق علیہ)

دوسرے اس وجہ سے جو کہ اہم ہے کہ زکاۃ اسلام کا لازمی فریضہ ہے، اور متعین حق ہے، اور مال کی طے شدہ مقدار ہے، جس کو لینے کا استحقاق حکمران کو ہے، اور اسے مستحقین کی طرف خرچ کرنے کا حق بھی ہے، تو اس میں کسی کا کسی پر کوئی احسان نہیں، اور جب تک لینے والا اس کو اپنے حق کے ساتھ لیتا ہے، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض بلکہ اکثر فقہا نے فرض زکاۃ کو ہاشمیوں پر حرام قرار

دے دیا ہے، اور ان کے لئے نفلی صدقات کو مباح قرار دے دیا ہے، باوجودیکہ احسان نفلی صدقات میں زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔

اور اگر آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تاقیامت صدقہ کا حرام ہونا صحیح ہوتا، تو نفلی صدقہ بھی حرام ہوتا، اور یہی بات حافظ نے بعض فقہاء سے نقل کی ہے، اور انہوں نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ واجب چیز کے لینے پر کوئی ذلت لاحق نہیں ہوتی، برخلاف نفلی چیز کے لینے پر (اور حنفیہ میں سے علامہ ابنِ ہمام کا رجحان بھی اسی موقف کی طرف ہے)

اور سابقہ تقریر سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس مسئلہ میں امت کا اجماع نہیں ہے، اس لئے بنو ہاشم کے لئے زکاۃ جائز قرار دینے والوں کو اجماع کا مخالف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ جواز کا حکم امام ابوحنیفہ سے منقول ہے، جس کو ان کے شاگرد امام محمد نے اختیار کیا ہے، اور بعض شافعیہ کا اور بعض مالکیہ کا بھی یہ قول ہے، مزید برآں بعض منقول روایات سے جواز کے قائلین کی تقویت ہوتی ہے، جس میں سے ایک وہ بھی ہے، جس کو بحر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مطلب کی بیواؤں پر صدقہ کیا، اور صاحبِ بحر نے اس کو رد کردیا ہے، یہ کہہ کر کہ یہ نفلی صدقہ تھا (البحر ج۲، ص۱۸۴)

جیسا کہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابنِ عباس سے روایت کیا ہے کہ مجھے میرے والد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، ان اونٹوں کے سلسلے میں جوان کو آپ نے صدقے کے عطا فرمائے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو صدقہ کے بدلے میں عطا فرمائے تھے، اس کو ابوداؤد نے بنو ہاشم پر صدقہ کے باب میں روایت کیا ہے، اور اس (روایت کی سند) پر انہوں نے اور منذری نے سکوت

اختیار کیا ہے، اور اس کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے (ملاحظہ ہو: مختصر السنن، ج۲، ص۲۴۶)
اور امام نووی نے اس حدیث کا دو طریقوں سے جواب دیا ہے، ایک یہ کہ یہ واقعہ بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہونے سے پہلے کا ہے، پھر یہ حکم ہماری ذکر کردہ احادیث کی وجہ سے منسوخ ہوگیا، دوسرا یہ کہ انہوں نے حضرت عباس سے فقراء کے لئے اونٹ قرض لئے تھے، پھر وہ قرض صدقہ کے اونٹوں سے ادا کیا، اور دوسری روایت میں اس بات کی تائید آئی ہے، اور یہی دوسرا جواب خطابی نے دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (المجموع، ج۶، ص۲۲۷) اور اس بات میں شک نہیں کہ بہتر ظاہرِ حدیث کو لینا ہے، بغیر تاویلات یا منسوخ ہونے کے قول کا ارتکاب کرتے ہوئے، اور مجھے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ حکم صحیح سند والی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکا، جس میں صریح دلالت پائی جاتی ہو، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے اس قول کے ساتھ عنوان قائم کیا ہے کہ ''بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ''تو''ما يذكر '' کی عبارت تضعیف اور شک پر دلالت کرتی ہے۔

اور یہ بات تو نقل کی جہت سے تھی، پھر جب ہم شریعت کی حکمت پر غور کرتے ہیں، تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر، آپ کی حیات میں ہی حرام ہونے کا راجح ہونا پاتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی آل کو صدقات کے لینے سے بچا کر رکھیں، تاکہ آپ مسلمانوں کو پاکدامنی کے عادی ہونے کے لئے ایک اعلیٰ مثال قائم فرمائیں، نہ کہ زکاۃ لینے کی مثال قائم فرمائیں، اور یہ اس عالی شان مبداء کی تطبیق تھی، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا تھا کہ ''اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے'' (جس کو بخاری نے ''بَابُ الْاِسْتِغْنَاءِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ ''

میں کتابُ الزکاۃ کی بحث میں حکیم بن حزام کی حدیث سے ذکر کیا ہے) پس بغیر کسی چیز یا بغیر کسی نفع کے بدلہ کے مال لینے میں دینے والے کی طرف سے لینے والے پر ایک طرح کا احسان کرنا پایا جاتا ہے، اور یہ احسان اس صورت میں ظاہر نہیں ہوتا، جبکہ کوئی حکمران مالداروں سے اپنے زیرِ اثر ضرورت مند عوام کے لئے زکاۃ وغیرہ کا مال لے اور پھر غریبوں پر خرچ کرنے کا نگران بنائے۔

لیکن حکمران کا مومنین سے خود صدقات (وزکاۃ) لینے کے عمل میں بہتر یہ ہے کہ حکمران ایسے احسان والے کام کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لے اور اس کے اہلِ بیت (واہلِ خانہ) اس معاملے میں اسی کے قائم مقام ہیں، اور اس حکم میں ایک اور راز ہے، جس پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہندی نے متنبہ کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر حکمران خود اپنے لئے لے گا، اور اپنے خواص کے لئے اس کے لینے کو جائز قرار دے گا، اور ایسے افراد کو لینے کی اجازت دے گا کہ جن کا نفع اس کے اپنے نفع کے درجہ میں ہے، تو اس کا اندیشہ ہے کہ گمان کرنے والے یہ گمان کریں، اور کہنے والے اس کے حق میں وہ باتیں کہیں کہ جو حق نہیں ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکلیہ بند کرنا چاہا، اور یہ اعلان فرمادیا کہ اس کا نفع ان کی طرف ہی لوٹتا ہے، اور یہ تو عوام کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں کو لوٹایا جاتا ہے، لوگوں کی شفقت اور ان کو خیر پہنچانے اور ان سے شر کو دور کرنے کے لئے (حجۃ اللہ البالغۃ، ج۲ص۵۲۱)

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر تا قیامت زکاۃ کے حرام ہونے کا تعلق ہے، تو اس میں وہ راز اور حکمت ظاہر نہیں ہوتی، جو ہم نے ذکر کی، اور ان حضرات پر تعجب ہے کہ جن حضرات نے زکاۃ کو بنی ہاشم اور بنی مطلب پر تو حرام قرار دے دیا، اور ان کو زکاۃ کا لینا جائز قرار نہیں دیا، اگرچہ ان کو بیتُ المال سے خمس حاصل

نہ ہو، خمس موجود نہ ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ اس زمانہ کی حالت ہے، یا حکمرانوں کی زیادتی کی وجہ سے ایسا ہو، جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں ہوتا رہا ہے، تو بنو ہاشم کے فقیر محتاج لوگ کیا کریں گے، جب انہیں اس ضرورت کو پوری کرنے کے لئے بھی زکاۃ نہیں دی جائے گی؟ اور کیا اہلِ بیتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اکرام ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ وہ بھوکے مر جائیں، اور انہیں زکاۃ کا متعین و مشہور حق نہ دیا جائے؟ اور اسی وجہ سے چاروں فقہائے کرام اور ان کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء کی ایک جماعت نے بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، جبکہ انہیں خمس حاصل نہ ہو، کیونکہ یہ ضرورت وحاجت کا موقع ہے

(ملاحظہ ہو: شرح غایۃ المنتہی، ج۲ص ۱۵۷)

بلکہ بعض مالکیہ نے فرمایا کہ ان کو اس حالت میں زکاۃ دینا دوسروں کو زکاۃ دینے سے افضل ہے (حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر، ج۱ص ۶۶۰، طبع دار المعارف) اور یہی صحیح ہے، واللہ اعلم (فقہ الزکاۃ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور کے مشہور عربی عالم علامہ یوسف قرضاوی بھی آج کے زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کے جواز کے قائل ہیں، اور ان کے استدلال کے کچھ پہلوؤں سے بعض اہلِ علم حضرات کو اختلاف ممکن ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے جو دلائل جواز کے پیش کئے ہیں، اور اس پر وارد ہونے والے شبہات کے جوابات ذکر کئے ہیں، ان سے کم از کم اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کے بعد تا قیامت بنو ہاشم یا بنو مطلب، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلاموں کی نسل کے تمام افراد کے لئے زکاۃ وصدقہ کی حرمت قطعیُ الثبوت وقطعیُ الدلالت درجہ کی نہیں ہے، بلکہ اس میں دوسرے احتمالات بھی پائے جاتے ہیں، اس لئے ایک درجہ میں یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جس میں موجودہ دور کے اہلِ علم حضرات کو غور وفکر کر کے دوسری رائے قائم کرنا کوئی فعلِ منکر نہیں،

اور موجودہ دور میں بنو ہاشم کو زکاۃ کے جواز کے قول کو نصوصِ قاطعہ ومتواترہ کے خلاف قرار دینا راجح نہیں ہے۔

(۲۵)......مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (صدر: مدرسہ دارالعلوم سبیلُ السلام، حیدرآباد دکن، ہندوستان) نے بھی اس موضوع پر قدرے مفصل کلام کیا ہے، اور موجودہ دور میں جواز کے پہلوؤں کی طرف اپنار جحان ومیلان ظاہر کیا ہے، چنانچہ وہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(۱)''سادات و بنو ہاشم کے لئے مطلقاً زکاۃ حرام ہے، اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کا ظاہر اور ان کا اطلاق اس کی تائید میں ہے۔

(۲) بعض حضرات بنو ہاشم کے لئے مطلقاً زکاۃ کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کی طرف سے بعض وہ روایات پیش کی جاتی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم پر صدقہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایسی روایات نقل کی ہیں اور جواب دیا ہے کہ اس سے صدقاتِ نافلہ مراد ہیں، ہمارے زمانہ کے محققین میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے ایک نیا نکتہ اٹھایا ہے کہ حدیث میں جہاں کہیں حرمتِ زکاۃ کا ذکر ہے، وہاں ''آل'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ''ذریت'' کا نہیں، قرآن مجید کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ''آل'' کا لفظ کسی شخص کی اس اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو معاصر (یعنی اس زمانہ میں موجود) ہو، جبکہ ''ذریت'' کا لفظ اس کی موجودہ اور آئندہ نسل کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے آپ کی ''آل'' سے وہ لوگ مراد ہیں، جو آپ کے عہد میں تھے، قیامت تک آنے والے بنو ہاشم نہیں۔

مگر یہ استدلال دو وجوہ سے محلِ نظر ہے، اوّل تو فقہاء ومحدثین نے ازسلف تاخلف ''آل'' اور ''ذریت'' کے درمیان اس فرق کا ذکر نہیں کیا ہے اور ''آل'' سے خود ائمہ اربعہ نے (صحیح تر روایت کے مطابق) قیامت تک آنے والے بنو ہاشم مراد لئے ہیں، نہ ہی عربی لغت کے لحاظ سے ان دونوں الفاظ کے درمیان ایسا کوئی فرق اہلِ سنت نے کیا ہے، دوسرے حدیث میں صرف ''آل'' ہی کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ ''بنی ہاشم'' کی تعبیر کے ساتھ بھی زکاۃ کی ممانعت کا ذکر ہے اور ''بنی فلاں'' کے کلمہ کا موجودہ اور آئندہ خاندانوں پر اطلاق عربی زبان میں عام اور معروف ہے۔[1]

(۳) بعض فقہاء نے بنو ہاشم کے لئے خود بنو ہاشم کی زکاۃ کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف اور ایک قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذکور ہوا، ان کی دلیلیں یہ ہیں:

(الف) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے لوگوں کے صدقات ہمارے لئے حرام کردیئے ہیں، تو کیا ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنی زکاۃ دے سکتا ہے۔ ''هَلْ نَحْنُ لَنَا صَدَقَاتُ بَعْضِنَا لِبَعْضٍ؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں (معرفۃ علوم الحدیث لابی حاکم نیسا پوری، الفرع السابع والثلاثون)

(ب) ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کچھ سامان خرید کیا اور

---

[1] ہم نے جہاں تک علامہ یوسف قرضاوی کے کلام سے سمجھا ہے، اس کی رُو سے علامہ یوسف قرضاوی کا مقصود یہ ہے کہ آل کی دلالت قطعی طور پر تاقیامت آنے والی نسل پر نہیں، اگرچہ علماء کی اکثریت اس کی قائل رہی ہے، اور انہوں نے اس کی شہادت میں قرآنی آیات بھی پیش کی ہیں، لہٰذا ایک حیثیت سے یہ دلالت قطعی کے بجائے ظنی یا اجتہادی ہوئی، اور اس میں لچک پیدا ہوگئی، جہاں تک بنو ہاشم کے الفاظ کا تعلق ہے، تو اس کا ذکر بعض ایسی روایات میں ہے، جن کی سند پر کلام ہے، لہٰذا یہ ثبوت بھی قطعی کے بجائے ظنی اور مجتہد فیہ ہے، علامہ یوسف قرضاوی کی مکمل عبارت ہم نے ترجمہ کے ساتھ اس سے پہلے نمبر میں ذکر کردی ہے۔ محمد رضوان

اس کو نفع کے ساتھ فروخت کیا اور اس کو بنو عبدالمطلب کے محتاج لوگوں پر صدقہ کردیا، ''**فتصدق بها على أرامل بني عبدالمطلب**'' (طحاوی ۱/۲۹۷)

(ج) ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضرت عباس نے ان کو اونٹ کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے عطا فرمایا ''**اعطاها من الصدقة**'' (ابوداؤد، ۱/۲۳۳، باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم)

ان میں سے پہلی روایت متکلم فیہ ہے (اعلاء السنن: ۹/۸۰)

دوسری روایت کے مطابق سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدقاتِ واجبہ میں سے نہیں تھا، چنانچہ خود امام طحاوی نے بھی اس کو صدقاتِ نافلہ ہی پر محمول کیا ہے۔

تیسری روایت کا منشاء یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیتُ المال کے اونٹ میں سے دیا، ظاہر ہے کہ بیتُ المال میں مختلف مدات کے مویشی ہوا کرتے تھے، مگر چوں کہ اکثر جانور زکاۃ کے ہوتے تھے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ تغلیباً ''**اعطاها من الصدقة**'' سے تعبیر کردیا ہو۔

تاہم ان روایات سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے یہ رائے قائم کی ہے، ان کے لئے فی الجملہ استدلالی بنیاد موجود ہے اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ [۱]

(۴) چوتھی رائے یہ ہے کہ اصولی طور پر تو سادات کے لئے زکاۃ جائز نہیں، لیکن ایسے حالات میں کہ بیتُ المال کو مالِ غنیمت وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ایک خمس (پانچویں حصہ) کا مد باقی نہیں رہا، ان کے لئے زکاۃ لینی جائز ہے،

---

[۱] اور علامہ یوسف قرضاوی کا بھی مختلف احتمالات قائم کرکے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ ہی ثابت کرنا ہے، جیسا کہ ان کی عبارت کے ذیل میں گزرا، واللہ اعلم۔ محمد رضوان

جیسا کہ مذکور ہوا، ائمہ اربعہ کے متبعین میں مختلف اجلۂ فقہاء کی یہی رائے ہے اور خود امام ابوحنیفہ کا ایک قول اس طرح کا موجود ہے، ان کے پیشِ نظر یہ بات ہے کہ سادات کے لئے زکاۃ کی حرمت کی حکمت یا علت ''خمس'' میں ان کا استحقاق ہے، آپ نے فرمایا:

''لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَيْءٌ اِنَّمَا هِيَ غُسَالَةُ الْاَيْدِيْ وَاِنَّ لَكُمْ فِيْ خُمُسِ الْخُمُسِ لِمَا يُغْنِيْكُمْ '' (طبرانی عن ابنِ عباس ، الدراية على الهداية: ۲/۲۰۲، وعوضكم منها بخمس الخمس ،کالفظ جو معروف ہے، وہ صحیح طور پر ثابت نہیں ''فتح القدیر: ۲/۲۱۲'')

ترجمہ: تم اہلِ بیت کے لئے صدقات حلال نہیں کہ یہ ہاتھوں کا دھوون ہے اور تمہارے لئے مالِ غنیمت کا خمس (حصہ بیت المال) کا خمس (ذوی القربیٰ کا حصہ) ہے، جو تم کو اس سے بے نیاز کردے گا۔

لہٰذا اب کہ یہ مخصوص مد باقی نہیں رہی، سادات کو اس سے بھی محروم رکھنا قرینِ انصاف نہ ہوگا۔

قولِ ضعیف پر فتویٰ: ہر چند کہ اس دلیل پر کافی کلام کی گنجائش ہے اور بنیادی اہمیت اس امر کی ہے کہ ''خمس'' کا ''عوض'' ہونے کی حیثیت محض حکمت و مصلحت کی ہے، جس کو فقہاء احکام کا مدار نہیں بناتے، یا ''علت'' کی ہے جس پر حکم کا مدار ہوا کرتا ہے؟ [1]

---

[1] اس سلسلہ میں حکمت وعلت کے مسئلہ پر پہلے بھی کلام ہو چکا ہے، اور اہلِ علم حضرات کی ایسی عبارات بھی گزر چکی ہیں کہ جو خمس کے زکاۃ کا عوض ہونے کو علت قرار دیتے ہیں، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی غیر ظاہر الروایۃ کے متعلق بھی متعدد اہلِ علم حضرات نے اسی علت کو مؤثر مانا ہے، اگرچہ بعض حضرات اوساخ الناس کو بھی علت سمجھتے ہیں، لیکن اگر اوساخ الناس کو علت قرار دیا جائے، اور اس علت کو عام قرار دیا جائے، خواہ وہ وسخ کسی بنو ہاشم کا مال ہو، جیسا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ غیر بنو ہاشم کے لئے بھی زکاۃ جائز نہ ہو، اس لئے ہمیں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اوساخ الناس نجاست کے درجہ کی چیز نہیں، بلکہ میل کچیل کے درجہ کی چیز ہے، جس کو حکمت قرار دیا جانا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان

تاہم فی زمانہ سادات کے لئے زکاۃ کا دروازہ کھول کر ہی مقصدِ شریعت کہ (سادات کو ذلت سے بچایا جائے) کی تکمیل کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اب سادات کی اعانت کا جذبہ مفقود ہے، اب ان کو زکاۃ سے محروم کرکے ایک طرف زکاۃ کی ذلت سے بچایا جارہا ہے، لیکن دوسری طرف اس سے بڑی ذلت پر وہ مجبور ہیں کہ دوسروں کے سامنے سوال کا ہاتھ دراز کریں اور دینی مدارس میں تعلیم کا دروازہ ان کے لئے بند کردیا جائے اور ہمیشہ علم سے محروم اور پست رہنے پر مجبور کردیا جائے۔

پس اب سادات کے لئے زکاۃ کی اجازت ایک ضرورت بن گئی ہے اور ضرورت کی بناء پر قولِ ضعیف پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

فَقَدْ ذَكَرَ فِيْ حَيْضِ الْبَحْرِ فِيْ بَحْثِ أَلْوَانِ الدِّمَاءِ أَقْوَالًا ضَعِيْفَةً، ثُمَّ قَالَ: وَفِي الْمِعْرَاجِ عَنْ فَخْرِ الْأَئِمَّةِ: لَوْ أَفْتٰى مُفْتٍ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ فِيْ مَوَاضِعِ الضَّرُوْرَةِ طَلَبًا لِلتَّيْسِيْرِ كَانَ حَسَنًا، اھ، **وَكَذَا قَوْلُ أَبِيْ يُوْسُفَ فِي الْمَنِيِّ إِذَا خَرَجَ بَعْدَ فُتُوْرِ الشَّهْوَةِ لَا يَجِبُ بِهِ الْغَسْلُ ضَعِيْفٌ، وَأَجَازُوْا الْعَمَلَ بِهِ لِلْمُسَافِرِ أَوِ الضَّيْفِ الَّذِيْ خَافَ الرِّيْبَةَ كَمَا سَيَأْتِيْ فِيْ مَحَلِّهِ وَذٰلِكَ مِنْ مَوَاضِعِ الضَّرُوْرَةِ**(ردالمحتار: ۱/۱۷۶)

ترجمہ: بحر میں احکامِ حیض میں دمِ حیض کے رنگ کی بابت مختلف ضعیف رائیں ذکر کی گئی ہیں۔ فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مواقعِ ضرورت میں طلبِ سہولت کے لئے کوئی مفتی ان اقوال میں سے کسی قول پر فتویٰ دے دے تو بہتر ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فتورِ شہوت کے بعد خروجِ منی کی صورت میں کہا ہے کہ غسل واجب نہیں ہوگا، یہ قول ضعیف ہے، لیکن مسافر یا مہمان جو تہمت کا خوف رکھتا ہو

اگراس پر عمل کرے، جیسا کہ اپنے موقع پر یہ بحث آئے گی تو اس کا ایسا کرنا درست ہوگا کہ یہ ضرورت کے مواقع میں سے ہے۔

خلاصۂ بحث: پس حاصل یہ ہے کہ:

اول: دوسری مدات سے سادات کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قربت کا خیال کر کے ان کے حق میں فراخدلی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

دوسرے: اگر سادات کو بالواسطہ زکاۃ کی رقم پہنچائی جاسکتی ہوتو یہ راستہ اختیار کرنا چاہئے، مثلاً شوہر و بیوی میں سے ایک سید ہو، دوسرا نہ ہو، تو جو سید نہ ہو، اس کو زکاۃ دی جائے۔ ماں سادات میں سے ہو، اولاد نہ ہو تو اولاد کو، اور اولاد سید ہو، ماں سید نہ ہو تو ماں کو زکاۃ سے مدد دی جائے۔

تیسرے: اگر کسی دوسری مد سے اعانت کی گنجائش نہ ہو اور بالواسطہ زکاۃ سے مدد پہنچانی ممکن نہ ہو اور وہ ضرورت مند ہوں، تو موجودہ حالات میں سادات کو زکاۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام طحاوی، علامہ ابہری مالکی، اصطخری شافعی، امام رازی، علامہ ابنِ تیمیہ اور ایک قول کے مطابق امام مالک اور اکابر علمائے ہند میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے ہے (جدید فقہی مسائل، جلد دوم، صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۴، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی، تاریخِ اشاعت: جون 2005ء)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی ضرورت ومجبوری کے وقت بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جواز کی گنجائش کے قائل ہیں۔

(۲۶)......فتاویٰ دارُالعلوم زکریا کی عبارت

فتاویٰ دارُالعلوم زکریا میں ہے کہ:

امام ابوحنیفہ کی یہ روایت جواز اگرچہ غیر ظاہرُ الروایۃ ہے، لیکن اس کے ثبوت کی نفی کسی نے نہیں کی، نیز ضرورت کے وقت غیر ظاہرُ الراویۃ پر فتویٰ دینا بھی ائمہ حضرات کے یہاں رائج ہے، ملاحظہ ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: وَقِيْلَ يُفْتٰى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ إِنْ أَخَّرَهُ شَهْرًا بِلَا عُذْرٍ بَطَلَتْ.

وَفِيْ جَامِعِ الْخَانِيِّ: اَلْفَتْوٰى الْيَوْمَ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ لِتَغَيُّرِ أَحْوَالِ النَّاسِ فِيْ قَصْدِ الْإِضْرَارِ اهـ، وَبِهٖ ظَهَرَ أَنَّ إِفْتَاءَ هُمْ بِخِلَافِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِتَغَيُّرِ الزَّمَانِ فَلَا يُرَجَّحُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ مُصَحَّحًا أَيْضًا كَمَا مَرَّ فِي الْغَصَبِ فِيْ مَسْأَلَةِ صِبْغِ الثَّوْبِ بِالسَّوَادِ وَلَهٗ نَظَائِرُ كَثِيْرَةٌ، بَلْ قَدْ أَفْتَوْا بِمَا يُخَالِفُ رِوَايَةَ أَئِمَّتِنَا الثَّلَاثَةِ كَالْمَسَائِلِ الْمُفْتٰى فِيْهَا بِقَوْلِ زُفَرَ وَكَمَسْأَلَةِ الْإِسْتِئْجَارِ عَلَى التَّعْلِيْمِ وَنَحْوِهٖ فَافْهَمْ (الدر مع الشامی: ۲۲۶/۶، باب طلب الشفعة، سعید)

مفتی مختار اللہ صاحب، مفتی دارالعلوم حقانیہ، جو بندہ سے تلمذ کی نسبت بھی رکھتے ہیں، انہوں نے اس مسئلہ پر ایک مفصل مقالہ تحریر فرمایا ہے، ہم قارئین سے استدعا کرتے ہیں کہ اس رسالہ سے بھی استفادہ کریں۔ [1]

اشکال اور جواب:

اشکال: جو حضرات جواز کے قائل ہیں، ان پر یہ اشکال عائد ہوتا ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِىَ اَوْسَاخُ النَّاسِ، وَاِنَّهَا لَاتَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ (رواہ مسلم: ۳۴۵/۱)

"یعنی صدقات لوگوں کا میل کچیل ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل کے

---

[1] ہم نے مفتی مختار اللہ صاحب کا یہ مضمون ملاحظہ کیا ہے، اور اس کے چند ضروری اقتباسات اس رسالہ میں شامل ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

لئے حلال نہیں ہیں‘‘

اس کی مخالفت لازم آتی ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس حدیث کی تاویل ان کے نزدیک یہ ہوسکتی ہے کہ حل کامل نہیں، یعنی مناسب نہیں، بہت سے مواقع میں ’’لاتحل‘‘ کا مطلب علماء نے نامناسب لکھا ہے، مثلاً سنن ابی داؤد، ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث مذکور ہے:

’’لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ‘‘

علماء نے اس حدیث میں لفظ ’’لاتحل‘‘ کی تاویل فرمائی ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ حلال نہیں، بلکہ اس کے معنیٰ ہے، مناسب نہیں یا کامل حلال نہیں۔ [۱]

ملاحظہ ہو ابوداؤد کے حاشیہ میں ہے:

لَا تَحِلُّ حِلًّا کَامِلًا (حاشية ابوداؤد شريف، ۱: ۲۳۱)

مرقاۃ میں ہے:

فِيْهِ نَفْیُ کَمَالِ الْحِلِّ لَا نَفْسِ الْحِلِّ (مرقاة، ۴/۱۶۹)

شرح معانی الآثار میں ہے:

وَذَهَبُوْا فِیْ تَأْوِيْلِ هٰذِهِ الْآثَارِ الْمُتَقَدِّمَةِ إِلٰی أَنَّ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ أَیْ أَنَّهَا لَا تَحِلُّ لَهٗ، کَمَا تَحِلُّ لِلْفَقِيْرِ الزَّمِنِ الَّذِیْ لَا يَقْدِرُ عَلٰی غَيْرِهَا، فَيَأْخُذُهَا عَلَی الضَّرُوْرَةِ ......مِنْ ذٰلِکَ، مَا رُوِیَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: لَيْسَ الْمِسْکِيْنُ بِالطَّوَّافِ وَلَا بِالَّذِیْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ

---

[۱] بلکہ ایک حدیث میں الفاظ ’’لاتنبغی‘‘ کے ہیں، اور علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے بھی اس احتمال کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ گزرا۔

ثم قال إن الصدقة لا تنبغى لآل محمد . إنما هى أوساخ الناس (مسلم، رقم الحديث ۱۰۷۲ "۱۶۷")

وَالتَّمْرَتَانِ (شرح معانی الآثار: ۱/۳۳۵)

اس طرح حدیث میں ہے:

اَلضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ ، لَايَحِلُّ لَهُ اَنْ يَّثْوِىَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ.

یعنی مہمان کے لئے میزبان کے ہاں تین دن سے زائد ٹھہرنا حلال نہیں، اس کا مطلب بھی حرام ہونا نہیں، بلکہ نامناسب اور مکروہ ہے۔

نیز جو لوگ اپنے آپ کو بنو ہاشم کہتے ہیں، وہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، اور ان میں بے شمار حاجت مند فقراء ہیں، اور لوگوں کی عادت یہ ہے کہ نفلی صدقات بہت کم دیتے ہیں، لہٰذا اس ضرورت کی بناء پر علماء نے زکاۃ کی رقم بنو ہاشم کو دینا جائز قرار دیا ہے، ورنہ سوال کی ذلتی اس سے زیادہ سخت اور اہانت کا باعث ہے (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد سوم، صفحہ ۲۲۵ تا ۲۲۷، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی، تاریخِ اشاعت: نومبر 2009ء)

فائدہ: اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کی گنجائش ہے۔

(۲۷)......مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کی رائے

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب (مفتی ومدرس: جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) نے ''سادات اور بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا ہے، جس میں انہوں نے موجودہ دور میں بنو ہاشم کو زکاۃ کے جائز ہونے کی طرف مدلل انداز میں اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔

وہ اپنے اس مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ظاہرُ الروایۃ کے مطابق تو بنو ہاشم کو زکاۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں، مگر

نادرُالروایۃ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خمسُ الخمس جو اِن کوزکاۃ ودیگر صدقاتِ واجبہ کے عوض ملتا تھا، منقطع ہوا، تو اب بھی اگر ان کوزکاۃ یا دیگر صدقات سے محروم رکھا جائے، اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ لوگ نفلی صدقات تو درکنار فرض زکاۃ کی ادائیگی میں لیت ولعل سے کام لیتے ہیں، اور اس سے بچنے کے لئے سو بہانے تلاش کرتے ہیں، اگر ان کو صدقاتِ واجبہ دینے کی اجازت نہ دی جائے تو لازماً خاندانِ رسول اللہ کے غریب لوگ، مالدار اور صاحبِ ثروت افراد کے سامنے دستِ سوال پھیلائیں گے، جو انتہائی ذلت ورسوائی کا کام ہے، حالانکہ بنو ہاشم اور سادات باعزت لوگ ہیں، اور مسلمانوں پر ان کی عزت کرنا، ان کا مذہبی فریضہ ہے، زکاۃ کی وصولی، سوال اور گداگری کے سامنے ذلت نہیں، اس لئے موجودہ حالات کے پیشِ نظر سادات کوزکاۃ دینا ہی چاہئے، اگرچہ یہ رائے ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے، مگر ضرورت وحاجت کے تحت غیر ظاہر الروایۃ کو بھی ترجیح دی جاسکتی ہے، فقہ حنفی میں بہت سارے ایسے مسائل موجود ہیں، جن کو ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں متاخرین فقہائے کرام نے ضرورت وحاجت کے تحت ترجیح دی ہے، حالانکہ ان مسائل کی ذاتی حیثیت نادر الروایۃ کی ہے یا وہ متاخرین فقہائے کرام کے فتاویٰ ہیں (سہ ماہی مجلّہ ''المباحث الاسلامیہ'' جلد ۴، شمارہ ۲، ۱۵ جون ۲۰۰۶ء تا ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴، مطبوعہ: جامعہ المرکز الاسلامی، ڈیرہ روڈ، بنوں، مضمون ''سادات اور بنو ہاشم کوزکاۃ دینے کی شرعی حیثیت'' از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی)

پھر مزید آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ظاہرُ الروایۃ کے مطابق بنو ہاشم اور سادات کوزکاۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں، مگر نادرُالروایۃ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمسُ الخمس جو بنو ہاشم کوزکاۃ اور صدقاتِ واجبہ

کے عوض ملتا تھا، منقطع ہوا، تو امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جواز کا قول فرمایا، اور اس ضرورت وحاجت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امام طحاوی رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء نے اس نادرُ الروایۃ قول کو ترجیح دی، اور ان کے علاوہ بعض فقہائے شوافع، حنابلہ اور مالکیہ نے بھی حالات اور ضروریات کے تحت جواز کا فتویٰ دے دیا، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اور یہی رائے موجودہ حالات میں بھی قرینِ قیاس ہے، اس لئے کہ لوگ نفلی صدقات تو درکنار فرض زکاۃ کی ادائیگی میں بھی لیت ولعل سے کام لیتے ہیں، اور زکاۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے سو بہانے تلاش کرتے ہیں، تو اگر ان حالات میں بھی بنو ہاشم کو صدقاتِ واجبہ دینے کی اجازت نہ دی جائے، تو لازماً خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب اور محتاج افراد، مالدار اور اصحابِ ثروت کے سامنے دست دراز کرتے رہیں گے، جو انتہائی ذلت ورسوائی کی بات ہے، اس لئے کہ بنو ہاشم اور سادات ذی شرف اصحابِ عز وصفا لوگ ہیں، ان کی عزت وعصمت کا خیال رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے، مگر موجودہ حالات میں مسلمان اپنی مذہبی اور دینی ذمہ داریوں کی تکمیل میں کوتاہی کا شکار ہیں، جس سے لازماً یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بنو ہاشم اور سادات سوال کرنے بلکہ غربت وافلاس کی وجہ سے دین چھوڑنے پر مجبور ہو چکے ہیں، تو اگرچہ بنو ہاشم کو زکاۃ کے جواز کا قول نادرُ الروایۃ ہے، مگر ضرورت کے تحت اس کو ترجیح دینا کوئی نئی بات نہیں، بلکہ فقہ حنفیہ میں بہت سارے ایسے مسائل موجود ہیں، جو بذاتِ خود نادرُ الروایۃ ہیں، مگر ظاہرُ الروایۃ کے مقابلہ میں متاخرین فقہائے کرام نے ضرورت وحاجت کے تحت مفتیٰ بہ قرار دیا ہے (سہ ماہی مجلّہ ''المباحث الاسلامیہ'' جلد۴، شمارہ ۳، ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴، مضمون ''سادات خاندان کو زکاۃ دینے کی شرعی حیثیت'' از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی)

اور پھر اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

لٰہذا میری ناقص رائے میں یہ بات آئی ہے کہ اس دور میں ان حالات اور ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے بنو ہاشم اور سادات کے لئے زکاۃ جائز ہونے کی گنجائش ہونی چاہیئے، اس لئے کہ اس دور میں سادات کے لئے زکاۃ کا دروازہ کھول کر ہی مقصدِ شریعتِ مقدسہ (سادات کو ذلت سے بچایا جائے) کی تکمیل ہوسکتی ہے، کیونکہ لوگوں میں سادات کی اعانت اور امداد کا جذبہ مفقود ہوچکا ہے، اور حکومتی سطح پر بھی ان کی کفالت کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں، لٰہذا اب بھی اگر ان کو زکاۃ سے محروم رکھا جائے، ایک طرف تو یہ لوگ زکاۃ کی ذلت سے بچ جائیں گے، لیکن دوسری طرف ان کو بڑی ذلت ورسوائی پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے، اور خصوصاً دینی مدارس میں ان پر تعلیم کا دروازہ، ان کے لئے بند ہوجائے گا، اس لئے کہ مدارسِ دینیہ عموماً زکاۃ اور دیگر صدقات سے چلتے ہیں، اور بلکہ دنیوی تعلیم سے بھی محروم ہوجائیں گے، اس لئے کہ سکول اور کالج میں غریب طلبہ کو جو سکالرشپ ملتا ہے، وہ بھی زکاۃ ہی کی مد میں دیا جاتا ہے، اسی طرح زندگی کے مختلف امور میں حکومتی امداد سے بھی محروم ہوجائیں گے، اس لئے کہ ہسپتالوں میں مفت علاج اور اس علاج کے لئے حکومت کی طرف سے معاونت بھی زکاۃ ہی کی مد سے ہوتی ہے، بیٹی کی شادی یا دیگر ضروریات میں معاونت کے طور پر حکومت جو مالی امداد کرتی ہے، وہ بھی زکاۃ کی مد سے ہوتی ہے، لٰہذا اگر اس دور میں بھی ان کو زکاۃ سے محروم رکھا جائے، تو غریب سید اور ہاشمی زندگی اور حیات کی تمام تر سہولیات سے محروم ہوجائیں گے، اور اس کی تکمیل کے لئے وہ نت نئے راستے تلاش کریں گے، لٰہذا آسانی اور سہولت اسی میں ہے کہ بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کو جائز قرار دیا جائے، اور اسی

سہولت اور یُسر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بھی دیا ہے (سہ ماہی مجلّہ ''المباحث الاسلامیہ'' جلد۴، شمارہ ۳، ۱۵ستمبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، مطبوعہ: جامعہ المرکز الاسلامی، ڈیرہ روڈ، بنوں، مضمون ''سادات خاندان کوزکاۃ دینے کی شرعی حیثیت'' از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کے نزدیک بھی بوقتِ ضرورت بنوہاشم کوزکاۃ دینا جائز ہے۔

بہرحال گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت اور بعض حنفیہ کے فتوے اور رجحان کے علاوہ دیگر تینوں فقہائے کرام کے سلسلہ کے کئی جلیلُ القدر و عظیمُ المرتبت اہلِ علم حضرات سے بھی ضرورت کے وقت بنوہاشم کے لئے زکاۃ کا جواز اور اس کی طرف مدلَّل انداز میں میلان مروی ہے۔ [1]

اور یہ مسئلہ بعض جہات سے مجتہَد فیہ ہے، اور اس میں ائمہ اربعہ کے اصل مذہب کے مطابق عدمِ جواز سے یہ مسئلہ مجتہَد فیہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ اس کی تعلیل وعرف مختلف فیہ ہو جس پر بوقتِ ضرورت عمل وفتوے کے متعلق اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] وقد نقل الطبری الجواز عن أبی حنيفة، وقيل :يجوز لهم إذا حرموا سهم ذوی القربی حكاه الطحاوی، ونقل عن الأبهری وهو وجه لبعض الشافعية وعن أبی يوسف :يحل من بعضهم لبعض لا من غيرهم، وعند المالكية فی ذلک أربعة أقوال مشهورة :الجواز، المنع، جواز التطوع دون الفرض، عكسه(التنوير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۲۰۴۲)

وقد نقل عن أبی حنيفة وعن المالكية وبعض الشافعية :جواز إعطاء الهاشميين من الزكاة، لأنهم حرموا من بيت المال سهم ذوی القربی، منعاً لتضييعهم ولحاجتهم، عملاً بالمصالح المرسلة. وإعطاؤهم ـ كما قال الدسوقی المالكی ـ حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم .وتحل صدقة التطوع لهم عند الأكثرين(الفقه الاسلامی وادلته للزحيلی، ج۳ص۱۹۶۸، كتاب الزكاة، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الاول)

[2] والمجتهد فيه كل حكم شرعی ليس فيه دليل قطعی .واحترزنا بالشرعی عن العقليات ومسائل الكلام، فإن الحق فيها واحد والمصيب واحد والمخطء آثم.

وإنما نعنی بالمجتهد فيه ما لا يكون المخطء فيه آثما؛ ووجوب الصلوات الخمس والزكوات وما اتفقت عليه الأمة من جليات الشرع فيها أدلة قطعية يأثم فيها المخالف فليس ذلک محل الاجتهاد(المستصفی للامام الغزالی، ج ۱ ص ۳۴۵، القطب الرابع، الفن الاول فی الاجتهاد، النظر الاول فی اركان الاجتهاد واحكامه)

(خاتمۃُ الکلام)

چند شبہات کا ازالہ

آخر میں اس مسئلہ سے متعلق چند شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

(۱)......ابوعصمہ کے متعلق شبہ کا جواب

حنفیہ کی کتب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف جو یہ روایت منسوب ہے کہ آج کے دور میں بنوہاشم کے لئے تمام صدقات (بشمول زکاۃ کے) جائز ہیں۔

اس کے متعلق بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ روایت ابوعصمہ سے مروی ہے، اور ابوعصمہ کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے یہ روایت ناقابلِ اعتبار بلکہ جعلی ہے، اور اس روایت کی بنیاد پر کسی بھی طرح بنوہاشم کو زکاۃ کے جواز کی گنجائش دینا درست نہیں۔

لیکن ہمیں ان حضرات کے مذکورہ دعوے سے اتفاق نہیں ہوسکا، کیونکہ اولاً تو سلسلۂ مشائخ واکابرِ حنفیہ میں ابوعصمہ کنیت کے ایک شخص وہ ہیں، جن کا نام نوح بن ابی مریم ہے، اور ابوعصمہ کنیت کے دوسرے شخص وہ ہیں، جن کا نام سعد بن معاذ مروزی ہے۔ [1]

اب اگر ابوعصمہ سے نوح بن ابی مریم کو مراد لیا جائے، تو ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ

---

[1] ر أبو عصمة (۱۷۳ھـ)هو نوح بن أبی مريم يزيد بن أبی جعونة .لقب بالجامع قيل لأنه أول من جمع فقه أبی حنيفة، وقيل لأنه كان جامعا بين العلوم .أخذ الفقه عن أبی حنيفة وابن أبی ليلی، وروى الحديث عن الزهری وغيره .قال أحمد :كان شديدا علی الجهمية .ولی قضاء مرو.(الجواهر المضية ۱/۱۷۶ و ۲/۲۵۸)

وهناک أبو عصمة آخر حنفی اسمه (سعد بن معاذ المروزی) مذكور فی الهداية .انظر الجواهر المضية ۲/۲۵۸؛ ولم يذكر تاريخ وفاته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱،ص۳۳۸، مادة "الف")

کے فقہ کو سب سے پہلے جمع کیا تھا، اور ان کے قضا کے عہدہ پر مامور ہونے کے زمانہ میں قاضی ابو یوسف ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

اور محدثین نے احادیث کے باب میں ان پر جرح کی ہے، اور بعض حضرات نے ان پر شدید جرح بھی کی ہے، لیکن ابنِ عدی نے ان کو حدیث کے باب میں ہلکے درجہ کا ضعیف قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کچھ قوتِ حافظہ کی شکایت تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] الجامع لقب أبی عصمة المروزی واسمه نوح وإنما ذكرته هنا لغلبة اللقب عليه قيل لقب بذلك لأنه أول من جمع فقه أبی حنيفة وقيل لأنه كان جامعا بين العلوم كان له أربع مجالس مجلس للأثر ومجلس لأقاويل أبی حنيفة ومجلس للنحو ومجلس للشعر وهو أبو عصمة نوح بن أبی مريم يزيد بن جعونة روى عن الزهری ومقاتل بن حيان توفی سنة ثلاث وسبعين ومائة وكان على قضاء مرو فی خلافة المنصور وامتدت حياته ولما استقضی علی مرو كتب إليه أبو حنيفة يعظه أخذ الفقه عن أبی حنيفة وابن أبی ليلى والحديث عن الحجاج بن أرطأة والتفسير عن الكلبی ومقاتل والمغازی عن ابن إسحاق وروى عنه نعيم بن حماد شيخ البخاری فی آخرين قال الإمام أحمد بن حنبل كان شديدا على الجهيمة ويأتی فی الكنى له زيادة ترجمة(الجواهر المضية فی طبقات الحنفية، ج ا ص ۱۷٦، ۱۷۷،تحت رقم الترجمة ۳۹۴، حرف الجيم، لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشی،الحنفی)

أبو عصمة الملقب بالجامع وفی هذا الباب ذكره السمعانی وقال هذا اللقب أبو عصمة المروزی قيل إنما لقب به لأنه أول من جمع فقه أبی حنيفة وقيل لأنه كان جامعا بين العلوم كان له أربعة مجالس مجلس الأثر ومجلس لأقاويل أبی حنيفة ومجلس النحو ومجلس الأشعار قال وهو أبو عصمة نوح ابن أبی مريم واسمه يزيد بن جعونة الجامع المروزی يروی عن الزهری ومقاتل بن حيان أبی بسطام مات سنة ثلاث وسبعين ومائة كان على قضاء مرو انتهى قال أبو عصمة كنت جالسا ذات يوم عند أبی حنيفة إذ دخل عليه رجل فقال يا أبا حنيفة ما تقول فی رجل توضأ فی إناء نظيف أيجوز لغيره أن يتوضأ بهذا الماء قال لا قلت له لم لا يجوز يا أبا حنيفة قال لأنه ماء مستعمل قال فصرت إلى سفيان الثوری فسألته عن هذه المسئلة فقال سفيان يجوز أن يتوضأ به فقلت له إن أبا حنيفة قال لا يجوز التوضأ بذلك قال لی ولم قال كذا قلت قال لأنه ماء مستعمل قال فما مضت جمعة حتى جلست إلى سفيان فإذا رجل قد سأله عن هذه المسئلة بعينها فقال سفيان لا يجوز لأنه ماء مستعمل(الجواهر المضية فی طبقات الحنفية، ج ۲ ص ۲۵۸،تحت رقم الترجمة ۱۲۵ ، لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشی،الحنفی)

[2] نوح بن يزيد (أبی مريم) بن جعونة المروزی، القرشی بالولاء ، أبو عصمة :قاضی مرو. ويلقب بالجامع، لجمعه علوما كثيرة .وكان مرجئا، مطعونا فی روايته الحديث .من كلامه :ما أقبح اللحن من متقعر(الاعلام للزركلی، ۸ص ۵۱، حرف النون)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ حنفی میں مذکور اس روایت کے راوی یہی ہوں، تو تب بھی فقہ حنفی میں بنوہاشم کے لئے زکاۃ کے جواز کے مسئلہ کے متعلق اس روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اولاً تو یہ روایت حدیث سے متعلق نہیں، بلکہ فقہ سے متعلق ہے، اور یہ بات ممکن ہے کہ کوئی راوی احادیث کے باب میں کمزور شمار کیا جائے، لیکن فقہ کے باب میں اس کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نوح الجامع، هو أبو عصمة نوح بن أبى مريم المروزى الفقيه، (الوفاة ۱۷۱ - ۱۸۰ هـ) أحد الأعلام، ويلقب بنوح الجامع لمعنى، وهو أنه أخذ الفقه عن أبى حنيفة، وابن أبى ليلى، والحديث عن حجاج بن أبى أرطأة، والتفسير عن الكلبي ومقاتل، والمغازى عن ابن إسحاق.

وروى أيضا عن :الزهرى، وعمرو بن دينار، وابن المنكدر، وعدة،

وعنه :بسر بن القاسم، وعبد الوهاب بن حبيب الفراء ، وحماد بن قيراط، ونعيم بن حماد، وحبان بن موسى، وسويد بن نصر، ومحمد بن معاوية، والحسن بن عيسى بن ماسرجس، وغيرهم.

وولى قضاء مرو فى حياة شيخه أبى حنيفة، فكتب إليه أبو حنيفة بموعظة معروفة عند المراوزة.

قال ابن حبان :قد جمع كل شىء إلا الصدق.

وقيل :كان مرجئا.

وذكر أبو عبد الله الحاكم أنه وضع حديث "فضائل سور القرآن ."

وذكره ابن عدى فى "كامله "، وساق له عدة مناكير، ثم قال :وله غير ما ذكرت، وعامته لا يتابع عليه، وهو مع ضعفه يكتب حديثه.

وقال أحمد بن حنبل :لم يكن فى الحديث بذاك، يعنى كان لا يجود حفظ الحديث، قال :وكان شديدا على الجهمية، وتعلم ذلك منه نعيم بن حماد.

وقال مسلم بن الحجاج :متروك الحديث.

وقال نعيم بن حماد :سئل عبد الله بن المبارك عن نوح الجامع فقال :هو يقول لا إله إلا الله .

وقال البخارى :ذاهب الحديث جدا.

وقال ابن حبان :اسم أبيه أبى مريم :يزيد بن جعونة، لا يجوز الاحتجاج بنوح بحال، وهو الذى روى عن يحيى بن سعيد الأنصارى، عن سعيد بن المسيب، عن أبى هريرة قال " :نهى رسول الله - صلى الله عليه وسلم -أن يقطع الخبز بالسكين "، وقال " :أكرموا الخبز فإن الله أكرمه ."مات سنة ثلاث وسبعين ومائة(تاريخ الاسلام للذهبى، ج۴ص۷۵۷، تحت رقم الترجمة ۳۰۳)

نوح بن أبى مريم أبو عصمة(يقال نوح بن يزيد الجامع) مروزى.

قال ابن المبارك -وقد سئل عنه :-هو يقول "لا إله إلا الله . !"

وقال العباس بن مصعب :كان أبوه أبو مريم مجوسيا اسمه (مابنه) ، واستقضى على مرو وأبو حنيفة حى، فكتب إليه أبو حنيفة بكتاب موعظة، (والكتاب يتداوله أهل مرو بينهم) وكان (يعيبه) أبو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بات قبول کرلی جائے، ورنہ تو فقہ کے بے شمار مسائل کی تردید لازم آتی ہے، جیسا کہ بعض راویوں کو محدثین نے احادیث کے باب میں ضعیف قرار دیا ہے، مگر تفسیر یا تاریخ کے بارے میں ان کی بات نا قابلِ اعتبار شمار نہیں کی جاتی، دوسرے امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض دیگر متقدمین احناف نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے، اور انہوں نے ابوعصمہ کا ذکر نہیں کیا، جس میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ روایت کسی اور سند سے بھی مروی ہو، تیسرے اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ موقف تنہا اور اجنبی نہیں ہے، بلکہ اس موقف کے امت میں اور بھی بہت سے اہلِ علم قائل رہے ہیں، اور شرعی وفقہی دلائل سے اس موقف کی بھی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے۔

اور اگر ابوعصمہ سے مراد سعد بن معاذ مروزی ہوں، تو ان پر محدثین کی مذکورہ جرح نہیں ملتی، اور فقہائے کرام نے ان کی روایات کا بھی امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے اجل فقہاء سے مذکور ہونا بیان کیا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يوسف، وإنما سمى الجامع لأنه أخذ الرأى عن أبى حنيفة وابن أبى ليلى، والحديث عن حجاج بن أرطاة ومن كان فى زمانه، وأخذ المغازى عن ابن إسحاق، والتفسير عن الكلبى ومقاتل، وكان مع ذلك عالما بأمور الدنيا فسمى "نوح الجامع"، روى عنه ابن المبارك وشعبة، وأدرك الزهرى وابن أبى مليكة، وكان يدلس عنهما.وقيل لوكيع :أبو عصمة؟ قال :ما تصنع به، لم يرو عنه ابن المبارك.وقال ابن معين :نوح بن أبى مريم ليس بشىء، ولا يكتب حديثه.وقال البخارى :نوح بن يزيد بن جعونة -يقال أنه نوح بن أبى مريم -عن مقاتل ابن حيان، منكر الحديث.وقال السعدى :سقط حديثه.وقال ابن حماد :متروك الحديث.وقال ابن عدى : وعامة حديثه لا يتابع عليه، وقد روى عنه شعبة (وهو مع ضعفه يكتب حديثه(مختصر الكامل فى الضعفاء، ج ا ص ۷۶۳، ۷۶۴، تحت رقم الترجمة ۱۹۷۵، للمقريزى)

[۱] وذكر أبو عصمة سعد بن معاذ المروزى عن محمد رحمه الله :أن صلاته ثابتة، وذكر فى مختصر الكرخى :أنه لا تفسد صلاة الإمام، ولم ينتسب هذا القول إلى أحد(المحيط البرهانى، ج ا، ص ۴۹۰، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فى الاستخلاف)

ولو استأجرت زوجها ليخدمها قال هو جائز هكذا ذكر فى ظاهر الرواية وروى أبو عصمة سعد بن معاد المرورى عن أبى حنيفة، أنه باطل وذكر فى كتاب جعل الآبق أن المرأة متى استأجرت زوجها، فله أن لا يخدمها ومتى رفع إلى القاضى فإن القاضى يفسخ العقد وينقضه(المحيط البرهانى، ج۷، ص ۴۵۲، كتاب الإجارات، الفصل الحادى عشر :فى الاستئجار للخدمة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ ابوعصمہ کی اس روایت کا اجلِّ فقہائے احناف ہر دور میں ذکر کرتے آئے ہیں، مگر کسی نے اس روایت کو موضوع یا من گھڑت قرار نہیں دیا، لہٰذا ہمیں اس روایت کو موضوع یا من گھڑت قرار دینے کے دعویٰ سے اتفاق نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ کے مطابق بنوہاشم کو زکاۃ اور صدقات کا دینا جائز نہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق ایسے زمانہ میں جبکہ بنوہاشم کے لئے مالِ غنیمت کی شکل میں زکاۃ وصدقہ کا عوض وبدل موجود نہ ہو، تو ان کو زکاۃ اور ہر قسم کے صدقات کا دینا جائز ہے، اور بعض حنفیہ کا اسی پر فتویٰ ہے، اور امام ابویوسف اور بقول بعض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنوہاشم کا اپنی زکاۃ کو دوسرے غریب بنوہاشم کو دینا جائز ہے، اور حنفیہ کے علاوہ کئی دیگر فقہائے کرام کے متبعین ومشائخ اور مجتہدین واکابر اور معاصر بھی اس کے قائل ہیں، اور بعض حضرات کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب جواز کی روایت کو غیر ثابت یا جعلی ومصنوعی قرار دینا، ہمارے نزدیک راجح نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولو استأجرت المرأة زوجها للخدمة أو لرعي الغنم فهو جائز وله أن يفسخها ولا يخدمها في ظاهر الرواية وروى أبو عصمة سعد بن معاذ المروزي عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أنه باطل وهكذا ذكر الحاكم في مختصره وجه ظاهر الرواية أن خدمتها غير مستحقة عليه ومنافعه مملوكة له فجازت الإجارة بهذا الاعتبار ولو خدمها استحق الأجر. كذا في محيط السرخسي وبه يفتي. كذا في جواهر الأخلاطي (الفتاویٰ الهندية، ج۴ ص۴۳۵، كتاب الاجارة، الباب الحادي عشر)

وأما التقدير بالمساحة فقد قال أبو عصمة كان محمد - رحمه الله تعالى - يقدر في ذلك عشرة في عشرة، ثم رجع إلى قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -، وقال: لا أقدر فيه شيئا (المبسوط للسرخسي، ج۱، ص۷۱، باب الوضوء والغسل)

(قال أبو عصمة - رحمه الله -) ش: هو سعيد بن معاذ المروزي تلميذ إبراهيم بن يوسف، وهو تلميذ أبي يوسف القاضي - رحمه الله (البناية شرح الهداية، ج۱۱، ص۲۲۸، كتاب الغصب)

(أبو عصمة) ش: وهو سعد بن معاذ المروزي - رحمه الله - من كبار أصحابنا (البناية شرح الهداية، ج۱۲، ص۱۴۰، كتاب الكراهية)

[1] ومنها دفع الزكاة إلى الأشراف العلويين أفتى الإمام فخر الدين الرازي بجوازه في هذه الأزمنة حين منعوا سهمهم من بيت المال وأضر بهم الفقر (عقد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج ا ص ۲۰، فصل فی المجتهد فی المذهب وفیه مسائل، للشاه ولی الله الدهلوی)

وحکی أبو عصمة الکبیر عن أبی حنیفة :أنه تجوز الصدقة لفقراء بنی هاشم، وروی ابن سماعة عن أبی یوسف أنه قال :لا بأس بصدقة بنی هاشم بعض علی بعض، ولا أری الصدقة علیهم، ولا علی موالیهم من غیرهم(المحیط البرهانی، ج۲ص ۲۸۴، کتاب الزکاة، الفصل الثامن)

وهو ظاهر الروایة وروی أبو عصمة عن الإمام أنه یجوز الدفع لبنی هاشم فی زمانه؛ لأن لهم فی عوضها خمس الخمس ولم یصل إلیهم وروی أن الهاشمی یجوز له دفع زکاته إلی هاشمی مثله(مجمع الانهر، ج ا ص ۲۲۴، کتاب الزکاة، باب فی بیان احکام المصرف)

(قوله وروی أبو عصمة عن أبی حنیفة جواز دفع الزکاة إلخ) قال الطحطاوی هذه الروایة عن أبی حنیفة لیست بالمشهورة .اهـ .غایة وفی شرح الآثار عن أبی حنیفة لا بأس بالصدقات کلها علی بنی هاشم والحرمة للعوض وهو خمس الخمس فلما سقط ذلک بموته -علیه الصلاة والسلام - حلت لهم الصدقة قال الطحطاوی وبه نأخذ وفی النتف یجوز الصرف إلی بنی هاشم فی قوله خلافا لهما .اهـ .کاکی(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، ج ا ص ۳۰۴، کتاب الزکاة، باب المصرف)

قوله" :وبنی هاشم "أطلق المنع فعم کل الأزمان وسواء فی ذلک دفع بعضهم لبعض ودفع غیرهم لهم وجوز أبو یوسف دفع بعضهم لبعض وهو روایة عن الإمام نهر قوله" :واختار الطحاوی دفعها لبنی هاشم "وکذا روی أبو عصمة عن الإمام أنه یجوز الدفع إلی بنی هاشم فی زمانه لأن عوضها وهو خمس الخمس لم یصل إلیهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإیصالها إلی غیر مستحقیها فإذا لم یصل إلیهم العوض عادوا إلی المعوض وأقره القهستانی کذا فی شرح الملتقی(حاشیة الطحطاوی علی مراقی، ج ا ص ۷۲۰، ۷۲۱، کتاب الزکاة، باب المصرف)

(قوله :إطلاق المنع إلخ) یعنی سواء فی ذلک کل الأزمان وسواء فی ذلک دفع بعضهم لبعض ودفع غیرهم لهم .وروی أبو عصمة عن الإمام أنه یجوز الدفع إلی بنی هاشم فی زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم یصل إلیهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإیصالها إلی مستحقیها .وإذا لم یصل إلیهم العوض عادوا إلی المعوض کذا فی البحر.

وقال فی النهر :وجوز أبو یوسف دفع بعضهم إلی بعض وهو روایة عن الإمام، وقول العینی والهاشمی یجوز له أن یدفع زکاته إلی هاشمی مثله عند أبی حنیفة خلافا لأبی یوسف صوابه لا یجزء ولا یصح حمله علی اختیار الروایة السابقة عن الإمام لمن تأمل اهـ ووجهه أنه لو اختار تلک الروایة ما صح قوله خلافا لأبی یوسف لما علمت من أنه موافق لها وفی اختصار الشارح بعض إیهام. اهـ .ح (رد المحتار ،ج۲،ص ۳۵۰،کتاب الزکاة،باب مصرف الزکاة والعشر)

ظاهر الروایة المنع مطلقا کذا فی البحر وقال فی شرح الآثار عن أبی حنیفة أن الصدقات کلها جائزة علی بنی هاشم والحرمة کانت فی عهد النبی -صلی الله علیه وسلم -لوصول خمس الخمس إلیهم فلما حصل منعهم ظلما عن ذلک بموته -صلی الله علیه وسلم -حلت لهم الصدقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......مرجوح قول پر فتویٰ یا عمل کے شبہ کا جواب

اس سلسلہ میں بعض لوگوں کی طرف سے ایک اور شبہ پیش کیا جاتا ہے، اور وہ شبہ یہ ہے کہ بنوہاشم کے لئے زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کے جواز کے قول کو بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تضعیف یا قیل وغیرہ الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، پھر اس پر ان مذاہب کے متعدد متبعین نے کیسے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ اختلاف عرف وعلت کے وجود وعدم کا ہے، جنہوں نے بنوہاشم کے لئے عدمِ جواز کی علت مالِ غنیمت کے خمس کا حاصل ہونا اور موجود دور میں اس علت کے بدل جانے اور بنوہاشم کے محتاج وضرورت مند ہونے یا اس جیسی کسی علت کا قول اور موجودہ دور میں اس کے نہ پائے جانے کا مشاہدہ کیا، انہوں نے اس کے جواز کا قول کیا، اور جنہوں نے علت ''اوساخ الناس'' کو سمجھا، یا ان کے مشاہدہ میں بنوہاشم کا محتاج وضرورت مند ہونا اور ان کے لئے مالِ غنیمت کے خمس یا بیت المال سے ضرورت پوری نہ ہونا نہیں آیا، انہوں نے عدمِ جواز کا قول کیا، اور اس قسم کے مجتہد فیہ مسائل کے متعلق فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کسی شخص میں اجتہادی شان پائی جاتی ہو، خواہ کسی مخصوص مسئلہ میں ہی کیوں نہ ہو (کیونکہ اجتہاد کا متجزی ہونا ممکن وراجح ہے) اور وہ اپنے اجتہاد کے پیشِ نظر دلائل میں غور وفکر کر کے کسی مسئلہ میں ایسے قول کو راجح سمجھے، جس کو مرجوح قرار دیا گیا ہے، یا وہ کسی دوسرے امام کے قول کو راجح سمجھے، تو اُس کو اپنے نزدیک راجح قول پر عمل کر لینا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الطحاوی وبالجواز نأخذ کذا فی شرح المجمع لابن الملک (حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۱۹۱، کتاب الزکاۃ، باب مصارف الزکاۃ)

قال الطحاوی :وعن أبی حنیفة أن الصدقات کلها جائزة علی بنی هاشم، والحرمة کانت فی عهده علیه الصلاة والسلام، لوصول خمس الخمس إلیهم، فلما سقط ذلک بموته صلی الله علیه وسلم حلت لهم الصدقة، قال :وبه نأخذ .وعن أبی حنیفة رحمه الله جواز دفع الهاشمی زکاته للهاشمی (شرح النقایة، ج۲ ص ۱۶۰، کتاب الزکاۃ)

درست ہے۔ ل

بلکہ ایسی حالت میں مجتہد کے لئے شاذ قول پر عمل وفتوے کی گنجائش بھی پائی جاتی ہے۔ ۲

ل وليس لمن يفتي بمذهب إمام أن يفتي به إلا وقد عرف دليله ووجه الاستنباط.
قال ابن القيم :لا يجوز للمقلد أن يفتي في دين الله بما هو مقلد فيه وليس على بصيرة فيه سوى أنه قول من قلده، هذا إجماع السلف وبه صرح الشافعي وأحمد وغيرهما .
وقال الجويني في شرح الرسالة :من حفظ نصوص الشافعي وأقوال الناس بأسرها غير أنه لا يعرف حقائقها ومعانيها لا يجوز له أن يجتهد ويقيس، ولا يكون من أهل الفتوى، ولو أفتى به لا يجوز، والأصح عند الحنفية أن المجتهد في المذهب من المشايخ الذين هم أصحاب الترجيح لا يلزمه الأخذ بقول الإمام على الإطلاق، بل عليه النظر في الدليل وترجيح ما رجح عنده دليله، فإن لم يكن كذلك فعليه الأخذ بأقوال أئمة المذهب بترتيب التزموه، وليس له أن يختار ما شاء .وكذا صرح الحنفية والشافعية والحنابلة بأنه ليس له أن يتخير في مسألة ذات قولين، بل عليه أن ينظر أيهما أقرب إلى الأدلة أو قواعد مذهبه فيعمل به، قال ابن عابدين :صرح بذلك ابن حجر المكي من الشافعية ونقل الإجماع عليه وسبقه إلى حكاية الإجماع فيه ابن الصلاح والباجي من المالكية، وإذا كان يعلم أن الصواب في قول غير إمامه وكان له اجتهاد فله أن يفتي بما ترجح عنده .
وليس للمفتي المقلد أن يفتي بالضعيف والمرجوح من الأقوال على ما صرح به الحنفية والمالكية والحنابلة، بل نقل الحصكفي أن العمل بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع وصرح الحنفية بأن ليس للمفتي المقلد الإفتاء بالضعيف والمرجوح حتى في حق نفسه، خلافا للمالكية الذين أجازوا له العمل بالضعيف في حق نفسه .
وحيث قلنا :إن للمقلد الإفتاء بقول المجتهد، فيجوز له ذلك سواء كان المقلد حيا أو ميتا، قال الشافعي :المذاهب لا تموت بموت أربابها .وصرح بذلك صاحب المحصول، وادعى الإجماع عليه، لأن المجتهد الذي يستنبط حكما فهو عنده حكم دائم.
وفي وجه آخر للشافعية والحنابلة :لا يجوز ذلك لأنه لو عاش فإنه كان يجدد النظر عند النازلة إما وجوبا أو استحبابا، ولعله لو جدد النظر لرجع عن قوله الأول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢، ص٣٠ مادة "فتوى")

۲ ما يتعلق بالشاذ من أحكام:
العمل أو الفتيا أو القضاء بالقول الشاذ يختلف بالنسبة للمجتهد والمقلد والعامي.
أما المجتهد :فإنه لا يجوز له التقليد في الجملة .وإنما عليه النظر في الأدلة والترجيح بينها، وسواء في ذلك العمل في حق نفسه أو في الإفتاء والقضاء .
وينظر تفصيل ذلك في :(اجتهاد -تقليد -قضاء -فتوى).
هذا بالنسبة للمجتهد المطلق، أما المجتهد في المذهب فعليه النظر والاجتهاد فيما ذهب إليه إمام المذهب وأصحابه فيعمل بما يراه أرجح أو أصح في نظره لقوة دليله، ولو كان هذا الرأي شاذا مرجوعا عنه .ومن ذلك مثلا أن للشافعي قولين، القديم والجديد، والجديد هو الصحيح وعليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بالخصوص جبکہ کوئی اختلاف عرف وعادت کی تبدیلی پر مبنی ہو، تو پھر اس میں عرف وعادت بدل جانے کے بعد سابق موقف کے برخلاف دوسرا قول اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

العمل؛ لأن القديم إذا خالفه الجديد مرجوع عنه إلا ما استثنى من القديم .وقد أفتى بعض فقهاء الشافعية بالقديم فى بعض المسائل، فلا يعتبر هذا مذهبا للشافعى وإنما يحمل على أن الذين أفتوا بالقديم أداهم اجتهادهم إليه لظهور دليله عندهم، قال أبو عمرو بن الصلاح :فيكون اختيار أحدهم للقديم فيها من قبيل اختياره مذهب غير الشافعى إذا أداه اجتهاده إليه، فإنه إن كان ذا اجتهاد اتبع اجتهاده، وإن كان اجتهادا مقيدا مشوبا بتقليد، نقل ذلك الشوب من التقليد عن ذلك الإمام، وإن أفتى بين ذلك فى فتواه، قال النووى :من هو أهل للتخريج والاجتهاد فى المذهب يلزمه اتباع ما اقتضاه الدليل فى العمل والفتيا، وأن يبين فى فتواه أن هذا رأيه وأن مذهب الشافعى كذا وهو ما نص عليه فى الجديد .

وكذلك كان أصحاب أبى حنيفة يأخذون بما قوى دليله فى نظرهم ولو كان مرجوعا عنه، قال أبو يوسف :ما قلت قولا خالفت فيه أبا حنيفة إلا قولا قد كان قاله، وروى عن زفر أنه قال :ما خالفت أبا حنيفة فى شىء إلا قد قاله ثم رجع عنه، قال ابن عابدين :فهذا إشارة إلى أنهم ما سلكوا طريق الخلاف بل قالوا ما قالوا عن اجتهاد ورأى .

وقد ذكر الشيخ عليش :أن فائدة تدوين الأئمة للأقوال التى رجع عنها إمام المذهب أنه يصح أن يذهب إليها المجتهد أو من بلغ رتبة الترجيح، وقد وجد ذلك لغير واحد من شيوخ أهل المذهب، وفعله ابن القاسم فى ثلاثة عشر موضعا من الكتاب، وتلقاه بالقبول أشهب وسحنون .

وأما المقلد لمذهب من المذاهب، فإن الأصل المتفق عليه فى الجملة أن العمل أو الإفتاء أو القضاء إنما يكون بالقول المشهور أو الراجح أو الصحيح فى المذهب دون القول الشاذ .

ذكر الشيخ عليش الخلاف بالنسبة للمقلد -وهو من لم يبلغ درجة الاجتهاد -والعامى هل يجب عليهما التزام مذهب معين أو لا؟ وهل يجوز الخروج منه أو لا؟ وهل يجوز له أن يقلد المفضول أو يجب عليه البحث عن الأرجح علما؟ قال الشيخ عليش بعد ذلك :إذا عرفت هذا استبان لك أن خروج المقلد من العمل بالمشهور إلى العمل بالشاذ الذى فيه رخصة من غير تتبع للرخص صحيح عند كل من قال بعدم لزوم تقليد أرجح .

وللفقهاء تفصيلات فى ذلك، ينظر مصطلح (اجتهاد وتقليد).

وقال ابن أبى زيد لا يصح تخيير المقلد بل يتعين القول الراجح، فإن تأهل للترجيح وجب الأرجح برجحان القائل، بناء على أن المصيب فى الاجتهاديات واحد، وأن تقليد المفضول مع وجود الفاضل ممنوع وهذا القول تعضده القواعد الأصولية، وعليه بنى حجة الإسلام الغزالى والإمام المازرى، وهذا هو الحق والتحقيق، ومن سلك سبيلا غير ذلك فى القضاء والفتيا، فقد اتبع هواه وهلك فى بنيات الطريق، فالعمل بالراجح متعين عند كل عالم متمكن، وإذا اطلع المقلد على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ اگر پہلے دور کے فقہاء بھی موجودہ عرف ورواج کا مشاہدہ کرتے، تو وہ بھی یہی رائے قائم کرتے، اور فقہی مسائل میں اس طرح کے بے شمار نظائر موجود ہیں، واللہ اعلم۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خلاف فی مسألة تخصه وفيها قول راجح بشهرة أو عمل، أو غيرهما تعين عليه العمل على الراجح ولا يفتى بغيره إلا لضرورة فادحة والتزام مفسدة واضحة .

وقال أبو إسحاق الشاطبی :المقلد أو المفتی لا يحل له أن يفتی إلا بالمشهور .

وقال أبو الفضل قاسم العقبانی :إن حكم القاضی بالشاذ ينظر فی الحكم الذی عدل به عن المشهور إلى الشاذ، فإن حكم به لمظنة أنه المشهور نقض حكمه، وإن حكم به مع العلم بأنه الشاذ إلا أنه ترجح عنده فإن كان من أهل النظر ممن يدرك الراجح والمرجوح مضى حكمه، وإن لم يكن من العلم بهذه المنزلة زجر عن موافقة مثل هذا، أی ولم يمض حكمه.

وقد كان المازری -وهو فی طبقة المجتهدين -لا يخرج عن الفتوى بالمشهور ولا يرضى حمل الناس على خلافه -لكنه أفتى مرة بالشاذ وذلك فی رواية الداودی عن مالك مع اعترافه بضعفها وشذوذها فی مسألة استحقاق الأرض من يد الغاصب بعد الزراعة وخروج الإبان، وخالف المعهود من عادته من الوقوف مع المشهور وما عليه الجماعة والجمهور للتشديد على الظلمة والمتعدين من أهل البغی والفساد، وهو مألوف فی الشرع وقواعد المذهب .

وقال السبكی :إذا كان للحاكم أهلية الترجيح ورجح قولا منقولا بدليل جيد، جاز ونفذ حكمه وإن كان مرجوحا عند أكثر الأصحاب ما لم يخرج عن مذهبه، وليس له أن يحكم بالشاذ الغريب فی مذهبه -أی على أنه من المذهب -وإن ترجح عنده، لأنه كالخارج عن مذهبه، فلو حكم بقول خارج عن مذهبه، وقد ظهر له رجحانه، فإن لم يشرط عليه الإمام فی التولية التزام مذهب جاز، وإن شرط عليه باللفظ أو العرف لم يصح؛ لأن التولية لم تشمله .

وقال الحنابلة :لا يجوز لمن انتسب لمذهب إمام معين أن يتخير فی مسألة ذات قولين لإمامه أو وجهين لأحد من أصحابه فيفتی أو يحكم بحسب ما يختاره منهما، بل عليه أن ينظر أيهما أقرب من الأدلة أو قواعد مذهبه فيعمل به لقوته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۳۵۸تا ص ۳۶۱، حرف الشين مادة "شذوذ")

۱ قد تقتضی مصالح الناس وحوائجهم الأخذ بالعادات والأعراف .لكن المقصود هو العرف الصحيح، وهو ما تعارفه الناس دون أن يحرم حلالا أو يحل حراما .ولذلك يقول الفقهاء :الثابت بالعرف كالثابت بالنص .ومن القواعد الفقهية :العادة محكمة، أی معمول بها شرعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۶، ص ۲۶۱،مادة "حاجة")

العرف .والمختار فی تعريفه أنه ما استقر فی النفوس من جهة العقول، وتلقته الطباع السليمة بالقبول . وهو دليل كاشف إذا لم يوجد نص ولا إجماع على اعتباره أو إلغائه، كالاستئجار بعوض مجهول لا يفضی إلى النزاع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱، ص ۱۳۰، ۱۳۱،مادة "اباحة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ

مذکورہ دلائل اور تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ عام حالات میں ہاشمی نسب کے لوگوں کو زکاۃ دینے سے پرہیز کرنا چاہئے، اوران کی ضروریات عطیات یا نفلی صدقات وغیرہ سے پوری کرنی چاہئیں، اوراس کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے، اوراگر زکاۃ کے مال کا غیر ہاشمی غریب مسلمان شرعی طریقہ پر مالک بن جائے، اور پھر وہ اپنی خوش دلی سے ہاشمی کو وہ مال پیش کرے، تو اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں، جیسا کہ احادیث میں اس طرح کے مال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تناول واستعمال فرمانا مذکور ہے۔

لیکن اگر مذکورہ صورتوں پر آسانی عمل ممکن نہ ہو، اور بنو ہاشم کو مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی نہ ملتا ہو، جیسا کہ آج کل عموماً ایسا ہی ہے کہ نہ تو مالِ غنیمت کا وجود پایا جاتا اور نہ ہی بیتُ المال سے ان کے لئے باقاعدہ وظائف مقرر ہوتے، تو ایسے حالات میں ضرورت مند فقراء ومساکین ہاشمی نسب کے لوگوں کو زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کا دینا ولینا جائز ہے، ہمارے نزدیک یہی راجح وصواب ہے، اور ایسی حالت میں اسی پر فتویٰ وعمل ہونا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان ۲۶/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۵ھ 27 / اپریل/ 2014ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويعتبر جمهور الفقهاء العرف فى تعيين ما تقع عليه الإجارة من منفعة، فكيفية الاستعمال تصرف إلى العرف والعادة .والتفاوت فى هذا يسير لا يفضى إلى المنازعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ٢٦١، مادة "اجارة")

أثر العرف فى دلالة الصيغة على المقصود: للعرف أثر فى دلالة الصيغة على المراد، ومراعاة حمل الصيغة على العرف له أثر فى الأحكام الاجتهادية التى لا نص فيها والتى بنيت أساسا على الأعراف التى كانت سائدة .يقول ابن القيم :مما تتغير به الفتوى لتغير العرف والعادة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص ١٦١، مادة "صيغة")